تاریخ دکن

از حکومت ہنود تا عہد سلاطین اسلام

واقعات و حالات دولت علیہ آصفیہ تا عہد حضرت غفران مکان نواب میر محبوب علیخان طاب ثراہ

مؤلفہ

نواب اختر یار جنگ بہادر اختر مینائی و نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

جسکی

ابتدائی تصحیح نواب حبیب یار جنگ بہادر نے اور حسب الحکم آخری تصحیح و تہذیب مولانا عبد اللہ العمادی صاحب نے کی

سنہ ۱۳۴۸ ہجری

دار الطبع سرکار عالی حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ و صفیہ محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین

اہل عرب اپنی اصطلاح میں "دکن" سے منقصد و مزین و مرتب کا مفہوم مراد لیتے تھے کشور دکن کو اگر اس مفہوم کے تحت لائیں تو اسکی ملکی و ملی و معاشری تزیین و ترتیب اس مدعا کی بہترین شہادت دینے کو آمادہ ہے خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر کی تیسری جلد ملاحظہ ہو کہ مورخین عرب اس خطہ علم و ادب کے کتنے دلدادہ اور اس کے خصائص کے کس حد تک منزلت شناس تھے۔ وہ سرزمین جس کے تمدن و تہذیب نے عصر ہنود میں شمالی ہند کو مسخر کر لیا تھا وہ اسی دکن کا پرتو تھا۔ دکن سے فلسفہ کے دو بڑے مسلک جاری ہوئے جن میں ہندو دنیا آج تک دکن کا اثر ہند پر منقسم ہے۔ یعنی نویں صدی عیسوی میں شنکراچاریہ کی تعلیم اور بارھویں صدی میں رامانج کا فلسفہ۔ قسم کی سنگین عمارتوں کا طرز بھی شمالی ہند میں دکن ہی سے پھیلا۔ اور دکن ہی کے رسم و لباس و آداب و اخلاق کی نقل کشمیر تک ہونے لگی۔

دکن کی بیشتر غیر اسلامی قومیں جنہیں عرف عام نے ہندو سمجھ رکھا ہے اُس قدیم تاریخی نسل سے ہیں جو علم الاقوام کی اصطلاح میں "تورانی" مانی گئی ہے۔ اسی قوم نے ساتویں اور چوتھی صدی قبل مسیح کے درمیان دکن میں ابجد قدیم عربی حروف تہجی کو رائج کیا جس کا شرمندۂ احسان تمام ہندوستان ہے کیوں کہ یہی بنیاد تھی جس پر تعلیم و تعلم کی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ یہ حروف تہجی سامی تھے۔ اور بقول ڈاکٹر بوہلر حمیری (عربی) یا ارامی حروف سے ماخوذ تھے۔ اس کے بعد حروف ہندسی ابجد کا رواج ہوا۔ اور وہ بھی سامی رسم الخط ہی سے اثر پذیر ہے ؎۱

عصر ہنود کے بعد اسلام کا زمانہ آیا تو دکن کچھ سے کچھ ہو گیا

جس طرح علمی دنیا میں بغداد و قرطبہ کے خاص خاص اسکول تھے کہ اس زمانہ کے تمام علمائے حکمت و فلسفہ

۱؎ قدیم رسم الخط ہند۔ تالیف بوہلر۔ صفحات ۵۰۵۔

انھیں اسکولوں کے حلقۂ اثر میں تھے۔ اسی طرح عہد اسلام میں دکن کا بھی ایک علمی اسکول قائم ہو گیا جو مشرق کے بیشتر ممالک میں علم کی نور افشانی و ضیا گستری کرتا رہا۔ "سلافۃ العصر" مصر میں شائع ہوتی ہے لیکن اسکا مصنف اسی دکن اور خاص حیدرآباد دکن کا پروردہ ہے۔ حبیب السیر ایران کی تاریخ ہے مگر مؤلف اسی خاک دکن میں آسودہ ہے۔ کنز العمال تمام عرب و عجم کی مستند علیہ ہے جس کا جامع اسی ملک میں پیدا ہوا تھا، شرح ہندی، جو ملا جامی کی فوائد ضیائیہ کا ماخذ ہے اسی ملک کے ایک فاضل کی یادگار ہے ۔۔۔ یہی جس نے اُدبا میں ظہوری و ملک قمی کی پرورش کی، ۔۔۔ عالی کی آرامگاہ بنی اور تاریخ میں انسان تو کیا "فرشتہ" پیدا کیا۔ دکن کی یہ خصوصیت آج تک باقی ہے اور اب تو اس میں روز افزوں ترقی ہے کہ ہندوستان کے جس حصہ میں بھی علم و فضل کی نشر و اشاعت کا اہتمام ہے دکن ہی سے اس کی آبیاری کا انتظام ہے۔ حالی و شبلی کی علمی زندگیاں دکن ہی کی وظیفہ خوار تھیں، ندوۃ العلما و مدرسۃ العلوم و دار المصنفین و درسگاہ دیوبند کے علمی نتائج بھی اسی کی دستگیری کے رہین منت ہیں۔

پادشاہ دکن — ایسے نادرۂ روزگار ملک اور ایسی بدیع المثال ملت کا فرماں روا ایک ایسا پادشاہ خلایق پناہ ہے جو روئے زمین پر حقیقی معنوں میں ظل اللہ و خلیفۂ رسول اللہ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سایہ کسی نے نہ دیکھا تھا لیکن یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ اس پادشاہ کی بدولت ہم اپنے سر پر خدا کا سایہ دیکھ رہے ہیں، یہ وہ شہریار حق آگاہ ہے جس نے تعلیم و تعمیر و عدل و نظم و سیاست و رفاہ عام کیلئے اپنی تمام زندگی وقف کر رکھی ہے اور رعایا کی اجتماعی اصلاح کیلئے اپنے آپ کو مقدس ترین سادگی کا ایک نمونہ بنا کر دنیا کے روبرو پیش کیا ہے کیونکہ یہ اسی خلیفۂ اوّل کا خلف اعظم ہے جس کا "پاسِ عزت بر افلاک و روئے اخلاص بر خاک" مشہور ہے۔

یہ کتاب اسی ملک اور اسی پادشاہ کے خاندان کی تاریخ ہے، اس کے دو حصے ہیں، پہلے حصہ میں عصر ہند و عہد اسلام سے لیکر حضرت غفران مکان تک کی تاریخ ہے۔ دوسرا حصہ زمانۂ حاضرہ سے متعلق ہے اور یہی اصلی چیز ہے، اجازت ملی اور یہ دوسری قسط بھی آپ کے سامنے آئی۔

وباللہ التوفیق

جغرافیہ

ملک دکن کی عام قدرتی حالت

قدیم زمانہ سے ملک ہند دو حصوں میں منقسم ہے۔ اس ملک کے برہمن جغرافی ایک حصہ کو اُتر کھنڈ اور دوسرے کو دکھن کھنڈ کہتے تھے یہ تقسیم کچھ فرضی اور خیالی نہیں۔ بلکہ اصلی اور قدرتی ہے۔ کیونکہ فطری طور پر بندھیاچل پہاڑ اور دریائے نربدا اور مہاندی نے ہندوستان کو انہیں دو قدرتی حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ بندھیاچل پہاڑ کا سلسلہ تقریباً شرقاً و غرباً واقع ہے اور دریاے نربدا امرکنٹک کی جھیل سے نکلکر اور اس پہاڑ کے متوازی بہکر خلیج کھمبے میں گرتا ہے اور دریاے مہاندی اسی جھیل سے نکلکر پہلے تو جنوب کیطرف پھر مشرق کی سمت بہکر جگناتھ کے متصل سمندر میں گرتا ہے۔ یہ تینوں قدرتی حدود فاصل ملک دکن کو شمالی ہندوستان سے جدا کرتے ہیں اگر ہندوستان کے نقشے میں خلیج کھمبے سے ہوگلی تک ایک منحنی خط کھینچا جائے تو وہ ان قدرتی ارضی حدود کو اچھی طرح ظاہر کردیگا۔ اور وہی دکن کے مثلث کی بنیاد یعنے قاعدہ ہوگا۔

دریاے مہاندی کے دہانے سے جہاں وہ جگناتھ سے کسی قدر فاصلہ پر شرقی سمندر میں گرتا ہے نربدا کے دہانے تک جو کھمبے کے متصل ہے اگر ایک سیدھی لکیر کھینچی جائے تو اُس کا طول تقریباً (۸۰۰) میل ہوگا جو اصل مثلث دکن کے قاعدے یا حد شمالی کا طول ہے۔

اگر دریائے نربدا کے دہانے سے راس کماری تک ایک خط کھینچا جائے تو اُس کا فاصلہ نوسو (۹۰۰) میل ہوگا اور یہی خط مثلث دکن کی غربی سمت کو ظاہر کرے گا جو دراصل غربی سمندر کا کنارہ ہے۔ اور اگر راس کماری سے مہاندی کے دہانے تک ایک خط کھینچا جائے تو وہ اس مثلث کی شرقی سمت ہوگی جس کا طول نوسو بیس (۹۲۰) میل ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ملکِ دکن بشکل مثلث واقع ہے جس کا قاعدہ تو دریائے نربدا مہاندی اور کوہ بندھیاچل ہے اور شرقی سمت جو راس کماری سے مہاندی کے دہانے تک چلی گئی ہے مشرقی گھاٹ یا کارومنڈل کوسٹ سے نامزد ہے اور اس کی غربی جانب جس کو مغربی گھاٹ یا مالابار کوسٹ کہتے ہیں راس کماری سے نربدا کے دہانے تک واقع ہے۔ اس مثلث کا کل رقبہ پانچ لاکھ ایکہزار (۵۰۱۰۰۰) مربع میل ہے۔ اگر اس مثلث کی چوٹی سے جو راس کماری ہے ایک خط مستقیم اُس کے قاعدہ تک کھینچا جائے تو اس خط کا طول تقریباً ایکہزار میل ہوگا۔

کُل ہندوستان کا رقبہ ارضی بارہ لاکھ بیالیس ہزار سات سو پچاس (۱۲۴۲۷۵۰) میل مربع ہے۔ اس میں سے دکن کا رقبہ ارضی منہا کر دیا جائے تو شمالی ہندوستان کا رقبہ سات لاکھ اکتالیس ہزار سات سو پچاس میل مربع باقی رہتا ہے۔ اس سے واضح ہو کہ ملک دکن اور شمالی ہندوستان میں پانچ اور سات کی نسبت ہے جو کچھ زیادہ فرق نہیں رکھتی۔

دکن کی زمین ہموار اور مسطح نہیں بلکہ پہاڑیوں کی وجہ سے پست اور بلند ہے۔ اس کے شمال میں بندھیاچل پہاڑ ہے جس کی انتہائی بلندی دریائے نربدا کی سطح سے تقریباً دوہزار (۲۰۰۰) فٹ ہے۔ دریائے نربدا کے بعد جنوب کی طرف پھر زمین بتدریج اونچی ہو کر ایک متوسط درجہ کی پہاڑیوں کا سلسلہ پیدا کرتی ہے اور اُس بلندی کے بعد پھر نشیب واقع ہے جس میں دریائے تاپتی بہکر خلیج کھمبے میں گرتا ہے۔ نربدا کی طرح یہ دریا بھی ہندِ دکن کے دوسرے دریاؤں اور ندیوں کے خلاف شرق سے غرب کی طرف بہتا ہے۔ دریائے تاپتی تھوڑے ہی فاصلہ کے بعد پھر زمین بلند ہونی شروع ہوئی ہے اور یہ بلندی اس کا رُخ

چلی گئی ہی اسی لئے دکن کی زمین ایک ناہموار چبوترے کی شکل کو ظاہر کرتی ہی جسے انگریزی زبان میں دکن "پلیٹو" کہتے ہیں۔

مثلث زمین دکن کی بلندی جو ایک چبوترے کی شکل واقع ہی چاروں طرف سے یکساں اونچی نہیں وہ مغرب سے مشرق کی طرف ڈھالواں ہی۔ کیونکہ سواحل مالابار کی اوسط بلندی چار ہزار (۴۰۰۰) اور سواحل کارومنڈل کی اوسط اونچائی ایک ہزار پانسو (۱۵۰۰) فٹ ہی اور مشرقی گھاٹ بہ نسبت مغربی گھاٹ کے زیادہ تر پست اور کسی قدر غیر مسلسل ہے۔ مالابار کی بلندی اور کارومنڈل کی پستی سے ایک ایسا ڈھلاؤ پیدا ہوتا ہی جس سے دکن کے تمام دریا غرب سے شرق کی جانب بہتے ہیں اور ان میں سے اکثر خلیج بنگالہ میں جاگرتے ہیں۔ اس ڈھلاؤ کا سب سے اونچا حصہ میسور ہے جو دکن کے جنوبی غربی گوشے میں واقع ہی پھر ریاست میسور سے یہ بلندی بجانب شرق سُرعت کے ساتھ کم ہوکر سیلم کے میدانوں میں ختم ہوتی ہی اور شمال کی طرف بتدریج گھٹتے گھٹتے تاپتی کے میدان میں جاکر ملجاتی ہی۔

اگر ہم سواحل ملیبار کی اونچی چوٹیوں پر کھڑے ہوکر ایک سرسری نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ غربی گھاٹ کی ناہموار پہاڑیوں کے بعد ہی ایک ایسی اونچی نیچی زمین بشکل مثلث واقع ہی جو وسعت میں تقریباً دس درجہ سے کم نہیں مگر اس کے اندرونی حصے بلند پہاڑوں کی وجہ سے کچھ اس طرح علیحدہ ہیں کہ اُن میں سے ہر ایک حصہ ایک جدا دنیا خیال کیا جاسکتا ہے اور فی الواقع انگریزی حکومت سے پہلے سواحل ملیبار اور خاص دکن کے شہروں میں بہت ہی کم آمدورفت پائی جاتی تھی۔ مغربی گھاٹ کے بلند مقاموں پر ڈاکوؤں اور رہزنوں کے سرداروں نے اپنے مستحکم قلعے بنا رکھے تھے جنہیں وہ درگ کہتے تھے اُن قلعوں سے اُتر کر وہ اکثر دکن کے باشندوں کو تہ تیغ بے دریغ کیا کرتے تھے۔ اور ان کے گھروں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتے تھے۔ مگر مشرقی گھاٹ کے باشندوں کا حال یہ نہ تھا وہ اپنی طرز زندگی میں اُن کے خلاف تھے۔ کیونکہ سواحل کارومنڈل کی پستی و شکستگی

اُن کی خوشحالی اور تہذیب و تمدن کا اصلی سبب تھی۔ تنجور اور کرناٹک کے زرخیزہ میدانوں نے انہیں سلیم الطبع اور آسودہ حال بنادیا تھا۔ اور قدرتی آسانیوں کی وجہ سے دوسرے ملک کے تاجروں اور صناعوں کو یہاں بسنے اور کاروبار تمدن چلانے کی ترغیب ہوئی تھی چنانچہ عیسوی صدی کے آغاز ہی میں اس پست و شکستہ سواحل کارومنڈل پر قصبے اور شہر آباد ہونے لگے تھے۔

اس مثلث دکن کی شمالی جانب ملک محروسہ سرکار نظام حیدرآباد دکن واقع ہے جس کی طبعی شکل کسی قدر مربع نما ہے۔ اس کا عرض البلد ۱۵ درجہ ۱۰ دقیقہ سے ۲۱ درجہ ۵۰ دقیقہ تک بجانب شمال اور طول البلد ۷۴ درجہ ۵۴ دقیقہ سے ۸۱ درجہ ۳۵ دقیقہ تک بجانب شرق ہے۔

اس کے شمال میں اضلاع خاندیس اور صوبہ مفوضہ برار۔

جنوب میں دریائے تنگبھدرا اور کرشنا شرق میں دریائے وردھا اور گوداوری اور مغرب میں اضلاع دھارواڑ۔ کلادگی۔ شولاپور اور احمد نگر واقع ہیں۔

اس زمانہ میں ممالک محروسہ سرکار نظام کا رقبہ ارضی جس میں مفوضہ صوبہ برار شامل نہیں صرف بیاسی ہزار چھ سو اٹھانوے (۸۲۶۹۸) میل مربع ہے۔

مورخ آورمی اپنی تاریخ ہندوستان میں لکھتا ہے کہ "نواب مغفرت مآب (آصفجاہ اول) کی حکومت برہانپور سے راس کماری تک اور شرق میں شرقی سمندر کے کنارے تک قائم ہو" مگر مسٹر ایچ۔ جی۔ برگ کے بیان سے واضح ہے کہ اُس عہد میں ممالک سرکار نظام کا طول نربدا سے ترچناپلی تک اور عرض مچھلی پٹن سے بیجاپور تک تھا بہر حال ظاہر ہے کہ پچھلی دو صدیوں میں سرکار نظام کی حکومت کا دائرہ پہلے کی نسبت بہت گھٹ گیا ہے۔

ملک محروسہ سرکار عالی جس کا عام ارتفاع سمندر کی سطح سے تقریباً ۱۲۰۰ فٹ ہے اور جس کی بعض مرتفع پہاڑیوں کی چوٹیاں تقریباً دو ہزار پانسو (۲۵۰۰) فٹ تک بلند ہیں

طبعی طور پر دو بڑے حصوں میں منقسم ہے۔ یہ تقسیم باعتبار طبقات الارض (جیالوجی) اور بحیثیت امور سیاست (پولیٹکل) و قومیت بالکل قدرتی اور طبعی کہی جاسکتی ہے۔ شمالی اور غربی حصہ ملک بہ نسبت جنوبی و شرقی حصہ کے زیادہ خوش منظر۔ زیادہ زرخیز اور زیادہ شاداب ہے۔ اس کے سرسبز میدان جن میں جا بجا سیاہ چٹانیں حسینان حبش کی طرح کھڑی ہوئی اپنا نکھرا ہوا جوبن دکھاتی ہیں دیکھنے والے کی آنکھوں کے سامنے ایک عجیب دلفریب نظارہ پیش کرتے ہیں اور اسکی مخروطی اور چکنی سیاہی مائل پہاڑیاں بالاخانہ کی سیڑھیوں کی طرح دور سے بتدریج بلند ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ جنوبی و شرقی ملک کا نظارہ بھی اپنی خاص حیثیت سے خالی از دلچسپی نہیں۔ اسکی وہ اونچی اونچی پہاڑیاں قابل دید ہیں جن کے بڑے بڑے پتھر ایک دوسرے پر اسطرح چنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا کسی دیوزاد نے انہیں بالارادہ تلے اوپر رکھدیا ہے اگر ہندوؤں کی پرانی کہانیوں کو سچ مانا جائے تو یہ خیال نازیبانہ ہوگا کہ ہنومان جی نے لنکا کا پل بنانے کیلئے جن پتھروں کو لاکر دکن میں چنا تھا وہ یہی پہاڑیاں ہیں جو آجتک رامائن کی لڑائیوں کی یادگار ہیں۔ ان جنوبی پہاڑیوں کے پتھروں کا رنگ کسیقدر سرخی مائل ہے۔ یہ تقسیم تو باعتبار جیالوجی کے تھی جس کو زیادہ طول دینا ہمارے مقصود سے خارج ہے۔

دریاؤں کے اعتبار سے بھی ممالک محروسہ سرکار عالی دو حصوں میں منقسم ہے اور دریائے گوداوری اور مانجرا نے دو مختلف زبان والی قوموں اور دو مختلف پیداوار زمینوں کو جدا کردیا ہے۔ اور وہ اقوام مرہٹہ اور تلنگوں اور کنڑوں کے درمیان میں حد فاصل ہے۔ اس حصہ ملک کی زمین میں جس کو ہم مرہٹواڑی کہتے ہیں اور جس میں سیاہی مائل چٹانوں کی پہاڑیاں پائی جاتی ہیں گیہوں اور کپاس بکثرت پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی زمین میں جو سیاہی مائل ہے پانی جذب کرنے کی قوت زیادہ ہے اور اسی وجہ سے اس حصہ ملک میں زیادہ سرسبزی اور شادابی نظر آتی ہے۔ برخلاف اس کے اضلاع

تلنگانہ میں جہاں کی مٹی سرخی مائل پتھروں کے ذرّوں سے مرکب ہے جس میں پانی کے جذب کرنے کی بہت ہی کم قوت پائی جاتی ہے زیادہ خشکی ہے مگر شالی ترا۔ وغیرہ اناج اس میں بہت افراط سے پیدا ہوتے ہیں جنھیں تالابوں جھیلوں اور کنوؤں سے پانی دیا جاتا ہے علاوہ ازیں سرخی مائل پتھروں میں نباتات کے اُگانے کی بھی بہت بڑی قوت ہے اور اسی وجہ سے اکثر گنجان جنگل اور جھاڑیاں اسی حصّہ ملک میں پائی جاتی ہیں جہاں گوداوری وارد ہا۔ کرشنا وغیرہ دریا اور ندیاں جاری ہیں۔

ممالک محروسہ سرکار عالی زیادہ تر ایک پہاڑی ملک ہے جسمیں باوجود شمالی شرقی میدانوں کے جو اضلاع مرہٹواڑی میں پائے جاتے ہیں پہاڑیوں کی بہتات ہے عموماً اس سرزمین کے پہاڑوں کی ساخت آتشی ہے یعنے قدرت نے انہیں آگ کے ذریعہ سے پیدا کیا ہے۔ جب زمین کی قوت حرارت سے اندرونی مواد ارض پگھلکر کوہ آتش فشاں کے ذریعہ سے باہر آتا ہے اور وہ بشکل لاوا کے پانی کیطرح بہکر چاروں طرف پھیلتا اور ٹھنڈا ہوتا ہے تو اسی قسم کے پہاڑ پیدا ہوتے ہیں جو ممالک سرکار عالی میں پائے جاتے ہیں ان پہاڑوں کے وجود سے صاف ظاہر ہے کہ کبھی یہ ملک بھی شمالی اور جنوبی امریکہ اور جزیرہ سوماٹرا اور جاوہ کی طرح زلزلوں اور کوہ ہائے آتش فشاں کا دنگل رہ چکا ہے جنکے دھانے پاکر یٹر اگرچہ اس زمانہ میں پائے نہیں جاتے پھر بھی کبھی کبھی کہیں ظاہر ہو جاتے ہیں جیسا کہ سنا جاتا ہے کہ کبھی میر عالم کے تالاب کا پانی ایک سوراخ ارضی میں سمانا شروع ہو گیا تھا مگر اس کے منہ کو بند کر دینے سے پانی زمین میں جانے سے روک لیا گیا تھا اور ایک کوہ آتش فشاں کا دہانہ اب بھی موضع لونار میں موجود ہے جسکی نسبت بعض اہل معادن کو شک ہے۔

گو ممالک محروسہ سرکار عالی میں آتشی ساخت کے پہاڑوں کی کثرت ہے تاہم شاہ آباد میں آبی ساخت کے پتھروں کی کان بھی پائی جاتی ہے جس سے بخوبی ثابت

ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں اس ملک پر سمندر موجیں مارتا تھا۔ سنگریزی سے جو کوئلہ نکالا جاتا ہے وہ بھی اس قیاس کا موئد ہے۔ کیونکہ سنگی کوئلہ اور شاہ آبادی پتھر پانی ہی کے ذریعے تیار ہوتے ہیں۔ ہمارے اس قیاس کی تائید مسٹر ہیسن اور دوسرے حکمائے طبعیات کے قول سے ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں سمندر کی موجیں دکن کے پہاڑوں سے ٹکراتی تھیں۔ جواب کسی سبب سے ہٹکر دور جا پڑا ہے۔ اس رائے کا بہت بڑا قوی ثبوت یہ ہے کہ اب تک مالابار کے بعض مقامات پر سمندر پہاڑوں کا قدمبوس ہے جن کی بلندی سطح آب سے صرف چند ہی سو فٹ ہے۔

اس ملک میں جو پہاڑوں کے سلسلے موجود ہیں اُن پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کا ڈھلاو شمال و مغرب سے جنوب و شرق کی جانب واقع ہے کیونکہ اورنگ آباد کے قریب دو ہزار (۲۰۰۰) فیٹ اور رائچور کے متصل ایکہزار دوسو فیٹ اور کرنول کے قریب نوسو فیٹ کی بلندی پائی جاتی ہے۔

اس نشیب و فراز کے سمجھنے کیلئے یہاں بعض پہاڑوں کے نام لئے جاتے ہیں سلسلہ کوہ بالاگھاٹ یہ سلسلہ تعلقہ بلولی ضلع اندور سے شرقاً و غرباً شروع ہوکر اور ضلع ناندیڑ سے گزر کر ضلع بیڑ کے تعلقہ آشٹی تک پہنچتا ہے اور پھر یہاں سے نکلکر اور تعلقہ دہاراسیون اور نلدرگ میں گزر کر گلبرگہ تک آتا ہے۔ اور اسی سلسلہ کا ایک حصہ دریاے مانجرا سینا اور کاگنا کے درمیان بھی واقع ہے۔ سلسلہ بالاگھاٹ کا طول جو ممالک محروسہ سرکارعالی میں واقع ہے قریب دونسو میل کے ہے۔ سلسلہ شاہ دری پربت تعلقہ نرل ضلع اندور سے شمال و مغرب کی جانب شروع ہوکر اور ضلع پربھنی سے گزر کر اجنٹا تک پہنچتا ہے جہاں وہ کوہ اجنٹا کے نام سے موسوم ہے۔ پھر یہاں سے گزر کر وہ مغرب کی طرف ضلع خاندیس علاقہ سرکار انگریزی میں بڑھتا ہوا چلا جاتا ہے۔ اس سلسلہ کا طول جو سرکارعالی کے ملک کے اندر واقع ہے تقریباً ۲۵۰ میل ہے جسمیں سو میل کے سلسلہ کا نام اجنٹا ہے۔

جالنا کے پہاڑوں کا سلسلہ دولت آباد ضلع اورنگ آباد سے شروع ہو کر غرباً جالنا کی طرف سے گزرتا ہوا ملک برار میں پھیلا جاتا ہے۔ جسکا طول ۲۰۰ میل کے قریب ہے۔

ان سلسلوں کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے سلسلہ شمال و جنوب میں موجود ہیں اور ان کے سوا اور بھی چھوٹی بڑی پہاڑیاں ہیں جو ان تمام سلسلوں کو باہم ملاتی ہیں۔ ورنگل سے چودہ میل کے فاصلہ پر لوہے کے پہاڑوں کی دوہری قطار ہے جن کے آہن سے تمام دنیا کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اور ملک دکن بے انتہا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ بشرطیکہ ملک میں علوم و فنون کی کافی اشاعت ہو اور جا بجا حدادی کے کارخانہ بڑے پیمانہ پر قائم کئے جائیں۔ قدیم زمانہ میں ورنگل کا لوہا اصفہان تک مشہور و معروف تھا جس سے تیغ اصفہانی تیار کیجاتی تھی۔

ممالک محروسہ سرکار عالی میں جتنے پہاڑ موجود ہیں ان میں سے کسی کی بلندی بھی اتنی نہیں جو موسم گرما میں سرد ملک والوں کو نیلگری یا اوٹی کے پہاڑوں تک پہنچنے کی تکلیف سے بچائے۔ یہاں کے اونچے سے اونچے پہاڑ کی بلندی اطراف و جوانب کی زمین سے پانسو فیٹ سے زیادہ نہیں اور اوسط بلندی تو صرف ۳۰۰ فیٹ ہی۔

دریاؤں کے اعتبار سے ممالک محروسہ سرکار عالی ایک خشک ملک ہے۔ کیونکہ جتنے دریا اس ملک میں پائے جاتے ہیں ان میں سے ایک بھی کشتی رانی کے قابل نہیں وہ تو صرف اسی غرض کے لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ بارش کے پانی کو مختلف زمینوں سے بہا کر لیجائیں اور نہروں اور نالیوں کا کام دیں۔ ان میں سے گوداوری کرشنا اور تنگبھدرا بڑے دریا ہیں جو ممالک محروسہ سرکار عالی میں شمال و غرب سے جنوب و شرق کی طرف بہتے اور مشرقی سمندر میں جا کر گرتے ہیں گوداوری ہندوؤں کا ایک متبرک دریا ہے جو ملک سرکار عالی میں بجانب شمال واقع ہے اور جس کا طول تقریباً (۸۰۰) میل اور پاٹ (۷۰۰) گز سے ایک میل تک ہے۔ اس کے کنارے بعض مقامات پر چالیس فٹ بلند

ہیں جن سے ایام بارش میں عبور کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مگر گرمیوں میں انہیں مقامات
چار فیٹ سے زیادہ پانی نہیں رہتا۔ کرشنا اور تنگبھدرا دونوں دریا جنوب کیطرف
واقع ہیں۔ کرشنا کا جملہ طول (۷۰۰) میل اور پاٹ زیادہ سے زیادہ نصف میل تک
ہے۔ گوداوری کی طرح یہ دریا بھی گرمیوں میں جا بجا پایاب اور خشک ہوجاتا ہے
اور بارش میں جنوری کے مہینے تک روزانہ بڑھتا ہے۔ دریائے تنگبھدرا ریاست
سرکار عالی کے دیہات جنوبی کو مملکت سرکار عظمت مدار سے جدا کرتا اور ۷۵ میل
ممالک سرکار عالی میں بہکر علاقۂ انگریزی میں چلاجاتا ہے۔ ان تینوں دریاؤں کی
زمینیں ناہموار۔ ریتلی اور اکثر مقامات پر پتھریلی ہے اور تہ میں چٹانیں پائی جاتی ہیں۔
اور یہ تینوں دریا کشتیاں چلانے اور بحری تجارت کو ترقی دینے کے لایق نہیں کیونکہ
ان کے مستقل سرچشمے نہیں جن سے ہمیشہ پانی ان میں آتا رہے اور انہیں کشتی رانی کے
قابل بنائے۔ اگر گورنمنٹ توجہ کرے تو ان اُتھلے دریاؤں کی امداد سے بہت بڑے بڑے
تالاب اور جھیلیں کثرت سے بناسکتی ہے جو آبپاشی اور زراعت کیلئے نہایت ہی
ضروری ہیں۔ ان دریاؤں اور پہاڑیوں کے سلسلوں کی وجہ سے جو ممالک سرکار عالی
میں کثرت سے پائے جاتے ہیں آبپاشی کو بیحد ترقی دیجاسکتی ہے اگر بڑی اور چھوٹی وادیوں
یا نشیبی زمینوں میں جن کے دونوں جانب پہاڑ اور ٹیلے ہیں صرف بند یا پشتے
بنوادئے جائیں اور اس سہل طریقہ سے جس پر بالفعل عملدرآمد بھی ہے ہزاروں
چھوٹے بڑے تالاب ملک میں مہیا کردئے جائیں تو وہ تمام ملک کو ایام گرما خصوصاً
خشک سالیوں میں بخوبی سیراب کرسکتے ہیں فی الواقع سرکار نظام کے ممالک کے یہ
قدرتی سامان زراعت و زرخیزی ملک کے لئے ایسے مناسب ہیں کہ اگر اُنسے کام لیاجائے
تو عموماً تمام ملک سرکار عالی پیداوار اور معدنیات کے لحاظ سے جنت نظیر کہلانے کا
مستحق ہے۔

جھیلیں اور تالاب

ملک تلنگانہ میں جہاں سرخی مائل پتھروں کی پہاڑیاں بکثرت موجود ہیں جھیلیں اور تالاب بھی زیادہ پائیجاتے ہیں جن سے آبپاشی کا کام لیا جاتا ہے۔ اس ملک میں تالاب بنانے کا یہی عام طریقہ رائج ہے کہ دو پہاڑوں کے بیچ میں جو نیچی زمین واقع ہوتی ہے اس کے ڈھلاؤ کے طرف ایک پشتہ باندہ دیا جاتا ہے جس سے پانی بہکر جانے نہیں پاتا اور ایک ہی مقام پر کھڑا رہ جاتا ہے۔ مگر ملک مرہٹواری میں اس سہل تدبیر سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ وہاں کی کالی مٹی میں چسپیدگی نہیں۔ جو پشتہ اس مٹی سے بنایا جاتا ہے تڑک جاتا ہے اور پھر بارش میں پانی کو روک نہیں سکتا۔ ممالک محروسہ سرکار عالی میں سب سے بڑا پاکھال کا تالاب ہے جو ایک ندی کو دو پست ٹیکروں کے درمیان بند باندھکر روک لینے سے بنایا گیا ہے اس تالاب کے پشتے کا طول قریب دو ہزار (۲۰۰۰) گز کے ہے اور تالاب کا عرض چھ ہزار (۶۰۰۰) گز اور بند کے پیچھے کا رقبہ آٹھ ہزار (۸۰۰۰) گز ہے مگر جب اس تالاب میں پانی خوب آتا ہے تو تیرہ میل کا رقبہ پانی میں ڈوب جاتا ہے اور یہی تعداد اس تالاب کی وسعت کہی جاتی ہے اس کے علاوہ حیدرآباد میں حسین ساگر اور میر عالم کا تالاب بھی اپنی وسعت اور عمق کے لحاظ سے قابل ذکر ہیں جن کا مفصل بیان کسی موقع پر تفصیل کے ساتھ کیا جائیگا۔

جنگل

بخلاف مرہٹواری کے ملک تلنگانہ میں جنگل اور بڑے بڑے درختوں کی کثرت ہے اور ان میں ساگوان کے درخت جن کی لکڑی جہازوں اور عمارتوں کے کام آتی ہے نہایت ہی قیمتی ہیں۔ اس کے علاوہ شیشم۔ بیجا سال اور ایپا کے درخت بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جنکا چوبینہ مکانوں اور دوسری صنعت میں کام آتا ہے۔ ان مقامات کی آب و ہوا جہاں گنجان درختوں کے جنگل پائے جاتے ہیں آبادی کے لائق نہیں ہے کیونکہ جہاں کہیں جنگل ہوتے ہیں وہاں تری ضرور پائی جاتی ہے اور نباتات کے سڑنے سے جو زہریلی ہوائیں پیدا ہوتی ہیں ان میں بہت ہی کم انسان جی سکتے ہیں۔

عموماً ممالک محروسہ سرکار عالی کی آب و ہوا معتدل خوشگوار صحت بخش ہے یہاں گرمی آب و ہوا
اور سردی کا وہ اعتدال نظر آتا ہے جو دنیا کے اور ملکوں میں کم پایا جاتا ہے۔ صرف ماہ اپریل اور مئی میں دن کو حرارت بڑھجاتی ہے۔ مگران گرم مہینوں میں بھی راتیں خوشگوار اور غیر تکلیف دہ ہوتی ہیں۔ بارش اور جاڑے کا موسم بالکل دوسرے ملکوں کی فصل بہار کے مشابہ ہے۔ اپریل اور مئی کے مہینوں میں مقیاس الحرارت کا پارہ اوسط درجہ (۸۴) اور جاڑوں میں نومبر سے فروری تک (۹۱) درجہ رہتا ہے۔ اعتدال آب و ہوا کی وجہ سے یہاں وہ امراض کم ہوتے ہیں جو گرمی اور سردی کی زیادتی کی وجہ سے دوسرے ملکوں میں مہلک پائے جاتے ہیں۔

اس ملک میں قریب قریب سال میں دو دفعہ بارش ہوتی ہے ایک تو جاڑوں میں موسم
اور دوسرے گرمیوں میں۔ گرمیوں کے موسم میں ماہ جون سے بارش کا آغاز ہوتا ہے اور آخر اکتوبر تک ختم ہوتی ہے۔ یہ بارش اُن بخارات کا نتیجہ ہے جو بحر عربی جنوبی سے اٹھکر تیز ہواؤں کے ذریعہ سے جنہیں مون سون یا موسم کہتے ہیں ملک دکن تک پہنچتے ہیں اور تمام زمین کو سرسبز کردیتے ہیں اور جاڑوں میں جو پانی برستا ہے اُس کے ابخرات مشرقی دریا سے اکثر آیا کرتے ہیں اور یہ بارش مدراس کی بارش کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ممالک سرکار عالی کی اوسط بارش ۳۴ انچ اور کم از کم ۲۲ یا ۲۳۔ انچ بارش میں بھی فصل کے خراب ہونیکا کوئی اندیشہ نہیں۔

گرمی اور سردی۔ تری اور خشکی کے اعتبار سے حیدر آباد کے تین موسم ہو سکتے ہیں یعنی ایک گرمی جو صرف دو ہی ماہ تک رہتی ہے۔ دوسرے سردی جس کا خوشگوار وقت دسمبر اور جنوری ہے۔ تیسرے فصل بہار جو گرمیوں میں جون سے لیکر نومبر تک اور سردی میں فروری سے شروع ہوکر آخر ماہ مارچ تک ختم ہوتی ہے۔

معدن کے اعتبار سے ممالک محروسہ سرکار عالی دنیا کے مشہور و معروف معدنی ملکوں سے معدن

کچھ کم نہیں ہے۔ یہاں اکثر اقسام کے قیمتی پتھر اور نہایت ہی کار آمد دھاتیں افراط سے
پائی جاتی ہیں۔ اعلےٰ اور ادنےٰ ہر قسم کا لوہا پتھروں اور ریت کے ساتھ ملا جلا پایا جاتا ہے
ضلع ورنگل میں اس کے پہاڑ موجود ہیں اور بعض مقامات میں تو وہ پرانے طریقہ سے پتھروں کو
گلا کر نکالا بھی جاتا ہے۔ اسی لوہے سے جو ان مقاموں میں تیار کیا جاتا ہے اکثر دیسی
کار آمد اور ضروری چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ مگر اب تک ملک میں یورپ کی طرح لوہا نکالنے کا
باضابطہ کارخانہ موجود نہیں۔ سنا جاتا ہے کہ سر وقار الامرا کے زمانہ میں مسٹر عبدالحق
نے ایک کارخانہ کی اجازت چاہی تھی۔ مگر ناکام رہے۔ اگر اس ملک کے مالدار اپنے ذاتی
سرمایہ سے اس طرح کے کارخانے قائم کریں جہاں لوہے کو پتھروں سے جدا کر کے
خام آہن تیار کیا جائے تو شاید تمام ہندوستان کو غیر ملکوں سے لوہا خریدنے کی ضرورت
باقی نہ رہے گی۔ اور اہل ملک کا بھی کام نکلے گا اور آسودہ حالی ہوگی۔ لوہے کے سوا
ملک میں پتھر کے کوئلہ کی کانیں بھی بکثرت موجود ہیں جن سے غیر ملکی اشخاص فائدہ اٹھا رہے
ہیں۔ اور اسوقت سنگارینی ضلع ورنگل کی کانوں سے یورپ کی ایک کمپنی بہت کوئلہ نکال رہی
ہے۔ وندلی ضلع رائچور میں سونا بھی برآمد ہوتا ہے اور اس سے بھی غیر ملک ہی کی ایک
کمپنی روپیہ پیدا کر رہی ہے۔ ۱۸۹۶ء میں جب مدارالمہام سرکار عالی اس کان طلا کے
ملاحظہ کو تشریف لے گئے تھے۔ تو کمپنی کے ایجنٹ نے دو طلائی تختیاں جو اسی معدن
کے سونے سے بنائی گئی تھیں پیش کی تھیں۔ ان دھاتوں کے سوا سنگارینی کے معادن
سے ابرک اور سرخ کہربا بھی نکالے جاتے ہیں جو کچھ کم قیمتی نہیں ہیں۔ بعض مقاموں میں
قدیم الایام سے ہیرے کی کانیں بھی موجود ہیں اور کوہ نور ایسا مشہور و معروف ہیرا بھی یہیں سے
برآمد ہوا تھا۔ میر جملہ کے وقت میں گولکنڈے کی کان سے ہیرے نکالے جاتے تھے
جنکا ذکر سیاح ٹورنر نے اپنی کتاب میں مفصل طور پر کیا ہے۔ ہیرے اکثر ایسے پہاڑوں میں
پائے جاتے ہیں جو ہر قسم کے چھوٹے بڑے پتھروں سے ریت کی تہ کے ساتھ بنے ہوئے

ہوتے ہیں سونے ہیرے وغیرہ قیمتی دھاتوں اور جواہر کے علاوہ جن میں سے نہایت ہی مشہور و معروف کے نام ہم نے یہاں بتائے ہیں ممالک محروسہ سرکار عالی میں خشکی اور تری کے بعض جانور بھی متحجر (یعنے پتھر کے) پائے گئے ہیں۔ گھونگے مچھلیاں۔ گینڈے۔ بڑے بڑے چھپکے وغیرہ جانور جنکی مخصوص نوع اس زمانہ میں دنیا کے پردے پر موجود نہیں حجریت کی حالت میں پہاڑوں اور زمین کے اندر سے نکالے گئے ہیں جن سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ملک سرکار عالی لاکھوں برس تک ان جانوروں کی چراگاہ رہا ہے۔ مگر حیرت ہے کہ انسان کی کوئی کھوپری یا ہڈی حجریت کی حالت میں ابتک نہیں پائی گئی جس سے یہ بات واضح ہے کہ انسان کی پیدائش کا زمانہ بہت ہی پچھلا ہے۔ اس امر کو علم طبقات الارض نے بخوبی ثابت کر دیا ہے اور ملک دکن میں بھی وہی عام قاعدہ پایا جاتا ہے۔ سنگین چھریوں۔ تیروں وغیرہ آلات حرب کے جو ٹکڑے پائے گئے ہیں اُن سے نہایت قدیم باشندگان ملک دکن کی طرز معاشرت معلوم ہو سکتی ہے اور اُن سے یہ پتا چلسکتا ہے کہ یہاں کے لوگ بھی دنیا کے عام اقوام کی طرح اسی ادنٹے درجہ کی حالت میں تھے جس میں انسان نے سب سے پہلے پتھر سے کام لینا سیکھا تھا اور اُسی حالت کے لحاظ سے اُس زمانہ کا نام "اسٹون پیریڈ" یا عہد سنگین رکھا گیا ہے اس کے بعد انسان نے لوہے وغیرہ کو دریافت کر کے بتدریج ترقی کی ہے اور اس دریافت اور استعمال معدنیات کے اعتبار سے انسان کی مختلف حالتیں رہ چکی ہیں جن کا مفصل بیان علم طبقات الارض کے دیکھنے سے واضح ہوگا جو ہمارے مقصد سے خارج ہے۔

افسوس ہے کہ تمام ممالک محروسہ سرکار عالی کی پیمایش از روئے معدنیات یا طبقات ابتک عمل میں نہیں آئی۔ صرف کچھ حصہ ملک کے معادن دریافت کر لئے گئے ہیں جن سے غیر ملک کے اشخاص فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

نباتات — عام طور پر ممالک محروسہ سرکار عالی کی نباتات غربی و شرقی ممالک انگریزی اور ریاست میسور کے

مشابہہ معلوم ہوتی ہے۔ اضلاع مرہٹواری میں بڑے بڑے درختوں کی کمی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے درخت کہیں کہیں دیکھے جاتے ہیں۔ برخلاف اس کے تلنگانہ میں جنگل اور بڑے بڑے اونچے درخت پائے جاتے ہیں جسقدر گنجان اور بلند درخت یہاں موجود ہیں اسقدر شمالی ہندوستان میں شاید ہی ڈھونڈے سے ملیں۔ حیدرآباد کے قرب و جوار میں پیپل۔ گولر۔ برگد وغیرہ کے بہت ہی شاندار بلند اور گھنے درخت جابجا نظر آتے ہیں۔ بالاگھاٹ کی پہاڑیوں پر اور دریاؤں کے غاروں میں گنجان درخت بکثرت موجود ہیں اور سال میں تین چار مہینے اکثر پہاڑوں پر اور اون کے دامنوں میں سبزی نظر آتی ہے۔ مگر گرمیوں کے موسم میں وہ برہنہ اور خشک معلوم ہوتے ہیں برسات اور اوائل سرما میں کوسوں تک زمین لمبی لمبی گھاس سے ڈھک جاتی ہے وہ گھاس اپنے زمردین رنگ سے اونچی نیچی زمینوں کو خوشنما بناتی ہے اور جس کا رنگ کاٹے جانے کے بعد زردی مائل ہوتا ہے۔ یہاں کی سوکھی گھاس عام طور پر اس ملک کے گھوڑوں کو کھلائی جاتی ہے۔ خودرو درختوں میں سے شریفہ قابل ذکر ہے جو اپنے بڑے پن اور شیرینی میں بے مثل ہے۔ اس جنتی درخت کے جنگل پہاڑوں کی چٹان میں بارش کے بعد اس طرح مر کے پھر زندہ ہوتے ہیں جیسے کہ بروز قیامت مردے قبروں سے جی کر اوٹھینگے۔ یہ درخت گرمیوں میں تو سوکھ جاتے ہیں اور اونکی لکڑی جلانے کے کام میں آتی ہے۔ مگر برسات کے ختم ہوتے ہی وہ پھر شاداب اور سرسبز اور زمردیں خوشنما پھلوں سے لدے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اگرچہ ممالک محروسہ سرکارعالی کی پیمایش نباتی ابتک عمل میں نہیں آئی اور نہ حیدرآباد کا کوئی گزیٹیر نظر سے گزرا تاہم صوبہ اورنگ آباد کے گزیٹیر اور دوسرے مختلف بیانوں سے اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور آب وہوا کے لحاظ سے اس ملک میں نباتات کے اُگانے اور اُن کے نشو ونما کی بخوبی قوت موجود ہے۔ اس زرخیز زمین میں جو بغیر کسی محنت اور احتیاط کے درخت بوئے جاتے ہیں وہ

بھی موسم بارش میں خود بخود اسقدر نشو و نما پاتے ہیں کہ گویا وہ خود رو کہے جانیکے مستحق ہیں۔ بلدۂ حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے قرب و جوار اور اطراف اور اضلاع کے مستقر مقاموں میں اکثر باغات اور کہیں کہیں پبلک گارڈن (باغ عام) موجود ہیں جنہیں اہل یورپ کا مذاق باغبانی بہت ترقی کر رہا ہے۔ روشوں کی ساخت ناندوں کا رواج اور یورپ کے بے پھول پھل درختوں کا دیسی خوشبودار پر اثمار اشجار کی جگہ لینا صاف جدت مذاق کی گواہی دے رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نئی روش کے باغوں سے ملک میں ارٹسٹک بیوٹی یعنی حسن مصنوعی کا ذوق تو پیدا ہوگیا ہے مگر فائدہ کا خیال بہت ہی کم ہوگیا ہے۔ بلدے میں عموماً نوابوں امیروں بلکہ اوسط درجے کے آدمیوں کے مکانوں میں بھی انگریزی وضع کے پھلواریاں پائے جاتے ہیں جس سے گمان غالب ہے کہ یہ اعلےٰ درجہ کا مذاق جو قابل ترغیب و تحریص ہے روز بروز بڑھتا جائیگا۔ دیسی قسم کے باغوں میں ہر قسم کے میوے دار درخت پائے جاتے ہیں۔ اور اب بعض انگریزی ترکاریاں بھی بوئی جاتی ہیں۔ گوبھی۔ کرم کلاّ۔ نول کھول۔ شلجم۔ چقندر ولایتی مٹر وغیرہ مفید ترکاریوں کی کاشت کا زیادہ رواج ہے قدیم الایام سے اورنگ آباد جو کسی زمانہ میں اس ریاست کا دارالحکومت تھا اپنے باغات کے اعتبار سے مشہور و معروف ہے اسکی نارنگیاں۔ سنگترے۔ کولے۔ انگور۔ انجیر ابتک بڑائی۔ ذائقہ اور تازگی کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کے خیال کئے جاتے ہیں۔ علاوہ بریں روضۂ کنڑ۔ سلطان پور اور پدلی کے انگور بھی نہایت ہی قابل تعریف ہیں۔ ان میں سے حبشی انگور تو بڑی قیمت سے فروخت ہوتا ہے۔ ان میوؤں کے سوا ممالک محروسہ سرکارعالی میں آم کے باغات بھی پائے جاتے ہیں جن کے اقسام میں مالوہ۔ دل پسند۔ گو ابندر ذائقہ میں بمبئی اور مدراس کے آموں سے کچھ کم نہیں اس ملک میں دیسی پھولوں کے درختوں کی کثرت ہے۔ خود رو کیوڑے اور گلاب کے درخت بھی کہیں کہیں کثرت سے دیکھے جاتے ہیں اور

چنبیلی اور موگرے کے پھولوں کا بھی ملک میں بہت رواج ہے ۔ جیسے چنبیلی اور دوسرے سفید پھولوں کے گھنے اور بڑے بڑے ہار شاہی تقریبوں اور خصوصاً شادی بیاہ وغیرہ کی رسموں میں بکثرت تقسیم کیے جاتے ہیں ۔ مگر اب تھوڑے عرصے سے اہل یورپ کی تقلید سے کہیں کہیں پھولوں کے چھوٹے چھوٹے گلدستے ان خوشنما ہاروں پر ترجیح پانے لگے ہیں اور افسوس کے ساتھ اس موقعہ پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ہاروں کی تقسیم کا رواج جس سے ملک میں دیسی پھولوں کی کاشت قایم تھی ترقی کے عوض تنزل کرنے لگے گی اور پھول والوں کی وہ خوشبودار دکانیں جن کے پاس سے گزر جانے میں دماغ معطر ہو جاتا ہے بہت ہی کم ہو جائیں گی۔

ممالک محروسہ سرکار عالی میں چاول ۔ گیہوں ۔ جوار ۔ چنا ۔ روئی ۔ کلتھی ۔ ارہر ۔ تل ۔ باجرا ۔ کدو ۔ مکئی ۔ ر ۔ النیشکر ۔ راگی ۔ ماش ۔ مونگ ۔ مسور ۔ افیون تماکو ہلدی ۔ مرچ ارنڈی ۔ مٹر وغیرہ کی پیداوار باشندوں کی ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے اور تلنگانہ میں تو چاول اور مرہٹواڑی میں جوار کی کاشت زیادہ اور بعض تلنگانہ کے اکثر مقامات میں وہاں کی چار فصلیں کاٹی جاتی ہیں ۔ اس ریاست کے عام لوگوں کی غذا چاول اور جوار ہے ۔ مگر بیلی بہت اور کشمیر کے سے اعلے قسم کے چاول شاید ہی یہاں کہیں پائے جاتے ہوں اکثر موٹے قسم کے چاول اور زرد جوار عوام الناس کے استعمال میں ہے۔

ممالک محروسہ سرکار عالی کے حیوانات عام ہندوستان اور اکثر گرم ملکوں شلاً افریقہ ۔ عرب ۔ جزائر ملایا وغیرہ کے جانوروں کے مشابہ پائے جاتے ہیں اور جنگلوں کے غاروں میں جو مغربی گھاٹ کے متصل واقع ہیں صحرائے اعظم کے حیوانات کی وضع قطع کے جانور بھی دیکھے جاتے ہیں۔

بے صلب کے جانور (یعنی جن کے ریڑھ کی ہڈی نہیں ہوتی) قریب قریب ہر قسم کے

یہاں موجود ہے جن میں ایک رشتہ یا نارو ہے۔ جو اکثر گدلا پانی پینے سے انسان اور حیوانوں کے اجسام میں داخل ہو جاتا ہے اور وہاں پرورش پاکر ایک نہایت ہی تکلیف دہ مرض پیدا کرتا ہے۔ بلدہ حیدرآباد میں جب تک پانی کے نل جاری نہیں ہوئے تھے نارو کی بیماری عام تھی۔ مگر جب سے لوگوں کو صاف پانی پینے کیلئے ملا ہے اسوقت سے یہ مرض قریب قریب مفقود پایا جاتا ہے۔ ہاں اُن آبادیوں میں جہاں نل جاری نہیں ہوئے لوگ اس درد انگیز بیماری میں اب بھی اکثر مبتلا ہوتے ہیں۔ چھوٹی اور بڑی ہر قسم کی جونکیں تالابوں اور جھیلوں میں پائی جاتی ہیں اور اُن میں سے ایک قسم کی جونک خون نکالنے کے لئے اسپتالوں میں استعمال کیجاتی ہے اس ملک کی مکڑیاں اور اور کیکڑے عرب اور مصر کی مکڑیوں اور کیکڑوں سے بہت مشابہت رکھتے ہیں اور بیر بہوٹیاں بھی آغاز بارش میں پائی جاتی ہیں۔ بڑے بڑے کالے اور لال بچھو جنھیں عقرب جرّارہ کہتے ہیں اور جر مندل جو سخت زہریلے ہوتے ہیں اکثر چٹانوں اور میدانوں میں موجود ہیں اور چھوٹی قسم کے بچھو جنکی آغاز بارش میں کثرت ہوتی ہے اکثر گھروں میں ملتے ہیں اور اُن سے لوگونکو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے بچھو کے کاٹنے سے آدمی ایک شبانہ روز درد اور جلن سے تڑپتا رہتا ہے۔ مچھر اور کھٹمل کی بھی بہتات ہے شہد کی مکھیاں جنکے بڑے بڑے چھتے اونچے درختوں اور بلند چٹانوں پر اکثر اضلاع کے جنگلوں میں پائے جاتے ہیں جا بجا اس ملک میں بکثرت ہیں اور یہاں کی پیداوار میں شہد ایک قابل تعریف چیز ہے۔ الورا۔ اجنٹا۔ اور قلعۂ دولت آباد میں شہد کے چھتوں کی کثرت ہے ریشم کے کیڑے اور لاکھ کے کیڑے بھی خاص خاص قسم کے درختوں پر دیکھے جاتے ہیں۔ مگر ابھی قابل قدر پیداوار سے یہاں کے لوگوں کو جسقدر چاہئیے اب تک فائدہ نہیں پہنچا ان حشرات الارض کے سوا ہر قسم کے گھونگھے اور مچھلیاں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں جنمیں سے بعض کی لنبائی کئی فیٹ تک ہوتی ہے۔ دل۔ مہاسیر۔ مہاسالہ وغیرہ مچھلیاں عمدہ قسم میں شمار

کیجاتی ہیں۔ دریائے گوداوری میں کہیں کہیں مگر۔ اور گھڑیال بھی دیکھے جاتے ہیں اور چٹیالوں اور ویران مقاموں میں زہریلی بس کھاریں کا وجود بھی پایا جاتا ہے۔ بعض دہاتی قومیں ایک قسم کے کچھوے بھی کھاتی ہیں۔

ممالک محروسہ سرکار عالی میں اکثر اقسام کے سانپ جن میں دہامن۔ ناگ کبرا۔ افعی۔ اژدر۔ دریای اور اشجاری سانپ بھی شریک ہیں جابجا ملتے ہیں اور ایک قسم کے خلقی اندھے سانپ بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ گرگٹ۔ اور چھپکلی کے بھی اکثر اقسام یہاں موجود ہیں۔

پرواز جانوروں میں اکثر اقسام کے آبی جانور جنکا گوشت نہایت ہی لذیذ ہوتا ہے جھیلوں۔ تالابوں۔ دریاؤں میں شکار کیئے جاتے ہیں۔

شیر۔ چیتے۔ بور بچے۔ جنگلی سور۔ سامر۔ چیتل۔ جنگلی بکری۔ نیل گائے۔ بارہ سنگا ہرن۔ چکارا۔ غزال۔ ارنا۔ بھینا۔ سگ دریای۔ مشک بلی وغیرہ بھی پہاڑوں اور جنگلوں میں پائے جاتے ہیں اور اورنگ آباد وجالنہ اور دوسرے مقامات میں جہاں کہ اکثر سرکار اور جاگیرداروں کی شکارگاہیں موجود ہیں انگریز دیسی امرا اور خوش باش شکار کھیلتے ہیں

خانگی جانوروں کے اعتبار سے بھی یہ ریاست اور ممالک ہند سے کچھ کم نہیں معلوم ہوتی اس ملک کے عام گھریلو جانور جن سے رعایا روزمرہ کثیر فائدے حاصل کرتی ہے یہ ہیں گھوڑے ٹٹو۔ گائے۔ بیل بھینس۔ بھیڑ۔ بکری۔ گدھے۔

ملک سرکار عالی کے گھوڑے جو دکنی مادہ اور عربی ترکی نسل سے ہیں۔ نہایت قابل قدر ہیں۔ مرہٹوں کے عروج کے زمانہ میں یہیں کے گھوڑوں نے ان کی فوج کثیر کو تمام ہند میں پھیلا دیا تھا اُس وقت کی گھوڑیاں میدان جنگ میں سرعت رفتار اور تیزی وچالاکی میں آج تک مشہور ومعروف ہیں۔ اس ملک کے گھوڑے بہت مضبوط اور بارکش ہوتے ہیں اور دن میں چالیس سے ساٹھ میل تک راستہ طے کرتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود اس قابل قدر دیسی پیداوار کے جسکا قیام ترقی ملک کے لئے ضرور ہے لوگ

دوسرے ملکوں کے گھوڑوں کو زیادہ قیمتیں دیکر خرید کرتے ہیں اور اس نسل میں ترقی دینے کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ دکنی ٹٹو اپنی جسامت کے اعتبار سے مضبوطی اور تیزی رفتار میں تمام دنیا کے ٹٹوؤں بلکہ گھوڑوں سے بھی بہتر معلوم ہوتے ہیں۔ اگر یہ نسل ملک سے کم ہوتے ہوتے مفقود ہو جائے گی تو واقعی اہل ملک کے دامن پر سخت شرم اور غفلت کا بدنما داغ لگے گا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر اور کابل وغیرہ کی لڑائیوں میں انہیں ٹٹوؤں سے انگریزی فوج کو باربرداری میں بہت بڑی مدد ملی تھی۔ پولو کے کھیل کے لئے بھی یہ ٹٹو بہت ہی موزوں معلوم ہوتے ہیں۔ اورنگ آباد۔ جالنا۔ پٹن۔ گانڈاپور۔ روضہ مالے گاؤں اور دیوال گاؤں کے میلوں میں جو ہفتہ وار ہوتے ہیں اچھ[illegible]
گھوڑوں اور ٹٹوؤں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔

اس ملک کی گائے عام طور پر س[illegible]
لوگ اس جانور کے دودھ کے [illegible]
دودھ پر ترجیح دیتے [illegible]
عام قیمت د[illegible]
ہوتی ہے
یہاں ا[illegible]
ملک میں
دیا جاتا
پتوں
اور بکریاں
سال بھر

ایک سو بیالیس (۱۱۱۴۱۱۴۲) ہے جن میں چھپن لاکھ تہتر ہزار چھ سو انتیس (۵۶۷۳۶۲۹)
مرد اور چوّن لاکھ سرسٹھ ہزار پانسو تیرہ (۵۴۶۷۵۱۳) عورتیں ہیں یعنی فیصدی مردوں کی
تعداد ۵۰٫۹۲ اور عورتوں کی تعداد ۴۹٫۰۸ ہے یعنی ۱٫۸۴ کی نسبت سے مردوں کی
تعداد عورتوں کی تعداد سے زیادہ ہے مردوں کی یہ زیادتی کچھ سرکار عالی ہی کے
ملک کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام ہندوستان کی آبادی میں یہ زیادتی پائی جاتی ہے
حالانکہ قاعدۂ قدرت کے لحاظ سے عورتوں کی تعداد بڑھی ہوئی چاہیے تھی جیسا کہ
انگلستان میں بڑھی ہوئی ہے۔ ہندوستان میں جو قدیم الایام سے بعض ایسے رسم و رواج
کشی۔ ستی وغیرہ پچھلی صدی تک قائم تھے انہوں نے ان کی تعداد پر بہت اثر
ت دراز تک باقی رہیگا۔ اس زمانہ میں بھی بعض اقوام کی عورتوں کا
کافی احتیاط اور علاج نہ کرتا اور اسی طرح
ب کہے جا سکتے ہیں۔
۱۳۴٫۷۲ ہے۔
ں بہت طول
کر دو

فی دس ہزار مردوں میں ۲۴۰۹۵۴ ناکتخدا، ۴۸۰۰ کتخدا اور ۲۲۰ زن مردہ ہیں اور فی دس ہزار عورتوں میں ۳۱۲۲ کنواری ۔ ۹۹۲۴ بیاہی اور ۵۰۸۵ بیوہ عورتیں ہیں یعنے فی صدی مردوں میں ۴۶ ناکتخدا۔ ۴۹ مرد کتخدا اور ۵ مرد زن مردہ اور فی صدی عورتوں میں ۳۱ بن بیاہی۔ (۵۰) بیاہی اور (۱۹) بیوہ عورتیں موجود ہیں۔ اس حساب سے بخوبی واضح ہے کہ چار منکوح مرد میں پانچ منکوحہ عورتیں ہیں جو تعداد ازدواج کے رواج کی قطعی دلیل ہے۔ اور واقعی اس ملک میں ادنےٰ اور اعلیٰ تقریباً ہر طبقہ کے مردوں میں کئی کئی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کا دستور پایا جاتا ہے اور تعجب تو اس بات پر ہے کہ باوجود تعدد ازدواج اس ملک میں بیوہ عورتوں کی تعداد مردوں کی تعداد سے چار گُنا زیادہ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس ملک میں نکاح ثانی کا رواج بہت ہی کم ہے۔ ہمیں مردم شماری کے اُن تختوں پر پورا بھروسہ نہیں ہے جن سے یہ مواد لیا گیا ہے کیونکہ اس ملک میں پردہ کی وجہ سے لوگ اپنی عورتوں کے پورے حالات ظاہر کرنے کو عیب جانتے ہیں۔

دنیا کے عام قاعدے کے بموجب مرد اور عورتوں کی عمروں میں یہاں بھی ایک خاص نسبت پائی جاتی ہے۔ پانچ سال سے بیس برس تک عورتوں کی عمر مردوں کی عمر سے زیادہ ہوتی ہے یعنی اس زمانہ میں بہ نسبت مردوں کے عورتیں زیادہ جیتی ہیں اور ۲۰ برس سے برس تک مردوں کی زندگی عورتوں کی زندگی سے زیادہ ہوتی ہے اور ۶۰ برس کے بعد عورتوں کی تعداد زیادہ پائی جاتی ہے۔ واقعات سے یہ بات بخوبی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ عورتوں میں حیات کا مادّہ زیادہ ہے جسکی واقفیت ہمیں پانچ برس کے ذکور اور اناث میں مشاہدہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس زمانہ طفولیت میں عورتیں تو کم اور مرد زیادہ ہوتے ہیں۔ جو ایک انگریزی ضرب المثل کے مطابق ہے کہ جو زیادہ قوی ہوتا ہے وہ زیادہ زمانہ کی صعوبت برداشت کرتا ہے اور اس لئے زیادہ جیتا ہے۔

تعلیم و تربیت — تعلیم و تربیت کے لحاظ سے یہ ملک اور ممالک کی بہ نسبت گھٹا ہوا ہے کیونکہ یہاں صرف فیصدی ۳۰ اشخاص ہی خواندہ پائے جاتے ہیں حالانکہ ہندوستان کے اور ممالک کا تعلیمی اوسط فیصدی چار ہے۔ یہ بات قابل افسوس ہے کہ یہاں ۸۰ مردوں میں ایک مرد خواندہ اور ۲۹ عورتوں میں ایک عورت حرف شناس ہے۔ ممالک یورپ میں ۹۴ اور ۹۵ فیصدی خواندہ اشخاص کی تعداد موجود ہے۔ اس عام جہالت کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک ہند ہر قسم کی ترقی سے بدنصیب ہے۔ اور اگر یہی لیل و نہار ہیں تو صدیوں تک ہماری حالت درست نہ ہوگی۔

زبانیں — جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ قدرتی طور سے یہ ملک باعتبار مناظر طبعی و خشکی و تری کے دو حصوں یعنی مرہٹواری اور تلنگانہ میں تقسیم ہے اور زبان کے لحاظ سے بھی اس ملک کی یہی تقسیم قائم رہتی ہے۔ مرہٹواری میں مرہٹی زبان اور تلنگانہ میں تلنگی بولی جاتی ہے اور یہی دو زبانیں اور اس کے ساتھ اردو اس ملک کی عام مادری زبانیں کہی جا سکتی ہیں۔ بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے زبان تلنگی اول۔ مرہٹی دوم اردو سوم۔ درجہ میں ہے۔ انگریزی زبان کو اس ملک میں بمقابلہ ہندوؤں کے مسلمان زیادہ سیکھتے ہیں تاہم فی ہزار ایک آدمی انگریزی خوان پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک انگریزی تعلیم نے اس ملک میں بہت ہی کم رواج پایا ہے۔ تعلیم نسوان نے بھی اس ملک میں اسوقت تک بیّن ترقی نہیں کی۔ کیونکہ ہزار ہند و خواندہ مردوں میں ۹۱ عورتیں اور ہزار مسلمان خواندہ مردوں میں ۸۷ عورتیں پائی جاتی ہیں مگر عام تعداد آبادی کے لحاظ سے ہزار آدمیوں میں ایک بھی عورت خواندہ دستیاب نہیں ہو سکتی۔ اس ملک میں فیصدی ۹۹،۸۲ اشخاص مرہٹی۔ تلنگی۔ کنڑی اور اردو زبانیں بولتے ہیں۔

پیشہ — ممالک محروسہ سرکار عالی کی رعایا اکثر زراعت پیشہ ہے۔ کیونکہ مزارعین کی تعداد فیصدی ۴۸ ہے اور ان کے بعد اہل صنعت اور اہل تجارت اور دوسرے پیشہ دروں کی

تعداد ہے جن میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں۔ اس ملک کی صنعت اور حرفت قدیم الایام کی یادگار ہے جن پر حال کی ترقی نے اپنا سایہ تک نہیں ڈالا۔ گو برادر مٹی کے کھلونے جو تنک میلوں ٹھیلوں میں فروخت ہوتے ہیں صنعت کی اس انتہائی درجہ کی حالت انحطاط پذیر تو ہی شاہد ہیں۔

مذاہب — اس ملک میں تین مذہبوں کا زیادہ رواج ہے۔ ہندوؤں کا مذہب اگرچہ اصول کے اعتبار سے بلند ہو مگر نتائج کے لحاظ سے نہایت ہی پست نظر آتا ہے۔ ذات کی تقسیم نے ادنےٰ درجہ کے ہندوؤں کو ترقی کرنے سے روک دیا ہے اور جب تک یہ روک دور نہ کیجائیگی اُسوقت تک ہندوؤں کی عام حالت ترقی پذیر نہو گی۔ مذہب اسلام جس کی سادگی اور مساوات اور باہمی سلوک اخوت تمام مذاہب پر مرجح ہے خودبخود بغیر کسی اشاعت کے ترقی کرتا جاتا ہے۔ اور جب ادنیٰ ذات کے ہندو مذہب کو چھوڑ کر وسیع دائرۂ اسلام میں قدم دھرتے ہیں تو ان پر تمدن و اخلاق و معاشرت کی ترقیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ مذہب عیسوی باوجود پادریوں کی سر توڑ کوششوں کے اسقدر ترقی نہیں کرتا جسقدر اس کی اشاعت میں محنت اور زر صرف ہوتا ہے اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ اس مذہب کے اختیار کرنے سے آدمی کی تمدنی حالت بعوض ترقی کے اور تنزل کرتی ہے دیسی عیسائیوں کو اہل یورپ سفید چمڑے والے مسیحی ایسی حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جیسے کہ برہمن نیچی ذات والوں کو دیکھنے کے عادی ہیں اس لئے اکثر عیسائی ہونے کے بعد بھی لوگ اسلام کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مگر عیسائیوں کی تعداد میں قحط وغیرہ آفت ارضی و سماوی سے کبھی کبھی ترقی ہوجاتی ہے جو قابل اعتبار نہیں۔ ان مذاہب ثلاثہ کے علاوہ پارسی وغیرہ مذاہب بھی موجود ہیں جو اپنی قلت کے اعتبار سے ناقابل ذکر ہیں۔

آثار قدیمہ — ممالک محروسہ سرکار عالی میں بعض مقامات میں آثار قدیمہ بھی پائے جاتے ہیں جن سے

اقوام ماضیہ اور زمانۂ حال کی قوموں کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ الورا ۔ اجنٹا ۔ ورنگل وغیرہ کی مشہور و معروف سنگین عمارتوں سے جو زمانہ کے تغیرات اور قوم کی جہالت و غفلت سے بہت کچھ خراب ہو چکی ہیں اسبات کا پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ کے لوگ صنعت حرفت تمدن شائستگی میں اُس عہد کے لوگوں سے بہت گھٹے ہوئے ہیں ۔ اون کے آثار اپنے بانیوں کے فضل و کمال کو ثابت کر رہے ہیں مہابھارت اور رامائن کے زمانہ کے ہندوؤں کا مقابلہ اگر اس دور کے ہندوؤں سے کیا جائے تو بخوبی ظاہر ہوگا کہ زمین اور آسمان کا فرق ہے ۔ یعنی اس زمانہ کے اہل ہند اُس قدیم زمانہ کے مقابلہ میں کچھ ہستی نہیں رکھتے ۔



فصل دوم

ہندوں کا زمانہ

ہندوستان میں آریا قوم کے آنے سے پہلے سرزمین حیدرآباد میں جو قومیں آباد تھیں اور جو لوگ ان پر حکمران تھے ان کے مفصل حالات کا پتہ لگانا تو اس زمانہ میں قریب بہ محال ہے کیونکہ زمانہ نے اُن کے نقش قدم کو بھی صفحہ ہستی سے مٹا دیا ہے کہیں کہیں پہاڑوں اور جنگلوں میں جو مٹے ہوئے نشان اس غارت گر دہر کی دست برد سے باقی رہ گئے ہیں اُن سے یہ خیال گزرتا ہے کہ سب سے قدیم زمانہ میں اس ملک میں سیدھیا یا درویدا قوم آباد تھی۔ جو ایشیا کے شمالی ملکوں سے یہاں آکر بسی تھی۔ اور اُن کا مذہب وہی معلوم ہوتا ہے جو انگلستان کے قدیم باشندوں کا مذہب خیال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ناگپور اور دکن کے دوسرے مقاموں میں جو پتھروں کے احاطے دریافت ہوئے ہیں وہ درود کے اُن احاطوں کے مشابہ ہیں جو انگلستان کے جنگلوں میں اُس زمانہ میں موجود تھے جبکہ وہاں کے باشندے وحشت کی حالت میں تھے اور حیوانات کی کھالیں پہنتے اوڑھتے تھے اور آدمیوں کے جلانے اور قربانی کرنے کو ثواب جانتے تھے۔ علاوہ بریں انگریزی مورخوں کے تحقیقات سے یہ بھی دریافت ہو چکا ہے کہ اُن کے قدیم آبا و اجداد شمالی ایشیا یا مغلستان سے آکر بسے تھے جنھیں وہ درود کہتے ہیں۔ اگر ان دو ملکوں کے اُن قدیم باشندوں کے مفصل حالات پر آیندہ روشنی پڑیگی تو غالباً اُن کے مذہب و ملت طرز معاشرت اور

اطوار روزانہ میں بہت کچھ مشابہت پائی جائیگی قوم درویدا یا سیدہیا کے جو بچے کھچے
آثار پائے گئے ہیں وہ سب کے سب دریاؤں یا جنگلوں کے وسیع کھلے ہوئے مقاموں
ہی تک محدود ہیں اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ دکن کی پہاڑیاں اور بلند زمینیں ان کی
گردش کرتے رہنے اور ایک مقام سے دوسرے مقام میں انتقال کرنے کے مناسب
تھیں۔

تورانی قوم

پچھلی تاریخی تحقیقات سے یہ بات بخوبی ثابت ہوچکی ہے کہ قدیم زمانہ میں کئی
درویدا یا تورانی قومیں کوہ ہمالیہ کی گھاٹیوں اور دریائے برہم پترا اور سندھ کی وادیوں کو
طے کرکے بتدریج ہند تک پہنچی تھیں۔ اور آریا کے آنے سے پہلے دکن میں بھی تورانی
یا سیدہیا قومیں موجود تھیں جو ہندوستان سے نکالے جانے اور نئی حکومت کے اثر کو
قبول نہ کرنے یا خود آپ دکن کی فتح کرنے کی غرض سے اس ملک میں داخل ہوئی
تھیں ناگوں کی روایتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آریا کی حکومت سے پہلے دکن
میں کولار قوم کی سلطنت قایم تھی۔ اور اس کا دار السلطنت ناگپور تھا۔ کولار ایک عام
نام ہے جونگہ۔ بھیل۔ کول وغیرہ اقوام پر شامل ہے۔ انہیں قوموں نے ان ویدبنانیوالی
قوموں کا مقابلہ نہایت ہی سختی سے کیا جو دکن میں آکر بسنا چاہتی تھیں۔ مگر آریا قوم نے
یا تو لڑ بھڑ کر یا آشتی اور صلح سے حسب موقع کام لیکر انہیں رفتہ رفتہ پسپا کردیا۔ اور
وسیع میدانوں سے پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف نکال باہر کیا۔ آریا قوم کے آنے سے
پہلے جو تورانی قوم دکن پر مسلط تھی اس کی زبان اور طرز حکومت بھی مخصوص تھی م اسکی
حکومتیں مشہور و معروف اور اس کا طرز تمدن اعلے درجہ کا تھا۔ وہ علم موسیقی میں اعلے
دستگاہ رکھتی تھی اور پرانوں سے ظاہر ہے کہ جب راون تمام دکن پر مسلط ہوا۔ تو
اس نے ڈنڈ کا کا بہت بڑا جنگل جو دریائے نربدا سے راس کماری تک واقع تھا
اس قوم کے موسیقی دانوں کے نذر کردیا۔ اور تاریخ فرشتہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ

ابتدا میں ملک تلنگ ہی سے علم موسیقی کا رواج ہندوستان میں ہوا ہے اس تورانی قوم کے ایک گروہ کی زبان تلنگی تھی جو آجتک ممالک محروسہ سرکار عالی کے ایک حصہ میں بولی جاتی ہے۔ جس کو تلنگانہ کہتے ہیں۔ تلنگانہ لفظ تھری تنگا سے مشتق ہے۔ قدیم زمانہ میں تھری لنگا اُس ملک کو کہتے تھے۔ جو تین لنگا کے درمیان واقع تھا ان میں سے ایک لنگا کا مقام تو سری سیلا پر وتیم واقع کوہ سکول دوسرے کا مقام بجانب شمال سیما چلم اور تیسرے کا مقام بسمت جنوب کتا پلی تھا جو مسلی پٹم سے ۵۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

آریا یا ایرانی قوم

محققین تواریخ کی مختلف دلیلوں سے واضح ہے کہ قوم آریا یا ایرانی تین ہزار ایک سو ایک برس قبل ولادت مسیحی کل جگ کے اوائل میں وسط ایشیا سے ہندوستان میں آئی تھی۔ اور اس آمد کے ایک ہزار سال بعد ان کی حکومت اجودھیا میں قایم ہوئی تھی۔ ایرانیوں اور تورانیوں کے مابین پہلی جو لڑائی ملک دکن میں واقع ہوئی اُس کا بیان راماین میں درج ہے جو پانسو برس قبل ولادت مسیحی لکھی گئی تھی۔ اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً (۱۴۰۰) چودہ سو برس قبل ولادت مسیحی دکن پر ایک بہت بڑے تورانی قوم کے راجہ کی حکومت تھی۔ جس کا دار الامارہ سیلون تھا۔ جب اجودھیا سے جلا وطن ہونے کے بعد رام اور اُن کی پیاری بی بی سیتا ڈنڈکا کے جنگل میں پہنچے اور کچھ مدت تک یہاں پھرتے کے بعد اُن کا قیام پنچوٹی (ناسک) میں ہوا تو رام پر ایک راکش عورت جس کا نام سُرپانکا تھا دل و جان سے عاشق ہو گئی۔ اور اُس نے سیتا کو اپنے سوتیا جلاپے سے ہلاک کرنا چاہا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سُرپانکا کی سکونت سرپآناتھ پہاڑ پر تھی جو کنہر ضلع اورنگ آباد کے قریب ہے۔ رامائن میں اُس زمانہ کے اہل دکن کو راکشس سے تعبیر کیا ہے جسکے معنے بھوت یا وحشی کے ہیں۔ اور عام قاعدہ بھی یہی ہے کہ ہمیشہ فاتح اپنے مفتوح کو پست اور ذلیل سمجھتا ہے اور

اور انہیں وحشی کے نام سے خطاب کرتا ہے۔ چنانچہ جب اہل اسلام ہندوستان پر مسلط ہوئے تو وہ مفتوح کو کافر اور بت پرست وغیرہ ناموں سے مخاطب کرتے تھے اور اس زمانہ میں بھی اہل یورپ اپنے مغلوبین کو اسیطرح کے ناموں یعنی ہاف سویلائیزڈ (نیم وحشی) بلیک مین (کالا آدمی) وغیرہ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

جب سُرپانکھا نے اپنی سوت سیتا کو مار ڈالنا چاہا تو رام کے بھائی لچھمن نے اُس کے کان اور ناک کاٹ ڈالے اور اس واقعہ پر اُس راکشس عورت کے دو بھائیوں کارا اور دوشن نے رام پر حملہ کیا۔ مگر دونوں جان سے مارے گئے۔ جب اُس کے تیسرے بھائی راون کو خبر ہوئی جسکا دارالسلطنت سیلون تھا۔ تو وہ کسی تدبیر سے رام کی بی بی سیتا کو پکڑ کرلے گیا۔ اس پر رام نے لنکا پر چڑھائی کی تیاریاں کیں اور اس حملہ میں کشکنڈہ کے راجہ سگروا نے مدد کی یہ کشکنڈہ دریائے تنگبھدرا کے کنارہ اُسی مقام پر آباد تھا جہاں اُس زمانہ میں وزیانگر (بیجانگر) کے کھنڈرا ورانا گنڈی کا چھوٹا سا راج واقع ہے۔ کشکنڈہ کو سری کنٹھ کومار نامی راجہ نے بسایا تھا اور اسی کی اولاد مدت تک اس ملک پر حکمران رہی تھی جنکی علامت شاہی یا مارک بندر کی شکل تھی۔ اسی علامت شاہی کی وجہ سے عوام ہندو یہ سمجھتے ہیں کہ رام کی امداد بندروں نے کی تھی۔ راون کی تائید سے سگروا کو اپنا آبائی ملک حاصل ہوا تھا۔ اور اُس کے زمانہ میں یہی راجہ کشکنڈہ پر حکمران تھا۔ یہ اول جنگ تھی جسمیں آریا قوم تورانی قوم یا قدیم باشندگان ملک دکن پر فتح یاب ہوئے اور اس فتح نے آریا لوگوں کیلئے بعد کی فتحیابیوں اور کامیابیوں کا دروازہ کھول دیا۔

اس لڑائی سے آٹھ سو برس کے بعد جس نے دکن میں آریا قوم کی آمد و رفت کیلئے دروازہ کھول دیا تھا ایک اور حملہ کا ذکر ہندؤں کی قدیم کتاب مہا بھارت میں ملتا ہے جو واقعات اس کتاب میں درج ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ جودشٹر کے عہد میں

ہستنا پور (دہلی) کا عظیم الشان حکمراں تہا سہا دیو کے سرکردگی میں ملک دکن پر فوج کشی کیگئی تھی۔ اور اس سپہ سالار نے سہاوری پہاڑوں اور جزیرہ نمائے دکن کے باشندوں کو مغلوب کیا تھا اور جب پنڈے جوے کی بازی ہارے اور وہ دارالسلطنت ہستنا پور سے جلا وطن کیے گئے تو وہ پھر پھرا کر اس مقام میں پہنچے جو اس زمانہ میں اورنگ آباد کا ضلع کہلاتا ہے۔ یہاں اُنہوں نے اپنی حکومت قایم کی اور دیوگڈہ کا قلعہ اور دوسری عمارتیں تعمیر کیں۔ اسکے بعد پنڈے ہی تمام ہندوستان اور دکن پر مسلط ہو گئے۔ یہ تسلط تقریباً چھہ سو برس قبل ولادت مسیح کے ہوا تہا۔ اس کے بعد آریا قوم کے لوگوں نے دکن میں آ کر بسنا شروع کیا اور مفتوح قوم کا یہ حال ہوا کہ انمیں سے جنھوں نے حکومت اور ذات پات کی سختگیری یعنی غلامی پسند کی وہ تو اپنے فاتحین کی خدمت گاری میں ذلیل و خوار رہے اور جو اس ذات پات کی غلامی کو پسند نہیں کرتے تھے وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں بھاگ گئے اور وحشیانہ حالت میں اپنی زندگی گذارنے لگے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک وہ نہایت ہی پستی میں پائے جاتے ہیں۔ ممالک محروسہ سرکار عالی میں بھیل۔ گونڈ وغیرہ وہی شایستہ تورانی قومیں ہیں جنھوں نے اپنی گردنوں کو اپنے فاتحین کے سامنے نہیں جہکایا تھا۔ اور نیلگری کے پہاڑمیں ٹوڈا قوم بھی انہیں مفتوح لوگوں میں سے ہے جن کی عزت اور حمیت نے غلامی پر علیحدگی اور گوشہ نشینی کو ترجیح دی تھی۔

پنڈوں کی حکومت کے بعد ولادت مسیح سے ۲۶۳ سال قبل مہاراجہ آسوک کی حکومت کا دایرہ دریائے گوداوری اور اس حصہ ملک دکن تک وسیع ہوا جہاں آج کل صوبہ براڑ اور اکثر شمالی غربی اور جنوبی اضلاع سرکار عالی واقع ہیں۔ اس راجہ کے زمانہ کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کلنگا یا تلنگا قوم کے لوگوں سے کئی لڑائیاں لڑی تہیں اور اوڑیسہ کے جنوبی ملک پر قبضہ کر لیا تھا۔ مگر ان لڑائیوں میں جو دشمن گرفتار ہوئے اونکو قتل نہیں کیا۔ کیونکہ مذہب بودھ کا اصل اصول ہے کہ کسی جاندار

شے کو تکلیف نہ دینا چاہئیے۔ مہاراجہ آسوک کے زمانہ میں جو دکن کی قومیں مفتوح ہوئیں اُن میں پیتر ایک قوم کا بھی ذکر ہے جو شہر پٹن کے رہنے والے تھے اور جو دریائے گوداوری کے کنارے علاقہ سرکار عالی میں اسوقت تک موجود ہے۔ اس راجہ کے مرنیکے بعد اسکا ملک اس کے بیٹوں میں تقسیم ہوا اور اوس کے خاندان کا دور حکومت سنہ ۱۹۶ قبل ولادت مسیح اختتام کو پہنچا۔

آسوک خاندان کی حکومت کے بعد ممالک دکن پر آندربھرتی یا ستکرنی خاندان کی سلطنت قایم ہوئی۔ اس خاندان کا دور تقریباً ۲۰۰ برس قبل ولادت مسیح سے آغاز ہوکر اور پہلی صدی عیسوی کے آخری زمانہ تک پہنچکر ختم ہوا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ ابتدا میں اس خاندان کے راجاؤں کا دارالامارت دہرانی کوٹ تھا۔ جو دریاے کرشنا کے دہانے پر واقع ہے۔ مگر آت سرت ساگر سے واضح ہے کہ ۲۲۵ برس قبل ولادت مسیح اس خاندان کا ایک راجہ جس کا نام ستوہان یا سالیبان تھا پیٹھن (پٹن) پر حکمران تھا۔ اور اس کا ہمعصر راجہ نند اتھا جو پٹلی پوتر پر حکومت کرتا تھا۔ نانن گھاٹ کے مقام سے جو کتبہ برآمد ہوا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آسوک کے زمانہ سے ایکسو پچاس برس بعد پٹن کے قرب وجوار میں راجہ کمار سالیبان کی حکومت قائم تھی بطلیموس نے بھی تجارت گاہوں کی فہرست میں پٹن اور تگار کے نام درج کیئے ہیں جہاں اس کے عہد میں یونانی لوگ دریا کے راستوں سے اکثر جایا کرتے تھے۔ تگار دکن کا ایک شہر تھا۔ جس پر ایک راجپوت حکمران تھا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے دو سو برس پہلے یہاں مصر کے تاجر آیا کرتے تھے اور تین سو برس قبل ولادت مسیح پٹن بھی گوداوری کے کنارہ پر ایک مشہور ومعروف شہر اور راجہ سالیبان کا پایۂ تخت تھا اُس نے اطراف وجوانب کے ملک کو فتح کرلیا تھا۔ اور سنہ ۷۵ء میں نربدا کے جنوبی ملک میں ایک سنہ رائج کیا تھا جو اسی کے نام سے مشہور ہے۔ غالباً یہ سن راجہ سالیبان کا۔

سن جلوس ہے جس سے اکثر دکن کے لوگ آج تک شمار کرتے ہیں اسی راجہ نے مہاراجہ بکرماجیت کو شکست دی تھی جس نے پنجاب اور کابل کو فتح کیا تھا۔ اور ۵۶ برس قبل ولادت مسیح اپنے نام سے سنہ سمت کو رواج دیا تھا۔ راجہ سالیبان راجپوتوں کی قوم تکشک کی نسل سے تھا اسی نے آسیر کو ایک راجپوت راجہ سے بزور حاصل کیا تھا اور اسی کی حکومت دکن کے اکثر اور مالوہ کے بعض ممالک پر قایم تھی۔ اور سمت غربی میں کوکن تک پہنچ گئی تھی۔
پلنی جو سنہ ۲۳ء اور سنہ ۷۹ء کے اندر گزرا ہے اور جس کی تاریخی معلومات کا ذریعہ اسکندر اعظم کے زمانے کے مورخین ہیں بیان کرتا ہے کہ راجہ اندر (پٹن کا راجہ) کے قبضہ میں تیس فصیل دار قصبے یا شہر موجود ہیں اور وہ میدان جنگ میں ایک لاکھ پیدل۔ دس ہزار سوار اور ایکہزار ہاتھی لاسکتا ہے پہلی صدی عیسوی کے آخر میں اندر یا ستکرنی خاندان کو زوال آیا اور اس کے آخری راجہ کو پارتھیا نسل کے راجاؤں نے جو ہندوستان سے آکر حملہ آور ہوئے تھے کوکن اور شمالی دکن کے ملکوں سے مار کر ہٹا دیا۔

ساہ خاندان

اندر بھرتیوں یا ستکرنیوں کے زوال کے بعد ساہ یا پارتھیا کے نسل کے راجاؤں کو عروج شروع ہوا۔ جو گجرات سے آکر دکن پر حملہ آور ہوئے تھے اور اُن کی حکومت ممالک دکن پر قایم ہوئی۔ اُن کا دارالامارت شہر ناسک تھا اس خاندان کا پہلا راجہ جس نے کوکن اور شمالی ممالک دکن پر حکومت کی تھی کشترپ نام رکھتا تھا۔ اور وہ راجہ تھاپن کا داماد تھا ناسک کے غاروں سے جو کتبے برآمد ہوئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس خاندان کے راجے بودھ مذہب رکھتے تھے۔ مگر انھیں برہمنوں کے ساتھ بھی تعصب نہ تھا۔ اندرتی کی پہاڑیوں سے جو نلگنڈہ سے بجانب غرب ۲۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں جو سکے برآمد ہوئے ہیں اُن سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ خاندان ساہ کے راجوں نے ستکرنی یا اندربھرتی راجاؤں کو شکست دیکر اُن کے ممالک پر قبضہ کر لیا تھا سنہ ۲۲۴ء یا سنہ ۲۵۰ء تک اس خاندان نے بڑی شان وشوکت کے ساتھ دکن میں حکومت کی۔ اگرچہ

اندر بھرتی کے ایک مشہور و معروف راجہ گوتمی پترا نے سنہ ۱۲۴ء میں اس خاندان کے ایک راجہ سے ممالک دکن لڑ بھڑ کر واپس لے لئے تھے۔ مگر پھر سنہ ۱۷۸ء میں رودھر دم راجہ نے گوتمی پترا کو شکست دیکر تمام ممالک دکن پر قبضہ کر لیا تھا۔ تیسری صدی عیسوی کے اوائل میں پھر اندر بھرتی کے راجاؤں نے حرکت مذبوحی کی اور تھوڑے دنوں کے لئے کچھ ملک اپنے مخالفین سے واپس لے لئے۔ مگر پھر وہ اپنے مقبوضات سے ہمیشہ کے لئے خارج کر دئے گئے۔ مورخ بیری پلس نے جو سنہ ۲۴۷ء میں گزرا ہے اپنی تاریخ ہند میں ان واقعات کا کچھ ذکر کیا ہے۔ الغرض ساہ خاندان کے راجوں کو بھی وہ روز زوال دیکھنا نصیب ہوا جو اُن سے پہلے اُنکے مفتوح دیکھ چکے تھے۔ اور گپتا خاندان کے راجوں نے انہیں دکن سے مار کر نکال دیا۔ کہتے ہیں کہ گجرات میں یہ خاندان سنہ ۳۱۸ء یا ۳۲۸ء تک قائم رہا۔

گپتا — ساہ خاندان کے زوال کے بعد گپتا خاندان کے عروج کی باری آئی اور انھوں نے بھی ملک دکن پر حکومت قایم کی۔ مگر اس خاندان کے تین راجاؤں کے ناموں کے سوا اور کوئی حالات ہمیں دستیاب نہیں ہوئے اور وہ یہ ہیں۔ راجہ کمار گوپت۔ راجہ اسکند گوپت راجہ بھانی گوپت۔ سنہ ۳۲۹ء میں اس خاندان کا خاتمہ والیا خاندان کے ہاتھوں سے ہوا۔

والیا — والیا خاندان کے راجہ جنہوں نے دکن پر حکومت کی اپنے آپکو رام کی نسل سے بتلاتے تھے۔ رام کی اولاد سے ایک شخص کنگ سین جو اودے پور کے راناؤں کا جدِ اعلیٰ خیال کیا جاتا ہے دوسری صدی عیسوی میں دوارکا (گجرات) میں آیا تھا۔ اور پرآمارا خاندان کے راجہ سے اس نے ملک چھینا تھا۔ اس واقعہ سے چار پشت کے بعد وجیا سین نے جو اس کی نسل سے تھا وجیا پور۔ وودربھا۔ اور والیا شہر بسائے تھے۔ وودربھا اس خطۂ زمین کا نام ہے جسکو آجکل ملک برار کہتے ہیں اور جسکی سرحد اُس زمانہ میں خاندیس سے بیدر تک تھی۔ ہیون سینگ چینی سیاح جب سنہ ۶۲۹ء میں آیا تھا۔ تو اُسوقت مغربی دکن پر والیا خاندان کا ایک راجہ دھروپت نامی حکمران تھا۔ جو مگد (قنوج) مہا راجہ کا

باج گزار تھا۔ دکن کی سرزمین پر اس خاندان کا دور حکومت سنہ ۱۱۳ء سے سنہ ۶۱۹ء تک قایم رہا۔ اور چودہ راجاؤں نے حکومت کی جنمیں سے آخری کا نام دہرواسین دہرماوت تھا۔

اجنٹا اور سیونی کے کتبوں سے دریافت ہوا ہے کہ والیا خاندان کی محکومت کے بعد وکاٹکا خاندان کو ترقی ہوئی۔ یہ خاندان یا تو والیا کا باج گزار تھا یا اوس سے کوئی اور تعلق رکھتا تھا۔ اس خاندان میں وندیا سکتی نے سنہ ۲۸۵ء سے سنہ ۳۱۰ء تک اور اُس کے بیٹے پرورا سین نے سنہ ۳۱۰ء سے سنہ ۳۴۵ء تک حکومت کی۔ اُس کے فرزند گوتمی پوترا نے بہرسیوا کے مہاراجہ بھواناگ کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ جس کے بیٹے رودرسین نے سنہ ۳۴۵ء سے سنہ ۳۵۵ء تک حکمرانی کی۔ اس کے بعد اس کے بیٹے پرتھوی سین نے مہاراجہ دیوگپتا کی لڑکی پروتی گپتا کے ساتھ بیاہ کیا۔ اور کنتلا کو فتح کرکے سنہ ۳۵۵ء سے سنہ ۴۰۰ء تک سریر حکومت پر جلوہ افروز رہا۔ کنتلا دیس اسوقت اس ملک کو کہتے تھے جس کے شمال میں دریائے نربدا جنوب میں دریائے تنگبھدرا اور غرب میں بحر عرب اور شرق میں مشرقی گھاٹ واقع تھا۔ یعنی تلنگانہ۔ مرہٹواری۔ ارکاٹ وغیرہ تمام ممالک اس میں شامل تھے۔ پرتھوی سین کے بیٹے اودہ سین دوم سنہ ۴۰۰ء سے سنہ ۴۱۰ء تک اور اُس کے بیٹے ہردرسین دوم نے سنہ ۴۱۰ء سے سنہ ۵۲۰ء تک حکومت کی اور ممالک اوانتی (اجین) کوسالہ (چت ساگر) ترکبا (کنہڑ) لاٹا (بھرائچ) وغیرہ کو فتح کیا۔ | وکاٹکا

وکاٹکا خاندان کے زوال کے بعد اہیروں کی سلطنت کا دور شروع ہوا۔ پرانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہیر مغربی شمالی ممالک ہند سے دکن میں آئے تھے اور انہوں نے دیوگڈہ سے دریائے تاپتی کے کنارے تک اپنی حکومت قایم کرلی تھی۔ انکا دارالامارہ انجتری تہا جو ترمبک سوار سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے ایک قدیم کتبہ سے دریافت ہوا ہے۔ کہ سنہ ۴۱۹ء میں ایک اہیر راجہ ورسین نایک حکمران تھا۔ اہیروں کی حکومت ایک نہایت ہی قلیل عرصہ یعنے صرف ۶۷ برس تک | اہیر

ملک دکن میں قایم رہی۔ مگر مدت دراز تک اُن کے سرداروں کے قبضہ میں دکن کے نہایت ہی مستحکم قلعے رہے جسکی وجہ سے وہ بہت زور آور خیال کئے جاتے تھے۔ آجتک حیدرآباد کی آبادی میں گولیوں کی تعداد زیادہ پائی جاتی ہے۔

چلوکیا

جب چلوکیا خاندان کا دور آیا۔ تو اُس وقت دکن میں ایک قسم کی طوائف الملوکی تھی۔ اور نیلا۔ کدمبا۔ موریا۔ کلچوری۔ گنگو اور پلوا خاندانوں یا قوموں کی حکومت مختلف حصص دکن میں قائم تھی۔ چلوکیا کے راجہ تورانی قوم کی نسل سے تھے۔ اور ان کا مذہب بودھ تھا۔ چونکہ وہ بودھ مت کے ایک گروہ کے پیرو تھے جس کا نام چیلکا تھا۔ اس لئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اسی کے نام سے ان کا خاندان بھی مشہور ہوا اور عوام میں وہ چلوکیا کہلائے جانے لگے۔ کنتلا دیس اور کرناٹا دیس پر اُن کی حکومت تھی اور انکا دارالامارہ کلیانی تھا جو علاقہ سرکار عالی میں آجکل واقع ہے۔ کنتلا میں ملک مرہٹ اور اور کرناٹا میں تلنگ شامل تھا۔ اس خاندان کا انتہای عروج چھٹی صدی عیسوی میں ہوا اور راجہ پلاکیسی سے لیکر راجہ بکرمادت تک دکن میں انکا زور شور رہا۔ راجہ پلاکیسی کی حکومت دریائے گوداوری سے سیلون تک وسیع تھی اور اس خاندان کے ایک راجہ نے قنوج کے مہاراجہ ہرشا وردہان کو بھی شکست دی تھی۔ اجنٹا کے نقش ونگار سے شیرین خسرو اور شیریں کی صورتیں بھی ہیں دریافت ہوا ہے کہ ۵۹۱ئ یا ۶۲۸ء میں راجہ پلاکیسی دوم کے پاس خسرو دوم شاہ ایران نے اپنا ایلچی بھیجا تہا۔ تاریخ طبری سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں بادشاہوں میں رشتۂ اتحاد قایم تہا ساتویں صدی عیسوی سے اس خاندان کے راجاؤں کو زوال شروع ہوا اور وہ دو شاخوں میں تقسیم ہو گئے جسکا انجام یہ ہوا کہ راٹھوریا یادو خاندان کے راجے ان پر غالب آگئے۔ اور وہ دفعتاً صفحۂ ہستی سے تو نہ مٹ سکے مگر کمزوری کی حالت میں مدت دراز تک قائم رہے۔

راٹھور خاندان جس نے ممالک دکن پر حکومت کی راجہ دنتی درگا سے آغاز

ہوتا ہے جس کی ماں چلوکیا خاندان میں سے تھی - اس زمانہ میں ان کے مقبوضہ ملک کو راشتر اکٹہ کہتے تھے - اولاً اس خاندان کا دارالحکومت شہر ناسک کے قریب تھا - مگر بعد کو منڈیا کہیٹا میں قایم ہوا جسکو بعض محققین نے آج کل کا مالکہیڈ بتلایا ہے جو علاقہ سرکار عالی میں واقع ہے - ونتی درگا کے بعد کرشن راج نے ۸۳ء میں چلوکیا خاندان سے بزور حکومت دکن چھینی اور دو سو برس تک راٹھور راجے بڑے زور شور سے دکن پر حکمران رہے اس عرصہ کے بعد چولا قوم نے دکن پر چڑہائی کی اور ان کا سردار راجندرہ چولا کچھ عرصہ تک لڑنے بھڑنے کے بعد ۱۰۱۷ء میں آگے بڑہنے سے روکدیا گیا مگر اس کے بیٹے دیوراج چولا نے اُس سے زیادہ کامیابی حاصل کی اور وہ کئی سال تک اپنے مفتوحہ اضلاع میں سکونت پذیر رہا اور بعد ازاں ۹۸۶ء میں اپنے دارالسلطنت کو واپس چلا گیا - اس کشت وخون اور بدنظمی اور انتشار میں چلوکیا خاندان کے راجہ تلپا کو موقع ہاتھ آیا - اور اس نے ۹۷۳ء میں پھر کھوئی ہوئی حکومت حاصل کی -

اگرچہ چلوکیا خاندان نے پھر دکن میں زور پکڑا - مگر انکی حکومت کے سو برس اپنے مخالفین چولا خاندان کے راجوں کے ساتھ لڑنے بھڑنے ہی میں صرف ہوئے ۱۰۷۶ء میں راجہ بکرماوت نے اس مٹے ہوئے خاندان کی عظمت وشان ازسرنو تازہ کردی - مگر اس کے بعد کے راجوں نے اپنی کمزوری سے اسکو پھر قائم نہ رکھا اور مالوہ کے راجہ رام ہرمار نے انکو پسپا کر کے تلنگانہ کو اپنا پایۂ تخت بنایا - اور پٹن کو بھی فتح کر کے ہمیشہ کے لئے چلوکیا خاندان کو منتشر کر دیا - اس پستی میں بھی چلوکیا خاندان کے ایک راجہ پرما نامی نے اپنی قوت کو ازدواجی سلسلہ سے برقرار رکہنا چاہا اور اپنی لڑکی لالا دیوی کی شادی کدمبا قوم کے ایک حکمران سے کر دی مگر اس تدبیر سے بھی اس خاندان کی بگڑتی ہوئی عمارت کو کوئی سہارا نہ پہنچا -

راجہ تلپا کے عہد حکومت میں کلچریا کی قوم کا ایک امیر بجالا نامی باغی ہوگیا

اور اُس نے کلیانی پر ۱۱۵۷ء سے ۱۱۸۲ء تک حکومت کی۔ اس کے بعد ہی چلوکیا خاندان کے ممالک دو قوموں یا خاندانوں میں منقسم ہوگئے جن میں سے ایک تو ہوسالہ بلالہ تھا جس نے جنوبی ممالک دکن پر قبضہ کر لیا۔ جو دوآرا سمندرا کے نام سے مشہور تھا اور دوسرے خاندان یدوا شمالی ممالک دکن پر قابض ہو گیا جس کا پایۂ تخت دیوگڈھ تھا۔

یدوا یا جادو

اس خاندان کا بانی بالم نامی ایک ہندو تھا جسکی نسل کا پتہ نہیں چلتا خیال کیا جاتا ہے کہ وہ یا تو ہوسالہ بلالہ خاندان کا کوئی شخص تھا یا کوئی مقامی سردار تھا جس نے اپنے دست و بازو سے نام اور نمود حاصل کی تھی۔ کلچری خاندان کے راجوں کو شکست دینے کے بعد اس نے ہوسالہ بلالہ خاندان سے لڑائیاں شروع کیں اور ۱۱۸۷ء میں دیوگڈہ میں یدوا یا جادو خاندان کی حکومت کو قایم کیا۔ جس کا خاتمہ علاؤ الدین بادشاہ ہند کے عہد میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہوا۔ ۱۱۹۱ء میں راجہ ویرا بلالہ نے بالم کو ایک لڑائی میں شکست فاش دی جو لکنڈی کے مقام واقع دھاروار پر ہوئی تھی۔ یہ وہی لڑائی ہے جسکی طرف ایک کتبہ میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ بالم نے کرناٹک پر حملہ کیا اور راجہ مہادیو جس نے ۱۱۷۶ء میں ہنمکنڈہ کا راج چھین لیا تھا اسی سن میں دیوگڈھ کے راجہ کے ساتھ لڑائی میں مارا گیا۔ اُس کے جانشین گنپتی رودرا دیو نے دیوگڈہ کے راجہ کے ساتھ سلسلۂ جنگ قائم رکھا اور آخر کامیابی حاصل کر کے یدوا خاندان کے راجہ کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنی لڑکی رودراماتا نامی کی شادی اُس کیسا تھ کر دے۔ ۱۱۹۳ء میں بالم کا انتقال ہوا۔ اُسکی مدت حکومت صرف پانچ برس تھی اُس کے جانشین راجہ جیا تنگا دیو نے ایک بہت بڑی فوج سپہ سالار سوما کے سرگردگی میں ممالک دوارہ سمندر کو فتح کرنے کیلئے بھیجی۔ مگر ویلا بلالا راجہ شمندرہ نے اس کو شکست فاش دی اور دریاے کرشنا تک اُس کا تعاقب کیا۔ ۱۲۱۰ء میں جیاتنگاہ دیو

راہی ملک عدم ہوا اور اوس کا جانشین اس کا بیٹا سمہانا ہوا۔ جیاتنگا دیو کے مرنے کے تھوڑے ہی عرصہ کے ودوارہ سمندرہ کا راجہ ویرا بلالہ بھی فوت ہوا۔ اور اس کے بعد جو لڑائیاں ان دونوں خاندان کے راجاؤں میں ہوئیں ان میں دیوگڈہ کے راجہ زیادہ کامیاب ہوئے۔ اور انہوں نے تمام مغربی دکن پر قبضہ کرلیا۔ مگر جنوب میں وہ اپنی حکومت کی سرحد دریائے کرشنا سے زیادہ بڑھا نہ سکے۔ برخلاف اس کے اپنے حدود سلطنت بندھیاچل پہاڑ اور مارواڑ کی طرف بہت کچھ وسیع کرلئے تھے۔ ۱۲۴۸ء میں کندارا راجہ سمہانا کا جانشین ہوا۔ ایک پرانے کتبے سے معلوم ہوتا ہے جو منولی سے برآمد ہوا ہے کہ اس کندارا نے مالوہ کو فتح کرلیا تھا۔ گجرات کے راجاؤں کے دلوں پر اپنے رعب وداب کا سکہ بٹھا دیا تھا۔ کودیا کے راجہ کا وہ بڑا دشمن تھا۔ اور ممالک تلنگ یا ورنگل پر اسی نے قبضہ کرلیا تھا جو وورادیو کے تحت و تصرف میں تھے۔ ۱۲۶۰ء میں اُس کا قایم مقام مہادیو ہوا اور اس کے بعد ۱۲۷۱ء میں راجہ رامچندر دیوگڈہ کے راج پر قائم ہوا۔ اہل اسلام کی تاریخوں میں یہی رام چندر رام دیو کے نام سے مشہور ہے جس کا وزیر اعظم ہماد ویتہ تھا۔ جس نے ہندو قانون یا علم شاستر کی کتابیں تصنیف کی تھیں۔ اور جس نے ممالک دکن کے اکثر مقاموں پر کنویں اور مندر تعمیر کئے تھے۔ ۱۲۹۵ء میں اسلام نے دکن میں آکر رام دیو کو شکست دی۔ مگر ۱۳۱۰ء تک مسلمانوں کے زیر حکومت اس کا راج برقرار رہا اُس کے مرنے کے بعد شنکرا اُس کا جانشین ہوا اور اُس نے سلاطین دہلی سے بغاوت کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳۱۲ء میں اسکو شکست ہوئی اور اسی لڑائی میں وہ اہل اسلام کے ہاتھوں سے مارا گیا۔

فصل سوم

مسلمانوں کا زمانہ

خلافت

حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم کے عہد مبارک میں اہل اسلام کے قدوم میمنت لزوم اول مرتبہ سرزمین دکن میں آئے اور عثمان بن عیسیٰ ثقفی حاکم بحرین وعمان نے خلیفہ کی اجازت کے بغیر چند جہاز دکن پر بھیجدئے۔ ان اسلامی جہازوں کی سپاہ نے بندر بمبئی کے قریب تھانہ میں اتر کر لوٹ مار کی۔ حضرت عمرؓ کو جو سراپا عدل و انصاف تھے حاکم بحرین کا یہ طرز عمل پسند نہ آیا وہ سخت ناراض ہوئے۔ اور ان ہاتھیوں کے نسبت جو لوٹ میں مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے یہ حکم صادر فرمایا کہ "چونکہ اس ملک میں یہ جانور کام نہیں آتے اس لئے انہیں بیچ کر جو روپیہ ملے اس کو سپاہ میں تقسیم کر دیا جائے" تاریخی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ممالک کے فتح کرنے کی خواہش نہ تھی۔ ورنہ ضرور کوئی جنگی کارروائی عمل میں آتی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے زمانہ میں بھی جو سول وار یعنی اندرونی لڑائیوں سے مملو تھا۔ حارث نے ملک سندھ پر جو دکن کے قرب وجوار میں واقع ہے حملہ کرکے بہت سی لونڈیاں غلام ملک عرب کو روانہ کئے۔ اس کے بعد بھی مسلمانوں نے کئی مرتبہ چھوٹے چھوٹے حملے اس ملک پر کئے اور لوٹ مار کر واپس چلے گئے۔

ولید کے عہد حکومت میں فتوحات نے اقصائے عالم میں اسلام کے ڈنکے بجادیے ۱؎ سراندیپ یا سیلون کے راجہ نے بھی خلیفہ سے اتحاد بڑھانے کی غرض سے ان کے

وزیر حجاج کے پاس تحائف بھیجے تھے۔ ان تحفوں میں علاوہ اور قیمتی چیزوں کے حبشی غلام بھی تھے۔ آٹھ جہازوں میں یہ تحایف لیجانے والے اشخاص اور ان مسلمانوں کے اہل و عیال سوار تھے جو اس کے ملک میں بحالت یتیمی پڑے تھے۔ راستہ میں ان جہازوں کو دیبل یا دیبول بندر (جسے اب کراچی بندر کہتے ہیں) کے قریب بحری لٹیروں نے لوٹ لیا اُسوقت یہ ملک راجہ داہیر کی عملداری میں تھا۔ جس کا دارالامارۃ آلر (سکھر بکھر) تھا جب حجاج نے ان جہازوں کو راجہ سے طلب کیا تو اُس نے کوئی معقول جواب نہ دیا اور خاموش ہو کر بیٹھ رہا۔ اس پر حجاج نے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کے زیر کمان جس کی عمر اوس وقت سترہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ چھ ہزار سپاہی دیبل بندر پر روانہ کیے۔ اگرچہ ہندوؤں نے اس حملہ کو بڑی جانفشانی سے رد کرنا چاہا۔ مگر وہ کامیاب نہوئے اور دیبل بندر مسلمانوں نے بہت جلد فتح کر لیا۔ اور راجہ داہیر کا بیٹا برہمن آباد کو بھاگ گیا۔ اس کے بعد انہوں نے نیرون کو فتح کر کے جس کو اب حیدرآباد سندھ کہتے ہیں خاص دارالحکومت آلر پر چڑھائی کی جہاں راجہ نے خود مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ ایک سخت لڑائی کے بعد مسلمانوں نے ہندوؤں کو شکست دی اور اس جنگ میں خود راجہ اور اس کی اکثر فوج ماری گئی۔ اور مسلمانوں نے تمام مغربی ہندوستان کو ملتان اور بجے پور تک فتح کر لیا۔

سلاطین دہلی

سندھ کے حملے کے بعد جو ۷۱۲ء میں ہوا تھا۔ جبکہ خاندان بنی اُمیہ دمشق میں حکمران تھا تقریباً چھ سو برس تک پھر مسلمانوں کی کوئی فوج کشی ملک دکن پر نہیں ہوئی جو اپنے ہندو راجاؤں کے تحت میں امن وامان وخوشحالی کی حالت میں تھا۔ کیونکہ ہندوؤں کے آثار قدیمہ اور مذہبی کتب وغیرہ سے جو آج تک دکن میں باقی ہیں۔ جلال الدین

بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اہل اسلام کے آنے سے پہلے اس ملک میں دولت کافی اور علم وہنر وافی تھا۔ ایلورا۔ ورنگل وغیرہ مقامات کے مندر اور تلنگانہ کے تالاب سب کے سب اس کے شاہد ہیں کہ اُسوقت کے ہندو اس زمانہ کے لوگوں سے زیادہ مہذب زیادہ متمول اور زیادہ خوشحال تھے مسلمانوں کا پہلا حملہ جو اس ملک پر ہوا۔ اور جس نے واقعی دکن میں اسلامی سلطنت کی بنیاد قایم کی وہ تھا جو سلطان جلال الدین فیروزشاہ خلجی کے دور حکومت میں بسرکردگی علاء الدین کیا گیا تھا حقیقت میں دکن پر پہلا حملہ آور شخص علاء الدین ہی تھا۔ جسنے اپنی اولوالعزمی اور یاوری قسمت سے دیوگڈھ سا مستحکم قلعہ تھوڑی ہی فوج سے فتح کیا تھا۔ علاؤالدین سلطان جلال الدین کا بھتیجا اور داماد تھا اور دکن کے حملہ کے وقت کڑے کی حکومت پر مامور تھا۔ اس نے بادشاہ سے اجازت حاصل کرکے بھیلسا پر چڑھائی کی اور اس کو فتح کرکے بہت سا مال غنیمت سلطان کی خدمت میں بھیجا اس کی خوشی میں جلال الدین نے صوبہ اودھ کی حکومت بھی اپنے بھتیجے کو عطا فرمائی۔ اس مفتوحہ مقام میں علاؤ الدین نے دیوگڈہ (دولت آباد) کی تعریف سُنی۔ اور اسکو اس مضبوط قلعہ کی فتح کا شوق دامنگیر ہوا سنہ ۱۲۹۵ء میں اس نے اپنے اس ارادہ کی بنیاد پر جس کو اس نے بڑی چالاکی سے عوام سے مخفی رکھا تھا۔ آٹھ ہزار مسلح فوج کے ساتھ کڑے سے کوچ کیا اور دفعتاً برار میں آکر ایلچپور کو فتح کرلیا۔ یہاں سے اس نے فوراً دیوگڈہ کا رخ کیا اور جسطرح باز شکار پر گرتا ہے یکبارگی اس محکم قلعہ پر ٹوٹ پڑا۔ اس سے پہلے ہندوؤں نے کبھی مسلمانوں کی جرأت وبہادری اور طرز جنگ تو دیکھی نہ تھی جنہیں وہ اُن سے بدرجہا بڑھے ہوئے تھے۔ انکو دولت تنعم عیش وعشرت اور کاہلی نے پہلے ہی سے مضمحل کررکھا تھا۔ لجورہ کی گھاٹی پر ہندوؤں اور مسلمانوں کا باہم مقابلہ ہوا تو رام دیو کی فوج جو اُسوقت دکن کا بہت بڑا سربرآوردہ راجہ تھا تاب مقاومت نہ لاسکی۔ اور شہباز کے سامنے جنگلی چڑیوں کی طرح بھاگ نکلی۔ علاؤالدین

دیوگڈھ کے قلعہ کا محاصرہ کیا جسکا ارتفاع ۶۰۰ فیٹ سے کم نہ تھا اور جو ایک بلند مخروطی پہاڑی پر نہایت ہی استحکام کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ جسکے اندر یکے بعد دیگرے تین مضبوط فصلیلیں تھیں۔ رام دیو نے ادھر تو اپنا عجز اور مسلمانوں کی بہادری دیکھکر صلح کی درخواست کی اور علاؤ الدین کو دکن کے راجاؤں کی کثرت افواج کی دھمکی دی اور ادھر بہت سے مال و دولت کو بطور نذرانہ دینیکا لالچ دلایا۔ جسپر علاؤ الدین نے زم شرائط صلح منظور کرکے محاصرہ کو اُٹھالیا۔ مگر اس اثنا میں رام دیو کا لڑکا جو اس وقت کسی مندر کی زیارت کو گیا ہوا تھا واپس آیا اور اوس نے جوانی اور بہادری کے غرور میں بہت جلد چاروں طرف سے فوجیں جمع کرکے علاؤ الدین سے لڑائی شروع کردی ہرچند اُس کے باپ رام دیو نے اسکو مسلمانوں کی جرأت وہمت جتا کر اس جاہلانہ حرکت سے روکا۔ مگر بدقسمتی سے اُس نے اپنے والد کی نصیحت پر ذرا بھی التفات نہ کیا۔ اس لڑائی میں ہندوؤں نے اپنی جانیں لڑادی تھیں۔ علاؤ الدین کے پاؤں اُکھڑنے کو تھے۔ کہ دفعتاً ملک نصرت ایکہزار فوج لیکر امداد کے لئے موجود ہوا جو شہر میں اتبک پڑی ہوئی تھی۔ اب رام دیو کی فوج کو بجز فرار کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اس فتح کے بعد علاؤ الدین نے از سرنو دیوگڈھ کا محاصرہ نہایت ہی سختی سے کیا اور راجہ کو علاؤ الدین کے حب دلخواہ شرائط صلح منظور کرنے پڑے۔ علاوہ مال غنیمت اور نذرانہ کے جس کا شمار طول تعزیہ سے خالی نہیں۔ اس لڑائی میں فاتح کو ایلچپور اور اس کے متعلق ملک بھی دیدیا گیا۔ اور راجہ نے سالانہ خراج بھیجنے کا اقرار کرلیا۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ علاؤ الدین کثیر مال غنیمت اور قلیل فوج لیکر واپس ہوا۔ اور مالوہ۔ خاندیس۔ گونڈوانہ کے راجاؤں نے جنکی حکومتیں سرراہ واقع تھیں اور جنکی کثرت افواج میں کوئی شک نہ تھا ذرا بھی اس کی مزاحمت نہ کی۔ اگر یہ راجے سدراہ ہوتے تو ایک مسلمان بھی جان سلامت لیکر کڑے واپس نہ جاتا۔ اس واقعہ سے بخوبی ثابت ہے کہ اُس وقت ہندوؤں میں نفاق اور بعض جگہ

زہریلا بیج بویا جا چکا تھا اور وہ عیش و عشرت میں پڑکر اپنی بہادری اور جرأت کو کھو چکے تھے۔ دیوگڈہ کی لڑائی سے دنیا کو اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ دکن اب زیادہ عرصہ تک مسلمانوں کے ہاتھ سے محفوظ نہ رہے گا۔

علاؤالدین خلجی

سنہ ۱۲۹۶ء میں جب سلطان علاؤالدین دہلی کے تخت پر بیٹھا تو سال جلوس کے تیسرے برس اس نے دکن کی طرف توجہ کی اور اپنے بھائی الغ خان کو راجہ کرن کا ملک فتح کرنے کیلئے روانہ کیا۔ راجہ مذکور بھاگ کر دیوگڈہ میں آیا اور رام دیو کے پاس پناہ لی۔ سلطان کے فراری کو پناہ دینے کے علاوہ رام دیو نے تین سال سے مقررہ خراج دارالسلطنت دہلی کو روانہ نہیں کیا تھا۔ ان وجوہ سے ناراض ہو کر سنہ ۱۳۰۶ء میں سلطان علاؤالدین نے ملک نائب کافور ہزاری دینار رای اور خواجہ حاجی کو دیوگڈہ کی مہم پر نامزد کیا جو تقریباً تیس ہزار سوار لیکر دکن پر حملہ آور ہوئے۔ ملک کافور سلطان کا ایک ہندو غلام تھا جسکی لیاقت اور فہم کی وجہ سے بادشاہ اس سے بہت محبت رکھتا تھا۔ دکن کی طرف روانہ کرنے سے پہلے سلطان نے اسکو سائبان اور لال سراپردہ عنایت فرمایا جو خاص شاہی علامت تھی۔ اس واقعہ سے بخوبی ظاہر ہے کہ اس وقت مسلمان فاتح اپنے مفتوحہ قوم کے آدمیوں کو اعلےٰ درجہ کی عزت و حکومت دینے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتے تھے جو ان کی بے تعصبی کی قوی دلیل ہے۔ جب فوج شاہی نے دیوگڈہ کا محاصرہ کیا تو راجہ کے بیٹے بھاگ گئے اور راجہ کو مقید کرکے پایۂ تخت دہلی کو روانہ کر دیا گیا۔ سلطان نے اپنے قیدی کو بڑے آرام و راحت اور خاطر و تواضع سے عزت و حرمت کے ساتھ چھ مہینے شہر دہلی میں رکھا اور اس کے بعد اسکو لال سائبان عطا فرماکر جو خاص شاہی نشان تھا رائے رایان کا سب سے معزز خطاب دیا اس عزت اور خطاب کے ساتھ ایک لاکھ تنگہ نقد اور ضلع نوساری بھی بطور جاگیر عنایت ہوا جو ملک گجرات میں واقع تھا۔ جس عزت اور خاطر و تواضع کے ساتھ یہ سلطانی قیدی اپنے راج کو واپس کیا گیا ہے اسکی نظیر بہت ہی کم

تواریخ میں پائی جاتی ہے۔ جو اہل اسلام کی فیاضی اور بے تعصبی کا ایک اعلیٰ ثبوت ہے۔

دیوگڈھ پر لشکر کشی سے پہلے ۱۳۰۳ء میں ورنگل کو فتح کرنے کے لئے ایک فوج بنگال کی راہ سے اوڑیسہ کے راجہ کی درخواست پر بھیجی گئی تھی۔ جو کئی سال بعد ناکامی کے ساتھ واپس آئی تھی مگر پھر ۱۳۰۹ء میں ملک نائب کافور اور خواجہ حاجی کو ورنگل کا قلعہ فتح کرنے کا حکم ہوا اور وہ دیوگڈھ کی راہ سے منزل مقصود کو روانہ ہوئے۔ دیوگڈھ کے راجہ رائے رایان رام دیو نے اہل لشکر کی بڑی خاطر و تواضع کی اور مرہٹوں کی ایک فوج جنہیں پیدل اور سوار دونوں موجود تھے اس لشکر کی کمک کے لئے ہمراہ کی۔ شاہی فوج نے قلعہ ورنگل کو فتح کر کے راجہ لدر دیو کو باجگزار شاہی کی فہرست میں داخل کیا اور پھر ۱۳۱۰ء میں یہ لشکر فتح و نصرت کیساتھ بہت مال غنیمت لئے ہوئے پایۂ تخت کو واپس ہوا۔ اسی سال کے آخر میں پھر ملک کافور اور خواجہ حاجی دیوگڈھ میں وارد ہوئے جو دریائے کرشنا کے جنوبی ممالک کو فتح کرنے کیلئے دہلی سے بھیجے گئے تھے۔ اس دفعہ رائے رایان رام دیو کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کے بیٹے سنکل دیو کی وفاداری سرض اشتباہ میں تھی۔ اس لئے جالنہ پر کچھ فوج متعین کر کے ملک کافور جنوب کی طرف روانہ ہوا اور جنوبی دکن کے راجاؤں کو باجگزار شاہی بنا کر ۱۳۱۱ء میں پھر دیوگڈھ میں واپس آیا۔ اور یہاں سے دہلی کو روانہ ہو گیا۔ دوسرے سال پھر ملک کافور دیوگڈھ پہنچا اور اس مرتبہ مسلمانوں نے راجہ کو قتل کر کے دیوگڈھ اور اس کے تمام ملک متعلقہ پر قبضہ کر لیا مگر اس اثنا میں سلطان کے علیل ہو جانے اور فرمان طلب کے آنے سے ملک کافور کو دہلی جانا پڑا اور اوسکی غیبت میں رام دیو کے داماد ہرپال دیو نے پھر دیوگڈھ اور اس کے توابع پر قبضہ کر لیا۔

تغلقیہ کی خلجی

سلطان علاؤالدین کے انتقال کے بعد رام دیو متوفی کے داماد ہرپال دیو نے دکن کے راجاؤں کے اتفاق اور امداد سے عہدہ داران شاہی کو ممالک دکن سے نکال دیا تھا۔ اور ملک مرہٹواڑی پر قبضہ کر کے قلعہ دیوگڈھ کا محاصرہ کیئے ہوئے پڑا تھا۔

اس اثنا میں جب سلطان قطب الدین مبارک شاہ تخت دہلی پر جلوہ افروز ہوا تو سنہ جلوس سے دوسرے سال ۷۱۸ھ ۱۳۱۸ء میں اس نے خود ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ دیوگڈہ پر چڑھائی کی لشکر شاہی کے قریب پہنچتے ہی ہرپال دیو اور اس کے تمام معاونین راجے جو بحیثیت اجتماعی دیوگڈہ میں مقیم تھے۔ سلطان کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر چاروں طرف منتشر ہوگئے۔ مگر سلطان نے اُن کے تعاقب کے لئے سران فوج کو مقرر کیا جنھوں نے اپنے فرائض منصبی بجالانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اور آخر ہرپال دیو مقید ہوکر سلطان کے روبرو لایا گیا سلطان نے اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا یہ راجہ بڑی بے رحمی سے مارا گیا پہلے تو اس کا پوست اُتارا گیا اور پھر اس کا سر کاٹ کر دیوگڈہ کے دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔ راجہ کے قتل کے بعد سلطان نے دیوگڈہ میں چندے قیام کرکے تمام ولایت مرہٹواڑی پر قبضہ کرلیا اور شہر دیوگڈہ میں ایک خوشنما مسجد تعمیر کی پھر اس نے گلبرگہ۔ ساگر۔ دہورسمندر یعنی کرناٹک وغیرہ ممالک دکن میں جا بجا تھانے مقرر کئے۔ ملک بیگ لکھی کو جو اس کا خاص پروردۂ نعمت تھا۔ دکن کی سرلشکری عطا فرماکر تمام ملک مرہٹ کو امرایں بطور جاگیرات کے تقسیم کردیا اور خسرو خاں ہندو زادہ کو جس پر وہ ہزار جان سے عاشق تھا چتر اور دورباش اعزاز امارت دیگر معتبر امرا کے ساتھ معبر یعنی (ملیبار) کی طرف روانہ کیا۔ اور خود دہلی کی جانب مراجعت فرما ہوا۔

جب سلطان مبارک شاہ دارالسلطنت دہلی میں واپس آیا تو تھوڑے عرصہ کے بعد دکن میں ملک بیگ لکھی نے بغاوت اختیار کی۔ سلطان نے اس بغاوت کے فرو کرنیکے لئے چند نامور امیروں کو لشکر کثیر دیکر دکن کی طرف روانہ کیا جنھوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے حسن تدبیر سے اس بھڑکتے ہوئے شعلۂ بغاوت کو ٹھنڈا کردیا۔ اور ملک بیگ لکھی اور دوسرے مفسدوں کو جو مایۂ فتنہ وفساد تھے قید کرکے دہلی پہنچادیا سلطان نے ملک بیگ لکھی کے کان اور ناک کاٹنے کا حکم دیا اور دوسرے مجرمین انواع

واقسام عذاب شدید کے ساتھ مار ڈالے گئے۔ اس کے بعد سلطان نے ملک عین الملک ملتانی
کو دیوگڈھ کا حاکم اور ملک تاج الدین ولد خواجہ علاؤالدین دبیر کو اسکا مشیر خاص مقرر کرکے
بجانب دکن روانہ کیا۔
جب خسرو خاں ممالک معبر (ملیبار) میں داخل ہوا تو وہاں کے راجے اسکا مقابلہ نہ کر سکے
اور اپنا مال واسباب لیکر فرار ہو گئے۔ مگر خواجہ تقی سوداگر جس کے پاس بہت دولت
تھی اخوت اسلامی کے بھروسے پر نہ بھاگا۔ اس کو یقین تھا کہ اسلامی لشکر سے اس کو
کوئی جانی یا مالی نقصان نہ پہنچے گا۔ مگر افسوس یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ خسرو خاں منافق
کے درندہ صفت لشکریوں نے اس بیچارے سوداگر کو نہایت ہی ظلم و تعدی سے
زر و جواہر چھین کر قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد خسرو خاں نے ملک تلنگ کیطرف رُخ کیا
راجہ نے اپنے مضبوط قلعہ میں پناہ لی۔ قلعہ کا محاصرہ بڑی شدت کیساتھ کیا گیا۔ آخر راجہ نے
تنگ ہو کر ایکسو ایک ہاتھی اور بہت کچھ زر و جواہر بطور تحفہ پیشکش کئے اور محاصرہ کی سختی
سے نجات حاصل کی۔ اس صلح کے بعد خسرو خاں کا لشکر کنلی میں داخل ہوا۔ وہاں کے راجہ نے
بھی بیس ہاتھی اور چھ درم کے وزن کا ایک بڑا ہیرا نذر کرکے اپنا پیچھا چھوڑا لیا۔ ان مختصر
حملوں کے بعد خسرو خاں نے ملک معبر کی طرف بازگشت کی اور برسات کے موسم کو یہیں گذارا۔
ان چھوٹی چھوٹی کامیابیوں نے خسرو خاں کے دماغ میں سرکشی کا شعلہ بلند کر دیا اور
اس نے یہ منصوبہ باندھا کہ اپنے ساتھ والے معتبر امراکو قتل کرکے دکن کی حکومت پر
بالاستقلال قبضہ کر لینا چاہیئے اور خود ایک علحدہ ملک کا بادشاہ بن بیٹھنا چاہیئے
مگر اس کے اس خیال خام کی اطلاع جب ملک تیمور حاکم چندیری
اور ملک گل افغان کو پہنچی جو امرائے ناموریں سے اس کے ہمراہ تھے۔ تو انہوں نے
باہم مشورہ کرکے خسرو خاں کو کہلا بھیجا کہ "ہم لوگ آپ کے ارادہ سے مطلع ہو چکے ہیں خسرو خاں کی جماعت
اس بیہودہ خیال سے آپ کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ مناسب ہے کہ اس خیال محال کو سر سے نکال

راز افشا ہونے سے پہلے ہی آپ دہلی واپس چلے جائیں" خسرو خاں نے یہ سوچکر کہ ان امیروں کے سامنے میری کوئی بات پیش نہ جائیگی ملک معبر کو ان کے سپرد کیا اور خود دہلی کیطرف روانہ ہو گیا۔ امرا نے بھی یہ حالت دیکھکر اور یہ امید کر کے کہ بادشاہ عمدہ خدمات کا لحاظ کریگا جو ہم نے ملک دکن میں انجام دئیے ہیں مفصل حالات کی عرضیاں سلطان کی خدمت میں روانہ کیں۔ مگر سلطان اس نوجوان خسرو خاں پر ہزار جان سے فریفتہ اور اس کے وصال کا مشتاق تھا۔ جس نے اس کی عقل و خرد پر حماقت کا پردہ ڈالدیا تھا۔ اس لئے اس نے حکام دکن کے نام یہ حکم صادر کیا کہ جہاں کہیں خسرو خاں پہنچے وہاں سے اسکو پالکی میں سوار کر کے بہت جلد بآرام تمام حضور تک پہنچائیں۔ امرا نے اس حکم کی تعمیل کی اور خسرو خاں کو سات روز میں دیوگڈہ سے دہلی میں پہنچا دیا۔ جب خسرو خاں سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور بادشاہ کو اپنا مشتاق اور نیازمند پایا تو اس مکار نے بناوٹ سے رو رو کر یہ عرض کیا کہ" میرے ہمراہی امیر میری حکومت کو اپنا عار و ننگ جانتے ہیں اس لئے انہوں نے مجھ پر یہ نمکحرامی کی جھوٹی تہمت باندھی ہے" بادشاہ تو اس کا عاشق اور دیوانہ تھا ہی۔ اس نے اس کے تمام جھوٹے بیان کو سچا باور کر لیا اور ان امرا سے رنجیدہ ہو گیا جنھوں نے اسکی نمک حلالی کی تھی۔ اور اس جھوٹے نمکحرام کو بغاوت کا موقع نہ دیا تھا۔ اس کے بعد یہ تمام امیر دکن سے روانہ ہو کر دہلی میں پہنچے اور انہوں نے اپنے دعوے کی صداقت پر گواہ پیش کئے۔ مگر اس سے کوئی فائدہ نہوا۔ اور اسلئے بادشاہ انہیں سے ناراض ہو گیا ان کے منصب اور جاگیرات سب چھین لئے اور سلام کی باریابی سے منع کر دیا۔ والی چندیری کو معزول کر کے اس کی ولایت اس کے بیٹے کو دیدی۔ ملک تلبغہ کے منہ پر مار کر اور اس کی جاگیر ضبط کر کے قید خانہ بھیجدیا اور جن لوگوں نے خسرو خان کے خلاف گواہیاں دی تھیں۔ انہیں خوب لکڑیوں سے پٹوایا جس سے عام لوگوں پر واضح ہو گیا کہ خسرو خاں کے خلاف زبان کھولنے سے

بجز نقصان کے کوئی فائدہ نہیں۔

سلطان غیاث الدین تغلق

خسرو خاں کے قتل کے بعد جس نے سلطان قطب الدین کو مار کر تخت دہلی حاصل کیا تھا سلطان غیاث الدین تغلق تخت نشین ہوا۔ تو اس نے ۱۳۲۳ء میں اپنے بیٹے محمد فخر الدین کو الغ خان کا خطاب دیکر اور چندیری بداون۔ مالوہ وغیرہ کی فوجیں اس کے ماتحت کر کے بڑے دبدبہ اور شان کے ساتھ دکن کی طرف روانہ کیا۔ کیونکہ لدر دیو (پرتاب رور دیو) حاکم ورنگل نے باج وخراج ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور ولایت دیوگڈہ میں بھی بدانتظامی پیدا ہو گئی تھی۔ الغ خاں نے دکن میں پہنچکر لوٹ مار اور

قلعہ ورنگل کا حملہ

غارت گری شروع کی اور لدر دیو بھی اس کے مقابلہ کے لئے تیار ہو کر میدان جنگ میں آموجود ہوا۔ طرفین سے بازار قتل وخون گرم ہوا اور راجہ نے اپنی اگلی نامردیوں کے داغ اپنے دامن سے چھوڑائے مگر آخر کار معرکۂ جنگ سے پسپا ہو کر قلعۂ ورنگل میں پناہ گزین ہوا۔ اور بہت جلد قلعہ کے برج اور فصیل کو مستحکم کر کے پھر محاصرین کے ساتھ شجاعت اور جوانمردی سے پیش آیا اور الغ خاں پر اپنی عاجزی ظاہر ہونے نہ دی۔ ہر روز ماس محاصرہ میں طرفین کے اکثر آدمی مارے جاتے تھے۔ اس اثنا میں الغ خان نے سرنگوں اور دمدموں کا انتظام کر لیا۔ قریب تھا کہ قلعۂ ورنگل کا حصار مفتوح ہو جائے۔ لدر دیو نے عاجز آکر الغ خاں کے پاس پیامبر وجواہر۔ مال ومتاع۔ ہاتھی۔ گھوڑے وغیرہ دینے اور سلطان دہلی کو بھی حسب معمول سابق پیشکش بھیجنے کا وعدہ کیا اور ان شرائط پر صلح کی درخواست کی الغ خان نے اوس کی درخواست منظور نہ کی پہلے سے بھی زیادہ قلعہ کے فتح کرنے میں سرگرمی ظاہر کی۔ مگر قضا وقدر پر کس کا زور چلتا ہے۔ تلنگانہ کی آب وہوا کی خرابی سے لشکر شاہی میں طرح طرح کے امراض پھیل گئے اور بے شمار سپاہی۔ گھوڑے ہاتھی مرنے لگے۔ لشکر والوں میں وحشت پیدا ہو گئی اور وحشت اثر خبریں شایع ہونے لگیں۔ اسپر طرہ یہ ہوا کہ دہلی کی ڈاک ایک مہینے سے نہ آئی جو ہفتہ میں

دو بار آیا کرتی تھی۔ اور شیخ زادہ دمشقی اور عبید شاعر نے جو الغ خان کے بڑے مصاحب اور لنو اور ہندوستان تھے یہ جھوٹی خبر اُڑادی کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے فوت ہوجانے سے دہلی میں ایک فتنۂ عظیم برپا ہوگیا ہے۔ اور اُس کی جگہ کوئی دوسرا شخص بادشاہ مقرر ہوچکا ہے۔ اس جھوٹی خبر کی اشاعت ہی پر ان دونوں شخصوں نے اکتفا نہ کی بلکہ خود ملک تیمور۔ ملک گل افغان۔ ملک کافور مہردار و ملک نگین کی فرودگاہوں میں جاکر یہ گوشگزار کردیا کہ ''آپ لوگ جو اپنے کو اکابر ملوک علائی خیال کرتے اور شریک ملک جانتے ہیں۔ اسلئے الغ خاں آپ چاروں کے قتل کی فکر میں ہے'' یہ سنکر ان امیروں کے ہوش اُڑ گئے اور اضطراب کی حالت میں جدھر جس کا منہ اٹھا اُدھر بھاگ نکلا۔ اس واقعہ سے لشکر شاہی میں عجیب ہراس و پریشانی و وحشت پھیل گئی۔ اس حادثہ عظیم کو برپا دیکھکر الغ خان سے بھی کچھ کرتے دھرتے نہ بنی اضطراب اور گھبراہٹ میں چند خاص لوگوں کو لیکر دیوگڈھ کی راہ لی۔ اس تائید غیبی کو ملاحظہ کرکے راجہ اپنی فوج لیکر قلعہ کے باہر آیا۔ اور فوج شاہی کا تعاقب سرحد تلنگ تک کرتا چلا گیا۔ بادشاہی لشکر کے بے شمار آدمی قتل کئے۔ اسی اثنا میں دہلی سے ڈاک وصول ہوئی اور بادشاہ کی سلامتی کی خبر یقین کے ساتھ لوگوں میں مشہور ہوئی۔ الغ خاں نے دیوگڈھ میں صحیح و سالم پہنچکر پھر اپنی منتشر فوج کو جمع کیا۔ مگر ان چاروں سرداروں پر جنھوں نے باہم مشورہ کرکے شاہی لشکر کو چھوڑ دیا تھا اثنائے راہ میں بڑی بڑی مصیبتیں نازل ہوئیں انکے لشکریوں نے بھی انکا ساتھ چھوڑ دیا۔ ان کا تمام مال و اسباب، اور اسلحہ جنگ کفار تلنگ کے ہاتھ آیا۔ ملک تیمور اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ زمینداران تلنگ میں گھر گیا۔ اور وہیں مارا گیا۔ ملک تگین کو مرہٹوں نے بڑی بے رحمی سے مار کر اس کی کھال کھینچکر الغ خاں کے پاس بھجوادی اور ملک گل افغان۔ عبید شاعر۔ ملک کافور۔ اور دوسرے فتنہ انگیزوں کو لوگ پکڑکر دیوگڈھ میں الغ خاں کے پاس لے آئے۔ اس نے انھیں

اُسی طرح مقید کرکے دہلی کو روانہ کر دیا۔ جب یہ بدنصیب وہاں پہنچے تو سلطان غیاث الدین نے پاداش جرائم میں بمقام شہر سیری زندہ گڑوا کر ان کے اہل و عیال کو جو دہلی میں گرفتار تھے ہاتھیوں کے پاؤں تلے کچلوا ڈالا۔

قلعہ ورنگل پر دوسرا حملہ

اس خرابی کے بعد الغ خاں صرف دو تین ہزار باقی ماندہ سواروں کے ساتھ دیوگڈہ سے روانہ ہو کر دہلی میں پہنچا اور یہاں اپنے پدر بزرگوار سے ملاقات کی مگر جوشیلی طبیعت اسے کب نچلا بیٹھنے دیتی تھی۔ چار مہینے کے بعد ہی اس نے پھر قلعۂ ورنگل پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور ایک بہت بڑی فوج لیکر دیوگڈہ کے راستہ سے دکن کی طرف روانہ ہوگیا۔

سب سے پہلے شہر بیدر کا محاصرہ کیا جو اُس وقت ملک تلنگانہ کی سرحد پر واقع تھا اُس کے فتح کرنے کے بعد دوسرے قلعوں کو بھی قبضہ میں کر لیا۔ جو ورنگل کی راہ میں موجود تھے۔ ان قلعوں کو معتمد افسروں کے سپرد کرکے اور راہوں کے ضبط و انتظام کے بندوبست کا حکم دیکر ورنگل کیطرف روانہ ہوا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس مستحکم قلعہ کو فتح کر کے بطور انتقام بہت سے ہندوؤں کو تہ تیغ بیدریغ کیا اور لدر دیو راجہ ورنگل اور اس کے اہل و عیال کو اور جو کچھ ہاتھی اور خزائن مال غنیمت میں ہاتھ آئے تھے ان سب کو ملک بیدار الخاطب بقدر خان اور خواجہ حاجی نائب عرض ممالک کے ہمراہ فتح نامہ کے ساتھ دہلی روانہ کر دیا۔ جب یہ اسیران شاہی اور یہ بیشمار مال غنیمت شہر دہلی میں پہنچا تو اس وقت شہر دہلی اور تغلق آباد میں اس فتح یابی کی خوشی میں چاروں طرف آئین بندی اور روشنی ہوئی اور گھر گھر خوشی منائی گئی۔ الغ خان نے ملک تلنگ کو معتبر امیروں کے سپرد کر دیا اور ورنگل کا نام سلطان پور رکھا اس کے بعد سیر کے طور پر جام نگر کی طرف روانہ ہوا۔ اور وہاں کے راجہ سے چالیس اچھے ہاتھی لیکر اور پدر بزرگوار کی خدمت میں انہیں بھیجکر پھر ورنگل واپس آیا اس ملک کا انتظام بھی حسب دلخواہ کر کے مظفر اور منصور دہلی روانہ ہوا۔

محمد تغلق شاہ

جب سلطان محمد تغلق جس میں علم و فضل کے ساتھ سخت گیری اور فلسفہ کے ہمراہ بے احتیاطی و نا عاقبت اندیشی بھی پائی جاتی تھی اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ تو اس کی انتہائی بلند تجویزوں میں سے ایک تجویز یہ بھی تھی کہ دیوگڈھ دارالسلطنت بنایا جائے۔ جو وسعت حکومت کے اعتبار سے ایک نہایت ہی موزوں مقام ہے۔ اس مدبرانہ تجویز کا منشاء یہ تھا کہ دکن میں اسلام کا مرکز قائم ہو جائے اگرچہ اس میں عملی دشواریاں پیش آئیں کیونکہ عام اہل دہلی تبدیل دارالسلطنۃ سے ناراض تھے۔ مگر کوئی شک نہیں کہ دکن میں اسلام کے استقرار کا یہ بہترین ذریعہ تھا۔

دارالسلطنت کی تبدیلی

بہاؤالدین کی بغاوت

۷۳۸ھ یا ۱۳۳۸ء میں سلطان کا عم زادہ بہاؤالدین عرف گرشاسپ نے مہمات سلطنت کی بے رونقی اور ابتری دیکھکر بغاوت کی۔ بہاؤالدین امرائے کبار میں شمار کیا جاتا تھا اور ولایت ساگر جو ممالک دکن میں شامل تھی اُس زمانہ میں اسکی جاگیر تھی۔ اس امیر نے سلطنت کا خیال پیدا ہوتے ہی پہلے ساگر کے قلعہ کو مضبوط کیا پھر دکن کے اکثر امیروں سے سازو باز کر کے انہیں اپنا معاون بنالیا اور جنہوں نے اس کی اطاعت سے سرتابی کی اُنھیں بزور قوت پامال کر دیا۔ جب اس بغاوت کی خبر سلطان کو پہنچی۔ تو اُس نے بھتیجے کی سرکوبی کیلئے خواجہ جہاں کو گجرات کا تمام لشکر دیکر اور بعض پایۂ تخت کے امیروں کو ہمراہ کر کے دکن کی طرف روانہ کیا خواجہ جہاں دولت آباد میں پہنچا تو ادھر سے دشمن کا لشکر بھی آموجود ہوا اور اسی مقام پر دو بہت بڑی فوجوں میں باہم کشت و خون کا بازار گرم ہوا۔ مگر اس اثنا میں بہاؤالدین کا ایک معتبر امیر خضر بہرام نامی اُس سے منہ پھیر کر شاہی لشکر میں جا ملا۔ اور اس لئے اس باغی امیر سے کچھ کرتے دھرتے نہ بنی وہ زیادہ توقف کو نامناسب سمجھکر اہل و عیال کو ساتھ لئے ہوئے اپنے ایک دوست راجہ کے پاس کنبلہ چلا گیا۔ جو کرناٹک میں واقع تھا۔ راجہ نے اپنی جان و مال پر کھیل کر برے وقت میں اپنے دوست کی امداد کی اور اس کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ سلطان محمد تغلق

یہ حال سنکر دولت آباد میں آیا۔ اور خواجہ جہاں کو ایک بہت بڑا لشکر دیکر ولایت کنبیلہ کی طرف روانہ کیا جس نے دو مرتبہ راجہ سے شکست کہاکر تیسری دفعہ اُس کو گرفتار کرلیا اور بہاؤالدین بلال دیو کے پاس بھاگ گیا۔ بلال دیو نے شاہی لشکر سے پیچھا چھوڑانے کی غرض سے اپنی خیر خواہی جتائی۔ اور اپنے پناہ گزین کو قید کرکے خواجہ جہاں کے پاس بھیجدیا۔ خواجہ جہاں نے اس سلطانی باغی کو پابزنجیر کرکے محمد تغلق شاہ کی خدمت میں روانہ کردیا۔ اس نے حکم دیا کہ اس کی زندہ کھال کھچواکر اور اسمیں بھس بھرواکر نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ شہر کے گلی کوچوں میں پھروائی جائے۔

حسن کی بغاوت

فتنے اور فساد بڑہتے گئے حتی کہ آخری زمانہ انتقال کے وقت صرف چند ہی صوبے دارالسلطنت کے ماتحت باقی رہے تھے۔ اس عام بغاوت میں جو تقریباً تمام ہندوستان میں جابجا سلطان کے خلاف میں قائم ہوتی جاتی تھی دکن بھی شریک تھا بہاؤالدین کی بغاوت کے بعد معبر یعنی مالابار کے ملک سے یہ خبر پہنچی کہ سید حسن پدر سید ابراہیم خریطہ دار معبر میں باغی ہوگیا اور وہاں کے امیروں کو قتل کرکے تمام ملک پر قابض اور متصرف ہوگیا ہے۔ سلطان نے اس خبر کو سنتے ہی سید حسن کے بیٹے ابراہیم خریطہ دار اور اوس کے اقربا کو جو دہلی میں موجود تھے قید کرلیا اور ۷۴۲ھ ہجری میں ایک لشکر کثیر ہمراہ لیکر معبر کو روانہ ہوا۔ دولت آباد میں پہنچکر اُس نے عمّال اور مقطعہ داروں سے نہایت ہی سخت مطالبے کئے جس کی وجہ سے اکثروں نے خودکشی کرلی یہ آفتیں برپا کرکے اس نے ملک تلنگ کی راہ سے سید حسن باغی پر چڑھائی کی۔ مگر جب سلطان آرنکل میں پہنچا تو وہاں وبا کا زور تھا لشکر کے بہت سے لوگ مبتلا ہوئے اور کئی معتبر سرداران لشکر تو اس مرض مہلک سے ہلاک بھی ہوگئے۔ سلطان پر بھی وبا نے اپنا ہاتھ ڈالا۔ مگر وہ بیمار ہوتے ہی دولت آباد کی طرف الٹا پھرا۔ قصبۂ بیڑ میں پہنچکر دانتوں کے درد میں ایسا مبتلا ہوا۔ جس کے صدمہ سے ایک دانت ٹوٹ گیا اور اُس پر ایک گنبد تعمیر ہوا جس کا وجود تاریخ فرشتہ

گنبد دندان کی تعمیر

کے مصنف کے زمانہ تک بیدر میں پایا جاتا تھا یہ گنبد وندان سلطان تغلق کے نام سے مشہور تھا۔ جب سلطان پٹن میں پہنچا۔ جو دریائے گوداوری کے کنارے ملک نظام میں اب تک موجود ہے تو اُس نے بغرض معالجہ چند روز قیام کیا۔ یہیں اُس نے شہاب سلطان کو نصرت خاں کا خطاب دیکر ولایت بیدر کی حکومت ایک لاکھ تنگہ کے محاصل پر عطا کی اور دولت آباد اور ولایت مرہٹ کی حکومت پر اپنے استاد قتلغ خاں کو مقرر کیا اور دارالسلطنت میں فتنہ و فساد برپا ہونے کی وجہ سے حالت مرض ہی میں بسواری پالکی دہلی کو مراجعت فرما ہوا۔

دکن کے ہندو راجاؤں کا اتفاق

یہ عام بغاوت دیکھکر دکن کے ہندو راجوں کو بھی سرتابی کا موقع ملا۔ اور انہوں نے سنہ ۷۴۴ھ مطابق ۱۳۴۳ء میں مسلمانوں کو دکن سے خارج کر دینے کا باہم مشورہ کیا۔ کشنا نایک راجہ لدردیو کا بیٹا جو اسوقت ورنگل کی کسی سمت میں حکومت رکھتا تھا۔ بلال دیو کے پاس تنہا گیا جو کرناٹک کا ایک عظیم الشان راجہ تھا اور اُس سے تنہائی میں کہا کہ "مسلمان ممالک تلنگانہ و کرناٹک میں داخل ہو چکے ہیں اور ہم سب کو جڑ سے اُکھاڑ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لئے اُس کے علاج کا یہ اچھا وقت ہے"۔ بلال دیو نے اس کے کہنے کے موافق اپنے مملکت کے تمام سربرآوردہ امیروں کو طلب کر کے ایک مجلس شوریٰ منعقد کی تمام ارکان کی رائے بہت تامل اور غور فکر کے بعد یہ قائم ہوئی کہ بلال دیو اپنا مقام مستقر ترک کر کے سرحد کی ایسی جگہ کو پایۂ تخت قرار دے جدھر سے لشکر اہل اسلام آیا کرتا ہے اور معبر و دھور سمندر اور کنبیلہ کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکال لے۔ اسی رائے کے ساتھ یہ امر بھی قرار پایا کہ کشنا نایک بھی ارنگل کو سلطان دہلی کے تحت تصرف سے علٰحدہ کر لے۔ اسی مشورہ کے موافق بلال دیو نے اپنے ملک کے ایک نہایت ہی محفوظ کوہستانی سرحدی مقام پر جہاں دشمن کا لشکر بہ دشواری تمام جا سکتا تھا اپنے بیٹے بیجن رائے کے نام سے ایک شہر بسایا جو اُس زمانہ میں بیجن نگر کے نام سے مشہور تھا۔ مگر پھر کثرت استعمال سے

بیجا نگر

پہلے بیجن نگر بیجا نگر سے مبدل ہو گیا۔ جو آجتک ویرانی کی حالت میں پایا جاتا ہے پھر

راجہ بلال دیو کی امداد سے کشنا نایک نے ارنکل پر قبضہ کیا۔ اور عماد الملک حاکم ارنکل بھاگ کر دولت آباد میں آیا۔ کشنا نایک اور بلال دیو نے معبر اور سمندر کو مسلمان کے قبضہ سے نکال لیا۔ اور ہر جگہ سوتے ہوئے فتنے بیدار ہوئے۔

نصرت خان والی بیدر کی بغاوت

اس اثنا میں نصرت خاں والی بیدر نے بھی بغاوت کی۔ کیونکہ ایک لاکھ تنگہ پر اس نے ولایت بیدر کا ٹھیکہ لیا تھا۔ وہ اس سے ادا نہیں ہو سکتا تھا۔ نصرت خان کی سرکوبی کے لئے قتلغخاں دیوگڑھ سے روانہ کیا گیا اور اُس کی کمک کو دوسرے امراء دہلی سے بھیجے گئے۔ قتلغ خاں نے حصار بیدر کا محاصرہ کیا اور نصرت خاں کو سمجھا بجھا کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اس واقعہ کے ایک ماہ بعد ہی ایک دوسری بغاوت پیدا ہوئی۔ اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ علی شاہ خواہر زادہ ظفر خاں علائی جو امیران صدہ میں سے تھا۔ بغرض تحصیل محاصل سلطانی دولت آباد سے گلبرگہ بھیجا گیا تھا۔ اُس نے اس ملک کو عاملین سرکاری سے خالی دیکھکر اپنے برادری کے لوگوں کو جمع کیا۔ جن میں حسن کانگوی بہنی بھی تھا۔ اور ۷۴۶ھ ہجری میں گلبرگہ کے حاکم کو جو سلطان محمد تغلق کی طرف سے متعین تھا کسی حیلہ سے قتل کر ڈالا۔ اور اُس کا تمام مال و اسباب لوٹ کر بیدر کی جانب روانہ ہوا۔ یہاں پہنچکر اُس نے بیدر کے نائب کو بھی تہ تیغ بیدریغ کیا اور تمام ولایت سرکاری پر قبضہ کر لیا۔ اس نئی بغاوت کی خبر سلطان کو پہنچی تو اُس نے قتلغ خاں کی امداد کے لئے مالوہ کا لشکر متعین کر کے علی شاہ کی بغاوت فرو کرنے کا حکم دیا اور قتلغ خاں نے بیدر پہنچکر جنگ و جدال کے لئے صف آرائی کی۔ علی شاہ کو اس معرکہ میں شکست ہوئی اور وہ قلعہ بیدر میں جا چھپا۔ قتلغ خاں نے اس باغی کو بھی دم دلاسا دیکر قلعہ سے باہر نکالا اور اُس سے قول و قرار کر کے سلطان کی خدمت میں روانہ کیا۔ سلطان نے اُس کو اور اُس کے بھائیوں کو جلاوطن کر کے غزنین بھیجدیا۔

علی شاہ کی بغاوت

اس واقعہ کے بعد اہل غرض نے قتلغ خاں کی شکایت سرکار میں پیش کی اور

قتلغ خاں کی واپسی اور دکن کا انتظام

قتلغ خاں کی یہ اتہام لگایا کہ قتلغ خاں کے ماتحتوں کے ظلم و جور سے دکن کا محاصل سرکاری گھٹ کر دس سے ایک پر آگیا ہے۔ سلطان نے اہل غرض کے اس اتہام کو باور کرکے قتلغ خاں کو دکن کی حکومت سے دہلی میں واپس بلوالیا۔ حالانکہ عدالت اور حسن سلوک میں اس گورنر کا اُسوقت کوئی بھی مدمقابل نہ تھا۔ اور قتلغخاں کے بھائی مولانا نظام الدین المخاطب بعالم الملک کو اُس کی جگہ مقرر کرکے دولت آباد روانہ کیا اور تمام ممالک دکن کو جو اُس وقت اس کے قبضہ میں تھے چار سمتوں میں تقسیم کیا۔ اور ان چاروں پر چار شقدار مقرر کئے۔ مشیر الملک کو جو ایک شجاع۔ عاقل اور مدبر آدمی تھا افواج دکن کا سپہ سالار مقرر کرکے سرور الملک اور یوسف بقرار کو جو امرائے کبار میں سے تھے اُس کی مددگاری میں دیا اور سات کرور تنگہ سفید محاصل سرکار ادا کرنے کا اُن سے وعدہ لیا۔ اور پھر ان سب کو یہ حکم دیا کہ تمام معاملات میں عالم الملک سے مشورہ لیا کریں۔ اور اس کی صوابدید سے کام کیا کریں مگر قتلغخاں کی علیحدگی اور شقداروں کی زیادتی اور ناہنجاری سے رعایائے دکن میں ایک اضطراب سا پیدا ہو گیا تھا۔ بہت سے زمینداروں نے تو جلاوطنی اختیار کی اور بہتوں نے سرکشی اور تمرد پر کمر باندھی۔

امرائے صدہ کی بغاوت

ان بغاوتوں کے درمیان جو پے در پے گجرات اور دکن میں بحر طوفان زدہ کی امواج بلند کی طرح اٹھ رہی تھیں اور سلطان اپنی ہوائے نفسانی اور جور و ظلم کی وجہ سے انہیں اور بھی تقویت دیتا جاتا تھا دکن کے امیروں نے متفق ہو کر یکبارگی سلطان کے خلاف کھُلم کھُلا بغاوت اختیار کی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ گجرات کی بغاوت فرد کرنے کے بعد سلطان نے زین الدین رند کو جس کا خطاب مجد الدین تھا اور پسر رکن الدین تھا۔ منیری کو جو اُس زمانہ کے شریروں میں سربرآوردہ تھا اس غرض سے دولت آباد بھیجا کہ یہ لوگ وہاں امیران صدہ کو جو بانیٔ فساد تھے واجبی سزا دیں۔ مگر پھر آپ ہی اس حکم سے پشیمان ہو کر اور یہ خیال کرکے کہ امرائے صدہ کو پہنچ

روبرو ہی قتل کرانا مناسب ہے چند روز کے بعد مجد الدین پسر رکن الدین کے عقب میں ملک علی سر جا مدار اور ملک احمد لاچین کو جو امیر خسرو کے رشتہ داروں میں سے تھے عالم الملک کے پاس دولت آباد روانہ کر کے یہ فرمان صادر کیا کہ سربرآوردہ امیران صدہ ہزار پانسو سواروں کے ساتھ ان دو امیروں کے ہمراہ روانہ بارگاہ شاہی کئے جائیں۔ اس حکم کے پہنچتے ہی عالم الملک نے رائچور۔ مدگل۔ گلبرگہ۔ بیجاپور۔ گنجوٹی رائے باغ۔ کلہر۔ ہیکری۔ برار وغیرہ کے امرائے صدہ کو دولت آباد میں طلب کیا۔ مگر اُن امیروں کو سلطان کا ظالمانہ سلوک پہلے ہی سے بخوبی معلوم ہو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے لیت و لعل کی۔ اور جلدی نہ پہنچے۔ اس تاخیر پر عالم الملک نے ملک علی جا مدار اور ملک احمد لاچین کو بحیلہ وصول محاصل سرکاری ہزار پانسو سوار کے ساتھ امرائے صدہ کی حدود کی طرف روانہ کیا۔ ان لوگوں نے بڑی کوشش اور جانفشانی سے نصیر الدین تغلچی۔ قزلباش حاجب۔ حسام الدین۔ اسمٰعیل فتح حسن کانگو اور نور الدین وغیرہ کو گلبرگہ میں اکٹھا کر کے دولت آباد بھجوایا اور یہ سب امیر جب یہاں داخل ہوئے۔ تو عین الملک نے انہیں سلطان کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ ان امرا نے درہ مانک میں پہنچکر جو مابین قصبہ دون اور کسیج کے واقع ہے بادشاہ کی ظلم و زیادتی سے بخوف جان باہم مشورہ کیا اور سب کی اتفاق رائے سے یہ امر قرار پایا کہ "سلطان کو ہمارے بلانے سے صرف یہی غرض ہے کہ وہ ہمیں بکریوں کی طرح ذبح کرے۔ لہذا خود بخود بیرحم اور خونخوار قصاب کے پاس جانا سراسر عقل کے خلاف ہے۔ مناسب ہے کہ ہم سب یہیں سے واپس ہو جائیں اور علم بغاوت بلند کریں"۔ اس خفیہ تجویز کے موافق کوچ کے وقت امرائے صدہ محصول وصول کرنے والوں پر ٹوٹ پڑے۔ اور احمد لاچین کو جان سے مار ڈالا۔ اور اُس کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ ملک علی جامدار یہ حالت دیکھکر جس راہ آیا تھا اُسی راہ اُلٹے پاؤں بھاگا۔ اور امرا صدہ نے دولت آباد پہنچکر

عالم الملک کا محاصرہ کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں قلعہ کی شاہی فوج کو اپنے طرف کرکے دولت آباد پر قبضہ کر لیا۔ لیکن امیر عالم الملک کے برتاؤ سے یہ راضی تھے۔ اسلئے اس کو چھوڑ دیا اور باقی شاہی غلاموں اور پسر رکن الدین تھا ینسری کو جان سے مار ڈالا۔ اور دولت آباد کے خزانہ کو لوٹ کر باہم تقسیم کر لیا۔ یہ حالت دیکھکر گجرات کے امرائے صدہ بھی جو پہلے ہی سلطان کے جور و ظلم سے گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ آکر ان باغی امیروں کے شریک ہو گئے اور ایک بغاوت عظیم پیدا ہوئی۔ اسمٰعیل فتح گل افغان کا بھائی بھی امرائے صدہ میں تھا جو فراست و دانائی اور مروت و عدالت میں ممتاز شمار کیا جاتا تھا ان تمام باغی امیروں نے بالاتفاق اسمٰعیل کو نصیر الدین کا خطاب دیکر دکن کی بادشاہت پر بٹھا دیا۔ اور خود اسکی اطاعت میں کمر باندہ کر کھڑے ہو گئے۔

جب اس فتنۂ عظیم کی خبر سلطان کو پہنچی جو اسوقت بھڑوچ میں مقیم تھا۔ تو فوراً وہاں سے کوچ کرکے دولت آباد آیا جہاں امرائے صدہ اپنے لشکر کا پرا جمائے ہوئے منتظر جنگ و جدال کھڑے تھے۔ الغرض دونوں لشکروں میں باہم لڑائی شروع ہوئی اور امرائے صدہ اسطرح جان پر کھیل کر لڑے کہ قریب تھا کہ شاہی فوج کا میمنہ اور میسرہ شکست کھا جائے۔ اور سلطان کو بھی کوئی زخم کاری لگے۔ مگر اس اثنا میں امرا کے لشکر مقدم کا سردار مارا گیا اور تقریباً چار ہزار سوار شکست کھا کر بھاگ گئے۔ اپنی فوج کی یہ حالت دیکھکر امرائے صدہ نے رات کے وقت یہ مشورہ کیا کہ اسمٰعیل تو دولت آباد کے قلعہ میں مقیم رہے اور تمام دوسرے امیر گلبرگہ پہنچکر اپنے اپنے مقبوضات کو چلے جائیں اور اپنی جاگیروں کی حفاظت کریں۔ جب سلطان دکن سے باہر چلا جائے اس وقت پھر سب امیر دولت آباد میں جمع ہو کر اپنے کام میں مشغول ہوں۔ اس تجویز کے مطابق اسمٰعیل قلعہ دھارا گڈھ میں پناہ گزیں ہوا جس میں غلہ اور تمام مایحتاج اشیا بافراط موجود تھے اور دوسرے امیر جن میں حسن کانگو بھی تھا حسب قرارداد اپنی اپنی جاگیروں کو روانہ

ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد سلطان نے عماد الملک کو جو پہلے ایلچپور میں تھا۔ اور امرائے صدہ کی مقابلہ کی تاب نہ لا کر تتر بتر سلطان پور میں چھپا ہوا تھا۔ دوسرے امرائے شاہی کے ساتھ بغرض تعاقب گلبرگہ کی جانب روانگی کا حکم دیا۔ اور دولت آباد کے اکثر متوطن اشخاص کو امیر نوروز گرگین کے ہمراہ ایک فتح نامہ کیساتھ دہلی روانہ کیا۔ اور ساتھ ہی اس کے یہ بھی حکم صادر فرمایا کہ یہ فتح نامہ دہلی کے مساجد میں منبروں پر پڑھا جائے اور شہر میں جا بجا شادیانے بجائے جائیں۔ اس کے بعد قلعہ دھارا گڑھ کے محاصرہ کے لئے بے شمار پیادے اور سوار متعین کئے چنانچہ ہر روز لڑائی ہوتی تھی۔

گجرات کی بغاوت

اور طرفین کے بہت سے آدمی مارے جاتے تھے جب تین ماہ تک یہی کشت وخون کی حالت قائم رہی۔ تو اتفاق سے سلطان کے پاس یہ خبر آئی کہ امرائے صدہ کی مدد سے گجرات میں از سر نو فتنہ بغاوت مشتعل ہوا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی سلطان نہایت ہی مضطرب ہوا اور قوام الدین اپنے بیٹے اور دوسرے امرائے دولت کو دولت آباد کے محاصرہ پر مقرر کر کے خود گجرات کی سمت راہی ہوا۔

دکن کی خود مختاری

ابھی گجرات کی بغاوت فرو نہ ہوئی تھی کہ سلطان کو یہ خبر پہنچی کہ امرائے صدہ جو شکست پا کر اپنی اپنی جاگیروں کو چلے گئے تھے پھر بسر کردگی حسن کانگو ایک جگہ جمع ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے عماد الملک مشیر کو قتل کر کے خداوند زادہ قوام الدین ملک جوہر۔ ظہیر الجیوش وغیرہ امرائے شاہی کو مار کر مالوہ کی طرف بھگا دیا ہے اور چونکہ اسمعیل نے حکومت سے استعفا دیدیا ہے اس لئے اس کی جگہ باتفاق تمام حسن کانگو کو سلطان علاؤالدین کا معزز خطاب دیکر تخت پر بٹھایا گیا ہے اس خبر وحشت اثر کے سننے سے سلطان محمد تغلق کو بہت رنج ہوا اور وہ سمجھ گیا کہ یہ میرے ہی ظلم وزیادتی کے نتائج ہیں جو ہر جگہ بغاوت کی صورت میں ظاہر ہو رہے ہیں۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا چاروں طرف فتنۂ بغاوت برپا ہو گیا تھا۔ جب ایک کو دبایا جاتا

تو دوسرا پردۂ غیب سے سر نکالتا تھا اگرچہ سلطان نے دہلی اور اور مقامات سے فوجیں طلب کیں۔ تاہم اس خبر کے سننے سے کہ حسن کے پاس بے نہایت لشکر جمع ہوگیا ہے اُن کے بھیجنے میں تاخیر فرمائی اور دکن کی فتح کو بالفعل موقوف کر دیا۔ اس کے بعد ہی حسن کی خوش قسمتی سے ۱۳۵۰ء میں سلطان محمد تغلق راہی ملک عدم ہوا اور اس کو دکن کی ایک خود اختیار بادشاہی ہاتھ آئی۔



فصلِ چہارم

شاہانِ دکن

سلاطین بہمنی

سلطان علاؤالدین حسن گنگو بہمنی

حسن گنگو بہمنی کی تخت نشینی

سلطان محمدؐ تغلق شاہ کے جبر کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک دکن اُس کے قبضۂ اقتدار سے نکل گیا اور ہمیشہ کے لئے وہاں ایک خودمختار سلطنت قائم ہوگئی۔ اگرچہ دکن کا پہلا خودمختار بادشاہ اسمٰعیل تھا جسکو باغی امرا نے بالاتفاق دولت آباد میں تخت حکومت پر بٹھایا تھا۔ مگر اس نے اپنی کم ہمتی سے خود سلطنت چھوڑ کر حسن گنگو بہمنی کو اس کام کیلئے انتخاب کرنے کی رائے دی جو امرائے صدہ میں سے تھا۔ اور جس نے شاہی فوج کو بمقام بیدر شکست دیکر سلطان کے خسر عین الملک صوبہ دار برار کو قتل کیا تھا اور جس کے اخلاق بہادری اور حسن تدبیر کی شہرت تمام دکن میں پھیل گئی تھی۔ آخر جب ۷۴۸ھ ۱۳۴۷ء میں حسن بمقام نظام پور جو دولت آباد سے چھ کوس کے فاصلہ پر ہے قطب الدین کی بنوائی ہوئی مسجد میں دکن کے تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے اپنا نام علاؤالدین حسن گنگو بہمنی رکھا اور خلفائے عباسیہ کا چتر سیاہ علامت شاہی اختیار کرکے اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ اور گلبرگہ کو جس کی آب و ہوا کچھ اچھی نہ تھی اپنا پایۂ تخت قرار دیا۔ اور اُس کا نام حسن آباد رکھا۔ یہاں پر خدا کی قدرت کا یہ تماشا کچھ عجیب حیرت انگیز

ہے کہ حسن جس کی عمر کا بہت بڑا حصہ نہایت ہی عسرت افلاس اور بے علمی میں گذرا تھا اور جس نے تیس سال تک بجز ادنے درجہ کی نوکری اور ہل چلانے کے کوئی اور کام نہ کیا تھا دفعتًا اعلیٰ درجہ کی سپہ سالاری اور پادشاہت پر پہنچ گیا اور پھر فن سپاہگری اور مدبری میں ایسی لیاقت ظاہر کی جو اُس وقت کے سلاطین دہلی میں بھی بہت ہی کم پائی جاتی تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جوہر ذاتی کے بغیر تعلیم و تربیت سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا اور صاحب لیاقت کے لئے تھوڑا سا تجربہ اور مشاہدہ کافی ہے۔

خاندان

اگرچہ بعض شعرا نے حسن کو بہمن واسفندیار کی نسل تک پہنچا دیا ہے مگر عام روایت اس کے خلاف ہے۔ دنیا میں جب کوئی غریب گمنام آدمی اقبال و بخت کی یاوری یا اپنی ذاتی لیاقت اور علم و ہنر سے سربرآوردہ ہو جاتا ہے تو لوگ اُس کے خاندان کا سلسلہ سلاطین اور اولیائے کبار بلکہ پیغمبران مرسل تک پہنچا دیا کرتے ہیں حسن ایک غریب پٹھان کا لڑکا تھا جس کی ابتر حالت اس واقعہ سے خود ظاہر ہے کہ وہ ایک منجم برہمن کا نوکر تھا اور ماہوار ایسی قلیل تھی کہ اس کی شکایت افلاس پر نجومی نے ترس کھا کر شہر کے متصل کچھ افتادہ زمین جوتنے بونے کے لئے اسکو دیدی تھی لیکن اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ فطرتًا اس میں اعلےٰ درجہ کی دیانت و امانت مروت و شجاعت وغیرہ کے اوصاف تھے۔ جنکی وجہ سے وہ چیتھڑوں میں چھپا ہوا ایک نہایت ہی کم یاب ہیرا تھا۔ جو ترشنے کے بعد ہی تاج شاہی میں جڑا گیا۔

بادشاہ ہونے کے بعد حسن نے بیدر اور قندھار کے قلعوں کو عہدہ داران شاہی سے بغیر خونریزی کے صرف اپنے کریمانہ اخلاق سے حاصل کیا اور ورنگل کے راجہ سے جس کے قبضہ میں ملک تلنگانہ تھا اور جس نے حسن کی امداد شاہی فوج کے مقابلہ میں کی تھی بہت نیک سلوک کیا جس کے اثر سے اُس نے کولاس کو نذر کر کے سالانہ خراج دینے کا اقرار کر لیا۔ جو ہر سال سلاطین دہلی کی خدمت میں روانہ کیا کرتا تھا۔

ان فتوحات کے بعد اس نے ملک کرناٹک کے بعض قلعہ بھی فتح کر لئے اور خود مالوہ اور گجرات کی طرف بغرض فتوح چڑھائی کی کیونکہ راجہ ہرن نے جو کرن کا بیٹا تھا گجرات کی فتح کیلئے حسن کی خدمت میں درخواست کی تھی۔ مگر اثنائے راہ میں حسن کی شراب خواری اور بے اعتدالی نے اپنا اثر دکھایا اور وہ مرض ہیضہ سے بیمار ہو کر دار الحکومت میں بے نیل مرام واپس آیا۔

رحلت

چھ ماہ تک سلطان علاؤ الدین حسن اس بیماری میں مبتلا رہا جس کے علاج سے اس وقت کے اطبائے حاذق بھی عاجز آگئے تھے اور اب بجز موت کے اور کوئی علاج اس کی تکلیف کو دور نہیں کر سکتا تھا۔ آخر کار یکم ربیع الاول ۷۵۹ھ مطابق ۱۳۵۸ء کو اس نے گیارہ برس دو مہینے سات دن دکن کی بادشاہت کرکے اس دار ناپائدار دنیا کو خیر باد کہا اور راہی ملک عدم ہوا اس کی عمر ۶۷ برس کی تھی اور اس نے اپنے پیچھے تین بیٹے محمدؐ۔ داؤد اور محمود نام چھوڑے۔

اخلاق و عادات

اگرچہ یہ بادشاہ باضابطہ تعلیم و تربیت یافتہ نہ تھا اور نہ اس نے کسی مکتب میں تعلیم پائی تھی اور نہ کسی خانقاہ میں اکتساب اخلاق کیا تھا تاہم قدرت نے اسکو خود اپنے ہاتھ سے جوہر قابلیت کا خلعت پہنایا تھا۔ جس نے نشوونما کا موقع پاکر مشاہدہ اور تجربہ سے ترقی حاصل کی۔ اسکی امانت و دیانت اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ جب ہل چلانے میں اسکو اشرفیوں اور غیر مسکوک سونے کا دفینہ ہاتھ آیا۔ تو اس نے رات کے وقت اس تمام خزانہ کو جنسہٖ اپنے آقا منجم کے پاس پہنچا دیا اور اس میں سے ایک حبّہ بھی نہ لیا۔ اس کمال دیانت کو دیکھکر نجومی دنگ ہو گیا اور اس کا ذکر سلطان غیاث الدین تغلق تک پہنچا جس نے حسن کو بلا کر ایکبارگی امیر صدہ کر دیا۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں اخلاق حمیدہ کی بہت بڑی قدر کی جاتی تھی اور ایک غریب آدمی کو بھی اپنی لیاقت سے اعلیٰ مراتب پہنچنے کا موقع ملتا تھا۔ اور روراثت وسفارش وغیرہ کو علم و ہنر و لیاقت و کاردانی پر

ترجیح نہیں دی جاتی تھی۔ حسن میں شجاعت کے ساتھ مروت اور سخاوت بھی زیادہ تھی جس کا ثبوت بہت سے واقعات سے ہوتا ہے تخت سلطنت پر جلوس فرما ہوتے ہی اُس نے اپنے تمام رفقا اور معاونین اور مددگاروں کو حسب حیثیت و لیاقت انعام۔ اور جاگیریں بڑی کشادہ پیشانی سے عطا فرمائیں اور راجہ ورنگل اور دوسرے رقیبوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ وہ ہزار جان سے اس کے مطیع ہو گئے۔ اسکے علاوہ جس فیاضی اور سیر چشمی سے اس نے اپنے بیٹے محمدؐ کی شادی گلبرگہ میں کی اس سے بخوبی ثابت ہے کہ مفلس آدمی جسکو دفعتاً دولت اور ثروت مل جائے اور اس میں ذاتی جوہر سخاوت نہو ایسی دریا دلی نہیں دکھا سکتا۔ سال بھر تک اس شادی کے جشن منائے گئے۔ تمام شہر کے لوگوں کو ادنیٰ سے لیکر اعلےٰ تک دعوتیں ہوتی رہیں۔ مساجد اور خانقاہوں میں روزانہ محتاجوں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا گیا اور منجنیقوں یا مشینوں کے ذریعہ سے جو راہوں اور چوراہوں پر نصب تھے شیرینی اور میوے اطراف و اکناف ہندوستان سے منگوا کر روزانہ لٹائے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ اسی شادی میں زربفت اور مخمل۔ اور اطلس کی دس ہزار قبائیں۔ ایکہزار عربی گھوڑے۔ دو سو جڑاؤ خنجر و شمشیر جن میں قیمتی جواہر جڑے ہوئے تھے اہل دربار میں تقسیم کئے گئے۔ اپنے جانی دشمن اسمٰعیل کی اولاد کے ساتھ ایسا سلوک کیا جو بہت ہی کم شاہان سلف کی تاریخ میں پایا جاتا ہے حسن نے اسمٰعیل کی بغاوت کو پورے طور سے ثابت کر کے اور اس کے قتل کا باضابطہ فتویٰ لیکر گو اُس کو مجبوراً مارے جانے کا حکم دیا۔ مگر اس کی جگہ اس کے لڑکے کو فوراً مامور کر دیا۔ اور تمام جاگیریں اس کی اولاد پر بدستور سابق بحال رکھیں اور ان کے ساتھ اس خوش خلقی اور عمدہ سلوک کے ساتھ پیش آیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس کے غلام ہو گئے۔

علاؤالدین حسن کے زمانہ میں اس غیر عادی واقعہ کا درج کرنا بھی خالی از منفعت نہیں

کہ ایک روز حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہٗ نے دہلی میں کھانے کی عام دعوت دی تھی۔ جس میں ہر طرح کے لذیذ کھانے مہیا کئے گئے تھے۔ اور جس میں خود شاہزادہ محمد تغلق بھی حاضر تھا۔ جب سب امیر و غریب کھانا کھا چکے اور دسترخوان بڑھایا گیا۔ تو اسوقت حسن گنگو بہمنی بھی اس تبرک میں شریک ہونے کے لئے خانقاہ میں آیا۔ حضرت شیخ نے عالم کشف میں اسکا حال دریافت کرکے یہ کلمہ زبان مبارک سے فرمایا کہ ایک بادشاہ گیا اور دوسرا پادشاہ آیا۔ یہ کہکر خادم کو باہر بھیجا کہ جو شخص آیا ہے اس کو بلا لائے۔ مگر خادم نے کسی باوجاہت اور معزز شخص کو باہر نہ پایا اور معمولی لباس کی وجہ سے حسن کو نہ پہچانا۔ واپس ہوکر شیخ سے عرض کیا کہ وہاں تو کوئی ممتاز شخص موجود نہیں۔ ایک معمولی وضع کا آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ شیخ نے کہا کہ اُسی کو بلا لاؤ وہ بظاہر درویش ہے مگر باطن میں بادشاہ ہے۔ جب حسن اندر آیا تو شیخ نے بڑے التفات سے اُسکو اپنے پاس بٹھایا احوال پرسی کے بعد حجرے کے طاق سے ایک روٹی اتاری جو اپنے افطار کے لئے رکھ چھوڑی تھی اور حسن کو دیکر فرمایا کہ یہ چیز شاہی ہے تجھکو ایک مدت کی محنت کے بعد دکن کی حکومت ملیگی۔" اگرچہ اس زمانہ میں بعض ناواقفان علم الٰہیات و اسرار مخفیۂ اولیاء اللہ رضوان اللہ علیہم اس واقعہ کی حقیقت میں شک و شبہ کریں گے۔ مگر اہل معرفت و حقیقت کے سامنے جو اعلیٰ ترین فلسفہ الٰہیات کے ماہر ہوتے ہیں ایسی پیش گوئیاں معمولی باتیں ہیں جو ان سے بیدار اوقات سرزد ہوتی رہتی اور جن کے سمجھنے میں اہل عقل چکر کھا کر ایسی کراماتوں ہی سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ جب سلطان علاؤ الدین حسن سریر حکومت پر بیٹھا تو سب سے پہلا حکم اسکا یہ تھا کہ پانچ من سونا اور دس من چاندی حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے نام پر فقرا کو خیرات کرنے کیلئے شیخ برہان الدین کی خدمت میں روانہ کیجائے جو دولت آباد میں اپنے پیر سے رخصت ہوکر اور چارسو درویش لیکر دہلی سے آئے تھے۔ اور وہیں فروکش

ہو گئے تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں حضرت سلطان المشائخ کا وصال ہو چکا تھا۔
اسی طرح اس کے آقا گنگو برہمن منجم نے بھی زائچہ دیکھکر اُسی وقت اسکو بادشاہت کی خوشخبری دی تھی۔ جبکہ وہ ملازم شاہی ہوا تھا۔ اور اس سے اسبات کا اقرار لیا تھا کہ وہ اپنے نام کے ساتھ اس کے نام کو بھی ہمیشہ زندہ رکھے۔ اور اسکو اور اسکی اولاد کو بادشاہ ہونے کے بعد حساب اور مال کی خدمت عطا کرے یہ پیشن گوئی پوری ہوی اور حسن نے اپنے نام کے ساتھ اس منجم کا نام شریک کیا اور جب وہ گلبرگہ میں سلطان محمد تغلق کی ملازمت چھوڑکر آیا تو اسکو حساب اور مال کی خدمت پر مقرر کیا۔ اس سے ثابت ہے۔ کہ حسن میں کسقدر مروت اور وفائے وعدہ کا جوہر تھا جو اعلےٰ اخلاق کی جڑ ہے۔ یہ کوئی آسان بات نہیں کہ ایک بادشاہ اپنے نام کے ساتھ ایک معمولی برہمن کا نام ورا ہے احسان پر شریک کرے۔ اور ہمیشہ دنیا کو اپنی پست اور ذلیل حالت یاد دلائے۔ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے قوم برہمن مسلمانوں کی نوکری کو عیب جانتے تھے۔ اور اپنی گذران علمی اور مذہبی اشتغال کے ذریعہ سے کیا کرتے تھے۔ اور اگرچہ وہ اپنے مسلمان حکمرانوں سے نجوم وغیرہ کمالات کے وسیلہ سے بڑے بڑے انعام اور صلے اور جاگیرین حاصل کرتے تھے۔ مگر ان کی ملازمت کبھی اختیار نہیں کرتے تھے۔ یہ رسم گنگو برہمن کی نوکری کے بعد ہندوستان سے اٹھی اور دکن میں سلاطین اسلام کے مختلف عہدوں میں بھی برہمن حساب اور مال کے مالک رہے۔ اور آجتک اکثر ان خدمات پر مامور پائے جاتے ہیں۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین اسلام مفتوحہ اقوام کو بغیر کسی خیال نفرت وحقارت کے ملکی اور فوجی خدمتیں مسلمانوں کے برابر دیا کرتے تھے اور مالی عہدوں پر تو اہل ملک یعنے ہندو ہی سب سے زیادہ تعداد میں مقرر کیے جاتے تھے۔
حسن نے گلبرگہ کے قلعہ کو جسکو کسی ہندو راجہ نے بنوایا تھا اور اس کے زمانہ میں منہدم پڑا ہوا تھا از سر نو تعمیر کرایا اور ایک نہایت خوش وضع مسجد قرطبہ کی مسجد کے

نمونہ پر بنوائی جو ۲۱۶ فیٹ لمبی اور ۱۷۶ فیٹ چوڑی ہے اور جس کا کل رقبہ ۳۸۰۱۶ فیٹ مربع ہے۔ ہندوستان کی عام مسجدوں کے خلاف یہ مسجد مسقف وار ہے اور اس کے ستون چوگوشہ پتھروں کے ہیں جنکی قطاروں سے برآمدے بن گئے ہیں۔ اپنی خوبی وضع و قطع کے لحاظ سے یہ مسجد بھی ہندوستان کے مساجد میں ممتاز کہی جاسکتی ہے۔

اس عہد کے علماء و مشائخ

اس بادشاہ کے زمانہ سلطنت میں شیخ عین الدین بیجاپوری اور محمد سراج درویش موجود تھے۔ جنکے علم و فضل کی شہرت دور دور تھی۔

ملکی انتظام

حسن نے اپنے تمام ملک کو چار صوبوں میں منقسم کرکے ان پر چار صوبہ دار مقرر کیا تھا۔ گلبرگہ سے وابل۔ رائچور اور مدگل تک جو ملک تھا وہ سب ملک سیف الدین غوری کے ضبط و انتظام میں دیا گیا تھا۔ جو پہلے اس کی فوج کے سپہ سالار اور بعد اس کے وزیر خاص اور سمدھی بھی ہو گئے تھے۔ دولت آباد۔ جنیر۔ جیول۔ بیڑ۔ مونگی اور پیٹن تمام علاقہ مرہٹواری اس کے بھانجے خان محمد کے تفویض تھا۔ برار۔ ماہور۔ رام گڈھ صفدر خاں سیستانی کی حراست میں تھے۔ بیدر۔ قندہار۔ اندور۔ کولاس وغیرہ ملک تلنگانہ اعظم ہمایوں پسر ملک سیف الدین غوری کی نگرانی میں تھا۔ اس تقسیم سے واضح ہے کہ تقریباً تمام ملک سرکار عالی سلطان علاؤالدین حسن کے تحت تصرف میں تھا۔

سلطان محمد شاہ بہمنی

نسب اور تخت نشینی

دکن کا یہ بادشاہ سلطان علاؤ الدین حسن گنگو کا بڑا بیٹا تھا اس نے اپنے باپ کی فاتحہ خوانی کے بعد حسن آباد گلبرگہ ۱۳۵۸ء میں تخت سلطنت پر جلوس فرمایا۔ دنیاداروں اور خاص کرکے اہل حکومت کی طبیعت یہ ہے کہ دبے پر بلی اور دشمن کی کمزوری پر شیر نر ہو جاتے ہیں اور بہت کم ایسے موقع کو ہاتھ سے دیتے ہیں۔ یہی سبب تھا کہ جب سلطان علاؤ الدین جو ایک ایسا پر زور بادشاہ تھا جس نے دکن کے تمام راجوں کے دلوں پر اپنی شمشیر کا سکہ بٹھا دیا فوت ہوا اور اس کے نوجوان ناتجربہ کار بیٹے نے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ تو اس کے رقیبوں راجہ بیجانگر اور رائے ورنگل کو اپنا کھویا ہوا

رائے بیجانگر اور رائے ورنگل کی واپسی ملک کی درخواست

ملک واپس لینے اور مسلمانوں کے دبانے کا موقع ملا۔ پہلے تو انہوں نے معمولی خراج بھیجنا موقوف کر دیا پھر اپنے اپنے ملکوں کے واپس کرنے کی درخواستیں ایلچیوں کے ذریعہ سے سلطان کے پاس روانہ کیں۔ جنہیں حسن نے اپنی پُرزور عہد حکومت میں ان سے بزور قوت لے لیا تھا۔ سلطان نے ان ایلچیوں کی بڑی خاطر و تواضع کی اور جوابات کے دینے میں لیت و لعل کرکے مدت دراز تک انہیں ٹھہرا رکھا۔ اور رسل و رسائل میں نرمی اختیار کی تاکہ مخالفین کی سرکوبی کا بخوبی موقع ملے اگرچہ سلطان نوعمر اور ناتجربہ کار تھا۔ مگر اس کا وزیر ملک سیف الدین غوری جو ایک پرانا تجربہ کار مدبر شخص تھا اور جس نے حسن کو قیام سلطنت میں بہت بڑی مدد دی تھی۔ اسوقت تک زندہ اور اپنے کام پر بدستور سابق مامور تھا۔

مخالفت کی اصلی وجہ

مخالفین کے سر اٹھانے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کا اصلی سبب یہ تھا کہ سلطان محمد شاہ نے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی ابواب خیرات کھولدئے تھے اور خزانہ عامرہ کو

لٹانا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ جب اسکی والدہ ملکہ جہاں نے جو اپنے خاوند کی عاشق زار تھی مکہ معظمہ کے جانے اور وہاں اپنے خاوند کی نجات کے لئے خیرات کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اس نے تمام خزانہ کو جو اوسوقت جمع تھا اس کام میں صرف کرنے کیلئے حوالہ کر دیا اس بے موقع خرچ پر بعض امرا کے دلوں میں سلطان سے نفرت پیدا ہوئی جنھوں نے اس اسراف کو امور سلطنت کے لئے مضر خیال کیا۔ مگر سلطان اپنے ارادہ سے باز آیا۔ اور اس نے یہ کہکر اپنے ناصحوں کو خاموش کر دیا کہ "جس خدا نے میرے باپ کو جس کے پاس ایک حبہ نہ تھا اتنی بڑی دولت اور حکومت عنایت کی تھی وہی میری بھی امداد کریگا۔ کچھ مال کی وجہ سے میرے والد بزرگوار کو سلطنت ہاتھ نہیں آئی تھی"۔ چونکہ سلطان کو خدا کی ذات پر پورا بھروسہ تھا اس لئے اس نے اُسکی راہ میں تمام خزانہ کے لٹا دینے میں ذرا بھی پس و پیش نہ کیا۔ اور یہ حکم دیا کہ اسکے باپ کا تمام اندوختہ مال و متاع ملکہ جہاں کے ساتھ مکہ معظمہ بھیجدیا جائے اور اس میں سے ایک حبہ بھی باقی نہ رکھا جائے۔ اس غیر معمولی خیرات سے ناراض ہو کر اس کے بعض امیروں نے راجہ بیجانگر اور راجہ ورنگل سے سازش کی اور انہیں بھڑکا کر سلطنت کی مخالفت پر آمادہ کر دیا۔ اس عبرت انگیز واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ خزانہ رعایا کا مال ہے اوس پر سلاطین کا تصرف بے جا کرنا رعایا کو سخت ناگوار ہوتا ہے۔

جب ملکہ جہاں حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر واپس آگئیں اور اس عرصہ میں تدریج وہ امیر بھی علٰحدہ کر دئے گئے جنکی طرف سے سلطان کو بدگمانی تھی۔ اور انکی جگہ دوسرے معتمد امرا کا تقرر ہو چکا۔ تو اسوقت سلطان نے دربار منعقد کر کے مخالفین کے ایلچیوں سے ان کی درخواستوں کے جواب میں سختی سے یہ کہا "کہ راجہ بیجانگر اور راجہ ورنگل نے ابتک اپنی نذر روانہ نہیں کی۔ مناسب ہے کہ ہاتھیوں پر بار کر کے جلد روانہ کیجائے۔ ورنہ اس کا تدارک جلد کیا جائیگا۔"

ایلچیوں کو

یہ سخت جواب سنکر ایلچی مایوس ہوئے اور راجہ ورنگل نے اپنے بیٹے ناگ دیوکو کولاس فتح کرنے کیلئے روانہ کر دیا۔ اس چڑھائی میں راجہ بیجانگر نے اس کی امداد کے لئے بیس ہزار سوار اور پیادے بھیجے۔ اور سلطان کے خلاف دونوں راجہ باہم مل گئے۔ ان کے مقابلہ کے لئے سلطان نے بھی بہادر خاں سپہ سالار اعظم ہمایوں اور صفدر خاں سیستانی کو بیدر اور برار کے لشکر کے ساتھ روانہ کیا اور طرفین سے خوب ہی زور آزمائیاں اور کشت و خون عمل میں آیا۔ آخر الامر سلطان کو فتح اور ان دونوں باغی راجاؤں کی فوج کو شکست نصیب ہوئی۔ ناگ دیو بحال خراب ورنگل کی طرف فرار ہوا۔ اور بہادر خاں نے ورنگل میں پہنچکر اسکو تباہ و برباد کیا اور راجہ ورنگل سے ایک لاکھ ہون - ۲۵ - قوی ہیکل ہاتھی اور دوسرے بہت سے قیمتی ہدایا اور تحائف لیکر دارالسلطنت حسن آباد گلبرگہ کو واپس آیا۔

کولاس ناگ دیو کی چڑھائی

اس لڑائی کے بعد تقریباً تیرہ برس تک امن و امان سے گذرے مگر زمانہ کی خاصیت ہی یہ ہے کہ سکون کے بعد حرکت کا دور آئے۔ اور فلک اپنی نیرنگیاں دکھائے۔ سلطان محمد شاہ چونکہ ایک غیور، متکبر اور غضبناک آدمی تھا۔ اسکو لڑنے بھڑنے کیلئے ایک ذرا سا حیلہ ہی کافی تھا۔ اتفاقاً ایک روز چند سوداگر فروخت کے لئے کچھ گھوڑے لائے اور اس کے ملاحظہ میں پیش کئے۔ سلطان گھوڑوں کا بہت بڑا شوقین اور مبصر تھا۔ اسکو ان میں سے ایک بھی پسند نہ آیا۔ اور سوداگروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ "تمہیں بادشاہوں کے لائق چیز پیش کرنا چاہئے تھا" جس کے جواب میں دست بستہ سوداگروں نے عرض کیا کہ " ہم تو نہایت عمدہ عربی گھوڑے حضور کے لئے لائے تھے۔ مگر ناگدیو نے زبردستی چھین لئے" سلطان نے کہا "تمہیں میرا نام لے دینا اور یہ کہدینا تھا کہ یہ گھوڑے محمد شاہ کے لئے ہیں۔" اس پر سوداگروں نے کہا کہ " ہم نے آپ کا نام بھی لیا مگر اس نے ہماری ایک نہ مانی اور گھوڑے لے لئے

ولیم ٹن پر سلطان کی چڑھائی اور ناگدیو کا مارا جانا۔

یہ سُنکر سلطان کو بہت غصّہ آیا اور فوراً ویلم پٹن پر چار ہزار سوار لیکر چڑھ آیا قریب پہنچا تو چند افغانیوں کو گھوڑوں کے سوداگروں کی وضع وقطع میں شہر کے اندر بھیجا جنھوں نے دربانوں کی روک ٹوک پر یہ کہدیا کہ ہم سب سوداگر راجہ کے پاس چوری کی دست برد کی فریاد لیکر آئے ہیں۔ تھوڑے عرصہ کے بعد سلطان بھی اپنی فوج لیکر اندر آگیا اور عام کشت وخون شروع ہوگیا۔ یہ ہنگامہ دیکھکر راجہ ناگ دیو قلعہ میں محصور ہوگیا۔ اور سلطان نے اس کا محاصرہ کیا۔ راجہ اپنی جان لیکر ایک چور دروازے سے بھاگا اور شاہی فوج نے اسکا تعاقب کیا۔ آخر وہ سلطان کے سامنے مقید کرکے لایا گیا اور سلطان نے اس سے سوداگروں پر زبردستی کرنے کی وجہ پوچھی۔ شامت اعمال سے ناگ دیو نے جسکی معافی قصور کا ارادہ سلطان کے دل میں تھا اُس کے سوال کا ایک درشت ونامہذب جوابدیا جس نے سلطان کی آتش غضب پر روغن کا کام کیا اور اس نے اسکو آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں زندہ جلوادیا۔ اور اس کا تمام خزانہ اور مال ومتاع ضبط کرلیا۔ اس لڑائی میں الحرب خدع (یعنی لڑائی فریب ہے) کے مقولہ پر عمل کیا گیا تھا۔ جو اس زمانہ کی فن جنگ میں بھی جائز خیال کیا جاتا ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ راجہ مذکور کے ساتھ زیادتی کا برتاؤ تو ضرور ہی عمل میں آیا جس کا خمیازہ سلطان کو بھگتنا پڑا۔ کیونکہ جب ویلم پٹن کو لوٹ مار کر واپس ہوا اور تلنگوں کو اس فوری حملہ کا حال کھلا تو وہ جوق جوق شاہی لشکر پر ہجوم کرکے آگئے۔ اور راستہ میں کئی بار سلطان کو ان سے لڑنا پڑا۔ اگرچہ ان سب چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں سلطان ہی کی فتح رہی۔ تاہم گلبرگہ کی سرحد تک پہنچتے پہنچتے چار ہزار آدمیوں میں سے صرف پندرہ سو بچے جواہر اور سونے کے علاوہ تمام لشکری ساز وسامان مال غنیمت وغیرہ سب کا سب پیچھے رہا۔ اور سلطان کے بازو پر بھی ایک زخم آیا۔ یہ لڑائی محض سلطان کے اس کینہ پر مبنی تھی جو اس کے دل میں کولاس کی لڑائی سے ناگ دیو

کی طرف سے تھا۔ اسی لیئے بجز نقصان کے کسی طرح کی کامیابی نہ ہوئی۔ دشمن تو مارا گیا مگر سلطان کا بھی بہت بڑا جانی اور مالی نقصان ہوا۔

ورنگل پر حملہ

اگرچہ بیٹے کے مارے جانے اور ملک کے تباہ ہونے سے ورنگل کے راجہ کے دل پر سخت صدمہ ہوا اور اس کے گذشتہ شکستوں کے پرانے داغوں پر ان نئے جانکاہ داغوں نے بیٹھکر اس کے جگر کو اور بھی پارہ پارہ کردیا۔ اور اس نے اپنے آپ میں تو اتنی قوت نہ پائی جو سلطان محمد شاہ پر براہِ راست فوج کشی کرے تاہم اس نے شہنشاہ دہلی فیروز شاہ کی بارگاہ میں یہ تحریر کیا کہ اگر مالوہ اور گجرات کے حکام کے نام میری امداد کے لئے احکام صادر فرمائے جائیں تو میں اور بیجانگر کا راجہ دونوں لشکر شاہی کی مدد سے گلبرگہ کی سلطنت کو فتح کرکے ہمیشہ کے لئے رعیت شاہی اور بندۂ درگاہ رہیں گے مگر دربار دہلی سے اس مراسلہ کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوئی جہاں بادشاہ دہلی کو اسوقت اپنے اندرونی معاملات ہی سے فرصت نہ تھی۔ ادھر سلطان محمد شاہ کو اس کے جاسوسوں نے دہلی سے اس سازش کی خبر دی اور اس نے ملک تلنگ کے فتح کرنے کا مصمم ارادہ ٹھہرا کر راجہ ورنگل پر فوج کشی شروع کردی۔ سلطان نے ایک لشکر تو ورنگل کے محاصرہ کے لئے روانہ کیا۔ اور دوسرا گولکنڈہ کی طرف بھیجا۔ اور خود ایک بڑی فوج کے ساتھ ان کے پیچھے چلا۔ جب دو سال ممالک تلنگانہ کی خرابی اور قلعہ ورنگل اور گولکنڈہ کے محاصروں کو گذر گئے۔ تو راجہ کو بجز صلح کے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ اس نے صلح کا پیام سلطان محمد شاہ کی خدمت میں بھیجا۔ مگر منظور نہ ہوا۔ مگر پھر بعض افسران فوج سلطانی نے سفارش کی اور عرض ومعروض پر صلح ہوئی۔ اور راجہ ورنگل نے تین سو ہاتھی۔ تیرہ لاکھ ہون اور دو سو گھوڑے اور گولکنڈہ کا قلعہ اس کے مضافات کے ساتھ پیشکش کیا۔ اسطرح سے پہلی دفعہ گولکنڈہ اہل اسلام کے قبضہ میں آیا جو بعد ازاں خود ایک بہت بڑی ریاست کا دارالسلطنت ہوا

اور دنیا کی تاریخ کو اپنے واقعات سے مزین کیا راجہ ورنگل نے یہ سوچکر کہ اب مسلمانوں کے ہاتھوں سے بجز آشتی اور صلح کے کسی اور تدبیر سے ملک کو بچانا سخت دشوار ہے یہ درخواست کی کہ اگر سلطان محمد شاہ قلعہ گولکنڈہ کو اپنی سرحد قرار دیکر آیندہ اس کے بڑھانے کا ارادہ نکرے اور نسلاً بعد نسل اس عہد و پیمان کی نسبت تحریر فرما دے تو میں ایک ایسا بے بہا تخت مرصع اسکی نذر کروں جو خاص سلاطین دہلی کی نذر کے لیئے تیار کرایا گیا تھا۔ سلطان نے اسکی اس درخواست کو منظور کیا اور تخت فیروزہ جس میں نہایت ہی بیش بہا جواہر جڑے تھے اس کے ہاتھ آیا وہ اس تخت کو دیکھکر نہایت خوش ہوا۔ اور گلبرگہ میں جب وہ سلطان علاؤالدین کے نقرئی تخت کی جگہ قائم کیا گیا اور سلطان محمد شاہ اس پر جلوہ افروز ہوا۔ تو اس تقریب میں بہت بڑے جشن منائے گئے۔

انہیں جشنوں کے درمیان حسب اتفاق دہلی سے تین سو قوال جو فن موسیقی کے ماہر تھے اور جن میں سے بعض ایسے بھی تھے جو حضرت امیر خسرو وغیرہ استادان علم موسیقی کا گانا سنے ہوئے تھے گلبرگہ میں داخل ہوئے۔ سلطان نے اس نعمت غیر مترقبہ کو غنیمت سمجھکر ایک بزم سماع آراستہ کی اور نشے کی حالت میں اپنے وزیر ملک سیف الدین غوری کو یہ حکم دیا کہ وہ ان قوالوں کے وظیفہ کے لیئے بیجانگر کے راجہ کے نام حکم جاری کر دے۔ جب یہ حکم راجہ کے پاس پہنچا تو اس نے قاصد کو بڑی رسوائی اور ذلت کے ساتھ شہر بدر کرادیا اور خود تیس ہزار سوار نو لاکھ پیدل اور تین ہزار ہاتھی لیکر ادونی میں آپہنچا۔ اور اس مقام کو اپنے لشکر کی قیام گاہ مقرر کرکے مدگل کے قلعہ کا محاصرہ کیا اور اہل قلعہ کو جس میں تقریباً آٹھ سو مسلمان تھے معہ ان کے بچوں اور عورتوں کے قتل کر ڈالا۔ ان آٹھ سو محصورین میں سے جنھوں نے بدفعہ واحد شربت شہادت پیا تھا۔ صرف ایک بدبخت آدمی اس حادثہ

جانکاہ کی خبر دینے کے لئے خفیہ طور سے اپنی جان سلامت لیکر گلبرگہ پہنچا اور سلطان کو اس واردات کی خبر دی جس کے سننے سے غضبناک ہو کر اُس نے پہلے تو اسی خبر لانے والے کو مروا ڈالا۔ اس کے بعد اُس نے غیظ و غضب کی حالت میں جو کچھ اسوقت سردست ہو سکا لشکر جمع کیا اور صرف نو ہزار سوار اور بیس ہاتھی ہمراہ لیکر اور دریائے کرشنا کے پار اوتر کے جو اس وقت نہایت ہی طغیانی پر تھا دشمن پر حملہ آور ہوا۔ راجہ خوف کھاکر فرار ہوا اور اپنے لشکر کو بیجانگر کی طرف کوچ کرنیکا حکم دیا۔ پانی برس رہا تھا اور کیچڑ بھی تھی۔ یہ لشکر مسلمانوں سے جان بچاکر زیادہ دور پہنچ نہ سکا۔ سلطان نے قتل عام کا حکم دیا اور اپنی اس قسم کو پورا کیا جو اس نے مسلمانوں کے مارے جانے کی خبر سنکر غصہ میں کھائی تھی۔ کہ آٹھ سو مسلمانوں کی جان کے عوض ایک لاکھ ہندوؤں کا خون بہانا فرض ہے۔ اس لڑائی میں ستر ہزار ہندوؤں کے قریب جان سے مارے گئے۔ اور راجہ کا تمام ساز و سامان سلطان کے ہاتھ آیا۔ اگرچہ اس مال غنیمت کا شمار احاطہ حساب سے خارج تھا مگر جو کچھ بادشاہ کے حصہ میں آیا اس میں تین ہزار ہاتھی۔ سات سو عربی گھوڑے۔ تین سو توپیں اور ایک جڑاؤ سنگاسن بھی تھا۔ اس لڑائی کے بعد ہی ایک اور لڑائی تنگبھدرا کے قریب واقع ہوئی جس میں راجہ کی طرف چالیس ہزار سوار ایک لاکھ پیدل اور بہت سے ہاتھی تھے۔ اور سلطان کے جانب صرف پندرہ ہزار سوار اور پچاس ہزار پیدل اور کچھ توپخانہ تھا۔ اس لڑائی میں راجہ کشن رائے کا عزیز جو اسکی فوج کا سپہ سالار تھا مارا گیا۔ اور اہل اسلام کو فتح ہوئی۔ راجہ جنگل کیطرف بھاگا اور سلطان نے تین مہینے تک اس کا تعاقب کیا۔ مگر وہ ہمیشہ مقابلہ سے بچتا رہا۔ آخر بیجانگر کے قلعہ میں پناہ لی سلطان نے اس کا محاصرہ کیا اور شہر اور اس کے مضافات کو خوب لوٹا۔ اور ان ہندوؤں کو بڑی بے رحمی سے عورتوں اور بچوں کے ساتھ قتل کیا اس وقت

سلطان نے غنیم کو قلعہ سے باہر نکالنے اور اس کو ایک وسیع میدان میں لانے کیلئے یہ تدبیر سوچی کہ اس نے اپنے آپ کو سخت بیمار مشہور کر دیا اور خود ایک سنگاسن میں بیٹھکر اپنے ملک کی راہ لی۔ ہندوؤں نے سلطان کے مرنے کی خبر پاکر سلطانی لشکر پر یورش کی اور اس کے تعاقب میں باطمینان تمام ایک کھلے میدان تک چلے آئے جہاں سلطان نے دفعتاً قیام کر دیا اور پھر شکار کو زد پر لاکر حملہ کا حکم دیا اور رات کو اس وقت یہ شب خون پڑا جبکہ راجہ کی فوج میں شراب خواری اور ناچ رنگ کے جلسے ہو رہے تھے اور تمام اہل لشکر عیش و نشاط میں سرمست تھے۔ اس ہنگامہ میں ہزاروں ہندو بکریوں کی طرح ذبح کر ڈالے گئے۔ اور راجہ کو بجز صلح کرنے کے اور کچھ بن نہ پڑا سلطان نے سب سے پہلے قوالوں کے وظیفہ کی شرط پیش کی اور وہ اسی وقت پوری کر دی گئی غرضکہ کڑی شرطوں پر جو سلطان کے مفید تھیں صلح ہو گئی راجہ نے بدستور سابق باج و خراج دینے کا وعدہ کیا اور سلطان اپنے ملک کو مظفر و منصور واپس آیا۔

اس لڑائی سے ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں تھوڑی سی مسلمانوں کی فوج بھی ہندو کے بڑے لشکر کو شکست دینے کے لئے کافی تھی۔ کیونکہ مسلمان تدبیر جنگ میں ہندوؤں کی بہ نسبت زیادہ لیاقت رکھتے تھے۔ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی لڑائی میں اول دفعہ اہل اسلام نے توپخانہ کا استعمال کیا تھا سلطان کے اس توپخانہ میں یورپین اور رومی اشخاص بھی ملازم تھے جو توپوں کے ڈھالنے اور چلانے کا کام جانتے تھے۔ بندوقوں کا استعمال تو اس سے پہلے کی لڑائیوں میں بھی دیکھا گیا تھا۔ سب سے بڑی آفت اس وقت کے جنگ و جدال میں یہ تھی کہ نہ لڑنے والے اشخاص یعنی رعایا۔ خوش باش۔ مزارعین اور انکی عورتیں اور دودھ پیتے بچے بھی بڑی بے رحمی سے مارے جاتے تھے جو ایک قابل نفرت فعل تھا اور جسکو خود سلطان نے شرمندہ ہو کر منع کر دیا تھا اور یہ قطعی حکم دیدیا تھا کہ آئندہ لڑائیوں میں لڑنیوالوں کے سوا

اور کوئی مارا نہ جائے۔ اور اس قسم کے ظالمانہ افعال کا ارتکاب پھر کبھی نہ ہونے پائے۔

سلطان محمد شاہ کے عہد میں صرف ایک ہی بغاوت کا ظہور ہوا تھا اور اسکی وجہ یہ تھی کہ جب سلطان نے اپنی مصنوعی بیماری اور فوت کی خبر شائع کی اور وہ دارالسلطنت کی طرف بھاگا تو دولت آباد کے گورنر نے اس کو سچ باور کرکے اپنے جی کے حوصلے نکالے اور ایک مرہٹہ راجہ کی اغوا سے باغی ہو گیا۔ اور خود مختاری اختیار کی۔ سلطان نے گلبرگہ میں آکر فوراً اس بغاوت کے فرد کرنے کے لئے کچھ لشکر بھیجا اور خود بھی شکار کھیلتا ہوا اس کی مدد کے لئے تین سو آدمیوں کے ساتھ آموجود ہوا۔ لوگوں کے دلوں پر سلطان کا رعب و داب اس قدر مسلط تھا کہ اس کے آنے کی خبر سنتے ہی باغیوں کے لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے اور دولت آباد کا گورنر اور قوم مرہٹہ کا راجہ پہلے تو دولت آباد کے قلعہ میں محصور ہوئے۔ پھر سلطانی فوج کے پہنچتے ہی وہاں سے گجرات کی طرف فرار ہو گئے جو اسوقت باغیوں کی جائے پناہ تھی۔

جب سلطان محمد شاہ نے دنیا کے ان فتنہ و فساد سے فراغت پائی اور راحت و آرام سے دارالامارۃ میں بیٹھنا چاہا۔ تو اس وقت لشکر اجل نے اس پر چڑھائی کی جس کے پنجے سے چھوٹنا محال تھا۔ ۷۷۶ھ میں سترہ سال۔ نو ماہ اور پانچ روز حکومت کرکے راہی ملک بقا ہوا اور اپنے پس ماندوں کیلئے ایک بہت بڑا وسیع ملک اور ایک ایسا معمور خزانہ چھوڑ گیا جس کی نظیر دکن کی تاریخ میں پائی نہیں جاتی۔ کہتے ہیں کہ اسکے فیلخانہ میں تین ہزار اعلیٰ قسم کے ہاتھی تھے۔

سلطان محمد شاہ ایک شجیع۔ اور غیور و غضبناک شخص تھا۔ اس کو اپنے لشکر کی تعداد اور قوت پر اتنا بھروسہ نہ تھا جتنا کہ خداوند تعالیٰ جلشانہ کی تائید پر تھا اسی لئے وہ ہمیشہ قلیل فوج کے ساتھ بڑی بڑی کثیر فوجوں کا مقابلہ کرتا تھا اور انہیں شکست دیتا تھا۔ اس کا اسپ فروشوں کی شکایت پر ویلم پٹن پر چڑھ دوڑنا اور قوالوں کو

وظیفہ کا حکم راجہ بیجانگر کے نام جاری کرنا بظاہر لغو اور حالت نشہ کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ مگر باطناً یہ سراسر ملکی راز اور تدبیر سلطنت پر مبنی تھیں۔ کیونکہ وہ راجہ ورنگل کی سرکشی اور راجہ بیجانگر کی بے انتہا قوت کو توڑنا چاہتا تھا جسکے مد مقابل دکن میں کوئی قوت نہ تھی۔ چونکہ جنگ وجدال کے لئے کسی سبب کا ہونا ضرور تھا اس لئے اس نے خود سوچ سمجھکر یہ حیلے کئے تھے جن کے نتیجے اس کے حسب دلخواہ ظہور میں آئے۔ اس مہذب زمانے میں بھی اسیطرح کی ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر باہم لڑائیاں ہوجاتی ہیں علاوہ بہادری کے سلطان محمد شاہ میں سخاوت کا بھی اعلےٰ جوہر موجود تھا جسکی شہادت اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ اس نے اپنے باپ کا تمام اندوختہ خزانہ ایک دفعہ واحد میں بغرض خیرات مکہ معظمہ کو روانہ کردیا تھا۔

اگرچہ اس سلطان کے عہد میں رفاہ عام کے لئے کوئی اعلیٰ عمارت تعمیر نہیں ہوئی کہ اسکی یادگار مدت دراز تک قائم رہتی۔ تاہم اس نے سلطنت کی شان و شوکت میں اپنے حوصلہ کے موافق ترقی دی۔ اس نے شاہی چتر کے قبہ کو بیش قیمت جواہر سے مرصع کرایا اور اسکی چوٹی پر ایک جڑاؤ ہما نصب کیا جس میں ایک بہت بڑا یاقوت جڑا گیا تھا جس کی قیمت سے جوہری عاجز تھے۔ اسی نے تخت فیروزہ کو اپنے باپ کے نقرئی تخت کی جگہ قائم کیا جس میں نہایت ہی بیش بہا ہیرے اور بڑے بڑے موتی جڑے ہوئے تھے۔ جسکی قیمت محمود شاہ بہمنی کے وقت میں تین کرور تک پہنچ گئی تھی۔ اسی نے اپنے ملک میں سونے کا سکہ جاری کیا تھا اور صرافوں کو جو شرارت سے سلطانی سکہ کو گلا ڈالتے اور اس کو ممالک بہمنی میں بوجہ تعصب مذہبی رائج ہونے نہ دیتے تھے قتل کرادیا تھا۔ اسی نے اول مرتبہ دن میں پانچ وقت نوبت شاہی کے بجانے کا حکم دیا تھا جو اب تک اعلیحضرت بندگانعالی کے اکثر امرا کے اعزاز میں داخل ہے۔ اسی بادشاہ نے اپنے تکبر اور غرور کی وجہ سے امرا کو بجائے سلام

سجدہ کرنے کا حکم جاری کیا تھا اور دربار کے امرا جتنے اکہ ملک سیف الدین غوری تک کو
جو اس کے باپ کے وقت سے دربار میں نشست کا عادی تھا کھڑے رہنے کا حکم
دیا تھا۔

بعض بعض ہوس پرستوں کے سوا جو دنیا کے تمام مختار بادشاہوں میں
پائی جاتی ہیں وہ امور سلطنت کے کاموں کو بڑی پابندی وقت اور گرم جوشی کے ساتھ
انجام دیتا تھا۔ پھر دن چڑھے ہر روز جمعہ کے سوا ایک مکان مکلف میں زربفتی شاہانہ
کے نیچے تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوتا تھا اور نماز ظہر کے وقت تک عام دربار کرکے
کاروبار حکومت چلاتا تھا اور خود اہم معاملات کا تصفیہ کیا کرتا تھا اس کے سوا رعایا
کی حالت بچشم خود معائنہ کرنے کے لئے وہ ممالک محروسہ کا دورہ بھی کیا کرتا تھا
جس کی وجہ سے اس کے عہد کی رعیت نہایت خوشحالی سے گذران کرتی تھی۔ چوروں
اور رہزنوں کا استیصال تو اس نے اسقدر بیخ وبن سے کردیا تھا کہ اس کی حکومت
کے اندر سونا اوچھالتے ہوئے لوگ سفر کرتے تھے۔ اور دکن میں جہاں کہ ہمیشہ
ڈاکوؤں اور قزاقوں کا ملجا و مسکن تھا سوداگروں کے قافلے بے خوف وخطر منزلیں
طے کرتے تھے۔

ملک کا انتظام بھی اس نے اپنے باپ کی طرح چار سمتوں میں منقسم کیا تھا
چنانچہ طرفدار دولت آباد کو مسند عالی۔ طرفدار برار کو مجلس عالی۔ طرفدار بیدر و تلنگ کو
اعظم ہمایوں اور طرفدار پایۂ تخت حسن آباد گلبرگہ و بیجاپور کو وکیل عام کے خطابات دئے
تھے! اور سپہ سالار فوج کو امیر الامرا کا معزز لقب عنایت فرمایا تھا۔ جسکا تتبع آجتک
دکن میں پایا جاتا ہے۔ ڈیوڑھی کے پہرے چوکی کا انتظام یہ تھا کہ ہر روز پچاس
سلحدار اور ہزار سپاہی اور امراو منصبدار محل شاہی میں باری باری سے حاضر رہتے
تھے اور ان کے افسر کو سرنوبت اور ان تمام سرنوبتوں کے افسر اعلیٰ کو سرسرنوبت کا

خطاب دیا گیا تھا۔

اگرچہ سلطان محمد شاہ میں انتہا کا غرور و تکبر تھا۔ مگر ساتھ ہی اس کے اس میں مذہب کی تعظیم و عزت کا خیال بھی کچھ کم نہ تھا۔ وہ فقرا کا معتقد تھا۔ جب کبھی کسی مہم پر جاتا تھا تو پہلے اپنے زمانہ کے شیخ سراج درویش کی ہمت طلب کرتا تھا۔ کعبہ شریف کا جو سیاہ غلاف اسکی والدہ ماجدہ مکہ معظمہ سے بطور تبرک کے لائی تھیں اس سے چتر شاہی تیار کرایا تھا کہ اس کے سر پر پردۂ حرم کا سایہ رہے خلیفہ عباسی کے پاس سے جو خطاب اور سند بادشاہت آئی تھی اس کی بڑی تعظیم و تکریم کی تھی۔ ان واقعات کے علاوہ سب سے زیادہ جو واقعہ اس کی خوش اعتقادی کو ثابت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے زمانہ میں بمقام دولت آباد حضرت شیخ زین الدین موجود تھے جو حضرت شیخ برہان الدین کے مرید بتائے جاتے ہیں۔ انہوں نے اس بنا پر سلطان سے بیعت نہیں کی تھی کہ وہ شراب خوار تھا حالانکہ ان کے زمانہ کے اور علماء فضلاء اور مشائخ نے اس کی بیعت میں کوئی عذر پیش نہیں کیا تھا۔ اس کے علاوہ جب دولت آباد کے گورنر اور مرہٹہ قوم کے راجہ نے بغاوت اختیار کی اور سلطان سے لڑائی کے بعد شکست کھا کر شیخ زین الدین سے صلاح پوچھی تھی۔ تو انہوں نے ان کو فرار کا حکم دیا تھا اور ان کے حق میں بحفاظت تمام مقام فرار پر پہنچنے کی دعا مانگی تھی۔ ان اسباب کدورت کی وجہ سے جب سلطان باغی امراء کے تعاقب میں دولت آباد پہنچا تو اس نے شیخ زین الدین کو دربار میں حاضر ہونے کیلئے حکم بھیجا۔ مگر آپ نے اس کی تعمیل نہ فرمائی۔ اور اس کے جواب میں ایک ایسی حکایت لکھ بھیجی جس سے سلطان نے اور غصہ میں آکر ان کے اخراج کا حکم صادر کر دیا۔ شیخ موصوف نے یہ حکم سنتے ہی اپنا کمبل اُٹھا کر دولت آباد کو چھوڑا اور شہر کے باہر آکر اور شیخ برہان الدین کے مزار پر بیٹھکر یہ کلمہ زبان مبارک سے فرمایا کہ اب ہمیں کون یہاں سے نکالتا ہے۔ شیخ کی اس جرأت کی خبر نے سلطان کے دل پر سخت

ندامت کا اثر پیدا کیا اور اس نے اپنی اطاعت کا پیام بھیجا اور شیخ کے فرمانے پر نہ صرف آپ ہی شراب خوری سے تائب ہوا بلکہ دارالسلطنت گلبرگہ سے تمام شراب خانوں اور سیندھی خانوں کو اٹھا دینے کا حکم صادر فرما دیا اس واقعہ کے بعد سے وہ ہمیشہ حضرت شیخ کا مطیع و فرمانبردار رہا۔ اور شیخ بھی اسے وقتاً فوقتاً صلاح نیک سے ہدایت فرماتے رہے۔

اگرچہ سلطان محمد شاہ کے عہد حکومت میں دائرۂ سلطنت کچھ زیادہ وسیع نہ ہوا مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں مدت دراز سے ہندوؤں کی جو ایک پر زور قوت قائم تھی جس سے سلاطین دہلی بھی خائف تھے بیخ و بن سے ایسی برباد کردی گئی کہ جسکو دوبارہ اپنی عروج کا وہ زمانہ دیکھنا نصیب نہوا۔ کہتے ہیں کہ ان راجوں کے مقابلہ میں جو دکن پر حاوی تھے پانچ لاکھ ہندوؤنکا خون سلطان کو بہانا پڑا تھا۔ کہ وہ لوگ غیر کی رعیت بننے سے قتل ہو جانے کو بہتر سمجھتے تھے۔

سلطان مجاہد شاہ بہمنی

سلطان محمد شاہ کی وفات کے بعد ۷۷۶ھ ۱۳۷۵ء میں اس کا اکلوتا بیٹا مجاہد شاہ جو ملک سیف الدین غوری نائب سلطنت کی لڑکی کے بطن سے تھا انیسویں سال کی عمر میں سریر حکومت پر جلوہ افروز ہوا۔ اس کے قلیل عہد حکومت میں صرف ایک ہی لڑائی بیجانگر کے راجہ سے ہوئی جس کا نتیجہ فریقین کے حق میں مفید نہوا اس جنگ و جدال کا اصلی سبب تعین سرحد تھا۔ مجاہد شاہ یہ چاہتا تھا کہ دریائے تنگبھدرہ حد فاصل قرار دیا جائے اور اس کے شمالی قلعہ اس کو دیدئے جائیں اور راجہ کشن رائے والی بیجانگر کی خواہش یہ تھی کہ دریائے کرشنا حد فاصل مقرر کیا جائے۔ اور رائچور اور مدگل جو اس کے آباو اجداد کے قبضے میں تھے اوس کو واپس کردئے جائیں۔ اس سرحدی نزاع کے پیدا ہوتے ہی سلطان مجاہد شاہ نے بیجانگر پر فوج کشی کی اور راجہ کشن رائے اس کے مقابلہ کے لئے اپنے مستقر سے آگے بڑھا۔ سلطان نے صفدر خاں سیستانی کو قلعہ ادونی کے محاصرہ کے لئے بھیجا اور اعظم ہمایوں کو مقدمۃ الجیش مقرر کر کے خود آپ ان کے پیچھے باہستگی روانہ ہوا۔ ادھر سے راجہ بیجانگر بھی گنگاوتی کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ مگر ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کی جرأت اور طرز جنگ کا سکہ پہلی لڑائیوں نے بخوبی بٹھادیا تھا اور اس اثناء میں مجاہد شاہ نے جس کی طاقت اور شجاعت پہلے ہی سے طشت از بام ہو چکی تھی از خود پیادہ پا صرف تیر و کمان سے ایک ہی تیر میں ایک مردم خوار شیر کا شکار کیا تھا۔ اسلئے اور بھی اس کی بہادری کی دھاک راجہ اور اس کے لشکر کے دلوں میں بندھ گئی اور وہ مقابلہ سے بچنے کی غرض سے بست بن رامیشر کے جنگلوں کی طرف روانہ ہوا۔ اس بادیہ پیمائی سے اسکا مقصد یہ تھا کہ اسلامی فوج ضرور اسکا تعاقب کرے گی اور پیچیدہ

دشوار گذار نامعلوم راستوں کی تکان اٹھاکر اور جنگل کی مرطوب اور خراب آب وہوا سے جو ان کے مزاجوں کو راست نہ تھی بیمار پڑ کر خود بخود بغیر کشت وخون کے ہلاک ہوجائیگی مگر چاہ کندہ را چاہ درپیش کی مثل صادق آئی۔ کیونکہ خود راجہ اور اوسکی تمام فوج جنگلوں کی خراب آب وہوا سے ہلاک ہونے لگی آخر اسے بمجبوری اپنے دارالسلطنت کو واپس ہونا پڑا۔ سلطان مجاہد شاہ نے بھی چھ ماہ کامل اس کے تعاقب میں گذارے اور اس کے پیچھے جنگلوں میں پھرا کیا۔ مگر اس پر بھی اس کے لشکر پر خراب آب وہوا کا کوئی اثر محسوس نہ ہوا۔ اس واقعہ سے اہل بصیرت پر ثابت ہوجائیگا کہ آب وہوا بھی اور اسباب دنیوی کی طرح اسی ایک ذات مقدس کے حکم کے تابع ہے۔ جسکی مشیت کے بغیر ایک ذرہ تک حرکت نہیں کرسکتا۔ جب راجہ بیجانگر میں پہنچکر قلعہ بند ہوا اور مسلمانوں نے اس کے شہر کا محاصرہ کیا تو اس وقت سلطان نے کچھ تو زر وجواہر کی طمع سے اور کچھ خدمت اسلام کے خیال سے شریرنگ نامی بتخانہ کو لوٹا جس کے بت تمام وکمال جڑاؤ اور سونے چاندی کے تھے اس مذہبی توہین سے جو ہندوستان میں ملکی ہمدردی پر غالب ہے۔ ہندوؤں نے جان توڑ کر سلطان کا مقابلہ کیا جسمیں ان کی بہت فوج جان سے ماری گئی اور اہل اسلام کا لشکر بھی کام آیا۔ کہتے ہیں کہ اس معرکہ میں چالیس ہزار ہندو قتل ہوے۔ اور ستر ہزار عورتیں اور بچے مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوئے کیونکہ اہل اسلام نے محمد شاہ بہمنی کے دستور کے بموجب عام رعایا کو قتل نہیں کیا۔ اگرچہ سلطان مجاہد شاہ کو اپنے چچا داؤد خاں کی غلطی سے اس جنگ میں کامیابی تو نصیب نہوئی مگر جس حکمت عملی اور چالاکی سے اپنے لشکر کو ایک خطرناک جگہ سے وہ سلامت نکال لایا جس میں داؤد خاں کی غلطی سے پھنس گیا تھا۔ وہ بھی کچھ کم کامیابی نہ تھی۔ اگر ہندو سودرہ کے دروازہ پر اس وار وگیر میں قبضہ کئے رہتے جس دروازہ کو داؤد خاں نے خلاف حکم سلطان خالی چھوڑ دیا تھا۔ تو لشکر

اسلام کا ایک متنفس بھی تو جان سلامت لیکر گلبرگہ واپس نہ جاتا۔ الغرض سلطان نے بیجانگر کو بہت کچھ خراب و برباد کر کے ادونی کے قلعہ کا محاصرہ کیا مگر اس کو پوری کامیابی نہ ہوئی اور اسہال پیچش کی بیماری کے پھیلنے اور ملک نائب سیف الدین غوری کے سمجھانے بجھانے سے اس نے محاصرہ کو بھی اٹھا دینے کا حکم دیا اور لشکر کو پیچھے چھوڑ کر چار سواروں کے ساتھ بغرض شکار مدگل اور رائچور کی طرف روانہ ہوا۔

سلطان کے ہمرائیوں میں جو کوہ و صحرا میں بے دھڑک شکار کھیلتا ہوا پھرتا تھا۔ داؤد خان اس کا چچا جسے اس نے بیجانگر کے محاصرہ کے وقت اس خطرناک غلطی پر سخت و سست کہا تھا۔ اور مسعود خاں جس کے باپ کو سلطان نے زور آزمائی کے حیلہ سے قتل کیا تھا اور محمد خاں دولت آباد کا گورنر جس کو اس نے وہاں کی حکومت سے معزول کر دیا تھا۔ تینوں موجود تھے۔ یہ تینوں شخص اپنے اپنے چھپے ہوئے کینو ں کی وجہ سے سلطان کی قتل کی فکر میں تھے۔ مگر انہیں صفدر خاں سیستانی اور اعظم ہمایوں کی وجہ سے موقع نہیں ملتا تھا۔ یہ دونوں امیر سلطان کے سچے خیر خواہ اور دشمنوں کی چالوں سے ہوشیار و آگاہ تھے انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ سلطان کی بدزبانی و بے احتیاطی اور غرور و قوت نے کئی ایک اس کے جانی دشمن پیدا کر دئیے ہیں اور اس لئے وہ اسکی جان کی حفاظت میں سرگرم رہتے تھے۔ مگر کرشنا کے کنارے پہنچتے ہی اس نے ان خیر خواہوں کو اپنے اپنے ممالک میں چلے جانے کا حکم دیا۔ اور انہیں بڑی کراہت اور مجبوری سے منظور کرتے ہی بن پڑا۔ ادھر تو یہ لوگ اپنے اپنے مستقر کو روانہ ہوئے۔ اُدھر دشمنوں کو انکی غیبت میں سلطان کے قتل کا پورا موقع ہاتھ آیا۔ اس اثنا میں سلطان نے ایک روز دریائے کرشنا کے کنارے مچھلی کا شکار کھیلا۔ اور شام کو آنکھوں کے درد سے خیمہ میں جا کر سو رہا قاتلوں نے پہلے ہی سے چوکی پہرے والوں کو ہموار کر رکھا تھا۔ اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ خیمہ کے قریب خود پہرہ دینے لگے۔ جب آدھی رات گذری تو داؤد خاں

مسعود خاں اور خان محمد تینوں اوچی بنے ہوئے خیمہ کے اندر گئے۔ سلطان کو پلنگ پر سوتا اور ایک حبشی غلام کو پاؤں دباتے ہوئے پایا۔ غلام داؤد خاں کو خنجر بکف دیکھکر چلایا اور سلطان نے اٹھکر بہت کچھ اپنی آنکھوں کے کھولنے کی کوشش کی۔ جو درد اور ورم سے بند ہوگئیں تھیں۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اتنے میں داؤد خاں نے اس زور سے سلطان کے پیٹ میں خنجر مارا کہ اسکی آنتیں باہر نکل پڑیں۔ اور مسعود نے غلام کو شمشیر کے وار سے ہلاک کرکے ایک ایسی ضرب سلطان کے سر پر ماری کہ وہ فوراً راہی ملک عدم ہوا۔ اس قتل کی اصلی وجہ سلطان کی بدخلقی و بے پروائی تھی۔ جو غصہ کی کثرت طاقت جسمانی کے غرور ناشایستہ صحبت کی تاثیر سے بچپن ہی سے اس میں سرایت کرگئی تھی۔ اس سلطان کی عمر تقریباً ۲۱ برس اور مدت حکومت تین سال تھی۔

سلطان مجاہد شاہ حسن صورت اور زور طاقت میں ممتاز تھا۔ اور اس زور و قوت کے ساتھ اس میں جوہر شجاعت اور بہادری اور فنون جنگ بھی موجود تھے اور تیراندازی میں بے مثل تھا۔ مگر اس کے غیظ و غضب۔ ناعاقبت اندیشی عدم احتیاط سے خفت عقل ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں جسمانی قوت پائی جاتی ہے وہاں عقلی کمزوری بھی اکثر دیکھی جاتی ہے۔ وہ زبان ترکی اور فارسی کو بے تکلف بولتا تھا۔ اور ترکی زبان میں خصوصیت کے ساتھ اس کو مہارت حاصل تھی۔ اس کا اصلی سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکے جلیس اور یار غار ترک اور اہل فارس تھے۔ جو اس کی صحبت کو ہمیشہ گرم رکھتے تھے۔ اور زبان کی وجہ سے بھی اس کو ان سے ایک خاص قسم کا انس تھا۔ ان زبانوں کے بولنے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ مجاہد شاہ ایک تعلیم یافتہ شخص تھا جیسا کہ بعض انگریزی مورخین کا گمان ہے۔ اس کی جہالت اور کمینہ وری اس واقعہ سے بخوبی ثابت ہے کہ جب نوعمری میں اس نے اپنے باپ کے خزانہ کا قفل توڑ کر کچھ اشرفیوں اور روپیوں کے توڑے نکالے اور انہیں اپنے یاروں میں تقسیم کیا تو خزانچی نے جسکا نام مبارک تھا اس حرکت بے جا کی

خبر سلطان محمد شاہ کو کی جس نے غصہ میں آکر اس ناشائستہ حرکت پر اسقدر کوڑوں سے پٹیا کہ اس کی پیٹھ لہولہان ہوگئی اور اس نے مبارک کی شکایت اپنی ماں سے کی۔ اسپر اسکی والدہ نے جو ایک عقیل عورت تھی۔ یہ جواب دیا کہ مبارک نے اپنے فرض منصبی کو ادا کیا۔ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔ مجاہد شاہ نے جس کے دل میں لڑکپن ہی سے قوائے نفسانی زور دار تھے والدہ کی اس معقول بات کو گوش دل سے نہ سنا اور مبارک سے دوستی کا اظہار کرکے کشتی کے بہانے سے اس کو قتل کر ڈالا۔ ان اخلاقی کمزوریوں کے ساتھ اس میں شجاعت اور دلیری بھی بہت بڑھی ہوئی تھی جب اُس نے راجہ بیجانگر پر فوج کشی کی تھی تو گنگاوتی کی راہ میں خود تیر کمان لیکر ایک مردم خوار شیر کا مقابلہ کیا تھا۔ جو جسامت اور غصہ میں فرد فرید تھا اور ایک ہی تیر میں اسکو ہلاک کر دیا تھا۔ دست بدست شیر سے لڑنا کوئی آسان بات نہیں اس زمانہ میں جبکہ ایک بندوق کی گولی بہت دور سے کئی شیروں کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ بڑے بڑے درختوں پر مچان باندھے جاتے ہیں جہاں بیچارے شیر کا کسی طرح بھی گذر ناممکن ہے اور پھر شکار کھیلنے والے صاحب جن کے سامنے پہلے سے ہوش باختہ شیر چاروں طرف سے گھیر کر لایا جاتا ہے اس کو اپنی خطا نکرنے والی بندوق کا نشانہ بناتے ہیں۔ انصاف تو یہ ہے کہ اُس زمانہ کے اعتبار سے آج کل آلات حرب کی ترقی نے انسان کی شجاعت کو گھٹا دیا ہے۔ شجاعت وہ تھی جس کو مجاہد شاہ نے شیر کے شکار میں ظاہر کیا تھا۔ جو اس زمانہ کے شکار کا عام طریقہ تھا۔ مجاہد شاہ میں دور اندیشی اور احتیاط مطلق نہ تھی کیونکہ وہ اپنی جسمانی طاقت کے بھروسہ پر ہر جگہ تن تنہا چلا جاتا تھا اور عقل کی کمی کی وجہ سے اپنے دوست و دشمن اور اُن کے مکر و فریب کو تمیز نہ کر سکتا تھا۔ جسکا ثبوت اس کے قتل کے واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے۔ اس بادشاہ کو اتنا وقت نہیں ملا تھا جو خلق اللہ کے عام فائدہ کا کوئی کام اسکے

ہاتھ سے بن آتا۔ تاہم بیجانگر پر فوج کشی کے درمیان میں اس نے اس مسجد علاؤ الدین کی مرمت کرائی تھی۔ جو اس کے عہد حکومت سے پچاس برس پہلے تعمیر ہوئی تھی۔ سلطان مجاہد شاہ درویشوں کا بہت معتقد تھا۔ تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی اس نے دولت آباد میں آکر حضرت زین الدین رحمہ اللہ خلیفہ حضرت برہان الدین کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

سلطان مجاہد شاہ کے زمانہ میں بہمنی سلطنت کی حدود میں کوئی ترقی نہیں ہوئی ایک ہی حال پر قائم رہی۔ گو اس کو سرحد کے بڑھانے اور نئے ممالک کے فتح کرنے کا جوش تھا۔ مگر موت نے دفعتاً آکر تمام خواہشوں کو ٹھنڈا کر دیا اور ملک کی ترقی کو آیندہ نسلوں پر چھوڑنے کیلئے مجبور کیا۔

سلطان داؤد شاہ بہمنی

سلطان مجاہد شاہ کے قتل کے بعد اس کا قاتل چچا داؤد شاہ سلطان علاؤالدین گنگو بہمنی کا منجھلا بیٹا مقام قتل ہی پر تخت سلطان کا مالک ہو گیا۔ اور اس کے متعلقین اور اہل لشکر نے اس کی اطاعت قبول کی۔ اور یہاں سے بڑی رعب و داب کے ساتھ وہ دارالسلطنت گلبرگہ کی طرف روانہ ہوا۔ مگر اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ زمانہ میں انتقام کی خاصیت موجود ہے۔ جو تخت خون بہا کر حاصل کیا جاتا ہے وہ تختہ تابوت سے بدل جاتا ہے۔ مجاہد شاہ کی ناگہانی قتل نے سوتے ہوئے فتنوں کو چونکا دیا۔ اس کے مارے جانے کی خبر سنکر صفدر خاں سیستانی اور اعظم ہمایوں نے باہم مشورہ کرکے اپنے اپنے مستقر کو جانے اور بغاوت کے خفیہ اسباب فراہم کرنے کی تجویز ٹھرائی۔ اور اس ارادہ کے چھپانے کے لئے داؤد شاہ کو اپنے نہ آنے کا کوئی معقول سبب لکھ بھیجا اُدھر راجہ بیجانگر نے اپنے دشمن کے اتفاقی موت پر شادیانے بجاکر رائچور کے قلعہ کا محاصرہ شروع کر دیا۔ اور خاص دارالسلطنت گلبرگہ میں بھی فتنہ وفساد کی آتش بھڑکنے کے سامان مہیا ہو گئے۔ کیونکہ ایک فریق تو داؤد شاہ کو تسلیم کرنے پر مستعد اور دوسرا فریق اس کے چھوٹے بھائی محمود شاہ کو تخت پر بٹھانے کیلئے آمادہ تھا۔ اور ہر فریق اپنے اپنے مقاصد کے حاصل کرنے میں مدعی تھا۔ اور خاص دارالسلطنت میں سازشوں کا بازار گرم ہو رہا تھا۔

ملک نائب سیف الدین غوری نے جو ایک پرانا تجربہ کار اور مدبر شخص تھا جس کے ہاتھ میں اب تک بدستور سابق عنان حکومت موجود تھی ان فتنوں اور فسادوں کو چاروں طرف اٹھتے ہوئے دیکھکر یہ خیال کیا کہ سردست ان بڑھتے ہوئے شعلوں کو ٹھنڈا کیا جائے جو خانہ حکومت کو جلا کر خاک سیاہ کر دینگے۔ وہ ایک با اثر وزیر تھا۔ لوگ اس کی بات کو

دل وجان سے مانتے تھے۔ اس لئے سب نے اس کی اس تجویز کو مان لیا کہ داؤد شاہ ہی تخت شاہی پر برقرار رہے جس پر وہ خود خون بہاکر بیٹھ چکا ہے۔ یہ سچی ملکی خیرخواہی تھی کہ اس وزیر اعظم نے جس کے نواسے کو داؤد خاں نے قتل کیا تھا اپنی خود غرضی اور رنجش ذاتی کو صرف ملک کی بربادی کے خیال سے ترک کر دیا۔ اور اپنے نواسے کے قاتل کی دل سے بیعت کر کے تمام اہل ملک کو اسکی حکومت قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ اور محل کی عورتوں سے بھی اس کی بیعت لی گئی۔ مگر باوجود اپنے نانا کی اس سخت کوشش کے بھی سلطان مجاہد شاہ کی حقیقی بہن نے جو حرم سرا کی عورتوں میں بہت سوز زبانی جاتی تھی اور جس کا نام روح پرور آغا تھا داؤد شاہ کی سلطنت کو قبول نہ کیا اور اس کو مبارکباد نہ دی۔ سلطان نے ہرچند کوشش کی کہ یہ باوقار اور شیر دل عورت جس کے ہاتھ میں تمام محل سرا کا انتظام تھا اس سے ملجائے۔ مگر وہ کسی تدبیر سے اس کی بیعت پر راضی نہ ہوئی اور اپنے بھائی کے خون کا عوض لینے کی فکر میں رہی۔ اس نے ایک نوجوان امیر کو جو اس کے شہید بھائی کا مصاحب اور ساتھ ہی اس کے نہایت ہی دلیر اور بے باک تھا۔ اور جس کے ساتھ اپنی زندگی میں اس کے بھائی نے بہت کچھ سلوک بھی کیا تھا اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنی جان سے ہاتھ اٹھاکر داؤد شاہ سے اپنی جانی دوست مجاہد شاہ کے قتل کا قصاص لے۔ عورتوں کا دام کچھ ایسا سخت ہوتا ہے جس سے بڑے بڑے تجربہ کار تو بچ ہی نہیں سکتے۔ اس نوجوان ناتربیت یافتہ کا شمار تو کس میں تھا۔ اسنے فوراً اس چالاک عورت روح پرور آغا کی تحریص واغوا کو قبول کر کے جمعہ کے روز مسجد جامع میں جبکہ سلطان داؤد شاہ سجدے میں سرنگوں تھا ایک ہی تلوار کے وار میں اس کا کام تمام کیا محمد خاں نے جو اسوقت نماز میں موجود تھا اپنے رشتہ دار کو مقتول دیکھکر فوراً اس کو بھی جان سے مار ڈالا۔ اور وہیں کا وہیں خون کا عوض لے لیا اور اسطرح سلسلہ انتقام متواتر تین آدمیوں کی جانیں جانے کے بعد تیسرے آدمی پر ختم ہوا۔

مسلمان عورتوں کا درجہ جو اس زمانہ میں تھا وہ اس ہمارے منزل کے زمانہ میں بڑے استعجاب کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔ روح پرور آغا نے داؤد شاہ کے قتل کے بعد محل شاہی کے دروازے بند کرا دئیے اور اس کے بیٹے محمدؐ سنجر کو جس کی عمر نو سال کی تھی تخت شاہی پر ہرگز بیٹھنے نہ دیا۔ حالانکہ خان محمدؐ اور دوسرے امرا کی یہ کوشش تھی کہ یہ کم عمر شہزادہ تخت سلطنت پر بٹھایا جائے۔ مگر روح پرور آغا نے اسکی آنکھوں میں سلائیاں پھروا کر اندھا کرا دیا۔ اور محمود شاہ برادر داؤد شاہ کے ہاتھ پر بعیت کی اور کسی کی اپنے آگے چلنے نہ دی۔

سلطان داؤد شاہ بہمنی کا زمانہ حکومت ایک ماہ پانچ یوم سے زیادہ نہ تھا اور صرف ۷۸۰ھ میں اس نے حکومت بھی کی اور اس دارحوادث کو خیرباد کہا۔ اس سلطان کے تین فرزند تھے جن میں سے ایک تو محمدؐ سنجر تھا جسکو روح پرور آغا نے نابینا کرا دیا تھا اور دوسرے دو بیٹے فیروز اور احمد نامی تھے۔ جنہیں بعدازاں اپنے باپ کی خواہش دلی پورا کرنے یعنے سلطنت کا مزا چکھنے کا پورا موقع ملا۔

سلطان محمود شاہ بہمنی

داؤد شاہ کے قتل کے بعد خان محمدؒ نے یہ کوشش کی کہ اس کا بڑا بیٹا محمد سنجر اس کا جانشین مقرر کیا جائے۔ مگر روح پرور آغا کے اثر کے سامنے جو تمام محلسرا پر حاکم تھی اور جس کی وقعت امرائے کبار کے دلوں میں زیادہ تھی اس سے کچھ نہ ہو سکا۔ آخر کار اس معاملہ میں خان محمدؒ نے ملک سیف الدین غوری سے استعانت چاہی وہ مستعفی ہو کر گھر بیٹھا تھا اُس نے صاف کہدیا کہ تخت نشینی کے معاملہ میں صرف روح پرور آغا ہی کی رائے تسلیم کیجائیگی۔ اور یہ امر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ جب خان محمدؒ نے یہ دیکھا کہ ملک سیف الدین روح پرور آغا کی رائے کا تابع ہے اور اسی کی بات کو لوگ دل وجان سے قبول کریں گے تو وہ اسکو لیکر حرم سرا کی ڈیوڑھی پر آیا اور روح پرور آغا اور تمام دوسرے امرائے سلطنت میں تخت نشینی کے مسئلہ میں مباحثہ ہوا۔ محمدؒ سنجر کے خلاف اس مدبر عورت کی دلیل یہ تھی کہ قاتل تخت سلطنت کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اور اسی بناء پر اس کے بیٹے کو بھی کوئی حق نہیں پہنچتا اسلئے محمود تخت پر بٹھایا جائے۔ الغرض بہت بڑے بحث ومباحثہ کے بعد روح پرور آغا کے منشاء کے بموجب سلطان محمود جو سلطان علاؤ الدین حسن کا چھوٹا بیٹا تھا ۷شعبان ۷۸۰ھ میں تخت فیروزہ پر جلوہ افروز ہوا اور محمدؒ سنجر اندھا کر کے گوشہ عزلت میں بٹھا دیا گیا۔

سلطان محمود شاہ تخت سلطنت پر بیٹھا۔ تو اس نے سب سے پہلے سیف الدین غوری کو۔ جو امور حکومت سے مستعفی ہو کر گوشہ نشین تھا۔ پھر خدمت نیابت سلطنت پر مقرر کیا جس کو وہ ایک مدت دراز سے نہایت ہی خوبی اور دیانت وامانت کے ساتھ انجام دیتا رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے سلطان مجاہد شاہ کے قاتلوں کو سزائیں دیں۔

مسند عالی محمود خاں کو جو مایۂ فساد تھا ساگر کے قلعہ میں قید کر کے بھجوایا جہاں وہ اپنی طبعی موت سے فوت ہوا اور مسعود کو کھال کھنچوا کر سولی دلوائی ان ضروری سزاؤں کے بعد اس نے اپنی توجہ کو رعایا اور برایا کی بہبودی اور فلاح کیطرف متوجہ کیا۔

دکن کی تاریخ میں اس بادشاہ کا عہد حکومت بلحاظ امن و امان اور راحت و آرام کے بے نظیر ہے کیونکہ اُنیس ۱۹ برس میں سوا ایک چھوٹی سی بغاوت کے اور کوئی لڑائی یا خونریزی عمل میں نہیں آئی۔ اس زمانہ میں جبکہ تمام ہندوستان میں طوائف الملوکی اور کشت و خون کا بازار گرم تھا دکن میں یہ پُرامن و راحت عہد کوئی معمولی بات نہ تھی اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ سلطان ایک تعلیم یافتہ۔ رحم دل۔ اور صوفی منش آدمی تھا۔ جس کے قوائے حیوانی مغلوب اور روحانی غالب تھے۔ اس کو ملک بڑھانے اور مال و زر جمع کرنے کی مطلق خواہش نہ تھی جس کا لازمی نتیجہ امن و امان تھا۔ اس کے عہد حکومت کے آخری زمانہ میں جو ایک چھوٹی سی بغاوت ظاہر ہوئی وہ اس کے بعض امرائی حرص و طمع دنیوی پر مبنی تھی۔ چنانچہ جب اس کے دو امیر جنھیں اس کے رحم و کرم نے سربرآوردہ کیا تھا اور جن کا باپ سلطان کے طرف سے ساگر کا گورنر تھا باغی ہوئے اور یہ دونوں جو باہم بھائی تھے اس سے پھر کر اپنے باپ کے پاس پہنچے اور اس کو بغاوت پر مجبور کیا۔ تو ان کی سرکوبی کے لئے ایک ترک یوسف اژدر روانہ کیا گیا جس کو لوگ کالا پہاڑ کہتے تھے اور جو جوانمردی میں مشہور زمانہ تھا۔ اگرچہ سلطانی لشکر کو ان دونوں بھائیوں محمد اور خواجہ نے کئی دفعہ شکست دی اور معرکہ آرائی میں جوہر شجاعت دکھائے مگر اہل قلعہ نے بے وفائی کر کے ان کے باپ بہاؤالدین کو قتل کر ڈالا۔ اور قلعہ کا دروازہ شاہی فوج کے لئے کھول دیا۔ اسپر بھی یہ دونوں امیر جان دیکر لڑے اور بہادری سے مرجانے کو جان بچانے پر ترجیح دی۔

گو سلطان محمود شاہ کے زمانہ میں ملک کا رقبہ وسیع نہیں ہوا۔ مگر رعایا کی آسائش

اور راحت کے کئی کام ہوئے۔ سلطان نے اپنے ملک کے تمام قصبوں میں رعایا کی تعلیم کے لئے مدارس جاری کئے جن میں غریبوں اور یتیموں کو مفت پڑھنا لکھنا سکھایا جاتا تھا ہندوستان کے اس روشن زمانہ میں بھی جبکہ جا بجا مدارس قائم ہیں اب تک مفت تعلیم جاری نہ ہوئی۔ بلکہ مدارس سرکاری میں اسقدر زیادہ فیس لینے کا دستور ہے کہ غربا اعلےٰ درجہ کی تعلیم ہی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ حالانکہ اُس ترقی نایافتہ زمانہ میں عام تعلیم کے لئے کوئی فیس یا اجرت مقرر نہ تھی۔ جو ایک سچی ہمدردی انسانی کی دلیل ہے۔ مدارس کے علاوہ سلطان محمود شاہ نے اندھوں کی راحت و آرام کے لئے اسقدر اچھے وظیفے مقرر کئے تھے کہ لوگ خود اپنی آنکھیں پھوڑ کر اس راحت و آرام سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ جو سلطنت کی طرف سے اندھوں کے لئے مہیا تھے قحط کے زمانے میں وہ خود مالوہ اور گجرات سے غلہ طلب کرکے رعایا کے ہاتھ ارزاں نرخ سے بیچتا تھا۔ تاکہ لوگوں کو قحط کی تکلیف اٹھانی نہ پڑے عام تعلیم کے سوا اس نے مذہبی تعلیم کی اشاعت بھی کی تھی۔ اور اپنے ملک میں جا بجا محدثین اور واعظین مقرر فرمائے تھے کہ لوگوں میں مذہبی تعلیم کی اشاعت کریں۔ رعایا کی تعلیم اور محتاجوں کی پرورش کا اسکو اسقدر خیال تھا کہ مدرسین اور واعظین کے کاموں کی نگرانی کے لئے نگرانکار مقرر کئے گئے تھے۔ جو وقتاً فوقتاً پرچہ دیتے رہتے تھے۔ اس عام تعلیم کے علاوہ اس کے عہد میں اہل علم و اہل کمال کی بھی اسقدر قدردانی کی جاتی تھی کہ اسکی شہرت سنکر اہل کمال اور اہل علم دور دور ملکوں سے آتے اور دارالسلطنت کو آباد کرتے تھے چنانچہ عجم سے ایک شاعر دکن میں آیا اور اس نے میر فیض اللہ صدر الصدور کی وساطت سے قصیدہ پیش کیا تو اس کو صلے میں ہزار تنگہ یعنی ہزار تولہ سونا عنایت کیا گیا علم و کمال کی اسی شہرت کو سنکر خواجہ حافظ شیرازی نے بھی گلبرگہ آنے کا قصد کیا تھا اور میر فیض اللہ نے ان کے لئے زادراہ اور ایک شاہی کشتی مقرر کی تھی۔ مگر خواجہ صاحب

ایک تارک الدنیا آدمی تھے کب دنیوی خواہش کی پیروی کر سکتے تھے۔ جو ان کے دل میں اسیطرح اتفاقی طور سے آگئی تھی جیساکہ اہل دنیا کے دلوں میں کبھی خدا کی یاد آجاتی ہے اور پھر فوراً ہی دور ہو جاتی ہے۔ دریا کا تلاطم دیکھکر کشتی سے اُتر کر کنارے پر آکھڑے ہوئے اور یہ غزل لکھکر میر فیض اللہ کے پاس روانہ کردی جس کے ان تین شعروں سے ان کے خیالات، اس سفر کے متعلق معلوم ہو سکتے ہیں اور وہ اشعار یہ ہیں۔

دمے با غم بسر کردن جہاں یکسر نمی ارزد ۔۔۔ بمے بفروش دلق ما کزیں بہتر نمی ارزد

بسے آساں نمود اول غم دریا ببوے زر ۔۔۔ غلط کردم کہ یک موجش بصد من زر نمی ارزد

چو حافظ در قناعت کوش و از دنیائے دوں بگذر ۔۔۔ کہ یک جو منت دوناں جہاں یکسر نمی ارزد

جب سلطان کے سامنے یہ غزل پڑھی گئی۔ تو اس نے ازراہِ قدردانی ملا محمد قاسم مشہدی کی معرفت حافظ کو ہزار تنگہ طلائی جو تقریباً ساڑھے چار ہزار روپیہ کے برابر ہیں بھیجدئے۔ اہل علم کی قدردانیوں سے سلاطین ماضیہ کا مقصد یہ تھا کہ ملک میں اہل علم جمع ہوں جن کی صحبت سے اہل ملک میں علم و کمال شائع ہوتے رہیں۔ علماء اور فضلاء کے علاوہ وہ اولیاء اللہ اور مشائخ کا بھی بڑا خدمتگزار اور معتقد تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ محمد سراج درویش جو ایک زمانۂ دراز سے گلبرگہ میں تھے بیمار ہوئے تو سلطان خود انکی عیادت کے لئے حاضر ہوا اور ان کے وصال کے بعد زیارت کے دن انکی قبر پر فاتحہ خوانی کیلئے آیا۔ اس تعظیم و تکریم سے خوشنودی خدا کے علاوہ یہ غرض بھی تھی کہ ملک میں اہل اللہ کی قدردانی کا رواج ہو اور اس ذریعہ سے یہ نجات ابدی کا علم اس ملک سے اُٹھنے نہ پائے۔ عام تعلیم و تربیت کے ماسوا اس کے عہد حکومت میں عدالت کا انتظام بھی زیادہ تھا۔ جسکا ثبوت اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے کہ جب ایک قاضی کے سامنے ایک عورت بالزام جرم زنا لائی گئی اور اس سے پوچھا گیا کہ تو نے ارتکاب جرم زنا کیا۔ تو اس نے جواب دیا کہ چونکہ شریعت محمدی میں مرد کو چار عورتوں کے

کرنے کی اجازت ہے۔ اسلئے مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ اسی طرح عورت کو بھی چار مرد کرنیکی اجازت ہے۔ اور عدم واقفیت کی وجہ سے یہ جرم سرزد ہوا اب اس کے خلاف معلوم ہوا ہے۔ اس لئے میں توبہ کرتی ہوں۔ آیندہ سے اس جرم کا ارتکاب نہ کرونگی۔ یہ جواب سنکر قاضی کو سوا معاف کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

انیس۱۹ برس نوماہ ۲۴ یوم حکومت کرنے کے بعد سلطان محمود شاہ تپ محرقہ میں مبتلا ہوکر راہی ملک عدم ہوا اور اسکی وفات کے دوسرے روز ملک نائب سیف الدین غوری کا بھی انتقال ہوگیا جسکی عمر ایکسو ساٹ برس کی تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ملک سیف الدین ایک نہایت ہی لائق وفائق مدبر اور منتظم وزیر تھا جس کی بدولت سلاطین بہمنی کو یہ انتظامی اور ملکی رونق نصیب ہوئی تھی۔

سلطان محمود شاہ بہمنی ایک تعلیم یافتہ۔ رحم دل۔ صوفی منش مدبر آدمی تھا۔ اس نے اس زمانہ کے تمام متداولہ علوم و فنون حاصل کئے تھے۔ عربی فارسی بانوں میں بے تکلف فصیح تحریر اور تقریر کرتا تھا۔ علماء اور فضلاء و اہل معرفت و صاحب کمال لوگونکی صحبت کو بہت پسند کرتا تھا۔ شاعروں کا بڑا قدردان تھا اور خود بھی شاعر تھا اس کا زور طبع۔ سلاست بندش مضمون آفرینی اس کے ان اشعار سے بخوبی واضح ہے اور وہ یہ ہیں

آنجا کہ لطف دوست دہد منصب مراد | بخت سیاہ و طالع میمون برابر است
عافیت در سینہ کار خون فاسد می کند | رخصتے اے دل کہ از الماس نشتر میخورم

وہ فارسی اور عربی میں خوشنویس تھا۔ اور قرآن شریف کو قرأت کے ساتھ بہت اچھے لہجہ میں پڑھتا تھا۔ اس کی پرہیزگاری کی حالت یہ تھی کہ اس نے ایک بی بی کے سوا اور کسی عورت کا منہ نہیں دیکھا اسکو نہ تو کسی خوشی سے زیادہ خوشی اور نہ کسی رنج سے زیادہ رنج ہوتا تھا جس سے بخوبی ثابت ہے کہ ریاضت روحانی اور مجاہدہ نفسانی کا بھی اس کو شوق تھا کہ بغیر اس کے یہ حالت آدمی کو میسر نہیں ہوسکتی ہے۔

سُلطان غیاث الدین بہمنی

سنہ ۱۳۹۶ء میں سلطان غیاث الدین سلطان محمود کا بڑا فرزند سلطنت بہمنہ کے تخت فیروزہ پر بیٹھا۔ وہ سترہ برس کا ناتجربہ کار نوجوان تھا۔ اس نے اپنے باپ کی طرز حکومت پر چلنا چاہا۔ اور امرائے دولت کو درجہ بدرجہ انعام واکرام سے خوش دل کیا۔ مگر ایک معتبر امیر کو جو اس کے باپ کے وقت کا ترکی غلام تھا سلطان سے صرف اس بنا پر عداوت پیدا ہو گئی کہ اس نے احمد بیگ قزوینی کو خدمت پیشوائی یا نیابت اور اعظم ہمایوں کے فرزند کو سرنوبتی کی ملازمت عطا کی تھی۔ جنھیں وہ اپنے اور اپنے بیٹے کے لئے چاہتا تھا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ سلطان ازروئے حقارت اسکی حاضری اور غیبت میں یہ کلمہ زبان سے نکالا کرتا تھا کہ غلاموں کو لوگوں پر سردار بنانا نہیں چاہئے کیونکہ اپنی اولاد رسول بھی موجود ہیں یہ تحقیر آمیز کلمہ اس ترکی غلام تغلچین کے دل پر نشتر کا کام کرتا تھا۔ جس نے سلطان کے قلع قمع کرنے کا مصمم ارادہ اپنے دل میں ٹھان لیا تھا۔ تغلچین کی ایک نہایت ہی حسین لڑکی تھی جس کو عام تعلیم وتربیت کے سوا علم موسیقی میں بھی کمال تھا۔ ایک تو حسن ظاہری کیا کم تھا اس پر علم نوشت وخواند اور موسیقی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا جس سے جسمانی خوبصورتی کو رونق دوبالا ہو گئی۔ بادشاہ اس لڑکی سے غائبانہ محبت رکھتا تھا اور کوئی پہلو اس کے وصال کا ڈھونڈھتا تھا۔ تغلچین نے اس فریفتگی کو معلوم کر کے اس کو اپنے شکار کا ایک مضبوط دام قرار دیا اور سلطان کو دعوت کے بہانے سے بلا بھیجا۔ عشق میں تو انسان اندھا ہو ہی جاتا ہے۔ سلطان نے بغیر حزم واحتیاط کے اسکی دعوت قبول کی اور فوراً اس کے مکان پر اس امید سے چلا گیا کہ وہ ضرور اس تقریب

اپنی حسین لڑکی کو اسکی نذر کریگا۔ تغلچین نے اپنے ایک معتبر غلام کو ساقی بنا کر سلطان کو خوب ہی شراب پلوائی۔ اور خلوت کرانے کے بہانے سے اس کے تمام مصاحبوں کو باہر بھجوادیا۔ سلطان تو اپنی معشوقہ کے انتظار میں چور ہی تھا۔ اسلئے اس نے اس خلوت کو غنیمت سمجھا مگر امید کے خلاف اندر سے وہ حسین لڑکی تو اسکی خدمت میں نہ آئی۔ خود تغلچین خنجر کھینچے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ جس کو دیکھکر سلطان سیڑھی کی طرف بھاگا۔ مگر آخری سیڑھی تک پہنچنے پر تغلچین نے اس کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا اور اپنے غلام طرب کی مدد سے اس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پر باندھکر خنجر سے اسکی دونوں آنکھیں نکالڈالیں۔ اس بیرحمی کے بعد باہر سے ایک ایک خیرخواہ اور سربرآوردہ امیر کو سلطان کے نام سے بلوا کر قتل کیا جب اکیس امیر قتل ہو چکے تو اسوقت تغلچین نے سلطان کو ساگر کے قلعہ میں بھجوادیا اور اس کے بھائی شمس الدین کو تخت سلطنت پر بٹھایا اور خود اسکی نیابت کا کام کرنے لگا۔ اہل اسلام کی غلامی میں غلاموں کو جو اقتدار و اعتبار حاصل ہوتا ہے اوسکی ایک ادنی سی مثال یہ ہے۔

سلطان غیاث الدین کی مدت حکومت جسکو شراب خواری اور عشق بازی نے دام ہلاکت میں پھنسایا تھا صرف ایک ماہ بیس یوم تھی۔

سلطان شمس الدین بہمنی

سلطان غیاث الدین کے مکحول اور محبوس ہونے کے بعد اس کا بھائی تخت سلطنت پر بٹھایا گیا۔ اسوقت اس کی عمر ۱۵ برس سے زیادہ نہ تھی۔ ایک تو یہ کمسنی دوسرے بھائی کی افسوس ناک حالت پیش نظر۔ ان دونوں لحاظ سے اس نے امور مملکت میں دخل نہ دیا بادشاہی کے نام ہی پر قناعت کی تغلچین کو جس نے امرائے نامدار کو قتل کر کے اور اسکے بھائی کو اتار کر اس کو تخت فیروزہ پر بٹھایا تھا ملک نائب اور امیر جملگی کی خدمت اور منصب عطا کی۔ اور باطناً اس کا تابع فرمان ہو گیا جو کچھ تغلچین اور اوس کی والدہ کہتی تھی جو سلطان غیاث الدین کی ماں کی لونڈی تھی اور جس کو تغلچین نے اپنی دوستی سے مشرف فرما کر مخدومہ جہاں کا خطاب دلوایا تھا۔ اسکو وہ بسر و چشم بجا لاتا تھا۔ تغلچین نے روزانہ تحفہ و تحائف کی کثرت سے اس عورت کو اپنا ایسا دوست بنا لیا تھا کہ وہ اسی کا دم بھرتی تھی۔ اور سلطان کو یہ کہکر ڈرایا کرتی تھی کہ دیکھو یہ بادشاہی تغلچین کے طفیل سے تمھیں ملی ہے کسی کے کہنے سننے سے منحرف نہ ہوجانا۔ مگر انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ لوگ ایک ادنے شخص کے غیر معمولی اقتدارات اور بے انتہا زور حکومت کو دیکھکر خودبخود حسد کی وجہ سے جو اہل دنیا کے خمیر میں ہوتا ہے اس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ تغلچین کا یہ بڑھتا ہوا عروج اور بادشاہ کی ماں سے یہ گہری محبت دیکھکر ادھر تو امرا و عام رعایا میں اس سے نفرت پیدا ہوئی۔ اور ادھر فیروز خاں اور احمد خاں کی بیویوں نے جو غیاث الدین مکحول کی سگی بہنیں تھیں اپنے شوہروں کو انتقام پر آمادہ کیا۔ تغلچین نے بھی ان سازشوں کی سن گن پا کر دونوں شاہزادوں کے قتل کی فکر کی۔ مگر خوش قسمتی سے یہ دونوں اس کے ارادے سے مطلع ہو کر ساگر میں بھاگ آئے جہاں کہ ان کے خاندان کا

ایک پروردہ شخص سدہو نامی حاکم تھا۔ اس نمک حلال شخص نے اپنے آقا زادوں کو بڑی خاطر و تواضع سے پناہ دی اور انکی اعانت کے لئے لشکر فراہم کیا۔ فیروز خان اور احمد خاں نے یہ سوچکر کہ امرائے سلطنت تغلچین سے ناراض ہیں اور وہ ضرور ان کے ساتھ شریک ہوجائیں گے۔ دارالسلطنت پر چڑھائی کردی مگر ان کی امید کے خلاف کسی امیر نے بھی توانکو کوئی مدد نہ دی۔ کیونکہ ان کی لشکر کشی کی خبر سنکر تغلچین نے خزانہ شاہی کے دروازے کھول دئیے تھے اور امرا اور عام رعایا کو انعام و بخشش سے راضی کر لیا تھا۔ مثل مشہور ہے کہ اہل دنیا تو روپیہ کے آشنا ہیں وہ بھلا کب فیروز اور احمد کی امداد کرتے جن کے پاس بالفعل دینے کے لئے کافی روپیہ موجود نہ تھا۔ آخر کار ادھر سے یہ دونوں باغی شہزادے اور ادھر سے تغلچین سلطان شمس الدین کو لیکر بڑھا۔ اور دونوں لشکروں میں زور وشور کی لڑائی ہوئی۔ اس جنگ و جدال میں دونوں شاہزادوں کو شکست ہوئی جو پھر ساگر میں بھاگ کر آ گئے اور موقع و وقت کے منتظر رہے۔

اس فتحیابی نے تغلچین کے اور بھی حوصلے بڑھا دئیے جس سے تمام امرائے سلطنت میں ایک عام ناراضی پھیل گئی۔ ان لوگوں نے فیروز خاں اور احمد کو دارالسلطنت میں آنے اور پھر یہاں بیٹھکر باطمینان تمام سازش کرنے کیلئے خفیہ پیام بھیجا۔ خلق اللہ کی عام ناراضی پر بھروسہ کر کے ان دونوں شاہزادوں نے سلطان شمس الدین سے قصور کی معافی اور دارالسلطنت میں آکر رہنے کی اجازت چاہی تغلچین نے اسے ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھکر فوراً شاہی پناہ کا فرمان ان دونوں کے نام جاری کر دیا۔ جانتا تھا کہ اس تدبیر سے یہ سرکش اور باغی شاہزادے قابو میں آجائیں گے۔ اور پھر ان کی بغاوت کا دغدغہ باقی نہ رہے گا۔ اس اجازت کے آتے ہی فیروز خاں اور احمد خاں نے ساگر سے کوچ کیا اور شہر کے باہر وہ اس تردد میں ٹھہر گئے کہ آیا گلبرگہ جائیں یا نہ جائیں۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں سخت دشواریوں کا سامنا ہے اتنے میں ایک کشمیری مجذوب کا وہاں گزر ہوا

اور اس نے فیروز کو فیروز خاں روز افزوں کے نام سے مخاطب کرکے ان کو دارالسلطنت کی طرف جانے کی ہدایت کی۔ اور مجذوب کی یہ پیشین گوئی سچ جانکر وہ بلا تامل اپنے منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئے گو اس زمانہ میں جبکہ ہندوستان سے قدیم روحانی علوم مٹتے جاتے ہیں بعض ناواقفان علم الارواح ایسی پیشین گوئیوں کو مجنونانہ بڑسے زیادہ نہ بتائیں گے۔ مگر اس میں کوئی شک وشبہہ نہیں کہ مجاذیب میں آیندہ کے حالات معلوم کرنے اور خلاف رسم وآداب کرامات دکھانے کی بے حد طاقت ہوتی ہے جس کا ثبوت واقعات متواترہ سے ہوتا ہے اور جس کو آج کل کے علوم غیب دانی جو امریکہ اور یورپ میں شایع ہیں اچھی طرح سے ثابت کرتے جاتے ہیں۔

حسن آباد گلبرگہ میں پہنچکر ان دونوں شاہزادوں نے چند روز سکوت اختیار کیا اور چپکے چپکے اکثر امراے سلطنت کو ہموار کرلیا۔ ایک دن موقع پاکر فیروز خاں محلسرا شاہی میں آیا تغلچین سے درخواست کی کہ میرے کچھ رشتہ دار سلطان کو سلام کرنا چاہتے ہیں اجازت ہو تو وہ یہاں بلالئے جائیں۔ چونکہ تغلچین سے انتقام لینے کا وقت آگیا تھا۔ وہ اس سازش کو مطلق نہ سمجھا اور ان کے اندر بلانے کی اجازت دلوادی۔ تین سو مسلح جوان کے اندر آتے ہی کشت وخون کا بازار گرم ہوگیا۔ جس میں تغلچین کا لڑکا مارا گیا اور سلطان شمس الدین اور تغلچین زندہ گرفتار ہوئے تھوڑے سے تسلط کے بعد فیروز خاں نے سلطان کو اندھا کرادیا۔ اور تغلچین کو سلطان غیاث الدین معزول کے سپرد کردیا جس نے اسکو باوجود نابینائی کے ایک ہی تلوار کے وار میں قتل کرڈالا۔ اس کے بعد سلطان غیاث الدین مکحول اور اسکی والدہ مخدومہ جہاں نے جو قید ہوکر بیدر کے قلعہ میں بھیجدئے گئے تھے بڑے الحاح اور لجاجت سے مکہ معظمہ جانے اور وہیں تا بہ زیست رہنے کی اجازت حاصل کی اور سلطان فیروز شاہ نے ان کے اخراجات کے لئے سالانہ پانچ ہزار سکۂ طلائی اور ہندوستان کے تحف وتحائف وغیرہ مقرر کئے جو ان کی وفات تک

برابر پہنچتے رہے۔ آخر کار سنہ ۱۱۹۸ ہجری میں بمقام مدینہ منورہ یہ خوش قسمت
سلطان راہی ملک بقا ہوا۔ اس کی مدت حکومت ۷۲ یوم سے زیادہ نہ تھی۔



سلطان فیروز شاہ روز افزوں بہمنی

۷۹۹؁ھ میں بمقام دار السلطنت حسن آباد گلبرگہ فیروز شاہ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا اور اس نے اپنے نام کے ساتھ روز افزوں کے خطاب کو زیادہ کیا جو اس سے پہلے ساگر کے قریب اسکو ایک مجذوب کشمیری نے دیا تھا۔ اور میر فیض اللہ انجو اپنے استاد کو جن سے اس نے اعلےٰ درجہ کے علوم و فنون حاصل کئے تھے ملک نائب کا خطاب دیکر وکیل السلطنت مقرر کیا اور اپنے بھائی احمد خان کو خان خاناں کے القاب سے مشرف فرماکر امیر الامرا کے معزز ترین عہدہ پر سرفراز کیا۔ علاوہ ازیں برہمنوں کو بھی اس نے اعلےٰ ذمہ داری کی خدمتیں عطا کرکے دخیل امور سلطنت کیا یہ سلوک بہت ہی کم غیر قوموں کے حکمران اپنے مفتوحہ اشخاص کے ساتھ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سلاطین اسلام کا برتاؤ ہندوؤں کے ساتھ ہمیشہ سیر چشمی اور فیاضی اور مساوات کا رہا ہے۔ جو خاص سبب انکی حکومت کی دیرپائی کا ملک ہند میں خیال کیا جاسکتا ہے۔

اس سلطان کے پچیس سالہ عہد حکومت میں جو سلاطین گلبرگہ کے عہدوں میں انتہائی عروج کا عہد کہا جاسکتا ہے چوبیس لڑائیاں واقع ہوئیں۔ جن میں سے صرف ایک ہی آخری لڑائی میں اسکو سخت ناکامی نصیب ہوئی جس کے رنج و غم سے اس کے دل و دماغ پر بہت بڑا صدمہ ہوا ان لڑائیوں میں سے یہاں صرف بعض اہم معرکہ آرائیوں کا ذکر مختصر طور پر کیا جائیگا۔ تاکہ کتاب میں طول نہونے پائے۔

تخت نشینی کے دوسرے برس سرحدی ہندو ریاستوں نے جو ہمیشہ مسلمانوں کی اندرونی کمزوریوں کو شکاری جانوروں کی طرح تاکتی رہتی تھیں۔ اور اپنا ملک واپس لینے کا تابو ڈھونڈھا کرتی تھیں سر اٹھایا اور ادھر تو جنوب میں بیجانگر کے راجہ نے

جو شاہان گلبرگہ کا دکن میں رقیب اعظم تھا مدگل اور رائچور پر چڑھائی کی اور ادھر شمال میں راجہ نرسنگ نے برار پر حملہ کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ سلطان فیروز شاہ رزم سے بزم کو ترجیح دیتا تھا۔ اور اسی میلان عشرت کا یہ نتیجہ تھا کہ اس کے دشمنوں کو اس کے ملک پر فوج کشی کی یہ جرأت ہوئی تھی۔ مگر لڑائیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علمی لیاقت کے ساتھ اس میں فوجی قابلیت بھی موجود تھی۔ پہلے تو اسنے تھوڑا سا لشکر لیکر راجہ دیورائے کی سرکوبی کا ارادہ کیا جو ایک بہت بڑی فوج لیکر مدگل پر چڑھ آیا تھا۔ اور کرشنا کے کنارے خیمہ زن تھا اسوقت دریائے کرشنا بارش کی وجہ سے بہت طغیانی پر تھا اور لشکر شاہی کسی طرح سے پار نہیں ہوسکتا تھا۔ اسلئے اس بارہ میں سلطان نے اپنے امرا سے مشورہ کیا مگر کسی نے کوئی معقول رائے نہیں پیش کی۔ انمیں سے ایک شخص قاضی سراج نامی بھی تھا جس نے سلطان سے اپنا جوہر ذاتی دکھانے اور حیلہ و حوالے سے راجہ کو زیر کرنے اور اس کی فوج میں پریشانی پھیلانے کا وعدہ کیا۔ تاکہ بعد ازاں لشکر شاہی وہاں پہنچکر ساری ہندو فوج کو بھگا دے۔ اگرچہ ایک قاضی زادے سے یہ شیطانی افعال تعجب انگیز ہیں جو قاضی سراج سے ظاہر ہوے تاہم اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ولی کے بھیس میں شیطان بھی ہوا کرتا ہے۔ اور دنیا میں آدمی کی شناخت بہت ہی مشکل ہے۔ قاضی سراج اپنے سات آدمیوں کے ساتھ ہندو فقیر کا بھیس بناکر ایک طوائف کے خیمہ میں آیا۔ جو راجہ کی تمام رقاصہ عورتوں میں ممتاز تھی اور اس پر ہزار جان سے عاشق ہوگیا۔ عشق کا تو اثر ہی ہے کہ معشوق کو اپنی طرف کھینچتا ہے گو وہ عاشق فرضی ہی کیوں نہو۔ رنڈی کو بھی اس سے محبت ہوگئی اور جب وہ ایک روز رات کو کنور کے دربار میں مجرا کرنے کو جانے لگی تو قاضی صاحب کو اسکی جدائی میں بے چینی شروع ہوئی۔ اس اضطراب کو دیکھکر طوائف نے اپنی عاشق کی بیقراری پر رحم کھایا اور کہا کہ اگر تم کچھ گانا بجانا جانتے ہوتے تو میں تمھیں اپنے ساتھ دربار میں

لے چلتی قاضی نے اپنے کمالات جو انہیں گانے اور ناچنے اور مسخرے پن میں حاصل تھے سب ظاہر کئے۔ جن کے دیکھنے سے رنڈی کو سخت حیرت ہوئی اور وہ خوشی سے انہیں اور ان کے آدمیوں کو دربار میں لے گئی۔ راجہ کا دربار گرم تھا جب قاضی صاحب کے ناچنے کی باری آئی جنھیں رنڈی نے بھانڈ یا مسخرہ ظاہر کیا تھا تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں خنجر لیکر فوجی ناچ ناچنا اور کرناٹک کے ناچ کے کمالات دکھانا شروع کئے جس سے تمام حاضرین جلسہ پر وجد کی حالت طاری ہو گئی ناچتے ناچتے قاضی صاحب کنور کی طرف بڑھے اور دوران رقص ہی میں اس کو اور اس کے بعض امیروں کو نہایت پھرتی کے ساتھ ہلاک کر دیا اور اپنے ساتوں آدمیوں کو ایک خاص آواز سے اشارہ کیا جو دربار کے خیمہ کے باہر کمین گاہ میں چھپے ہوئے تھے۔ ان آدمیوں نے آتے ہی چراغوں کو گل کر کے چن چنکر امیروں کو تہ تیغ بیدریغ کیا اور سارے کیمپ میں ہل چل پیدا کر دی۔ چونکہ راجہ کا لشکر دامیل کے دور میں پڑا ہوا تھا۔ اسلئے کوئی ایک صحیح خبر شائع نہوئی جتنے منہ اتنی باتیں یہ مثل صادق آئی۔ غرضکہ راجہ کے مرنے اور مسلمانوں کے شب خون کی خبر راجہ کی تمام فوج میں پھیل گئی۔ جس سے راجہ کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور وہ بیجانگر کی طرف بھاگا۔ ادھر سلطان فیروز شاہ بھی ٹوکروں کے ذریعہ سے اتر کر آموجود ہوا اور اس نے راجہ کے لشکر میں لوٹ مار شروع کر دی جس سے بہت سامان واسباب لشکری اس کے ہاتھ آیا سلطان نے راجہ کا تعاقب کیا اور راجہ اپنے مضبوط قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ پھر ایک بہت سخت محاصرہ کے اور کشت وخون کے بعد جسمیں ہزاروں ہندو جان سے مارے گئے۔ اور ہزاروں ہی زندہ گرفتار ہوے۔ گیارہ لاکھ ہون پر صلح قرار پائی اور سلطان اس خزانہ کو لئے ہوئے شہر گلبرگہ کو واپس آیا۔ اس فتحیابی کے بعد سلطان نے برار کا رخ کیا اور راجہ نرسنگ کو شکست دیکر قلعہ کھیرلہ کا محاصرہ کیا راجہ نے مجبور ہو کر بمقام ایلچپور سلطان سے معافی مانگی اور تحائف وہدایا کے ساتھ اپنی خوبصورت لڑکی کو حرم شاہی میں داخل ہونے کیلئے پیش کیا

جس پر سلطان نے اسکو اسکی سلطنت واپس کی اور منصور اور کامیاب اپنے دار السلطنت کو واپس آیا۔

اس اثناء میں امیر تیمور کی پھر ہندوستان میں آنے کی خبر شائع ہوئی اور پیش بندی کے خیال سے سلطان فیروز شاہ نے کچھ قیمتی تحائف امیر تیمور کی خدمت میں روانہ کرکے اپنی غائبانہ اطاعت کا اظہار کیا جس کے صلہ میں امیر ممدوح نے بھی خوش ہوکر فتح کے قبل ہی صوبۂ گجرات اور مالوہ سلطان کو عنایت فرمائے۔ اور اپنی طرف سے دکن کی شاہی کا فرمان بھیجا۔ اس سازش کی بناء پر گجرات اور مالوہ کے رئیسوں کو سلطان سے حسد پیدا ہوا۔ اور انہوں نے اسکی تباہی کی فکریں سوچیں۔ ادھر تو سلطان سے دوستی ظاہر کی اور ادھر اسکے پرانے دشمن راجہ بیجانگر کو اس کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا اور اپنے لشکروں سے راجہ کو مدد دینے کا وعدہ کیا۔ اگرچہ بیجانگر کے راجہ نے امداد کی اس امید پر معمولی باج وخراج کا دینا موقوف کردیا۔ تاہم سلطان نے بڑی بردباری اور متانت سے اسکا تقاضا نہ کیا اور لڑائی کی چھیڑ چھاڑ سے چشم پوشی اختیار کی اور وقت اور موقع کا منتظر رہا

سلطان فیروز شاہ اور راجہ بیجانگر میں جو دوسری لڑائی واقع ہوئی اسکی خاص وجہ ایک حسین عورت پرعتال تھی جو ایک گمنام سنار کی لڑکی تھی۔ اسے ایک برہمن نے علم موسیقی وغیرہ علوم وفنون کی تعلیم دیکر بادشاہوں کی صحبت کے قابل بنادیا تھا۔ اس حسین لڑکی پر بیجانگر کا راجہ عاشق ہوگیا اس سے شادی کرنی چاہی مگر اس خوبصورت وخوش سیرت لڑکی نے اسکی دولت پر نظر نہ کی اور شاہی حرم سرا کی تکلیفوں کو پیش نظر رکھا جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ساری عمر کے لئے لڑکی والدین سے جدا ہوجاتی اور محل کے گوشہ میں مجرمین کیطرح سخت پردے میں مقید رکھی جاتی باوجود پرعتال کی نارضامندی کے ایک روز راجہ نے مدگل میں آکر اسکو بزور لیجانا چاہا۔ مگر اس کے لشکر کے آنے کی خبر سنکر قصبہ مدگل کے لوگ اطراف وجوانب بھاگ کر چھپ گئے جس میں پرعتال بھی شامل تھی

اس وجہ سے راجہ کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی اور وہ مدگل اور اس کے گرد و نواح
کے دیہات کو خراب کرتا ہوا اپنے مستقر کی طرف پھرا۔ سلطانی عہدہ دار نے اسکا تعاقب کیا
اور ایک چھوٹی سی لڑائی میں راجہ کے بہت سے آدمی قتل ہوئے۔ جب اس واقعہ کی
خبر سلطان کو ہوئی تو اس نے فوراً بیجانگر کے راجہ کو اس ناشایستہ حرکت پر سزا دہی
کے لئے لشکر کشی کی حسب معمول راجہ دیورائے اپنے قلعہ میں پناہ گزیں ہوا اور سلطان
نے اس کے شہر کا محاصرہ کیا جس میں کئی دفعہ اس کو راجہ کی فوج سے سخت لڑائیاں لڑنی پڑیں
ایک مرتبہ تو سلطان کے پاؤں اکھڑ ہی گئے تھے۔ اور اس کے ہاتھ میں زخم بھی آیا تھا
مگر پھر صبر و ثبات سے اس نے کام لیا اور زخموں کے اچھا ہونے کے بعد اس نے پھر
بدستور محاصرہ کو قائم کیا۔ اور اپنے افسروں کو جنوبی ملک کی لوٹ مار کیلئے بھیجا تاکہ
راجہ اپنے علاقہ والوں کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ اس لوٹ مار میں بہت بڑا مال غنیمت سلطان
کے ہاتھ آیا اور ساٹھ ہزار ہندو مرد و زن گرفتار ہوئے اور قلعہ بنکاپور بھی فتح ہو گیا
جب خانخاناں اس لوٹ مار سے فارغ ہو کر واپس آیا۔ تو سلطان نے اودنی کے قلعہ
محاصرہ کا قصد کیا۔ جو ایک نہایت ہی مستحکم قلعہ تھا مگر اس اثناء میں راجہ کی طرف سے
صلح کا پیام پہنچا پہلے سلطان نے بکراہت رد کر دیا۔ آخرکار بڑی خوشامد اور سفارش
سے ان شرائط پر صلح ہوئی کہ راجہ اپنی بیٹی کو سلطان کے نکاح میں دیکر دس لاکھ ہگوڑا
پانچ من موتی پچاس منتخب ہاتھی دو ہزار غلام اور گائنیں وغیرہ بطور نذر کے پیش کرے
اگرچہ پہلی شرط بہت ہی کڑی تھی جسکو ہندو اپنے مذہبی اعتبار سے سوائے انتہائی
کی مجبوری کے وقت اور کبھی منظور نہیں کر سکتے۔ تاہم راجہ نے بڑی دھوم دھام
سے اپنی لڑکی کی شادی سلطان فیروز شاہ کے ساتھ کر دی اور پیشکش کے علاوہ بہت
کچھ جہیز میں دیا۔ اس شادی میں جو بڑے تکلف سے بیجاپور میں رچائی گئی تھی
تمام ہندوؤں کی رسمیں ادا ہوئیں۔ اور دولہا تین دن کی مہمانی کے بعد اپنے ساس سسر

راجہ رانی سے رخصت ہوا۔ بادشاہوں کے مزاج بہت نازک ہوتے ہیں۔ صرف اتنی ہی بات پر کہ راجہ سلطان کے ساتھ بغرض رخصت اس کے لشکرگاہ تک نہیں آیا۔ سلطان کے جی میں پر اسکی طرف سے کدورت پیدا ہوگئی۔ اور طرفین کے دلوں میں غبار آگیا۔ آخرکار اس ہندوانی عروس اور بہت بڑے مال و اسباب کے ساتھ سلطان فیروزشاہ داخل دارالسلطنت ہوا اور پرتھال کو مدگل سے بلا کر دیکھا اور اس کے حسن کی بہت تعریف کی اور زیادتی عمر کی وجہ سے اسکو اپنے لایق نہ سمجھا اسکی شادی بڑے دھوم دھام سے اپنے بیٹے حسن خان کے ساتھ کردی۔

ان فتوحات متواترہ نے حقیقت میں سلطان کو مغرور کردیا تھا جسکی وجہ سے اس نے بغیر کسی سبب اور اشتعال کے نلگنڈہ پر چڑھائی کردی جو بیجانگر کے راجہ کے قبضے میں تھا۔ سنہ ۱۴۱۷ء میں اس قلعہ کا محاصرہ کیا گیا۔ مگر وبا کے پھیلنے سے لشکر شاہی درہم برہم ہوگیا اور سلطان کو بجز واپسی کے اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ اس موقع کو غنیمت جان کر ہندوؤں نے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ اہل اسلام کا تعاقب کیا۔ اور ایک لڑائی میں سلطان کا وزیر میر فیض اللہ انجو مارا گیا اور سلطان کو بھی شکست کھا کر بھاگنا پڑا۔ اسوقت ہندوؤں نے لشکر سلطانی کے اسقدر آدمی قتل کئے کہ ان کے سروں کے چبوترے بنگئے مساجد اور خانقاہیں مسمار کی گئیں اور پرانی عداوتوں کا عوض بڑی بیرحمی اور نہایت ہی سنگدلی سے لیا گیا۔ سلطان فیروزشاہ نے یہ ناقابل برداشت شکست کھا کر گجرات سے مدد طلب کی مگر کچھ نہ ہوا آخرکار وہ اس تباہی اور بربادی کے صدمہ سے سخت بیمار ہوا۔

سلطان کی اس بیماری میں ریاست کا کام اُس کے دو غلام عین الملک اور نظام الملک چلانے لگے جنھوں نے اسکے رفیق اور خیرخواہ بھائی احمد خاں کو اندھا کردینے کی رائے پیش کی اور سلطان کو یہ بات سوجھا کر کہ احمد خاں کی موجودگی میں حسن خاں کی تخت نشینی کا

مسئلہ معرض خطر میں ہے اسکی گرفتاری کا حکم حاصل کر لیا۔ مگر اس سازش کی خبر خانخاناں کو پہلے ہی سے پہنچ گئی تھی اسلئے وہ فرار ہو کر شاہ سید محمد بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے مکان میں آ چھپا۔ شاہ صاحب نے اپنی دستار پھاڑ کر اس کے سر پر باندھ دی اور یہ کہا کہ لے یہ تاج شاہی ہے تجھے دکن کی حکومت مبارک ہو۔ احمد خاں کو شاہ صاحب کا اعتقاد تو تھا ہی وہ فوراً ہمت باندھ کر بھاگا اور راستہ میں اسکا ایک دوست حسن بصری سوداگر ملا اور اُسے روک کر باتیں کرنے لگا۔ احمد خاں نے کہا کہ یہ وقت ایسا نازک ہے کہ تو مجھ سے علیحدہ ہو جا ورنہ عتاب شاہی میں گرفتار ہو جائیگا۔ لیکن اسکے جواب میں اُس نے یہ کہا کہ دوست وہ ہے جو بُرے وقت میں ساتھ دے نہ کہ عیش و آرام کے وقت ساتھی رہے اور مصیبت کے وقت بھاگے۔ یہ کہکر وہ اپنے دوست کے ساتھ ہو گیا اور سچی محبت کے جوہر دکھائے۔ جب احمد خاں فرار ہوا تو اسکا تعاقب سلطان کے دو غلاموں نے بڑی چستی اور چالاکی سے کیا۔ مگر خدا کی مشیت میں کسکو دخل ہے وہ جسکو چاہتا ہے تاج شاہی عطا فرماتا ہے۔ احمد خاں اور حسن بصری نے اِدھر اُدھر سے رند اوباش لٹیرے جمع کرلئے جنکی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہ تھی اور بنجاروں کے بیل اور سوداگروں کے گھوڑے لیکر جو اسوقت حسن اتفاق سے ٹھہرے ہوئے تھے۔ اوران پر مزدوروں کو چڑھا کر فوج شاہی کے سامنے اسطرح کھڑا کر دیا کہ مخالفین کو یہ دھوکا ہوا کہ احمد خاں کے ساتھ ملک کے تمام امرا کی فوجیں جمع ہیں اس خیال سے انکی ہمتیں تو ٹوٹ ہی گئی تھیں کہ اتنے میں احمد خاں نے پیشدستی کرکے شاہی فوج پر حملہ کر دیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عین الملک اور نظام الملک گلبرگہ کی طرف بھاگے اور احمد خاں نے انکا تعاقب کیا آخر کار جب سلطان پر یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی کہ رعایا اور لشکری دونوں احمد خاں کیطرف ہیں۔ تو اس نے قلعہ کا دروازہ کھولدیا اور احمد خاں کو پاس بلا کر تخت شاہی پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور اپنے بیٹے حسن خاں کو جو ایک خفیف العقل اور عیاش آدمی تھا۔ اس کے

سپرد کیا۔ احمد خاں کی تخت نشینی کے چند روز بعد سلطان فیروز شاہ کا انتقال ہوا جسکی وجہ بعض مورخ یہ بتاتے ہیں کہ اسکو احمد خاں نے گلا گھونٹوا کر مروا ڈالا۔ مگر یہ بات قرین قیاس نہیں کیونکہ اول تو احمد خاں ایک نہایت خوش خلق اور خدا پرست آدمی تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے بھائی سے بہت محبت رکھتا تھا۔ اگر اسکو سلطان کا قتل ہی منظور ہوتا تو وہ اسکی پالکی کو ضرور گرفتار کر لیتا۔ جو شکست کے وقت اسکے قابو میں تھی اسوقت سلطان کا قتل یا گرفتاری احمد خاں کے ہاتھ میں تھی۔ اس لئے یہ سب خیال فرضی معلوم ہوتے ہیں۔ اصلی واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنی طبعی موت سے فوت ہوا۔

سلطان فیروز شاہ ایک ذی علم اور فلسفی آدمی تھا۔ اس نے اس زمانہ کے تمام علوم و فنون حاصل کئے تھے اور بالخصوص اسکو علم ہیئت سے بہت بڑا ذوق تھا۔ کیونکہ دولت آباد کی ایک اونچی پہاڑی پر رصد گاہ کی تیاری کا حکم بھی اسنے دیا تھا۔ مگر مہتمم کے مرجانے اور بعض واقعات کے پیش آنے سے دکن میں یہ رصد گاہ قائم نہوئی۔ اسکو درس تدریس کا ایسا شوق تھا کہ وہ ہفتہ میں تین دن شاگردوں کو پڑھاتا تھا۔ علما اور فضلا سے صحبت بھی بہت گرم رکھتا تھا۔ اور اسکی صحبت کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہاں اس کے تمام ذی علم مصاحب اس سے انتہا درجہ کی بے تکلفی سے ملتے تھے۔ اور ہر قسم کے ماکولات اور مشروبات کو استعمال کرتے تھے جو شاہی باورچیخانہ سے مہیا رکھے جاتے تھے۔ مگر اس بے تکلفی کی صحبتوں میں دینوی اور ملکی کاروبار اور لوگوں کی غیبت اور جاسوسی کی نسبت سخت ممانعت تھی۔ صرف علمی بحث و مباحثہ ہی ان صحبتوں کا منشائے خاص تھا۔ باوجود اس بلند خیالی اور حکمت اور فلسفہ کے شوق و ذوق کے سلطان روزہ نماز کا بھی پابند تھا۔ اور حلال و حرام کا بھی دلدادہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ شراب کو چھپکر پیتا تھا۔ اور ناچ گانے کا مشغلہ بھی خاص صحبتوں میں ہوا کرتا تھا ان ممنوعات کے ارتکاب سے وہ نادم بھی تھا۔ صوفیہ کی اصطلاحوں سے بھی

آگہی تھی سماع کو ایک مفید چیز جانتا تھا کہ اس کے سُننے سے دماغ میں زبانی خیالات پیدا ہوتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ سلطان فیروز شاہ ایک عشرت پسند آدمی تھا۔ اسکو عورتوں کی اسقدر حرص تھی کہ اسنے ہر قوم کی ایک ایک عورت مہیا کی تھی اور اسی قوم کے خادم ان کیلئے رکھے تھے۔ اور اسکے محل میں سات سو آٹھ سو عورتیں ہر ملک کی جمع تھیں جنمیں یوروپین چینی۔ روسی۔ عربی۔ ترکی وغیرہ ہر قوم و ملک کی خوبصورت اور حسین عورت پائی جاتی تھی کہتے ہیں کہ سلطان ان مختلف زبانوں کی عورتوں سے انہیں کی زبانوں میں باتیں کیا کرتا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف زبانوں کا مشتاق تھا اسلام میں چار عورتوں سے زیادہ نکاح کرنے کی ممانعت ہے۔ اسلئے اس نے اپنے استاد فیض اللہ انجو سے کثرت ازدواج کی خواہش کو پورا کرنے کیلئے ایک حیلہ شرعی کی درخواست کی تھی۔ اور اس لائق آدمی نے جسکا مذہب شاید تشیع تھا اسکو متعہ کا مسئلہ مستند کتابوں سے ثابت کر دیا تھا۔ امرا کی خواہش نفسانی پوری کرنے کیلئے گو دنیا دار علما بہت سے فقہی اور مذہبی مسائل نکال لیا کرتے ہیں۔ مگر اسکا نتیجہ بجز خرابی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ عورتوں کی زیادتی سے آخر زمانہ میں سلطان فیروز شاہ کا دماغ خراب ہو گیا تھا اور وہ ریاست کے امور میں اسقدر چالاک اور حسیت نہ تھا جسقدر ایک پرہیزگار بادشاہ اس عمر میں ہوا کرتا ہے۔ باوجود ان چند کمزوریوں کے جو اہل دول میں بکثرت پائی جاتی ہیں سلطان فیروز شاہ رزم اور بزم دونوں میں فرد فرید تھا۔ جسکا مقابلہ علم و فضل میں صرف محمد تغلق شاہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ مگر وہ تغلق سے اقبال میں بڑھا ہوا تھا۔ اور اسمیں رحم و کرم تھا۔ اس نے بھی اپنے عہد میں ایک نیا دارالسلطنت فیروز آباد کے نام سے بسایا تھا۔ جو واڑی کی اسٹیشن سے ۱۵ کوس کے فاصلہ پر اب ایک گاؤں کی صورت میں واقع ہے۔ مگر فی الواقع یہ پایۂ تخت قرار نہیں پایا۔ صرف وہ اسکی کثیر التعداد عورتوں کے محلوں سے آباد تھا جہاں سلطان

اکثر جاکر عیش میں مصروف رہا کرتا تھا۔

فیروز آباد کے علاوہ حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ کی تشریف آوری بھی اسکے عہد کی یادگاروں میں سے ہے۔ یہ بزرگ دہلی سے گلبرگہ میں تشریف لائے تھے اور سلطان نے پہلے انکی بڑی خاطر و مدارا کی تھی۔ مگر وہ ایک فلسفی خیال کا آدمی تھا اور شاہ صاحب ولی کامل سیدھے سادے بزرگ تھے۔ جنھیں اہل دنیا کے ناکارہ علوم و فنون سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اسلئے اسکی نظر میں اُن علوم آخرت و معارف کی چنداں وقعت نہوئی۔ مگر اس کے بھائی احمد خاں نے شاہ صاحب کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور ان کے لیے قلعہ کے متصل خانقاہ بنوادی۔ یہیں وہ اپنے اشغال و ریاضت میں مصروف رہتے اور اپنے مریدوں کی تعداد کو بھی بڑھاتے جاتے تھے۔ احمد خاں خانخاناں بھی ان کے مریدوں کے زمرہ میں داخل تھا۔ سلطان فیروز شاہ نے جو انکا معتقد نہ تھا صرف اس واقعہ پر انہیں قلعہ کے پاس سے اُٹھوادیا تھا کہ انہوں نے اسکے بیٹے حسن خاں کی بعیت نہیں کی تھی۔ اور سلطان کے بھائی احمد خاں کی سلطنت کی خبر دی تھی۔ مگر شاہ صاحب نے اسکے حکم کی تعمیل کی اور شہر کے باہر اُن کے مریدوں نے ان کیلئے خانقاہ وغیرہ ضروری مکانات فوراً تعمیر کرادئیے جنمیں شاہ صاحب فروکش ہوئے۔ اور پیری مریدی کا سلسلہ بدستور سابق جاری رکھا۔

سلطان فیروز شاہ کے زمانہ میں رعایا خوشحال۔ تجارت کی توسیع اور علوم فنون کا بازار گرم تھا۔ جہاز رانی کو بھی اس نے ترقی دی تھی اور بیسی جہاز یا کشتیاں اس کے حکم سے تیار کی گئیں تھیں۔ جو اس کے علاقوں کے بندرگاہوں پر تیار رکھی جاتی تھیں۔ یہ کشتیاں دور دراز ملکوں سے عجیب و غریب اشیا اور ہر قوم و ملک کے اہل کمال کو لالاکر گلبرگہ میں پہنچایا کرتی تھیں کیونکہ یہ سلطان اہل کمال کا اتقدر

شایق تھا کہ وہ دنیا کے تمام تحفہ چیزوں میں ان کو مقدم سمجھتا تھا۔ اس کے زمانہ میں
گلبرگہ ہر علم و فن کے صاحب کمال کا مرکز تھا۔ دور دور کے لوگ آکر جمع ہوئے تھے
اور سلطانی فیاضیوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔



سُلطان احمد شاہ ولی بہمنی

سنہ ۸۲۲ھ میں بمقام دار السلطنت حسن آباد گلبرگہ یہ ولی منش سلطان تخت فیروزہ پر رونق افروز ہوا۔ اس کے والد کا نام داؤد شاہ بہمنی تھا جس نے اپنے بھتیجے مجاہد شاہ کو قتل کر کے حکومت حاصل کی تھی۔ ابتدا میں اس نے اپنے بھائی کی طرز حکومت اختیار کی اور علم و فضل کی قدردانی بدستور سابق قائم رکھی۔ سب سے پہلے اسنے اپنے سچے دوست حسن بصری کو وزارت یا وکالت سلطنت کا جلیل القدر عہدہ عنایت کیا اور اس کے نام کے ساتھ اسکے پیشہ کی رعایت سے ملک التجار کا خطاب زیادہ کیا جو اس کے بعد مدت دراز تک دکن میں رائج رہا۔ اپنے بھائی کے دو وفادار غلاموں یعنی عین الملک اور نظام الملک کو جنھوں نے اس سے جنگ کی تھی مختلف معزز خدمات اور خطابات سے مشرف فرمایا اور انکی وفاداری کی بہت بڑی قدردانی کی جس سے اسکے اخلاق اولیاء اللہ کے مقدس خلق کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔ اسنے اپنے بھائی کے بیٹے حسن خاں سے بھی اچھا سلوک کیا جسکی نسبت بالاتفاق سب کی رائے یہ تھی کہ وہ قتل کیا جائے اور جسم سلطنت میں سے ایک کھٹکتا ہوا کانٹا نکال دیا جائے۔ اس رائے کے خلاف اس نے حسن خاں کو ایک معزز امیر بنا کر جدید دارالسلطنت فیروزآباد میں نہایت ہی آرام و آسایش سے رکھا اور یہ شہر اور اسکے ساتھ دوسرے پرگنات اسکے حوالے کئے جہاں کہ وہ اپنے چچا کے دور حکومت میں بڑے عیش و عشرت کے ساتھ رہا۔ اور اسکے مرنے کے بعد اسکی آنکھیں اندھی کردی گئیں اور وہاں وہ اپنی موت طبعی سے راہی ملک بقا ہوا۔ دشمنوں کے ساتھ جو اس نے عمدہ سلوک کیا اس سے اسکی رحمدلی کا سکہ تمام رعایا کے دلوں پر بٹھا دیا جس سے وہ وقعت اور عزت کی نظروں سے دیکھا جانے لگا

اس کے عہد حکومت میں سب سے پہلے لڑائی سلطنت کے پرانے دشمن راجہ بیجانگر سے ہوئی جسکی ابتدا سلطان فیروز شاہ ہی کے آخری عہد حکومت میں ہو چکی تھی۔ کیونکہ راجہ کی فوج نے نہایت ہی بے دردی سے مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں تک کو قتل کیا تھا اور مساجد اور خانقاہوں کو مذہبی تعصب کے جوش میں جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔ اس ظلم و بدعت کا بدلا لینے کیلئے سلطان احمد شاہ نے بیجانگر پر لشکر کشی کی۔ اور اُدھر سے راجہ بیجانگر ایک بہت بڑی فوج لیکر اپنے دوست راجہ ورنگل کی امداد و کمک کے ساتھ تنگبھدرہ کے کنارے پر آموجود ہوا۔ سلطان نے بڑی دلیری سے اس دریا کو عبور کر کے راجہ کے شہر پر حملہ کیا۔ ورنگل کا راجہ تو اہل اسلام کے پُر رعب حملہ کی خبر سنکر رات ہی کو اپنے ملک کی طرف فرار ہو گیا تھا۔ اس حملہ سے بیجانگر کی فوج بھی پسپا ہو گئی اور راجہ ایک گنّے کے کھیت میں جا چھپا۔ جہاں اسکو سلطانی فوج کے سپاہیوں نے مزدور سمجھکر بیگار میں پکڑ لیا اور اسکے سر پر گنوں کی بھاندی رکھوا کر وہ اپنے لشکر کیطرف راہی ہوئے۔ اس درمیان میں راجہ کے لشکر گاہ کی طرف سے گزر ہوا یہاں سلطان کے لشکری لوگ لوٹ مار کر رہے تھے۔ یہ دیکھکر یہ سپاہی بھی لشکر غنیم کا مال و اسباب لوٹنے میں مصروف ہوئے اور راجہ موقع پا کر فرار ہو گیا۔ بڑی احتیاط سے بھاگ کر وہ اپنے ایک امیر کی جمعیت میں پہنچا اور پھر سر پر چتر شاہی لگا کر آپ کو زندہ ظاہر کیا۔ راجہ کے مارے جانیکی خبر ہندوؤں کے لشکر میں شائع ہو چکی تھی۔ جس سے اُن کے پاؤں اٹھ گئے تھے۔ اب راجہ کو زندہ دیکھ کر پھر ہندوؤں کا منتشر اور پراگندہ لشکر اطراف و جوانب سے اکٹھا ہوا۔ مگر راجہ سے بجز فرار کے اور کوئی بات بن نہ آئی۔ اور وہ سیدھا بھاگ کر اپنے دارالسلطنت کے مستحکم قلعہ میں پناہ گزیں ہوا۔

اس دفعہ احمد شاہ نے ہندوؤں کے عام قتل میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور گذشتہ قتل مسلمین کا عوض لینے کی دیوانگی میں رعایا اور خوش باش اشخاص تک کو

قتل کرڈالا۔ اور برہمنوں کو مار کر بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ اور ان کے معابد اور مندروںکو جلاکر خاک سیاہ کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اس لڑائی میں بیس ہزار ہندو جان سے مارے گئے اسی کشت و خون کے درمیان میں سلطان بھی ایک ایسی پر خوف بلا سے بچا جس کا بیان کرنا بھی یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ہندوؤں تے پانچ ہزار فدائی جنہوں نے سلطان کے قتل کا بیڑا اٹھایا تھا ادھر ادھر وقت و موقع دیکھکر اپنا کام کرنے کیلئے لگا رکھے تھے۔ اسلئے ایک روز جب سلطان شکار کھیلنے کے لئے جنگل میں آیا۔ اور اسکے دوسرے ہمراہی اپنے اپنے شکار کے پیچھے دور دور چلے گئے اور سلطان بھی ایک ہرن کے پیچھے جھپٹا۔ تو اسوقت ہندو فدائیوں نے آکر سلطان کو گھیر لیا۔ مگر وہ بڑی چستی سے ایک احاطہ کیطرف بھاگا جو کسی کسان نے اپنے مویشی کی بود و باش کے لئے بنایا تھا۔ اتنے میں اسکے وہ دو سو مصاحب واپس آگئے۔ جو شکار میں مصروف تھے۔ اگرچہ ہندوؤں کے اسقدر کثیر تعداد کے سامنے مسلمانوں کے دو سو آدمی کیا کر سکتے تھے۔ مگر پھر بھی انہوں نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے اور اپنے دل دوز تیروں سے دشمنوں کو ذرا غالب ہونے نہ دیا۔ اس اثنا میں ہندوؤں نے احاطہ کی دیوار کو کھودنا شروع کیا اور قریب تھا کہ دیوار گرے اور سلطان اور اسکے ہمراہی سب کے سب مارے جائیں۔ کہ اتنے میں تائید غیبی کا ظہور ہوا۔ اور اسکے لشکر کا ایک حصہ اس کی تلاش میں ادھر نکل آیا۔ اب تو دونوں طرف سے خوب ہی معرکہ آرائی ہوئی اور آخر کار ہندوؤں کو شکست اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اور سلطان کی زندگی پھر سے شروع ہوئی اس فتح کے بعد تو سلطان نے بیجانگر کا محاصرہ اسقدر سختی سے کیا کہ راجہ کو بجز صلح کے اور کوئی چارہ ہی نظر نہ آیا۔ اس نے سلطان کے نہایت سنگین اور تذلیل کرنے والی شرطیں منظور کر لیں اور سلطان کے منشاء کے موافق گذشتہ باج و خراج کے خزانے ہاتھیوں پر لدوا کر بڑے دھوم دھام سے باجے گاجے کے ساتھ بہمراہی ولیعہد شاہی لشکر کیطرف

روانہ کئے۔ سلطان کے امرانے راجہ کے بیٹے کا استقبال کیا اور دربار میں سلطان نے اسکو بڑی عزت کیساتھ تخت پر اپنے روبرو بٹھا کر خلعت خاص سے مشرف فرمایا اس فتح کے بعد وہ زر و جواہر سے مالامال ہو کر دارالسلطنت کیطرف واپس ہوا۔

سلطان احمد شاہ کی دوسری لڑائی ورنگل کی فتح ہے۔ جو سلاطین بہمنی کی مدت دراز سے دلی آرزو تھی مگر اس عہد تک انیں سے کسی کو بھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ راجہ ورنگل کی ناشائستہ حرکت کہ اس نے سلطان کے دشمن راجہ بیجانگر کی امداد کی اور آبائی اتحاد کو یکقلم توڑ دیا۔ اس لڑائی کا سبب اول تھی۔ اس تعدی کی سزا دہی کیلئے سلطان نے ورنگل پر لشکر کشی کی اور گولکنڈہ میں آکر یہاں کے حاکم کو ورنگل کے قلعہ کے محاصرہ کا حکم دیا۔ اور خود اسکے پیچھے پیچھے جانے کا ارادہ کیا۔ مگر ابھی سلطان گولکنڈہ سے کوچ کرنے نہیں پایا تھا کہ ورنگل کے فتح ہو جانے کی خبر آئی۔ اس آخری لڑائی میں ورنگل کا راجہ اور اسکے لشکر کی ایک کثیر التعداد سپاہ جان سے ماری گئے۔ اور قلعہ اہل اسلام کے قبضہ میں آگیا۔

سلطان نے آکر ورنگل کے تمام خزانوں اور دفینوں کو برآمد کیا جو راجہ کے آبا و اجداد نے سو برس کے عرصہ میں جمع کیا تھا۔ وہاں سے کامیاب اور منصور دارالسلطنت میں داخل ہوا۔ اور سارا ملک تلنگانہ اسکے قبضۂ اقتدار میں آگیا۔

ان دونوں حملوں کے بعد جنیں خود اس نے دوسرے ملکوں پر لشکر کشی کی تھی۔ ایک تیسری دفاعی جنگ واقع ہوئی جسمیں اسکو اپنے ایک دوست راجہ کو مالوہ کے بادشاہ ہوشنگ شاہ سے بچانا پڑا۔ جب ہوشنگ نے یہ دیکھا کہ احمد شاہ اپنے حدود ملک کو بڑھاتا جاتا ہے اور اس نے ملک تلنگانہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ تو اسکو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں اس کے ملک پر ہاتھ صاف نہ کیا جائے۔ کیونکہ صاحب قران تیمور تو مالوہ اور گجرات کی بادشاہتیں سلطان فیروز شاہ کو دے ہی چکا ہے۔ اس خیال سے اس نے چھیڑ چھاڑ شروع کی

اور راجہ نرسنگ پر حملہ کیا۔ جو سلطان احمد شاہ کا دوست تھا راجہ نے فوراً سلطان سے امداد طلب کی۔ اور اسکی درخواست پر سلطان کافی لشکر لیکر کھرلہ کے قریب آموجود ہوا مگر بعض علماء نے سلطان سے یہ کہا کہ مسلمان کے مقابل میں ایک ہندو کو مدد دینی نہیں چاہئے یہ سنکر اسنے اپنے لشکر کا رخ پھیر دیا اور ہوشنگ شاہ کو یہ لکھا کہ راجہ نرسنگ ہماری پناہ میں ہے آپ اسپر لشکر کشی نہ فرمائیں۔ اس تحریر کو سلطان کی کمزوری سمجھکے ہوشنگ نے سلطان کا تعاقب کیا۔ جسپر سلطان کو بھی سخت غصہ آیا۔ اور مذہبی حمیت کو بالائے طاق رکھکر علماء سے یہ کہدیا کہ اب بجز مقابلہ کے کوئی چارہ نہیں واقعی حکومت اور مذہب دو علحدہ چیزیں ہیں اور اہل اسلام کی تاریخوں میں ایسی بہت سی لڑائیاں موجود ہیں جو خود باہم اہل اسلام میں واقع ہوئیں۔ اور مسلمانوں نے دوسری قوموں کو امداد دی ہے۔ آخر طرفین سے خوب زور آزمائیاں ہوئیں اور ہوشنگ کو بجز فرار کے اور کچھ نہ سوجھا۔

چوتھی لڑائی گجراتیوں کے ساتھ تھی جسکی بنیاد یہ بتائی جاتی ہے کہ مہایم پر جسکو آجکل بندر بمبئی کہتے ہیں سلطان احمد شاہ کے لوگوں نے قبضہ کرلیا تھا جو ملک گجرات کی حد میں داخل تھا۔ اس بناء پر طرفین سے لشکر کشی ہوئی مگر گجراتی غالب اور دکھنی مغلوب رہے۔ اور آخر علماء نے بیچ میں پڑکر دو مسلمان بھائیوں میں صلح کرادی جس کا نتیجہ دونوں کے حق میں اچھا ہوا۔

بارہ برس دو ماہ کی حکومت کے بعد سلطان پر لشکر اجل کی چڑھائی ہوئی جس سے کسی کو مفر نہیں اور ۱۴۳۲ء میں وہ بیمار پڑکر راہی ملک عدم ہوا۔ اور اپنے پیچھے چار فرزند علاؤالدین۔ محمد خاں۔ محمود خاں۔ اور داؤد خاں کو بر سر حکومت چھوڑا۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں دور اندیشی سے اس نے ان سب سے یہ عہد کرایا تھا کہ کوئی ان میں سے کسی کا مخالف نہوگا اور سب اپنی اپنی خدمات کو مل جل کر انجام دیتے رہیں گے مگر آئندہ کا انتظام کون کرسکتا ہے۔ مرنے کے بعد والدین کی تمام نصیحتیں طاق نسیاں

رکھیجاتی ہیں اور بہت کم لوگ ان کی پابندی کرتے ہیں۔ (اور بڑے بڑے ہیں وہ بہاں لوں
سے بہلے سلطان احمد شاہ شجیع ۔ حوصلہ مند ۔ سخی منتظم آدمی تھا۔ اسکو ابتدا ہی سے مشائخ
کی طرف میلان تھا۔ اور حضرت بندہ نواز کی پیش گوئی نے تو اسکو اولیاء اللہ کا پورا معتقد
بنادیا تھا۔ کیونکہ مشاہدے اور تجربہ ذاتی سے زیادہ اور کون یقینی دلیل ہوسکتی ہے
بادشاہ ہونے کے بعد اس نے شاہ صاحب اور انکی اولاد سے بہت بڑا سلوک کیا
انکے لئے صوبۂ گلبرگہ کے بعض دیہات وقف کردئے اور شاہ کی وفات کے بعد انکا
گنبد وغیرہ عمارتیں تعمیر کرادیں۔ اس سے پہلے سلاطین بہمنی حضرت شیخ سراج اور انکی
اولاد کے مرید ہوتے رہے تھے۔ مگر احمد شاہ نے انکے سلسلہ کو ترک کرکے حضرت
بندہ نواز کی ارادت حاصل کی تھی۔ ان کے وصال کے بعد حضرت نعمت اللہ ولی کا اعتقاد
اس کے دل میں پیدا ہوا۔ اور ان کی اولاد کو گلبرگہ میں بلواکر انھیں اپنی بیٹیاں عنایت
کیں۔ اور فقیری سے نکالکر شاہی امراکے اعلیٰ دنیوی درجہ پر پہنچادیا۔ جسکا نتیجہ
یہ ہوا کہ حضرت نعمت اللہ کی ولایت کو ان کی اولاد نے امارت میں بدل دیا اور دنیا
کو دین پر ترجیح دی۔ اگرچہ یہ پادشاہ فیروزشاہ کی طرح تو ذی علم نہ تھا۔ مگر اس کو بھی
شعراء اور علما کی صحبت سے بہت کچھ ذوق تھا۔ شیخ آذری کے ساتھ جو اس نے
فیاضانہ سلوک کیا اور انہیں زر و جواہر سے مالا مال کردیا اور ان سے جو بہمن نامہ
لکھوایا ان سب باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اہل علم کا شایق اور انکا فیض رساں
تھا مگر ہندؤوں سے عوض لینے کو وہ ایک دینی کام جانتا تھا۔ اس میں اسکی
کوئی ذاتی خصومت نہ تھی)۔

اس کے عہد حکومت میں سلطنت بہمنی کو ترقی ہوئی۔ سارا ملک تلنگانہ فتح ہوا۔
جس کی آرزو میں اس کے آبا و اجداد تہ خاک ہوگئے تھے۔ مگر وہ ابتک پوری نہوئی
تھی راجہ بیجانگر کو اس نے اسقدر توڑ دیا کہ اب اوسکو سر اٹھانے کی جرات نہ تھی۔

شمالی اور غربی سرحدوں کے بادشاہوں یعنی مالوہ اور گجرات کے شاہوں کو بھی آگے قدم بڑھانے سے اسنے روک دیا تھا۔ اسکی وفات کے وقت ملکی سرحدیں یہ تھیں۔ جن سے اس کے ملک کی وسعت بخوبی معلوم ہوسکتی ہے۔ شمال کی جانب اسکا ملک مالوہ کی سرحد تک تھا۔ اور شمالی غربی سرحد گجرات تھی۔ مغرب میں اسکی سرحد گوا بندر تک اور مشرق میں مسلی پٹم اور کارومنڈل کے ساحل تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان حدود سے معلوم ہوتا ہے کہ اسقدر وسیع رقبہ کسی مسلمان بادشاہ کے عہد حکومت میں بطور استقلال کے ملک دکن میں اہل اسلام کے قبضے میں نہ تھا۔

اس بادشاہ نے اپنی زندگی میں ایک نئے دارالسلطنت کو تعمیر کیا اور پایۂ تخت گلبرگہ سے اٹھکر بیدر میں آگیا۔ کہتے ہیں کہ سلطان نے شکار کھیلنے کے درمیان میں بیدر کے میدان کو پسند کیا تھا۔ اور اس قدیم شہر کو جو اس سے صدیوں پہلے ہندو راجوں کا پایۂ تخت رہ چکا تھا دوبارہ دارالسلطنت بنایا تھا۔ یہاں کی آب وہوا اور زمین کے خصوصیات تمام ممالک ہند سے بہتر سمجھے جاتے تھے۔ اسلئے سلطان نے اسکو اپنے رہنے کی جگہ قرار دیا تھا اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں قلعہ اور دوسری عالیشان عمارتیں تیار کیگئی تھیں۔

اس کے عہد معدلت مہد میں کئی غیر معمولی واقعات ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک امساک باران و قحط بھی تھا۔ کہتے ہیں کہ بارش کے نہ ہونے اور قحط کے پڑنے سے لوگوں نے اسکی بادشاہت کو منحوس سمجھا اور جا بجا اس کے انتظام سے بد دلی پھیلنے لگی۔ مگر خدا کی عنایت سے جب اس نے نماز استسقا پڑھی اور بارش کی دعا مانگی تو خوب زور سے پانی برسا۔ اس واقعہ غیر متوقع کو دیکھکر عوام الناس نے اسکو ولی کا خطاب دیدیا۔ اور وہ آیندہ اسی نام سے مشہور ہوا۔ دوسرا غیر معمولی واقعہ یہ تھا کہ شاہ نعمت اللہ ولی نے اسکو ایک تاج صندوق میں بند کرکے ایک شخص کے ہاتھ روانہ کیا تھا۔ اس قاصد نے

نظر پڑتے ہی سلطان کو اپنا ایک خواب یاد آیا جبکہ وہ سلطان فیروز شاہ سے جنگ کرنیوالا تھا تو خواب میں ایک شخص نے اسکو تاج پہنایا تھا اس کی صورت اس قاصد کے مشابہ تھی۔ اور تاج بھی ویسا ہی تھا جیسا اس نے خواب میں پہنا تھا۔ اس واقعہ نے سلطان کے دل پر شاہ نعمت اللہ کی ولایت کا سکہ بٹھا دیا اور اس نے ان کے اور انکی اولاد کیساتھ بہت بڑا سلوک کیا۔ گو آجکل کے لوگ اس واقعہ میں شک کریں تاہم اولیاء اللہ کے سامنے یہ کوئی بڑی بات نہ تھی وہ تو ازل اور ابد تک کے حالات بیان کرسکتے ہیں۔

سلطان علاؤالدین ثانی بہمنی

سلطان احمد شاہ ولی کی وفات کے بعد اسکا بڑا بیٹا علاؤ الدین ثانی ۸۳۹ھ ۱۴۳۵ء میں بمقام احمد آباد بیدر تخت نشین ہوا۔ یہ پہلا بادشاہ تھا جسکا جلوس نئے دارالسلطنت میں بڑے تزک و احتشام سے ہوا۔

اس نے اپنے چھوٹے بھائی محمد خاں کی بڑی خاطر اور رعایت کی اور اسکو بہت سے ہاتھی گھوڑے اور کئی پرگنے دیئے دلاور خاں افغاں کو جو اس کے خاندان کا بنایا ہوا تھا وکیل شاہی اور خواجہ جہاں استر آبادی کو وزیر کل امور سلطنت مقرر کیا۔ اور عمادالملک غوری کو جو ایک پرانا آدمی تھا۔ جس نے اپنی ساری عمر سلطان بہمنی کی ملازمت اور خدمت میں گزاری تھی۔ امیر الامرا کے معزز عہدہ پر سرفراز فرمایا۔

ان ضروری تقررات سے فارغ ہو کر سلطان نے بیجانگر کے راجہ کیطرف توجہ کی جس نے کئی سال سے معینہ خراج روانہ نہیں کیا تھا۔ اور اسکی سرکوبی کیلئے اپنے بھائی محمد خاں اور اس کے ہمراہ وزیر سلطنت اور امیر الامرا کو متعین کیا۔ جب سلطانی لشکر نے راجہ کا ملک تاراج کرنا شروع کیا۔ تو اس نے گذشتہ بربادیوں کے نتائج پر غور کرکے اس بڑھتے ہوئے شعلہ کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔ اور فوراً اس تمام خراج کی رقموں کو بھیجدیا جو ایک عرصہ تک شاہی خزانہ میں داخل نہیں کیگئی تھیں۔ مگر اس کامیابی سے پھول کر اور بعض مفسد امیروں کے بھڑکانےسے مغرور ہو کے محمد خاں نے اپنے بھائی سے بغاوت اختیار کی جسکی شرکت کیلئے اس نے اپنے دونوں ساتھی امیروں سے بھی درخواست کی انہوں نے صاف انکار کردیا اور شاہزادہ محمد خاں کو بھی بغاوت کے انجام بد اور اسکے نشیب و فراز سے آگاہ کیا۔ مگر اسنے اس مخالفت کی وجہ سے ان دونوں نمک حلال

امیروں کو قتل کرا دیا اور فوراً مدگل۔ رائچور۔ شولاپور۔ بیجاپور اور نلدرگ کے قلعوں پر قبضہ کرلیا۔

بھائی کی بغاوت کا حال سنکر جسکے ساتھ اس نے برادرانہ سلوک کیا تھا سلطان کو بڑا غصہ آیا۔ فوراً فوج لیکر باغیوں کے مقابلہ کیلئے چلا۔ دونوں لشکر مقابل ہوئے اور بہت بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ محمد خاں شکست کھاکر جنگل کیطرف بھاگا اس کے اغوا کرنے والے امیر سب کے سب لڑائی میں مارے گئے۔ سلطان بغاوت کو فرو کرکے دارالسلطنت میں واپس آیا۔ اور بعد چندے جب اسکے بھائی نے معافی کی درخواست کی تو اسکا قصور فوراً ہی معاف نہیں کردیا گیا بلکہ وہ ممالک تلنگانہ کا حاکم بنایا گیا۔ کیونکہ اس اثناء میں فولاد خاں کا انتقال ہوچکا تھا جسکے تفویض اقطاع تلنگانہ تھے۔ اس موقع پر یہ کہنا نامناسب نہوگا کہ اکثر سلاطین اسلام جو اپنے بھائیوں اور دعویداران حکومت کو اندھا کرکے محبوس کردیا کرتے تھے۔ تو اسکی وجہ یہی تھی کہ وہ باوجود بہت بڑی خاطر و تواضع کے بھی بغاوت سے باز نہیں رہتے تھے اور حسد اور رشک سے سلطان وقت کو ہمیشہ مصروف جنگ وجدال رکھتے تھے۔ جس سے ملک میں بدنظمی پیدا ہوتی تھی مگر برخلاف اس عام رواج کے سلطان علاؤ الدین اور اسکے باپ احمد شاہ ولی نے دعویداران سلطنت کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا۔ اور باوجود قصور کے اندھا اور محبوس نہیں کیا تھا۔ یہ حسن اخلاق اولیاء اللہ کی صحبت کا نتیجہ تھا۔ جنکی خدمت گزاری سلاطین بڑی خوش اعتقادی سے کرتے تھے۔

سنہ ۱۴۳۶ء میں علاؤ الدین نے دلاور خاں کو ملک کوکن کے فتح کرنے کیلئے روانہ کیا۔ اور اس نے بہت سے قلعوں کو فتح کرکے اور راجہ سنگیسر کی لڑکی کو ساتھ لئے ہوئے بہت سے مال غنیمت کیساتھ بیدر کی طرف مراجعت کی سلطان اس خوبصورت ہندو عورت کے بے مثل حسن وجمال کو دیکھکر ہزار جان سے فریفتہ ہوگیا اور اسکو پری چہرہ کا خطاب عنایت کیا۔ اس کے بعد دلاور خاں عہدہ وزارت پر سرفراز ہوا اور آخر کار اسکی

بعض بدعنوانیوں کی وجہ سے سلطان کو اس سے نفرت پیدا ہوئی اور اس نے بھی استغنا دیکر بادشاہی قہر وغضب سے اپنا پیچھا چھوڑایا۔ پھر اسکی جگہ دستور الملک خواجہ سرا کا تقرر عمل میں آیا۔ جسکی خودسری اور غرور سے تھوڑے ہی عرصہ میں تمام لوگوں کے دلوں میں اسکی طرف سے نفرت پیدا ہوگئی آخر سلطان کے بیٹے ہمایوں نے کہ اوس میں جسمانی نشوونما کے ساتھ قوائے غضبیہ اور صفات بہیمیہ بھی نمود کرتے جاتے تھے۔ ایک اپنے آدمی کو ترغیب دیکر اوسے قتل کرادیا۔ دستور الملک کے قتل کے بعد میاں حسن اللہ دکھنی وزیر اعظم ہوئے جن کے عہد وزارت میں دکھنیوں کی خوب ہی بن آئی۔ اور انہوں نے غیر ملکیوں کیساتھ جنہیں اس زمانہ میں غریب کہتے تھے۔ وہ سلوک کیا جو معرکۂ کربلا کے بعد سادات کے ساتھ شاید ہی کسی زمانہ میں کیا گیا ہوگا۔ حالانکہ اس زمانہ کے اہل دکن اکثر شیعہ مذہب رکھتے تھے اور سیدوں کو اپنا پیشوا جانتے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ تعصب ملکی مذہب کو بھی بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔

پری چہرہ کے عشق میں سلطان اسقدر از خود رفتہ ہوگیا تھا کہ وہ اپنی خاص شادی والی ملکہ جہان کو بھی بھول گیا تھا۔ جو صرف خاندیس کے بادشاہ کی بیٹی نہ تھی بلکہ اسکو اس بات کا بھی فخر تھا کہ وہ حضرت فاروق رض کی خاص نسل میں سے ہے۔ ایک ایسی مسلمان عورت کو جو خود کو کئی وجوہ سے برتر خیال کرتی تھی یہ کب گوارا ہوسکتا تھا کہ محل میں اس کی رقیب ہندو عورت اس سے بڑھجائے اور سلطان اسکو چھوڑکر ایک ہندو چھوکری کی پرستش کرے جو لڑائی میں اسیر ہوکر آئی ہو۔ آخر کار ملکہ جہاں ناراض ہوکر اپنے باپ کے پاس چلی گئی۔ جس نے غیظ میں آکر ملک برار پر حملہ کردیا۔ ہندو راجوں نے بھی اسکی امداد کی اور اکثر امرائے برار جو نصیر خاں والی خاندیس کو خلیفہ دوم کی نسل سے خیال کرتے تھے۔ اسی مذہبی اعزاز کی وجہ سے اسکے حلقہ بگوش ہوگئے۔ نصیر خاں نے آسانی کے ساتھ برار پر قبضہ کرلیا اور اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کردیا۔ خان جہاں جو اسوقت

طرفدار برار تھا قلعہ پرنالہ میں جان بچا کر جا چھپا۔

اس خرابی کی خبر سنکر سلطان نے ملک التجار کو اس مہم پر مقرر کیا۔ مگر اس ہوشیار آزمودہ کار رئیس کو مہایم کی لڑائی میں ملکیوں کا غیر ملکیوں کے ساتھ حاسدانہ اور منافقانہ برتاؤ معلوم ہو چکا تھا۔ اس نے سلطان سے صاف یہ کہدیا تھا کہ اس مہم میں میرے ساتھ صرف غیر ملکی ہی اشخاص کر دئے جائیں۔ اسکی درخواست پر سلطان نے بطور تجربہ صرف پردیسیوں کو جن میں عجم۔ عرب۔ ترک وغیرہ تھے اسکے لشکر کیلئے انتخاب کیا اور دکہنی اور حبشی قوم کے لوگوں کو اسمیں شریک ہونے نہ دیا۔

اس مہم میں ملک التجار کو پوری کامیابی ہوئی۔ اس نے خاندیس کو خوب ہی تباہ و برباد کیا۔ دارالریاست برہان پور کو لوٹا اور عمارات شاہی کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اس کامیابی کے بعد جب وہ بیدر کو فاتح و منصور واپس پھرا۔ تو سلطان نے اپنے بیٹے ہمایوں کو اس کی پیشوائی کیلئے بھیجا اور اسکو اور اسکی فوج کو حسب مراتب صلے اور انعام دئے۔ اور شاہ قلی سلطان کو جو چنگیز خاں کی نسل سے تھا اور جس نے اس لڑائی میں بہت دلیری اور جراوت دکھائی تھی اپنا داماد بنایا اور غیر ملکیوں کو یہ اعزاز دیا کہ وہ ہمیشہ سلطان کے دست راست پر رہیں اور دکہنی اور حبشی دست چپ پر۔ اس ترجیح سے اور بھی رشک حسد کا زہریلہ درخت نشو ونما کرنے لگا جس کا بیج مدت دراز سے بویا جا چکا تھا۔ اور جس کا پردہ خفا میں سے ظاہر ہونا فیروز شاہ اور احمد شاہ کے مختلف زمانوں میں مذہبی اور ملکی حیثیتوں سے ہو چکا تھا۔ ادھر تو سلطان کے ملک میں لڑائیاں اور بغاوتیں ہو رہی تھیں اور ادھر سلطنت بہمنی کا قدیم دشمن راجہ بیجانگر اس فکر میں تھا۔ کہ باوجود وسعت ملک کثرت فوج و زیادتی زر و جواہر کے میں کیوں سلاطین دکن پر غالب نہیں آتا۔ غلبہ کے اسباب دریافت کرنے سے اسکو معلوم ہوا کہ ہندو فنون جنگ میں اہل اسلام سے کم ہیں۔ اسلئے اسنے دو ہزار مسلمانوں کو فوجی تعلیم کے لئے نوکر رکھا اور ان کے تالیف قلوب کیواسطے

اپنے شہر میں ایک مسجد بنوائی اور اشاعت اسلام کی عام اجازت دیدی۔ اس سے بھی زیادہ مسلمانوں کی خوشنودی کے لئے اس نے دربار میں اپنے سامنے قرآن شریف رحل پر رکھنا اور اسکی تعظیم شروع کی۔ ان مختلف تدبیروں سے اسنے مسلمان فوجی اشخاص سے اپنی فوج کو قواعد اور فنون جنگ میں تعلیم دلاکر ساٹھ ہزار کی تعداد کا ایک ہندو لشکر جمع کیا جو تیر اندازی وغیرہ میں ماہر تھا۔ ان کے علاوہ آٹھ ہزار سوار اور دو لاکھ پیادے تیار کئے جو مسلمان سپاہیوں کی طرح ہتھیاروں اور فنون جنگ سے آراستہ تھے۔ مگر اس آراستگی پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسوقت تک ہندوؤں میں توپخانہ کا رواج باضابطہ طور پر نہ ہوا تھا۔ حالانکہ ان کے رقیب توپخانہ کے استعمال میں پوری مشق حاصل کر چکے تھے۔

کئی سال کے عرصہ میں دیورائے نے اپنی فوج میں یہ اصلاحیں جاری کیں تھیں اور اسکو مسلمانوں کے مقابلہ کے لائق بنایا تھا۔ اس تیاری کے بعد ۱۴۴۳ء میں راجہ نے سلطان کے ملک پر چڑھائی کی اور تنگبھدرا کو عبور کر کے قلعہ رائچور کا محاصرہ کیا اور اسکی فوج کے بعض حصے نے میان دوآب کے ملک میں پھیلکر لوٹنا مارنا شروع کردیا۔ باوجود اسقدر لڑائیوں اور کشت وخون کے جو ابتدا میں سلاطین بہمنی اور راجگان بیجانگر میں واقع ہوئیں حد فاصل دریائے تنگبھدرا رہا۔ اور امیں سے کسی کو بھی یہ نصیب نہوا کہ وہ اس دریا سے ادھر یا اُدھر ملک کا رقبہ وسیع کرے اس میزان کے برابر رہنے کا اصلی سبب وہی تھا کہ ہندوؤں کی زیادہ تعداد اور مسلمانوں کی بہادری دونوں باہم مدمقابل تھیں۔

بیجانگر کے راجہ کی اس زیادتی کی خبر پاکر سلطان نے بھی جلدی سے اپنی لشکر کو برار۔ تلنگانہ۔ اور دولت آباد سے طلب کیا۔ اور پچاس ہزار سوار۔ ساٹھ ہزار پیادے اور ایک توپ لیکر دشمن کے مدمقابل آگیا۔ اور باہم زور وشور کی لڑائیاں ہوئیں اس لڑائی میں پہلے تو سلطان کو شکست ہوئی مگر بعد کو وہ فتحیاب ہوا۔ آخری لڑائی میں

راجہ کا بیٹا مارا گیا اور ہندو پسپا ہو کر مدگل کے قلعہ کے اندر پناہ گزیں ہو گئے۔ مگر سلطان کے دو بہادر امیر بہادری کے جوش میں لڑتے ہوئے فوج مخالف کے اندر گھستے چلے گئے جہاں کہ وہ دشمن کی قید میں آ گئے۔ سلطان نے فوراً یہ راجہ سے کہلا بھیجا کہ ان دونوں بہادر مسلمانوں کو اگر کوئی صدمہ پہونچا تو وہ لاکھ ہندو قتل کئے جائیں گے۔ چونکہ راجہ کو گذشتہ معرکہ آرائیوں سے مسلمانوں کی پختگی ارادہ اور شجاعت بخوبی معلوم ہو چکی تھی۔ اس لئے اسنے ان دونوں امیروں کو اور ان کے ساتھ تمام گذشتہ سالوں کا باج و خراج سلطان کی خدمت میں بڑے عجز و انکسار سے روانہ کیا اور اس شرط پر صلح قرار پائی کہ آیندہ طرفین میں سے کوئی کسی ملک پر حملہ نہ کرے۔ اس صلح کے بعد سلطان نے راجہ کو خلعت عنایت فرمایا۔ اور مال غنیمت سے مالا مال ہو کر دار السلطنت بیدر کی طرف روانہ ہوا اور راحت و آرام سے عیش و عشرت میں مشغول ہوا۔

ان فتوحات کے بعد سلطان علاؤ الدین تمام و کمال عیش و نشاط کی طرف متوجہ ہوا اور ریاست کے کاموں کو یک لخت چھوڑ دیا۔ رات دن اسکو شراب اور ساقیان لالہ فام اور رقص و سرود کی مجلسوں سے کام تھا۔ چوتھے پانچویں مہینے کہیں ایک دفعہ دربار کی نوبت آتی تھی اور باقی تمام وقت محلسرا اور بزم عیش و طرب ہی میں گذرتا تھا۔ ایشیائی خود مختار بادشاہوں کی خرابی کے اسباب یہی عیش و نشاط اور ملکی امور سے غفلت ہوا کرتی ہے۔ جہاں کہیں یہ اسباب زوال پیدا ہو گئے۔ وہاں پھر انکا نتیجہ یقینی تباہی سلطنت ہوتا ہے۔ جب سلطان کاروبار سلطنت سے غافل ہوا تو اس کے اہلکاروں کی بن آئی اور باہمی رقابتوں کے دور شروع ہوئے۔

میاں من اللہ دکھنی نے جو اسوقت وزارت پہ سرفراز تھے اہل دکن کو اکثر معزز عہدوں پر مقرر کر دیا تھا اور دکھنیوں کا زور اپنی پوری طاقت پر تھا۔ اسوقت غیر ملکیوں کے قلع و قمع کرنے کا اچھا موقع تھا۔ جو حسب اتفاق بہت تھوڑی ہی کوشش سے

دستیاب ہوا وزیر اعظم نے ملک التجار کو سرکش مرہٹہ قوم کے راجاؤں کی سرکوبی کیلئے ایک بہت بڑی فوج دیکر متعین کیا جسمیں سات ہزار دکھنی اور تین ہزار قوم عرب کے سوار اور سات ہزار غیر ملکی سپاہی تھے۔ ملک التجار نے جالنہ کو اپنے لشکر کا مستقر کیا اور وہاں سے کئی راجاؤں پر لشکر بھیجے اور انہیں سے بہتوں کو شکست دیکر مطیع و منقاد بھی کر لیا۔ اس اثنا میں جب اُسنے سرکہ نامی راجہ کو جو مرہٹہ قوم کا ایک چلتا ہوا پرزہ تھا زیر کیا تو اس نے اپنے آبائی مکر وحیلہ کو بڑی چالاکی سے برتا۔ اور ملک التجار کی تقریبًا تمام فوج کو بکروں کے گلہ کیطرح ایک تنگ و تاریک مقام میں ذبح کرا دیا۔ اور مسلمانوں کو عید القربان کا منظر یاد دلایا۔ جو ہر سال مکہ معظمہ کی قربانی سے ایک وسیع میدان میں دکھائی دیتا ہے۔ اس نے ملک التجار کو راجہ سنگیسر پر چڑھائی کرنے کی ترغیب دی۔ اور خود لشکر کا رہنما بنا ملک التجار اس کے فریب میں آگیا اور اسکی صلاح پر کام شروع کر دیا مگر دکھنی فوج نے اسکے حکم کی تعمیل نہ کی اور وہ اس سے علحدہ ہوگئے۔ اسپر بھی یہ اجل گرفتہ جنرل سرکہ کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر سنگیسر کو روانہ ہوا۔ سرکہ نے پہلے تو ایک منزل کشادہ راستہ دکھایا۔ مگر پھر تیسرے دن ایک ایسے مقام میں لاکر پھنسا دیا جسکے تین طرف تو اونچی اونچی پہاڑیاں اور سخت گنجان جنگل تھا اور ایک سمت سمندر موجیں مارتا ہوا موجود تھا۔ اس قدرتی حصار کے علاوہ اس مقام پر درختوں کی کثرت اسقدر تھی کہ دو خیمے ایک جگہ نصب نہ ہو سکتے تھے۔ درختوں کی یہ گنجانی اور اس پر رات کا وقت۔ ساری فوج کئی روز کے کڑی منزلوں سے تھکی ماندی۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ سرکہ اپنی فوج کے ساتھ غائب۔ ادھر مسلمانوں کا افسر ملک التجار پیچش میں اسقدر مبتلا۔ کہ قدمچہ سے قدم اٹھانیکی مہلت نہیں۔ سرکہ تو بالارادہ مسلمان فوج کو پہلے سے جال میں لانے کی فکر میں کامیاب ہوچکا ہی تھا اسکی کہنے سے راجہ سنگیسر نے آدھی رات کے قریب اپنی چھپی ہوئی فوج کو پہاڑوں سے

دروں، غاروں اور جنگل کے کونوں میں سے نکالا۔ اور انہیں قصابوں کی طرح بے بس مسلمانوں کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ جو درختوں کے تلے تھکے ماندے غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ الغرض صبح تک سات ہزار سپاہی۔ سران فوج جنمیں صحیح النسب سادات بھی شامل تھے۔ اور انکا سپہ سالار ملک التجار نہایت ہی بے دردی کے ساتھ قتل کروائے گئے۔ اور صبح ہوتے ہی راجہ تمام اسباب و سامان لشکر لیکر اپنے ملک کیطرف روانہ ہوا۔ تاریخ میں بہت کم واقعات درج ہیں کہ جنمیں بدفعہ واحد اسقدر فوج حالت خواب اور بے بسی میں ایک مکار کے فریب و حیلہ سے اسطرح نیست و نابود ہوئی۔ ایسے ہی واقعات سے یہ کلیہ نکالا گیا ہے کہ فریب و حیلہ بازی سے جنگ میں جیسی کامیابی ہوتی ہے ویسی جانبازی سے نہیں۔

اس حادثۂ عظیم کے بعد جو اس سے بھی زیادہ حیرتناک واقعہ وقوع پذیر ہوا وہ یہ تھا کہ جب تقریباً تین ہزار آدمی جو اپنے جانیں بچاکر اس تہلکہ سے بہزار خرابی بھاگ آئے تھے دکھنی اور حبشی فوج میں پہنچے جو اس لڑائی میں شریک نہیں ہوئے تھے تو ان میں باہم اس بات پر جھگڑا ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو ملزم ٹھہراتے تھے غیرملکی لوگ تو یہ کہتے تھے کہ دکھنیوں کے نفاق کی وجہ سے ہم پر یہ آفت نازل ہوئی اور دکھنی اور حبشیوں کا قول یہ تھا کہ یہ اجنبیوں یا غیرملکیوں کی بے احتیاطی تھی جس نے انکو برباد کیا۔ الغرض اس باہمی تکرار کے بعد غیرملکی یہ کہکر جالنہ کے قلعہ میں قائم ہوگئے کہ ہم دکھنیوں کے نفاق اور نافرمانی کی شکایت سلطان سے جاکر کریں گے۔ اور اپنے دشمنوں ہندو راجوں سے اپنے بھائیوں کے خون کا عوض لینگے۔ ان کے اس ارادے سے آگاہ ہوکر دکھنیوں نے یہ پیش بندی کی کہ سلطان کی خدمت میں فوراً یہ رپورٹ بھیجی کہ ہم نے منع کیا۔ مگر ملک التجار نے ایک نہ سنی اور احتیاط و حزم کو کام نہ فرماکے دشمنوں کے فریب میں آگیا۔ اور آپ اور اپنے لشکر دونوں کو تباہ کیا۔ اب جو باقی ماندہ غیرملکی لوگ ہیں از روئے بغاوت جالنہ کے قلعہ میں پناہ گزیں ہیں۔

اور اطراف و جوانب کے راجاؤں سے سازشیں کر رہے ہیں اور بغاوت پر آمادہ ہیں۔ اس رپورٹ کو مشیر الملک اور نظام الملک دکھنی نے ایسے موقع پر پیش کیا جبکہ سلطان نشہ میں چور اور عیش و سرور میں سرمست تھا۔ اور اپنی طرف سے اور بھی ایسی باتیں کیں جن کے سننے سے سلطان پر سخت غیظ و غضب طاری ہوا اور اس نے فوراً غیر ملکیوں کے استیصال کا حکم نافذ کر دیا اور انہیں دونوں امیروں کو ان کے قلع و قمع کرنے کیلئے روانہ کیا۔ غیر ملکیوں کی عرضیاں جو سلطان کے پاس بھیجی جاتی تھیں وہ یا تو راستہ ہی میں روک لی جاتی تھیں یا عہدہ داران ذی اقتدار انہیں سلطان کی خدمت میں پیش نہیں کرتے تھے۔ اسلئے غیر ملکیوں کو بجز جان دینے کے اور کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ یہ بے بسی کی حالت دیکھکر غیر ملکی اپنی زندگی سے مایوس ہوئے اور انہوں نے اپنے بال بچوں سمیت قلعہ میں پناہ لی۔ دکھنیوں نے قلعہ کا محاصرہ دو ماہ تک جاری رکھا۔ مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر دکھنیوں کے امیروں نے ایک نہایت ہی نفرت انگیز حیلہ سے غیر ملکیوں کو قلعہ سے باہر نکالا۔ اور انکو یہ دھوکا دیا کہ سلطان نے قصور معاف کر دیا ہے اب تم کو کوئی نقصان پہنچایا نہ جائیگا۔ اس وعدہ پر موکد قسمیں کھائی گئیں۔ مگر جب یہ اجنبی اپنے بال بچوں اور عورتوں کو لیکر قلعہ سے باہر آئے اور میدان میں ٹھیرے تو ان کے معزز اشخاص کو دکھنیوں نے دعوت میں بلایا اور جب وہ کھانے پر بیٹھے تو ان پر نہایت بیرحمی سے حملہ کیا گیا اور بجائے کھانے پینے کے انکو شربت شہادت پلایا گیا۔ اس قابل نفریں حرکت کے بعد باقی ماندہ اجنبی لشکر پر تقریباً تین ہزار دکھنی اور حبشی ٹوٹ پڑے اور ان سب کو حتی کہ دودھ پیتے ہوئے بچوں کو بھی قتل کر دیا اور اس کے بعد ان کی بیٹیوں اور عورتوں کو سخت بے عزت اور بے آبرو کیا جسکے بیان سے شرم آتی ہے۔ اجنبی مورخوں نے اس واقعہ کو کربلا کے واقعہ سے بھی زیادہ سخت بتایا ہے اور یہ کہا ہے کہ مدینہ منورہ میں یزید کے زمانہ میں جو بے حرمتی اہل مدینہ کی ہوئی تھی

اس سے بھی زیادہ سادات کی بے آبروئی جالنہ میں ہوئی۔ اگرچہ غیر ملکی مورخین کے یہ بیانات مبالغہ سے کبھی خالی نہیں ہو سکتے۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ اس زمانہ کے ملکی اور غیر ملکی لوگوں میں اسقدر نفرت تھی کہ دکھنیوں نے مذہب اور ملت کو ملکی حقوق اور وطنی رشک و حسد کے مقابلہ میں بالائے طاق رکھ دیا تھا جن کے آباد اجداد کی وہ پرستش کرتے تھے۔ ہر ملک کے اہل طمع اشخاص ایسے ہی بیرحم اور لامذہب ہوا کرتے ہیں۔ کچھ دکن ہی پر منحصر نہیں ہے وہ حکومت اور دولت کے سامنے مذہب اور ملت کو کوئی چیز نہیں جانتے۔ اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل غلط ہے کہ ہمیشہ دکھنی ایسے ہی بے رحم۔ خود غرض۔ سازشی اور طامع ہوا کرتے ہیں۔ کیونکہ ایک واقعہ جزئی سے کوئی قاعدہ کلی نہیں بنایا جا سکتا۔ اس زمانہ میں نفرت کے جو اسباب تھے وہ ضروری نہیں کہ ہر زمانہ میں واقع ہو جائیں۔ علاوہ ازیں ہر زمانہ کے لوگوں کی تعلیم و تربیت قوائے حیوانی کا اعتدال اور عقل کی زیادتی میں بھی فرق ہوا کرتا ہے ممکن ہے کہ یہ جو کچھ بے رحمیاں سادات صحیح النسب پر نازل ہوئیں وہ حبشیوں کے ہاتھوں سے ہوئی ہوں وہ جہالت اور شقاوت قلبی میں ضرب المثل ہیں کیونکہ اسکا ثبوت اس واقعہ سے بخوبی ہوتا ہے کہ جب قاسم بیگ غیر ملکی اور اس کے تین سو آدمی جو میدان ہلاکت سے تھوڑے فاصلہ پر پڑے ہوئے تھے اپنی جان بچا کر بیدر کی طرف بھاگے۔ اور اپنی عورتوں کو مردانہ لباس پہنا کر اپنے ساتھ لیا اور دکھنی اور حبشیوں نے انکا تعاقب کیا تو اسوقت ایک مقام پر ایک دکھنی حسن خاں نامی ہی نے اسکی امداد کی اور دشمنوں کے ہاتھوں سے اسکو بچایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کل قوم دکھنی پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔

الغرض جب یہ چند اجنبی فوجی افسر بڑی مصیبت سے اپنی جانیں بچا کر سلطان کی خدمت میں پہنچے اور اس سے اپنی ساری عبرتناک اور جگر آب کر دینے والے واقعات بیان کئے تو سلطان سکتہ کے عالم میں ہو گیا اور اس نے فوراً ان تمام عہدہ داروں کو قتل کر دیا۔

جو اس سازش سے تعلق رکھتے تھے اور جنھوں نے غیر ملکیوں کی عرضیاں سلطان کے سامنے پیش نہیں کی تھیں اور جنہوں نے جھوٹی تہمت اجنبیوں پر باندھی تھی۔ مشیر الملک اور نظام الملک غوری کو پا پیادہ جالنہ سے طلب کیا اور انکو بڑی بیعزتی اور بے آبروئی سے شہر بدر کرایا اور انکا تمام مال و متاع ضبط کر لیا اور ان کے اہل و عیال کو اسقدر نان شبینہ کا محتاج کر دیا کہ ان کے عورتوں اور مردوں نے نہایت ہی ذلیل پیشے اختیار کئے اور کسبیوں کے بازار میں بیٹھے ہوئے نظر آنے لگے جسکو لوگ انتقام سادات پر محمول کرتے تھے اور یہ بھی یہی کہ منتقم حقیقی ضرور ظلم کا بدلا لیتا ہے۔ ادھر تو سلطان نے اہل سازش کو سخت سزائیں دیں اور ادھر باقی ماندہ غیر ملکیوں کو ترقیاں دیکر معزز عہدوں پر ملکیوں کی جگہ قائم کیا اور پھر از سر نو ان کی بھرتی عمل میں آئی۔ ان کارروائیوں کے بعد سلطان کے پاؤں میں ایک پھوڑا نمودار ہوا اور وہ باہر آنے جانے سے مجبور رہا۔

اس بیماری سے عوام میں اسکی موت کی شہرت ہوگئی۔ اور شہزادہ سکندر خاں نے جو اسکا نواسا تھا اور جس کو تلنگانہ کی حکومت سپرد تھی بغاوت ظاہر کی اور مالوہ کے بادشاہ سے مدد طلب کی جو ایک فوج کثیر لیکر دکن میں آموجود ہوا۔ اس حملہ کی خبر پاکر سلطان نے اپنی بیماری کی حالت میں جبکہ وہ پاؤں کے درد سے صاحب فراش تھا پالکی میں سوار ہو کر مخالفین پر فوج کشی کی مگر مالوہ کے شاہ نے سلطان علاؤالدین کو زندہ پاکر میدان جنگ سے کنارہ کشی کی اور سکندر خاں بھی ملک تلنگانہ کے طرف بھاگا جہاں خواجہ محمود گاواں نے اسکو زیر کیا اور بالآخر سلطان نے اسکی خطا معاف کر دی۔ اور پھر اس کو گورنری پر بدستور سابق مامور کر دیا۔

ان واقعات کے بعد تقریباً چار سال کی بیماری اٹھا کر اور ۲۴ برس تخت سلطنت پر بیٹھکر سلطان علاؤالدین ثانی راہی ملک بقا ہوا۔

یہ سلطان ایک ذی علم ذہین اور ذکی الطبع شخص تھا۔ اس کے مزاج میں عالی

انسانی بہت تھی۔ مگر ساتھ ہی اسکے شراب خواری اور عیاشی سے جو اکثر اہل دول میں پائی جاتے ہیں خالی نہ تھا۔ فارسی اور عربی زبانوں میں نہایت فصیح و بلیغ تھا۔ چنانچہ جامع مسجد میں جمعہ کے روز خود منبر پر خطبہ پڑھا کرتا تھا۔ سادات اور اجنبیوں کے قتل کے واقعہ کے بعد ایک روز وہ خطبہ پڑھ رہا تھا اور جب اس کے منہ سے اپنی تعریف میں یہ الفاظ کہ السلطان العادل الکریم الحلیم الرؤف علیٰ عباد اللہ یعنی سلطان بڑا ہی عادل کریم حلیم۔ اور بندگانِ خدا پر مہربان ہے تو مجمع سے ایک بیباک عرب نے اٹھکر کہا کہ لا واللہ لا عادل ولا کریم ولا حلیم ولا رؤف۔ ایھا الظالم الکذاب تقتل الذریۃ الطاہرۃ وتتکلم بھذہ الکلمات علیٰ منابر المسلمین۔ یعنی نہیں خدا کی قسم۔ نہ عادل ہے اور نہ کریم ہے اور نہ حلیم ہے اور نہ مہربان بلکہ جھوٹا ظالم ہے جو مقدس (اولاد سادات) کو قتل کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کے منبر پر چڑھکر یہ کلمات کہتا ہے۔ اس توہین و ذلت کو سنکر سلطان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھرکر کہا کہ خدا ان لوگوں سے میرا عوض لے گا جنہوں نے مجھ کو بدنام کیا ہے۔ پھر اس نے اس عرب کو گھوڑوں کی قیمت دلوادی جو اب تک ادا نہیں ہوئی تھی۔ اور جس کی نہ ملنے سے وہ اسقدر ناراض تھا۔ اس واقعہ سے سلطان میں حلم اور بردباری کا جوہر بھی ظاہر ہوتا ہے۔

اس لایق سلطان کی ہمدردی انسانی اور رعایا پروری اس واقعہ سے بخوبی ثابت ہے کہ اس نے اپنے عہد حکومت میں بمقام بیدر رعایا کے آرام کیلئے ایک عام دارالشفا قایم کی تھی اور چند گاوں کا محصول اس کے اخراجات کے لئے وقف کردیا تھا۔ اس دواخانہ کی صفائی اور انتظام ادویہ اس زمانہ قدیم کے اعتبار سے قابل حیرت ہے۔ اس اہتمام کے ساتھ یہ بات بھی قابل غور تھی۔ کہ اس دارالشفا میں مسلمان اور ہنود دونوں قوم کے طبیب ملازم تھے۔ اور غذائیں اور دوائیں مفت دیجاتی تھیں معلوم ہوتا ہے کہ طب یونانی اور طب ویدک دونوں سے حسب خواہش مریض وہاں علاج کیا جاتا تھا

اور قدیم علوم کے زندہ رکھنے کی پوری کوشش کیگئی تھی۔ برخلاف اس زمانہ کے کہ وسی طب کا تو یک لخت قلع قمع ہی کر دیا گیا ہے اوسکی اصلاح اور ترقی کی فکر حکومت کیطرف سے ذرا بھی عمل میں لائی نہیں جاتی۔

اس کے زمانہ کا یہ انتظام بھی قابل تعریف ہے رعایا کی صحت اور اخلاق کے لحاظ سے شہروں اور قصبوں میں ایماندار محتسب اس غرض سے مقرر کئے گئے تھے کہ وہ شارع عام پر شرابوں کو دکانین قایم کرنے اور عام طور سے لوگوں کو جوا کھیلنے نہ دیں اس کے عہد مبارک میں ان دونوں برائیوں کے انسداد کا سخت انتظام تھا۔ اور لوگ علانیہ نہ تو شراب اور سیندہی لے سکتے تھے اور نہ کہیں جوا کھیل سکتے تھے شراب پینے والوں کو متواتر ممانعت کے بعد یہ سزائے سخت دیجاتی تھی کہ ان کے حلق میں سیسہ گرم کر کے ڈالا جاتا تھا۔ اسیطرح رنڈیوں اور کسبیوں کو بھی اپنا پیشہ گرم کرنے کی ممانعت تھی۔ اور سلطان ان اخلاقی جرایم میں اسقدر سخت تھا کہ وہ اپنے پرائے بزرگ مقدس کسی کی بھی رورعایت نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت سید محمدؒ شاہ بندہ نواز گیسو دراز کے کسی نبیرہ نے شراب پیکر کسی رنڈی کو پیٹا اور سلطان کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے خاندان کا ذرا بھی لحاظ نہ کیا اور انہیں برسر بازار درّے لگوائے تاکہ عام لوگوں کو عبرت ہو اور کسی کو گدہے کی کھال پہنا کر شہر بدر کرا دیا۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان باوجود اس کے کہ خود شرابی اور عیاش تھا مگر رعایا کا ان بداخلاقیوں میں گرفتار ہونا گوارا نہیں کرتا تھا۔

تعجب ہے کہ جو بات اس ہمارے روشن زمانہ میں جبکہ ایک مہذب گورنمنٹ ہمارے اوپر مسلط ہے تیس۳۰ چالیس۴۰ برس سے بجد وجہد چاہی جاتی ہے وہ اس سلطان کے عہد میں جاری تھے اور وہ بات یہ تھی کہ کسی گداگر کو بھیک مانگنے کی اجازت نہ تھی جو لوگ سوال کرتے ہوئے دیکھے جاتے تھے وہ فوراً گرفتار کر لئے جاتے تھے۔ اور ان سے

ان کے لائق کام لیا جاتا تھا۔ موریاں۔ سڑکیں وغیرہ ان سے صاف کرائی جاتی تھیں۔ اور دوسرے محنت مزدوری کے کام بھی ان سے لئے جاتے تھے۔ آجکل یورپ میں جن اصول پر ورکس ہاوس قایم ہیں۔ انہیں اصول پر اس زمانہ میں گداگروں کا انتظام کر دیا گیا تھا۔

عدل و انصاف میں بھی سلطان علاؤ الدین ثانی نوشیروان ثانی بتایا جاتا تھا۔ اور انکسار و خدا پرستی کا بھی یہ حال تھا کہ خود مجالس وعظ و پند میں حاضر ہوکر وعظ سنتا اور جمعہ اور عیدین کو جامع مسجد میں جاکر جماعت سے نماز پڑھتا تھا۔ اس کے علاوہ بہت بڑی صفت اسمیں یہ تھی کہ وہ رعایا کی خونریزی اور ان کے بے آرامی کو ہرگز گوارا نہیں کرتا تھا۔ اور اگرچہ اسمیں مذہبی تعصب موجود تھا کہ ان مندروں کو گرا کر بعض دفعہ انکی جگہ پر مسجد بنوائی تھی۔ تاہم ملکی معاملات اور عام عدل و انصاف میں ہندو اور مسلمانوں کو برابر رکھتا تھا اور سرکاری خدمتوں کے دینے سے بھی کبھی غیر مذاہب والوں کو محروم نہ کرتا تھا۔

سلطان ہمایوں شاہ بہمنی ظالم

انقلاب فصلین کیطرح زمانہ بھی نیک و بد بادشاہوں کو پیدا کرتا رہتا ہے تاکہ خیر و شر میں تمیز حاصل ہو۔ گو سلطان علاؤ الدین ایک نیک مزاج بادشاہ تھا۔ مگر اس کا بڑا بیٹا ہمایوں دنیا کے ظالموں میں اول ثابت ہوا۔ اور اس نے ظلم میں حجاج ظالم اور ضحاک سفاک کا نام صفحہ ہستی سے مٹادیا۔ جسکی تصدیق اس کے عہد کے واقعات سے بخوبی ہوتی ہے سلطان علاؤ الدین کے انتقال کے بعد بعض امرانے جلدی کر کے اسکے چھوٹے بیٹے حسن خاں کو تخت پر بٹھایا تاکہ خلق اللہ اس ظالم کے ہاتھ سے محفوظ رہے جسکی سخت مزاجی اس کے ایام طفلی ہی سے ظاہر ہو چکی تھی۔ اس تخت نشینی کے بانی مبانی سیف خاں ملو خاں جو سلطان علاؤ الدین کے عہد کے معتبر امیروں میں سے تھے۔ اور شاہ حبیب اللہ خلف شاہ خلیل اللہ تھے جنھوں نے اپنی آبائی فقیری کو چھوڑ کر امارت کی زہریلی شان و شوکت کو اختیار کیا تھا۔ اگرچہ ہمایوں کے مکان پر عوام الناس یورش کر کے پہنچے اور اس کے قتل و غارت کا ارادہ کیا۔ مگر مشیت ایزدی نے اپنا رنگ دکھایا اور ہمایوں نے قلیل جماعت سے جنمیں سکندر خان تلنگانہ کا طرفدار بھی شامل تھا ان حملہ آوروں کو شکست دیدی اور شاہی دربار کی طرف روانہ ہوا۔ رستہ میں شاہی خدم و حشم اس کے ہمراہ ہو گئے۔ اور دربار میں پہنچکر اس نے حسن خاں کو جو خود دہشت کے مارے کانپ کر تخت سے اتر آیا تھا اور اس کے معاونوں کو گرفتار کیا اور آپ بڑے رعب و داب سے تخت فیروزہ پر مسلط ہوا۔ حسن خاں اور شاہ حبیب اللہ کو تو اس نے قید میں بھیجدیا اور سیف خاں کو ہاتھی کے پاؤں سے بندھوا کر اور تمام شہر میں

تشہیر کرا کے قتل کیا۔ خوش قسمتی سے ملوخاں اس ہنگامہ سے لڑ بھڑ کر بھاگ نکلا اور وہ اپنی جان و آبرو سے محفوظ رہا۔

اگرچہ اس ظالم بادشاہ کو تخت نشینی میں کامیابی ہوئی۔ مگر کہاں ممکن تھا کہ اس کے مظالم اسکو چین سے سلطنت کرنے دیتے۔ جب اس نے خواجہ محمود گاواں کو وکیل السلطنت اور طرفدار بیجا پور بنایا اور ملک شاہ کو جو چنگیز خاں کی نسل سے تھا خان جہاں کا خطاب دیکر ملک تلنگانہ کی حکومت تفویض فرمائی۔ تو سکندر خاں کو جو سلطان احمد شاہ کا نواسہ تھا اور خود کو اسی رشتہ کی وجہ سے شریک سلطنت جانتا تھا بہت بڑا رشک و حسد ہوا اور آتش غضب سے تاؤ کھا کر اپنے باپ کے پاس چلا گیا جو تلنگنڈہ کا حاکم تھا اسکو بغاوت کی ترغیب دی۔ اور دونوں باپ بیٹوں نے علانیہ علم بغاوت بلند کر دیا۔ ہمایوں نے ان باغیوں کی سرکوبی کے لئے طرفدار برار کو روانہ کیا جو اسوقت تخت نشینی کی مبارکباد دینے کیلئے دار السلطنت میں آیا ہوا تھا۔ مگر اس سے یہ بغاوت فرو نہ ہوئی شکست کھا کر الٹے پاؤں واپس آیا۔ ہمایوں نے طیش میں آکر خود ان باغیوں پر فوج کشی کی اور تلنگنڈہ کے مقام پر دونوں فوجوں میں خوب ہی سرکہ آرائیاں ہوئیں۔ پہلی لڑائی میں تو سکندر خاں نے اس ظالم بادشاہ کو نیچا دکھایا اور ہمایوں نے یہ کہلا بھیجا کہ کیوں اپنی جان مفت دیتا ہے میں تیرا قصور معاف کر کے تجھ کو دولت آباد کی طرفداری پر مقرر کرتا ہوں جہاں تو عیش و آرام میں ہمیشہ مصروف رہ سکتا ہے۔ مجھے تجھ سے بہادر آدمی کے برباد ہونیکا اندیشہ ہے۔ مگر اس کے جواب میں سکندر خاں نے یہ پیام بھیجا کہ میں احمد شاہ کا نواسہ اور تم پوتے ہو۔ دونوں کا حق مساوی ہے۔ یا تو مجھکو تلنگانہ کی حکومت دیدو۔ یا لڑلو۔ یہ مغلوب الغضب بادشاہ اس پیام کو سنکر بہت ہی غصہ میں آیا جان توڑ کر اس نے جنگ کی اثنائے جنگ میں جبکہ دونوں طرف کے بہادر اپنی شجاعت کے جوہر دکھا رہے تھے۔ ہمایوں شاہ کے مست ہاتھی نے سکندر خاں کی

فوج قلب پر حملہ کیا اور صفوں کو الٹنے لگا سواروں میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ یہ حالت دیکھکر سکندر خاں نے کمال شجاعت اور تہوّر کے جوش میں آکر ہاتھی پر حملہ کیا اور ہاتھی نے مہاوت کے اشارہ سے اسکو خانہ زین سے اٹھا کر زمین پر دے پٹکا۔ ادھر سکندر خاں کے سواروں نے ہاتھی پر یورش کی اور نادانستہ طور سے ان کے گھوڑے سکندر خاں کو کچلتے چلے گئے جسکے صدمہ سے اسکا جسم پاش پاش ہو گیا اپنے افسروں کو مردہ پاکر تمام لشکر کے پاؤں اُکھڑ گئے اور سکندر کا باپ جلال خاں قلعہ میں محصور ہو گیا۔ اور ہمایوں شاہ سے اپنی جان کی امان طلب کی اسنے اسکو جان سے تو نہیں مارا مگر ہمیشہ کیلئے قید خانہ میں بھیجدیا۔

اس فتحیابی کے بعد ہمایوں نے خواجہ جہاں ترک اور نظام الملک کو دیورکنڈہ کی فتح کیلئے روانہ کیا کہ راجہ نے باغیوں کو مدد دی تھی اور خود بھی خودمختاری کا دعویدار تھا۔ جب ان دونوں امیروں نے دیورکنڈہ کا محاصرہ کیا اور تلنگوں نے کئی لڑائیاں لڑکر راجا ان اوریا اور اڑیسہ سے کمک طلب کی انہوں نے اس کی امداد کو بدل منظور کر کے ایک کافی لشکر ان کی اعانت کے لئے بھیجا۔ ان خبروں کو سنکر سلطانی فوج کے افسروں نے شوریٰ کیا اور نظام الملک کی رائے یہ ہوئی کہ پہاڑ کی گھاٹیوں کو چھوڑ کر میدان میں جنگ کرنا مناسب ہے جہاں کہ سواروں کو اپنے گھوڑوں سے کام لینے کا موقع ملے۔ مگر اس رائے کو خان جہاں نے پسند نہ کیا۔ اور سخت مخالفت کی۔ اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوریا اور اڑیسہ کے لشکروں اور قلعہ کی فوج نے باتفاق مسلمانوں پر حملہ کیا اور اب لشکر سلطانی کے سواروں کو بجز مقتول ہونے یا بھاگنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا جب تہلکہ سے بھاگ کر یہ دونوں امیر ورنگل میں ہمایوں کے پاس آئے تو اس نے نظام الملک کو فوراً قتل کرا دیا۔ خان جہاں اپنا الزام اس کے سر رکھ کر عتاب سے بچ گیا۔ اب غیظ و غضب میں آکر خود ہمایوں نے دیورکنڈہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔

مگر اس اثنا میں یہ خبر پہنچی کہ شاہزادہ حسن خاں نے قید سے نکل کر بغاوت اختیار کی ہے۔ اور دار السلطنت باغیوں کے ہاتھ میں ہے۔ غرض ہمایوں کو اپنی ہی پگڑی بچانیکی ضرورت لاحق ہوئی۔ دوسرے کی ٹوپی اتارنے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔

دار السلطنت میں اس بغاوت کی بنا یہ ہوئی کہ شاہ حبیب اللہ کے سات مریدوں نے یوسف ترک کو ہموار کر کے جو سلطان علاؤ الدین کا پروردہ تھا اپنے مرشد کے رہائی کی فکر کی یوسف نے ایک جعلی پروانہ بنا کر اور محلسرا کے پہرہ والوں کو دکھا کر اندر آنیکا موقع حاصل کیا۔ مگر اندرونی ڈیوڑھی کے جوانوں نے اس حکمنامہ کی ذرا بھی پروانہ کی اور یوسف کو اندر جانے نہ دیا باہمی تکرار بڑھنے پر یوسف نے ان جوانوں کو قتل اور اپنے ہمرائیوں کے ساتھ جیل خانہ میں داخل ہوا۔ جہاں کہ حبیب اللہ اور دوسرے شہزادے اور امرا قید تھے۔ سب سے پہلے شاہ صاحب کی بیڑی کاٹی گئی اور اس کے بعد شاہزادوں اور امیروں کی منت سماجت پر وہ بھی رہا کر دئے گئے۔ کہتے ہیں کہ اسوقت شہر کے تمام عام و خاص قیدی چھوڑ دئے گئے جنکی تعداد بہت زیادہ بتائی جاتی ہے جو مبالغہ سے خالی نہیں۔ یہ تمام قیدی حسن خاں کے ساتھ ہو گئے تھے پتھروں اور لکڑیوں سے کوتوال کا خوب مقابلہ کیا۔ یہ ہنگامہ پچھلی رات کو ہوا۔ سارے قیدی شہر میں بھاگ کر چھپ گئے اور حبیب اللہ شاہ۔ حسن خاں یوسف خاں نے فقیروں کا بھیس بدل کر جنگل کا راستہ لیا۔ یہاں انہوں نے ایک محفوظ مقام میں لشکر جمع کیا اور شہر پر چڑھائی کی۔ مگر ناکامی ہوئی اور وہ دار السلطنت سے فرار ہو کر بیڑ میں آئے اور اس پر قبضہ کر لیا۔ ان کے تعاقب میں ہمایوں نے شاہی فوج کو روانہ کیا۔ جس کو پہلی دفعہ شکست ہوئی۔ اس ناکامی کو دیکھکر ہمایوں کے غصہ کو حرکت ہوئی اور اس نے ایک بہت بڑی فوج ان باغیوں کے لئے بھیجی۔ اور اس فوج کے افسروں کے جورو بچے اس غرض سے اپنی نگرانی میں لے لئے کہ اگر وہ شکست کھا جائیں

یا شاہزادہ حسن خاں سے ملجائیں۔ تو ان کے بال بچے اور عزیز و قریب نہایت ہی بیعزتی کے ساتھ قتل کئے جائیں ہمایوں کے ظلم اور بیرحمی کے خوف سے امرا کی مجال کیا تھی جو وہ حسن خاں کیطرف ہوتے۔ انہوں نے سخت کوشش وسعی کے بعد باغیوں کو شکست دی اور شاہزادہ حسن خاں اور اس کے تمام ہمراہی بیجاپور میں آکر پناہ گزین ہوئے بیجاپور کا حاکم اس وقت سراج خاں جنیدی تھا جس کو سلطان ہمایوں نے خطاب دیکر اس مقام پر حاکم کیا تھا اس دغا باز آدمی نے پہلے تو شاہزادے اور اس کے رفقا کو بڑی خاطر و تواضع سے اپنے قلعہ میں ٹھرایا اور پھر شام کے وقت سلام کے بہانے سے آکر ان کا محاصرہ کرلیا حبیب اللہ شاہ نے تو جان دینے کو پسند کیا اور وہ لڑکر مارا گیا اور سب میں اچھا رہا۔ باقی لوگوں کو حاکم مذکور نے قید کرکے دارالسلطنت کو روانہ کردیا اور وہ کالی بلا کے منہ میں آکر سخت ترین عذاب سے مارے گئے۔ جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں شاید ہی پائی جائیگی۔

مثل مشہور ہے کہ ظالم کی عمر کوتاہ ہوتی ہے اسلئے قاعدہ فطرت کے بموجب یہ ممکن نہ تھا کہ ہمایوں ظالم ان شدید ظلموں کے بعد زیادہ عرصہ تک جیتا کیونکہ خلق اللہ کے دلوں سے اسکی موت کی دعائیں ہر وقت نکلتی تھیں اور وہ آنکھ میں کانٹے کیطرح کھٹکنے لگا تھا جس کے نکالے بغیر آرام ہی نہ ملسکتا تھا۔ ان جانکاہ واقعات کے بعد ہی وہ بیمار ہوا اور بعض مورخین کے بیان کے بموجب وہ اسی بیماری سے راہی ملک عدم ہوا۔ مگر بعض کی تحقیقات یہ ہے کہ محلسرا کی ایک حبشن لونڈی نے موقع پاکر جبکہ وہ شراب کے نشہ میں مخمور اور غافل سو رہا تھا۔ اس کے سر پر اس زور سے ایک ڈنڈا مارا کہ سوتے کا سوتا ہی رہ گیا۔ اور خلق اللہ کو اس کے مرنے سے نجات نصیب ہوئی۔ اسکی ظالمانہ مدت حکومت کی صرف دو سال ایک ماہ تھی جسمیں اس نے دنیا کو ہر طرح کے عذاب سے تکلیف پہنچائی۔ ملک الشعرا مولانا نظیری نے جو اس کے موت کی تاریخ کہی

اس سے بخوبی ثابت ہے کہ ہر طبقے کے لوگ اسکی زندگی سے نالاں اور اسکی موت سے شاداں تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں قطعہ

همایوں شاہ مرد و رست عالم تعالی اللہ زہے مرگ همایوں
جہاں پر ذوق شد تاریخ فوتش ہم از ذوق جہاں آمد بیروں

واقعی ظالم کی موت زیست سے بہتر ہے۔

سلطان ہمایوں شاہ قہر و غضب کا پتلا تھا۔ اس کی طینت میں ظلم کا مادہ تھا۔ جسکو اس نے بادشاہ ہوکر پورے طور سے ظاہر کیا۔ لڑکپن ہی سے اس مادہ کا ابھار جسم کے نشو و نما اور سن کی ترقی کے ساتھ ہوتا گیا۔ اور تخت پر بیٹھنے سے پہلے ہی وہ اپنے ظالمانہ حرکات سے رعایا میں ظالم مشہور ہو چکا تھا۔ اس کے غصہ کی کیفیت یہ تھی کہ جب اُس نے ورنگل میں شاہزادہ حسن خاں کی بغاوت کا حال سنا تو وہ غیظ و غضب سے اپنے کپڑے نوچنے لگا اور فرش اور زمین کو دانتوں سے اسقدر کاٹا کہ منہ لہولہان ہو گیا۔ اسکے غصہ کی آگ صرف مجرم ہی کو جلا کر خاک سیاہ نہ کرتی تھی بلکہ اس کے اہل و عیال۔ اُسکے دوست آشناؤں اس کے خادموں تک پہنچتی تھی۔ چنانچہ جب اسکا چھوٹا بھائی حسن خاں اور اس کے ساتھی باغی گرفتار ہوکر آئے تو اس نے اپنے جھروکہ کے سامنے میدان میں جا بجا سولیاں گڑوا دیں۔ کھولتے ہوئے تیل کے کڑھاؤ اور ابلتے ہوئے پانی کی دیگیں چڑھوائیں ہر قسم کے درندے یعنی شیر، چیتوں وغیرہ کو کھڑا کیا اور شمشیر۔ تبر اور تیر لئے ہوئے جلادوں کو صف بستہ کھڑا کیا اور شکنجہ وغیرہ آلات عذاب دینے کے جمیع اسباب مہیا کئے۔ جنکی ایجاد میں وہ خود بھی طاق تھا۔ اس نے اپنے سامنے اپنے بھائی حسن خاں کو شیر کے سامنے ڈلوا دیا۔ اُسنے ٹکڑے ٹکڑے کرکے کھا لیا اور تمام باغیوں اور ان کے بال بچوں رشتہ داروں اور عزیز و اقارب مرد عورت سب کو نت نئے عذابوں سے قتل کرایا اور حسن خاں اور دوسرے باغی امیروں کے خادموں۔ باورچیوں مہتروں تک کو سخت ترین تکلیفوں سے اپنے سامنے ہلاک کیا۔ عورتوں کی وہ بیعزتی کرائی جس کا بیان ادب اور تہذیب کے خلاف ہے

اور پھر اس بے حرمتی کے بعد ان کو انواع و اقسام کے عذاب سے ہلاک کیا۔ کوتوال شہر کو جسکا کوئی جرم نہ تھا پنجرے میں بند کر کے شہر میں پھروایا۔ اور اس کے اعضا کاٹ کاٹ کر خود اسی کو کھانے کیلئے دئیے۔ اس ظلم کے علاوہ وہ رعایا کی عزت و آبرو پر بھی حملہ کر بیٹھتا تھا۔ دوسرے کی عورتوں کو اپنے محل میں اتروا کر ان کی عصمت پر دست درازی کرتا تھا۔ غرضکہ ہمایوں اپنے قبیح اور ناپاک اعمال اور افعال کی وجہ سے رعایا کی آنکھوں میں کانٹا سا کھٹکتا تھا اور لوگ اسکے مرنے کی شب و روز دعائیں مانگتے تھے۔ حیرت ہے کہ نیک والدین کے بطن سے کبھی کبھی ایسے خبیث۔ درندے اور شیطان مجسم شخص بھی پیدا ہوتے ہیں۔ جن پر نہ کسی تعلیم کا کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ کوئی نیک صحبت کارگر ہوتی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ خلقی مادے کو انسانی خصائل میں بہت بڑا دخل ہے۔

سلطان نظام شاہ بہمنی

جب سنہ ۸۶۶ھ میں رعایائے دکن کو ہمایوں ظالم کے مرنے سے راحت نصیب ہوئی اسوقت اس کا بڑا بیٹا جسکی عمر آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔ اور اسکی والدہ نرگس بی جو ملکہ جہاں کے خطاب سے ملقب تھی اُس کی طرف سے سلطنت کا کام چلانے لگی یہ عورت فطرتاً ہوشیار اور عقلمند تھی اس نے خواجہ جہاں اور خواجہ محمود گاوان کو جو اسوقت نہایت ہی لایق تجربہ کار اور دیانت دار امیر تھے۔ اپنے پیشی میں مقرر کیا اور ہر ایک معاملہ کو ان کی رائے سے انجام دینے لگی۔ سلطنت کا ہر کام اسی مجلس شوریٰ سے ہوتا تھا جس کی صدر نشین یہ ایک لایق و فایق عورت تھی۔ سب سے پہلے اس نے خواجہ محمود گاوان کو وزیر اعظم اور طرفدار صوبہ بیجاپور مقرر کیا اور خواجہ جہاں کو وکالت سلطنت اور طرف داری ملک تلنگ کے عہدہ پر سرفراز فرمایا۔ اسکے بعد اُس نے ملک کو اس خراب حالت سے نکالنا چاہا جو ہمایوں کے ظلم و ستم سے پیدا ہو گئی تھی۔

شخصی حکومت کا یہ خاصہ ہے کہ جب کہیں کسی سلطنت کا بادشاہ خردسال ہوتا یا کوئی اور ضعف اس میں پایا جاتا ہے تو اطراف و جوانب کے بادشاہ اس موقع کو غنیمت سمجھکر اس کے ملک پر دست درازی کرتے ہیں۔ اسی عام قاعدہ کے موافق سب سے پہلے اوریا اور اوڑیسہ کے راجوں نے جنہیں ہمایوں شاہ کے عہد میں کوئی شکست فاش دی گئی تھی احمد آباد بیدر پر قبضہ کرنے اور مسلمانوں کو دکن سے نکالنے کی کوشش میں بیدر سے کولاس تک تمام ملک غارت کر دیا۔ اس واقعہ کی خبر سے ملکہ جہاں نے اپنی ہمشیرہ کو

رائے کے مطابق اطراف وجوانب سے چالیس ہزار آدمی جمع کئے اور بڑے کروفر سے شان وشوکت لشکر کو ان راجوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ بیدر سے دس کوس کے فاصلہ پر لڑائی ہوئی جسمیں محب اللہ شاہ نے جہاد اسلامی کا پورا جوش ظاہر کیا اور ہندؤں کے منہ پھیر دئے۔ خواجہ جہاں نے انکا تعاقب کیا اور آخرکار ان سرکش راجاؤں نے ایک قلعہ میں پناہ لیکر صلح کا پیام بھیجا جو پانچ لاکھ ہون کے جرمانہ اداکرنے پر منظور ہوا۔ اور نظام شاہ فاتح ومنصور دارالسلطنت کو واپس آیا۔

یہ لڑائی ختم ہوئی تھی کہ اتنے میں مالوہ کا بادشاہ محمود خلجی نے دکن پر چڑھائی کردی قندھار کے مقام پر طرفین کے لشکروں میں معرکہ کارزار گرم ہوا جس میں پہلے تو مالویوں کو شکست ہوا چاہتی تھی اور بعد میں اسکا رخ دکھنیوں کی طرف پھر گیا۔ اور نظام شاہ اپنے دارالسلطنت کی طرف بھاگا۔ سلطان محمود نے بیدر کا محاصرہ کیا۔ مگر ملکہ جہاں کی دانشمندی سے فوراً گجرات کے بادشاہ سے کمک طلب کیگئی اور اس نے ایک لشکر کثیر سلطان نظام کی مدد کے لئے روانہ کیا جسکے ساتھ بیدر کی فوج نے شریک ہوکر محمود خلجی کے محاصرہ کو اٹھادیا اور وہ خوف زدہ ہوکر اپنی ملک کی طرف روانہ ہوا۔ مگر خواجہ محمود گاواں کی دوراندیشی سے اسکے بھاگنے کی راہ بند کردی گئی تھی جو ملک برار میں ہوکر واقع تھی۔ اسکے علاوہ اس کی بھاگی ہوئی فوج کا تعاقب خواجہ محمود نے بڑی چستی سے کیا اور دشمن کے ہزاروں آدمیوں کو قتل کرنا شروع کردیا آخرکار جب محمود شاہ کو بھاگنے کا کوئی راستہ نہ ملا تو اس نے گونڈوانہ کے راجہ کی رہنمائی سے جنگل اور پہاڑوں کی راہ لی اور اس دغاباز راجہ کو اپنے قدیم دشمن محمود شاہ سے انتقام لینے کا اچھا موقع ملا۔ وہ ایک ایسے مقام سے محمود کے لشکر کو لایا جہاں پانی کا نام بھی نہ تھا۔ ادھر تو رسد کے بند ہونے سے جسکو بڑی سختی سے خواجہ محمود گاواں نے مسدود کیا تھا اور ادھر پانی کے نہ ملنے سے جسے راجہ کہتا

اور نفاق نے پوشیدہ کرا دیا تھا غنیم کی فوج کے بیشمار آدمی مر گئے چنانچہ ایک روز میں پیاس کی شدت سے پانچ چھ ہزار لشکری راہی ملک بقا ہوئے۔ اور طرح طرح کی بربادی کے بعد سلطان محمود خلجی روتا اور آہ و فغاں کرتا ہوا اپنے ملک میں واپس آیا۔ مگر اس خجالت کے دور کرنے کے لئے اور نظام شاہ سے انتقام لینے کی غرض سے پھر دوسرے سال اس پرجوش بادشاہ نے دکن پر چڑھائی کی۔ اس دفعہ بھی شاہِ گجرات کی امداد سے اس کو شکست دی گئی اور وہ دولت آباد کے مقام ہی سے براہ گونڈوانہ اپنے ملک کو بے نیل مرام واپس گیا۔

ان لڑائیوں سے فراغت حاصل ہوئی تو ملکہ جہان نے بڑی دھوم دھ[ام] سے نظام شاہ کی شادی ایک شاہی خاندان کی لڑکی سے کی مگر شب عروسی کو آ[دھی] رات گئے محلسرا سے رونے کی آواز بلند ہوئی اور دولہ بستر عروسی پر مردہ پایا[گیا] معلوم نہیں کہ اس کی موت کا کیا باعث تھا۔ اس کی مدت سلطنت دو سال ایکما[ہ سے] زیادہ نہ تھی جس میں وہ برائے نام بادشاہ تھا اور حکومت کا دارومدار اس کی دا[دی] ملکہ جہاں پر تھا جس نے دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ عورتوں میں بھی سلطنت کی اعلےٰ قابلیت موجود ہے۔

سلطان نظام شاہ ایک نہایت ہی حسین اور خوبصورت شخص تھا اور لڑکپن ہی سے اس میں جوہر شجاعت نمایاں تھے۔ چنانچہ تلنگانہ کے راجوں اور مالوہ کے بادشاہ کے ساتھ جو لڑائیاں ہوئیں۔ ان سب میں یہ موجود تھا اور وقتاً فوقتاً خود بھی صف جنگ میں حاضر ہو کر اپنی ذاتی شجاعت کے جوہر دکھاتا تھا۔

اس کے زمانہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ جب محمود شاہ خلجی نے بیدر کا محاصرہ کیا [تو] اس کو ایسی سبز ترکاری کی تلاش ہوئی جو بجمیع وجوہ اسباب حلال سے پیدا کی گئی ہو۔ کیونکہ یہ زاہد بادشاہ حرام و حلال کا بڑا خیال رکھ[تا تھا] اور صرف ا[...]

کی کمائی سے کھانا کھاتا تھا۔ اس معاملہ میں اس کی احتیاط اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ تخت ۱۰۱ پر
سبز ترکاریاں بو کر اس کے ساتھ رکھی جاتی تھیں۔ اس انتہائے احتیاط کی وجہ سے
محمود عام ترکاریوں کو کھا نہیں سکتا تھا اس لئے اس نے اس مشہور درویش خواجہ شمس الدین
حق گو کو بلایا جو خواجہ خلیل اللہ ولد شاہ نعمت اللہ ولی کے مقبرہ پر بیٹھے ہوئے تھے
اور ان سے یہ سوال کیا کہ "یہاں کہیں ایسی سبز ترکاریاں بھی دستیاب ہو سکتی ہیں جو
بہمہ وجوہ حلال اسباب سے پیدا کی گئی ہوں۔ ایماندار مسلمان نے ان کی کاشت
کی ہو اور جس زمین میں وہ بوئی گئی ہوں وہ حلال طور سے حاصل کی گئی ہو" درویش
حق گو نے اس کے جواب میں یہ کہا "کہ اے سلطان ایسی بات زبان سے نہ نکال
جس پر لوگوں کو ہنسی آئی اور جو مسخروں کی باتوں سے زیادہ وقعت نہ رکھے۔
مسلمانوں کے ملک پر چڑھائی کرنا اور مسلمانوں کا خون بہا کر ان کے گھروں کو
برباد کرنا اور اس کا مال و اسباب لوٹ لینا تو سب جائز اور حلال اس میں خدا اور
شریعت محمدی کا کچھ لحاظ نہیں مگر کھانے اور پینے اور لباس میں شرع شریف کی
اسقدر پابندی کہ ترکاری میں حلال و حرام کی چھان بین کی جائے۔ یہ باتیں عقل
اور خدا ترسی سے بعید ہیں"۔ یہ سنکر سلطان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور اس نے
درویش سے کہا کہ سچ کہتے ہو۔ جہانگیری اور زہد و تقویٰ میں آسمان و زمین کی دوری

سلطان محمد شاہ ثانی بہمنی

سلطان نظام شاہ کی ناگہانی موت کے بعد ملکہ جہاں نے اپنے دوسرے بیٹے محمد شاہ کو ۱۴۶۲ء میں تخت سلطنت پر بٹھایا اور خود بدستور سابق خواجہ جہاں اور محمود گاواں کے مشورہ سے ریاست کا کام کرتی رہی حقیقت تو یہ ہے کہ اس کے دونوں کم عمر بیٹے صرف برائے نام تھے۔ اور یہی لایق عورت انکی آڑ میں کاروبار سلطنت کو اپنے دونوں لایق مشیروں کی صلاح سے سرانجام دیتی تھی اگرچہ پردہ کی سختی سے وہ کھلے دربار میں بیٹھ تو نہ سکتی تھی تاہم اس پردہ کے اندر ہی سے وہ تمام ریاست کا انتظام اسی لیاقت کے ساتھ کرتی تھی جیسا کہ ایک قابل بادشاہ کرسکتا ہے۔

جب اس مدبر عورت نے خواجہ جہاں کی خود مختارانہ کارروائیاں بڑھتی ہوئی دیکھیں تو وہ اپنی تیز نظر سے فوراً تاڑ گئی کہ یہ امیر خودسری کا خیال سر میں رکھتا ہے جس کا فوری انسداد لازمی ہے۔ اس نے محمد شاہ کو اشارہ کیا کہ عین غفلت میں سر دربار خواجہ کو قتل کرا دے۔ اس کے حکم کی بادشاہ نے تعمیل کی اور جب حسب معمول خواجہ جہاں وزارت کا کام کرنے کے لئے دربار میں حاضر ہوا تو فوراً نظام الملک کے ہاتھ سے قتل کرا دیا گیا۔ اس کے بعد خواجہ محمود کو وزارت کا عہدہ اور ملک التجار کا معزز خطاب عطا کیا گیا۔ اور ملکہ جہاں نے چودہ برس کے سن میں محمد شاہ کی شادی ایک بہمنی خاندان کی لڑکی سے کرکے خود امور سلطنت سے ...

سلطان محمد شاہ کی عہد کی پہلی فوج کشی قلعہ کہرلہ پر ہوئی جو شاہ مالوہ کے قبضہ میں تھا اس لڑائی کا اصلی سبب مالویوں سے اس لشکر کشی کا انتقام لینا تھا۔ جس کا ارتکاب محمود خلجی شاہ مالوہ نے اس سے پہلے کیا تھا۔ اور دار السلطنت کو آکر خوب لوٹا تھا۔ اس مہم پر نظام الملک طرفدار برار اور خواجہ جہاں کا قاتل مقرر کیا گیا جس نے قلعہ مذکور کو محاصرہ کر کے لے لیا اور محصورین کو امان دیکر قلعہ سے باہر چلے جانیکا حکم دیا۔ مگر جب یہ لوگ باہر نکلے تو دکھن کے بعض فوجی اجلاف نے انہیں کچھ گالیاں دیں جس کی سبب سے دو بہادر راجپوتوں نے نظام الملک کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا وہ اس بہانے سے اس جنرل کے پاس بغرض سلام حاضر ہوئے کہ ایک ایسے شجیع اور مشہور و معروف بہادر کی زیارت خوش نصیبی ہے اور نظام الملک نے یہ دیکھکر کہ ان کے پاس کوئی آلہ حرب موجود نہیں انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی۔ مگر ان دغابازوں نے سلام کرتے ہی اس کے نوکروں کے خنجر جھپٹ کر چھین لئے اور ایکبارگی اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو کاری زخموں سے ہلاک کر دیا۔ اس ہنگامہ میں صرف یہ دو راجپوت ہی مارے نہیں گئے بلکہ جتنے مالوی قلعہ سے نکلکر تھوڑے فاصلے پر موجود تھے۔ ان سب کا کام بھی تمام کر دیا گیا۔ اس کے بعد یوسف عادل خاں اور دریا خاں نے جو نظام الملک کے بڑے گہرے دوست تھے کہرلہ میں کافی فوج متعین کی اور اپنے دوست جنرل کا جنازہ لیکر روانہ ہوئے۔ پایۂ تخت میں پہنچکر انہوں نے سلطان کے سامنے مال غنیمت پیش کیا اور سلطان نے اس کامیابی کی خوشی میں ان دونوں امیروں کے مراتب میں ترقی دی اور قلعہ کہرلہ اور اس کے توابع ملک کو ان کی جاگیروں میں عنایت کیا۔ اس کے بعد شاہ مالوہ کی کوشش سے باہم صلح ہوئی اور اس امر کا تصفیہ ہوا کہ قلعہ کہرلہ بدستور سابق مالویوں کو واپس کیا جائے

نہ آئے۔ کہتے ہیں کہ اس معاہدہ کے بعد پھر ان دونوں حکومتوں میں باہم کوئی نزاع واقع نہیں ہوئی۔

اس عہد کی دوسری فوج کشی ملک کوکن پر تھی۔ جہاں کے راجے تین سو کشتیاں سمندر میں لوٹ مار کرنے کو مہیا رکھتے تھے۔ اور حاجیوں اور ایرانی تاجروں کو تباہ کیا کرتے تھے۔ پلینی نے بھی ایک جگہ ان دریائی لوٹیروں کا ذکر کیا ہے جو اس کے زمانہ میں ان رومی تاجروں کو لوٹا کرتے تھے جو ممالک شرق میں تجارت کی غرض سے سفر دریا اختیار کرتے تھے۔ اس مہم پر محمود گاواں روانہ کیا گیا جس نے تین سال کے عرصہ میں تمام ساحل کے قلعوں کو فتح کر لیا اور گوابندر کو بھی داخل حکومت شاہی کر دیا۔ جس پر بیجانگر کے راجہ کا قبضہ تھا۔ ان کامیابیوں کے بعد جب یہ دانشمند وزیر دارالسلطنت میں پہنچا اور اس نے بہت سا مال غنیمت سلطان کے سامنے پیش کیا جس کے دیکھنے سے نوجوان بادشاہ کو ایسی خوشی ہوئی کہ وہ اور اس کی والدہ ملکہ جہاں دونوں محمود گاواں کے مکان پر آئے اور ایک ہفتہ تک مہمان رہے۔ اس اثنا میں سلطان نے اسکی بے انتہا عزت کی اور اسکی ماں نے اسکو اپنا بھائی بنایا۔ چونکہ محمود گاواں ایک خداپرست اور درویش منش آدمی تھا۔ اس لئے اس بے انتہا اعزاز کی وجہ سے جو اس کے نفس میں تکبر اور غرور کا خیال آیا تھا اس کو اس نے فوراً اتار لیا اور اپنے نفس کو ملامت کی۔ بادشاہ کے ساتھ ہم کلامی میں یہ قلبی حالت اس کے دل پر طاری ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے اس نے دفعتاً خاموشی اختیار کی تھی۔ اس لئے بادشاہ نے اس فوری سکوت کا سبب دریافت کیا۔ محمود نے یہ بات بتا دی کہ

تقسیم کردیا اسمیں سے صرف کتاب خانہ جو طالب علموں کو وقف تھا اور ہاتھی گھوڑے جنہیں وہ بادشاہی مال تصور کرتا تھا اس خیال سے رکھ لئے کہ یہ پرایا مال ہے۔ اس کے بعد اس نے نفس کی تنبیہہ کی غرض سے نہایت ہی سیدھی سادھی زندگی اختیار کی۔ اور معمولی کپڑے اور موٹا کھانا اختیار کیا۔

سنہ ۱۴۷۱ء میں راجہ اوڑیسہ کی درخواست پر اس کی امداد کے لئے بسرکردگی حسن نظام الملک بحری ایک لشکر جرار روانہ کیا گیا۔ چونکہ اس کے چچا کے بے پالک نے اس کا راج چھین کر اس کو بے دخل کر دیا تھا۔ اس لئے اس نے سلطان سے امداد طلب کی تھی۔ اور ادھر سلطان بھی اوڑیسہ میں سے کچھ ملک لینا چاہتا تھا۔ اس واسطے اس کی درخواست بدل وجان منظور کر لی تھی۔ اوڑیسہ وہ ملک ہے جس میں آج کل اضلاع راجمندری۔ گوداوری۔ گنجام واقع ہیں۔

الغرض نظام الملک بحری نے اوڑیسہ میں پہنچکر بے پالک کو شکست دی اور معزول راجہ کو راج کی گدی پر بٹھا دیا۔ اور پھر وہ بڑے مال غنیمت کے ساتھ دارالسلطنت کو واپس آیا۔ سلطان نے اس کامیابی اور اس کثیر مال و دولت کی خوشی میں جس کو نظام الملک نے نذر گزرانا تھا اسے ملک تلنگانہ کا حاکم مقرر کیا۔

اس فتحیابی کے بعد ویراگڈہ پر فوج کشی ہوئی جو قوم مرہٹہ کے ایک راجہ کے قبضہ میں تھا اس سے پہلے یہ راجہ جس کا نام جے سنگ تھا شاہان بہمنی کا باجگزار تھا۔ مگر بعد کو موقع پاکر خود مختار ہو گیا تھا۔ چھ مہینے کے محاصرہ کے بعد جو بسرکردگی یوسف عادل خاں شاہ طرفدار دولت آباد عمل میں آیا تھا راجہ نے عاجز ہو کر پناہ مانگی اور قلعہ سے نکلجانے اور تمام اثاث البیت اور خزائن و دفائن چھوڑ جانے

[illegible]

وہ خوشی کے مارے جامہ میں نہ سمایا اور یوسف کا بہت کچھ اعزاز و اکرام کیا اور یہ کہا کہ "کیوں نہ ہو کس لایق شخص کے منہ بولے فرزند ہو۔" خواجہ محمود گاوان یوسف عادل کو فرزند کے نام سے پکارتا تھا۔ اس لئے سلطان نے یہ اشارہ کیا تھا۔ اس کے بعد پھر سلطان اپنے نیک وزیر محمود گاوان کے مکان میں مہمان ہوا اور اس وقت بھی اس کی دعوت نہایت ہی اولوالعزمی اور شاہانہ شان و شوکت کے ساتھ کی گئی۔ رخصت کے وقت محمود نے بہت بڑے بیش قیمت نذرانے دئے جن میں پچیس طلائی خوان تھے۔ جن کے سرپوش جڑاؤ تھے۔ اور جنکی وسعت اس قدر تھی کہ ہر ایک خوان میں ایک سالم پختہ بکرا سما سکتا تھا۔ ایک سو ارضی۔ شاہی اور حبشی غلام تھے جن میں سے اکثر فن موسیقی میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ ایک سو عربی۔ ترکی اور شامی گھوڑے تھے جو اپنی آپ ہی نظیر تھے غرضکہ یہ بے بہا تحفے گزران کر محمود نے سلطان سے عرض کی کہ " ان چیزوں کے علاوہ جو کچھ مال و اسباب اس غلام کے پاس موجود ہے وہ سب حضور والا ہی کا ہے" اس کے سننے سے سلطان کو کمال خوشی حاصل ہوئی اور وزیر اعظم کا مرتبہ انتہای عروج پر پہنچگیا۔ اس اوج منزلت کو دیکھکر بعض کا فتنہ پرداز دکھنیوں کو حسد پیدا ہوا جو دلوں میں پہلے سے عداوت رکھتے تھے۔ اور وہ مار پیچاں کی طرح غصہ کے مارے بل کھانے لگے۔ مگر وہ اس وقت کیا کر سکتے تھے۔ اس لئے وہ وقت اور موقع کے منتظر رہے جسکا بیان آگے آئیگا۔

۱۴۷۲ء سنہ میں بیجانگر کے راجہ نے گوا بندر کے واپس لینے کا ارادہ کیا اور اس غرض سے ایک بڑی فوج اس بندر کے محاصرہ کے لئے روانہ کی جس میں راجگان بلگوان اور شنکار پور بھی شریک تھے اس خبر کے سنتے ہی سلطان محمد شاہ اپنے لایق وزیر محمود گاوان کو ساتھ لیکر چڑھ دوڑا۔ اور بلگوان کا محاصرہ کرلیا راجہ نے

پہلے تو صلح کی درخواست پیش کی مگر جب وہ منظور نہ ہوئی تو آخر کار قلعہ میں پناہ گزین ہو کر اپنا بچاؤ کرنے لگا۔ اگرچہ قلعہ کی خندق اور فصیل ایسی نہ تھی کہ آسانی سے وہ فتح ہو جاتا۔ تاہم خواجہ محمود کی کوشش سے بمشکل اس پر سے عبور کیا گیا اور قلعہ کے بیرونی حصہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ اس لڑائی میں سلطانی فوج کے دو ہزار آدمی مارے گئے۔ جب راجہ کو قلعہ کے فتح کا یقین کامل ہوا۔ تو وہ ایلچی کا بھیس بنا کر خود دربار شاہی میں حاضر ہوا اور عفو تقصیر چاہی۔ سلطان نے از روئے ترحم اس کو جان و مال سے امان دی اور قلعہ پر اور اس کے توابع پر قبضہ کر کے خواجہ محمود کو بطور جاگیر کے عطا کیا۔ اس لڑائی میں وہ لائق عورت ملکہ جہاں موجود تھی جس کی عقل و دانش سے سلطان کی سلطنت کو یہ عروج نصیب ہوا ہیں اس خاتون نے سفر آخرت اختیار کیا اور اس کا جنازہ بڑے تزک اور احتشام سے بیدر کو روانہ کیا گیا۔

اثنائے واپسی میں سلطان نے تھوڑے عرصہ تک بیجاپور میں قیام کیا جو محمود گاوان کی جاگیر میں تھا اور یہاں ایک پر فضا باغ میں ٹھہرا جس کو محمود نے بڑے اہتمام سے تیار کیا تھا اس مقام کی فضا۔ اور آب و ہوا کی خوبی کے لحاظ سے سلطان کا ارادہ یہ تھا کہ چندے یہاں قیام کیا جائے۔ اور بارش کے بعد دارالسلطنت کو روانہ ہو۔ مگر امساک باراں کے سبب سے اس کا یہ ارادہ پورا نہوا اور ایک سخت قحط کی وجہ سے اس مقام کو چھوڑنا پڑا۔ کہتے ہیں کہ یہ قحط سالی بہت سخت تھی۔ اور اس عرصہ میں ممالک بہمنیہ میں ذرا بھی زراعت نہ ہوئی جس سے ہزاروں آدمی تلف ہوئے اور سلطانی لشکر کی تعداد بہت گھٹ گئی۔ چونکہ ان آفت سماوی کی مبالغہ آمیز خبریں جن سے سلطان کا لشکر اور رعایا دونوں پریشان تھے عام طور سے دور دور پھیل گئی تھیں۔ اس لئے اودیا اور اوڑیسہ کے

راجاؤں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مسلمانوں سے لڑ بھڑ کر اپنے علاقہ کو جو ان کے قبضے میں تھے واپس لینا چاہا۔ یہ منصوبہ باندھ کر دونوں راجوں نے سلطان کے ملک پر چڑھائی کر دی اور گوداوری اور کرشنا کے درمیان جو ملک تھا اس کو غارت کر کے راجمندری کا محاصرہ کیا۔ سلطان نے ان کی اس جسارت کی خبر پا کر فوراً ان پر لشکر کشی کی اور راجمندری میں آموجود ہوا۔ اس کے آتے ہی دونوں راجہ بھاگ گئے اڑیسہ کا راجہ توکندا پلی میں جا کر پناہ گزین ہوا اور اوڑیسہ کا راجہ اپنے ملک کی طرف فرار ہوا۔ سلطان نے اس کا تعاقب کیا۔ مگر وہ اپنے پایۂ تخت کو چھوڑ کر بنگالہ کی طرف چلا گیا۔ سلطان نے اس کے پایۂ تخت کو تاراج کیا اور پھر اوڑیسہ کے راجہ نے بڑی منت سماجت سے تحفہ و تحائف دیکر جن میں بیسؔ ہاتھی ایسے تھے جنھیں وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اور جنگی جوئیں نہایت ہی قیمتی زربفت وغیرہ کی بھی صلح کر لی۔ اور سلطان نے قصور معاف کر کے اسکا ملک واپس کیا۔ اسکے بعد کندہ پلی قلعہ بھی فتح کر لیا گیا۔ اور یہاں کے ایک مندر کو سلطان نے غارت کر کے خود اپنے ہاتھ سے چند برہمنوں کو قتل کیا جس سے اس کو غازی کا خطاب ملا۔ کہتے ہیں کہ برہمنوں کا قتل سلطان کو راس نہ آیا اور اس کے بعد اس کی سلطنت پر زوال آگیا۔ کیونکہ جس سلطنت کے بانی نے اپنے خطاب کے ساتھ برہمن کا نام بطور اعزاز و احسانمندی کے بڑھایا تھا اسی قوم کو سلطان محمد شاہ نے سخت رنج پہنچا دیا۔ اور مذہب اسلام کی رو سے بھی ہر ملت و مذہب کے عابدوں۔ زاہدوں اور تارک الدنیا لوگوں کو آزار پہنچانا بُرا ہے اور لڑائی میں بھی اُن کا قتل منع ہے۔

اس کامیابی کے بعد سلطان نے راجہ نرسنگ کے ملک کی طرف رخ کیا جو اکثر باغیوں کی امداد کیا کرتا تھا۔ اور خود بھی موقع پا کر سلطان کے ملک پر دست درازیاں کر بیٹھتا تھا۔ مگر چونکہ راجہ موجود نہ تھا اس لئے بغیر زیادہ کشت و خون کے اسکے

ملک پر قبضہ کر لیا گیا جو کرناٹک سے مسلی پٹن تک واقع تھا۔ یہاں پہلے سلطان نے بذات خود ایک قوی ہیکل برہمن کو جس نے بڑی جسارت سے سلطان کا مقابلہ کیا تھا قتل کیا اور بہت سے برہمنوں کے مارے جانے کے بعد کنجی ورام کا مشہور و معروف بت خانہ جس کی دیواروں اور چھتوں میں سونے روپے کے پتھر اور جواہر جڑے ہوئے تھے تباہ کیا۔ کہتے ہیں کہ اس مندر میں اسقدر زر و جواہر جمع تھا کہ سلطان نے ان میں سے صرف نہایت ہی قیمتی چیزوں پر اکتفا کی۔ اور باقی کو ویسا ہی چھوڑ دیا۔ ایک ہفتہ تک اس نے اس مقام پر قیام کیا اور پھر وہ دارالسلطنت کی طرف واپس ہوا۔

اثنائے راہ میں ایک پرانے قلعہ کی مرمت کا حکم خواجہ گاوان کو دیا گیا جو اس سے بہت پہلے شاہان دہلی نے سرحد تلنگانہ کی حفاظت کیلئے تعمیر کیا تھا۔ خواجہ نے تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی خاطر خواہ مرمت کر کے قلعہ داری کے سامان سے آراستہ کر دیا جس کو دیکھکر سلطان متعجب ہو گیا۔ اور خوشی میں آکر اپنے کپڑے تو اس کو پہنائے اور اس کے کپڑے آپ پہنے۔ بادشاہوں کی عزت افزائی کی یہ ایک انتہائی درجہ کی علامت تھی جس کے بعد زوال کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ اب اس عروج کے بعد محمود کا زوال شروع ہوا اور ایک مقام پر دکھنیوں نے اُس کے قتل کی پوری تدبیر سوچی۔ انہوں نے دیکھا کہ یوسف عادل خاں تو موجود نہیں جس کے سامنے انکی کوئی بات محمود کے خلاف پیش نہیں جا سکتی تھی۔ نظام الملک بحری اور دوسرے امیروں نے خواجہ کے حبشی غلام کو ملا کر اور اسکو شراب پلا کر نشہ میں کسی حیلہ سے اس سے خواجہ کی مہر ایک سادے کاغذ پر کرالی۔ اور پھر ایک بغاوت آمیز مضمون خواجہ کی طرف سے اوڑیسہ کے راجہ کے نام اس کاغذ پر تحریر کیا اور لکھا کہ محمد شاہ کی شراب خواری اور ظلم سے تمام رعایا بد دل ہے۔ اگر تم اسوقت

چڑھائی کروگے تو میں تم کو مدد دونگا۔ اور میرے دباؤ سے سب امیر تمھاری طرف ہو جائیں گے۔ اور فتح کے بعد ہم تم دونوں سلطان کے ممالک کو تقسیم کرلیں گے۔ اس جعلی خط کو خواجہ کے دشمنوں نے ایسے موقع پر پیش کیا۔ جبکہ سلطان نشے کی حالت میں چور تھا اور اس کی آتش غضب پر جو اس خط کو دیکھتے ہی سخت مشتعل ہوگئی تھی۔ اور تیل ڈالا اور خواجہ کو تمرد اور سرکشی کا اتہام لگایا۔ چونکہ شخصی ریاستوں میں سزا اور جزا کا مدار ایک ہی شخص کی رائے پر ہوتا ہے جو آپ کو مالک کل وجز جانتا ہے۔ اس لئے شاہان سلف جنکی عقلوں کو شراب خواری اور عیاشی اور نفس پرستی غارت کر دیتی تھی۔ بغیر سوچے سمجھے وہ وہ حرکات ناشائستہ کر بیٹھتے تھے جن کا آخری نتیجہ انہیں کا زوال ہوا کرتا تھا۔ سلطان محمد شاہ نے بھی جس کو باوجود علم و فضل کے نفس پرستی نے احمق بنا رکھا تھا اپنے ایک ایسے خیر خواہ شخص کو قتل کرادیا جس نے گرتے ہوئے ستون سلطنت کو روک دیا تھا۔ اور پھر از سر نو اس کو ترقی کے ایسے زینہ پر پہنچایا تھا جو اس اگلے سلاطین کے عہد میں نصیب نہ ہوئی تھی۔ اسی سرشار سلطان نے بغیر تفتیش اور دریافت کے خواجہ محمود کو محض حاسدوں کی اغوا پر قتل کرادیا کہتے ہیں کہ یہ سازشی امیر وزیر اعظم کے اس جدید انتظام سے خوش نہ تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے خود مختارانہ اقتدار میں خلل پیدا ہوتا تھا۔ اور مالی حیثیت سے بھی انہیں نقصان پہنچتا تھا۔

خواجہ محمود گاوان کے قتل کے بعد ہی رعایا میں سلطان کی طرف سے عام نفرت پھیل گئی۔ اور امرا نے اس سے کنارہ کشی اختیار کی صوبۂ برار کے دو گورنروں نے اپنے خیمہ سلطان کے لشکر سے علیحدہ کھڑے کئے۔ اور وہ سلطان کی طلب پر حاضر نہ ہوئے۔ یوسف عادل نے بھی آکر یہ روش اختیار کی۔ غرضکہ سلطان نے ہر چند امرا کے منانے کی کوشش کی اور انکی شرائط کو منظور کیا۔ مگر پھر بھی یہ امیر اس سے علیحدہ ہی

رہے۔ اور سلطان امرا کی اس کنارہ کشی اور علیحدگی اور اپنی مجبوری کو محسوس کر کے سخت غمگین ہوا اور اس نے اس کوفت کے مٹانے کیلئے شراب خوری اور زیادہ کر دی جس سے وہ بہت جلد ہلاک ہو گیا۔ وہ عالم نزاع میں یہی کہتا تھا کہ خواجہ میرے کلیجہ کو چاک کرتا ہے۔ الغرض ۱۴۸۲ء میں بمقام فیروز آباد سلطان محمد شاہ ۲۹ برس کی عمر میں ۲۰ سال حکومت کر کے اور سلطنت بہمنی کے زوال کا بیج بو کر راہی ملک بقا ہوا۔

باوجود علم و فضل کے سلطان محمد شاہ کے اعمال اور افعال شائستہ نہ تھے کیونکہ علم کے ساتھ اس میں سمجھ جو مقصود علم ہے موجود نہ تھی۔ اس کے مزاج میں جلدی اور اس کے دماغ میں سوچنے کی کم قوت تھی۔ خواجہ محمود گاواں کو جس نے اسے گود میں کھلایا تھا۔ اور جو اس کا نہایت ہی خیر خواہ وزیر تھا اسنے بغیر سوچے سمجھے فوراً قتل کرا دیا۔ حالانکہ اس واقعہ کے تھوڑے ہی روز قبل وہ اس کو اپنا لباس تک پہنا چکا تھا اور اسکی ماں نے اسکو اپنا بھائی کہا تھا۔ اگر اسوقت ملکۂ جہاں زندہ ہوتی تو کبھی یہ واقعہ جانکاہ واقع نہ ہوتا۔ ان واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان محمد شاہ خود کوئی قابل آدمی نہ تھا۔ اور نہ اوسکی رائے و تدبیر سے ملک کو یہ ترقی نصیب ہوئی تھی۔ بلکہ اس کے عہد میں جو یہ رونق ہوئی تھی اور اوس کے ملک کو جو یہ وسعت ہوئی تھی جو کسی سلاطین سابق کے زمانہ میں نہیں ہوئی تھی۔ وہ سب ملکہ جہاں اور خواجہ محمود گاواں کی خوش تدبیریوں اور کوششوں کا نتیجہ تھی۔

سلطان محمود شاہ بہمنی

سلطان محمد شاہ ثانی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمود بارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ مگر اس کی بادشاہت برائے نام تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سلطنت بہمنی کا انتہائی عروج اور زوال محمد شاہ ہی کے زمانہ میں ہو چکا تھا۔ اور معتبر امیروں نے علانیہ طور پر اس سے کنارہ کشی اختیار کی تھی۔ مگر پوری خود مختاری اور علیحدہ علیحدہ سلطنتیں قائم کرنے کا موقع ان امیروں کو محمود شاہ کے زمانہ میں ملا۔ اور انہوں نے اپنے دلی حوصلے پورے کئے۔ سلطان محمود کا زمانہ خانہ جنگیوں اور اندرونی سازشوں اور لڑائیوں کا زمانہ تھا۔ ایک بغاوت کے بعد دوسری بغاوت پیدا ہوتی گئی۔ اور کوئی معقول علاج نہ ہوا۔ اکثر امیر باہم لڑنے بھڑنے لگے اور بادشاہ انگشت نما بنایا گیا۔ ایک بار اس کے قتل کی کوشش کی گئی مگر تقدیر سے بچ گیا۔ آخر کار اس کے وزیر قاسم برید نے اس کے تمام اختیارات سلب کر لئے اور اسکو کونے میں بٹھا دیا۔ اسکے بعد اسکے امیروں میں یوسف عادل خاں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ اور بیجاپور کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا۔ اسکی یہ روش دیکھکر احمد نظام شاہ نے بھی ہاتھ پاؤں نکالے اور اپنی بادشاہت علیحدہ قائم کی اور احمد نگر کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ پھر عماد الملک نے برار میں اپنی خود مختار حکومت جمائی۔ اور برہانپور کو دارالسلطنت قرار دیا۔ ان سب کی دیکھا دیکھی سلطان قلی قطب شاہ طرفدار تلنگ نے بھی ممالک تلنگانہ پر اپنا خود مختارانہ قبضہ بٹھا دیا اور گولکنڈہ کو اپنا پایہ تخت قرار دیکر اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔

اس طرح سے تمام وسیع سلطنت بہمنی صرف ایک بادشاہ کے نالائق عیش پسندی سے پانچ خود مختار سلطنتوں میں تقسیم ہو گئی۔ اور دکن میں طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا۔

اگرچہ سلطان محمود کے بعد اور چار بادشاہ ہوئے مگر وہ سب امیر برید کے قیدی تھے جس نے اپنی حکومت برید شاہی کے نام سے مشہور کی تھی۔ اور اپنا پایۂ تخت بیدر کو مقرر کیا تھا۔ سلطان محمود شاہ کو قاسم برید نے اسقدر بے دخل کر دیا تھا کہ اس کو بجز عیاشی کے اور کوئی کام کاروبار سلطنت میں نہ تھا۔ اور اس کی مجبوری کی یہ حالت تھی کہ قاسم برید کے حکم کے بغیر اسکو پانی بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔

سلطنت بہمنی کے زوال کا اصلی سبب وہی امرائے غیر ملکی اور ملکی کی باہم نا اتفاقی تھی جو زمانۂ دراز سے چلی آتی تھی۔ اور جس کی ترقی علاؤ الدین اور محمد شاہ ثانی کے زمانہ میں ہوکر محمود شاہ کے عہد میں انتہائی درجہ پر پہنچی اور زوال سلطنت کا باعث ہوئی۔ اس عہد میں دکھنیوں اور غیر ملکیوں یعنی مغلوں اور ترکوں میں بغرض استیصال باہم دگر لڑائیاں ہوئیں جن کا آخری نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ سلطنت بہمنی پاش پاش ہوگئی۔

سلطان محمود شاہ ایک خفیف العقل۔ عیاش مزاج اور کاہل الوجود اور پست حوصلہ آدمی تھا۔ وہ شراب خواری اور عیش پرستی میں مصروف رہتا تھا۔ اس کے زمانہ میں دور دراز ملکوں سے خوبصورت طوائفین۔ بھانڈ بیدر میں آکر جمع ہو گئے تھے۔ جن کی سلطان کو از حد ضرورت تھی۔ اسکی متلون مزاجی کا حال یہ تھا کہ جو کوئی امیر اسکی امداد کرتا تھا اسے ذرا میں بگڑ کر اپنے دشمن کے ساتھ مل جاتا تھا۔ اس کی کم فہمی کی حالت یہ تھی کہ اس نے تخت فیروزہ کے جواہرات کو نکالکر جسکے مثل شاید ہی دنیا میں کوئی تخت کسی کے پاس ہوگا شراب کے پیالوں اور طنبوروں میں جڑوایا تھا۔ غرضکہ یہ بادشاہ ۳۷ برس برائے نام بادشاہ رہکر راہی ملک عدم ہوا اور اپنی وسیع سلطنت کو اپنے صوبہ داروں کے لئے چھوڑا۔ اس کے بعد احمد شاہ ثانی۔ علاؤ الدین ثالث ولی اللہ اور کلیم اللہ برائے نام بادشاہ ہوئے جن کا اقتدار اپنی ذات پر

بھی نہ تھا۔ یہ سب کے سب امیر برید کے قیدی تھے جن کی آڑ میں وہ حکومت
کرتا تھا۔ اس آخری سلطان کے بعد بیدر میں علانیہ طور سے برید شاہی حکومت
قایم ہو گئی۔ اور قاعدہ قدرت کے موافق خاندان بہمنی ۱۲۳ برس سلطنت کر کے
بحر فنا میں غرق ہو گیا۔

فصل پنجم

شاہان گولکنڈہ

سلطان قلی قطب شاہ

قطب الملک کا ابتدائی حال

جب سلطنت بہمنی کے زوال سے حکام نے خودمختاری اختیار کی اور اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں علٰحدہ علٰحدہ تیار کیں تو اوس وقت قطب الملک نے بھی جسکے تفویض صوبۂ تلنگانہ تھا انا و لاغیری کا ڈنکا بجادیا اور ایک چھوٹی سی ریاست علٰحدہ قایم کی۔ سلطان محمود کے حین حیات تو اس نے علانیہ خطبہ اور سکہ جاری نہیں کیا۔ بلکہ گذشتہ احسانمندیوں کے شکریہ میں وہ سلطان کے خرچ کیلئے خفیہ طور سے ہر سال کچھ رقم بھیجتا رہا۔ اور اسطرح سے اپنے ولی نعمت کا شکریہ جس کو اس نے ادنیٰ حالت سے اس رتبہ پر پہنچا دیا تھا۔ ادا کرتا رہا مگر اس کے مرنے کے بعد قطب الملک نے ۱۵۱۲ء میں اپنا خطاب قطب شاہ اختیار کر کے خودمختار بادشاہت کا اعلان کیا اور اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر کے گولکنڈہ کو اپنا پایۂ تخت قرار دیا اور ساتھ ہی اس کے پانچ وقت نوبت بجوائی۔ جس کو دوسرے حکام نے کسی خاص وجہ سے اختیار نہ کیا تھا

سلطان قلی قطب شاہ ایک ایرانی نسل ہمدان کا شاہزادہ دکن میں آکر آپ کو غلامان شاہی میں بغرض حصول اعزاز مراتب شامل کیا۔ حساب اچھا جانتا تھا اور لکھنے

پڑھنے میں مہارت تامہ رکھتا تھا اور ساتھ ہی اس کے خطاط بھی تھا اس لئے اسکو محلسرائے شاہی کے اہتمام کی بھی خدمت عطا کی گئی۔ جسکو اس نے بڑی دیانت اور امانت سے انجام دیا۔ رفتہ رفتہ بیگمات کی سفارش سے ملک تلنگانہ کا انتظام بھی اس کے سپرد ہوا جو خواتین شاہی کے اخراجات کے لئے علحدہ کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد جب اس نے محمود شاہ کو باغی دکھنیوں اور حبشیوں کے حملہ سے بچانے کی کوشش کی تو اس کے خطاب اور اعزاز میں ترقی ہوئی اور کوکن کی ایک لڑائی میں اسکو بہادری کے صلہ میں قطب الملک کا خطاب ملا۔ اور ملک تلنگانہ کی طرفداری عنایت کی گئی۔ پھر امیر الامرا کے مرتبہ پر سرفرازی ہوئی۔

اگرچہ قطب الملک نے اپنی سلطنت علحدہ جمالی مگر وہ رقبہ اور آمدنی کے اعتبار سے بمقابلہ دوسرے خود مختار بادشاہتوں کے جو سلطنت بہمنی کے شکست سے پیدا ہوئی تھیں کچھ حقیقت نہ رکھتی تھی۔ کیونکہ محمود شاہ کے زمانہ کی کمزوریوں سے خود ملک تلنگانہ میں بھی ایک قسم کی طوائف الملوکی قائم تھی۔ اور اکثر زمیندار اطاعت سلطانی سے منحرف ہوکر خود مختاری کا ڈنکہ بجا رہے تھے۔ اور آپ کو کسی کا ماتحت نہ سمجھتے تھے۔ اسلئے ضرور تھا کہ پہلے ملک کی اندرونی اور سرحدی حالت درست کیجائے۔ اس نئے بانی سلطنت کو اسوقت دو قسم کے مشکلات سے سابقہ تھا۔ اول تو اندرونی خاروخس کا صاف کرنا تھا۔ دوم سرحدی مخالفوں سے مقابلہ ضرور تھا۔ جو حسد اور رقابت اور طمع کی وجہ سے قطب شاہ کو بآرام تمام حکومت کرنے کا موقع نہ دیتے تھے۔ ان دونوں قسم کے مخالفین سے اس نے حسب موقع دانائی اور چستی دیا لاکی سے مقابلہ اور اپنے ملک کے رقبہ کو بڑی جانکاہی اور کوشش سے وسیع کرکے اپنی حکومت کو مستقل کیا۔ چنانچہ بہت اختصار کے ساتھ اس کے عہد کی لڑائیاں حسب ذیل درج کیجاتی ہیں:۔

[illegible]ڈہ اور دیورکنڈہ [illegible] دو راجہ سے لڑائی

سب سے پہلے اس نے قلعہ راجکنڈہ کو تسخیر کیا جو ونکٹی نائک کے قبضہ میں تھا گو اس لڑائی میں طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ تاہم ونکٹی کو شکست ہوئی اور وہ گولکنڈہ کو قید کرکے لایا گیا جس کا نام قطب شاہ نے محمد نگر رکھا تھا۔ اس کے بعد اس نے دیورکنڈہ کے قلعہ پر چڑھائی کی اور اس کو تاخت و تاراج کرکے اور مندروں کو گرا کر ان کی جگہ مسجدیں بنوا کر نصرت اور فتح کے ساتھ اپنے پایہ تخت کو واپس آیا۔ جب دیورکنڈہ کے فتح کی خبر بیجانگر کے راجہ کو پہنچی جس کے قبضہ تصرف میں یہ قلعہ تھا۔ تو اس نے غصہ میں آکر تیس ہزار سوار اور تین لاکھ پیادے قطب شاہ کے ملک کو غارت کرنے کے لئے روانہ کئے۔ ادھر سے قطب شاہ نے بھی اپنے قلیل لشکر کے ساتھ جس میں صرف پانچ ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے تھے۔ دشمن کے مقابلہ کے لئے قدم بڑھایا اور پانگل کی طرف روانہ ہوا۔ اگرچہ بیجاپور کے مقدمۃ لشکر کو پہلے شکست ہوئی تاہم اسکے بعد ایک بڑی سخت لڑائی واقع ہوئی۔ جس میں پہلے تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑا چاہتے تھے مگر پھر تائید غیبی سے ان کو فتح نصیب ہوئی اور ہندو شکست بھاگے اس لڑائی میں قطب شاہ کے ہاتھ بہت مال غنیمت آیا اور پھر وہ قلعہ پانگل کیطرف متوجہ ہوا۔

یہاں بھی بیجانگر کے راجہ کشن رائے نے مسلمانوں پر شب خون مارنے کے لئے تین سو سوار اور ایکہزار پیادے لگا رکھے تھے۔ جنھوں نے اندھیری رات میں قطب شاہ کے لشکر پر حملہ کیا۔ اور ادھر سے قلعہ کے محصورین نے بھی باہر آکر مسلمانوں سے لڑنا شروع کیا۔ مگر اس کشمکش میں آخر کار قطب شاہ ہی کو غلبہ رہا۔ اور دشمن شکست کھا کر بھاگا اور قلعہ دار نے جو راجہ کا ایک عزیز تھا قلعہ میں پناہ لیکر سلطان سے امان طلب کی اور قلعہ کی کنجیاں اس کی خدمت میں [illegible] نے اس قلعہ اور اس کے تمام مضافات کو اپنے ایک معتبر

امیر کے سپرد کیا۔ اور پھر وہ دوسرے قلعہ گھنپور کی فتح کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس کو بھی اس نے بڑی دقت کے بعد فتح کر لیا۔ کیونکہ یہ قلعہ ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا جس کے اطراف غار تھے اور سوا ایک تنگ راستہ کے جو بڑی خبرداری کے ساتھ محفوظ کی گئی تھی۔ اور کوئی راہ نہ تھی جہاں سے غنیم کو آنے کا موقع ملتا۔ اس قلعہ کی استحکام پر قلعہ دار کو بڑا غرور تھا۔ مگر سلطان نے تدبیر صائب سے بہت جلد اس کو فتح کر لیا۔ اور ایک امیر کے تفویض کر دیا۔ اس کے بعد ہی اس نے قلعہ گولکنڈہ کو بھی لگے ہاتھوں فتح کر لیا۔ جس کے محاصرہ اور جانبین کے قتل و خون کے بعد محصورین نے اطاعت قبول کی اور سلطان نے اس پر قبضہ کر کے اسپ خوشخرام کی باگ دار السلطنت کی طرف پھیری۔

قلعہ گھنپور اور گولکنڈہ کی فتح

اسوقت تک تو قطب شاہ کو ہندوؤں ہی سے لڑنا پڑا تھا۔ مگر اب اپنے ہم مذہب اور خواجہ تاش اشخاص سے بھی جنگ و جدال کرنے کی نوبت پہنچی۔ اس لڑائی کا سبب یہ تھا کہ قوام الملک ترک نے جو سلطان محمود کے زمانہ میں راجمندری کا طرفدار تھا اور جس نے اپنے آقا کے مرنے کے بعد ویلگندل ملنکور اور دوسرے پرگنات تلنگانہ پر قبضہ کر لیا تھا قطب شاہ کی غیبت میں اس کے ملک میں آکر لوٹ مار کی۔ اسپر قطب شاہ نے اس کو پہلے خط بھیجا اور قدیم دوستی خواجہ تاشی اور ہم مذہبی کو جتا کر اتحاد اور دوستی قائم رکھنے کی درخواست کی مگر دنیا دار منفعت دنیا میں مذہب و ملت کو کیا سمجھتے ہیں بلکہ مذہب کی آڑ میں دنیا کے مقاصد کو نکالتے ہیں۔ قوام الملک نے اس خط پر کوئی لحاظ نہیں کیا اور اپنی کثرت فوج پر مغرور ہو کر جنگ و جدال کے لئے مستعد ہو گیا۔ ادھر قطب شاہ نے بھی ویلگنڈل پر لشکر کشی کی اور دونوں طرف سے خوب ہی زور آزمائیوں اور کشت و خون کے بعد قوام الملک برار کی طرف بھاگا اور قطب شاہ نے اس کے ملک و مال پر قبضہ کر لیا۔ اس فراری کی حمایت پر عماد الملک

قوام الملک پر فوج کشی اور اسکو شکست

شاہ برار اُٹھ کھڑا ہوا اور ایک کثیر فوج لیکر قطب شاہ کے مقابلہ کو آموجود ہوا حسب عادت قطب شاہ نے اس کو بھی پہلے خط و کتابت کے ذریعہ سے سمجھایا۔ اور ہفت تپہ ملک دینے کی درخواست کی۔ جس پر اس نے بغیر استحقاق قبضہ بیجا کر لیا تھا۔ مگر عماد الملک نے اس تحریر کو حقارت کی نظر سے دیکھا آخر قلعہ رام گیر کے مقام پر دونوں مخالفوں میں سخت جنگ واقع ہوئی۔ جس میں قطب شاہ کو فتح اور عماد الملک کو شکست نصیب ہوئی۔ قطب شاہ نے ہفت تپہ پر قبضہ کرکے اپنے ملک کی راہ لی دار السلطنت میں تھوڑے روز بھی آرام لینے نہ پایا تھا کہ پھر سلطان کو مسلسل لڑائیوں سے سابقہ پڑا اور متواتر فتحیابیوں نے اس کو واقعی ایک بادشاہ کی حیثیت اور مرتبہ پر ترقی دے دی۔ اس لڑائی کی ابتدا یہ تھی کہ سلطان کی غیبت میں کھم میٹھ کے راجہ شتاب خاں نے اس کے ملک پر کچھ دست درازی کی جس کی سزا ضرور تھی۔ اُدھر راجہ کو بھی اپنے بارہ ہزار تفنگچیوں پر غرور تھا وہ بھی اس کو کوئی چیز نہ جانتا تھا۔ شتاب خاں سے جنگ

آخر کار سب سے پہلے قطب شاہ نے ایک سخت قتال و جدال کے بعد ویلکنڈہ کے قلعہ کو فتح کیا۔ اوس کے بعد راجہ سے جنگ کی جس نے اپنی امداد کے لئے اکثر اطراف و جوانب کے راجاؤں سے اعانت طلب کی تھی۔ اس لڑائی میں بھی سلطان کو فتح ہوئی اور راجہ مذکور راجہ رام چندر دیو کے پاس پناہ گزیں ہوا جو اس وقت ملک تلنگانہ کا سب سے قوی راجہ تھا۔ اس کے فرار ہونے پر کھم میٹھ کے قلعہ پر کشت و خون کے بعد قبضہ کر لیا گیا۔ اور اس طرح سے راجہ کا تمام ملک جس میں اینگیر۔ اندور۔ نیا لاکنڈہ پلی ورنگل وغیرہ داخل تھا قطب شاہ کے قبضہ میں آگیا۔

سلطان قطب شاہ کی اس فتح عظیم کو سنکر راجہ رام چندر دیو کے کان کھڑے ہوے جس کی تصرف میں اس وقت ملک تلنگانہ کا بہت بڑا حصہ تھا اسی [illegible] شان و شوکت راجہ کا پایہ تخت کوندپلی تھا۔ اور وہ ایک کثیر تعداد لشکر بھی

رکھتا تھا۔ نہ صرف شتاب خاں کی حالت پر رحم کھا کر بلکہ اپنی ریاست کی حفاظت کیلئے
اس نے قطب شاہ سے لڑائی ٹھان لی امداد کے لئے تمام راجگان اطراف واکناف
سے فوجیں طلب کیں۔ آخر الامر تین لاکھ پیادے اور تیس ہزار سوار لیکر وہ میدان جنگ
میں آموجود ہوا۔ ادھر سے پادشاہ بھی اپنا قلیل لشکر لیکر جس میں صرف پانچ ہزار سوار کارگزار
تھے۔ پلنکپور ندی کے کنارے پر اُترا طرفین میں ایک سخت لڑائی واقع ہوئی۔ بڑے کشت و
خون کے بعد قطب کے بیٹے حیدر خاں نے راجہ رام چندر کے بیٹے کو ہلاک کیا اور راجہ
زندہ دستگیر ہوا۔ اور اوس کا تمام مال اور ملک بادشاہ کے تصرف میں آگیا۔ اس
لڑائی کے بعد قطب شاہ نے لگے ہاتھوں راجمندر اور ایلورہ پر قبضہ کرلیا۔ کہتے ہیں کہ
اس جنگ و جدال میں ایکہزار کے قریب بتخانہ توڑکر مسجدین بنائی گئی تھیں۔ اور لوٹ
میں اس قدر مال غنیمت ہاتھ آیا تھا جس کا حساب مشکل ہے۔ اس فتح کو دیکھکر اوڑیسہ
کے راجہ کو بجز اطاعت کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے بہت سے تحف و تحائف
روانہ کرکے قطب شاہ سے یہ عہد لیا کہ اس کے ملک پر فوج کشی نہ کریگا اور اوڑیسہ
اور ممالک تلنگانہ کے مابین دریائے گوداوری سرحد قائم رہیگی۔ اس معاہدہ کے
رو سے بادشاہ نے قلعہ ایلورا اور اس کے مضافات پر قبضہ کیا اور اس کے ملک کی
سرحد دریاے گوداوری تک قائم ہوگئی۔ جو اس وقت تک بدستور سابق قائم ہے۔
شمال و مشرق کی جانب سلطنت کو وسیع کرنے کے بعد قطب شاہ نے جنوبی
سرحد کا رخ کیا۔ بلم کونڈہ قلعہ کو فتح کرکے قلعہ کوندھیر کا حصار شروع کردیا۔ اس
کا اصلی سبب یہ تھا کہ بادشاہ کی غیبت میں بیجانگر کے راجہ نے پھر اس کے
کچھ دست اندازی کی تھی۔ جس کی سزا ضرور تھی۔ بادشاہ کی اس کامیابی کی خبر پاکر
راجہ نے ایک لاکھ پیادے اور آٹھ ہزار سوار محصورین قلعہ کوندھیر کے امداد کے لئے
روانہ کئے۔ اس فوج کے آنے تک وہ قلعہ مفتوح ہوچکا تھا۔ پادشاہ نے اس کثیر فوج کی

آمد کی خبر پاکر یہ تدبیر کی کہ قلعہ کو خالی کر کے اور اوس میں آگ لگاکر کونڈ پلی کیطرف خود روانہ ہوگیا۔ دشمن نے اس حرکت کو کمزوری پر محمول کیا اور قطب شاہ کی فوج پر آکر چھاپا مارا۔ بادشاہ بھی جان توڑ کر لڑا۔ کہ غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور اس نے قلعہ کونڈھیر میں آکر پناہ لی۔ بادشاہ نے اس قلعہ کا پھر سختی کے ساتھ محاصرہ کیا اور آخرکار تحف و تحائف اور سالانہ خراج ادا کرنے کے معاہدہ پر قلعہ کی کنجیاں حوالہ کی گئیں۔ ادھر اس فتح کی خبر پاکر کونڈپلی کے محصورین نے بھی بادشاہ کی اطاعت قبول کرلی اور اس جانب کا تمام ملک بھی قطب شاہ کے قبضہ میں آگیا۔ اور وہ کامیاب اور منصور گولکنڈہ کو واپس آیا۔

بیجانگر کا راجہ ان شکستوں سے بہت رنجیدہ تھا۔ مگر ان کا علاج بذاتِ خاص اس سے ہو نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ مسلمانوں کی جرأت اور فنونِ سپہگری کے سامنے ہندوؤں کی تعداد کثیر کوئی چیز نہ تھی۔ ان اتفاقات سے عاجز آکر اس نے سلطان اسمٰعیل عادل شاہ سے امداد طلب کی اور اپنے سرحدی مسلمان دشمنوں کو باہم لڑادینا چاہا۔ دس لاکھ ہون کے معاوضہ میں عادل شاہ نے اسلامیت اور جعفریت کا کوئی لحاظ نہ کیا اور بیدریغ اپنے ایک شیعہ بھائی سے ایک ہندو کافر کی امداد کے لئے لڑنے لگا۔ حالانکہ عادل شاہ اور قطب شاہ دونوں خواجہ تاش اور ہم مذہب ہونے کے علاوہ شیعہ اثنا عشری بھی تھے جنہوں نے خطبہ میں سے اصحاب ثلاثہ کا نام نکالکر بارہ اماموں کے نام داخل کئے تھے اور ان کے ان حرکات سے ان کے ہمعصر خواجہ تاش سلاطین اور شاہان ہند اور رعایا ممالک دکن بھی ناراض تھی۔ فی الواقع سلاطین و امرا کا مقصود اصلی دولت اور حکومت ہوتا ہے۔ اور اس کی جان و دل سے پرستش کرتے ہیں۔ مگر اس امداد کا آخری نتیجہ بہت برا ہوا اور عادل شاہ کے لشکر کو سخت زک اور ذلت اٹھانے کے بعد بیجاپور کو واپس جانا پڑا۔ اور پھر لڑائی میں قطب شاہ کو کامیابی ہوئی باوجود ان تحریروں

اور سفارتوں کے جنھیں قطب شاہ نے اسمٰعیل عادل کے پاس اس غرض سے روانہ کیا تھا کہ بادشاہ ایک شیعہ مذہب مسلمان کے مقابلہ میں ایک ہندو کافر کو مدد نہ دے جب عادل شاہ نے آکر ویلکنڈہ کا محاصرہ کیا۔ تو قطب شاہ مدافعت کے لئے آموجود ہوا جس نے علماء اسلام سے اس بات کا فتویٰ حاصل کر لیا تھا کہ ایک کافر کا معاون بھی کافر ہے جس کے ساتھ جہاد لازم ہے۔ اس وقت عادل شاہ کے لشکر میں بیس ہزار سے زیادہ سوار اور پیادے تھے۔ اور قطب شاہ کے پاس تین ہزار سے زیادہ جمعیت نہ تھی آخر الامر طرفین میں گیارہ ماہ کے عرصہ میں ۵۴ لڑائیاں واقع ہوئیں جن میں عموماً قطب شاہ کو کامیابی اور عادل شاہ کو ناکامی ہوا کی عادل شاہ کے دل پر اپنے لشکر کی بربادی اور ناکامی سے اس قدر صدمہ گزرا کہ وہ اسی اثنا میں راہی ملک بقا ہوا۔ اور اس کے لشکر کے امرا اور علمار نے بیچ میں پڑ کر دونوں میں صلح کرادی اور بیجاپور کی فوج بھی اپنے مقام پر واپس گئی۔ اور قطب شاہ بھی اپنی دارالامارت گولکنڈہ کو پلٹ آیا۔

اس کے بعد قطب شاہ نے قاسم برید پر چڑھائی کی جو اس کی غیبت میں جبکہ وہ عادلی لشکر سے معرکہ آرا تھا اس کے ملک میں فوج بھیجکر اکثر پرگنات کو برباد کر چکا تھا۔ اس تعدی کا عوض لینے کے لئے جو اکثر ان چھوٹے چھوٹے بادشاہان و سرداران دکن کا شعار تھا قطب شاہ بیدر کے میدان میں آموجود ہوا۔ اور طرفین میں کئی روز تک سخت لڑائیاں ہوتی رہیں جن میں قطب شاہ کے بیٹے نے بڑی دلیری اور کوشش کی آخر الامر بڑے کشت وخون کے بعد قاسم برید کو شکست اور قطب شاہ کو فتح نصیب ہوئی اور بہت مال غنیمت جس میں ڈیڑھ سو ہاتھی بھی تھے۔ قطب شاہ کے ہاتھ آیا اور پرگنات کچویل اور ایلور وغیرہ پر اس کا تسلط ہو گیا۔

اس فتح کے بعد ہی قطب شاہ نے قلعہ کوہیر کا رخ کیا اور اس کے محاصرہ میں

سختی سے مشغول ہوا۔ قاسم برید بھی اہل قلعہ کی امداد کے لئے آٹھ ہزار سوار لیکر بیدر سے روانہ ہوا اس کے آنے کی خبر پاتے ہی قطب شاہ نے اپنی آدھی فوج کو تو محاصرہ پر چھوڑا اور نصف لشکر کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھا۔ اثنائے راہ میں دونوں طرف سے کئی دفعہ لڑائیاں ہوئیں۔ مگر قاسم برید کی تدبیر کرنے اور قطب شاہ کے امیروں کو رشوت چھانسنے کی وجہ سے جنگ ملتوی ہوگئی اور قلعہ کوہیر قطب شاہ کے حوالہ کردیا گیا۔ ملک قاسم برید کو سزا دینے کے بعد راجہ ہیر چند والی قلعہ نلگنڈہ کی تنبیہ بھی ضرور تھی۔ کیونکہ اس نے بھی قطب شاہ کی غیبت میں اس کے ملک کو تاخت وتاراج کیا تھا۔ پہلے تو قطب شاہ نے اس کو تحریرات کے ذریعہ سے کچھ اونچ نیچ جتائی۔ اور اس کے جسارت کا انجام سوجھایا۔ مگر راجہ اپنے قلعہ کے استحکام پر اس قدر مغرور تھا کہ اس نے اس کے سمجھانے کی ذرا بھی پروانہ کی اور لڑنے پر آمادہ ہوگیا قطب شاہ نے جب دیکھا کہ کہنے سننے سے کام نہیں نکلتا تو اوس کے ملک پہ چڑھ دوڑا اور قلعہ نلگنڈہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور کئی ماہ تک طرفین میں کشت وخون جاری رہا۔ مگر یہ مستحکم قلعہ ایک ایسی اونچی پہاڑی پر واقع تھا کہ حملہ آوروں کی رسائی ناممکن تھی اس لئے قطب شاہ نے مکر سے کام لیا۔ پہلے تو راجہ کو یہ دھمکی دی کہ اگر تم باج وخراج منظور نہ کروگے تو میں اس محاصرہ سے ہاتھ نہ اٹھاؤنگا اور جب وہ اس فریب میں آگیا اور رسد کے بند ہوجانے سے بھی اس کو اضطراب ہونے لگا۔ تو خود اس نے صلح کی درخواست پیش کی قطب شاہ نے بدل وجاں فوراً منظور کرلیا اور پھر اسکو دوستانہ یہ پیام بھیجا کہ "میں تین چار آدمیوں کے ساتھ تمہارے قلعہ کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔ اگر اجازت دو تو قلعہ میں سے ہوتا ہوا میں اپنے ملک کو روانہ ہوجاؤں اور اس قلعہ پر تھوڑی دیر قدرت خدا کے منظر کا نظارہ کرلوں" راجہ نے اس پیام کو تائید غیبی خیال کیا اور اس نے بھی بادشاہ کے قتل کرنے کا ارادہ کرکے تین ہزار مسلح جوان

مستعد کرلئے۔ اور جواب میں کہلا بھیجا کہ آپ کے آنے سے مجھے عزت حاصل ہوگی۔" ان دونوں حیلہ بازوں نے اپنے اپنے پہلو خوب سوچ سمجھ لئے تھے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کے قتل پر آمادہ ہوگیا تھا۔ قطب شاہ تو حیلہ بازی اور فریب میں یکتائے روزگار تھا۔ بھلا وہ راجہ کے دام میں کب پھنس سکتا تھا۔ اس نے اپنی فوج سے چار بہادر جوانوں کو انتخاب کیا اور باہر فوج کھڑی کر کے قلعہ کے دروازہ میں آموجود ہوا۔ یہاں پہرہ والوں کو قتل کرتے ہی فوج کو اندر آنے کا اشارہ کیا قلعہ میں طرفین سے خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی راجہ گرفتار ہو کے مارا گیا اور بعد قتل عام کے جس سے شاید کوئی متنفس بچا ہو تمام قلعہ اور اس کا ساز و سامان قطب شاہ کے قبضہ میں آگیا۔ اور وہ کامیاب وہاں سے روانہ ہوا۔

قلعہ نلگنڈہ کو فتح کر کے قطب شاہ نے راجہ بیجانگر کے پرگنات میں آکر لوٹ مار شروع کی اور قلعہ کوندھیر کو بھی جبراً اور قہراً فتح کر لیا اور اہل قلعہ کو ایک امیر کے سپرد کردیا۔ اس کامیابی کے ساتھ اس نے قلعہ رینگیر کے تسخیر کا ارادہ کیا۔ اس لشکرکشی کی خاص وجہ یہ تھی کہ ابراہیم عادل شاہ نے اس کو رامچندر راو اور شتاب خاں کیساتھ جنگ میں مصروف دیکھ کر اس کے پرگنات کاکی۔ مادگی اور کوروی پر قبضہ کرلیا تھا اسوقت وہ دو دشمنوں سے مصروف بجنگ تھا۔ اس لئے ابراہیم کی دست درازیوں کا جواب دینا مناسب نہ تھا۔ لیکن اب ادھر سے فراغت پاکر قطب شاہ نے پہلے تو سب پرگنوں کو عادل شاہی امیروں سے لڑبھڑ کر چھینا اور پھر قلعہ رینگیر کا محاصرہ شروع کیا۔ اثنائے محاصرہ میں اسکو شاہ طاہر کے آنے کی خبر ملی جس کو برہان نظام شاہ نے بطور ایلچی کے اس کے پاس بھیجا تھا اور ادھر بارش کا موسم بھی سر پر آگیا تھا اسلئے اس نے پایۂ تخت کو مراجعت کی۔

شاہ طاہر کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ برہان اور ابراہیم شاہ میں شولاپور کی نسبت

کچھ جھگڑا تھا۔ اور برہان شاہ قطب شاہ کو اپنی طرف کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے بطور سفیر شاہ طاہر کو اس کے پاس بھیجا تھا۔ یہ شاہ طاہر ایرانی نسل کا ایک چلتا ہوا پرزہ تھا جس میں مروجہ علوم و فنون کے ساتھ مدبری اور معاملہ فہمی کی بھی پوری لیاقت تھی اس کی بہت بڑی غرض دکن میں رواج مذہب جعفری تھی۔ جس کو وہ مختلف تدبیروں اور گوناگون رنگوں اور حیلہ سازیوں سے حاصل کیا کرتا تھا۔ برہان شاہ ایک جاہل آدمی تھا اس کی چال میں آکر تبدیل مذہب کر چکا تھا۔ اور یہ اس کا پیر و مرشد بن گیا تھا۔ اس لئے اس نے اسی کو اس اہم کام پر متعین کیا تھا۔ اس سے پہلے قاسم بریکہ قطب شاہ کی دھمکی اور آیندہ فوج کشی کے خوف سے برہان شاہ سے سفارش کی درخواست کی تھی کہ وہ بیچ میں پڑ کر قطب شاہ سے صلح کرا دے اور آیندہ اس کو بیدر کی چڑھائی سے روک دے۔ اس درخواست پر برہان شاہ نے قاسم برید کو یہ رائے دی تھی کہ وہ قلعہ میدک کو قطب شاہ کے حوالہ کر دے اور اس کی خدمت میں تحفہ و تحائف بھیجے۔ ان تجویزوں کی سربراہی کے لئے شاہ طاہر قطب شاہ کے پاس بھیجا گیا تھا۔ جب وہ گولکنڈہ میں وارد ہوا۔ تو قطب شاہ ریتگیر کے محاصرہ میں مصروف تھا۔ اس کے غیبت میں بھی اس پر جوش شیعہ کی بہت بڑی خاطر و مدارات ہوئی۔ کیونکہ قطب شاہ بھی مذہب شیعہ رکھتا تھا۔ اور رہم مذہب کی خدمت کو اپنا فخر جانتا تھا۔ جب وہ گولکنڈہ میں واپس آیا۔ اور شاہ طاہر نے اس سے ملاقات کر کے اپنی سفارت کے فرائض منصبی حسب دلخواہ سرانجام دئیے تو قطب شاہ نے اس کو پانچ ہزار ہون اور بہت سا تحفہ و تحائف دیکر رخصت کیا۔ اور برہان شاہ کی امداد کیلئے پانچ ہزار سوار متعین کئے اور قلعہ میدک کے پانے سے قاسم برید کے ساتھ لڑائی کے ارادہ کو ترک کر دیا۔

ان تمام لڑائی جھگڑوں اور فتوحات ملکی کے بعد جن میں اس کی زندگی کا گران بہا حصہ

جس کی مدت ساٹھ برس سے زیادہ تھی۔ قطب شاہ شمشیر اجل کا شکار ہوا اور اوس کے ظالم بیٹے جمشید کی اغوا سے اس کو ایک شخص نے ۹۵۰ ہجری میں قتل کر دیا۔ اس امر پر تو مورخین کو اتفاق ہے کہ جمشید کی ترغیب اور تحریص سے وہ مارا گیا۔ مگر اس واقعہ کی جزئیات میں اختلاف ہے صاحب تاریخ فرشتہ کا یہ بیان ہے کہ وہ حوض پر بیٹھا ہوا جواہرات کے ملاحظہ سے اپنے دل کو خوش کر رہا تھا کہ قاتل نے اس کو تیغ بے دریغ کیا اور صاحب تاریخ قطب شاہی کا بیان یہ ہے کہ نماز کے وقت مسجد میں مارا گیا اور لنگر خانہ میں دفن ہوا۔ بہرحال اس کے قتل ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہے کہتے ہیں کہ اس کے قتل کے بعد اس کے ولی عہد قطب الدین کے آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی گئی۔ اور اس کو اندھا کر کے کونے میں بٹھا دیا گیا۔ اسی طرح قاتل کی نسبت بھی اختلاف ہے کوئی تو یہ کہتا ہے کہ گولکنڈہ کے تھانہ دار میر محمود علی ہمدانی نے جو ایک سفاک اور نمکحرام آدمی تھا قطب شاہ کو قتل کیا۔ جو اس کی غیبت میں بادشاہت کا کام سرانجام دیتا تھا۔ اور کوئی کسی دوسرے گمنام آدمی کو بتاتا ہے جس کو خود جمشید نے اپنے باپ کے قتل کے بعد فوراً مار ڈالا تاکہ راز افشا نہ ہو۔ اس بادشاہ کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔ اس کے علاوہ بھائی کی ولی عہدی کی وجہ سے بھی رشک وحسد کے مارے اس کے دوسرے بیٹے جمشید کو سخت صدمہ تھا اپنی ڈاڑھی سفید دیکھ کر اوس کو باپ کی قتل میں جلدی تھی قطب شاہ نے ۴۰ برس مستقل حکومت کا لطف اٹھایا تھا اس کے چھ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ جن میں سے حیدر خاں تو باپ کے سامنے ہی فوت ہو گیا تھا۔ جمشید ابتدا ہی سے سخت مزاج اور جور وظلم کی طرف مائل تھا۔ اور اسی وجہ سے باپ اس سے متنفر تھا۔ قطب الدین کو اس نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ عبدالکریم باپ کے عین حیات ہی اس سے چھپ کر کہیں چلا گیا تھا اور فتنہ و فساد کی طبعی عادت کی وجہ سے مار ڈالا گیا۔ پانچواں بیٹا دولت خاں تھا۔ اسی طرح ابراہیم

ہونے کی وجہ سے لوگ دیوانہ ملک کہتے تھے چھوٹا بیٹا ابراہیم قطب شاہ تھا جس نے سلطنت قطب شاہی کو اچھی رونق دی تھی۔

قطب شاہ فطرتاً ایک شجیع آدمی تھا اور اہل شجاعت ہی سے اس کو رغبت تھی شجاعت کیساتھ پرہیزگار اور عبادت گذار بھی تھا۔ ممالک کے فتح کرنے کا کمال شوق تھا۔ اور اہل سیف کی قدردانی بھی کرتا تھا۔ مگر اہل علم سے اس کو چنداں رغبت نہ تھی یہی وجہ تھی کہ اس کے زمانہ میں بہت کم اہل کمال گولکنڈہ کا رخ کرتے تھے۔ شجاعت کیساتھ اس میں دانائی اور مکاری بھی پائی جاتی تھی جسب موقع وہ ہر ایک کو کام میں لاتا تھا۔ اور اپنے مقصد کو پورا کرتا تھا۔ صورت و شکل میں بھی وہ اچھا تھا مگر اہل عادل شاہ کی لڑائی میں اس کے منہ پر تلوار کا ایک ایسا زخم آیا تھا۔ جس سے اس کا چہرہ بدصورت ہوگیا تھا۔ کیونکہ ایک طرف سے ناک اور رخسار کٹ گیا تھا۔ اور اس نے عام طور سے لوگوں کو اپنی صورت دکھانی پسند نہ کرتا تھا۔ اس کا مذہب شیعہ تھا اور اس نے بھی عادل شاہیوں کی طرح اپنے خطبہ میں سے اصحاب ثلاثہ کا نام نکالکر ائمۂ دوازدہ کے نام داخل کئے تھے۔ مگر باوجود اس کے بھی اس کو تعصب مذہبی نہ تھا وہ رعایا اور اہل فوج کے مذاہب سے کبھی تعرض نہ کرتا تھا۔ اور کوئی واقعہ اس کے عہد میں ایسا نہ ہوا جس سے اس کا تعصب مذہبی ثابت ہوتا۔ اسی وجہ سے اس بادشاہ کے عہد دولت میں فریقین شیر و شکر ہو رہے تھے ایک کو دوسرے کا لحاظ و پاس خاطر اس قدر تھا کہ ایسے الفاظ زبان سے نہ نکالتے تھے جس سے دوسرے کی دلشکنی ہو اوس زمانہ میں فریقین کے اس اتحاد و ارتباط پر اہل تاریخ نے تعجب ظاہر کیا ہے۔

قطب شاہ کے عہد میں گولکنڈہ کی حکومت کا رقبہ ایسا وسیع ہوا کہ اس کی بادشاہت کا نام صادق آیا۔ اس نے گوداوری سے ویلچ کنڈہ تک شمالاً جنوباً

اپنے ملک کی سرحد قائم کردی تھی۔ قطب شاہ کے زمانہ میں گولکنڈہ اور اس کے حصار کی تعمیر عمل میں آئی اور جامع مسجد اور حمام کی تعمیر بھی اسی کے عہد میں ہوئی کہتے ہیں کہ اس حمام میں عام رعایا کی آسایش کے واسطے نہلانے اور بدن ملنے والے اور پاؤں دبانے والے حمّامی بھی متعین تھے۔ اور نہانے والوں کے لئے بھی لنگیاں شاہی خرچ سے مہیا رکھی جاتی تھیں۔ اس کے سوا شہر کی عمارتیں بھی اسی زمانہ حکومت میں تعمیر ہوئی تھیں۔ اور لنگرخانہ بھی اسی کے ایک فیض کا نمونہ تھا۔ جہاں کہ وہ مدفون ہوا تھا اور جہاں کہ اصل سلاطین قطب شاہیہ کے مقابر اور ایک پرانا باغ اور ایک نہایت ہی عالیشان باؤلی موجود ہے۔

جمشید قلی قطب شاہ

بوڑھے باپ کے قتل کے بعد جب جمشید تخت سلطنت پر بیٹھا تو حسب دستور سلاطین دکن نے اس کے پاس تہنیت نامہ بھیجے چنانچہ شاہ طاہر کو برہان نظام شاہ نے بطور ایلچی کے بغرض مبارکباد روانہ کیا۔ اور اس کی بہت بڑی خاطر اور تواضع ہوئی خود بادشاہ استقبال کے لئے دارالسلطنت سے روانہ ہوا۔ اور اس کو خاص اپنے سنگاسن میں بٹھا کر شہر میں بڑے تزک و احتشام سے لایا۔ جس سے ثابت ہے کہ دکن میں مذہب شیعہ کی اس وقت بہت بڑی قدر تھی اور شاہ طاہر کی کوشش سے اس مذہب میں ترقی بڑی سرگرمی سے ہو رہی تھی۔

تخت شاہی پر جلوس فرمانے کے بعد سب سے پہلے اس نے اپنے بھائیوں کی طرف توجہ کی اور شاہزادہ ابراہیم قلی کا استیصال کرنا چاہا۔ جس میں حکومت کی قابلیت موجود تھی۔ اور جو اس وقت ملک تلنگانہ میں قلعہ دیورکنڈہ کا حاکم تھا۔ اس نے شاہزادہ کو طلب کیا۔ مگر وہ اپنی جان بچا کر بیدر کو چلا گیا اور وہاں امیر برید کی حمایت میں پناہ لی۔ امیر برید نے بھی اس کی بڑی خاطر و مدارا کی۔ اور ملکی مصلحت سے اسکی حمایت میں گولکنڈہ پر چڑھائی کر دی۔ جمشید کی بد مزاجی بدزبانی اور سختی سے اکثر امرا اور رعایا ناراض تو تھے ہی کسی نے بادشاہ کا ساتھ نہ دیا اس کو بمجبوری قلعہ گولکنڈہ میں محصور ہونا پڑا۔ برید نے قلعہ کا محاصرہ شروع کیا۔ اور قریب تھا کہ قلعہ فتح ہو جائے کہ اس اثنا میں شاہ طاہر کی تحریک سے جس کو ایک شیعہ کا سنّی کے ہاتھ سے بچانا ضرور تھا۔ اور جس نے برہان شاہ کو یہ سمجھا دیا تھا کہ شاہزادہ ابراہیم کی

آڑمیں امیر برید اپنا کام نکالا چاہتا ہے اگر قطب شاہ کا ملک اس کے قبضہ میں آگیا تو سلاطین دکن کی قوتوں میں موازنہ نہ باقی رہے گا۔ برہان نظام شاہ نے جمشید کی مدد کے لیئے فوراً لشکر کشی کر دی اور قلعہ کوہیر کو آ کر گھیر لیا۔ امیر برید نے یہ حال دیکھکر اور دشمن قوی کے مقابلہ میں فتحیاب نہونے کی وجہ سے قلعہ کا محاصرہ چھوڑ دیا اور بیجاپور کی طرف چلا گیا راستہ میں اس نے شاہزادہ ابراہیم سے بدعہدی کی اور اوس کے لشکر کو لوٹ لیا جس سے شاہزادہ ناراض ہوکر بیجانگر کی طرف روانہ ہوا۔ بیجانگر کے راجہ نے شاہزادہ کو بڑے احترام و اعزاز سے اپنے شہر میں ٹھہرایا۔ اور اس کی خاطر و تواضع میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ چنانچہ تقریباً سات سال تک وہ اسی ملک میں بامن و راحت مقیم رہا۔ کہتے ہیں کہ رام راج کے ساتھ ابراہیم قلی کے باپ نے بھی اسوقت بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ جبکہ وہ اس کے پاس پناہ لینے کو آیا تھا۔

امیر برید کی روانگی کے بعد جمشید قلعہ سے نکلکر برہان شاہ کی ملاقات کے لئے روانہ ہوا اور اس کو بہت سی قیمتی تحفے نذر دیئے۔ برہان نے بھی بڑے اعزاز و اکرام سے اس کا استقبال کیا اور بڑے تکلف سے اس کی دعوت کے جشن کئے۔ اور اس کو خطاب شاہی چتر دینا چاہا۔ مگر ملکی مصلحت سے جمشید نے اس اعزاز کو قبول نہ کیا۔ جس سے اس کے درجہ اور مرتبہ میں کمی آتی تھی۔

اسی ملاقات کے درمیان میں یہ امر قرار پایا کہ برہان شاہ اور جمشید شاہ اور عماد الملک والی برابر باہم ملکر بیجاپور پر چڑھائی کریں۔ اور شوراپور کی قلعہ کی فتح میں جمشید و عماد دونوں برہان کی امداد کریں۔ اس تجویز کے مطابق ان تینوں بادشاہوں نے شوراپور کا محاصرہ کیا۔ جو عادل شاہ کے تحت و تصرف میں تھا اُدھر بیجاپور کے بادشاہ نے اس باہمی اجتماع کو دیکھکر امیر برید کو اپنی طرف بلایا

اور پھر ان دونوں نے باہم ملکر قلعہ پرینڈہ کا محاصرہ کر دیا جو نظام شاہ کے قبضہ میں تھا۔ یہ خبر سنکر نظام شاہ اور اس کے معاونین نے شوراپور کے قلعہ کا محاصرہ چھوڑ دیا اور پرینڈہ کے قلعہ کو دشمنوں سے بچانے کے لئے کوچ کیا۔ راستہ میں دونوں طرف کے اجتماعی لشکروں میں جنگ ہوئی۔ عادل شاہ شکست کھاکر بیجاپور کو بھاگا۔ اور امیر برید نے بیدر کی راہ لی۔ جمشید شاہ نے اپنے دشمن امیر برید کا تعاقب کیا اور بیدر تک خوب لوٹ مار مچائی۔ اس غارتگری کے بعد جمشید گولکنڈہ واپس آیا۔ اس شکست کے بعد ہی پھر امیر برید نے گولکنڈہ پر فوج کشی کی اور آٹھ ہزار سوار اور بیشمار پیدل لیکر بچلکونڈ تک آگیا۔ جو گولکنڈہ سے زیادہ فاصلہ پر نہ تھا۔ اس ناگہانی حملہ کی خبر پاکر جمشید بھی تین سو سلحداروں کو ہمراہ لیکر جو اس وقت موجود تھے دوسری راہ سے بیدر پر چڑھ دوڑا اور وہاں پہنچکر خوب غارتگری کی۔ یہ حالت دیکھکر برید کو بجز واپس ہونے کے اور کچھ نہ سوجھا اور وہ الٹے پاؤں اپنے دارالامارۃ کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں دونوں فوجوں سے مٹ بھیڑ ہوگئی۔ اور طرفین میں خوب زور آزمائیاں ہوئیں۔ مگر دونوں برابر رہکر اپنے اپنے مستقر کو واپس چلے گئے۔

کچھ مدت کے بعد پھر امیر برید نے جمشید پر فوج کشی کی تیاریاں شروع کیں اور اس خبر کے پاتے ہی جمشید نے بھی اپنا لشکر تیار کرکے بیدر پر چڑھائی کردی کولاس میں اس کا لشکر پہنچا تو جگدیو راؤ نے عاقبت اندیشی و مصلحت بینی سے یہ عرض کیا کہ اس بلند پہاڑ پر حکم ہو تو قلعہ تعمیر کرکے اوس میں رسد بھروا کر تھوڑی فوج اور ایک قلعہ دار مقرر کر دیا جائے امیر برید کی دست درازی کے روکنے کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی جمشید نے اس رائے صائب کی تحسین کی تعمیر قلعہ کا حکم دیا اور بیدر کی طرف متوجہ ہوا۔ ادھر سے برید بھی اپنا لشکر لیکر مقابلہ کے لئے روانہ ہوا اور قصبۂ نارائن کھیڑہ پر دونوں طرف سے جنگ و جدال شروع ہوئی

ایک دو لڑائیوں کے بعد پھر دونوں جانب سے جنگ ملتوی ہوی۔ اور جمشید اس درمیاں میں قلعہ کولاس کا معائنہ کرنے کے لئے چلا گیا جو اس کے حکم سے بنایا گیا تھا۔ برید نے اپنے دشمن کی غیبت سے کام نکالا۔ سردار لشکر کو غافل پا کر پہلے اسی کو قتل کیا پھر سپاہ کو مار کر بھگا دیا۔ جمشید کا بقیۃ السیف لشکر کولاس میں فرار ہو کر آیا ادھر امیر برید نے بھی میدان میں اس خوف سے ٹھہرنا نامناسب سمجھا کہ جمشید پھر آکر مقابلہ کرے گا۔ اس نے تو دارالسلطنت کی راہ لی اور اس وقت جمشید نے بھی بیدر پر حملہ کرنا مناسب نہ سمجھا وہ کولاس اور نارائن کھیڑہ اور حسن آباد کے پرگنوں پر قبضہ کر کے اپنے دارالامارۃ گولکنڈہ کو واپس آیا۔

اور اپنے ہم مذہب۔ برہان شاہ کو امیر برید کے ممالک کو فتح کرنے کی ترغیب اس نے شاہان ثلاثہ کے باہمی اجتماع کو غنیمت جانا۔ اوسہ کے مقام پر برہان شاہ والملک والی برار اور جمشید شاہ میں باہم ملاقات ہوئی اور یہ امر قرار پایا کہ ید تو بیدک کو فتح کر کے اور یہ دونوں بادشاہ قلعہ اودگیر اور اوسہ کو برید کے سے نکالیں۔ اس تجویز پر سب نے عمل کیا کشت و خون اور لوٹ مار کے بعد ں قلعہ فتح کر لئے گئے۔

برید نے اپنے ملک کی قطع و برید دیکھکر اور اپنی طاقت کو دو دشمنوں کے مقابلہ میں ناکافی پاکر عادل شاہ سے مدد طلب کی۔ اور اس نے مذہبی تعصب کو بالائے طاق رکھکر شیعون کے مقابلہ میں ایک سُنّی کی مدد کی اور پانچ ہزار سوار اخلاص خان حبشی کی افسری میں دیکر۔ برید کی اعانت کے لئے روانہ کئے۔ اس امدادی فوج کے ساتھ برید نے قلعہ کولاس پر چڑھائی کی ادھر سے جمشید بھی اپنا لشکر لیکر میدان جنگ میں آموجود ہوا۔ دونوں لشکروں میں خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی برید شکست کھا کر بھاگا۔ اور جمشید فاتح و منصور اپنے پایہ تخت کی طرف واپس ہوا۔

گو اس زمانہ میں یہ پانچوں خود مختار بادشاہ جنہوں نے سلطنت بہمنی کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے آپس میں بانٹ لیا تھا ایک دوسرے کے باہم دشمن تھے اور بہمدیگر توسیع ملک کے لئے لڑتے رہتے تھے۔ مگر ان میں کسی ایک کے زوال کو یہ پانچوں بادشاہ پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ انہیں اندیشہ یہ تھا کہ ان میں سے جو کوئی زوردار ہوجائیگا۔ وہ یکے بعد دیگرے سب پر ہاتھ صاف کریگا۔ ابھی تک احمدنگر اور بیجاپور میں باہم نزاع تھی۔ اور عمادالملک والی برار نظام شاہ کا ساتھ دیتا تھا اور امیر برید عادل شاہ کا معین تھا۔ مگر اب نظام شاہ اور عادل شاہ میں صلح ہوگئی تھی۔ اس لئے ان دونوں نے باہم مشورہ کرکے برید کے ملک پر ہاتھ صاف کرنا چاہا۔ اور یہ تجویز ٹھہری کہ نظام شاہ قندھار پر قبضہ کرلے جو برید کے قبضہ میں ہے اور عادل شاہ اس کے ملک میں سے جہاں تک ہوسکے چھین چنانچہ اس تجویز کے مطابق افواج شاہی نظام نے قلعہ قندھار پر قبضہ جب برید کو اس سازش اور باہمی قرارداد کی خبر ہوئی تو باوجود اس۔ ایلچی اس مشورہ سے پہلے تحفہ و تحائف کے ساتھ عادل شاہ کے پاس رو کئے گئے تھے۔ اور استحکام اتحاد کی کوشش جاری تھی وہ خود بذات خاص عادل شاہ کے پاس چلا گیا جس نے کمال بیمروتی اور طوطا چشمی سے اپنے قدیم دوست کو گرفتار کر نظام شاہ کو اس واقعہ سے یہ اندیشہ ہوا کہ عادل شاہ کی قوت برید کے فنا ہونے سے بہت بڑھ جائیگی۔ اور آخر کار مجھ کو بھی وہ ہضم کرجائیگا۔ اس خیال سے اس نے فوراً قلعہ شوراپور کا محاصرہ کرلیا اور عادل شاہ سے لڑائی چھیڑ دی۔ نظام شاہ کو جمشید کی دوستی پر بھروسہ تھا۔ مگر اس درمیان میں عادل شاہ نے بھی تحفہ و تحائف بھیجکر جمشید سے دوستی اور اتحاد کی درخواست کی تھی۔ ادھر برید کے قید ہوجانے سے جمشید کے دل میں بھی یہی خوف تھا کہ عادل شاہ کی طاقت بڑھ گئی تو میری بھی خیریت نہیں اس لئے

اس نے ایک چال سے شاہان دکن کی سلطنت کے میزان کو قائم رکھنا چاہا۔ اور اپنے دشمن قدیم برید کی حفاظت میں اپنے ملک کی خیریت دیکھی۔ اس نے درخواست اتحاد کے جواب میں عادل شاہ کو لکھ بھیجا کہ "جب اپنے قدیم دوست امیر برید کے ساتھ یہ بیوفائی کی ہے تو دوسروں کو آپ سے کیا امید ہو سکتی ہے۔ اگر آپ امیر برید کو رہائی دیکر میرے پاس بھیجدیں تو البتہ آپ سے دوستانہ برتاؤ کیا جا سکتا ہے"۔ نظام شاہ اور عادل شاہ دونوں جمشید کو اپنی اپنی طرف ملانے کی کوشش کر رہے تھے اور اپنے اپنے مخالف کی طرف جانے سے روک رہے تھے۔ اس لئے عادل شاہ نے فوراً اس درخواست کو منظور کر لیا اور برید کو جمشید کے پاس بھیجدیا جمشید نے بغیر گفت وشنید اور بغیر ملاقات اپنی دارالسلطنۃ کے حیلے سے بیدر کی راہ لی۔ اور دونوں دشمنوں کو خود باہم لڑنے اور اپنا آپ جھگڑا چکانے کے لئے چھوڑا۔ بیدر میں پہنچکر اس نے برید کو بحفاظت تمام اس کے محلسرا میں پہنچا دیا۔ برید نے بھی اس کی بہت کچھ خاطر و تواضع کی اور بکثرت تحف وتحائف دئے۔ اور جمشید یہ پر تکلف دعوتیں کھاکر اور میدان سیاست میں کامیابی حاصل کرکے اپنے دارالامارۃ کو واپس آیا۔

ان تمام لڑائی جھگڑوں کے بعد جن میں اس کی عمر کے سات سال بڑی کشمکش میں گزرے تھے۔ اس کو اپنے حرکات قبیحہ کی پاداش میں تکلیف اٹھانی پڑی۔ اور وہ ملک الموت کے پنجہ میں گرفتار ہوا۔ اور عرصہ تک سرطان کی سخت ترین تکلیفیں اٹھاکر ۱۵۵۰ء میں اس دار ناپائدار سے جس کے سلطنت کی ہوس میں اس نے اپنے باپ کو بھی قتل کرنے میں باک نہ کیا تھا۔ راہی ملک عدم ہوا اور دنیا میں اپنے برے بھلے اعمال چھوڑ گیا جو صفحہ روزگار پر مدت دراز تک یادگار رہیں گے۔

جمشید شاہ بالطبع سخت مزاج اور سفاک تھا۔ اس کی بیرحمی اور بدزبانی سے لوگوں کے قلوب اس سے متنفر تھے۔ اور عام رعایا اس کی بادشاہت سے خوش

نہ تھی۔ کیونکہ اس کی بیماری میں بھی اس کی معزولی کی کوشش ہوئی۔ مگر اس کی زندگی میں
کسی کو کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ علمی لیاقت اس کی اچھی تھی اور اس کے فارسی
اشعار قابل دیکھنے کے ہیں۔ چالاکی اور مکاری میں وہ اپنے باپ سے کچھ کم نہ تھا۔
اور بہادری میں بھی اس کے قدم بہ قدم تھا۔ صورت شکل میں اگرچہ اچھا تھا۔ مگر باپ
کی طرح اس کے چہرہ پر بھی ایک ایسا بُرا تلوار کا زخم لگا تھا۔ کہ جس سے اسکی ایک طرف
کی ناک۔ رخسارہ اور کسی قدر کھوپری کا حصہ ضائع ہو گیا تھا اور وہ اس درجہ
کریہہ منظر ہو گیا تھا کہ اپنی صورت لوگوں کو دکھانا پسند نہ کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ
کھانے پینے میں اس کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ آخر کار جس سلطنت کے لئے اس نے
اپنے باپ کو قتل کرایا تھا۔ اس نے اس کو بجز تکلیفوں کے اور کوئی راحت
نہ دی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ابراہیم قطب شاہ

گو جمشید قلی کے انتقال کے بعد امرائے سلطنت نے فوراً اُس کے بیٹے سبحان قلی کو تخت پر بٹھا دیا اور کمسن بادشاہ کی دادی ملقبیں زمانی نے سلطنت کے کاروبار چلانے کے لئے سیف خاں عین الملک کو احمد نگر سے طلب کیا جو شاہی خاندان میں سے تھا اور جو جمشید کے حین حیات اس سے ناراض ہوکر چلا گیا تھا تاہم اس بچہ کی چند ماہی حکومت جو برائے نام تھی اور جس میں اس کو استقلال نہ ہوا تھا اس قابل نہیں کہ ایک علحدہ عنوان کے ساتھ اس تاریخ میں درج کیجائے اس کمسن شاہزادہ کی تخت نشینی اور عین الملک کی خود اختیارانہ وکالت سے نہایت ہی قلیل وقفہ میں امرائے دربار میں ناراضی پھیل گئی۔ اور جگدیو راؤ نے جو عہد جمشیدی کا ایک معتبر امیر تھا اور جس کے دماغ میں کسی شاہزادہ کے آڑ میں ہوکر کاروبار سلطنت کے چلانے کی حرص وہوس بھری ہوئی تھی۔ بھونگیر کی راہ لی اور شاہزادہ دولت قلی کو محبس سے نکال کر اور قلعہ دار اور نایک واڑیوں کو ہموار کرکے اپنا مقصود پورا کیا۔ اور اس کو قلعہ ہی میں بادشاہ بناکر خود وکیل السلطنت بن بیٹھا۔ ادھر عین الملک نے منصب وکالت کو ہاتھ میں لیتے ہی اور اپنا پاؤں جماتے ہی جگدیو کے استیصال کی فکر کی جس نے اپنی امداد کے لئیے برار سے لشکر طلب کیا تھا۔ اور تفال خاں جو اس وقت بطور نائب تمام ملک برار پر حاوی تھا اس کی کمک کے لیئے ایک لشکر کثیر ہمراہ لیکر اپنے مستقر سے روانہ ہوگیا تھا عین الملک نے جگدیو پر چڑھائی کی اور سکرم کے مقام پر دونوں طرف کے لشکروں میں محاربہ عظیم واقع ہوا۔ اور آخرکار تفال خان تو اپنے ملک کی طرف بھاگا اور جگدیو اور دولت قلی پھر بھونگیر کے قلعہ میں واپس آکر

پناہ گزیں ہوئے۔ اس لڑائی میں لشکر برار کا بہت سازوسامان عین الملک کے ہاتھ آیا اور اس نے اپنے دونوں مخالفین کا تعاقب کرکے بھونگیر کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا ایک ماہ کامل تک محاصرہ قائم رہا اور جگدیو قلعہ سے باہر آکر عین الملک سے لڑتا رہا جس نے پہلے ہی اس سے صلح کی درخواست کی تھی جب اس آشتی اور نرمی سے کام نہ نکلا تو عین الملک نے قلعہ کا سختی سے محاصرہ کیا اور رسد کو بالکل بند کردیا جس سے اہل قلعہ نے زیست سے تنگ آکر عین الملک سے امان طلب کی۔ یہ مجبوری کی حالت دیکھکر جگدیو راؤ نے قلعہ کی کنجیاں عین الملک کے پاس بھجدیں اور اس نے دولت قلی کو تو بدستور سابق اسی قلعہ میں محبوس کیا۔ اور جگدیو راؤ کو قید کرکے اپنے ہمراہ گولکنڈہ میں لایا اور یہیں اس کو قیدی بناکر رکھا۔

اب عین الملک کا غرور اور بھی بڑھ گیا اور اُس نے امرائے دربار کو بیدخل کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے ناراض ہوکر انہوں نے بھی ابراہیم قلی کو بیجانگر سے بلانے اور اس کو تخت سلطنت پر بٹھانے کا ارادہ کرلیا۔ ابراہیم قلی تو اسی وقت کا منتظر بیٹھا تھا۔ امرا کے بلانے پر گولکنڈہ کی طرف روانہ ہوا۔ بیجانگر کے راجہ رام کو شاہزادہ سے بہت دوستی ہوگئی تھی اُس نے مدد دینے کا ارادہ کیا۔ مگر ابراہیم نے مُلکی مصلحتوں سے اسکی امداد کو قبول نہ کیا اور وہ اپنے خاص مصاحبوں کے ساتھ سرحد دکن پر آموجود ہوا اس کے آنے کی خبر پاکر امرائے دکن بھی اپنے لشکروں کو لیکر اس کے پاس جا پہنچے اور تھوڑے عرصہ میں تین ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادے اسکی اردلی میں جمع ہوگئے۔ اس کے علاوہ قلعہ گولکنڈہ کے نایک واڑیوں نے بھی خود اپنی رضا و رغبت سے قلعہ کو اسکی نذر کرکے اطاعت قبول کی اور شاہزادہ ابراہیم کے آنے کی خبر سنکر عین الملک بھی ایک فوج لیکر گھنپورہ میں مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے آموجود ہوا۔

ابھی جنگ و جدال کی نوبت نہیں پہنچی تھی کہ اس اثنا میں جگدیو راؤ نے موقع پاکر گولکنڈہ کے نایک واڑیوں کو ہموار کرلیا اور ساتھ ہی اس کے ان کے نام ابراہیم کا ایک نوشتہ بھی بھیجا جس میں انکو صلہ و انعام کی نسبت بہت کچھ وعدے دیئے گئے تھے۔ ان نایک واڑیوں نے جن میں بعض ان نایک واڑیوں کے رشتہ دار بھی تھے جنھوں نے دیلکنڈہ کے قلعہ کو شاہزادہ کو نذر کیا تھا فوراً جگدیو راؤ کو رہائی دیدی۔ اور شاہزادہ سبحان قلی کو اور اس کے بعض طرفداروں کو قید کر کے بعض امرائے دربار کو جو اس کے اور عین الملک کے طرفدار تھے جھٹ پٹ ان کے مکانوں پر پہنچکر قتل کر دیا۔ اور ان کے سروں کو پہلے شہر میں پھرا کر ابراہیم قلی کے پاس بھیجدیا۔ اور اپنی خیر خواہی کا حال تحریر کر کے اس کو گولکنڈہ میں آنے کی درخواست کی اس خبر کی اشاعت سے عین الملک کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور اکثر امرا اور سپاہ شاہزادہ ابراہیم کی طرف ہو گئے۔ عین الملک نے بھی اس حالت کو دیکھکر ابراہیم سے عفو تقصیر کی درخواست کی مگر جب وہ منظور نہوئی تو خوف زدہ ہوکر اور بہت سا سامان شاہی ہمراہ لیکر کولاس کی راہ سے برار کی طرف چلاگیا۔ اس اثنا میں شاہزادہ ابراہیم بے روک ٹوک اور بغیر کشت و خون کے گولکنڈہ میں پہنچ گیا اور ۹۵۸ھ؁ میں بڑے تزک اور احتشام سے تخت سلطنت پر رونق افروز ہوا۔ اور جگدیو راؤ کو قید سے رہائی دیکر سرفراز کیا۔

ابراہیم قطب شاہ کے زمانہ کی لڑائیوں پر ایک مدبرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اکثر لڑائیاں دوسروں کو مدد دینے کے لئے کی تھیں اور ضعیف بادشاہوں کی امداد سے وہ سلاطین دکن میں مساوات قائم رکھنا چاہتا تھا اس کو یقین کامل تھا کہ اگر ان میں سے کوئی بادشاہ بھی زور دار ہو جائیگا۔ تو پھر اس کی بادشاہی قائم نہ رہیگی۔ مگر امداد میں بھی وہ مخالف کمزور کو بالکلیہ استیصال ہونے سے بچایا کرتا تھا۔ اور اپنے ساتھی کی قوت بڑھنے نہ دیتا تھا چنانچہ اس کے عہد کی

لڑائیاں جو اختصار کے ساتھ بیان کیجاتی ہیں اس کے آزمودہ کاری و دوراندیشی کو بخوبی ثابت کرتی ہیں۔

تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی اور امرائے دربار کو خطابات اور انعامات سے اور رعایا کو خیرات سے خوشدل کرتے ہی ابراہیم نے حسین نظام شاہ والی احمد نگر سے رشتہ اتحاد قائم کیا۔ جو پہلے سے بھی قائم تھا۔ جب ان دونوں بادشاہو کی گلبرگہ کے پاس ملاقات ہوئی تو بالمشافہ یہ امر قرار پایا کہ عادل شاہ اور برید شاہ کے علاقوں پر باتفاق حملہ کیا جائے اور فتح کے بعد گلبرگہ اور اس کے پرگنات پر ابراہیم اور بیدر اور اس کے مضافات پر نظام شاہ قابض ہو جائے اور اس طرح یہ دونوں ریاستیں کمزور کی جائیں اس تجویز کے مطابق قلعہ گلبرگہ کا محاصرہ کیا گیا جو سلاطین عادل شاہیہ کے تحت و تصرف میں تھا۔ قلعہ دار نے اپنے مالک سے کمک طلب کی۔ عادل شاہ نے محاصرہ کی خبر پاکر فوراً رام راج والی بیجانگر سے امداد چاہی وہ اپنا لشکر لیکر کرشنا کے کنارے آموجود ہوا۔ ادھر سے عادل شاہی لشکر بھی آکر اس کے ساتھ ہولیا۔ ابراہیم نے دیکھا کہ ان دو متفق لشکروں سے مقابلہ کرنا میرے حق میں نہایت ہی مضر ہے اور یہ خبر بھی پہنچی کہ عادل شاہ اور رام راج دونوں نے اسکے ملک میں غارتگری شروع کردی ہے اس کو فکر پیدا ہوئی۔ اس موقع پر مورخین کا اختلاف ہے صاحب تاریخ فرشتہ کا بیان ہے کہ ابراہیم نے قلعہ گلبرگہ کو فتح ہوتے دیکھکر نظام شاہ کی قوت کا بڑھنا گوارا نہ کیا راتوں رات بغیر اطلاع اپنے مستقر کیطرف روانہ ہوگیا۔ اور صاحب تاریخ قطب شاہی یہ کہتے ہیں کہ رام راج کے سمجھانے سے جو ایلچیوں کے ذریعہ سے ہوا تھا اس نے محاصرہ سے کنارہ کشی کی تھی۔ بہرحال ابراہیم نے محاصرہ سے دفعتہً دست برداری کی تو مجبوراً نظام شاہ کو بھی واپس ہونا پڑا۔ اور اس طرح سے اس کے عہد کی یہ پہلی لڑائی ختم ہوئی۔

اس چڑھائی کے بعد ابراہیم قطب شاہ نے رام راج کی امداد کے لیئے چھ ہزار سوار اور دس ہزار پیادے بیجانگر کو روانہ کئے۔ اس امداد کی ضرورت یہ تھی کہ رام راج کے بھائیوں بھیمراج اور گوبند راج نے جو قلعہ ادونی میں تھے اس سے بغاوت اختیار کی تھی اور اس کی غیبت میں جبکہ اس نے عادل شاہ کی امداد کے لیئے گلبرگہ پر بمقابلہ نظام شاہ اور قطب شاہ چڑھائی کی تھی۔ قلعہ ادونی اور دیگر پرگنات بیجانگر پر قبضہ کر لیا تھا اور آمادہ جنگ وجدال ہوگئے تھے ان کی سرکوبی کے لیئے رام راج نے ابراہیم سے یہ امداد طلب کی تھی اس اعانت کے پہنچنے کے بعد قلعہ ادونی پر فوج کشی کی گئی چھ مہینے تک محاصرہ رہا آخر بھیمراج اور گوبند راج نے زچ ہوکر اپنے بھائی رام راج سے عفو تقصیر کرائی اور رام راج نے امدادی فوج کو صلہ وانعام دیکر گولکنڈہ کو واپس کر دیا۔

اس واقعہ کے بعد ابراہیم کو ایک اندرونی بغاوت سے سابقہ پڑا جس کا مختصر حال یہ ہے کہ جگدیو راؤ کو جب اس کی خیر خواہی کے صلہ میں ابراہیم نے بیحد اقتدارات حکومت دئے تھے۔ اور اسکو فوجی اور مالی انتظامات کا ایک افسر اعلیٰ مقرر کیا۔ تو اس کے دماغ میں غرور پیدا ہوا اور اس کی بے انتہا قوت اور خود مختیارانہ حکومت سے امرا کے دلوں میں رشک وحسد کی آگ بھڑک اٹھی کہ سب کو اس نے رفتہ رفتہ بیدخل کرنا شروع کیا تھا۔ اس کے مخالفین نے موقع پاکر ابراہیم سے یہ شکایت کی کہ جگدیو راؤ بہت خود مختار ہوگیا ہے اور اپنے کارپرداز برہمن راے راؤ کے کہنے پر سب کام چھوڑ دئے ہیں وہ جیسا جی میں آتا ہے کرتا ہے۔ علاوہ ازیں جگدیو راؤ بادشاہ سے برسر بغاوت ہے۔ اس کا ارادہ یہ ہے کہ بادشاہ کو معزول کر کے دولت قلی کو اس کی جگہ قائم کرے۔ مگر ان شکایتوں کو ابراہیم نے کچھ نہ سنا اور جگدیو راؤ کی خیر خواہی کو مد نظر رکھا لیکن جب اس کا بھائی انکس راؤ بغیر اجازت

اپنی جاگیر کو چلا گیا تو اس وقت ابراہیم کے کان کھڑے ہوئے اور اس نے فوراً جگدیو راؤ کے کارپرداز اور دوسرے معتبر آدمیوں کو قتل کرا دیا۔ یہ حالت دیکھکر جگدیو راؤ دو تین ہزار سواروں اور بہت سے کوہ پیکر ہاتھی لیکر فرار ہوا۔ اور ابراہیم کے ملک کو لوٹتا مارتا ہوا ویلگندل کی راہ سے برار پہنچا یہاں اس کی بڑی خاطر و تواضع کی گئی۔ اور وہ فوراً ملازم شاہی کر لیا گیا۔ برار میں بھی اس نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے اور والی برار کے مخالفین سے خوب ہی معرکہ آرائیاں کیں جن سے اس کی قوت اور شہرت میں اس قدر ترقی ہوئی کہ آخر کار تفال خاں کو جو رکن ریاست تھا اس کے اخراج کا حکم دینا پڑا جگدیو راؤ جس کے ماتحت ایک کثیر فوج تھی ایسا نہ تھا کہ بغیر لڑے بھڑے برار سے باہر آتا۔ مگر کوئی قلعہ اس کے قابو میں نہ تھا اس لئے بمجبوری وہاں سے رخصت ہونا پڑا۔ اور وہ پانچہزار سوار اور تین ہزار پیادے ہمراہ لیکر ویلگندل کی راہ سے بیجانگر کی طرف روانہ ہوا۔ اس روانگی کی خبر پاکر ابراہیم نے ازراہ دور اندیشی مصطفےٰ خان کو پانچ ہزار سواروں کے ساتھ اس کی مدافعت کے لئے روانہ کیا کھم مٹ کے مقام پر ان دونوں لشکروں میں ایک سخت لڑائی ہوئی۔ جس میں جگدیو راؤ کا بھائی انکس راؤ جان سے مارا گیا۔ اور اس کے لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اگرچہ جگدیو نے پھر لشکر کو جمع کرنے اور دوبارہ جنگ کرنے کی سخت کوشش کی۔ مگر اس میں اس کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی اور وہ اپنے چند آدمیوں کے ساتھ بیجانگر کی طرف چلا گیا۔ اس لڑائی میں بہت مال غنیمت اور دو سو ہاتھی جن میں سے ایک تو اپنی جسامت کے اعتبار سے تمام دکن میں مشہور تھا۔ بادشاہی لشکر کے قبضہ میں آئے۔

یہ اندرونی فتنہ فرو ہو چکا تو اس کے کچھ زمانہ کے بعد عادل شاہ اور رام راج اور ابراہیم قطب شاہ نے باہم ملکر نظام شاہ پر چڑھائی کی اور احمد نگر کا

محاصرہ شروع کردیا۔ ان تینوں بادشاہوں کے باہمی اتفاق اور حملہ کی خبر پاکر نظام نے قلعہ تو اپنی والدہ آمنہ خاتون کے سپرد کیا۔ جو انتظام مملکت میں ایک قابل عورت تھی اور دولت آباد یا جنیر کی طرف خود روانہ ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ اس حملہ میں ہندوؤں نے مسلمان رعایا کی بے آبروئی اور بیعزتی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ مسجدوں میں گھوڑے باندھے گئے۔ ان کی چھتوں اور چوبینہ سے ایندھن کا کام لیا گیا۔ مسلمان عورتوں کی عفت پر دست درازیاں کی گئیں۔ غرضکہ ہندوؤں نے اپنی قدیم خصوصت کا عوض لینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ گو اس وقت ان مسلمان بادشاہوں کو ہندوؤں کے یہ افعال ناپسند ہوں۔ مگر وہ اپنی خود غرضی اور طمع ریاست کی وجہ سے ان تمام حرکات ناشائستہ کو خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہے ابراہیم قطب شاہ نے نظام شاہ کا ضعف دیکھکر اور اس بات کا یقین کر کے کہ قلعہ کے فتح ہونے میں کوئی کسر نہیں رہی حکمت عملی سے کام لیا اور بی بی آمنہ اور نظام شاہ کو خفیہ کہلا بھیجا کہ تم لوگ خاطر جمع رکھو۔ قلعہ فتح ہونے نہ پائیگا۔ ادھر تو ابراہیم نے اہل قلعہ کو پوشیدہ طور سے رسد اور مایحتاج سامان کے پہنچانے کا بندوبست کیا۔ اور ادھر رام راج کے لشکر کو صلہ و انعام سے ملا کر محاصرہ سے کنارہ کشی کی رائے دی ان خفیہ کارروائیوں کے اثر سے جب رام راج نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو عادل شاہ کو سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ اس نے رام راج سے کہا کہ "قلعہ فتح ہوا ہی چاہتا ہے آپ چند روز اور توقف فرمائیں۔ اس کے فتح کے بعد میں آپ کو قلعہ اندگی اور اس کے مضافات کو نذر گذرانونگا"۔ عادل شاہ کی اس درخواست پر رام راج نے واپسی کا ارادہ ملتوی کردیا۔ مگر اس کے بعد ہی قطب شاہ نے تخویف اور تحریص سے کام لیا۔ اور رام راج کو آکر یہ سمجھایا کہ موسم برسات کا سر پر چلا آتا ہے اور سنا جاتا ہے کہ برہان پور اور گجرات سے نظام شاہ کی امداد کے لئے فوجیں روانہ ہونے والی ہیں۔ اگر اس محاصرہ کو آپ ترک

کردینگے تو میں آپ کو مصطفے انگر یعنے کونڈپلی اور اس کے پرگنات نذر کردونگا"۔ اس طرح رام راج کو سمجھا بجھا کر خود ابراہیم اپنے لشکر کو لیکر گولکنڈہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اور یہہ حالت دیکھکر رام راج اور عادل شاہ بھی بے نیل مرام اپنے دارالسلطنتوں کو واپس ہوئے تاریخ فرشتے کے مصنف کا بیان یہ ہے کہ جب قلعہ کے فتح ہونے کا وقت قریب آیا۔ تو ابراہیم اپنی عادت کے موافق راتوں رات لشکر کا سازوسامان وہیں چھوڑکر احمدنگر سے کوچ کرگیا اور اپنے ملک کی راہ لی۔ اور اس وجہ سے عادل شاہ کو بھی محاصرہ سے دست بردار ہونا پڑا۔ بہرحال ابراہیم قطب شاہ کی مصلحت یہی تھی۔ کہ سلاطین دکن کی قوتیں برابر رہیں اور ان میں سے کوئی بادشاہ زیادہ بڑھنے نپائے۔ وہ خود جو اس لشکر کشی میں شریک ہوا تھا تو اس کی اصلی غرض یہی تھی کہ زیردست کا ساتھ دیا جائے تاکہ میری ریاست پر آنچ نہ آئے۔

ابھی ابراہیم اپنے دارالسلطنت میں پہنچنے نہ پایا تھا کہ تفال خاں ملازم عماد شاہ نے اس کی ریاست میں آکر اس کی غیبت کو مغتنم سمجھ کر کئی پرگنوں کو لوٹ کے غارت کردیا۔ اس خبر کے سنتے ہی ابراہیم نے ایک نہایت قلیل لشکر تفال خاں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کردیا جس نے مقام وار دات پر پہنچکر برابر کے لشکر سے ایک سخت لڑائی کی اور دشمن کو شکست دی بہت سا مال غنیمت لیا اور کئی امیروں کو اسیر کرکے دارالحکومت کی طرف واپس ہوا۔

اسی اثنا میں پھر حسین نظام شاہ اور ابراہیم قطب شاہ میں سلسلہ اتحاد قائم ہوا اور اس دفعہ اس سلسلہ کی مضبوطی ازدواجی تعلق سے کیگئی جو اس زمانہ میں مصلحت ملکی میں داخل تھا۔ دونوں طرف سے شروط اتحاد باہمی طے ہوگئے۔ ادھر سے نظام شاہ ادھر سے ابراہیم قطب شاہ اپنے اپنے لشکروں کو لیکر کلیانی کو روانہ ہوئے پہلے قلعہ کے متصل ایک ماہ تک جشن شادی کا رچایا گیا اور ابراہیم کا نکاح نظام شاہ کی بیٹی بی بی جمال کے ساتھ ہوا

اس کے بعد ہی کلیانی کا محاصرہ بالاتفاق کیا گیا۔ علی عادل شاہ کو محاصرہ کی خبر پہنچی تو
اس نے رام راج والی بیجانگرا اور عماد شاہ والی برار اور امیر برید تینوں سے کمک
طلب کی۔ اور ایک بہت عظیم الشان لشکر ہمراہ لیکر کلیانی کا رُخ کیا۔ قطب شاہ نے
اتنے بڑے لشکر سے مقابلہ کرنے کو خلاف مصلحت سمجھا اور پھر دونوں بادشاہ محاصرہ
اٹھا کر اپنے اپنے دارالسلطنت کو واپس ہوئے۔ مگر عادل شاہ اور رام راج وغیرہ نے
پہلے تو نظام شاہ کا تعاقب کیا اور احمد نگر تک پہنچکر شہر میں خوب لوٹ مار کی اس کے بعد
ابراہیم قطب شاہ کے ملک کا رُخ کیا آخرکار درمیانی پرگنات کو غارت کرتے ہوئے
رام راج اور عادل شاہ بلدہ گولکنڈہ سے ۱۶ کوس کے فاصلہ پر آپہنچے اور تاڑپلی میں
ڈیرے ڈالدئے۔ اُس وقت لشکر مخالفین میں جگدیو راؤ اور عین الملک دونوں موجود
تھے جو ابراہیم سے سخت بغاوتیں کرکے بھاگے تھے ان دونوں کی رائے سے رام راج
اور عادل شاہ ابراہیم کے ملک کو جابجا لوٹتے مارتے تھے اور رعایا کو غارت کرنے کیلئے
جمیعتیں روانہ کی تھیں اور نایک واڑیوں نے جگدیو راؤ کے اثر سے ابراہیم کے اُن
قلعوں کی کنجیاں رام راج کو دے دیں جن کے وہ محافظ تھے اور مخالفین سے مل گئے
اس وقت ابراہیم کے ہوش و حواس گم تھے۔ نہ تو وہ اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرسکتا تھا
جن میں چار سلطنتوں کی فوجیں جمع تھیں اور نہ اپنی محافظت کے لئے کسی سے امداد
طلب کرسکتا تھا۔ وہ اس پس و پیش ہی میں تھا کہ امیر برید نے یہ دیکھا کہ ابراہیم کی حکومت
جانے والی ہے اور اس سے مجھے بھی سخت صدمہ پہنچیگا۔ تو اس نے فوراً ابراہیم کے پاس
قاصد بھیجکر یہ سمجھایا کہ وہ رام راج سے صلح کرکے اس کو واپس کردے اس کے چلے
جانے سے باقی بادشاہ بھی اپنے اپنے ملکوں کو چلے جائینگے الغرض ابراہیم نے
مصطفےٰ خان کو اس کام پر مقرر کیا جو ایک بڑا مدبر شخص تھا اس نے پہلے تو جگدیو راؤ کو
سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا۔ جو ابراہیم کی دشمنی پر کمربستہ تھا اور پھر اس کی مدد سے رام راج کو

واپس چلے جانے پر راضی کرلیا اور اس کی درخواست کے بموجب کہنبورہ اور پانگل کے قلعے اور ان کے مضافات اس کے نذر کئے گئے۔ اس کے چلے جانیکے بعد تمام امدادی لشکر بھی اپنے اپنے مقاموں کو چلتے ہوئے۔ زیادہ سازشوں اور چالاکیوں کا نتیجہ یہ تھا کہ جو ابراہیم قطب شاہ کو بھگتنا پڑا۔ اور پھر بھی لومڑی کی سی چالاکی سے اس نے کام لیا اور شیر کے پنجے سے ایک دو گوشت کے لوتھڑے دیکر جان بچائی۔ مگر طبیعت میں تو مادہ سازش موجود تھا۔ وہ کب چپ بیٹھ سکتا تھا۔

بیرونی حملہ سے نجات پاتے ہی ابراہیم قطب شاہ نے ان ہندو زمینداروں کی خبر لی جنھوں نے رام راج کی طرفداری میں خودسری اور تمرد اختیار کیا تھا سب سے پہلے اس نے اپنے وکیل سلطنت مصطفیٰ خاں کو کیسی راؤ نایک واڑی کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا جس نے رام راج کے آنے پر بغاوت اختیار کرکے ابراہیم کے اُستاد محمد مومن قلعہ دار اندرکنڈہ کو قید کرلیا تھا۔ اور قلعہ پر خود متصرف ہوگیا تھا۔ مصطفیٰ خان نے دس ہزار سواروں اور بیس ہزار پیادوں سے قلعہ کا محاصرہ کیا اور دو ماہ میں اس کو بڑی دقت سے کشت وخون کے بعد فتح کرلیا۔ راجہ اور اس کا سارا خاندان قید کرلیا گیا۔ اور اس کے مال واسباب پر تصرف شاہی ہوگیا۔ وکیل سلطنت نے راجہ کو قتل کرنے کے بعد مومن کو قید سے رہائی دی اور بدستور سابق اس کو قلعہ سپرد کیا اور اس کے بعد ہی دوسرے متمردوں کی خبر لی جنھوں نے ابراہیم کو مجبور دیکھ کر خودسری اختیار کی تھی۔ ان فتوحات کے بعد وہ بہت سا مال غنیمت لیکر گولکنڈہ واپس آیا۔

نایک واڑیوں کے استیصال کے بعد اس سازش کی عملدرآمد کا وقت آگیا جس کو رام راج اور جگدیو راؤ نایک واڑی نے بڑی چالاکی سے چھپایا تھا۔ ہمارے ناظرین کو یہ تو معلوم ہوچکا ہے کہ جگدیو اور دوسرے نایک واڑیوں نے جن کے ہاتھ میں اس وقت تقریباً تمام ملک تلنگانہ کے قلعہ جات کا انتظام تھا جن پر بادشاہ کی

طرف سے یہی ہندو قابض و دخیل تھے ابراہیم کو بادشاہی حاصل کرنے میں بڑی مدد دی تھی اور اس بات کا علم ہمارے ناظرین کو ہے کہ جگدیو راؤ نے اس خیرخواہی کے بعد دشمنی پر کمر باندھ لی تھی۔ اس لئے جب وہ رام راج کے ساتھ ریاست گولکنڈہ میں آیا تھا۔ تو اس وقت غارتگری کے ساتھ یہ سازش بھی قائم کر گیا تھا کہ تمام نایک واڑی ایک وقت پر غدر کر دیں اور تمام قلعہ جات پر قابض اور تمام عمائدین سلطنت کو قتل کر کے اثاثہ شاہی وغیرہ پر متصرف ہو جائیں اور رام راج کی فوج آنے تک تمام قلعوں کی حفاظت کرتے رہیں۔ جگدیو کی اس سازش پر ہندو وقت مناسب کے منتظر تھے۔ جب ابراہیم نے شکار پر جانے کی تیاری کی اور تین بجے رات کے قلعہ کے دروازہ کے باہر امرا اور چند لشکری بغرض ہمراہی جمع ہوئے تو اس وقت سارو رائے نایک واڑی نے جو ان تمام نایک واڑیوں کا افسر تھا جن کے تفویض قلعہ گولکنڈہ کی حفاظت تھی یہ خیال کر کے کہ قلعہ وجود شاہی سے خالی ہے دروازہ کو بند کر دیا اور لوٹ مار مچانے لگا مگر اس کی کارروائی سے بعض مسلمان محافظین قلعہ خبردار ہو گئے اور انہوں نے دیوار قلعہ پر چڑھ کر بآواز بلند نایک واڑیوں کی نمکحرامی سے اطلاع دی نایک واڑیوں نے یہ دیکھکر کہ بادشاہ ابھی تک محل میں موجود ہے اور لشکر شاہی نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا ہے یہ بات بنائی کہ ہماری نیت غدر کی نہیں ہے۔ صرف اپنی درخواست کو بادشاہ کی خدمت میں گزارش کرنے کے لئے یہ ناشائستہ حرکت عمل میں لائی گئی ہے کیونکہ وکیل السلطنت ہماری درخواست کو سرکار میں پیش ہونے نہیں دیتا اور ہمارے اوپر سخت ظلم و ستم ڈھاتا ہے۔ اگر بادشاہ مصطفےٰ خاں کو ہمارے حوالہ کر دے تو ہم ویسے ہی مطیع و فرمانبردار ہیں" اس درخواست کے آنے پر سلطان نے چند چالاک آدمی مقرر کئے انہوں نے نایک واڑیوں کو سمجھا بجھا کر راضی کیا قلعہ کا دروازہ کھلوا لیا۔ اور اس طرح خوش تدبیری کیساتھ نایک واڑیوں کی یہ بغاوت فرو کر دی گئی

اور ان کے سرغناؤں کے قتل کے بعد اس سازش کا استیصال کر دیا گیا۔

اب ابراہیم نے ان ہندو راجوں کی سرکوبی کو بھی ضروری سمجھا جنھوں نے رام راج کے برتے پر سر اٹھایا تھا۔ اور جبکہ وہ گولکنڈہ سے ۱۶ کوس کے فاصلہ پر آگیا تھا تو انہوں نے ملک کو غارت کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان مخالفین میں سے اوڑیسہ کا راجہ سب سے اول تھا جس کے ساتھ شتاب خان کے سے دشمن لگے ہوئے تھے جن سے ملک تلنگانہ چھینا گیا تھا۔ ان کی سرکوبی کے لئے ابراہیم نے ایک کافی لشکر روانہ کیا جس نے پہلے تو راجمندری پر قبضہ کیا۔ اور پھر لگے ہاتھوں نردول ویلی سر تاتپاک کو فتح کر لیا۔ اس لڑائی میں اطراف و جوانب کے تمام راجے بحیثیت اجتماعی اہل اسلام کے مقابلہ میں آگئے تھے۔ جن سے اور مسلمانوں سے بڑی معرکہ آرا لڑایاں ہوئیں جن میں دیورکنڈہ کا راجہ تو مارا گیا اور اوڑیسہ کا راجہ زندہ اسیر ہوا جب یہ سب راجگان دکن قید ہو کر گولکنڈہ میں آئے۔ تو ابراہیم نے بذات خاص اوڑیسہ کی طرف رخ کیا اور اس کے اکثر پرگنات کو پاک وصاف کر کے داخل خالصہ کر لیا۔

اب ابراہیم قطب شاہ اندرونی بغاوتوں اور سرحدی لڑائیوں سے فارغ ہوا جو صرف رام راج کے اثر سے اس کے ہندو رعایا اور راجگان اطراف و جوانب نے اختیار کی تھیں۔ تو مصمم ارادہ کیا کہ بیجانگر کا استیصال سب سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ اس وقت رام راج کی قوت تمام سلاطین دکن سے بڑھی ہوئی تھی اور اس کا ملک کرشنا سے راس کماری تک اور مغربی سمندر سے مشرقی ساحل تک وسیع تھا اسکی دولت اور رعایا کی آسودگی بھی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ اور اس تمام قوت اور عظمت کے ساتھ اس میں اپنی فوجی اور مالی کامیابیوں کی وجہ سے اس قدر غرور بڑھ گیا تھا کہ وہ ان تمام پانچوں بادشاہوں کو جو سلطنت بہمنی کی ٹوٹنے سے پیدا ہو گئے تھی۔ بڑی حقارت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ بہت جلد ان

پانچوں کو ہضم کر جائے۔ اور تمام ملک دکن میں ہندوؤں کا قبضہ ہو جائے۔ اور یہ بات اس کے لئے اب بہت آسان ہو گئی تھی۔ کیونکہ اول تو ملک دکن کا ایک بہت بڑا حصہ اس کے زیر فرمان تھا۔ دوم تمام دکن کے ہندو راجہ جو مسلمانوں کے قرب وجوار میں تھے۔ یا جوان کے ساتھ دوستی اور اتحاد ظاہر کرتے تھے سب کے سب دل سے رام راج کے مطیع فرمان اور اس کی حکومت کے امیدوار اور مسلمانوں کے نیست و نابود ہونے کے خواستگار تھے۔ ان تمام وجوہ پر غور کرنے سے ابراہیم اصل بات کی تہ کو پہنچ گیا اور سب سے پہلے اس کے روشن دماغ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمان بادشاہوں کے درمیان ایک مجلس اتحاد قائم کرنی چاہیئے۔ اور اس کے ذریعہ سے بیجانگر کی ریاست کو بالکل قلع وقمع کر دینا انسب ہے۔ یہ منصوبہ باندھ کر اس نے اپنے مدبر اور ذیعقل کارکنوں کو احمد نگر اور بیجاپور بھیجا اور کئی ماہ تک خفیہ طور پر قطب شاہ عادل شاہ نظام شاہ اور ملک برید میں باہم اس اتحاد کے متعلق رسل ورسائل جاری رہے ان چاروں بادشاہوں کے ایلچی اتحاد باہمی اور صلح کی پختگی میں کارگذاریاں دکھاتے رہے۔ قطب شاہ ہی کے دماغ کی یہ تجویز تھی اس لئے اسی نے باہمی معاہدت اور اتحاد کا ذمہ لیا تھا۔ آخر کار نظام شاہ اور عادل شاہ کے مابین ازدواجی رشتہ قائم کیا گیا اور چاند بی بی دختر نظام شاہ کی شادی علی عادل شاہ سے ہوئی اور شولاپور کا قلعہ جس کی نسبت ان دونوں بادشاہوں میں نزاع تھی جہیز میں دیا گیا اور علی عادل شاہ کی بہن ہدیہ سلطانہ نظام شاہ کے بیٹے کیساتھ بیاہی گئی۔ اور اسی طرح اور مختلف ذرائع سے ان چاروں خودمختار بادشاہوں میں قطب شاہ کی کوشش سے اتحاد قائم ہوا اور وہ سب اپنے لشکروں کو ہمراہ لیکر بیجاپور کے متصل جمع ہوئے اور سب نے باہمی شوریٰ اور عہد وپیماں کے بعد بیجانگر پر فوج کشی کی۔ یہ لڑائی تالی کوٹہ کے پاس ہوئی تھی جس میں اتفاق کی برکت سے بیجانگر کا استیصال کر دیا گیا پچتر ہزار سوار اور نو لاکھ پیادے لشکر

اسلام سے شکست کھا کر بھاگ نکلے رام راج اپنے غرور کی وجہ سے ان بادشاہوں کی فوج کشی کو بچوں کا کھیل سمجھا تھا۔لیکن صف آرائی کے بعد جو فنون جنگ مسلمانوں سے ظاہر ہوئے انہوں نے اس کے نشہ غرور کو اتار دیا۔اور ایک سخت لڑائی کے بعد رام راج مارا گیا۔اور اس کا سر کاٹ کر نیزہ پر بلند کیا گیا جس کے دیکھنے سے لشکر مخالفین کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ اطراف وجوانب میں بھاگنے لگے۔مگر اہل اسلام نے انکا تعاقب کر کے اسقدر خون بہایا کہ جو ندی میدان جنگ کے قریب بہ رہی تھی اس کا پانی کشتوں کے لہو سے لال ہو گیا۔اس کشت وخون کے بعد رام راج کا پایہ تخت اس طرح غارت کیا گیا کہ اس کے بعد وہ کبھی آباد نہ ہوا اور اس قدر مال غنیمت اور بے شمار ہیرے اور جواہر لشکر اسلام کے ہاتھ آئے جن کا شمار ہو نہیں سکتا تھا۔اس شکست وغارتگری کے بعد دکن سے ہندوؤں کا استیصال ہو گیا جمادی الآخرہ ۹۷۲ھ کی بیسویں تاریخ تھی کہ رام راج کی سب قوت اور عظمت رخصت ہوئی اور مسلمان بادشاہوں کی جان بچی جنہیں وہ ہضم کرنا چاہتا تھا۔اگرچہ تھوڑی ہی مدت کے بعد یہ باہم لڑنے جھگڑنے والے بادشاہ بھی مغلوں کا شکار ہو گئے۔مگر مذہبی اور قومی اعتبار سے کچھ نقصان نہیں ہوا جس دہلی کی سلطنت سے دکن جدا ہو کر خود مختار رہوا تھا۔پھر ایک مدت دراز کے بعد اسی میں ملا لیا گیا جس سے قومیت کو کوئی زوال نہ ہوا۔اگر رام راج کو شکست نہ دیجاتی تو ناممکن تھا کہ مسلمان دکن میں ٹھیرتے بلکہ خوف تھا کہ مغلوں کی سلطنت کے حدود ارضی یہاں تک نہ پہنچنے پاتے اور ایک مدت دراز تک بوجہ تعداد کثیر کے ہندو مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہتے۔

رام راج سے قوی دشمن کے فنا ہوتے ہی پھر ان بادشاہوں نے آپس میں بدستور سابق لڑائی جھگڑے شروع کئے۔اور ایک دوسرے کو باہمی مخالفتوں میں مدد دینے لگے۔سب سے پہلے علی عادل شاہ نے احمد نگر پر فوج کشی کر دی۔اس

خبر کے پاتے ہی مرتضیٰ نظام شاہ نے جو دیوانہ کے لقب سے مشہور تھا اور جو برائے نام بادشاہ تھا اپنی والدہ کی رائے سے جو تمام سلطنت کا کام بذات خود چلاتی تھی ابراہیم قطب شاہ سے امداد طلب کی۔ اور خود اپنی والدہ اور دوسرے امیروں کو ہمراہ لیکر نقال خاں کے پاس برار میں بھاگ آیا اور وہاں سے کولاس کی طرف روانہ ہوا۔ ادھر سے قطب شاہ بھی فوج لیکر اس کی ملاقات کے لئے روانہ ہوا اور ان دونوں بادشاہوں میں قندھار اور کولاس کے درمیان کسی مقام پر ملاقات ہوئی اور باتفاق بیجاپور پر چڑھائی کر دی ان دونوں بادشاہوں کے اتفاق کے سنتے ہی علی عادل شاہ احمد نگر سے واپس ہوا۔ اور دہی فوج دشمنوں کے مقابلہ کے لئے بیجاپور بھیجدی اور خود کوکن کیطرف چلتا ہوا۔ اور قطب شاہ کو ایک تحریر بھیجی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نظام شاہ سے علیحدہ ہو جائے۔ اس تحریر کے بموجب قطب شاہ نے مرتضیٰ نظام شاہ کو دم دلاسا دیکر محاصرہ اٹھا دینے پر راضی کیا اور اس کو واپسی کی ترغیب دی مگر صاحب تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں کہ "خود قطب شاہ نے عادل شاہ کو یہ لکھا تھا کہ میں بظاہر نظام شاہ کی طرف ہوں۔ مگر باطن میں آپکی جانب آپ خاطر جمع فرمائے آپکو کوئی نقصان پہنچایا نہ جائیگا۔ اس تحریر کو عادل شاہ کے سفیر نے خلوت میں نظام شاہ کو دکھایا اُس نے غصہ میں آکر فوراً قطب شاہ کے لشکر کو لوٹ لیا اور قطب شاہ یہ حالت دیکھکر رات کو تن تنہا وہاں سے روانہ ہوگیا۔ ان دونوں مورخین کے بیان سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ قطب شاہ نے اپنی عادت کے موافق بیجاپوریوں کو مغلوب ہوتے ہوئے دیکھکر علیحدگی اختیار کی تھی اور اس چال سے دشمنوں کو کمزور کیا تھا۔

اس واقعہ کے بعد ہی نظام شاہ اور عادل شاہ میں جو ابھی تک ایک دوسرے کے دشمن جانی تھے۔ پھر اتحاد اور دوستی قائم ہوئی اور یہ رائے

قرار پائی کہ ملک برار اور ملک تلنگانہ کو فتح کر کے باہم تقسیم کرلیں غرض دونوں متلون مزاج بادشاہوں نے ملکر پہلے برار پر چڑھائی کی اور قلعہ کاویل کا محاصرہ کرلیا۔ والی برار نے عادل شاہ کو رشوت دیکر محاصرہ اٹھا دینے کے لئے کہا اور عادل شاہ نے دو لک ہون اور پچاس ہاتھی اور تحفہ وتحایف لیکر حسین نظام شاہ کو کاویل کا محاصرہ اٹھا دینے اور گولکنڈہ پر فوج کشی کرنے کی ترغیب وتحریص دی اور اس کو اپنے ساتھ لیکر تلنگانہ میں داخل ہوا۔ ادھر سے قطب شاہ نے بھی جنگ کے لئے اپنا مختصر لشکر بھیجدیا۔ جس کو لڑائی کی ضرورت ہی واقع نہ ہوئی۔ کیونکہ کاویل سے دونوں لشکر کے روانہ ہونے کے بعد عادل شاہ کے بعض سپاہیوں نے جو ایک جگہ کمینگاہ میں بٹھائے گئے تھے نظام شاہ کی فوج پر چھاپہ مارا۔ اور پھران دونوں بادشاہوں میں جو ایک دوسرے کی امداد کے لئے جمع ہوئے تھے۔ لڑائی ہو پڑی اور جانبین سے جانیں تلف ہوئیں۔ مگر معزز اشخاص کے بیچ میں پڑجانے سے اس بات پر صلح ہوئی کہ پہلے ایک بادشاہ لشکر لیکر چلا جائے پھر دوسرا بادشاہ روانہ ہو۔ آخرکار آپسیں لڑ بھڑ کر یہہ دونوں بادشاہ جو متفق ہوکر گولکنڈہ کو فتح کرنے آئے تھے۔ واپس چلے گئے۔ اور قطب شاہ خوش قسمتی سے بلوہ بچگیا۔ ان واقعات سے بخوبی ثابت ہے کہ دکن میں ان بادشاہوں کے وجود سے امن وامان قائم نہ تھا اور ان کی طرز حکومت نہایت ہی قابل نفرت تھی جب نظام شاہ اور علی عادل شاہ اپنی اپنی دارالسلطنت میں پہنچے تو قطب شاہ نے پھر نظام شاہ سے دوستی اور اتحاد کا پیام بھیجا اور ادھر سے نظام شاہ نے ایلچی روانہ کئے۔ باہمی نامہ وپیام کے بعد پھر دونوں میں اتحاد قائم ہوا اور کرشنا کے کنارے باہمی ملاقات کی ٹھیر گئی۔ اس میں ایلتمراج والی بیجانگر بھی شریک کیا گیا جس کی ریاست انہوں نے باہم ملکر تباہ کی تھی۔ جب نظام شاہ قطب شاہ اور ایلتمراج تینوں اپنی فوجوں کے ساتھ

کرشنا کے کنارے پہنچے اور بعد باہمی مشورہ کے یہہ امر قرار پایا کہ بحیثیت مجموعی بیجاپور کو فتح کیا جائے۔ تو اس وقت ایک ایسا فساد ہوا کہ جس کی وجہ سے انھیں پھوٹ پڑ گئی۔ اور فساد کی وجہ یہہ تھی کہ ملیتراج تو اس امید سے امداد دینے کے لئے آیا تھا۔ کہ جو ملک اس کے باپ کے مارے جانے کے بعد عادل شاہ نے لے لیا تھا وہ واپس ملجائیگا مگر اس درخواست کے جواب میں وہ آمادہ بفساد ہوگیا۔ اور قریب تھا کہ نظام شاہ اور ملیتراج میں لڑائی ہو پڑے کہ قطب شاہ نے بیچ میں پڑکر جنگ وجدال کو ملتوی کیا اور ملیتراج کو سمجھا بجھا کر اس کے ملک کی طرف روانہ کر دیا اور نظام شاہ نے بھی اپنے ملک کا رخ کیا۔ مگر عادل شاہ نے پہلے ہی اس کی راہ روک رکھی تھی۔ اس لئے براہ راست احمد نگر کو جانا خطرہ سے خالی نہ تھا ان خرابیوں کے لحاظ سے نظام شاہ نے قطب شاہ کے ملک میں سے ہو کر اپنے پایہ تخت کی راہ لی اور اثنائے راہ میں اس کے ملک کو غارت کرنا شروع کیا قطب شاہ نے بھی اپنے سرداروں کو اس کے مقابلہ کا حکم دیا غرضکہ ان دونوں لشکروں میں جانبین سے خوب ہی آتش قتال وجدال گرم رہی اور طرفین کے لوگ مارے گئے۔ اور آخرکار نظام شاہ گرتا پڑتا اپنے ملک کو واپس آیا۔ دنیا کی کسی تاریخ میں اس قدر تلون اور بے ثباتی بادشاہوں میں شاید ہی کہیں پائی جاتی ہو جو دکن کے ان چھوٹے چھوٹے بادشاہوں میں موجود تھی۔ واقعی یہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں طوایف الملوکی کا پورا نمونہ تھیں۔

اس واقعہ کے بعد قطب شاہ نے اپنے ملک کی سرحدی رجواڑوں پر فوج کشی کی اور راجمندری قاسم کوٹہ اور دیورپلی وغیرہ قلعوں کو یکے بعد دیگرے فتح کرلیا۔ اگرچہ ان مستحکم مقامات کے استیصال میں قطب شاہ کو بہت لڑنا پڑا۔ مگر اس کشت وخون کے بعد وہ سب استحکامات قبضہ میں آگئے۔ اور اس کی سلطنت کا

دائرہ جانب شرقی میں خلیج بنگال تک وسیع ہوگیا۔

ان سرحدی جھگڑوں کو طے کرکے پھر قطب شاہ نظام شاہ کی امداد کے لئے تیار ہوگیا اور عادل شاہ سے لڑنے کے لئے احمدنگر کو روانہ ہوا۔ عادل شاہی فوجیں نظام شاہ کے ملک میں آگئی تھیں۔ اور دونوں طرف سے لڑائیاں بھی شروع ہوگئی تھیں جب نظام شاہ اور قطب شاہ میں باہم ملاقات ہوئی۔ تو گذشتہ بیوفائیوں کی شکایتوں کے بعد پھر عہدوپیماں باندھے گئے۔ اور ان کے استحکام کے لئے مغلظ قسمیں کھائی گئیں۔ اور باہمی مشورہ سے یہ امر قرار پایا کہ بیجاپور کو فتح کرلینا چاہیئے۔ جب اس باہمی اتحاد اور دوستی کی خبر عادل شاہ کے کان میں پہنچی۔ تو وہ بہت گھبرایا اور اس کے لوگوں میں سے ایک نہایت ہی عیار اور حیلہ ساز شخص نے اس بات کا بیڑا اٹھایا کہ وہ ان دونوں میں دشمنی پیدا کردیگا اور یہ وعدہ کرکے وہ احمدنگر کی طرف روانہ ہوا۔ شہر میں پہنچکر اس نے نظام شاہ کے عرض بیگی کو رشوت دیکر ملالیا جس نے اس کو تنہائی میں بادشاہ کے روبرو پیش کردیا۔ اس مکار نے بادشاہ کے پاؤں پہ سر رکھدیا اور کچھ ایسے باتیں بنائیں کہ نظام شاہ علی عادل شاہ کا دوست اور قطب شاہ کا دشمن ہوگیا۔ اس نے عادل شاہ کیطرف سے یہ پیام دیا کہ اس وقت قطب شاہ اور برید شاہ دونوں کو کسی فریب سے گرفتار کرلیا جائے۔ اور ان دونوں کا ملک باہم تقسیم ہوجائے۔ بیدر پر تو نظام شاہ قبضہ کرے اور تلنگانہ پر عادل شاہ قابض ہوجائے۔ اس تجویز کو نظام شاہ نے جو ابھی قطب شاہ کی دوستی پر قرآن اٹھاچکا تھا قبول کرلیا اور قطب شاہ کی گرفتاری کی فکر میں ہوگیا۔ مگر جاسوسوں نے اس خفیہ راز کو فوراً قطب شاہ کے کان تک پہنچادیا۔ یہ اُسی وقت احمدنگر سے بھاگا دشمن کے لشکر نے اس کا پیچھا کیا اس بھاگڑ میں قطب شاہ کو ڈھیر کر اپنی فوج کو بچانا پڑا بہت نقصان اٹھاکر بیدر میں پہنچا۔ برید شاہ نے اس کی خاطر و تواضع کی اور بہت کچھ تحفہ

وتحایف دیکر رخصت کیا۔ فائدہ کے عوض مضرت اٹھاکر قطب شاہ اپنے پایہ تخت میں واپس تو آیا۔ مگر اس کے دلمیں اس بدعہدی اور بیمروتی پر جو نظام شاہ سے ظہور میں آئی سخت رنج اور غصہ تھا۔ اس لئے اس نے رسل ورسائل اور نامہ پیام سے کام لیا اور پہلے نقال خان والی برار کو اپنی طرف کرلیا اور پھر برید شاہ اور عادل سے دوستی قائم کی جب یہ باہمی اتحاد ہر طرح سے مضبوط ہوگیا تو وہ برار اور بیدر کے لشکروں کے ساتھ بیجاپور کی طرف بغرض ملاقات عادل شاہ روانہ ہوا۔ تاکہ اس کو بھی اپنے ہمراہ لیکر احمد نگر پر حملہ کرے اور نظام شاہ کو نیچا دکھائے۔ مگر نظام شاہ نے اس درمیان میں یہہ چالاکی کی کہ قطب شاہ کے پہنچنے سے پہلے بیجاپور کے متصل عادل شاہ سے ملاقات کی اور اس کو سمجھا بجھا کے اپنی طرف توڑ لیا۔ اور یہ خبر پاکر قطب شاہ اُلٹے پاؤں گولکنڈہ کی طرف واپس آیا۔ مگر نظام شاہ اور عادل شاہ دونوں نے باہم ملکر اس کے ملک پر فوج کشی کی اور جابجا اس کی ریاست کو غارت کرنے لگے۔ یہہ حالت دیکھکر قطب شاہ نے بھی چار ہزار سوار مخالفین کی سرکوبی کے لئے متعین کئے اور انہیں تاکید کردی کہ سرمکھ ہوکر نہ لڑیں۔ صرف ڈاکوؤں اور چوروں کی طرح دشمنوں کے لشکروں کو لوٹا کریں۔ اس حکم کیساتھ اس نے دشمنوں کی ناک اور کان کاٹ لانے کے لئے انعام بھی مقرر کیا۔ ناک کے لانے پر ایک ہون اور کان کے لانے پر ایک پرتاب دینے کا وعدہ فرمایا۔ آخر کار قطب شاہ کے آدمیوں نے نظام شاہ اور عادل شاہ کے لشکریوں کا ناک میں دم کردیا اور رات کو ان کے لشکروں کے سپاہی دو دو سو اور تین تین سو کی تعداد میں مارے جانے لگے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دونوں بادشاہ بے نیل مرام اپنے اپنے پایہ تخت کو واپس چلے گئے۔

اس معرکہ میں سرداران قوم برگی نے علی عادل شاہ کی مدد کی تھی اور ان کے تین سرداروں جوت راؤ۔ دیونایک اور ہوجبل نایک نے قطب شاہ کے

ملک کو غارت کیا تھا جب علی عادل شاہ اپنے پایہ تخت کو واپس گیا۔ تو قطب شاہ نے پانچہزار سوار ان کے دفع کرنے کے لئے روانہ کئے اور سخت لڑائی کے بعد جس میں طرفین سے بہت کشت وخون برپا ہوا ان تینوں نایکوں کو شکست ہوئی اور لشکر قطب شاہی فاتح ومنصور دارالسلطنت گولکنڈہ کو واپس آیا۔

علی عادل شاہ اور نظام شاہ تلنگانہ سے واپس ہونے لگے تو پھر انہوں نے اثنائے راہ میں باہم مشورت کرکے بیدر اور کولاس پر حملہ کیا۔ اور قطب شاہ کے ملک کو تاراج کرنا شروع کیا۔ قطب شاہ نے بھی ان کے تعاقب میں ایک کافی لشکر روانہ کیا جس نے کولاس اور دیگلور کے مقاموں پر شجاعت کے جوہر دکھائے۔ اس موقع پر بھی دکھنی اور غیر ملکی سپاہ میں آتش حسد مشتعل ہوئی تھی اور دکھنیوں نے لڑنے سے جی چرایا تھا۔ کیونکہ ہر فتح غیر ملکیوں کے نام سے منسوب کیجاتی تھی جس کو یہ غیر ملکی اپنی جان دیکر خریدا کرتے تھے۔ قطب شاہ نے دکھنیوں کو دھمکایا کہ اختتام جنگ کے بعد ان کی غفلت کی اچھی طرح خبر لیجائیگی۔ اس پر دکھنیوں نے سپہ سالار امیر شاہ محمد انجو سے یہ درخواست کی کہ وہ بھی کسی حملہ میں علحدہ مقرر کیئے جائیں تاکہ ان کی جان نثاری بادشاہ پہ ظاہر ہو جائے۔ اس درخواست پر انجو نے غیر ملکیوں کو بیجاپور روانہ کر دیا کہ وہاں پہنچکر عادل شاہ کے ملک کو تاراج کریں اور دکھنیوں کو مخالفین سے لڑنے کے لئے حکم دیا اس دفعہ دکھنی بھی جان توڑ کر لڑے مگر مخالفوں کے دو لشکر تھے جن کی تعداد کچھ بڑی ہوئی تھی۔ دکھنیوں کے پاؤں اکھڑا ہی چاہتے تھے کہ غیر ملکی لشکر جو بیجاپور کو بھیجا گیا تھا واپس آگیا کہ فتح کی ناموری حاصل کریں میدان جنگ میں انکا اس وقت پہنچا جب کہ قطب شاہی لشکر کو شکست ہونے والی تھی محض ایک امر اتفاقی تھا جس کو بادشاہ کے اقبال سے منسوب کیا جاسکتا ہے ان کے آتے ہی مخالفین کو بجز بھاگنے کے اور کچھ بن نہیں آئی اور وہ پسپا ہوکر اور

قتل گاہ میں اثاث لشکر چھوڑ چھوڑ کر اپنے اپنے ملکوں کو بے نیل مرام واپس گئے اور قطب شاہ کا لشکر فاتح و منصور دارالسلطنت کی طرف روانہ ہوا۔

اس جنگ و جدال کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد قطب شاہ بیجانگر کے راجہ سرنگ راج کے امداد کے لئے روانہ ہوا۔ کیونکہ عادل شاہ نے لشکر کشی کر کے قلعہ بیجانگر کا محاصرہ کیا تھا اور وہ اس کے تمام ملک کو ہضم کرنا چاہتا تھا قطب شاہ نے سپہ سالار لشکر محمد انجو کو بیجاپور کی سرحد میں جا کر غارتگری کا حکم دیا۔ جب قطب شاہ اس سرحد میں داخل ہوا تو سپہ سالار عادل شاہ کے ملک کو خوب تباہ کر کے واپس آچکا تھا۔ اس واقعہ کی خبر پاتے ہی عادل شاہی لشکر بیجانگر کے محاصرہ کو چھوڑ کر اپنے ملک کی حفاظت کے لئے چلا گیا۔ ادھر سے سرنگ راج بھی قطب شاہ کی ملاقات کو اپنی سرحد پر پہنچا اور بہت سے تحفہ و تحائف قطب شاہ کو نذر دیے عادل شاہ نے محاصرہ اٹھا دیا تھا اس لئے قطب شاہ بھی بیجانگر سے اپنے پایہ تخت گولکنڈہ کو واپس آگیا۔

قطب شاہ نے چند سال لشکر کو آرام دینے کے بعد کونڈھیر وغیرہ قلعہ کو فتح کرنے کے لئے فوج روانہ کی۔ اس فوج کشی کا سبب یہ تھا کہ وینکٹا دری۔ اور کھوری اور تمراج اور نرسنگراؤ نے معمولی سالانہ خراج بھیجنا موقوف کر دیا تھا اور قطب شاہ کے ملک پر دست درازیاں بھی کی تھیں جبکہ وہ نظام شاہی و عادل شاہی لشکروں سے مقابلہ کر رہا تھا۔ ہندوستان کے ماتحت ریاستوں کا یہ خاصہ رہا ہے کہ جب وہ اپنے بالادست کو کمزور دیکھتے ہیں تو فوراً حلقۂ اطاعت سے نکل کر اسی کے ملک پر ہاتھ صاف کرنے لگتے ہیں اور اس وقت تمام احسانوں کو اور اپنے شکستوں کو بھول جاتے ہیں مسلمان سلاطین کی عادت تھی کہ ہمیشہ ملک فتح کر کے ان کے مالکوں ہی کو واپس دیدیا کرتے تھے اس لئے ان کی ماتحت ریاستیں ہمیشہ موقع پا کر ان سے منحرف ہوجایا کرتی تھیں۔ ان راجاؤں نے بھی خود مختاری کی ہوس کی تھی۔ مگر اس دفعہ ان کی

سرکوبی اچھی طرح سے کی گئی۔ اور ایک فوج بھیجکر قطب شاہ نے ان تمام قلعوں پر ۹۸۶ھ میں قبضہ کرلیا۔

یہ ادھر سے مطمئن ہوا تھا کہ نظام شاہ نے بیدر کے فتح کرنے کا ارادہ کیا اور قطب شاہ سے امداد طلب کی۔ قطب شاہ کئی مرتبہ نظام شاہ کی بیوفائی دیکھ چکا تھا پھر بھی ہوس ملک گیری کی وجہ سے کمک پر آمادہ ہوگیا اور ان دونوں بادشاہوں نے باہم ملکر قلعہ بیدر کا محاصرہ شروع کیا۔ ادھر امیر برید نے بھی عادل شاہ سے امداد طلب کی اور اُس نے بھی اس کی مدد کے لئے ایک لشکر جرار بھیجدیا۔ اس اثنا میں نظام شاہ اور قطب شاہ دونوں نے علی عادل شاہ کے انتقال کی خبر سنی اور یہہ دیکھکر کہ تخت پر ایک کمسن بادشاہ برائے نام بٹھایا گیا ہے اور کل ریاست کا حل وعقد ایک پردہ نشین عورت چاندبی بی کے ہاتھ میں ہے فوراً بیجاپور پر چڑھائی کردی اور شہر پناہ کا محاصرہ کرلیا مگر کامیابی نہ ہوئی آخرکار بہت کشت وخون کے بعد دونوں بادشاہوں کے لشکر اپنے مستقر کو واپس آئے ان تمام لڑائیوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں طوائف الملوکی کیوجہ سے تمام ملک دکن ایک نہایت ہی بدامنی کی حالت میں تھا اور ان بادشاہونکا وجود وبا اور طاعون کے مہلک امراض سے زیادہ ملک ورعایا کے لئے خطرناک تھا۔

ان تمام جھگڑے اور لڑائیوں کے بعد جن میں ابراہیم قطب شاہ کی تقریباً ساری عمر ضائع ہوئی تھی ۱۵۸۰ء میں وہ دام اجل کا شکار ہوا اور عارضہ تپ محرقہ سے جس کو اس زمانہ میں ٹائیفیڈ فیور کہتے ہیں راہی ملک بقا ہوا اس کی عمر ۵۱ برس کی تھی اور تقریباً ۳۲ سال وہ تخت گولکنڈہ پر جلوہ فرما رہا تھا۔

ابراہیم قطب شاہ ایک بہت بڑا مدبر حیلہ ساز چالاک دوراندیش شخص تھا۔ مگر ساتھ اُس کے سختی بھی اس کی طبیعت میں بہت بڑھی ہوئی تھی۔ جو شاید اس زمانہ کے

انتظام کے لئے ضروری ہوگی۔ وہ مجرمین کو اس قدر سخت سزا دیتا تھا جس کے بیان سے نفرت ہوتی ہے۔ بعض اوقات اس کے سامنے برتن میں گنہگاروں کے ناخن اور انگلیاں لائی جاتی تھیں جو کوڑوں کی سخت ضربوں سے الگ کیجاتی تھیں اور انہیں دیکھکر وہ خوش ہوتا تھا۔ اُس نے اپنے جوان بیٹے کو جو اچھا پڑھا لکھا ہوا شاہزادہ تھا صرف اس درخواست پر قید کر دیا تھا کہ ایک لڑائی میں اس نے بھی شجاعت دکھانے اور مخالفین سے لڑنے کی اجازت طلب کی تھی بدگمانی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس خیال پر شاہزادہ کو زہر دلوا دیا کہ کہیں بغاوت پر آمادہ نہو جائے۔ اس کے بھائی جمشید نے اپنے باپ کو قتل کرایا تھا۔ اس نے اپنے لخت جگر بیٹے کو زہر سے مروا ڈالا۔ گویا پدرکشی اور پسرکشی بھی اس خاندان میں موجود تھی۔ اس درشتی و سختی کے ساتھ اس میں محبت کا مادہ بھی موجود تھا۔ رائے راؤ برہمن پر اس قدر مہربان تھا کہ روزانہ اس کے لئے سرکاری خزانہ سے پاؤ سیر مشک وعنبر و عود دو من صندل عطر وغیرہ خوشبو کی چیزیں اور کئی ہزار پان بھیجے جاتے تھے وہ بھی بادشاہ کا ایسا تابع تھا کہ باوجود اس کے کہ بت پرست تھا۔ اس کی خوشنودی کے لئے جب مرتضیٰ نگر پر لشکر کشی کی تو وہاں ایک بتخانہ کو غارت کر کے بہت سے سونے چاندی کے بت اور مندر کی دولت کثیر نذر دینے کو لایا۔

باوجود ان نقائص کے وہ خود بھی ذی علم تھا اور اہل فضل و کمال کی قدردانی کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے مجلسوں میں اکثر اہل علم شریک ہوا کرتے تھے علمی اور مذہبی مباحثے گرم رہتے تھے۔ اور وہ ان مباحثوں سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ دوسرے ملک کے تاجروں اور سوداگروں کے ساتھ بھی بڑی سیرچشمی سے پیش آتا تھا۔ تمام ملک تلنگانہ میں سے کہ ڈاکوؤں اور چوروں کا مسکن تھا ڈاکے اور دزدی کا ایسا استیصال کر دیا تھا کہ ایک بڑھیا اس کے تمام ملک میں تنہا سونا اچھالتے ہوئے پھر سکتی تھی اور کسی کو اتنی مجال نہ تھی کہ وہ اس کے طرف نظر اٹھا کے دیکھے۔ یہ

اسی عمدہ انتظام کا نتیجہ تھا کہ اس کے ملک میں تجارت بہت ترقی کر گئی تھی اور گولکنڈہ میں اس وقت ولایت اور دوسرے ممالک کے تاجر موجود تھے۔ اور اکثر یہاں نہایت ہی قیمتی اور نادراشیا لائے جاتے تھے۔ اس خوش انتظامی کے ساتھ اس میں سخاوت بھی تھی اس کا دسترخوان رات دن بچھا رہتا تھا جس پر اقسام اقسام کے کھانے چنے رہتے تھے۔ اور ہر شخص کو اس پر بیٹھکر کھانے کی اجازت تھی۔ چنانچہ خاص و عام سب اس کے دسترخوان سے فیض یاب ہوتے تھے۔ اس کا مذہب شیعہ تھا۔ مگر اس میں تعصب پایا نہیں جاتا بعض اوقات شیعہ بادشاہوں کے مقابلہ میں اس نے سنی بلکہ کافر راجاؤں کی بھی امداد کی ہے اس کو علم تاریخ سے خاص ذوق تھا اور امور سلطنت کی طرف بذات خود اسقدر متوجہ اور منہمک رہتا تھا کہ اس سے زیادہ کوئی بادشاہ دنیا میں کام نہیں کرسکتا۔ اس کی بیدار مغزی کا حال یہ تھا کہ اس کو لوگوں کے گھروں تک کی باتیں معلوم رہتی تھیں اور ہر جگہ کی ذرا ذرا سی خبریں اس کو پہنچتی تھیں۔ خفیہ پولیس کا جو انتظام اس نے اسوقت کیا تھا شاید ہی اس سے زیادہ اس روشن زمانہ میں کہیں موجود ہوگا۔

اس کی اولاد کی کل تعداد ۲۰ تھی جن میں سے اس کی موت کے وقت چھ بیٹے اور تیرہ بیٹیاں زندہ تھیں تعمیرات کے لحاظ سے بھی اس کا زمانہ کچھ کم نہ تھا۔ اسی کے عہد میں گولکنڈہ کا بالا حصار فصیل مساجد و مدارس۔ لنگر دروازہ۔ امام باغ ابراہیم باغ گلشن حسین ساگر تالاب۔ کٹورہ کنکور۔ کٹھورہ پیدول وغیرہ عالیشان عمارتیں تعمیر ہوئیں جن میں سے بعض اب تک موجود ہیں۔

اگرچہ اپنے باپ کی طرح اس نے زیادہ ملک تو فتح نہیں کیا تاہم باوجود بیرونی مدافعتوں کے اس نے اڑیسہ راجمندری اور کوندھیر وغیرہ اقطاع کو بالکل فتح کرکے اپنے ملک کا صوبہ بنا لیا تھا۔

محمد قلی قطب شاہ

ابراہیم قطب شاہ کے انتقال کے بعد بڑا بیٹا محمد قلی اس کا جانشین ہوا اور امور سلطنت کو شائستگی اور انتظام کے ساتھ سرانجام دینے لگا۔ باپ کی طرح اس کا عہد حکومت بیرونی بادشاہوں سے لڑنے میں زیادہ نہیں گذرا۔ ایک یا دو لڑائیوں کے بعد جو کچھ خانہ جنگیاں ہوئیں وہ سب اندرونی اور سرحدی تھیں۔ یہ بات بھی تعجب سے خالی نہیں کہ اس کے عہد کی اکثر لڑائیاں اور سرکشیاں ہندو راجہ اور امرا کے ساتھ واقع ہوئیں۔ اس کے آبا و اجداد کو خارجی جنگ و جدال سے فرصت نہ تھی۔ مگر اس کو کچھ داخلی فتنہ و فساد کو دفع کرنا تھا۔ بیرونی دشمنوں سے کسی قدر امن و امان جو نصیب ہوا تھا۔ اس لئے اس کے زمانہ میں تعمیرات اور اندرونی معاملات کی درستی سے رعایا کو راحت رہی۔

اس کے زمانہ کی پہلی لڑائی امدادی تھی اس نے نظام شاہ والی احمد نگر کو ابراہیم عادل شاہ والی بیجاپور کے مقابلہ میں مدد دی تھی اور اپنی اور نظام شاہی فوج کے ساتھ پہلے قلعہ نلدرگ کا محاصرہ کیا کئی ماہ کے محاصرہ کے بعد بھی جب یہہ قلعہ فتح نہ ہو سکا تو دونوں نے بیجاپور کا رخ کیا۔ اور عادل شاہ کے ملک کو لوٹنے لگے۔ اور آخر کار خاص بیجاپور کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن تھوڑے زمانہ کے بعد قحط کے پڑ جانے سے بمجبوری محاصرہ اٹھا کر دونوں لشکر اپنے اپنے مستقر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب قطب شاہ حسن آباد پہنچا تو اپنے ایک امیر کو یہاں کے قلعہ اور پرگنات کو فتح کرنے کا حکم دیا جو عادل شاہ کے تحت تصرف میں تھے اور خود گولکنڈہ کی طرف چلا گیا۔ اس کی روانگی کے بعد امیر موصوف نے جس کو مصطفےٰ خاں کا خطاب دیا گیا تھا قلعہ حسن آباد کا محاصرہ کیا مگر اس اثنا میں

عادل شاہ نے بھی دلاور خاں حبشی کو سپہ سالار مقرر کر کے ایک کافی لشکر قطب شاہیوں کے مقابلہ و مقاتلہ کے لئے بھیجدیا۔ جانبین سے ان دونوں فوجوں میں گھسان کی لڑائی ہوئی مصطفیٰ خاں پسپا ہوکر حدود تلنگانہ کی طرف فرار ہوا۔ اس لڑائی کے بعد پھر کوئی دوسری لڑائی اس شاہ کے عہد میں بادشاہ اسلام کے ساتھ سنی نہیں گئی۔ ہاں بہت سی اندرونی بغاوتیں اور خانہ جنگیاں ہوئیں جن کا مختصر حال یہاں درج کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے مرتضیٰ نگر کے عامل علی خاں نے بغاوت اور سرکشی اختیار کی اور رائے بیجانگر کی امداد سے قطب شاہ کے بعض پرگنات کو فتح کرنا چاہا۔ مگر اس لڑائی میں باوجودیکہ رائے مذکور نے تیس ہزار فوج سے اس کی امداد بھی کی مگر اس کو کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس ناکامی کے بعد بھی اس نے ادھر اُدھر سے فوج جمع کر کے لوٹنا مارنا شروع کیا اور حسب موقع جنگلوں اور بیابانوں میں چھپنا اور اور قصبوں کو لوٹنا اختیار کیا۔ مگر فوج شاہی سے کہاں مفر تھی آخرکار وہ مرتضیٰ نگر کی لڑائی میں قتل کیا گیا اور دوسروں کی عبرت کے لئے اس کا سر نیزے پر تشہیر کیا گیا۔

اس بغاوت کے فرو ہونے کے بعد قطب شاہ نے بیجانگر پر فوج کشی کی اور سب سے پہلے موسلمورک کا محاصرہ کیا جو معمولی جنگ و جدال کے بعد فتح کر لیا گیا اور اہل قلعہ کو قطب کے رحم و کرم نے جن میں انسانی ہمدردی کا بہت مادہ تھا مقتول ہونے سے بچا لیا۔ اس قلعہ کے فتح ہونے کے بعد قطب نے قلعجات نندیال اور گلکور کی طرف رُخ کیا۔ اور نرسمراج اور رامراج کے داماد اور نرسمراج اس کے خواہر زادہ کی پوری سرکوبی کا ارادہ کیا۔ کیونکہ انہوں نے سرکشی اختیار کی تھی اور سرحد پر ہمیشہ فتنہ و فساد برپا رکھتے تھے۔ مگر محاصرہ کے ہوتے ہی انہوں نے معافی چاہی اور باج و خراج سالانہ کی شرط پر ان کو امان دی گئی۔ اس واقعہ کے بعد اور سرحدی زمینداراں اور نایک واڑیوں نے بھی بے تامل بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی۔

ان قلعوں کے فتح ہو جانے کے بعد قطب شاہ نے رائے کنڈی کونہ پر چڑھائی کی اور پہلے عین الملک کو اس کی تسخیر کے لئے روانہ کیا اُس نے ایک ہی لڑائی میں بہت سے ہندووں کو تہ تیغ بیدریغ کیا بال بچے اور عورتیں اسیر کرلیں اور پھر اس طرف بڑھا۔ قطب شاہ نے اس مضبوط قلعہ کو توپوں کی ضرب سے گروا دیا اور ایک قدیم مندر کو جو اس پہاڑ کی چوٹی پر بڑے تکلف سے بنایا گیا تھا اور جہاں سونے اور چاندی کے بت تھے۔ ایک آن واحد میں مسمار کرا دیا نرسمراج کو بجز صلح کے اور کوئی چارہ نہ تھا اور اس نے بیش قیمت تحفہ وتحایف پیش کرکے جان کی امان حاصل کی۔ قطب شاہ نے اس کی نذر قبول کرکے اکثر مندروں کو توڑوا کر اس کی جگہ مساجد کی بنیاد ڈلوا کر دوسرے قلعوں کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔

رامراج والی بیجانگر کے استیصال کے بعد اس کے جانشین وینکٹ پتی راج نے سرحد ممالک قطب شاہ پر ایک نہایت ہی مستحکم قلعہ بنوایا تھا یہ قلعہ نپکنڈہ کے نام سے مشہور تھا اور اکثر وہ اسی میں فروکش رہ کر تلنگانہ میں آئے دن فتنہ وفساد اٹھاتا اور اپنے کھوئے ملک کو پھر واپس لینے کی فکریں کرتا رہتا تھا۔ جب شاہی فوج نے اس قلعہ کا محاصرہ کیا۔ تو چند چالاک اور حیلہ ساز لوگوں کے ذریعہ سے اس نے تحف وتحایف بھیجکر صلح کی درخواست کی قطب شاہ نے قبول کرلیا۔ مگر اس عرصہ میں راجہ نے فوراً تین روز کے عرصہ میں تمامان رسد اور آلات حرب اور جن جن چیزوں کی ضرورت تھی سب قلعہ کے اندر جمع کرلئے۔ اور امداد کے لئے باہر سے تیس ہزار سوار وپیادے بھی آموجود ہوئے اور بجائے صلح کے راجہ نے پھر از سر نو لڑائی شروع کردی مگر قطب شاہ کے امیروں نے اس وقت اس قلعہ کو فتح کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ بلحاظ استحکام اور مضبوطی کے یہ ممکن نہ تھا کہ جلد فتح ہو جاتا۔ برسات بھی سر پہ آگئی تھی دریائے کرشنا چڑھاؤ پر تھا رسد وغیرہ فوری

چیزیں بھی بند ہو جانے والی تھیں۔ اور درصورت شکست لشکر کو بھاگنے کا موقع نہ تھا۔ ان دور اندیشیوں سے قطب نے محاصرہ اُٹھا دیا اور جو قلعے فتح ہو چکے تھے انہیں معتبر امیروں کے سپرد کرکے اپنے مستقر کی طرف روانہ ہوا اور قلعہ نیکنڈہ کی فتح کو آیندہ وقت مناسب پر چھوڑا۔

اگرچہ قطب شاہ قلعہ نیکنڈہ کو فتح کئے بغیر اپنے ملک کو واپس گیا۔ اور رائے بیجانگر کو ایک دشمن قوی سے تھوڑے دنوں کے لئے نجات ملی مگر اس کی حرص وہوس ملک اُس کو کب چپ بیٹھنے دیتی تھی۔ قطب شاہ کی روانگی کے بعد اس نے میدان خالی پاکر راجہ اودگیر کے پاس ایک مناسب امدادی فوج بھیجکر اس کو مرتضیٰ نگر اور اس کے پرگنات کو غارت کرنے کی ترغیب دی۔ اودگیر کے راجہ کمسلیند نے اپنے داماد وریاس رائے کی ماتحتی میں بیس ہزار پیادے اور سوار قطب کے حدود ارضی میں روانہ کردئے جنھوں نے اکثر حصص ملک کو غارت کرنا شروع کردیا۔ اس حادثۂ عظیم کی خبر پاکر افضل خاں حوالہ دار نے بھی اپنا لشکر جمع کیا اور اودگیر کے پرگنوں کو لوٹنے مارنے لگا۔ اس خرابی کی خبر پاکر وریاس رائے نے بھی افضل خاں کا مقابلہ کیا اور طرفین میں جمکر لڑائی ہوئی رائے مذکور کی کثرت فوج سے قریب تھا کہ مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ جائیں مگر اس درمیان میں اژدہا خاں پانچ سو کمان داروں کو لئے ہوئے میدان جنگ میں آموجود ہوا۔ اور پھر لشکر اسلام نے متفق ہوکر ہندوؤں پر حملہ کیا سب شکست کھا کر فرار ہوئے اس لڑائی میں ہندو فوج کا سردار اور اس کے تین ہزار سپاہی کام آئے

اودگیر کے راجہ کی شکست نے وینکٹ پتی کو پست نہیں کیا اور اس نے یلتمراج کانک ہتی اور منوسراج ہندو معتبر راجاؤں سے امداد طلب کی اور ایک لاکھ فوج لیکر قلعہ کنڈی کوٹہ کا محاصرہ کیا جس کو قطب نے ہندوؤں سے چھینا تھا بر تفتیچانے

محاصرہ کے اوٹھانے کی طرف توتوجہ نہ کی۔ بلکہ ایک کافی فوج لیکر بیجانگر پر چڑھ دوڑا
اور راجہ کے مشہور و معروف مندروں اور آباد قصبوں کو لوٹنے مارنے لگا۔ یہ حالت
دیکھکر وینکٹ پتی ملیتمراج اور منوہراج کے افسر دس ہزار سوار لیکر مرتضیٰ خاں کے
مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے اور پھر دونوں لشکروں میں خوب ہی جمکر لڑائی ہوئی جس میں
ہندوؤں کو شکست اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ ان ہنگامہ آرائیوں کی خبریں پاکر
قطب شاہ نے رستم خاں کی سرکردگی میں ایک لشکر جرار جس میں پانچہزار سوار تھے
مرتضیٰ خاں کی مدد کے لئے بھیجا۔ رستم خاں احمدنگر کا ایک ہوشیار آدمی تھا جس نے
قطب کے دربار میں رسائی پیدا کرکے خود اس مہم پر جانے کی درخواست کی تھی جب
یہ اجنبی آدمی جو اس وقت کے طرز جنگ سے چنداں واقف نہ تھا۔ اور جس کے دماغ
میں اپنی بہادری کا غرور بہت سمایا ہوا تھا مرتضیٰ خاں کے پاس آیا۔ تو مرتضیٰ نے
اس کو ہندوؤں کے ساتھ جنگ کے اصول بتائے اور کہا کہ ہندوؤں کی تعداد تو
زیادہ اور مسلمانوں کی کم ہے ان کے ساتھ جمکر لڑنا نہیں چاہئے۔ بہتر ہے کہ ہماری
فوج دو حصوں میں تقسیم کی جائے اور ایک جماعت کے ساتھ آپ اور دوسری فوج کے
ساتھ میں راجہ کے ملک میں جابجا غارت گری کریں اور رسد کے روکنے اور اُن کے
شہروں اور قصبوں کے لوٹنے سے ان پر دنیا کو تنگ کردیں۔ اس تدبیر سے وہ بہت جلد
زیر ہوجائینگے۔ اس عمدہ رائے کو رستم خاں نے پسند نہ کیا اور کہا کہ آپ میرے ماتحت
ہیں جیسا میں کہوں اس کے موافق عملدرآمد کیا جائے۔ مرتضیٰ خاں نے اس کا غرور۔
رستمی اور جہالت دیکھکر سکوت اختیار کیا۔ اور رستم تمام فوج شاہی کو ہمراہ لیکر ایک میدان
میں آپہنچا جہاں بارش کی وجہ سے کیچڑ اور دلدل بکثرت تھی۔ دونوں فوجوں میں
صف آرائیاں ہونے کے بعد ہندوؤں نے ایک بیل کو رنگ کر اور اس پر منتر
پھونک کر رستم کی فوج کے طرف چھوڑ دیا چونکہ یہ شخص سحر اور جادو کا قائل تھا

فوراً اس جادو کے بیل کو دیکھکر فرار ہوگیا اور لشکر اسلام نے بھی اپنے سردار کی بزدلی دیکھکر بھاگنا شروع کیا مگر وہ مٹی اور کیچڑ سے کب نکلسکتے تھے۔

چاروں طرف سے ہندوؤں نے یورش کی اور مسلمان سپاہی بکریوں کی طرح جان سے مارے گئے۔ اس تباہی پر نظر کرکے مرتضیٰ خان نے عقب سے آکر ہندو فوج پر چھاپا مارا۔ اور انہیں میدان جنگ سے مار کر بھگا دیا۔ جب قطب شاہ کو رستم کی بزدلی کی خبر پہنچی۔ تو حکم دیا کہ وہ نہایت ذلت اور خواری کے ساتھ سرحد تلنگانہ سے خارج کردیا جائے چنانچہ سرکاری پیادوں نے رستم کو عورتوں کے کپڑے پہنائے اور اس کا منہ آدھا کالا آدھا سفید کرکے بڑی توہین سے شہر بدر کیا۔

رستم خاں کے اخراج کے بعد قطب شاہ نے مرتضیٰ نگر کے حوالہ دار اعتبار خان کو حکم بھیجا کہ وہ بیجا نگر پر چڑھائی کرے اور اپنے ساتھ امرائے دولت علم خان اور خانخانان اور ساباجی اور بھالیرا اور دوسرے سرحدی جاگیرداروں کو بھی شامل کرے۔ یہ حکم پاکر اعتبار خان نے غنیم کے ملک میں قتل و غارت کا بازار گرم کردیا۔ وینکٹ پتی کے قصبات اور شہروں کو برباد اور لوٹ مار سے لوگوں کو تنگ کرنے لگا لشکر اسلام کے خوف سے باشندے جنگلوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھاگنے لگے۔ اودگیر کے راجہ نے یہ خبر پاتے ہی پچاس ہزار پیادے تین ہزار سوار اور کئی ہزار توپچیوں کو مقابلہ کے لئے فراہم کیا۔ اور دس ہزار پیادوں کو الگ کرکے لشکر اسلام پر شبخون مارنے کا حکم دیا آدھی رات کے قریب جب غنیم شبخون پر تیار تھا کہ تائید ایزدی سے ترشح ہونے لگا تمام لشکری بیدار ہوگئے اور فوراً تیار ہوکر غنیم کا مقابلہ کیا اور بڑے کشت و خون کے بعد دشمن کو بھگا دیا۔

اس طرح شبخون مارکر اعتبار خان راجہ اودگیر کی فوج سے دست و گریبان ہوگیا اور اس بہادری اور بیجگری سے داد شجاعت دی کہ غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے

مسلمانوں نے بہت سا مال غنیمت پایا اور اکثر بستیوں کو لوٹ لیا۔ شہر کالیر کو جو ایک آباد اور مشہور مقام تھا تباہ و تاراج اور وہاں کے مندروں کو مسمار کر دیا۔ اسی طرح عرصہ تک مسلماں بیجانگر کے راج میں کامیابی کے ساتھ جنگ کرتے رہے اس کے بعد مرتضیٰ نگر کے سرحدی امرا اور جاگیرداروں سے بھی قطب شاہ کو مقابلہ کرنا پڑا۔ وجہ یہ ہوئی کہ امین الملک میر جملہ نے ان سرداروں سے وصول مالگزاری میں سختی کی جو ادا نکرتے تھے۔ اس پر ناراض ہوکر علم خاں۔ خانخاناں اور بھالیر راؤ وغیرہ نے علم بغاوت بلند کیا ان کے ورغلانے سے اکثر پٹھان اور سردار اور امین الملک میر جملہ نے اجازت حاصل کر کے دس ہزار فوج لیکر باغیوں کے استیصال پر روانہ ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں بغاوت فرو ہوگئی۔ اور باغی سرداروں نے امان کی غرض سے رائے بیجانگر کے پاس اپنے کو پہنچایا مگر بدقسمتی سے اس نے ان کے طرف کچھ توجہ نہ کی۔ امین الملک خاطر خواہ انتظام کر کے واپس ہوگیا۔

اس اثنا میں ایک اور بغاوت پیدا ہوئی جس کو اعتبار خاں نے فرو کیا ابراہیم قطب شاہ کا ایک لڑکا شاہ صاحب نامی تھا۔ اس نے بیدر کے ایک مشہور پیرزادہ خاندان کی لڑکی سے نکاح کیا تھا مگر کسی مصلحت ملکی کی وجہ سے ابراہیم شاہ نے قلعہ دیورکنڈہ میں نظر بند کر دیا تھا جہاں وہ ۲۰ سال کی عمر میں فوت ہوگیا اس کے بعد لڑکی بیدر روانہ کر دی گئی۔ اس کے انتقال کے ۲۰ برس بعد بیدر میں ایک شخص نے آپ کو شاہ صاحب مشہور کیا جو درحقیقت شکل و شباہت میں بالکل اس کے مثل تھا اور چونکہ خردسالی میں مدت تک شہزادہ شاہ صاحب کے پاس رہچکا تھا اس کے عادات و اخلاق سے بھی واقف تھا۔

پیرزادہ خاندان کے اکثر لوگوں نے اس کو شاہ صاحب تسلیم کر لیا۔ جب یہ خبر قطب شاہ کو پہنچی تو اس نے فوراً ملک برید کو خط لکھا کہ مدعی شاہ صاحب کو

گرفتار کر کے قید کر دے۔ مگر پہلے اس کے کہ ملک بریدہ مصنوعی شاہ صاحب کو گرفتار کرے اس کے ہوا خواہوں نے سرحد بیجانگر پر اس کو روانہ کر دیا جہاں کہ کئی حبشی سردار اور شورہ پشتوں کی جمعیت اس کے پاس فراہم ہوگئی اور اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر کے تلنگانہ کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ قطب شاہ نے اس فتنہ کو روکنے کے لئے اعتبار خاں کو پہلے پانگل کی طرف جہاں مصنوعی شاہ صاحب کی فوج بڑھ رہی تھی روانہ کیا اور اس کے بعد ایک دوسری فوج روانہ کی۔

مصنوعی شاہ صاحب نے قطب شاہ کے متعدد امراء کو خفیہ خطوط بھیجکر ملالیا اور ایک خط قطب شاہ کے پاس بھی روانہ کیا۔ اور دریائے کرشنا کے پار اوتر کر تلنگانہ میں لوٹ مار شروع کردی۔ مگر اعتبار خاں نے جس کی فوج غنیم کے چھ ہزار کے مقابل میں صرف دو تین ہزار تھی بڑھ کر غارت گری کو روک دیا طرفین سے جنگ برپا ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک حبشی سردار گرفتار ہوا اور مصنوعی شاہ صاحب عادل شاہ کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ اور اُس کے بعد کبھی اُس نے ایسا خیال خام نہیں کیا اب کنتکوٹہ کے راجہ مکندراج نے بغاوت اختیار کی۔ اس کا باپ بلندرائے قطب شاہ کا باجگذار تھا جب وہ فوت ہوا تو قطب شاہ نے ازراہ نوازش خسروانہ اس کے بارہ برس کے لڑکے مکندراج کو بحال کر دیا اور حکم دیا کہ کننکوٹہ کے تمام راجہ اور امرا اس کے مطیع رہیں۔

مکندراج نے اظہار اخلاص کے لئے گولکنڈہ پہنچنے کا ارادہ کیا اور قطب شاہ کی خدمت میں تحف وہدایا پیش کر کے خوشنودی حاصل کی۔ جب وہ مراحم خسروانہ سے سرفراز ہو کر واپس ہوا تو سرحد کے پاس پہنچتے ہی بعض فتنہ پردازوں نے اُس کو بغاوت پر آمادہ کیا پہلے اس نے اپنے خویش دیوراج کو جو قطب شاہ کا خیر خواہ تھا قتل کر دیا اور مقررہ خراج بھیجنا موقوف کر کے فوج جمع کرنا شروع کی یہ لاس خان

جو شاہی امیر تھا اس نے تمام حالات سے قطب شاہ کو اطلاع دی۔ قطب شاہ کو جب مکندراج کی شورہ پشتی کی خبر معلوم ہوئی تو اُس نے پہلے میر زین العابدین کی سپہ سالاری میں ایک فوج روانہ کی کہ وہ موقع پر پہنچکر مکندراج کو پہلے پند و نصیحت اور نرمی و ملاطفت سے بغاوت سے باز رہنے کی نصیحت کرے اگر نہ مانے تو لشکر کشی کرے۔ زین العابدین نے پہنچکر مکندراج کو پیغام صلح بھیجکر بادشاہ کی اطاعت اور بغاوت کے نتیجہ سے آگاہ کیا مگر اس ناعاقبت اندیش نے کچھ پروانہ کی جس کی اطلاع زین العابدین نے قطب شاہ کو دی۔ اندرونی بغاوتوں کو اس وقت فروکرنا نہایت ضروری تھا اس لئے قطب شاہ نے خود اس مہم پر آنا چاہا مگر امرائے دربار نے عرض کیا کہ ایسی معمولی بغاوتوں کے فرو کرنے کو بادشاہ کا متوجہ ہونا مناسب نہیں ہے اس سبب سے امین الملک میر جملہ اجازت لیکر بہادر امرا کے ساتھ روانہ ہوا۔

مکندراج کو جب اس فوج قہار کی آمد آمد کا حال معلوم ہوا تو اس نے اپنے اردگرد کے راجاؤں سے کمک مانگی اور وینکٹ پتی رائے بیجانگر کو لکھا کہ اس موقع پر اگر مرتضیٰ نگر پر چڑھائی کرو تو مسلمانوں کا قلع و قمع ہو جائیگا۔ اور خود تین ہزار پیادہ اور تین ہزار سوار کے ساتھ حدود راجمندری میں قطب شاہی لشکر سے بھڑ گیا۔ اول اول تو مسلمانوں کی جمعیت ہندوؤں کی زیادتی اور اپنے دو بہادر امیر عالم خاں اور سنگراج کے قتل ہو جانے سے متزلزل ہونے لگی تھی مگر امین الملک کے دفعتہً حملہ کر دینے سے غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بہت سے قتل ہوئے مکندراج افغان خیزان کنکوٹہ میں آیا اور برلاس خان وغیرہ چند مسلمانوں کو جنھیں اس نے ازراہ فریب قید کر لیا تھا قتل کر دیا۔ امین الملک نے فی الفور اس کا تعاقب کیا۔ مکندراج نے اپنی تباہی دیکھکر دوارہ اور سیکاکول کی راہ لی۔ مگر یہاں بھی امین الملک اپنی فوج لیکر مقابل ہوا مکندراج پتاپور کی طرف بھاگ گیا اور اس کے گھنے جنگل میں پناہ لی۔

امین الملک نے وہاں پہنچکر حکم دیا کہ جنگل میں آگ لگا دیجائے۔ بکندراج اس حکمت عملی سے نہایت پریشان ہوا اور اپنے بچاؤ کے لئے پتاپور کے ایک راجہ رامچندر نامی کے پاس پناہ گزیں ہوا۔ راجہ رامچندر اور بکندراج نے حقیقت حال سے مادھوسنگھ کو اطلاع دی جو اس طرف سرحد پر شہنشاہ اکبر کی طرف سے راجپوتوں کی فوج کے ساتھ مقیم تھا۔ مادھوسنگھ نے مدد دینا منظور کی اور فوج لیکر دونوں راجاؤں کے ساتھ مقابلہ پر آموجود ہوا۔ ادھر امین الملک اور زین العابدین نے اپنی فوجوں کے ساتھ جب رامچندر کی سرحد میں غارتگری شروع کی۔ اور آگے بڑھنے لگے تو مادھو کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اور وہ بکندراج کے ساتھ بنگالہ کی طرف بھاگ نکلا۔ راجہ رامچندر نے اطاعت قبول کی اور سالانہ خراج بھیجنے کا اقرار کیا۔ اس کے بعد بغاوت کا پورا پورا انسداد کرکے امین الملک بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

دوسری طرف سرحد مرتضیٰ نگر پر پھر وینکٹ پتی نے چڑھائی کی۔ وینکٹ پتی موقع کا منتظر ہی رہتا تھا کہ اپنا بدلہ مسلمانوں سے کسی طور سے لے۔ اسی اثناء میں احمد نگر دارالملک نظام شاہ پر شہنشاہ اکبر کا بیٹا شاہ مراد اور سپہ سالار خانخانان فوج عظیم کیسا تھ حملہ آور ہوگئے نظام شاہ کی امداد کے لئے قطب شاہ نے بڑی جمعیت نامی گرامی امراکو دیکر روانہ کی کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ مغل اگر کامیاب ہوگئے تو اس کا بچنا بھی مشکل تھا وینکٹ پتی نے دیکھا کہ بڑی فوج تو احمد نگر کی کمک پر ہے اس سے بہتر حملہ کرنے کا موقع کیا تھا دوسرے طرف سے بکندراج نے بھی اس کو برانگیختہ کیا تھا کہ وہ مرتضیٰ نگر پر حملہ کرے۔ غرضکہ وینکٹ پتی دو لاکھ سوار اور پیادے اور ایکہزار جنگی ہاتھیوں کو لیکر سرحد مرتضیٰ نگر پر آموجود ہوا۔ اس کے حملہ کی تیاری کا حال جب قطب شاہ کو معلوم ہوا تو اس نے بھی سپاہ مہیا کرکے عادل خان جنگی کو سپہ سالار بنا کر مقابلہ کے لئے روانہ کردیا جب وینکٹ پتی کو عادل خان کی فوج کا حال معلوم ہوا تو نہایت پریشان ہوا اور ہمت

ہار دی کیونکہ اس کو مسلمانوں کی بہادری کا اکثر مواقع جنگ پر تجربہ ہو چکا تھا اور اس کو ایسی امید نہ تھی کہ قطب شاہ اس کے مقابلہ پر اتنی فوج بھیج سکتا ہے۔ اس نے مصلحت سمجھکر فوراً قطب شاہ کی خدمت میں ہدایا و تحفہ روانہ کرکے ظاہر کیا کہ ہرگز ہرگز وہ جنگ کے ارادہ سے نہیں آیا اور وہ قطب شاہ سے صلح کرکے ساتھ رہنا چاہتا ہے بلکہ وہ محض کھم کے ایک حوض کو دیکھنے کے لئے آیا ہے جس کے تہ میں ایک چشمہ کے ہونے کی خبر اسے پہنچی تھی۔ اس کے کہنے پر اعتبار کرکے قطب شاہ نے عادل خان کو پروانہ بھیجا کہ ونکٹ پتی سے تعرض نکرے اور خود مرتضیٰ نگر میں مقیم ہو رہے۔

راجمندری کی طرف ریوار کے ہندوؤں نے بھی سر اُٹھایا۔ انہوں نے راجمندری کو شاہی لشکر سے خالی پاکر لوٹ مار شروع کی کیونکہ امین الملک اور زین العابدین فوج لیکر مکندراج کے قلع قمع کرنے کو چلے گئے تھے۔ ایلور نرول اور بہار چلی پر باغیوں نے کشت و خون کا بازار گرم کر دیا۔ حکام کے اطلاع کرنے پر قطب شاہ نے عادل خاں اور چنگیز خاں سلحدار کو حکم بھیجا کہ مرتضیٰ نگر کو چھوڑکر راجمندری کو روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ عادل خاں وغیرہ نے پہنچکر ریوار کے فتنہ پردازوں کو پہلے ہی حملہ میں منتشر کر دیا۔ وہ بھاگ کر دریا کے کنارے کے دوسرے طرف فراہم ہوئے اور بیس ہزار جمعیت اکٹھا کرکے دریا کی گذرگاہ بند کردی قطب شاہی فوج نے ہرچند عبور کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی عادل خاں کی درخواست پر قطب شاہ نے زین العابدین کو فوج کے ساتھ کمک پر روانہ کیا پھر بھی باوجود سعی کے تمام کوشش عبور کی رائیگاں گئی۔ آخرکار بارہ کوس کے فاصلہ پر ایک مقام تلاش کرکے شاہی فوج کے کچھ حصہ نے عبور کیا اور غنیم پر جا ٹوٹا ان کے پیچھے تمام فوج اُتر گئی۔ غنیم کو بجز فرار کے اور کوئی چارہ نہ تھا پیچھے بھاگے اور ایک پہاڑ کی پناہ لیکر جنگ شروع کی مگر کچھ پیش نہ گئی اور ناچار عاجزی سے معافی کی درخواست کی جس کو قطب شاہ نے اپنے طبعی رحم و کشادہ دلی سے منظور کرکے عادل خاں کو اپنے پاس

طلب کرلیا اور زین العابدین و چنگیز خاں کو کمک بھیجنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد قطب شاہ کو راوت راؤ ہریچندر وغیرہ سرحدی راجاؤں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ راوت راؤ جو ایک جری اور بہادر سپاہی تھا اور جس نے اپنی جمعیت کے ساتھ قطب شاہ کی فوج میں شرکت کی تھی امین الملک کے کسی حکم پر ناراض ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو گیا پہلے اس نے بہار کی بلندر راجہ جلبور کے برادر زادہ راجہ ہریچندر کو اپنا شریک کیا اور دونوں نے ملکر لوٹ مار شروع کی مگر عین الملک نے بہت جلد راوت راؤ پر فوج کشی کی۔ اثنائے جنگ میں راوت راؤ کے سینہ میں ایک کاری تیر لگا اور کام کر گیا اس کی فوج اپنے سردار کو مقتول دیکھکر بھاگی۔ بکثرت سپاہی قید کر لئے گئے اور بہت سے مارے گئے۔

ہریچندر نے بھاگ کر راجہ وسنا دیو کے پاس پناہ لی جس نے بھائی بلندر راجہ جلبور اور دوسرے چھوٹے راجاؤں کو اپنا شریک کر کے ملک نائب کے قلعہ جرجرہ پر ایک فوج بھیجکر محاصرہ کیا اور خود ہریچندر کے ساتھ قطب شاہی فوج کے مقابلہ پر آمادہ ہوا۔ امین الملک نے فی الفور چنگیز خان کو ملک نائب کی مدد پر روانہ کیا۔ عین اس حالت میں کہ قلعہ جرجرہ پر غنیم قابض ہوا ہی چاہتا تھا کہ چنگیز خان بلائے ناگہانی کی طرح ٹوٹ پڑا۔ اور آن واحد میں محاصرہ کا قلع قمع کر دیا دوسری طرف وسنا دیو نے پانچ ہزار سوار اور تیس ہزار پیادوں کے ساتھ زین العابدین کی فوج کا مقابلہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن قلعہ ویرہ کوتم میں بھاگ کر پناہ گزین ہوا بھائی بلندر راجہ جلبور قلعہ شاہ آباد کا محاصرہ کئے ہوئے تھا جب اس کو وسنا دیو کے ہزیمت کی خبر پہنچی تو بھاگ کر اپنے محفوظ و مضبوط قلعہ جلبور میں متحصن ہو گیا۔

قلعہ جلبور میں بھائی بلندر کے محصور ہونے کی خبر پاتے ہی چنگیز خاں عبدالکریم ائد وغیرہ سرداران فوج قطب شاہی نے جلبور کا محاصرہ کر لیا۔ اور چہار جانب سے

راہ روک کر رسد بند کر دی۔ بھائی بلندر نے یہ حال دیکھکر وسنا دیو کو مدد کے لئے بلایا اس نے اپنے بھتیجے بول باتر کو دو ہزار سوار اور تین ہزار پیادہ اور سو جنگی ہاتھیوں کے ساتھ ہری چندر کی سپہ سالاری میں روانہ کیا۔ قطب شاہی فوج نے بھی پانچہزار اور دس ہزار پیادوں کی جمعیت سے مقابلہ کی تیاری کی۔ دونوں فوجوں کی مڈبھیڑ ایک دشوار گزار جنگل میں ہوئی جس کے اطراف میں پہاڑیاں واقع تھیں ایک عرصہ تک جنگ و قتال کے بعد شاہی فوج نے غنیم کو شکست دی ہر چندر فرار ہو گیا۔ اور وسنا دیو نے پچاس ہزار ہون اور پچاس ہاتھی سپہ سالار قطب شاہ کی خدمت میں پیش کر کے اسی مقدار میں سالانہ خراج کا وعدہ کیا اور امان حاصل کی۔ وسنا دیو کا بھتیجا بول باتر گرفتار کر لیا گیا۔

اب زین العابدین نے قلعہ جلبور پر سختی کے ساتھ حملہ کیا۔ بڑی گھمسان لڑائی کے بعد قلعہ جلبور فتح ہوا اور بھائی بلندر نے اپنا ملک چھوڑ کر بنگالہ کی طرف راہ فرار اختیار کی۔

کسنکوٹہ کی جنگ کے بعد شاہی لشکر نے کچھ دنوں آرام لیا تھا کہ پھر ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ راوت راؤ کا بیٹا کستمراج مسلمانوں سے خار کھائے ہوئے تھا اس نے بھائی بلندر کو بنگالہ سے اپنے پاس بلالیا اور دونوں نے ملکر قلعہ مدوارہ اور پونور پر قبضہ کر کے بے امنی پھیلانی شروع کی۔ پہلے تو سپہ سالار نے وعدہ وعید سے کام نکالنا چاہا۔ مگر کوئی فائدہ اس سے نہ ہوا تا چار مشہور اور جنگ آزمودہ امرا کے ساتھ زین العابدین نے باغیوں کو دبانا شروع کیا بھائی بلندر شاہی فوج کا زور دیکھکر قلعہ مدوارہ میں محصور ہو گیا۔ یہ قلعہ اس قدر محفوظ تھا کہ مسلمانوں نے ہر چند فتح کی کوشش کی مگر ناکام رہے اور دیر پر دیر ہوتی گئی اور اس وجہ سے شاہی فوج کا رعب و داب متنزلزل ہونے لگا ایک سردار دھرما راؤ نے مشورہ دیا کہ بہتر یہ ہے کہ بھائی بلندر کو کچھ قلعہ دیکر اور امن و امان کا وعدہ لیکر محاصرہ اٹھالیا جائے مگر زین العابدین سپہ سالار نے مخالفت کی

دھرمارائو نے قطب شاہ کو تمام واقعات سے اطلاع دی۔ قطب شاہ نے دھرمارائو کی تجویز پسند کی اور زین العابدین کو واپس بلا کر اس کی جگہ سید حسن کو سپہ سالار بنا کر روانہ کر دیا۔ اس اثناء میں بھائی بلندر کا بھتیجا ہریچندر جو بھاگا ہوا تھا سید حسن سپہ سالار کے پاس حاضر ہو کر معافی کا خواستگار رہا اور خیر خواہی کے لئے اس نے بھائی بلندر کے زیر کرنے کی ایک معقول تجویز پیش کی کہ اس کے رہگذر اور سرحد پر جا بجا قلعہ بنوا کر ایک فوج متعین کیجائے جو بھائی بلندر کی نقل و حرکت کی نگراں رہے اس طرح سے اس کو لوٹ مار کا موقع نہ ملیگا۔

اس کی یہہ تجویز مقبول ہوئی اور تھوڑے ہی دنوں میں تین مضبوط قلعہ مصطفیٰ آباد اور قطب شاہ آباد اور محمد آباد نام کے تیار کر کے ملک نائب کے حوالہ کئے گئے۔ اس تدبیر سے بھائی بلندر کی نقل و حرکت مسدود کی گئی۔ اس پر بھی اس نے قلعوں پر حملہ کر کے انہیں سے بعض قلعے فتح کر لئے مگر تستمراج لڑائی میں مارا گیا اسیطرح پے درپے اس نے کئی جوانمرد ہندو سپہ سالار بنا بنا کر بھیجے مگر سب کام آئے ان شکستوں سے بھائی بلندر کی قوت ٹوٹ گئی اور سید حسن نے مجموعی قوت سے حملہ کر کے قلعہ فتح کر لیا۔ بھائی بلندر پھر بنگالہ بھاگ گیا قطب شاہ نے کسنکوٹہ کا نظم و نسق سریا رائو کے سپرد کیا اور امداد کو اس کے مضافات جاگیر میں دیدئے۔

اس کے عہد میں ایک ۱۰۳۸ ہجری میں ملکی اور غیر ملکی کا مسئلہ پیدا ہوا جو قتل و غارت کی حد تک پہنچا اس واقعہ کی ابتدا یوں ہوئی کہ لاہور و آگرہ وغیرہ سے دارالسلطنت حیدر آباد میں مغلوں کی ایک جماعت آئی ہوئی تھی وہ نبات گھاٹ کو جو شاہی عمارت تھی دیکھنے کے لئے چند طوائف ساتھ لیکر مکان میں داخل ہوئے حالانکہ بغیر شاہی اجازت کے کوئی داخل نہ ہو سکتا تھا اور باوجود دربانوں کی ممانعت کے شراب و کباب کے ساتھ عیش و عشرت میں مصروف ہوئے اس کی خبر جب قطب شاہ کو پہنچی تو

اُس نے علی آقا کوتوال کو حکم دیا کہ ان کو سزا دے۔ علی آقا ایک نوجوان اور ناتجربہ کار شخص تھا اس نے کوتوالی کے پیادوں اور سواروں کو حکم دیا کہ تمام غیر ملکیوں کو قید کرکے خارج البلد کردو۔ یہہ حکم پاتے ہی شہر کے تمام سوداگر اور باشندے جو غیر ملکی تھے پکڑے جانے لگے اور شہر میں ایک شور مچگیا بیچارے غیر ملکی حیران تھے کہ انکی کس خطا پر قطب شاہ ناراض ہوا ہے۔ بازار میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ تمام غیر ملکیوں کے قتل و غارت کا حکم صادر ہوا ہے۔ چنانچہ تمام دکھنی پل پڑے اور غیر ملکیوں کو قتل کرکے اُن کا مال واسباب لوٹنے لگے۔ مرزا محمدؐ امین میر جملہ کو جب اس فتنہ کی خبر پہنچی تو فوراً قطب شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اگرچہ وہ سو رہا تھا مگر دروازہ کھٹکھٹا کر بیدار کیا اور تمام ماجرے سے اطلاع دی۔ قطب شاہ علی آقا پر سخت ناراض ہوا اور اس کو طلب کرکے حکم دیا کہ تمام مفسد دکھنیوں اور فتنہ پردازوں سے فی الفور انتقام لے اور یہہ ہنگامہ فرو کرے ورنہ اس کی جان کی خیر نہیں۔ علی آقا اپنے سواروں کیساتھ شہر میں آیا اور مفسد دکھنیوں اور دست دراز کرنے والے پیادوں کو روکا بہتوں کو قتل کرڈالا اور اکثر کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلوا کر مروا ڈالا اور کئی ایک مفسدوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر عبرت دلائی اور غیر ملکیوں کو رہا کرکے ان کا مال واسباب واپس کردیا۔

ایک اور سازش سلطنت کے تباہ کردینے کی ظہور پذیر ہوئی۔ جس کی وجہ یہہ ہوئی کہ قطب شاہ اپنے انصاف وخلق سے شاہی خاندان کے لوگوں کو بھی مناصب وجاگیر مرحمت کرکے سرفراز کرتا تھا۔ اس کے بھائی خدابندہ کو بعض فتنہ پردازوں نے اُبھارا کہ قطب شاہ کو قتل کرکے تخت حاصل کرنا چاہیئے۔ اس سازش میں فتح الملک حوالہ دار اور حسن علی سلحدار اور دوسرے دکھنی امرا شریک ہوئے پیرزادہ راجو کے گھر میں جمع ہوکر صلاح ومشورہ کرنے لگے لیکن قطب شاہ کی اقبال مندی سے اس سازش کی اس کو اطلاع ہوگئی اور تمام مفسد گرفتار کرلئے گئے اور خدابندہ محمد نگر کے قلعہ میں

قید کر دیا گیا۔

کسنکوٹہ میں راجہ وسنا دیو نے پھر علم بغاوت بلند کیا۔ شہنشاہ جہانگیر کا بڑا بیٹا شہزادہ پرویز لشکر کثیر کے ساتھ دکن پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس موقع کو وسنا دیو نے غنیمت جان کر اکثر مقامات پر دست درازی شروع کی۔ سید حسین سپہ سالار نے قطب شاہ کو اطلاع دی جس پر چنگیز خان اور دھرمارا ؤ اپنی فوجیں لیکر وسنا دیو پر ٹوٹ پڑے۔ اس اثنا میں وسنادیو کا برادرزادہ کشنا راجہ شاہی لشکر سے آملا۔ اور اس کے کہنے سے کئی ہندو سردار بھی آملے اب وسنا دیو نے قلعہ میں محصور ہوکر اپنی حفاظت کی اور اسی حالت میں بیمار ہوکر فوت ہوگیا فوراً سپہ سالار قطب شاہی نے قلعہ داروں کو اطاعت کا فرمان بھیجا انہوں نے خواہش کی کہ کشنا راجہ کو گدی دی جائے۔ دھرمارا ؤ نے بپاس مذہب اس کو گدی دینے کی سفارش کی اور قول و قرار لیکر کشنا راجہ کو وسنا دیو کا ملک دیدیا۔ اس نے تین لاکھ ہون اور ۳۰۰ ہاتھی قطب شاہ کی خدمت میں روانہ کرکے سال بسال خراج بھیجنے کا وعدہ کیا اس کے عہد و پیمان پر بھروسا کرکے قطب شاہ نے پھر وہی غلطی کی جو ان سلاطین سے اکثر ہوا کرتی تھی اور اپنی فوج وہاں سے ہٹالی چند دنوں کے بعد اس نے بھی سرکشی اختیار کی مگر بہت جلد مٹادی گئی اور پھر کشنا راجہ نے معافی چاہی اور قطب شاہ نے پھر معاف کر دیا۔

ایک اور بغاوت پرتاب شاہ راجہ وسترکی جانب سے پیدا ہوئی قطب شاہ نے مرزا محمد امین میر جملہ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ روانہ کیا اس فوج نے پرتاب شاہ کے قلعہ وستر کو محصور کر لیا مگر اسی دوران میں اس کثرت سے بارش ہوئی کہ سامان رسد پہنچنے میں کمی ہوگئی اور گولہ بارود میں بوجہ سیلاب کے آگ اثر نہ کرتی تھی۔ ناچار میر جملہ حملہ سے دست بردار ہوکر تھوڑی دور ہٹ کر سرحد پر قیام کیا۔ ان کی درخواست پر شاہ نے ملک پرست خاں کو ایک فوج کے ساتھ کمک پر روانہ کیا۔

وستر کی یہ مہم اس کے زمانہ میں فتح نہیں ہوئی محمد قلی قطب شاہ اس اثنا میں سخت علیل ہوگیا اور اپنچاس برس کی عمر میں ۳۲ سال حکومت کر کے ۱۶۱۲ عیسوی میں رحلت کی۔

سلطان محمد قلی نہایت ہی رحمدل اور منصف مزاج بادشاہ تھا اُس نے اپنی رحملی اور ہمدردی سے اکثر ہندو راجاؤں کی خطائیں کئی بار معاف کیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دل رحم سے لبریز تھا لیکن اس کے ساتھ ہی حکومت کا انتظام جس قابلیت اور دانائی سے اس نے کیا وہ اس کے اور جانشینوں کو نصیب نہیں ہوا اس نے عرصہ تک وزیر اعظم کے جلیل القدر عہدہ پر کسی کو مقرر نہیں کیا بلکہ چند سربرآوردہ ہندو اور مسلمان امرا سے وزارت کا کام لیتا رہا لیکن آخر میں جملۃ الملک کو اس عہدہ پر مقرر کیا۔

اندرون ملک کا انتظام نہایت ہی دانائی سے اس عہد میں کیا گیا اسی سبب سے تمام ملک آباد اور خزانہ معمور تھا۔ دور دور سے لوگ تلنگانہ میں چلے آتے تھے اس کا انصاف نوشیروان کسریٰ سے ٹکر کھاتا تھا داد محل کے نام سے ایک عمارت تیار کرائی جس میں رعایا کے شکایات بغیر کسی توسط اور روک ٹوک کے سنتا تھا۔

اس کی رقیق القلبی کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی کے قتل کا حکم اس نے نہیں دیا اگر کوئی مجرم واجب القتل پیش ہوتا تو وہ اسے دار القضا کے عہدہ داروں کے سامنے تحقیقات کے ساتھ فیصلہ کرنے کے لئے بھیج دیتا تھا۔

اس کی مستعدی اور جفاکشی کا یہ نتیجہ تھا کہ حدود ملک بنگالہ کی سرحد تک بڑھ گئے تھے جو آج تک کسی مسلمان بادشاہ کے قبضہ میں نہیں آئے تھے۔ اس کا عہد اس وجہ سے اور بھی ممتاز ہے کہ سلطنت ایران کے شہنشاہ عباس نے اپنا خاص سفیر قطب شاہ کے پاس دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی غرض سے روانہ کیا تھا یہ وقعت کسی بادشاہ کو اُس وقت تک حاصل نہ ہوئی تھی سلطان محمد قلی نے سفیر کو

عرصہ تک ٹھہرا کر شاہ ایران کے پاس اپنا بھی سفیر روانہ کیا اور ان دونوں ملکوں میں تعلقات قائم ہوئے۔

سلطان محمد قلی کی فیاضی اور رعایا پروری کا یہہ حال تھا کہ غریب لوگوں کو بوقت حاجت شادی بیاہ و رسم ختنہ وغیرہ میں مدد دیتا تھا۔ اس کے دسترخوان پر بھی دو ہزار سے کم لوگوں کا مجمع نہیں ہوتا تھا۔ سلطان کو علما و صلحا سے ازبس رغبت تھی بڑے بڑے فاضل۔ عالم۔ شاعر اس کے پاس جمع تھے سب میں میر محمد مومن استرآبادی کی وہ بڑی عزت اور بطور ایک مرید کے ان کی خدمت کرتا تھا۔

باوجودیکہ وہ مذہبی معاملات میں سرگرم تھا مگر مزاج میں تعصب کی بو بھی نہ تھی سالانہ ۶۰ ہزار ہون اخراجات لنگر اور اس کے مجاوروں اور خادموں پر وہ صرف کرتا تھا۔ محرم میں رسم نوبت بکمال ادب ادا کرتا تھا اور ربیع الاول میں محفل میلاد بھی ۱۲ دن تک بڑے تزک و احتشام سے منعقد کرتا تھا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی اس کی خیرات جاری تھی نجف اشرف اور کربلائے معلی میں سالانہ کثیر رقم ارسال کرتا تھا۔ اپنے عہد حکومت میں اس نے رعایا کے ساتھ انصاف اور رعایتیں کر کے غیر معمولی ہر دلعزیزی پیدا کر لی تھی۔ اس سے سابق کے بادشاہوں نے اجناس پر محصول لگایا تھا جس سے دو لاکھ ہون وصول ہوتے تھے مگر سلطان محمد قلی نے یکقلم اس محصول کو اٹھا کر رعایا کو خوش و خرم کر دیا۔

سلطان محمد قلی نے حصار گولکنڈہ کو ناکافی پا کر حیدرآباد کو آباد کر کے دارالسلطنت قرار دیا جس کا نام پہلے اس نے اپنے ایک محبوبہ بھاگ متی کے نام پر بھاگ نگر رکھا تھا۔ مگر اس کے مرنے کے بعد حیدرآباد سے نامزد ہوا۔

سلطان محمد قلی کا عہد عمارات کے لحاظ سے اور بھی نہایت ممتاز نظر آتا ہے اس کو تعمیرات کا بڑا شوق تھا اور اس میں اپنا بہت وقت صرف کیا رعایا آسودہ حال

تھی اور اندرونی بیرونی خرخشوں اور فسادوں سے ملک پاک وصاف تھا۔ اس نے ہر ایک دیہات وقصبات میں مساجد تعمیر کر دئے اور حیدرآباد کو تھوڑے ہی عرصہ میں رشک گلزار بنا دیا چار مینار اسی کا بنوایا ہوا ہے علاوہ اس کے ہزارہا حمام۔ اور مساجد اور دار الشفا اس نے بنوائے جامع مسجد بھی تعمیر کرائی اور اس کے بعد کوہ طور جہاں محل خداداد محل۔ دا محل۔ ندی محل نبات گھاٹ بڑی لاگت سے تعمیر کرایا۔ صاحب تاریخ قطب شاہی کا بیان ہے کہ مختلف عمارات میں ستر لاکھ ہون صرف ہوئے تھے جس سے اس کے خزانہ کی کثرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

سلطان محمد قلی شاہ شاعر بھی تھا چنانچہ تاریخ قطب شاہی میں اس کی اکثر غزلیں درج ہیں اُن میں سے ایک غزل یہاں بھی درج کی جاتی ہے۔

ملک محبت کہ دادخواہ ندارد ٭ ملک چنین ہیچ بادشاہ ندارد ٭ گوبیہ انگیز درد وغم بسر ما
مرد محبت غم از سپاہ ندارد ٭ تکیہ گہ قطب شاہ چون دگران نیست ٭ جز کرم دوست تکیہ گاہ ندارد

سلطان محمد قطب شاہ

محمد قلی قطب شاہ کے فوت ہونے پر اس کا بھتیجا محمد قطب شاہ سنہ ۱۶۱۲ء میں تخت نشیں ہوا اس کو محمد قلی شاہ نے بیٹوں کی طرح پرورش کیا تھا اور اپنی لڑکی کا اس کے ساتھ عقد کرکے اپنا جانشیں بنا لیا تھا۔

اس بادشاہ کے پندرہ برس کی حکومت میں کوئی اندرونی یا بیرونی جنگ نہیں ہوئی جس کا سبب محمد قلی قطب شاہ کا عادلانہ اور مدبرانہ انتظام تھا صرف اس کے عہد کی مہم وسترج نا تمام پڑی ہوئی تھی اس کو محمد قطب شاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی انجام دیا اور

مرزا کمال کو سپہ سالار بنا کر روانہ کیا اور بغیر کسی کشت و خون کے راجہ وسترنے اطاعت قبول کی سالانہ خراج بھیجنے کا وعدہ کرکے حلقہ اطاعت میں داخل ہوا۔ اس کے تخت پر بیٹھنے سے کچھ پہلے دکھنی مفسدوں نے جو غیر ملکیوں سے خار کھائے ہوئے بیٹھے تھے کچھ فساد برپا کرنا چاہا مگر اس کے تخت پر بیٹھتے ہی کسی کو دست درازی کی مجال نہ ہوئی۔

اس کے علاوہ محمد قطب شاہ کا عہد خیرات و مبرات اور انتظام ملکی میں صرف ہوا۔ امن و امان کے ساتھ اس نے حکومت کی۔ اور ۳۴ برس کی عمر میں ۱۵ سال حکومت کرکے ۱۶۲۵ء میں دار فانی سے رحلت کی۔ محمد قطب شاہ کا زمانہ امن و امان کے برکات سے معمور تھا محمد قلی شاہ کا عہد اگر فتوحات سے ممتاز تھا تو قطب شاہ نے امن عامہ کے قائم رکھنے کے لئے تاریخ عالم میں امتیاز پیدا کیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ امن کی فتح جنگ کی فتح سے کہیں قیمتی اور افضل ہوتی ہے۔ محمد قطب شاہ طبعاً ایک دیندار اور منصف مزاج بادشاہ تھا اس کی عادت تھی کہ روزانہ ایک پارہ کلام مجید کا پڑھا کرتا تھا۔ اور تا عمر کبھی اس نے اس میں کوتاہی نہیں کی۔

مکہ مسجد جب بننے لگی تو محمد قطب شاہ نے تمام صلحا اور زہاد کو جمع کرکے حکم دیا کہ جس شخص نے تمام عمر تہجد کی نماز پڑھی ہو وہ اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھے لیکن اس جماعت میں ایسا کوئی شخص نہ تھا۔ آخر کار خود قطب شاہ آگے بڑھا اور یہ کہکر کہ خدا دانا و بینا ہے میں نے کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں کی۔ بنیادی پتھر نصب کیا۔

علم اور فضل و فیاضی میں بھی محمد قطب شاہ بےنظیر تھا شعرا اور علما کو اکثر انعامات سے اس نے مالا مال کیا اور جب کسی شاعر نے اس کے روبرو قصیدہ وغیرہ پڑھا۔ مرحمت خسروانہ سے اس کو مالا مال کر دیا۔

اس نے محمد قلی شاہ کی نگرانی میں باضابطہ تعلیم پائی تھی اس لئے اس کا علمی مذاق بہت بڑھا ہوا تھا روزانہ علما کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا اور علمی مسائل پر

گفتگو اور مباحثہ کرتا تھا چنانچہ ایک مجلس میں قوت فہم اور قوت حافظہ کے اجتماع کے مسئلہ پر جس کو کسی عالم نے چھیڑا تھا کہ ان دونوں کا اجتماع شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اس نے ایسی ایسی موشگافیاں کیں۔ کہ تمام عالم دنگ رہ گئے۔ اور ایکمرتبہ ایک واعظ کو سر منبر ٹوک دیا اور اس کے بیان پر ایسے اعتراضات احادیث و کلام مجید کے آیات سے استدلال کرکے وارد کیئے کہ اس کو ساکت ہی ہونا پڑا۔

تعمیرات کے لحاظ سے اس کا عہد ہمیشہ یادگار رہیگا کہ مکہ مسجد کی تیاری کا حکم اس نے دیا اور ۳۰ لاکھ ہون اس کی عمارت پر صرف کئے لیکن پھر بھی اس کی زندگی میں مکہ مسجد تمام و کمال تیار نہ ہوئی۔ کچھ حصہ اس کے بعد کے دو بادشاہوں کے زمانہ میں اور باقی غیر مکمل حصہ اورنگ زیب کے عہد میں تیار ہوا۔

محمد قطب شاہ نے حیدرآباد کے شمالی قطعہ میں ایک مقام سلطان نگر کے نام سے آباد کرنا چاہا جس کو وہ اپنا مستقر بنانا چاہتا تھا۔ بڑے پیمانہ پر اعلیٰ انتظام سے اس کی بنیاد ڈالی گئی اور تین لاکھ ہون خرچ ہوا مگر اس کی زندگی نے وفا نہ کی اور آبادی ناتمام رہ گئی۔

گولکنڈہ کے متصل ایک قصبہ سلطان پور کے نام سے بسایا اور کئی ایک باغات و مکانات بنائے۔ محمد قلی شاہ کے بنوائے ہوئے داد محل کو از سر نو تعمیر کرایا جو بجلی کے گرنے سے تباہ ہوگیا تھا۔ لیکن پھر اس پر بجلی گری اور مدت کے بعد مغلی عہد میں وہ بالکل برباد ہوگیا۔

سلطان محمد قطب شاہ نے اپنے چچا محمد قلی شاہ کے قدم بقدم عادل شاہی اور نظام شاہی حکومت سے مراسم اتحاد باقی رکھے شہنشاہ ایران نے بھی اس کی تخت نشینی پر تہنیت نامہ ارسال کیا تھا جس کے ذریعہ سے قدیم اتحاد کی تجدید کی گئی۔

محمد قطب شاہ کو تاریخ و علم ادب کا بہت شوق تھا کوئی دیوان یا کسی کی تصنیف سامنے آتی تو اُس کو ختم کئے بغیر نہ رہتا تھا۔ اور ہر ایک کتاب کے شروع پر اپنے قلم سے

مصنف کی سوانح عمری نہایت فصیح و بلیغ فارسی عبارت میں قلمبند کرتا تھا۔ اسکو شاعری کا بھی بہت ذوق تھا اور خود ایک عمدہ شاعر تھا چنانچہ ایک حمد اور ایک غزل ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

حمد

یارب چہ برتری تو ز وصف لسان ما ✤ پنہاں شدہ ز شرح زباں در دہان ما
در حضرت یقین و گماں را چو راہ نیست ✤ حیران وصف تست یقین و گمان ما
ہر چگونہ عرض و ہر طول عرض کبر ✤ دریائے وصف تو ز کجا بیان ما
تا لب بہ شہد ذکر تو کردیم آشنا ✤ تلخست شہد ہائے جہاں در دہان ما
بخشائے بر عیان و نہانم کہ آگہی ✤ اے بر تو آشکار نہان و عیان ما
ظل اللہ از شرور بہ اں در پناہ تست ✤ اے درگہ جلال تو دار الامان ما

غزل

در محبت خسروان را از اطاعت عار نیست ✤ ملک عشق است این دانجا کی جبر کار نیست
بسکہ از حد بیش میخواہم بدل مہر ترا ✤ صد جہاں مہر تو در دل دارم و بسیار نیست
در گلستان محبت گر درائی چوں خلیل ✤ روشنت گردد کہ از آتش ترا آزار نیست
تا تو در دل آمدی غیری ندارد رہ دراو ✤ در حریم خاص شہ نا محرماں را بار نیست
شبہ مہر دوستی داں قصہ موسیٰ وا و ✤ غافل از سر محبت واقف اسرار نیست
لذت خواب سحر در پیش پایم لذتیست ✤ کز خیال یار شبہا تا سحر بیدار نیست
مدعی گر دعوے دار و تسلیم و تسنیم ✤ روشنش باد اکہ ظل اللہ حیلہ کار نیست

سلطان عبداللہ قطب شاہ

سلطان محمد قطب شاہ کے بعد اس کا بیٹا سلطان عبداللہ قطب شاہ ۱۰۳۵ھ میں گیارہ برس پانچ مہینے کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ کی تخت نشینی نے جو محمد قطب شاہ کی تجہیز و تکفین سے پہلے ہی عمل میں آگئی تھی — فتنہ پردازوں اور بازاری بدمعاشوں کی دست درازی کو روک دیا جو وہ موقع پاکر غیر ملکیوں پر کرنا چاہتے تھے اس بادشاہ کی تخت نشینی بڑے تزک و احتشام سے عمل میں آئی۔ جس دن اس کی حکومت کا اعلان کیا گیا ہے تمام کوچہ و بازار میں خیر و خیرات کا انبار تھا۔ ہاتھیوں پر روپیہ لٹایا جا رہا تھا شکر کے بورے تقسیم ہو رہے تھے

عبداللہ قطب شاہ کی حکومت سے اگرچہ برہان نظام شاہ اور ابراہیم عادل شاہ سے اتحاد تھا چنانچہ اس کی تخت نشینی کے وقت دونوں ہمسایہ بادشاہوں نے مبارکباد کے لئے ایلچی روانہ کئے جو انعام و اکرام سے مالا مال کرکے واپس کئے گئے اور عادل شاہ سے دستور قدیم کے مطابق اپنی بہن کی شادی بھی کر دی تھی مگر جب مغل سلطنت کے حملے دکن میں شروع ہو گئے تو پہلے معرکوں کی طرح اس اتحاد سے کسی نے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور ہر ایک سلطنت کو تن تنہا مغلوں سے جنگ کرنی پڑی جس کا نتیجہ عبداللہ قطب شاہ کو بھگتنا پڑا۔

اس بادشاہ کی ۴۸ برس کی حکومت میں سوا مغلوں کے حملوں کے کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ اندرونی بغاوتوں اور شورشوں سے بھی قطب شاہ کو پریشان ہونا نہیں پڑا۔

تخت سلطنت پر جلوس کرتے ہی وہ بڑی لیاقت اور دانائی سے فوجی اور ملکی انتظام کی درستی کی جانب مائل ہوا۔ لائق اور ہوشیار امرا کو چن چن کر اس نے مختلف صیغہ جات محلات اور فوجی و ملکی انتظامات تفویض کئے۔ اور بذات خود امور سلطنت میں

مصروف رہنے اور مشکل معاملات میں غور کرنے سے اس کا عہد تمام زمانوں سے بہتر نظر آتا ہے۔

انتظام سے فارغ ہونے کے بعد اس کو دو نہایت ہی خفیف اور معمولی شورشوں کا سدباب کرنا پڑا۔ مرتضیٰ نگر کی سرحدی رعایا جو ہمیشہ سے شورہ پشت اور جنگجو واقع ہوئی تھی۔ اگرچہ عرصہ سے بادشاہ وقت کے خلاف نہیں کھڑی ہوئی مگر عبداللہ قطب شاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد چند مفسدوں نے لوٹ مار مچانی شروع کی اور دیانت خان حاکم کو کسی معرکہ میں قتل کر ڈالا۔ عبداللہ قطب شاہ کو جب اس فتنہ کی خبر پہنچی تو اس نے ایک چھوٹی سی فوج خواجہ محمد افضل ترک کی سپہ سالاری میں روانہ کردی۔ محمد افضل نے پہنچتے ہی باغیوں کو چن چن کر قتل کیا اور حسب فرمان شاہی انتظام کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔

اس کے بعد قصبہ کلنکور کے چودھری الیا نے سر اٹھایا۔ اس کے پاس نہایت بہادر ہوشیار ایک فوجی جمعیت موجود تھی اور خود بھی جری سپاہی تھا۔ عادل شاہ کی سرحد اس کے قریب تھی وہ اس بہانہ سے کہ عادل شاہی فوج کی دست درازی روکنے کے لئے تیاری لازم ہے سپاہیوں کی تعداد بڑھا رہا تھا۔ اگرچہ اس کو کئی بار دارالسلطنت میں حاضری کے لئے لکھا گیا۔ مگر اس نے ہمیشہ ٹال دیا سلطان عبداللہ قطب شاہ کو جب چودھری الیا کی سرکشی کا حال معلوم ہوا تو تو پچی بیگ بارہ ہزار سوار کماندار کو لئے ہوئے ایک شبانہ روز میں مسافت طے کرکے پچھلی رات میں جب کہ چودھری الیا اپنے محل میں سو رہا تھا بلائے ناگہانی کی طرح ٹوٹ پڑا اور قبل اس کے کہ کوئی حملہ کرنے پر تیار ہو قتل عام شروع کردیا۔ چودھری الیا شور و غل سنکر جاگ پڑا اور اٹھکر تلوار ہاتھ میں لیکر نکلنا چاہتا تھا کہ اس کا کام تمام کردیا گیا تو پچی بیگ نے اس کا سر کاٹ لیا اور نیزے پر لٹکا کر عبداللہ قطب شاہ کے پاس لایا جس کے صلہ میں اس کو انعام و اکرام اور خلعت

گراں بہا سے سرفراز فرمایا گیا۔ اور دربار قطب شاہی میں اس کی بڑی عزت کی گئی۔

یہہ وہ زمانہ ہے جب مغلوں نے شمالی ہند سے فارغ ہوکر دکن کو مطمح نظر بنایا تھا جہاں تین اسلامی ریاستیں تھیں۔ عبداللہ قطب شاہ نے سب سے پہلے شہزادہ خرم سے جو بعد کو شاہ جہاں کے خطاب سے مشہور ہوا ایک ایلچی کے ذریعہ سے مراسم اتحاد پیدا کئے جو اس کے سال جلوس ۱۰۶۲ئہ میں دارالسلطنت حیدرآباد میں آیا تھا۔ اس سفیر کا نام اخلاص خاں قزوینی تھا عبداللہ قطب شاہ نے اس کی بڑی خاطر و مدارت کی اور خلعت فاخرہ سے ممتاز کرکے واپس کیا۔

جب تک شاہ جہاں سریر سلطنت پر جلوہ افزا نہ ہوا تھا۔ اس کے تعلقات قطب شاہ سے نہایت دوستانہ تھے مگر تخت پر بیٹھتے ہی نظام شاہ پر حملہ کردیا اور دکن کی مشہور اسلامی سلطنتوں کا تختہ الٹ دیا۔

شاہ جہاں کے تخت نشین ہونے کے دو برس بعد اس کا ایک معزز امیر خان جہاں افغان کنارہ کش ہوکر دکن کی جانب فرار ہوگیا اور نظام شاہ کے پاس آکر پناہ لی اس کے تعاقب میں شاہ جہاں خود اپنے نامی جنگجو امرا کو لیکر برہان پور میں آموجود ہوا۔ وہاں سے ارادت خان ایک فوج لیکر نظام شاہ پر حملہ کرنے کے لئے بڑھا اور نصیر خان ایک فوج کے ساتھ قطب شاہ کی سرحد کے قریب خیمہ زن ہوا۔ اگرچہ نصیر خان کی نقل و حرکت سے یہہ نہیں پایا گیا کہ وہ قطب شاہ کے ملک پر حملہ کرنے کی فکر کر رہا ہے تاہم یہ بات خرم دور اندیشی سے بالکل بعید تھی کہ مغل سردار کی موجودگی کو بے پروائی کی نظر سے دیکھا جاتا۔ علاوہ ازیں قطب شاہ دیکھہ رہا کہ نظام شاہ پر کس طرح مغل فوج حملہ کرنے پر آمادہ تھی۔ باین وجوہ قطب شاہ نے مناسب خیال کیا کہ سرحدی مقامات اور قلعجات کی حفاظت سے غافل نہ رہنا چاہئے اس نے آدم خان حبشی اور اللہ قلی ترک کو قلعہ کولاس کی حفاظت کے لئے روانہ کردیا اور وہاں کے تمام زمینداروں اور سرداروں کے نام فرمان بھیجا کہ

سرحد کی حفاظت کے لئے ہر وقت آمادہ رہیں۔ باوجود اس حفاظت کے دوسری جانب ولایت گستکوڑہ کی سرحد پر باقرخان صوبہ دار بنگالہ نے حملہ کیا اور اس کی اطلاع سید محمد سپہ سالار گستکوڑہ نے قطب شاہ کو دی کہ باقرخان لشکر عظیم کے ساتھ سرحد پر موجود ہے اور کبھی کبھی سرحد کے اندر آکر دست درازی کرنے سے باز نہیں آتا۔ اس کی فوج بڑی تعداد میں ہے مقابلہ کے لئے امدادی فوج جلد روانہ کی جائے۔

قطب شاہ نے ایک چیدہ فوج تیار کی اور جنگ آور امرا کے ساتھ سید عبداللہ خان کے سرگروہی میں روانہ کر دیا۔ اس کمک کے پہنچنے سے پہلے ہی باقرخان کالا پہاڑ اور دوسرے قصبات کو تاخت و تاراج کر کے ہٹ گیا تھا۔ اور یہ خبر گرم تھی کہ باقرخان تازہ دم فوج لیکر حملہ کے لئے آیا ہی چاہتا ہے شاہی فوج نے کالے پہاڑ میں قیام کیا اور باہم مشورہ کر کے سرحد کی حفاظت کے لئے جا بجا فوجی انتظام شروع کر دیا جس کا اندیشہ تھا وہی ہوا باقرخان بنگالہ سے پھر پلٹا اور سید عبداللہ نے کالے پہاڑ سے چند امرا کو فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا سرحد کے قریب ایک ایسے مقام پر جنگ شروع ہوئی کہ ایک نالہ کیچڑ پانی سے لبریز تھا ابتدا میں تو کسی طرف ضعف کے آثار نظر نہ آتے تھے مگر سوئے اتفاق سے قطب شاہی سردار علی شاہ کا گھوڑا دفعتہً کیچڑ میں پھنسکر گر گیا۔ اس کے گرتے ہی مغل سپاہی چڑھ دوڑے۔ اور شاہ علی کا کام تمام کر دیا یہ دیکھکر قطب شاہی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور بقیہ فوج بھاگ کر سید عبداللہ کے پاس کالے پہاڑ میں داخل ہوئی۔

غنیم کی اس کامیابی کی خبر قطب شاہ کی خدمت میں ارسال کی گئی اور سید عبداللہ نے دوسری امدادی فوج کی درخواست کی کیونکہ دشمن کی جمعیت بہت تھی۔ قطب شاہ نے ۱۶۲۲ء میں جبکہ یہ جنگ چھڑی ہوئی تھی سید عبداللہ کی درخواست پر خواجہ افضل ترک کو مرتضیٰ نگر سے بلوایا اور ایک تازہ فوج دیکر عبداللہ کی کمک پر روانہ کیا۔ ساتھ ہی اس کے مغلوں کے تاخت و تاراج کے روکنے کے لئے قطب شاہ نے میاں حسینی حوالہ دار کو

حکم دیا کہ وہ قلعہ راجمندری کو بہت جلد مستحکم کرلے بہادر غنیم ولایت کستلکوٹہ میں گھس آئے تو اسکی مدافعت بخوبی کی جاسکے معلوم ہوتا ہے کہ باقر خان نے قطب شاہ کی سرحد پر بلا استصواب بادشاہ حملہ کیا تھا۔ کیونکہ جس وقت اس لڑائی کی خبر شاہجہاں کو پہنچی تو اس نے دوستانہ تعلقات بر نظر کرکے فی الفور باقر خان کو حکم بھیجا کہ وہ اپنی فوج لیکر واپس آئے۔ چنانچہ اس کے حکم کے پہنچتے ہی باقر خان بنگالہ کو واپس ہوا۔ مگر قطب شاہ نے مصلحتاً اپنی سرحدی فوج کو واپس نہیں بلایا۔

مغلوں سے براہ راست قطب شاہ کی یہہ پہلی مڈبھیڑ تھی جو شاہ جہان کی توجہ سے باسانی ٹل گئی۔ لیکن دوسری طرف قطب شاہ کو ایک عادل شاہی سردار کی بدخوانی سے خود اُس کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہونا پڑا۔

اس کی کیفیت یہہ ہے کہ ارادت خان اور نصیر خان وغیرہ سرداران افواج مغلیہ نے نظام شاہ کی مملکت میں ہر چہار طرف حملے شروع کردئے تھے۔ خان جہان جس کی بدولت نظام شاہ کو یہہ بُرا دن دیکھنا نصیب ہوا۔ اپنی حفاظت کو ناممکن سمجھکر آگرہ کی طرف بھاگا۔ مگر شاہ جہاں کے لشکر نے تعاقب کرکے اُس کو قتل کر ڈالا۔ اور نظام شاہ دولت آباد میں محصور تھا کہ دغابازی سے فتح خان اور ملک عنبر نے اُس کو بھی قید کرکے قتل کر ڈالا۔ اور اس کے صغیر سن لڑکے کو تخت پر بٹھا کر شاہ جہاں کے نام کا خطبہ جاری کیا اور اطاعت قبول کرلی۔ مگر فتح خان سے اس غداری اور نمکحرامی پر نظام شاہی امرا اور مرہٹے بگڑ گئے۔ کچھہ تو عادل شاہ کی طرف جاملے۔ اور کچھہ مغلوں کے پاس چلے گئے۔ اور کچھہ قطب شاہ کے پاس آرہے تھے۔

ارادت خان اور نصیر خان نے نظام شاہیوں کے قلعہ دھارور کو فتح کرلیا تھا۔ اور اس کے بعد پرینڈہ کا محاصرہ شروع کردیا تھا۔ پرینڈہ کا قلعہ عادل شاہ کی سرحد پر تھا۔ اور یہہ اندیشہ تھا کہ اس کی فتح ہوجانے سے عادل شاہ کی سرحد تک

دشمن پہنچ جائینگے اُس نے دور اندیشی سے ۱۲ ہزار سوار کے ساتھ پنڈت مرہری کو سپہ سالار بناکر قلعہ پرینڈہ پر نظام شاہی فوج کی مدد کے لئے بھیجا پنڈت مرہری نے اس بہادری سے جنگ کی کہ محاصرین بھاگ نکلے۔ اور بڑی ہوشیاری یہ کی کہ نظام شاہی مرہٹے اور امرا جو قطب شاہ کے پاس آرہے تھے۔ ان کو راستہ میں پاکر وعدہ وعید سے راضی کرکے اپنے ساتھ ملا لیا۔

اس کے بعد اطمینان حاصل کرکے پنڈت مرہری قلعہ کولاس ممالک محروسہ قطب شاہی کی طرف آیا اور عادل شاہی ایلچی کے ذریعہ سے جو دارالسلطنت حیدرآباد میں مقیم تھا قطب شاہ سے استدعا کی کہ اس کو حرجانہ جلد بھیج دیا جائے۔ یہ استدعا اس بنا پر تھی کہ کسی وقت میں قطب شاہیوں نے عادل شاہ کے سرحد میں بعض مقامات کو لوٹ مار کرکے ویران کر دیا تھا اور اس وقت کے وزیر اعظم نے اس قصہ کو یوں رفع کیا کہ اُن مقامات کے آباد کرنے کے لئے عادل شاہ کے پاس حرجانہ کی ایک رقم روانہ کردیجائے مگر وہ رقم ابھی تک روانہ نہوئی تھی پنڈت مرہری نے تقاضا پر تقاضا کیا اور ادھر سے کچھ جواب نہ گیا تو اس نے قلعہ کولاس کا محاصرہ کرلیا۔ اور کامل ایک مہینے تک دو فوجوں میں خوفناک معرکہ آرائی ہوتی رہی لیکن کولاس کو ناقابل فتح پاکر اور بہت سا نقصان اٹھاکر پنڈت مرہری نے محاصرہ اُٹھالیا۔ اور لوٹ مار کرنے والے مرہٹوں کو لیکر قطب شاہی سرحد پر شورش کرنے لگا۔

عبداللہ قطب شاہ نے پنڈت مرہری کی بیجا دست اندازی کا حال سُن کر فوج جمع کرنا شروع کی اور اپنے مشہور اور تجربہ کار امرائے فوج کو منتخب کرکے اس مہم پر روانہ کیا۔ یہ بھی چالاکی کی کہ خفیہ طور سے مرہٹہ سرداروں کو جو دراصل اس کے پاس ہی آرہے تھے۔ وعدہ وعید سے اپنی طرف ملالیا سب نے پنڈت مرہری کا ساتھ چھوڑدیا چنانچہ بھوجی کا بیٹا مشہور مرہٹہ سردار جو اپنی شجاعت ولیاقت میں بےنظیر تھا قطب شاہ کے

پاس اپنی کثیر جمعیت کو لیکر چلا آیا۔ اور دار السلطنت حیدر آباد میں پہنچ کر قدمبوس ہوا۔
قطب شاہ نے یہہ بھی حکم دیا کہ جو شخص عادل شاہی فوج کے سپاہیوں کی ناک کاٹ کر لائیگا۔ اس کو فی ناک ایک ہون انعام دیا جائیگا۔ ان تدابیر کا اثر پنڈت مرہری پر بخوبی پڑا۔ ایک طرف تو قطب شاہی فوج اس کے مقابل پر تھی دوسری طرف خود اس کی جمعیت ٹوٹ گئی تھی مصلحت دیکھکر قطب شاہ سے معافی مانگی۔ اور لکھا کہ مجھکو فقط امداد حاصل کرنا مقصود تھا جیسا کہ دونوں سلطنتوں کے اجداد میں دستور تھا ورنہ مغل دونوں حکومتوں کو تباہ کر دینگے۔ الغرض یہ جھگڑا بھی صلح کے ساتھ رفع ہو گیا۔
برہان پور سے شاہ جہان بادشاہ نے اپنے سفیر شیخ محی الدین کو قطب شاہ کے پاس بھیجا اور شیخ معین الدین کو عادل شاہ کے پاس روانہ کیا۔ عادل شاہ نے نو لاکھ ہون اور سو ہاتھی پیشکش کرنے کا قول و قرار کیا مگر بہت جلد پنڈت مرہری کی کارروائیاں دیکھکر اپنے وعدہ کو فسخ کر دیا جس پر آصف خان نے ناراض ہو کر قلعہ بیجاپور پر حملہ کر دیا۔
ادھر شیخ محی الدین سفیر نے اپنے سلوک سے قطب شاہ کو ناراض کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قطب شاہ نے اپنے ایک سفیر وفا خان کو شیخ محی الدین کے ساتھ شاہ جہاں کے پاس روانہ کیا۔ شاہ جہان محی الدین پر خفا ہوا اور دوسرا ایلچی شاہ علی بیگ نامی کو قطب شاہ کے پاس روانہ کیا اس نے قطب شاہ سے کئی لاکھ ہون کے ارسال کرنے کا مطالبہ کیا۔ جس پر قطب شاہ نہایت مکدر رہا اور مغل فوجوں کی نقل و حرکت سے بدظن ہو کر اس نے نہایت مضبوطی کے ساتھ سرحدی حفاظت کا بندوبست شروع کیا۔ تمام مشہور مشہور امرا اور مرہٹوں کو چاروں طرف پھیلا دیا اور گولکنڈہ کی حفاظت کا بھی اس نے بخوبی انتظام کر لیا۔ مگر دفعتاً شاہ جہاں کے برہانپور سے آگرہ کی جانب کوچ کرتے ہی مغلوں کا تسلط پھر کچھ ضعیف ہو گیا کیونکہ آصف خان نے جو بیجاپور کے قلعہ کو بہت کچھ نقصان پہونچا چکا تھا۔ واپسی کا حکم پا کر محاصرہ چھوڑ دیا اور بہت نقصان اٹھا کر ہندوستان کی راہ لی۔

قطب شاہ نے بھی شاہ علی بیگ سفیر کو خشک جواب دیکر رخصت کر دیا۔ اور مغلوں کے دکن سے بالکل کوچ کر جانے سے مطمئن ہو کر اپنے امرا کو جو سرحدی مقامات پر متعین تھے شہر حیدر آباد میں طلب کر لیا۔

کچھ دنوں کے لئے دکن کا مطلع صاف ہوا تھا کہ پھر بہت جلد مہتاب خان نے آکر مکدر کر دیا۔ اس کے آنے کی خبر سنکر قطب شاہ نے مثل سابق سرحدی مقامات پر امرا کو بھیجدیا اور عادل شاہ نے سفیر بھیجکر قطب شاہ سے درخواست کی کہ مہتاب خان پھر آمادہ پیکار ہے ایسے موقعوں پر دونوں حکومتوں کو ایک دوسرے کے دوش بدوش جنگ کرنا چاہئے۔

مہتاب خان نے پہلے نظام شاہ اور فتح خان پر ہاتھ صاف کیا اور قلعہ دولت آباد کو فتح کر کے اُن کو قید کر کے آگرہ بھیجدیا اور خود برہان پور میں مقیم ہوا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ پہلے عادل شاہ کا قلع قمع کر دیا جائے پھر قطب شاہ پر چڑھائی ہو اسی غرض کے لئے اس نے شاہ جہاں سے درخواست کی کہ کسی شہزادہ کو مہم دکن پر روانہ فرمائے۔ چنانچہ شاہ جہاں نے شہزادہ شجاع کو روانہ کر دیا۔ اس کے پہنچ جانے پر مہتاب خان نے پرینڈہ پر آکر حملہ کیا جس پر عادل شاہ نے قبضہ کر لیا تھا۔ گر یہ بے نیل مرام برہانپور واپس ہوا اور جاتے ہی بیمار ہو کر فوت ہو گیا۔

اس وقت تک قطب شاہ مغلوں کے تاخت و تاراج سے محفوظ تھا۔ مگر اورنگ زیب جب دکن کے انتظام پر مقرر ہو کر آیا تو قطب شاہ بھی اس کے حلے سے محفوظ نہ رہ سکا۔

محمد سعید میر جملہ سپہ سالار کرناٹک جس نے اپنے حسن تدابیر اور قابلیت سے بڑا اعزاز حاصل کیا تھا قطب شاہ سے اس بات پر ناراض ہوا کہ اس نے اپنی لڑکیوں کی شادی کے لئے نجف اور مکہ سے دو سیدوں کو بلوایا تھا۔ گر جب وہ حیدر آباد پہنچے اور دربار قطب شاہی میں حاضر ہوئے تو قطب شاہ نے اپنی لڑکیوں کے لئے ان کو انتخاب کیا۔

جس پر میر جملہ بادشاہ کی جانب سے مامور رہا اسی اثنا میں اس کے بیٹے محمد امین کے بعض گناہوں اور بدعنوانیوں پر قطب شاہ نے اظہار ناراضی کیا۔ میر جملہ کو اپنے اعزاز وقعت کے لحاظ سے قطب شاہ سے اس سلوک کی توقع نہ تھی۔ وہ شاہزادہ اورنگ زیب کے پاس شاہ جہاں کے ۲۹ ویں سال جلوس میں اورنگ آباد میں چلا گیا اور قطب شاہ کی جاکر شکایت کی کہ اس کے متعلقین اور مال ومتاع سب خطرہ میں ہیں۔ اورنگ زیب کو مداخلت کرنے کا ایک بہت اچھا ذریعہ ہاتھ آیا۔ اس نے فوراً شاہ جہاں کا حکم حاصل کرکے قطب شاہ کو لکھا کہ وہ محمد امین اور اس کے متعلقین اور مال واسباب سے کچھ تعرض نہ کرے۔ جب قاضی محمد عارف کشمیری اورنگ زیب کا یہ فرمان لیکر قطب شاہ کے پاس پہنچا تو وہ پڑھکر سخت برافروختہ ہوا اور محمد امین کو میر جملہ کی پاداش میں مقید کرکے اس کی دولت ومال پر قبضہ کرلیا۔ اورنگ زیب کو جب شاہی فرمان کا یہ نتیجہ معلوم ہوا کہ قطب شاہ نے اس کے برعکس عمل کیا ہے تو ایک بڑی مدبرانہ چال کی پہلے اس نے قطب شاہ کو لکھا کہ شاہزادہ سلطان محمد بنگالہ کی طرف اپنے چچا شہزادہ شجاع سے ملاقات کو جارہا ہے جب آپ کے سرحد کے متصل پہنچے تو اس کو آرام وآسائش کے ساتھ گزرنے کا انتظام کیا جائے۔

عبداللہ قطب شاہ نے شہزادہ کی ضیافت کا بڑا سامان کیا چنانچہ اورنگ زیب نے ۱۰۶۶ھ میں پہلے اپنے بیٹے سلطان محمد کو روانہ کیا اس کے بعد خود پیچھے پیچھے روانہ ہوا جب حیدرآباد سے بارہ کوس کے فاصلہ پر سلطان محمد کی فوج پہنچی تو قطب شاہ اورنگ زیب کی ہوشیاری پر متنبہ ہوگیا پہلے تو اس نے سلطان محمد کے پاس محمد امین اور میر جملہ کے متعلقین کو بحفاظت تمام روانہ کردیا۔ اور خود جاکر گولکنڈہ کے قلعہ میں قیام کیا۔ جو بہ نسبت حیدرآباد کے ایک محفوظ مقام تھا۔

ادھر شاہزادہ محمد سلطان نے یہ دیکھکر کہ محمد امین کا مال ومتاع قطب شاہ نے

واپس نہیں کیا حملہ کے ارادہ سے بڑھا اور حسین ساگر کے کنارے خیمہ زن ہوا۔

قطب شاہ نے بھی اپنے جانباز سپاہ کو مدافعت پر روانہ کیا اور دونوں فوجوں میں سخت خون ریزی ہوئی سلطان محمدؐ نے بڑھکر قلعہ گولکنڈہ پر حملہ کیا اور اگرچہ قطب شاہ نے بڑی بہادری اور جراءت سے اپنی حفاظت اور مدافعت کی مگر مغل فوج نے حیدرآباد کو لوٹ لیا اور تمام شاہی کارخانے اور کتب خانے غارت ہوگئے۔

قطب شاہ نے یہہ حال دیکھکر کہ سخت کشت وخون ہورہا ہے صلح کی درخواست کی اور سالانہ خراج بھیجنے کا وعدہ کرکے اپنی لڑکی کے ساتھ سلطان محمدؐ کا عقد کردیا۔

اورنگ زیب اس مہم سے فارغ ہوکر اورنگ آباد واپس ہوا اور میر جملہ کی لیاقت اور جنگی مہارت سے آگاہ ہوکر اپنے ساتھ لے لیا اورنگ زیب نے قلعہ بیدر پرینڈہ کوکن کو فتح کرکے گلبرگہ پر حملہ کردیا۔ عادل شاہ نے صلح کی درخواست کی اور بہت کچھ خراج بھیجنے کا وعدہ کیا۔ مگر حسن اتفاق سے اسی اثنا میں شاہ جہاں کی علالت اور داراشکوہ کی حکومت کی خبر وصول ہوئی یہ سنتے ہی اورنگ زیب اپنے مہم کو ناتمام چھوڑکر آگرہ کی جانب کوچ کرگیا اور دولت آباد میں اپنی فوج میر جملہ کے ساتھ چھوڑ گیا۔

اسی اثنا میں سلطان عبداللہ قطب شاہ نے ۱۰۸۳ھ میں ۶۰ برس کی عمر میں ۴۸ سال حکومت کرنے کے بعد اس دار فانی کو خیرباد کہا۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ نہایت دوراندیش اور منصف مزاج تھا اس کے عہد میں علما وفضلا کا مجمع تھا اور وہ بڑی قدردانی کرتا تھا۔ حیدرآباد میں اس کی قدردانی کا حال دیکھکر بکثرت شعرا اور علما جمع ہوگئے تھے۔ برہان قاطع فارسی کا مشہور لغت اسی کے نام سے تالیف کیا گیا ہے۔ اور اس کے عہد میں شیخ محمد خاتون نہایت بزرگ منش اور زبردست عالم فاضل تھے جن کو اس نے سلطنت کے عہدہ جلیلہ پیشوائی پر مقرر کیا تھا۔ اس کے عہد میں تعلم وتعلیم کا بہت چرچا تھا۔ شیخ محمد خاتون کی سعی سے

جا بجا مدارس و مکاتب کھل گئے تھے۔

عبداللہ قطب شاہ کو سیر و تفریح کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ ابتدائی سلطنت میں جب کہ مغلوں سے چھیڑ چھاڑ نہ ہوئی تھی وہ محمد قلی قطب شاہ کے بنوائے ہوئے محلات کوہ طور۔ بنات گھاٹ۔ لنگم پلی اور حسین ساگر کے کنارے کے محل پر جا کر مقیم ہوتا تھا۔ اور جشن شاہانہ ترتیب دیا کرتا تھا۔ ایک عالیشان محل بھی اس نے تیار کرایا تھا۔

عبداللہ قطب شاہ کو مذہبی مراسم سے بھی از حد وابستگی تھی مولد نبی کا جشن بڑے کروفر سے مناتا تھا۔ جو اس کے آبا و اجداد کے وقت سے جاری تھا۔ مگر محمد قطب شاہ نے موقوف کر کے اس کا تمام خرچ علما، فقرا اور طلبا پر سالانہ تقسیم کر دیا تھا۔ عبداللہ قطب شاہ داد محل میں مولد نبی کی محفل بارہ روز تک منعقد کرنے لگا۔ آخری شب کو بڑا پر تکلف سامان کیا جاتا تھا تمام شہر کی دعوت کرتا تھا اور رات بھر جلسہ رقص و سرود رہتا تھا۔ آخر شب میں عبداللہ قطب شاہ شہر میں جلوس کے ساتھ گشت کیا کرتا تھا۔ اور کوتوالی کے مکان کے پاس ٹھیر کر تمام امرا کی نذریں لیتا تھا تین ۳ ہزار ہون جشن میلاد میں صرف کیا کرتا تھا۔

محرم میں بھی رسم ماتمداری کو اس نے بڑی ترقی دی۔ اگرچہ اس کے سابق بادشاہوں نے بھی اس رسم کو جاری رکھا تھا۔ مگر عبداللہ قطب شاہ نے اس کو بڑا فروغ دیا۔ اس کا حکم تھا کہ تمام طبل و نقارہ محرم میں موقوف کر دئے جائیں۔ گوشت کی دکانیں اٹھا دی جائیں۔ اور کسی ذی روح کو تکلیف نہ دیجائے۔ پان کی دکانیں بھی بند ہیں۔ کیونکہ یہ بھی اسباب زینت میں شمار ہوتا ہے الغرض خود محرم میں سیاہ پوش ہوتا تھا اور تمام امرا اور مقربان بارگاہ کو سیاہ جامہ تقسیم ہوتا تھا اس وقت دو لادہ تھے ایک تو شاہی اندر تھا ایک بازار میں دونوں جگہ چہاردہ معصومین کے علم استادہ کئے جاتے کوتوال کے ذمہ اس کا انتظام تھا۔

چھٹی شب کو بادشاہ محل کے بالاخانہ پر برآمد ہوتا تھا اور علم اس کے سامنے

بازار کے ارادہ سے بھیجے جاتے تھے جس کی وہ زیارت کرکے واپس کرتا تھا۔

دسویں کو محرم کی خود پاپیادہ زیارت کو نوحہ کناں نکلتا تھا اور مصائب شہدا سنکر سینہ چاک کرتا تھا۔ روشنی اور کھانے کے انتظام کے علاوہ ۱۲ ہزار ہون محرم میں سادات اور فقرا کو مرحمت کرتا تھا۔

عبداللہ قطب شاہ کے عہد ۱۶۲۲ئ میں ایک خوفناک قحط ظہور پذیر ہوا یہ قحط ایسا شدید تھا کہ تمام حوض حسین ساگر ابراہیم پٹن وغیرہ خشک ہوگئے تھے جو آج تک خشک نہ ہوئے تھے باغات بالکل تباہ ہوگئے اور ایک عالمگیر قحط عالم وجود میں آیا۔

عبداللہ قطب شاہ نے ندی محل کے میدان میں نماز استسقا پڑھوائی اور ہاتھیوں پر سے فقرا اور محتاجین کو زر و مال تقسیم کیا لیکن کچھ معمولی بارش ہو کر رہ گئی اس نے حتی الامکان قحط کے مصائب روکنے کی تدبیر کی شہر میں پانی کے لئے جا بجا کوئیں کھدوائے اور ہر ایک محلہ میں غلہ کے تقسیم کرنے کا لنگر جاری کیا۔ شہر کے باہر بھی یہی انتظام کیا پھر بھی لاکھوں بندگان خدا بھوکے پیاسے مرگئے۔ چنانچہ سلطنت کی طرف سے ایک لاکھ قحط زدوں کے لئے کفن دئے گئے تھے اور جو بے گور و کفن رہے ان کا شمار نہیں۔

یہ قحط عالمگیر تھا تمام ہندوستان میں بارش نہ ہوئی تھی احمد نگر میں تو یہ حال تھا کہ مٹھی بھر روپیہ خرچ کرنے سے بھی مٹھی بھر چاول نہیں ملتے تھے۔ شاہ جہاں بادشاہ نے بھی اپنا خزانہ لٹا دیا۔ مگر لکھو کھا مخلوق ضائع ہوئی۔ اس کے دوسرے سال بارش کا اس قدر جوش ہوا۔ کہ ایک سیلاب عظیم طوفان نیکر نمودار ہوا موسی ندی اس قدر طغیانی پر تھی کہ پل قدیم کے اوپر پانی بہہ رہا تھا اور شہر میں ہر کوچہ و بازار پانی سے ڈوبا نظر آتا تھا۔ ندی کے کنارے کے محلات و باغات تباہ ہوگئے۔ چار مہینہ بارش متواتر ہوتی رہی شاہ ایران کے پاس بھی ایک سفیر قطب شاہ نے بھیجا تھا جس کے جواب میں شاہ ایران نے بھی اپنا سفیر بھیجکر سلسلہ اتحاد مستحکم کیا۔ لیکن اس اتحاد سے کسی نے فائدہ نہیں اٹھایا۔

سلطان ابوالحسن قطب شاہ عرف تاناشاہ

گولکنڈہ کا زوال

شاہان گولکنڈہ کا آخری بادشاہ سلطان ابوالحسن قطب شاہ عرف تاناشاہ ۱۶۶۵ء میں عبداللہ قطب شاہ کی وفات پر بڑی قیل وقال کے بعد تخت نشین ہوا۔ سلطان ابوالحسن عبداللہ قطب شاہ کا داماد تھا۔ سلطان عبداللہ کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ اُمرائے دولت میں اور بیگمات میں تخت نشینی کے باب میں جھگڑا پیدا ہوا کیونکہ سید مرزا احمد عبداللہ قطب شاہ کا بڑا داماد تخت کا دعویدار تھا۔ اور اس سے محل کی عورتیں بھی موافق تھیں یہ قضیہ اس قدر بڑھا کہ ایک بیگم حبشنوں کو ساتھ لیکر جنگ پر آمادہ ہوگئی۔ اور باہر سے مرزا احمد لڑائی پر تلا ہوا تھا۔ مگر ابوالحسن اپنی خوش خلقی بشاشت اور حسن سلوک کی وجہ سے ہر دلعزیز تھا اکثر امرائے دولت نے اسی کی طرفداری کی اور آخر مرزا کے طرفدار بھی ٹوٹنے لگے انجام یہ ہوا کہ ابوالحسن قطب شاہ کو تخت ملگیا۔ اور مرزا احمد قید ہوگیا۔

ابوالحسن قطب شاہ کو مغلوں کی فوج سے گولکنڈہ کی فتح تک مقابلہ کرنا پڑا۔ اس زمانہ میں مغلیہ فوج تمام سرحد پر ٹڈی دل کیطرح چھارہی تھی۔ تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہی سید مظفر ایک بارسوخ امیر کو تاناشاہ نے اپنا وزیراعظم مقرر کیا مگر ابتدا ہی سے دونوں کے درمیاں کشیدگی بڑھتی گئی اور بہت جلد سید مظفر علحدہ کردیا گیا اور اس کا جانشین مادنا برہمن مقرر کیا گیا جس نے اپنے خدمات سے ابوالحسن کو بہت راضی کیا۔ اور بالکل زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ابوالحسن تو عیش وعشرت کا دلدادہ تھا۔ اس کو چنداں پرواہ بھی نہ ہوئی۔

انقلاب وزارت کا اثر ملک کے حق میں بہت برا ہوا۔ مادنا کو مسلمانوں سے ازحد کا تعصب تھا۔ اور اپنی قوم کا انتقام لینے کے لئے اس نے تدابیر اختیار کئے۔ بیرون شہر بتخانہ

بنوائے اور تیوحار کے روز تمام سادات اور امرا کو اپنے جلوس میں لئے ہوئے بتخانہ کی زیارت کو جاتا تھا۔ اس کی اس توہین و تذلیل سے امرا نہایت ناراض ہوئے اور ہر ایک کے دل میں ابوالحسن کے حرکات سے نفرت اور حقارت پیدا ہو گئی۔

شہنشاہ عالمگیر بیجاپور پر حملہ کرنے کے لئے دکن میں وارد ہوا تو اس نے شولاپور کی سرزمین کو لشکرگاہ قرار دیا اور شہزادہ معظم کو فوج دیکر سکندر عادل شاہ پر حملہ کرنیکے لئے روانہ کیا اس میں کچھ شک و شبہ نہیں کہ عالمگیر کا ارادہ گولکنڈہ کے فتح کرنیکا نہ تھا۔ مگر اس کو حیدرآباد پر حملہ کرنے کے لئے ایک بہانہ مل گیا۔ اوس نے پہلے بیجاپور کے فتح کرنے کا مستقل ارادہ کر لیا تھا۔ مگر اس کے ایک سپہ سالار جان نثار خاں نے یہ سمجھکر کہ حیدرآباد بھی ضرور تسخیر کیا جائیگا حدود گولکنڈہ پر چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ اور قصبہ سیڑم کی گڑھی پر قبضہ کر لیا۔

ابوالحسن کو جب اس مخالفانہ قبضہ کی اطلاع پہنچی تو اس نے اپنے عمدہ امیروں کو سیڑم پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ شیخ منہاج اور رستم راؤ جو بڑے بہادر اور جانباز سپاہی تھے فوج لیکر روانہ ہوئے جب یہ فوج سیڑم پر وارد ہوی اور جنگ کا آغاز ہو گیا تو جان نثار خاں اپنی جمعیت قلیل پاکر قلعہ میں محصور رہا اور اندر سے مدافعت کرنے لگا ساتھ ہی اس کے عالمگیر کے پاس کمک کی درخواست روانہ کر دی۔

اس اثنا میں عالمگیر کو ابوالحسن قطب شاہ کی ایک تحریر دیکھنے کا موقع ملا جو اس نے کسی شخص کو لکھا تھا اس خط کا یہ مضمون تھا کہ اگرچہ میں نے عالمگیر کے ساتھ دوستانہ تعلقات اور ارسال نذرانہ میں کمی نہیں کی لیکن عالمگیر کی دست درازی اور فتح کی ہوس نے مجھکو سخت برافروختہ کیا ہے اس نے سکندر عادل شاہ کو بے دست و پا سمجھکر حملہ کر دیا ہے۔ اب میں اس کے خلاف کارروائی شروع کرتا ہوں اور راجہ بہنا مشہور مرہٹہ سردار کو کمک پر مقرر کرتا ہوں۔ اور خلیل اللہ خاں کو چالیس ہزار سوار دیکر مغلوں پر حملہ کرنیکا حکم دیتا ہوں پھر دیکھتا ہوں کہ اب عالمگیر کس کس سے اور کس کس طرف جنگ کریگا۔ یہ مضمون دیکھکر عالمگیر

سخت ناراض ہوا اور مہم بیجاپور کو سردست ملتوی کرکے ابوالحسن کی گوشمالی ضروری قرار دی،
اس اثناء میں جاں نثار خاں کی درخواست کمک بھی پہنچ گئی اور عالمگیر نے خانجہاں کو لشکر دیکر ہمت خاں سپہ دار خاں ۔صفدر خاں۔ایرج خاں وغیرہ سرداروں کے ساتھ قطب شاہی حدود پر روانہ کیا۔
تاناشاہ نے بھی خلیل اللہ خاں سپہ سالار کو مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔جاں نثار خاں اور پرویز خاں بھی سیڑم سے علیحدہ ہوکر خانجہاں کے ساتھ مل گئے۔اور قصبہ ملکھیڑ کے قریب دونوں فوجیں مقابل میں نمودار ہوئیں۔
ابتدا میں خلیل اللہ خاں کی فوج تیس ہزار کی تعداد میں تھی مگر رفتہ رفتہ نئی کمک آجانے پر پچاس ہزار کی جمعیت اس کے پاس ہوگئی۔قریب قریب ایکماہ تک دونوں فوجیں باہمدیگر حملہ آور ہوتی رہیں۔مگر کوئی جنگ مغلوبہ ظہور پذیر نہیں ہوی۔
ایک دن موقع پاکر دکھنی فوج نے خانجہاں کی فوج پر سخت حملہ کیا فوج مغلیہ تیار نہ تھی اس لئے قطب شاہی فوج موریوں پر قبضہ کرتی ہوی قلب لشکر میں درآئی اور سخت کشت وخون کا بازار گرم ہوا۔خانجہاں نے جلد جلد مدافعت کی تیاری کی اور راجپوت افغانوں کو چاروں طرف قائم کرکے دشمن کے ہٹانے میں مشغول ہوئے۔لیکن غنیم کا غلبہ بڑھتا گیا اور خانجہاں کے اکثر سردار محصور ہونے کے قریب ہوگئے۔کہ اتفاق سے راجہ رام سنگھ کا جنگی مست ہاتھی زنجیر توڑا کر بھاگا اور قطب شاہی فوج کے سردار بڑے خاں کے سامنے آموجود ہوا جو اپنی جرات اور بہادری کے لحاظ سے تمام امرائے قطب شاہی میں معزز مانا جاتا تھا بڑے خاں نے ہاتھی پر حملہ کیا مگر ہاتھی نے بڑھکر اس کے گھوڑے کو گرادیا اور بڑے خاں کو پاؤں کے نیچے روند ڈالا۔اسی طرح اور بھی دوسرے حملہ آوروں کو پسپا کیا۔اس موقع کو دیکھکر خانجہاں لشکر لیکر چاروں طرف سے دشمن پر ٹوٹ پڑا یہ لوگ اپنے ایک سردار کے مارے جانے سے ہمت ہار بیٹھے تھے۔آخر قطب شاہی فوج نقصان کثیر

اُٹھا کر واپس ہوئی اور دور تک خان جہاں نے تعاقب کر کے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا اس فتح کی خبر عالمگیر کو خان جہاں نے دی اور درخواست کی کہ کسی شہزادہ کو روانہ کر دیجئے۔ عالمگیر نے شہزادہ معظم کو اعتقاد خان اور مرحمت خان وغیرہ سرداروں کے ساتھ روانہ کیا جب یہ جدید کمک خان جہاں کے پاس پہنچ گئی تو شہزادہ معظم نے جنگ عظیم کی تیاری کی۔ ادھر سے قطب شاہی فوج بھی جمع ہو گئی تھی جانبین میں بڑی خونریز جنگ واقع ہوئی۔ اور بکثرت قتل و خون کے بعد قطب شاہی فوج پسپا ہوئی۔ مگر خان جہاں کے مشورہ سے شہزادہ معظم نے تعاقب نہیں کیا ورنہ فراریوں کو بچکر نکلنا مشکل تھا۔

عالمگیر کو جب اس فتح کی خبر پہنچی اور شہزادہ کی اس فروگذاشت کا حال بھی معلوم ہوا تو اس نے دونوں کے نام عتاب نامہ روانہ کیا۔ جس پر خان جہاں اور شہزادہ معظم کبیدہ خاطر ہوئے کہ بجائے خوشنودی کے ہماری خدمت کا یہ معاوضہ دیا گیا۔

قطب شاہی فوج پھر اپنے مقام پر جمع ہو گئی تھی مگر طرفین سے کوئی جنگ نہیں ہوئی شاہزادہ معظم اور خان جہاں ملول خاطر تھے اور انہوں نے حملہ کرنے کا خیال ترک کر دیا تھا۔ مگر دکھنی چند دنوں کی خاموشی کے بعد اپنے اپنے طور پر شاہی لشکر سے مقابلہ کرنے لگے۔ شہزادہ معظم نے اپنے امرا سے صلح کرنے کا مشورہ کیا مگر سید عبداللہ نے مخالفت کی بہت رد و قدح کے بعد شہزادہ کی طرف سے خلیل اللہ خان سپہ سالار کو شہزادہ معظم نے لکھا کہ کوہیر اور سیڑم وغیرہ سے جو مقامات ہمارے قبضہ میں آگئے ہیں تعرض نکرو اور اپنے مقام پر پلٹ جاؤ تو میں صلح کر لونگا خلیل اللہ خاں تو اس پر راضی تھا مگر شیخ منہاج اور رستم راؤ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ اور آخر کار ایک مہیب جنگ واقع ہوئی جس میں طرفین کے اکثر امرا و سردار زخمی ہوئے اس جنگ کا یہ نتیجہ ہوا کہ دکھنی فوج میدان سے بھاگ نکلی۔

شہزادہ معظم نے غنیم کی قیام گاہ تک تعاقب کیا جہاں کہ سامان رسد اور

غنیم سرداروں کے قبائل موجود تھے۔ خلیل اللہ خان نے شاہزادہ معظم سے کچھ دیر کی رخصت طلب کی کہ ہمارا تعاقب نہ کیا جائے اور ہمارے قبائل پر حملہ نہ ہو کیونکہ جنگ کیلئے ہم موجود ہیں شہزادہ معظم اس پر راضی ہوا اور تھوڑے دنوں کے بعد خلیل اللہ خاں پھر جنگ کے لئے آمادہ ہوا۔ مگر پھر شکست کھائی اور شب کو پیام دیا کہ کل صبح کو صرف سرداران فوج میدان میں باہمدیگر فیصلہ کرلیں تاکہ کشت وخون کی نوبت نہ آئے۔

شہزادہ معظم نے اس تجویز میں یہ شرط بڑھادی کہ بشرطیکہ ہاتھیوں اور گھوڑوں کے پاؤں زنجیر سے مضبوط باندھ دے جائیں کہ جب تک قطعی فیصلہ نہ ہو جائے کوئی سردار بھاگ نہ سکے۔

جب یہ پیغام خلیل اللہ خان کے پاس ایلچی لیکر گیا تو اس نے نامنظور کیا مگر اسی شب کو دکھنیوں کی فوج میں آپس کی عداوت اور دیرینہ بغض وحسد کا مادہ پھوٹ نکلا اور ملکیوں وغیر ملکیوں کے فساد بڑھجانے کی وجہ سے قطب شاہی لشکر منتشر ہوگیا۔ شہزادہ معظم نے اس غیبی فتح کو سنکر شادیانہ فتح بجوایا۔ اور دور تک دشمن کا تعاقب کیا اور حیدرآباد کی جانب بڑی سرعت سے روانہ ہوا۔

اس شکست کی خبر تاناشاہ کو پہنچی اور خلیل اللہ خان بھی خدمت میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے خلیل اللہ خان کو ملزم قرار دیا کہ وہ مغلوں سے درپردہ ملگیا تھا۔ اور اس کے قتل کردینے کی فکر کی مگر خلیل اللہ خان وہاں سے مفرور ہوکر عالمگیر کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور یہاں خطاب ومنصب سے سرفراز کیا گیا۔

جب تاناشاہ کو شاہزادہ معظم کے حیدرآباد کی طرف بڑھنے کا حال معلوم ہوا تو وہ نہایت پریشان ہوا اور مقابلہ ومقاتلہ سے محفوظ رہنے کے لئے بکثرت زروجواہرات لئے ہوئے گولکنڈہ کے قلعہ میں حیدرآباد سے نکلکر قیام پذیر ہوا۔ تاناشاہ کے دفعتہً اس نقل مکان پر حیدرآباد میں عجب ہل چل پڑگئی۔ رعایا سراسیمہ بھاگتی ہوئی قلعہ میں

آئی اور بازاروں میں مفسدوں اور اوباشوں نے لوٹ مچادی۔

شہزادہ معظم کو تاناشاہ کی اس مضطربانہ حرکت کا حال معلوم ہوا تو اس نے بڑی سرعت کے ساتھ حیدرآباد کی طرف قدم بڑھایا۔ اس کی فوج نے پہنچکر حیدرآباد کو لوٹنا اور رعایا کے مال و اسباب اور عزت و آبرو پر حملہ کرنا شروع کیا مغلوں کی ان وحشیانہ حرکات پر شہزادہ معظم نے سرزنش کی اور صرف مال جمع کرنے کا حکم دیا مگر سپاہیوں نے اپنے بیہودہ حرکات کو نہ چھوڑا آخر کار شہزادہ معظم نے بڑی سختی کے ساتھ لوٹ مار کو روکا قریب ۷۰ ہزار ہون کے نقد و جنس تاناشاہ کا گرفتار کیا گیا۔

تاناشاہ نے اس مصیبت اور اپنی کمزوری کا خیال کر کے شہزادہ موصوف کی خدمت میں نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ میرا کردہ ناکردہ گناہ معاف کیا جائے۔ میں بطور نذرانہ بادشاہ کی خدمت میں ایک کروڑ بیس لاکھ روپیہ روانہ کرونگا اور سالانہ خراج ادا کرتا رہوں گا۔ شہزادہ معظم کو اس کی درخواست پر رحم آیا اور اس نے تاناشاہ کو لکھا کہ میں عالمگیر کی خدمت میں معروضہ روانہ کردونگا تم مادنا اور اس کے بھائی نیکنا کو قید کردو جو فتنہ و فساد کی جڑ ہیں۔

تاناشاہ کو یہ شرط منظور تھی لیکن مادنا کا اس قدر رسوخ تھا کہ وہ قید کرنے کی جرات نہ کرسکا۔ جب اس کا حال امرا کو معلوم ہوا جو مادنا کے حرکات سے نالاں تھے انہوں نے موقع پاکر مادنا اور نیکنا کو قتل کردیا اور تاناشاہ کے پاس ان کا سر بھیجا گیا اطلاع شہزادہ معظم کو کی گئی۔

شہزادہ معظم نے عالمگیر کی خدمت میں تاناشاہ کے جرایم کی معافی کی درخواست پیش کی عالمگیر نے اپنی رضامندی ظاہر کی اور شہزادہ کے پاس خلعت گراں بہا اور زر و جواہر تاناشاہ کو بھیجنے کے لئے روانہ کیا۔

سعادت خان کو روانہ کیا کہ وہ تاناشاہ سے سابق و حال کا خراج وصول کرے

شہزادہ معظم نے میر ہاشم کے ہاتھ خلعت وجواہر تاناشاہ کے پاس روانہ کیا مگر عام طور پر یہ مشہور ہو گیا کہ عالمگیر نے محض دھوکہ دینے کو تاناشاہ کے پاس خلعت روانہ کیا ہے اور میر ہاشم کا ارادہ تاناشاہ کو گرفتار کرنے کا ہے یہ سن کر ابوالحسن تاناشاہ کے جان نثار امرا عبدالرزاق اور شرزہ خان نے میر ہاشم کو قتل کر ڈالا اور دوسرے سرداروں کو بھی زخمی کیا جو اس کے ساتھ گئے تھے۔

اسی اثناء میں قلت باران کی وجہ سے قحط پڑ گیا۔ شہزادہ معظم کی فوج کو رسد کا ملنا دشوار ہو گیا خانجہاں نے جو عالمگیر کے سلوک سے ناراض تھا۔ اس موقع پر خود اپنی ہی فوج کو تباہ کرنے کی نیت سے بہنا مرہٹہ کو لکھا کہ فلاں جانب ہمارے امرا رسد کی تلاش میں جائیں گے۔ ان کو حملہ کر کے قتل کروانا۔ مگر خانجہاں کا یہ خط شہزادہ معظم کے ہاتھ لگ گیا اور مصلحتہً سوا چند امرا کے اور کسی پر راز ظاہر نہیں ہونے دیا۔ الغرض جب لشکر کو سخت تکلیف ہونے لگی تو مجبور ہو کر شہزادہ معظم قلعہ کو ہیر میں کوچ کر کے مقیم ہوا۔

عالمگیر نے دوسری طرف بیجاپور کا محاصرہ شروع کر دیا چنانچہ ۱۶۸۶ء میں قلعہ فتح ہوا اور سکندر عادل شاہ قید کیا گیا۔ اس جنگ میں غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ کے خدمات سے عالمگیر بہت خوش ہوا۔ بیجاپور سے فارغ ہو کر عالمگیر شاہ گیسو دراز کے مزار پر فاتحہ کی غرض سے آیا اور ۱۶۸۶ء میں وہاں سے گولکنڈہ پر حملہ کرنے کی غرض سے حیدرآباد کا راستہ لیا۔

عالمگیر نے ایک فرمان ابوالحسن تاناشاہ کے پاس روانہ کیا کہ وہ سالانہ رقم جلد روانہ کر دے۔ اور سعادت خان کو جو حیدرآباد میں مقیم تھا اپنے ارادہ سے اطلاع دی اور حکم دیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو تاناشاہ سے خراج وصول کر کے روانہ کر دے سعادت خان نے تاناشاہ کو تاکید کی کہ وہ جلد رقم ادا کر دے تاناشاہ نے جواب دیا کہ اس کو بدل وجان ادا کرنا منظور ہے مگر اس کے خزانہ میں اس قدر رقم موجود نہیں ہے

ہاں زروجواہر وغیرہ اور کچھ نقد رقم ارسال ہوتی ہے۔ اور اپنے خواجہ سرا کے ہاتھ خزانہ جواہرات اور رقم منگاکر سعادت خان کے پاس بھیجدی اور لکھا کہ چند ہی روز میں باقی رقم بھی بھیجونگا۔ اور یہہ بھی لکھا کہ بادشاہ کی خدمت میں اطاعت اور فرمانبرداری کا عریضہ بھی روانہ کرونگا۔

اب گلبرگہ سے عالمگیر بڑھا چلا آتا تھا۔ ابوالحسن نے اظہار اطاعت کی غرض سے میووں کے کئی خوان عالمگیر کی خدمت میں روانہ کئے مگر جب دیکھا کہ عالمگیر بڑھتا چلا آرہا ہے تو اس نے سعادت خان کو لکھا کہ زروجواہر دینے کا منشا یہہ تھا کہ عالمگیر میری خطاؤں سے چشم پوشی کرے لیکن یہہ امید پائی نہیں جاتی۔ لہذا وہ زروجواہر واپس کردئے جائیں۔ مگر سعادت خان نے وہ سب اندوختہ پہلے ہی عالمگیر کے پاس روانہ کردیا تھا۔ ابوالحسن کے طلب کرنے پر اس نے صاف صاف لکھدیا کہ درحقیقت اصلی واقعات یہہ ہیں۔ اور یہہ ممکن ہے کہ آپ مجھکو قتل کریں لیکن اس صورت میں عالمگیر کو آپ پر حملہ کرنے کا ایک بہانہ مل جائیگا اور اگر میں زندہ رہا تو آپ کے بچانے میں سعی کرسکتا ہوں۔ ابوالحسن کو جب سعادت خان کا یہہ پیام پہنچا تو اُس نے اپنی رہائی کی امید موہوم میں سعادت خان کو بلواکر خلعت وانعام سے سرفراز کیا اور عالمگیر کے پاس جو قریب ہی آگیا تھا ایک اطاعت نامہ اور معافی کا عریضہ روانہ کیا۔ ایلچیوں کو تو عالمگیر نے زبان سے جواب نہ دیا سعادت خان کو تحریر کیا کہ ابوالحسن کے جرایم اس قدر ہیں کہ میں کبھی معاف نہ کرونگا۔ اس نے سنبھاراؤ کو مدد دی۔ اور ہمارے مقابلہ پر بھیجا۔ کفار کو مسلمانوں کے خلاف میں آمادہ کیا اور خود اس کو امداد پہنچائی۔ اس نے سادات ومشایخ کو ہندو وزیر کے ہاتھوں ذلیل کیا اور خود شرعی منہیات میں مصروف رہتا ہے رعایا کی انصاف وعدل کے ساتھ حفاظت نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں ہرگز ہرگز ابوالحسن پر میں حملہ کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔

الغرض جب تانا شاہ کو بالکل نا امیدی ہوئی تو اس نے بھی اپنی حفاظت کا انتظام شروع کر دیا۔ قلعہ گولکنڈہ کی مضبوطی تو محمد قلی قطب شاہ کے عہد ہی میں تمام و کمال ہو گئی تھی اور حصار وسیع کیا گیا تھا۔ سامان حرب و قلعہ داری بھی بخوبی مہیا تھا پہلے ابوالحسن نے اپنے چند سرداروں شیخ منہاج اور عبدالرزاق لاری وغیرہ کو فوج دیکر عالمگیر کے مقابلہ کے لئے آگے روانہ کیا۔ اور خود قلعہ میں محصور ہونے کے انتظام میں مصروف ہوا۔

دکھنی سرداروں نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ عالمگیر کی راہ روکنے کا ارادہ کر کے سبقت کی لیکن اس درمیان میں ابراہیم گڑھ کا مضبوط قلعہ غازی الدین خان بہادر فتح کر کے عالمگیر کی فوج سے آملے تھے جب دکھنی امرا کو ابراہیم گڑھ کے فتح ہو جانے کی خبر پہنچی تو انہوں نے مقابلہ کرنا مناسب نہ جانا اور واپس آکر قلعہ گولکنڈہ میں محصور ہوئے عالمگیر اب حیدر آباد سے چند میل کے فاصلہ پر آکر خیمہ زن ہو گیا اور حیدر آباد کا نظم و نسق اپنے امیروں کے سپرد کر کے تھانے وغیرہ جو ملے توڑ واڑالے اور قطب شاہی ملک کا انتظام اپنے قبضہ میں کر لیا کیونکہ درحقیقت تانا شاہ کا قبضہ سوا گولکنڈہ کے جس میں وہ مع اپنے امرا اور فوج کے محصور تھا اور کہیں نہ باقی رہا تھا۔ عالمگیر نے سرکاری کاغذات میں حیدر آباد کو دارالجہاد کے نام سے لکھنے کے لئے حکم دیا اور اُس نے قاضی القضاۃ عبداللہ سے اس بارہ میں فتویٰ دینے کو بھی کہا تھا مگر اس نے فتویٰ دینے سے اجتناب کیا اور اسلامی اخوت کا لحاظ کر کے ابوالحسن کی طرف سے معافی کا خواستگار رہا مگر عالمگیر نے ناراض ہو کر اسے دکن سے چلے جانے کا حکم صادر کیا۔

عالمگیر نے ملکی انتظام سے فارغ ہو کر گولکنڈہ کا مضبوطی کے ساتھ محاصرہ شروع کر دیا در حقیقت گولکنڈہ کے محاصرہ میں عالمگیر کو بہت کچھ نقصان اٹھانا پڑا۔ کامل آٹھ مہینہ دس دن تک یہ محاصرہ رہا جس کا فتح ہونا رفتہ رفتہ اور دشوار ہوتا جاتا تھا۔

ابتدائی چند حملوں میں تو طرفین کا کچھ نقصان نہ ہوا۔ اُس کے بعد ایک لڑائی میں

نواب قلیچ خان بہادر شہید ہوئے۔ عالمگیر تو غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ کی جرأت اور حسن تدبیر سے بخوبی واقف تھا اس لئے ان کو سپہ سالار بنا کر گولکنڈہ کے حصار کو توڑنے کا حکم دیا۔

فیروز جنگ بہادر نے مورچے اور دمدمہ قلعہ کی خندق کے پاس تیار کرائے مگر اس مدّت میں پانی کا طوفان اس شدت سے آیا کہ تمام دمدمے بہہ گئے اور فوج کا سازوسامان بالکل غارت ہوگیا۔ دوسری طرف قحط کی شدت نے مغلیہ فوج کی کثیر تعداد کو سخت نقصان پہنچایا حتیٰ کہ بہت سے سپاہی اور کچھ افسر بھی بھاگ کر ابوالحسن کے پاس آ گئے۔

گولکنڈہ کا موقع ایسا تھا کہ توپوں کے گولے برج سے عالمگیر کی فوج پر اُتارے جاتے تھے اور پناہ نہ تھی بہت کچھ نقصان جان ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ اس زور و شور سے بارش ہوئی اور پانی کا سیلاب اس قدر آیا کہ فوج کے دستے جہاں جہاں تھے وہیں الگ الگ رہ گئے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر عبدالرزاق لاری نے قلعہ سے نکل کر سخت حملہ کیا اور کئی سرداران فوج مغلیہ کو گرفتار کر کے لے گیا ابوالحسن کو تو جنگ کسی طرح منظور نہ تھی اس لئے ان گرفتاروں کو بڑے اعزاز و اکرام سے رکھا اور خلعت عطا کر کے ایک عریضہ کے ساتھ ان کو واپس کر دیا۔ مگر عالمگیر نے ان سرداروں پر ناراضی ظاہر کی اور ایک کا خطاب و منصب چھین کر ابوالحسن قطب شاہ کا عریضہ غازی الدین خان فیروز جنگ کے حوالہ کیا کہ اس میں سے جو بات قابل پیش کرنے کی ہو تو اس کو پیش کریں۔ نواب غازی الدین خان بہادر نے عریضہ میں سے ضروری مطالب پیش کئے۔ جن میں سلطان ابوالحسن نے بڑی عاجزی اور لجاجت سے لکھا تھا کہ میرے عمداً و سہواً خطاؤں کو جہاں پناہ معاف فرمائیں اور مجھکو بھی مثل اپنے بندہ درگاہ کے تصور فرمائیں جب کہ جہاں پناہ قلعہ کو فتح کر کے ضرور اپنے کسی ملازم کے سپرد کرینگے تو بندہ ہی کو اس کی جگہ پر مقرر کریں اور مجھکو ہر طرح سے اپنا تابع تصور فرمائیں اور اگر مدت جنگ کو طول ہی دینا پسند خاطر ہے تو جہاں پناہ کی فوج سے قحط کی تکلیف رفع کرنے کے لئے حکم ہو تو کئی ہزار من غلہ روانہ کر دوں“

عالمگیر نے اس تحریر کو دیکھ کر کہا کہ اگر ابوالحسن نے سچ لکھا ہے تو اس کو دست بستہ میرے حضور میں حاضر ہونا چاہیئے۔ اُس وقت میں اس پر رحم کر سکتا ہوں۔
عالمگیر کا منشا یہی پایا گیا کہ گولکنڈہ کو فتح کرے اس نے ابوالحسن کی تحریر کا اتنا ہی جواب دیکر خود حملہ کی تیاری کی اور جابجا دمدمے قائم کرنے کا حکم دیا۔ لیکن اسکی سعی بیکار گئی اور حصار و برج تک کوئی زد نہ پہنچ سکی۔

عالمگیر ایک مرتبہ اپنے خیمہ میں تخت پر بیٹھا تھا کہ گولکنڈہ کے برج سے ایک گولہ سامنے آیا اور ایک خادم اس کی زد میں آگیا مگر یہ بالکل ہراسان نہ ہوا اور خود ہاتھی پر چڑھ کر حملہ کیا مگر اس کا فیل کوہ پیکر بھی ایک گولہ سے مارا گیا۔ اور کچھ پیش نہ گئی۔

غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ نے برج کے اڑانے کے لئے تین جگہ نقب تیار کی تھی اور ہر ایک میں بارود بچھا کر موقع کے منتظر تھے۔ کہ کسی طرح محصورین کو خبر معلوم ہوگئی اور انہوں نے نقب کو تلاش کر کے بہت کچھ حصہ اس کا ضائع کر دیا۔ اور کچھ بیرونی حصہ نقب کا جس میں بارود تھی محفوظ رہا۔

نقب اڑائی گئی تو اس کا بہت ہی خفیف اثر ہوا اور الٹا نفع کے عوض نقصان ہوا۔ کیونکہ جو کچھ اوپر کا حصہ برج اُڑا وہ نیچے کے مقابلہ کرنے والے سپاہیوں ہی پر گرا جس سے بہت سی جانوں کا نقصان ہوا۔

ایک چڑھائی میں غازی الدین خان بہادر بھی تیر کی ضرب سے مجروح ہوئے عالمگیر نے شہزادہ معظم کو ان کی جگہ پر مقرر کر کے قلعہ کی فتح میں تدبیر کرنے کا حکم دیا۔
اس طول طویل محاصرہ کے دوران میں ابوالحسن کے کئی امیر ٹوٹ کر عالمگیر کی فوج سے آملے تھے۔ صرف دو امیر عبدالرزاق لاری اور عبداللہ خان افغان باقی رہ گئے تھے مگر عبداللہ خاں بھی در پردہ مل گیا تھا۔ عالمگیر نے عبدالرزاق لاری کو بھی بہت حیلوں سے للچانا چاہا مگر اس جان نثار کے قدم وفاداری نے لغزش نہیں کی۔

آخر عبداللہ خان نے خفیہ طور سے کہلا بھیجا کہ جس پھاٹک کی میں حفاظت کر رہا ہوں ادھر مزاحمت نہ ہوگی عالمگیری فوج کے لئے کھول دونگا۔ اور قلعہ کے تمام چھپے ہوئے راستوں سے بھی اُسی نے محاصرین کو اطلاع دے دی۔ اس قرارداد کے موافق ارادت خان مع چند امرا اپنی فوج لیکر حصار میں داخل ہوگیا اور اس کے بعد شہزادہ محمد اعظم بھی درآیا۔ جب مغلیہ فوجیں شہر میں داخل ہوئیں تو چاروں طرف کشت وخون کا بازار گرم ہوگیا۔ عبدالرزاق لاری یہہ خبر سنکر تنہا تلوار لئے ہوئے مقابلہ پر آموجود ہوا اور اس قدر سخت مجروح ہوا کہ ایک ایک جگہ کئی کئی زخم لگے اس کی پیشانی کا پوست کٹکر آنکھ پر لٹک آیا مگر جبتک اس میں ہاتھ چلانے کی قوت رہی حملہ سے باز نہیں آیا۔ جب بالکل خستہ ہوگیا تو ایک جگہ گھوڑے سے گرگیا اور کسی نے پہچانکر اُس کو اس کے گھر اٹھاکر بھیجدیا۔ چونکہ عالمگیر اس کی بہادری اور وفاداری کا مداح تھا اس لئے اس نے اپنی طرف سے اس کا علاج کرایا اور صحت پانے کے بعد اپنے ملازمین میں داخل کرلیا۔

ابوالحسن تاناشاہ بھی اس حال سے خبردار ہوکر دیوان عام میں آکر اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ جب امرائے مغل پہنچے تو اس کو لیکر شہزادہ محمد اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے ابوالحسن نے شہزادہ کے پاس پہنچکر اپنا ایک قیمتی ہار جو پہنے تھا اُتار کر شہزادہ کے نذر کیا۔ شہزادہ کو ابوالحسن کی حالت پر نہایت رحم آیا اور اس نے اُس کو اطمینان دلایا کہ عالمگیر سے وہ اس کی سفارش کرکے اس کی خطاوں کو معاف کرادیگا۔

یہہ محاصرہ کامل آٹھ مہینہ دس دن یعنے ۱۰۹۸ھ میں تمام کو پہنچا۔ فتح کے بعد مال غنیمت کا جو شمار ہوا تو صرف قطب شاہ کے خزانوں سے جس قدر مال برآمد ہوا اس کی تعداد ۶۸ لاکھ ۵۱ ہزار ہون اور ۲ کرور ۵۳ ہزار روپیہ سوائے جواہرات اور مرصع آلات وظروف طلا ونقرہ کے تھے۔

ابوالحسن جب بادشاہ عالمگیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے بھی شاہانہ نوازش اس پر کی اور بڑے عزت و احترام کے ساتھ رکھا۔

کچھ دنوں عالمگیر ٹھہر کر جب شہر بیدر کی طرف واپس ہوا تو تانا شاہ کو قلعہ دولت آباد میں بھیجدیا جہاں اس کے آرام و آسائش کا ویسا ہی انتظام کیا گیا تھا جیسا کہ تانا شاہ عادی تھا۔

قلعہ دولت آباد میں پہنچکر ۱۴ برس تک حالت قید میں رہ کر قطب شاہ ابوالحسن عرف تانا شاہ نے ۱۱۱۲ھ میں ستر سال کی عمر میں رحلت کی اس کی عمر کی تقسیم تعجب خیز واقع ہوئی ہے ۱۴ سال بچپن کی حالت میں گذارے ۱۴ سال تحصیل علم میں مشغول رہا ۱۴ سال حکومت کی ۱۴ سال حالت قید میں بسر کی۔

ابوالحسن تانا شاہ اگرچہ عیاش مزاج تھا مگر اس کے نیک ہونے میں کوئی شک نہیں شاہ راجو کی خدمت سے اس نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا تھا چنانچہ بعض حالات ایسے ہیں جن کی بنا پر تانا شاہ کو ایک ولی کہا جاتا ہے۔

تانا شاہ اگرچہ قطب شاہ کا عزیز تھا مگر اس کے وہم و خیال میں بھی نہ تھا کہ کبھی اس کو قطب شاہی تخت پر بیٹھنا نصیب ہوگا۔ ایک مرتبہ تانا شاہ اپنے مرشد شاہ راجو کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ شاہ صاحب نے کہا کہ لاؤ میں تمہاری بھی حنابندی کردوں کیونکہ آج بادشاہ کے یہاں شادی ہونیوالی ہے۔

اس کے بعد اتفاقی طور پر ابوالحسن بادشاہ کی لڑکی سے منسوب کردیا گیا حالانکہ سید سلطان کے ساتھ نسبت پختہ ہوگئی تھی مگر مرزا احمد کی مخالفت نے سید سلطان کے ساتھ نکاح کرنے کو روک دیا اور حسن اتفاق سے بادشاہ نے ابوالحسن کو منتخب کیا۔

اس کے انتقال کے وقت کی تعجب خیز روایت بیان کی گئی ہے یعنے جس دن اس کا انتقال ہونے والا تھا اس سے ایک شب پہلے قلعہ دار نے خواب میں دیکھا کہ

کوئی حکم دیتا ہے کہ ابوالحسن کا جنازہ روضہ میں شاہ راجو کے مزار کے پاس دفن کرنا۔ یہہ خواب دیکھکر وہ صبح کو تاناشاہ کے پاس گیا اور دربان کے ذریعہ سے عرض کیا کہ اس وقت کچھ ضروری عرض کرنا ہے باریابی کی اجازت ہو۔ ابوالحسن نے جواب میں کہلا بھیجا جو کچھ تم نے خواب میں دیکھا ہے وہ مجھے حالت بیداری میں معلوم ہوگیا ہے ملنے کی ضرورت نہیں جو کچھ تم کو حکم ملا ہے اسی پر عمل کرنا چنانچہ اسی دن اسہال کبدی کے عارضہ میں فوت ہوا اور قلعہ دار نے اس کا جنازہ شاہ راجو کے مزار کے پاس دفن کیا ابوالحسن کی روحانی تعلیم کا یہہ نتیجہ تھا کہ اس کو قضائے الہی پر ہر طرح اعتماد تھا اور بڑے اطمینان کے ساتھ وہ مصائب برداشت کرنے پر آمادہ رہتا تھا۔ چنانچہ جب دیوان عام میں مغل سردار اس کے پاس پہنچے ہیں تو اس نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا ایک امیر نے دریافت کیا کہ یہہ کون اطمینان کا موقع ہے کہ آپکو کھانے کی طرف میلان ہوا ہے اس نے جواب دیا کہ میرے کھانے کا وقت یہی ہے۔ علاوہ اس کے جو کچھ تقدیر میں لکھا تھا پیش آیا میں نے نیک مرشد کے حلقہ میں بسر کی پھر حکومت کا مزہ چکھا اور اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں یہہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔ خدا نے مجھکو ہٹاکر عالمگیر سے دیندار بادشاہ کو سلطنت کا مالک بنایا۔

ابوالحسن نے اپنے عہد میں موسے ندی کے کنارے چار محل کے نام سے ایک عالیشان محل تیار کرایا تھا اور دوسری عمارت گوشہ محل کے نام سے بنوائی تھی مگر زمانہ کی دست وبرد سے جس طرح اس کی سلطنت مٹ گئی اس کی عمارتوں کا وجود بھی محو ہوگیا۔

صوبہ داروں کا زمانہ
۱۶۸۷ء سے ۱۷۱۹ء تک

جان سپار خان

گولکنڈہ کے فتح کے بعد جب تمام ملک دکن شہنشاہ عالمگیر کے تحت تصرف میں آگیا تو وہ مملکت بیجاپور اور حیدرآباد کا انتظام امرا کے سپرد کر کے دارالخلافت کے جانب روانہ ہوا۔ نظام الملک آصف جاہ اول کے مستقل زمام حکومت حیدرآباد اپنے قبضہ میں لانے سے پہلے ۲۹ برس کا زمانہ گزرا ہے۔ اس مدت میں چند امرا نے دارالسلطنتہ دہلی کی جانب سے حیدرآباد پر حکومت کی۔

ان چند صوبہ داروں میں سب سے پہلے جان سپار خان کا گولکنڈہ کے فتح کے بعد ۱۶۸۷ء میں تقرر ہوا اور سلطان ابوالحسن قطب شاہ کو قلعہ دولت آباد میں پہنچا کر اپنے قائم مقام روح اللہ بخشی سے انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے حیدرآباد کا انتظام بڑی خوش اسلوبی سے کیا۔ اور ۱۵ برس تک صوبہ داری کرنے کے بعد ۱۶۹۵ء میں فوت ہوا۔

جان سپار خان شہنشاہ عالمگیر کا ایک نہایت معزز امیر تھا جس نے عالمگیر کے ساتھ ہر ایک معرکہ میں شرکت کی تھی خصوصاً دارا شکوہ کی جنگ میں اس نے بڑی شجاعت سے کام لیا جس کے صلہ میں اس کو جان سپار خان کا خطاب مرحمت ہوا نظام شاہی حکومت کے خاتمہ کے بعد اس کو بیدر کی قلعہ داری کی خدمت سپرد کر دی گئی تھی جس کے بعد فتح گولکنڈہ پر حیدرآباد کی حکومت ملی۔

جان سپار خان کے مرنے کے بعد شہنشاہ عالمگیر نے اس کے بیٹے رستم دل خان کو حیدرآباد کا صوبہ دار مقرر کیا۔ رستم دل خان دو برس کے بعد کرناٹک کے انتظام پر بھیجا گیا

اور اس کی جگہ داؤد خان مقرر کیا گیا لیکن چند ہی عرصہ میں وہ پھر حیدر آباد کا حاکم ہو گیا اور داؤد خان ہٹا دیا گیا۔

رستم خان کے زمانہ صوبہ داری میں پاپڑا کی بغاوت وقوع پذیر ہوئی۔ در حقیقت عالمگیر کے آخر عہد ہی میں مرہٹوں نے لوٹ مار اور امن عامہ میں خلل ڈالنا شروع کیا تھا۔ ان کا قرار واقعی انتظام نہ ہونے کی وجہ سے ہر چہار طرف بدامنی پیدا ہو گئی تھی۔

پاپڑا ایک سیندھی فروش تھا لیکن حوصلہ مند اور جری شخص تھا اس نے ایک مختصر سی جمعیت مہیا کر کے ممالک محروسہ حیدر آباد میں رہزنی شروع کر دی تھی۔ ایک رفیق سروا نامی بھی مل گیا تھا لیکن وہ آپس ہی میں مخالفت ہو جانے سے اپنے کسی ملازم کے ہاتھ سے مارا گیا پاپڑا شاہپور کے قلعہ میں بڑی مضبوطی کے ساتھ محصور ہوا۔ رستم دل خان نے اس کی سرکوبی کو اپنے ایک سردار قاسم خان کو بھیجا تھا مگر وہ مارا گیا جب پر خود رستم خان نے فوج لیکر شاہ پور پر حملہ کیا لیکن قلعہ کسی طرح فتح نہ ہو سکا۔ رستم دل خان پاپڑا سے نذرانہ وصول کر کے حیدر آباد پلٹ آیا اور یہ مہم ناتمام رہی۔

شہزادہ کام بخش

شہزادہ کام بخش جو بیجاپور پر متصرف تھا اس نے مملکت حیدر آباد کو بھی اپنے قبضہ میں کرنا چاہا۔ اور رستم دل خان کو ملا کر حیدر آباد میں مع فوج داخل ہو گیا اور پھر اپنے کسی ملازم کی شکایت بیجا کرنے سے کام بخش کو رستم دل خان کی وفاداری پر شبہ ہوا اور ۱۶۹۵ء میں اس کو قتل کر دیا۔

جب کام بخش کے جور و ظلم اور تصرف بیجا کا حال بہادر شاہ کو معلوم ہوا تو اس نے ایلچی کے ہاتھ شہزادہ کام بخش کو ایک فرمان روانہ کیا کہ میں نے تم کو بیجاپور کے علاوہ حیدرآباد بھی مرحمت کیا اور سالانہ پیشکش بھی معاف کرتا ہوں لیکن یہ مناسب ہے کہ جور و ظلم اور دست درازی سے باز رہو اور خطبوں میں میرا نام شریک ہو۔

بہادر شاہ کا سفیر شہزادہ کام بخش کے پاس پہونچا تو اس نے سفیر کے علاوہ

اور بھی بہت سے بے گناہوں کو دھوکا دیکر قتل کر دیا۔

الغرض کام بخش کی تنبیہ کے لئے بہادر شاہ سا۱۱۲۰ھ میں دکن روانہ ہوا اور حیدر آباد کے قریب پہنچکر کام بخش کو فہائش نامہ روانہ کیا۔ مگر اس نے ایک نہ سنی اور جنگ پر آمادہ ہوا۔ بہادر شاہ نے اپنی فوج کو حکم دیا تھا کہ جب تک کام بخش کی طرف سے ابتدا نہو تم جنگ نہ شروع کرنا کیونکہ بہادر شاہ کو کام بخش سے جنگ منظور نہ تھی اور اپنے برادرانہ تعلقات کی وجہ سے محض تنبیہ کرنا چاہتا تھا جب دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو ذوالفقار خان نے بہادر شاہ کے خلاف حکم جنگ میں پیشدستی کی۔ آخر کار سخت جنگ واقع ہوئی کام بخش نے بھی بڑی بہادری ظاہر کی۔ مگر ایک تیر کے زخم کاری لگنے سے ہاتھی کے ہودہ میں گر گیا۔ اور اس کی فوج کو شکست ہوئی۔

بہادر شاہ کے بیٹے جو اس جنگ میں شریک تھے کام بخش کو اٹھا کر بادشاہ کی خدمت میں لائے بادشاہ کام بخش کو دیکھکر آب دیدہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں تم کو ایسی حالت میں دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ کام بخش نے جواب دیا کہ درست ہے لیکن مجھے بھی یہ بات ناپسند تھی کہ خاندان تیموری پر بزدلی کا دھبہ لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد کام بخش کی روح پرواز کر گئی۔ اس جنگ میں اس کا ایک بیٹا بھی کام آیا۔

اس مہم سے فارغ ہو کر بہادر شاہ دارالسلطنت کی طرف واپس ہوا اور یوسف خان یوسف خان روزبہانی کو حیدر آباد کا حاکم بنایا۔

یوسف خان نے پہلا کام یہہ کیا کہ پاپڑا کے قلعہ شاہ پور پر حملہ کیا مگر نوسینے کامل محاصرہ کے بعد بھی کوئی نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلا۔ یوسف خان نے پاپڑا کے مددگاروں کو وعدہ کر کے اپنی طرف ملانا شروع کیا۔ اور اس کی اس کارروائی کا یہہ نتیجہ ہوا کہ پاپڑا کی قوت ٹوٹ گئی اور پوشیدہ بھاگ کر حسن آباد میں آیا یہاں وہ پہچان لیا گیا اور مار ڈالا گیا۔ یوسف خان سنہ ۱۱۲۴ھ تک فرخ سیر کے عہد تک حاکم حیدر آباد رہا اس کے

فوت ہونے پر فرخ سیر نے مبارز خان کو اس کا قائم مقام بنایا۔

مبارز خان

مبارز خان کے عہد میں سلطنت مغلیہ کی طاقت بہت ضعیف ہوگئی تھی اور بادشاہ گری کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ سید حسن علی خان اور عبداللہ خان نے بادشاہ گری کا بیڑا اُٹھا لیا تھا اور ہر ایک امیر اپنے اپنے رسوخ و اقتدار کو بڑھا رہا تھا سلطنت مغلیہ کی اس کمزوری کا یہ نتیجہ ہوا کہ دکن میں اسلام کا زور از سر نو قائم ہوگیا۔ نواب مغفرت مآب نظام الملک آصف جاہ بہادر دکن میں وارد ہوئے ۱۷۲۴ء میں مبارز خان نے مقابلہ کیا اور مارا گیا۔ ۱۷۲۴ء میں حضرت آصف جاہ بہادر نے دکن کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی جس کی تشریح تو آگے آئیگی مگر اس موقع پر اعلیحضرت اقدس و اشرف آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ و سلطانہ کی اس تقریر شہریاری کی جانب توجہ دلانے سے ہم باز نہیں رہ سکتے جو حضور پر نور نے پچھلے دو صد سالہ جشن استقلال دولت علیہ آصفیہ ابدہا اللہ تعالی کی تقریب ہمایوں میں ارشاد فرمائی تھی اور جس سے اس تغیر و انقلاب کا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

(۲۷) شیخ محمد مومن (۲۸) محمد عالم شیخ صدیق علوی (۲۹) خواجہ عزیز اللہ (۳۰) خواجہ میر اسمٰعیل (۳۱) میر عابد خاں ملقب بہ قلیج خان (۳۲) شیخ شہاب الدین ملقب بہ غازی الدین فیروز جنگ (۳۳) چین قلیج خان آصفجاہ نظام الملک اول.

اس نسب نامہ سے ظاہر ہے کہ خاندان آصفجاہی کس مرتبہ اور پایہ کا خاندان ہے جس کے رکن اعظم شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی ہیں جن کی بزرگی اور عظمت دنیائے اسلام پر آفتاب تاباں کی طرح روشن ہے۔ اور جن کے مرتبے تصوف اور سلوک میں اجتہاد تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اگر اس خاندان کے ہر رکن کے حالات قلمبند کئے جائیں تو ہر ایک کے سوانح کے لئے ایک علحدہ کتاب کی ضرورت ہوگی جو ہمارے موضوع سے باہر ہے۔ اس لئے ہم صرف نواب مغفرت آب کے جد بزرگوار و پدر نامدار کا حال بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو ہندوستان میں تشریف لائے اور معزز عہدوں سے ممتاز ہوئے۔

خواجہ میر عابد قلیج خان

خواجہ میر عابد قصبۂ علی آباد میں پیدا ہوئے تھے جو سمرقند دارالسلطنت تیمور سے کئی کوس کے فاصلہ پر ہے۔ ان کے والد ماجد علامہ عصر اور صاحب تصنیف تھے جن کو شاہ توران نے اعلم العلما کا خطاب عنایت فرمایا تھا۔ خواجہ صاحب نے پہلے تو اپنے والد بزرگوار سے علم حاصل کیا اس کے بعد علما و فضلاء عصر سے بھی علوم و فنون مروجہ میں مہارت پیدا کی۔ تحصیل علوم دینیہ سے فارغ ہوکر بخارا میں تشریف فرما ہوئے پہلے عہدۂ قضا ان کے تفویض ہوا پھر ترقی کرکے شیخ الاسلام کے معزز عہدہ سے ممتاز ہوئے۔ بخارا سے بغرض حج بیت اللہ ہندوستان میں وارد ہوئے شاہجہاں بادشاہ دہلی نے ان کی بڑی عزت و تعظیم کی اور خلعت خاص سے سرفراز فرمایا اور چھ ہزار روپیہ نقد عنایت فرماکر انھیں شہزادۂ اورنگ زیب کے اسٹاف میں مقرر کیا انھیں کے ساتھ دکن میں تشریف لائے خاندان آصفی کا یہ پہلا قدم تھا جو دکن میں آیا

اس کے بعد جب شاہ جہاں کے بیٹوں میں ولیعہدی کی نسبت کشت وخون واقع ہوا اور اورنگ زیب نے بھائیوں کا استیصال کر کے باپ کو قید کرلیا اور خود تخت سلطنت پر قبضہ کیا تو میر عابد کو خطاب خانی واضافہ منصب سے ممتاز فرمایا پھر سنہ ۱۶۵۹ء مطابق سنہ ۱۰۶۹ ہجری میں صدر الصدور کے معزز عہدہ پر شیخ میرک کی جگہ سرفراز فرمایا۔ اس جلیل القدر خدمت کے بعد سنہ ۱۰۷۸ ہجری میں ان کو اجمیر کی صوبہ داری پر بعطائے خلعت وفیل مقرر کیا اور سنہ ۱۰۸۱ ہجری میں ملتان کی گورنری پر بجائے مبارز خاں مقرر کئے گئے۔ جب اورنگ زیب نے مقام شولاپور سے بیجاپور کی تسخیر کے لئے کوچ کیا تو میر عابد خان بھی ہم رکاب تھے بیجاپور پہنچکر اورنگ زیب نے ان کو کمان وترکش عنایت کیا اور شہر پناہ کے محاصرہ میں ایک مورچال پر مقرر ہوے۔ اس لڑائی کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے دل میں ان کی طرف سے کچھ ملال آگیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سنہ ۱۰۸۷ ہجری میں صوبہ داری ملتان سے معزول کئے گئے اور جب دہلی میں آکر باریاب حضور ہوے تو اسوقت حاجیوں کے قافلہ سالار مقرر ہوکر حج بیت اللہ کو روانہ ہوے۔ ان کے جانے کے بعد ان کی طرف سے جو رنجشیں بادشاہ کے دل میں پیدا ہوئی تھیں بہت جلد دور ہوگئیں جس کا کامل ثبوت یہ ہے کہ وہ ابھی حج سے واپس بھی نہیں ہوے تھے کہ ان کو سنہ ۱۰۹۱ ہجری میں قلیچ خان کا خطاب عطا فرمایا گیا اور جب وہ سورت کے بندر میں واپس آئے تو ان کے فرزند میر شہاب الدین خاں کی وساطت سے ان کے لئے ایک گھوڑا جس کا ساز وسامان سب طلائی تھا بادشاہ نے بھیجا۔ دہلی میں پہنچکر بادشاہ کی قدمبوسی سے سرفرازی حاصل کی اور تھوڑے ہی دن کے بعد شاہزادہ شاہ عالم کے ساتھ شاہزادہ محمد اکبر کے تعاقب میں روانہ کئے گئے جسے اودے پور کے راجہ نے بہکا کر باپ سے باغی کردیا تھا مگر اس مہم سے قلیچ خان

شاہزادہ عالم کے بغیر اجازت اس بنا پر واپس چلے آئے کہ شہزادہ کو کسی مذہبی[1]
بحث میں ان سے کچھ رنج ہو گیا تھا۔ ادھر محمد اکبر بھاگ کر ایران چلا گیا شاہ کی
مہمان نوازی اور باپ کا خوف انتقام ادھر آنے کو مانع ہوا اور وہیں کا ہو رہا
اس واقعہ سے اورنگ زیب کو سخت ملال ہوا اور چار مہینے تک ان کو باریابی
نہ ہوئی ۱۰۹۲؁ ہجری میں پھر ان کا تقرر خدمت صدر الصدوری پر ہوا اور ۱۰۹۳؁ ہجری
میں وہ پھر دکن کی مہم پر شہزادہ کے ہمراہ متعین کئے گئے۔ اس وقت ان کو
خلعت خاص اور اسپ و نقارہ کے اعزاز بھی مرحمت ہوئے ۱۰۹۶؁ ہجری میں
انھیں ظفر آباد بیدر کی صوبہ داری اور مادہ فیل اور زرہ عطا کی گئی ۱۰۹۸؁ ہجری میں
گولکنڈہ کے محاصرہ میں سخت زخمی ہوئے۔ اورنگ زیب نے حکم دیا تھا کہ دیوار
قلعہ کے باہر جو بھیڑ پڑی ہے اُسے منتشر کر دو۔ اس معرکہ میں زنبورک کا ایک گولہ
قلیچ خان بہادر کے داہنے شانہ کے جوڑ پر پڑا ہاتھ اُڑ گیا۔ مگر اس کاری زخم پر
بھی وہ گھوڑے پر سوار دلیری سے اپنے خیمہ میں واپس آئے زخم میں ٹانکے
دئے گئے مگر تین ہی دن میں اس دار ناپایدار سے راہی ملک بقا ہوئے
اور بمقام عطاپور جو گولکنڈہ کے عقب میں حیدرآباد سے تین کوس کے فاصلہ پر
شمال و مغرب کی طرف واقع ہے مدفون ہوئے۔

میر عابد قلیچ خان بہادر ایک ایسے فرد فرید بزرگ تھے کہ اگر یورپ میں
ہوتے تو ان کا بت بناتے اور لوگ پرستش کرتے مگر افسوس ہے کہ ہندوستان
میں ایسے بہادروں کی مرنے کے بعد کچھ قدر نہیں کی جاتی وہ آج عطاپور میں زمین کا
پیوند ہیں اور کوئی واقف بھی نہیں۔ ان میں جوہر قلم اور جوہر سیف دونوں موجود تھے
ع بگرفت بیک دست علم را و قلم را۔ اگلے زمانہ میں علوم دینیہ کے ساتھ فنون سپاہگری

[1] قلیچ خاں کا مذہب شافعی تھا۔ (حدیقۃ العالم)۔ مگر یہ روایت صحیح نہیں۔ عمادی

کی بھی کامل تعلیم دی جاتی تھی ورنہ کسی سے یہ کب ممکن ہے کہ مسند قضا سے اُٹھکر میدان جنگ میں صف آرائی کرے اور جوہر شجاعت دکھائے۔ علم و فضل میں تو وہ کمال تھا کہ شیخ الاسلامی اور صدر الصدوری کے اعلیٰ خدمات کو جن کے لئے علوم دینیہ میں عبور چاہیئے انھوں نے نہایت ہی خوبی سے انجام دیا اور شجاعت کی وہ کیفیت تھی کہ جب گولکنڈہ کے محاصرہ میں ان کا دست راست زنبورک کے گولہ سے اڑا تو بغیر کسی اضطرابی حرکت کے اسیطرح گھوڑے پر سوار اپنے خیمہ کو واپس آئے اور بڑے اطمینان کے ساتھ جراحوں کو اپنا ہاتھ دے دیا یہ خبر سن کر بادشاہ نے عمدۃ الملک اسد خان کو مزاج پرسی کے لئے بھیجا۔ وہ آئے تو قلیچ خان کمال سکون کے ساتھ بیٹھے ہوے تھے دوسرے ہاتھ سے قہوہ پی رہے تھے اور بڑے اطمینان کے ساتھ عمدۃ الملک سے باتیں کرتے جاتے تھے کہ "تخیّنہ دوز دستکار بدست آمدہ" اور جراح ہڈیوں کے ریزہ نکالنے اور عمل جراحی میں مشغول تھے۔ باوجود اس سخت عمل جراحی کے جو آجکل بغیر کلوروفارم سے بیہوش کئے ہو نہیں سکتا ان کی پیشانی پر شکن تک نہ تھی۔ افسوس کہ ایسے شجاعان روزگار کو زمانے نے کچھ یاد نہ رکھا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ہم لوگ اپنے آبا و اجداد کی اولوالعزمیوں کو بھی بھول گئے جو ہمارے لئے بہت بڑا سبق تھا۔ میر عابد قلیچ خان بہادر خاندان آصف جاہی کے بانی ہیں اس لئے التماس نامناسب نہیں کہ کسی کار خیر سے ان کی یادگار قایم کی جائے جس سے قوم اور ملک دونوں کو فوائد کثیر حاصل ہوں۔

میر شہاب الدین خان فیروز جنگ

فیروز جنگ بہادر خواجہ میر عابد قلیچ خان کے فرزند گرامی ہیں جو توران میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی تھی۔ ان کی والدۂ ماجدہ سادات سے ہیں۔ قلیچ خان انھیں توران ہی میں چھوڑ آئے تھے جب اپنے والد بزرگوار کے

حسب الطلب سمرقند سے ہندوستان کا ارادہ کیا تو سبحان قلی خان والی سمرقند کشت پالیز کی سیر میں مشغول تھے یہ رخصت ہونے لگے تو پہلے فاتحہ خیر پڑھی پھر اجازت دی اور چلتے وقت یہ کہا کہ تم تو ہندوستان میں بڑے مرتبہ پر پہنچوگے جو انھوں نے کہا تھا وہی ہوا امیر شہاب الدین نے جو مرتبہ اور اعزاز ہند میں پیدا کیا وہ سلاطین بلخ و بخارا کے رتبہ سے کچھ کم نہ تھا۔ ۱۰۸۹ھ ہجری مطابق ۱۶۶۵ء عیسوی میں وہ وارد ہندوستان ہو کر عالمگیر کی ملازمت سے فیضیاب ہوئے اور دربار شاہی میں ایک مینا کاری ڈھال جس کو سمرقند سے اپنے ساتھ لائے تھے نذر دی۔

سب سے پہلا کارنمایاں جو ان سے ظہور میں آیا وہ ایک امیر عالم گیری حسن علی خان بہادر کی خبر کا دریافت کرنا تھا جو اُودے پور کے رانا کے تعاقب میں جنگلوں اور پہاڑوں کے درمیان گم ہو گئے تھے۔ آدھی رات کو اس کا پتہ لگانیکا حکم میر شہاب الدین کو دیا گیا ملک بیگانہ راہوں سے ناواقف ہر ہر قدم پر دشمن کا خطرہ اس پر بھی انھوں نے کوہستان کی منزلوں اور بھیر کی راہوں کو طے کرکے دوہی دن میں حسن علی خان کا پتہ لگالیا اور اُن کی عرضداشت لیکر خدمت شاہی میں حاضر ہو گئے۔ اس نمایاں خدمت کے صلہ میں ۱۰۹۱ھ میں عالمگیر نے منصب میں اضافہ کیا اور خطاب خانی و فیل و کمان و ترکش مرحمت فرمایا۔

اُودے پور کی مہم کے بعد وہ راٹھوروں کی سرکشی فرو کرنے کے لئے روانہ کئے گئے جو شاہزادہ محمد اکبر کی امداد کی وجہ سے آوارۂ دشت ادبار تھے۔ اس باغی شہزادہ نے میرک خان کو بھیج کر بہت کوشش کی کہ شہاب الدین خان بادشاہ کی طرف سے پھر کر میری جانبدار ہو جائیں اور اس کے صلہ میں بہت کچھ انعام واکرام کے وعدے اور جاہ وعزت کی تحریص و ترغیب دی۔ مگر وہ دو روز میں ساٹھ کوس زمین

طے کرکے میرک خاں کو بھی اپنے ساتھ لئے ہوئے خدمت شاہی میں حاضر ہوئے اور اس مہم کے حالات مفصل جن کی دریافت کے لئے وہ روانہ کئے گئے تھے بادشاہ کے گوش گزار کردئے عالمگیر نے تحسین و آفرین کی اور بعہدۂ داروغگی عرض مکرر سرفراز کیا

۱۰۹۱ھ میں ان کا تقرر جنیر کے سرکشوں کی سرکوبی کے لئے عمل میں آیا اور خوافی خاں کے بیان کے بموجب وہ اسی سال قلعہ رام سیج کے فتح کرنے کے لئے متعین ہوئے قلعہ کا مالک ایک نہایت کارآزمودہ تجربہ کار مرہٹہ تھا جس کا زیر کرنا آسان بات نہ تھی۔ اس مرہٹہ کی تجربہ کاری کا حال اس واقعہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ جب اسکی آہنی توپ ٹوٹ گئی تو جھٹ پٹ لکڑی کی ایک توپ تیار کرکے اور اس پر چمڑا چڑھاکر ایسے موقع پر وہ فیر کرتا تھا کہ اس توپ نے وہ کام دیا جو لوہے کی دس توپوں سے شاید ہوسکتا۔ اس مہم میں جب شہاب الدین خاں کو پہلے کامیابی نہ ہوئی تو خانجہاں خاں بہادر اسی قلعہ کے فتح کرنے کے لئے روانہ کئے گئے۔ مگر حملہ مکرر میں میر شہاب الدین خاں نے مرہٹوں کے زیر کرنے میں ایسی جانبازانہ کوشش کی اور ایسی مردانگی اور جراءت دکھائی کہ اس کے صلہ میں ۱۰۹۳ھ ہجری مطابق ۱۶۸۲ء میں انھیں غازی الدین خاں بہادر کا معزز خطاب عطا کیا گیا۔

اس واقعہ کے دوسرے سال ۱۰۹۵ھ ہجری مطابق ۱۶۸۳ء میں وہ قلعہ راہیر کی تسخیر کے لئے متعین کئے گئے جو سنبھا مرہٹہ کا مسکن و ماوٰی تھا۔ انھوں نے محاصرہ کرکے پہلے قلعہ کی باڑی کو آگ لگاکر جلادیا پھر بہت سے مرہٹوں کو قتل کرکے اس گڑھی کو فتح کرلیا جس کے صلہ میں نوبت و نقارہ اور فیروز جنگ کا خطاب ملا۔

اس کامیابی کے بعد بیجاپور کے محاصرہ میں جو ان سے کارنمایاں عمل میں آیا اس سے ان کی وقعت بادشاہ عالمگیر کے دل میں اور بھی زیادہ ہوگئی۔

تفصیل یہ ہے کہ جب شاہی فوج جو شاہزادہ محمد اعظم کی سرکردگی میں بیجاپور کے

محاصرہ میں مشغول تھی رسد کی کمی سے جان بلب ہوئی اور سپاہیوں اور گھوڑوں کے جسم میں بجز پوست و استخواں کچھ باقی نہ رہا۔ تو اس وقت بہ مجبوری محاصرہ سے اٹھا لینے کا ارادہ کیا گیا۔ مگر اس نازک وقت میں جانی بیگم شاہزادے کے محل خاص نے جو جرأت اور بہادری ظاہر کی اور افسران فوج کی ٹوٹی ہوئی ہمت کو سنبھالا وہ قابل ستائش ہے۔ اس وقت یہ بہادر عورت ہاتھی پر بیٹھی ہوئی خود اپنے نازک ہاتھ سے مخالفین پر تیر برسا رہی تھی اور فوج کی جرأت و ہمت کو اپنی دلیری سے بڑھا رہی تھی فوج کی اس ابتر حالت کی خبر خلد مکان (اورنگ زیب) کو ہوئی اور اسوقت اسنے رسد کے انتظام کے لئے فیروز جنگ کو ماہی مراتب سے سرفراز کرکے حکم دیا۔

فیروز جنگ نے بہت سے بنجاروں کو جمع کرکے رسد کا سامان مہیا کیا اور بیجاپور کو روانہ ہوگئے۔ اثنائے راہ میں معلوم ہوا کہ پاریا نایک زمیندار نے چھ ہزار مسلح پیادوں کے ساتھ بہت سا سامان رسد محصورین کی امداد کے لئے بھی روانہ کیا ہے غازی الدین نے فوراً حملہ کرکے سب رسد چھین لی اور مخالفین کو شکست دی اِس کثیر سامان رسد کو بھی لئے ہوئے آگے بڑھے جب پرگنہ انندی کے قریب پہنچے جو بیجاپور سے پندرہ یا سولہ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ تو بیجاپور کے بعض سرداروں نے جو اطراف وجوانب کے زمینداروں کے ساتھ شاہزادہ محمدؐ اعظم کو گھیرے ہوئے تھے مقابلہ کیا۔ اس معرکہ میں بھی فیروز جنگ اور ان کے بھائی مجاہد خان بہادر نے وہ جرأت اور مردانگی ظاہر کی کہ مخالفین کو بجز بھاگنے کے کچھ بن نہ آئی۔ آخر الامر سالماً اور غانماً تمام سامان رسد لئے ہوئے محمدؐ اعظم کے لشکر میں داخل ہوئے یہاں یہ نوبت پہنچ گئی تھی کہ درختوں کی چھالیں اور ہڈیوں کا آٹا پیس پیس کر لوگ کھا رہے تھے۔ شاہزادے نے خوشی کے مارے انھیں چھاتی سے لگا لیا اور بہت توصیف وثنا اور نوازش وعنایت کی اور ملبوس خاص مرحمت کیا۔ اورنگ زیب کو خبر پہنچی تو انھوں نے بھی فیروز جنگ کے

مضر بتاتے ہیں۔ اس لئے میں نے بھی نہیں کھائے۔ جب تم اچھے ہو جاؤ گے تو ہم تم مل کر انگور کھائیں گے۔" رقعہ کے آخر میں بادشاہ نے یہ شعر لکھا " یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است۔ تو بدیں آرزو مرا برساں۔" اس تحریر سے ناظرین کو معلوم ہو سکتا ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب کے دل میں فیروز جنگ کی کیا وقعت اور محبت تھی۔ گولکنڈہ کے فتح ہونے کے بعد انھیں ہفت ہزاری منصب عطا ہوا یعنے سات ہزار سوار اور اسی قدر پیدل فوج کے وہ اعلیٰ افسر مقرر کئے گئے۔

قلعہ گولکنڈہ کی فتح کے بعد فیروز جنگ نے قلعہ ادھونی کو فتح کیا جو اسوقت حکومت عادل شاہی کی طرف سے سیدی مسعود کے سپرد تھا۔ ۱۰۹۹ھ ہجری میں یہ مضبوط قلعہ جو زمانۂ قدیم سے نہایت مستحکم خیال کیا جاتا تھا فیروز جنگ ہی کی کوشش سے مع مضافات اورنگ زیب کے ملک میں شامل ہوا۔

جب فیروز جنگ بہادر ان قلعوں کی فتح سے فارغ ہوئے تو ۱۶۹۵ء میں سنتھا مرہٹہ کی سرکوبی کیلئے روانہ کئے گئے جس نے اورنگ زیب کی عافیت تنگ کر دی تھی اسی وجہ سے بادشاہ نے سنتھا شیطان ہمتا اس کا نام رکھا تھا۔ حسن اتفاق ایک مرہٹہ سنتھا کا سر کاٹ کر کسی دشمن کے پاس لے جا رہا تھا راہ میں فیروز جنگ بہادر کے لشکر والوں نے اس سے چھین لیا فیروز جنگ نے وہ سر خواجہ بابا تورانی کے ہاتھ عالمگیر کی خدمت میں روانہ کیا عالمگیر نے خوش ہو کر خواجہ کو خوش خبر خان کا خطاب عطا فرمایا۔ اس مہم میں وہ مرض مہلک میں مبتلا ہو گئے تھے جو اس نواح میں پھیلا ہوا تھا۔ اس مرض سے وہ جانبر تو ہو گئے لیکن آنکھوں کی بینائی زائل ہو گئی۔ گو بصارت کے جاتے رہنے سے وہ دربار شاہی میں آنے سے معذور رکھے گئے تھے پھر بھی بڑی بڑی مہموں پر ان کا تقرر موقوف نہیں ہوا۔ نابینا ہونے کے بعد دیوگڑھ کی فتح اور اسلام پور کی محافظت پر مقرر ہوئے۔ عالمگیر نے قلعہ کھیلنا کو فتح کر کے سنہ ۱۷۰۱ء میں بہادر گڑھ کیطرف

مراجعت کی تو فیروز جنگ بہادر کے لشکر کا معائنہ کیا دیکھا کہ چار کوس تک ڈیرے ہی ڈیرے نظر آرہے تھے۔ ان کی فوج ساز و سامان قواعد جنگ میں تمام امیروں کی فوجوں سے بڑھی ہوئی تھی۔ ملاحظہ کے بعد اورنگ زیب نے ان کا توپخانہ لے لیا اور اپنے بیٹے بیدار بخت کو اس مضمون کا عتاب آمیز ایک رقعہ لکھا کہ "تمھیں فیروز جنگ سے زیادہ آمدنی ہے پھر بھی تمھاری فوج انکی فوج کے مقابلہ میں کوئی ہستی نہیں رکھتی قلیل آمدنی سے بہادر موصوف نے ضرورت سے زاید اپنی فوج کو بڑھایا ہے۔"

سنہ ۱۶۹۸ء میں فیروز جنگ بہادر پاریا نایک کے زیر کرنے کے لئے بھیجے گئے جو واکن کھیڑ کا راجہ قوم بیڈر سے تھا۔ اس نے اُس وقت تو شاہی اطاعت قبول کرلی۔ مگر پھر دوسرے سال بغاوت اختیار کی جس کے فرو کرنے کے لئے اورنگ زیب بذات خاص گئے تھے۔

فیروز جنگ کی آخری مہم جس کو انھوں نے بڑی بہادری سے سنہ ۱۷۰۶ء میں سر کیا تھا تیمیا سندھیا کی سرکوبی تھی۔ یہ لڑائی مالوہ میں واقع ہوئی اور اس مرہٹہ سردار کو پوری شکست دی جس کے صلہ میں اورنگ زیب نے فیروز جنگ کو سپہ سالار کا معزز خطاب عطا فرمایا۔ اس فتح کے بعد وہ صوبہ دار برار مقرر کئے گئے۔ اور جب عالمگیر نے اس دار پائدار سے کوچ کیا تو اسوقت فیروز جنگ ایلچپور میں تھے۔
اورنگ زیب کے انتقال کے بعد جو ایک انقلاب عظیم برپا ہوا اور ان کے بیٹوں میں باہم جو کشت و خون ہوا۔ اس تمام طوفان میں حسب اتفاق وقت فیروز جنگ علٰحدہ رہے جس کی وجہ سے بہت کم تغیر ان کے مراتب اور جاہ و جلال میں ہوا۔ اگرچہ محمدؐ اعظم اور فیروز جنگ میں بہت کچھ اتفاق تھا۔ کیونکہ بیجاپور وغیرہ کے محاصروں میں فیروز جنگ کے کارنمایاں محمدؐ اعظم کے ملاحظہ میں آچکے تھے۔

تاہم غرور ونخوت کی وجہ سے اس شاہزادہ کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ وہ اپنے آپ کو اپنے تمام بھائیوں سے لیاقت شجاعت اور ہر ایک بات میں اعلیٰ سمجھتا تھا۔ ذوالفقار خاں نے جو اورنگ زیب کا ایک نہایت تجربہ کار اور جہاں دیدہ فوجی افسر تھا شاہزادہ کو یہ رائے دی کہ فیروز جنگ کو بھی اس مہم میں ساتھ لے لینا چاہئے۔ مگر اس مغرور شاہزادے نے حقارت سے یہ کہا کہ اندھوں سے کیا کام ہوسکتا ہے۔ تاہم فیروز جنگ اور ان کے فرزند ارجمند میر قمر الدین چین قلیچ خاں بمقام برہان پور شاہزادہ کے لشکر میں حاضر ہوئے مگر اس کے غرور اور بے توجہی سے علانیہ طور پر اس سے علیحدہ ہوکر اورنگ آباد چلے گئے۔

محمد اعظم کے قتل ہونے کے بعد جب بہادر شاہ تخت نشین ہوئے تو انھوں نے ۱۷۰۸ء میں فیروز جنگ بہادر کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کیا جہاں دو برس بعد انھوں نے اس جہان ناپائدار کو چھوڑا۔ ۱۷۱۰ء میں وہ بمقام احمد آباد گجرات فوت ہوئے اور ان کا جنازہ دہلی لایا گیا۔ اور اجمیری دروازہ کے پاس خاص انہی کی خانقاہ میں جس کو انھوں نے اپنی زندگی میں تعمیر کیا تھا دفن کئے گئے۔

غازی الدین فیروز جنگ کے اخلاق اور عادات ایسے شائستہ تھے کہ اورنگ زیب سا مبصر ان کا ثناخواں تھا۔ جو وقعت اور عزت فیروز جنگ کی اس کے دل میں تھی وہ اس شقہ سے بخوبی ثابت ہے جو اس نے ان کے زخمی ہونے کی خبر سن کر لکھا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں خود عیادت کو آتا مگر مجھ سے تمھارا زخمی ہونا دیکھا نہ جائے گا الخ ان فقرات سے انتہا درجہ کی عزت اور محبت ظاہر ہوتی ہے جو شاید ہی کسی اور امیر کو نصیب ہوئی ہو۔ ایک موقع پر جب حاسدوں نے فیروز جنگ کی نسبت یہ شکایت کی کہ ان سے فلاں مہم میں سستی ظاہر ہوئی۔ تو اورنگ زیب نے کہا کہ ان کی نسبت بدگمانی کفر کا مرتبہ رکھتی ہے۔ غرض کہ غازی الدین فیروز جنگ وفاداری دیانت و خوش خلقی میں مشہور زمانہ

تھے ان کا مزاج صلح کل تھا۔ اس لئے دربار کے لوگ اور رعایا سب ان سے خوش تھے اور اسی اخلاق کی وجہ سے وہ ہر جگہ نیک نام رہے۔ خدا نے انھیں فتح کے لئے پیدا کیا تھا۔ جس لڑائی پر بھیجے جاتے تھے اُس کو فتح ہی کر کے آتے تھے۔ اور انتظام ملکی اور نظم و نسق فوجی میں بھی ان کی لیاقت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ جس اعلیٰ درجہ کی آراستہ فوج ان کے پاس موجود تھی وہ کسی امیر کے پاس نہ تھی۔ اور ان کی آراستہ فوج کی تعریف خود اورنگ زیب نے اپنی زبان سے کی تھی۔ باعتبار خوش خلقی ووقار۔ وحلم۔ و شجاعت کے تمام امیروں میں کوئی ان کا مدمقابل نہ تھا۔

فیروز جنگ بہادر نے سعد اللہ خاں وزیر اعظم شاہ جہاں کی لڑکی سے شادی کی تھی جن کے بطن سے نواب آصف جاہ جن کا بیان آگے آتا ہے پیدا ہوئے تھے۔ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد بہادر موصوف نے یکے بعد دیگرے دو بیویاں کیں جو حفظ اللہ خاں عرف منا خاں برادر مرحومہ کی لڑکیاں تھیں مگر ان دونوں سے کوئی اولاد زندہ نہیں رہی صرف سعد اللہ خاں کی دختر نیک اختر ہی کے بطن سے فقط ایک بیٹے میر قمر الدین خاں زندہ رہے جن کے وجود مسعود سے خاندان آصفیہ کا سلسلہ جاری ہوا۔

سلطنت آصفیہ کا یہ درشہوار ۱۴ ربیع الآخر ۱۰۸۲ھ ہجری مطابق ۱۶۷۱ء کو پردہ عدم سے میدان شہود میں آیا ان کی تاریخ ولادت "نیکبخت" کے لفظ سے نکلتی ہے ان کے پیدا ہونے کے بعد خود شہنشاہ اورنگ زیب نے ان کا نام میر قمر الدین رکھا اور جب ان کی عمر چھ برس کی ہوئی تو انھیں منصب عطا کیا۔ لڑکپن میں انھیں دیکھکر اورنگ زیب کہا کرتے تھے کہ اس لڑکے کی پیشانی سے نیک بختی کے آثار پائے جاتے ہیں اور اسیطرح عمدۃ الملک اسد خاں نے بھی ان کی نسبت کر پیشین گوئی کی تھی جو واقعی پوری ہوئی۔ اگرچہ قیافہ ایک نازک فن ہے تاہم اس کی صحت میں

کوئی کلام نہیں۔ مبصر اشخاص ایک بچہ کے اوضاع و اطوار دیکھکر پہلے ہی سے صحیح حکم لگا دیتے ہیں۔ یہ مثل جو مشہور ہے کہ ہونہار برداکے چکنے چکنے پات۔ مغفرت مآب کے بچپن کے حالات پر غور کرنے سے بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔ خود آصف جاہ اپنے لڑکپن کے حالات میں بیان کرتے ہیں کہ "جب میں کمسن تھا تو مجھے اور بچوں کیطرح کھیل کود سے ذرا بھی رغبت نہ تھی جب میرے والد بزرگوار کسی انتظامی معاملہ میں مشورہ کرتے تھے تو میں بھی اس مجلس میں چپکا بیٹھا ہوا لوگوں کی رائیں سنا کرتا تھا۔ بعض اوقات آدھی آدھی رات بیٹھے گذر جاتی تھی۔ اور جب میرے والد مجھے سو رہنے کی تاکید فرماتے تھے تو میں مجلس سے اُٹھ کر کسی گوشہ میں چھپکر بیٹھ رہتا اور پھر اہل مجلس کی باتیں بغور سنتا رہتا تھا" اس بیان سے بخوبی ثابت ہے کہ جوہر قابلیت خدا داد ہوتا ہے اور بچپن ہی سے بچہ کی توجہ اور میلان اس کی فطری اور طبعی امور کی طرف ہوتی ہے۔ اور وہ ہر فطری واقعہ سے اپنے میلان کے مطابق فائدہ اٹھاتا ہے۔ ایسے قابل آدمیوں کو چنداں اکتساب و مدرسہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ساری دنیا ان کے لئے اسکول ہوجاتا ہے جہاں وہ براہ راست فطرت سے سبق لیتے ہیں۔

ابتدائی ترقیاں

نواب مغفرت مآب کی جس قدر عمر بڑھتی گئی اُتنی ہی ان کے اعزاز اور مناصب میں بھی ترقی ہوتی گئی ۱۰۹۸ ہجری میں انھیں بادشاہ نے خنجر مرصع عطا فرمایا اور منصب میں بھی اضافہ کیا پھر ایک سال بعد جمدھر مرصع و خلعت خاص عنایت کرکے منصب میں اور اضافہ کیا۔ اور ۱۱۰۲ ہجری میں مادہ فیل اور خطاب قلیچ خان مرحمت ہوا ۱۱۰۸ ہجری میں کچھ خانگی معاملات کی وجہ سے ان کو اپنے والد بزرگوار سے رنج پیدا ہوا اور گھر سے نکلکر اورنگ زیب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اگرچہ بادشاہ ان کے آنے سے دلیں تو خوش ہوا مگر ظاہرداری سے فیروز جنگ کی خاطر کا لحاظ رکھا اور اسی وجہ سے ایکا ایک

مغفرت مآب کو دربار میں حاضری کی اجازت حاصل نہ ہوئی مگر اسد خاں کی سفارش سے پھر انھیں باریابی کی اجازت ملی اور سب سے پہلے اورنگ زیب نے کہا کہ باپ کی قدمبوسی کے بعد میرے پاس آؤ۔ اور خود ایک رقعہ فیروز جنگ کے نام بغرض سفارش دفع رنجش تحریر کیا۔ جس میں بیٹے کی طرف سے باپ کو لکھا تھا کہ اِنْ لَمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ ۔ مطلب یہ تھا کہ باپ کو فرزند کی تقصیر عفو کرنی چاہئے اس شاہی حکم کے بموجب وہ فوراً باپ کی خدمت میں واپس آئے اور چند ماہ قیام کر کے اسی سال پھر حاضر دربار ہو کر با دشاہی نوازشوں اور عنایتوں سے مالامال ہوئے اور گوش بند شال بھی مرحمت ہوا۔

مہمات ناگور اور باکر کوٹہ

۱۱۰۵ ہجری میں پہلے مرتبہ وہ ناگوری مفسدوں کے تنبیہ کے لئے مقرر کئے گئے جن کی سرکوبی کے بعد ہی کمر خنجر خاص سے سرفراز ہو کر باکر کوٹہ کی مہم پر روانہ ہوئے اس معرکہ کو سر کرنے کے بعد جب وہ ۱۱۰۸ ہجری میں واپس ہوئے تو بادشاہ کی طرف سے پیشوائی کے لئے بخشی الملک مخلص خان برم پوری اور اسلام پوری دروازے تک بھیجے گئے اور بڑے اعزاز و اکرام سے شہر میں داخل ہوئے۔ اور باریابی کے بعد انکے منصب اور فوج میں اضافہ کیا گیا۔ پھر ۱۱۱۰ ہجری میں ان کے مناصب اور سواروں میں اضافہ ہوا اور وہ بیرتی کے مورچال پر متعین کئے گئے۔ ایک سال کے بعد انکا

صوبہ داری بیجا اور کرناٹک پر

تقرر کرناٹک اور بیجا پور کی فوجداری پر معمور خان کی جگہ پر ہوا۔ اور پھر اسی سال باپ سے کچھ رنجیدہ ہو کر وہ اورنگ زیب کے پاس چلے آئے۔ اس کے بعد ۱۱۱۱ ہجری یا ۱۷۰۰ء میں بیجا پور کے مستقل صوبہ دار مقرر ہوئے اور سرپیچ مرصع اور اسپ و فیل کے عطا ہونے سے اور بھی اعزاز میں ترقی ہوئی۔ اسی سال انھیں تل کوکن اور بیل گاؤں کی فوجداری اور سات گاؤں کی تھانہ داری بھی عنایت ہوئی اور کرور دام کا انعام بھی

عطا کیا گیا۔ اتنے وسیع ملک کی حکومت اور کثیر کام کے سرانجام دینے کے لئے مغفرت مآب کو سید نثار خاں بطور نائب کے دئے گئے ۱۱۱۵ھ ہجری میں وہ حضور میں بلائے گئے اور سیف خاں ولد فقیر اللہ خاں کو ان کی نیابت میں دیا گیا ۱۱۱۶ھ ہجری میں انھیں پنج لک دام کا انعام مرحمت ہوا اور سواروں کی تعداد میں بھی اضافہ کیا گیا اور رستم دل خان کی جگہ ان کا تقرر فوجداری کرناٹک پر ہوا۔ اسی سال برہان اللہ خان کے تغیر سے نصرت آباد سنکرہ، مدگل وغیرہ پرگنات کی حکومت بھی ان کے حوالہ کی گئی اور ۱۷۰۵ء میں وہ واکنکھڑہ کے قلعہ کو فتح کرنے کے لئے بطور ہراول کے بھیجے گئے جو قوم بیڈر کے ایک راجہ کے قبضہ میں تھا۔ اس لڑائی میں نواب مغفرت مآب و محمد امین خان اور تربیت خان نے باتفاق باہم قلعہ مذکور سے پاؤ کوس کے فاصلہ پر قدم جمایا اور اورنگ زیب کا لشکر اس وقت اس قلعہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر پڑا تھا۔ صبح کے وقت مغفرت مآب اور محمد امین خان بہادر اور عزیز خان روہیلہ اور اخلاص خان نے لال ٹیکری کے پشتے پر قبضہ کیا جو محصورین قلعہ کے مدمقابل تھی اس واقعہ سے خبردار ہوکر مخالفین نے اسقدر پتھر برسائے کہ لال ٹیکری پر کسی کو ٹھیرنے کی مجال نہ ہوئی۔ اگرچہ اسوقت بادشاہ نے شاہزادہ کام بخش کو کمک کے لئے روانہ کیا مگر ان سے کچھ بن نہ آئی۔ اس کے بعد عالمگیر کا یہ فرمان نافذ ہوا کہ قلعہ فتح کرنے میں تاخیر اور سستی نہ کی جائے۔ اس روز نواب مغفرت مآب اور محمد امین خان کے سوا کوئی اور قلعہ سے دو جریب کے فاصلہ پر موجود نہ تھا۔ جب ان بہادروں نے علی الصباح اس بات کو ملاحظہ کیا کہ کوئی اپنے اردگرد نہیں ہے۔ تو اسوقت انھوں نے گھوڑوں پر سوار ہوکر قلعہ کی دوسری جانب رخ کیا۔ اسوقت دونوں دلیران فوج شاہی تنہا بغیر کسی جمعیت کے گھوڑوں پر سوار چلے جاتے تھے کہ ناگہاں ایک توپ کا گولا ایسا آیا جس سے محمد امین خان کے گھوڑے کے دونوں پاؤں اور نواب مغفرت مآب کے

واکنکھڑہ کی فتح

گھوڑے کا ایک پاؤں اُڑ گیا۔ اور دونوں بہادر زمین پر گر پڑے۔ بادشاہ نے اس خبر وحشت اثر کو سنکر فوراً دو عربی گھوڑے معہ طلائی ساز و سامان کے ان دونوں کے لئے اور ایک شمامہ عنبر خاص نواب مغفرت مآب کے لئے امیر خاں کے ہاتھ بھیجا اور بہت کچھ دلنوازی اور دلجوئی کی اس کے بعد دونوں بہادر امیروں نے لال ٹیکری اور ڈھیڑواری کے درمیان اپنے مورچے قائم کئے پھر بادشاہ کا حکم یہ پہنچا کہ نواب مغفرت مآب اور محمدؐ امین خان دوسرے سرداران مغلیہ کو ہمراہ لیکر قلعہ کے اطراف گشت کریں۔ آخرکار ذوالفقار خاں کی جانبازی سے یہ قلعہ مفتوح ہوا۔ اور بھیم نایک بیڈرا اور تمام محصورین قلعہ بھاگ نکلے جن کا تعاقب بڑی سرعت کے ساتھ کیا گیا۔ اس نمایاں خدمت کے صلہ میں نواب مغفرت مآب کو مینا کاری شمشیر اور فیل خاصہ مرحمت ہوا اور منصب میں پانچ ہزار سواروں کا اضافہ کیا گیا۔ اس انعام و اکرام کے بعد مغفرت مآب کو متمرد پالی کاروں کے زیر کرنے کا حکم صادر ہوا جنھوں نے چھوٹے چھوٹے مستحکم قلعوں میں پناہ لی تھی۔ جب وہ ان کو زیر کر کے اور ان سے پیش کشیں اور کثیر نذرانے لیکر حاضر خدمت شاہی اور تحسین و آفریں سے مباہی ہوئے تو انھیں بیجاپور کو واپس جانے کی اجازت دی گئی۔ بیجاپور میں داخل ہونے کے دس بارہ روز بعد عالمگیر کی بیماری کی خبر نواب مغفرت مآب کو پہنچی متردد ہو کر پھر حاضر حضور ہوئے۔ جب بادشاہ کو افاقہ ہوا تو ان کے آنے سے خوشی ظاہر کی اور پھر فوراً انھیں اپنے علاقہ کو واپس جانے کی اجازت دی۔

چھوٹے چھوٹے قلعوں کی فتح

سنہ ۱۱۱۵ ہجری میں نواب مغفرت مآب کو فیروز نگر اور تاپی کوٹہ کی فوجداریاں بھی دی گئیں جن پر یوسف خان اور قدرت اللہ خان مامور تھے۔ اور یہ علاقہ بھی بیجاپور کی صوبہ داری میں داخل کر دئے گئے اور ان ممالک کے ساتھ بادشاہ نے ایک زمرد کی انگوٹھی بھی عنایت فرمائی۔ جس پر چین قلیچ خان بہادر کندہ تھا۔

فیروز نگر اور تاپی کوٹہ کی فوجداریاں

اسی سنہ میں جب عالمگیر کا احمد نگر میں انتقال ہوا تو شہزادہ محمدؐ اعظم یہاں سے پچیس کوس کے فاصلہ پر تھے یہ خبر سن کر فوراً تین پہر اور چند گھڑی کے بعد احمد نگر میں داخل ہو گئے باپ کے ماتم میں بہت بیقراری اور سوگواری ظاہر کی دوشنبہ کو عالمگیر کی لاش حسب وصیت خلد آباد کی طرف روانہ کی اور منگل کے دن احمد نگر میں جلوس کیا اور دہلی کی طرف لشکر کشی کی اکثر امیروں کو خطاب و منصب سے سرفراز کیا اس تقریب میں نواب مغفرت مآب کو بھی خان دوران کا خطاب اور منصب میں چہ ہزاری کا اضافہ اور صوبہ داری برہان پور بھی عنایت ہوئی اور حسب الحکم محمدؐ اعظم کے ہم رکاب ہوئے۔ مگر اس اثنا میں نوجوان بادشاہ کی طرف سے ایسی کج خلقی ظاہر ہوئی کہ انھوں نے پاندھاڑ کی منزل پر پہنچکر علانیہ بغیر رخصت محمدؐ امین کو ساتھ لیکر لشکر شاہی سے علیحدگی اختیار کی اور نقارہ بجاکر اورنگ آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے سپاہیوں نے اردوئے شاہی پر کچھ دست درازی بھی کی اور محمدؐ اعظم شاہ کو مصاحبوں نے بھڑکایا کہ ایسے سرکش عہدہ دار کا تعاقب کر کے ناشایستہ حرکت کی سزا دینا چاہیئے۔ مگر محمدؐ اعظم شاہ نے یہ کہکر ٹال دیا کہ "پہلے اصل کو پکڑنا چاہیئے اس کے بعد فرع کا تدارک بہت آسانی کے ساتھ کر دیا جائے گا۔"

اودھ اور لکھنو کی صوبہ داری

سو اتفاق سے جب دونوں بھائیوں یعنے محمدؐ اعظم اور محمدؐ معظم میں لڑائی ہوئی ایک مارا گیا اور ایک کو تخت شاہی نصیب ہوا۔ نواب مغفرت مآب بھی دکن سے دہلی میں پہنچے۔ اور بہادر شاہ محمدؐ معظم نے اسی منصب اور خطاب کو بدستور سابق بحال رکھا جو محمدؐ اعظم مرحوم نے انھیں دیا تھا۔ مگر ان کا تقرر اودھ کی صوبہ داری اور لکھنو کی فوجداری پر کر دیا۔ مادہ تاریخ میر عبدالجلیل بلگرامی نے انھیں کے خطاب "خان دوراں" میں نہایت ذہانت کے ساتھ نکالا تھا۔ مگر وہ اس تقرر سے خوش نہ ہوئے اور تھوڑی ہی مدت کے بعد ملازمت شاہی سے مستعفی ہو کر خانہ نشیں ہو گئے۔ اس گوشہ نشینی کا

اصلی سبب یہ تھا کہ دربار شاہی کا رنگ بگڑ گیا تھا۔ جو ایسے طبائع کے خلاف تھا جنھوں نے عالمگیر سے مدبر اور شائستہ اور بردبار بادشاہ کی ملازمت میں تربیت پائی تھی۔ نواب مغفرت مآب بھلا کب دربار کی حماقتوں اور ناشائستگیوں کو برداشت کرسکتے تھے۔ نواب نے اس سختی کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کی کہ انھیں اہل دنیا کا ذکر تک پسند نہ تھا۔ انھوں نے امرا کو چھوڑ کر فقرا، صلحا و علما کی صحبت کو غنیمت سمجھا۔ اور وہ گھر سے صرف مزارات مقدسہ کی زیارت ہی کے لئے نکلتے تھے۔ بہادر شاہ نے ہر چند چاہا کہ وہ کسی معزز خدمت پر مقرر کئے جائیں۔ مگر انھوں نے کسی طرح قبول نہ کیا اور امور ریاست سے قطعی دست برداری اختیار کی۔ پھر جب بہادر شاہ کام بخش کی مہم سے فارغ ہو کر دکن سے واپس آیا اور دار الخلافت سے چند کوس پر قیام کیا تو نواب مغفرت مآب کو عظیم الشان کی معرفت بڑے اصرار سے طلب کیا۔ گو نواب مغفرت مآب بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بادشاہ نے ملازمت شاہی قبول کرنے کے لئے بہت کچھ سمجھایا۔ مگر ان کے دل پر اس فہمائش اور ترغیب و تحریص کا ذرا بھی اثر نہ ہوا اور وہ وہاں سے واپس آکر پھر بدستور سابق جہان آباد میں گوشہ نشین ہو گئے اور بہادر شاہ کے انتقال کے وقت تک انھوں نے کوئی خدمت شاہی اختیار نہ کی۔

بہادر شاہ کے انتقال کے بعد جب جہاندار شاہ تخت نشین ہوا۔ تو اس نے نواب مغفرت مآب کو ہفت ہزاری منصب اور فیروز جنگ کا خطاب دینا چاہا مگر اس دور اندیش قانع امیر نے اس کو ہرگز قبول نہ کیا۔ اور بدستور سابق زاویہ نشین رہے۔ لیکن جب جہاندار شاہ نے فرخ سیر کے مقابلہ کے لئے شہر سے باہر خیمہ نصب کیا۔ تو اُس وقت عمدۃ الملک بڑے اصرار سے نواب مغفرت مآب کو اس کی خدمت میں لے گئے اور بڑی مشکل اور جد و جہد سے ملازمت شاہی ان سے

قبول کرائی گئی اور شش ہزاری منصب اور ماہی مراتب انھیں عطا کیا گیا۔ اسکے بعد وہ شاہزادہ اعز الدین کی کمک کے لئے آگرہ بھیجے گئے اور جب شاہی فوج سے فرخ سیر کا مقابلہ ہوا۔ تو اس وقت نواب مغفرت مآب اور محمدؐ امین خان بھی فوج شاہی کے میسرہ پر متعین تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس لڑائی میں تورانی فوج نے کہ جہاندار شاہ کے اطوار اور اعمال سے سخت متنفر تھی عمداً چشم پوشی کی اور نواب مغفرت مآب اور محمدؐ امین خان نے بھی علی اصغر خان میواتی کے ذریعہ سے سیدوں کے ساتھ خفیہ مراسلت کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نواب مغفرت مآب جہاندار شاہ کے قتل کے بعد بے داغ ہی بچ نہیں گئے۔ بلکہ فرخ سیر کے خیر خواہوں میں انکا شمار ہوا جس کا ثبوت اس اعزاز و منصب سے معلوم ہوتا ہے جو انھیں فرخ سیر کے تخت نشینی کے بعد ہی عطا کئے گئے تھے۔ کیونکہ سید عبداللہ اور سید حسین علی خان نواب مغفرت مآب کو اپنا بڑا بھائی کہتے تھے اور ان کی تعظیم و عزت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نکرتے تھے گو فرخ سیر برائے نام بادشاہ ہوا۔ مگر فی الواقع عنان حکومت انھیں دونوں بھائیوں کے ہاتھ میں تھی جن کے دل میں نواب مغفرت مآب کی پوری عزت و وقعت سمائی ہوئی تھی۔

فرخ سیر نے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی عہدہ داروں کا تغیر و تبدل شروع کیا اور اپنے ہوا خواہوں کو خطابات اور مناصب عطا کئے۔ اسی ضمن میں نواب مغفرت مآب کو بھی نظام الملک فتح جنگ کا خطاب اور دکن کی صوبہ داری اور کرناٹک کی فوجداری عنایت ہوئی جس خدمت پر پہلے ذوالفقار خان مامور تھا اور جس کے طرف سے داؤد خان بطور نائب خجستہ بنیاد اورنگ آباد میں مقرر تھا۔

اسی اثنا میں مرہٹوں کی شورش کی متواتر خبریں حضور میں پہنچیں جس کے انسداد کے لئے عبداللہ خان قطب الملک وزیر اعظم فرخ سیر نے نواب مغفرت مآب کو

انتخاب کیا اور رخصت کے وقت بادشاہ سے انھیں خلعت خاص۔ چار قبہ طلا سرپیچ اور جیغہ مرصع۔ مالائے مروارید۔ شمشیر و جمدہر۔ اسپ عربی مع ساز و سامان طلا دلائے۔ بادشاہ سے رخصت ہونے کے بعد قطب الملک مبارکبادی کے لئے نواب مغفرت مآب کے مکان پر آیا اور نواب موصوف نے چلنے کے وقت اس کو پانچ خوان پارچہ۔ دو جواہر شمشیر و خنجر مرصع۔ دو اسپ اور فیل برسم اتحاد و برادری بطور تحفہ کے دیئے جن میں سے قطب الملک نے کچھ کپڑے وغیرہ لے لئے اور ہاتھی گھوڑوں کو قبول نہ کیا۔ اس دوستانہ برتاؤ کے بعد پھر دونوں میں خلوت خاص ہوئی اور ان دونوں نے باہم عہد و پیماں اور مواثیق دوستی مستحکم کئے۔ قطب الملک کے جانیکے بعد نواب مغفرت مآب بھی اُس کے مکان پر تشریف لیگئے۔ وزیر اعظم نے بھی انھیں چار خوان پارچہ۔ دو جواہر۔ ایک عربی گھوڑا جس پر ساز و سامان طلائی تھا۔ ایک شمشیر و جمدھر مرصع جس کا قبضہ سنگ یشم کا تھا تواضع کئے اور میر جملہ نے بھی جو بغرض ملاقات اس وقت یہاں موجود تھا نواب موصوف کو سلہٹ کی چار ڈھالیں جن میں چار قبہ مینا کاری کام کے تھے بطور نذر پیش کش کیں۔

اورنگ آباد داخل ہونا۔

جب مغفرت مآب اپنے دوستوں سے رخصت ہوکر دلی سے روانہ ہوئے اور سیرکناں سرونج کے قریب پہنچے۔ تو اس وقت گرزبردار بادشاہ کی طرف سے فرمان اور ولایتی میوے لائے۔ نواب مغفرت مآب نے اس موقع پر گرزبردار کو سات سو روپے اور کہاروں کو دو سو روپے انعام دئے۔ یہاں سے روانہ ہوکر جب وہ اُجین کے متصل پہنچے تو سیر و شکار میں مشغول ہوئے۔ اسی وقت انھوں نے ایک ایسی موٹی تازی نیل گاؤ کو شکار کیا جس کا گوشت وزن میں گیارہ من اور کئی سیر تھا۔ اس شکار کی خوشی میں نواب مغفرت مآب نے قراول بیگی کو خلعت

اور باقی قراولوں کو پچاس روپیہ انعام مرحمت فرمائے۔ اسوقت وزیر خاں کا نواسہ میوہ کی ڈالی لایا۔ اجین کی آب وہوا سے نواب کے مزاج میں کچھ تغیر پیدا ہوا اور وہ چند روز تک کسیقدر سو مزاج سے علیل رہے۔ مگر پھر بہت جلد انھیں اس خفیف بیماری سے شفا حاصل ہوگئی۔ یہاں سے روانہ ہوکر جب وہ اکبرپور پہنچے تو انھوں نے وہاں دو روز مقام کیا اور مچھلی کے شکار سے طبعیت کو تفریح دی اس مقام پر کمرائی کے زمیندار نے دو بندوقیں اور میوہ کی کئی ڈالیاں نذر دیں۔ اس کے بعد چار روز برہانپور میں قیام کیا۔ اس مقام سے جب آگے بڑھے تو ہر منزل پر عہدہ داران سرکاری نے اپنے اپنے علاقوں کی سرحدوں پر قدمبوسی کا شرف حاصل کیا آخر کار کتل فردا پور سے کوچ کرکے وہ اورنگ آباد میں داخل ہوئے۔ جو اس وقت دکن کے چھ صوبوں کا دارالحکومت تھا۔

نواب مغفرت مآب کے آنے کی خبر سنکر مرہٹوں کے ہوش اڑ گئے اس لئے کہ ان کے اور ان کے بزرگوں کے ہاتھ سے بارہا ان مفسدوں کی گوشمالی ہوچکی تھی۔ اُنھوں نے سلطنت میں ضعف پاکر تمام دکن کو اپنے لوٹ مار سے جو ان کی جبلی عادت تھی۔ خاک سیاہ کردیا تھا۔ اکثر مزروعات بغیر جوتے بوئے پڑے تھے۔ اور بیشمار دیہات بے چراغ ہوگئے تھے۔ ان کی دست برد سے قافلوں کی راہیں بند تھیں اور تاجروں کو دکن میں آنے تک کی ہمت نہ ہوتی تھی زمیندار اور رعایا ان کے ظلم وتعدی اور "چوتھ" سے سخت پریشان تھی اگلے حاکموں کی بے انتظامی اور کارکنوں کی بدعنوانی سے بھی یہ نتیجہ پیدا ہوگیا تھا۔ جو مرہٹوں کے ظلم وتعدی میں ان کے شریک ہوگئے تھے۔ الغرض نواب مغفرت مآب نے سرزمین دکن کو آکر خراب اور ویران پایا جس کی آبادی کی فکر انھوں نے اپنے آنے کے پہلے ہی سال سے شروع کردی۔ اسوقت نواب مغفرت مآب یہ بات

سمجھ چکے تھے کہ مرہٹوں کی قوت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے ان میں آپس میں فساد اور جھگڑے بھی پیدا ہو رہے تھے تو آپ باہمی خانہ جنگیوں سے فائدہ اٹھانا اور انھیں ایک دوسرے سے لڑا کر کمزور کرنا چاہا۔ اس حکمت عملی کو انھوں نے مرتے دم تک اختیار کیا۔ جس کا آخری نتیجہ یہ تھا کہ مرہٹوں کا باہمی اتحاد ٹوٹ گیا کمزور ہوگئے۔ مگر نواب کی پالیسی کے نتائج سے پورا فائدہ انگریزوں کو نصیب ہوا جنھوں نے اس گرتی ہوئی عمارت کو ایک ہی ٹھوکر میں نیست و نابود کر دیا۔

دکن کا اندرونی انتظام۔

نواب مغفرت مآب نے خجستہ بنیاد میں چند روز قیام کرکے سب سے پہلے راجہ ساہو اور دوسرے سرداروں کے نام مراسلت روانہ کی جنمیں محبت اور تہدید اور تخویف آمیز کلمات درج تھے۔ اور تمام اضلاع اور پرگنات میں فوجدار اور عامل اور ضلعدار مقرر فرمائے۔ اور داؤد خاں کے کارکنوں کی سرزنش کیلئے سخت احکام نافذ کئے جن کا مستمر طریقہ یہ ہوگیا تھا کہ مرہٹوں کے ساتھ مل کر رعایا پر ظلم و تعدی اور مسافروں اور راہروؤں کو لوٹنے اور مارنے میں شریک ہوتے اور حصہ لیتے تھے اسی اثنا میں نواب مغفرت مآب ایک روز نماز جمعہ کو تشریف لیجا رہے تھے کہ غریبوں نے غلہ کی گرانی کی فریاد کی۔ نواب نے فوراً داروغہ دیوانخانہ کو تاکیدی حکم دیا کہ وہ کروری سے اناج سستا بیچنے کا مچلکہ لے۔ ورنہ معزول کر دیا جائے۔ داؤد خان کے کارپردازوں سے یہ وتیرہ اختیار کیا تھا کہ وہ ہر سال جاگیرداروں اور رعایاء پرگنات سے بیس لاکھ روپے بصیغہ ضلعداری وصول کرتے تھے۔ اور اس میں صرف دس لاکھ روپے تو سرکار میں داخل کرتے تھے اور دس لاکھ روپے خود ہضم کر جاتے۔ کوئی شخص ان کے اس تغلب و تصرف کو پوچھتا بھی نہ تھا۔ جب مغفرت مآب کو ان کے کفایت شعار متصدیوں اور دیوان

کھیکرن نے اس تغلب کی خبر دی جس کا تقرر محمدؐ اعظم کی جگہ ہوا تھا۔ تو نواب کو غصہ آگیا اور ان بدعنوانیوں کو دور کرنے کے لئے دیوان کھیکرن اور توپخانہ کے داروغہ محمدؐ غیاث خان کو تھوڑی سی فوج دیکر شاہ گڈھ اور انبڑ وغیرہ پرگنات کیطرف روانہ کیا۔ ان کی روانگی کے بعد جب نواب کو یہ خبر پہنچی کہ نیوسا کے اطراف وجوانب جن مرہٹوں کی جاگیر ہے۔ انھوں نے جمعیت اور سامان جنگ مہیا کرکے پٹن کے فوجدار کے ساتھ شوخی اختیار کی ہے اور ان کی امداد کے لئے احمدنگر سے کچھ مرہٹوں کے سردار آنے والے ہیں۔ تو اس وقت ۱ شوال سنہ ۱۱۲۶ ہجری کو چھ ہزار سوار پانچ ہزار پیادے ایک سو سوار اور بیس توپیں ہمراہ لیکر نواب مغفرت آب بذات خاص پٹن کی طرف روانہ ہوئے۔ اور رود گنگ کے کنارے جو پٹن سے قریب ہے دس دن مقام کرکے اس جانب کا تمام انتظام فرمایا اور یہاں سے وہ شاہ گڈھ اور انبڑ کی راہ سے روانہ ہوئے۔ ان کے رعب و دبدبہ سے مرہٹوں کی یہ مجال نہ ہوئی کہ برسر مقابلہ ہوتے۔ آمد کی خبر سنتے ہی بجز فرار کے اور کچھ ان سے بن نہ آیا۔ مقابلہ اور مقاتلہ کا جو فاسد ارادہ ان کے دل میں تھا وہ پورا نہوا۔

دکن کی حکومت کے دوسرے سال جب وہ پٹن کا بندوبست اور انتظام کرکے اورنگ آباد میں واپس آئے۔ تو اس وقت انھیں یہ خبر پہنچی کہ اب بھی کبھی کبھی مرہٹے دور دراز مقاموں کے آنے جانے والوں اور تاجروں کے قافلوں کو لوٹتے مارتے ہیں چنانچہ سورت اور گجرات کے تاجر جو تجارت کے مال سے بنڈیاں بھر کر اورنگ آباد کو آرہے تھے وہ لوٹ لئے گئے اور مقتولین میں محمدؐ ابراہیم تبریزی بخشی سرکار اور واقعہ نگار بگلانہ بھی تھے۔ اس کے علاوہ برہان پور سے کچھ پردہ نشین عورتیں بہلیوں میں سوار اورنگ آباد کو آرہی تھیں کہ گورلہ گاؤں پرگنہ اورنگ آباد کے قریب انھیں بھی مرہٹوں نے لوٹ لیا اور تمام مال وزیور ان کا

چھین لے گئے۔ اسی اثناء میں دو تین ایرانی مغل سوداگر بھی مرہٹوں کی لوٹ مار کے شکار ہوئے جو بیدر کی چھینٹ وغیرہ اشیائے سوداگری لئے ہوئے حیدر آباد سے آرہے تھے۔ ان واقعات کو سنکر نواب مغفرت مآب کو سخت رنج ہوا۔ اس کے ساتھ ہی یہ خبر بھی پہنچی کہ مرہٹے جالنہ کے اطراف میں پڑے ہوئے ہیں۔ اب تو نواب مغفرت مآب سے ضبط نہ ہوا فوراً بہادر خان عرف ابراہیم خان کو کافی فوج دیکر تنبیہ کے لئے پہلے روانہ کیا پھر خود بھی ان کی قرار واقعی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں دو تین روز کے بعد حیدر قلی خان پہنچا۔ یہ شخص دربار دہلی سے دکن کا دیوان مقرر ہوگیا تھا اور اس غرور میں متصدیوں اور کروریوں سے بہت سخت گیری کرتا تھا نواب مغفرت مآب اس کی بیجا حرکتوں پر ایک دفعہ تنبیہ و تہدید بھی کر چکے تھے۔ یہ چاہتا تھا کہ لشکر کے ساتھ ہم رکاب رہے اور اسی لئے اپنے ساتھ کی مختصر سی جمعیت لیکر سلام کے لئے حاضر ہوا تھا۔ مگر جان فشاں خان میر تزک کو یہ حکم صادر ہوا کہ ان لوگوں کو سلامی کا موقع نہ دیا جائے غرض دیوان دکن حیدر قلیخان کو سخت ذلت ہوئی اور وہ بلدہ میں واپس آیا۔ نواب بھی مرہٹوں کی سرکوبی سے فارغ ہوکر مظفر و منصور اورنگ آباد میں رونق افزا ہوئے۔

اسی سال دیوگڈھ کے زمیندار نے کچھ سفید ہرن اور چار چیتے تحفہ بھیجے اور پٹن کے فوجدار نے ایک بڑی مچھلی جس کا وزن تین سیر تھا بطور ہدیہ کے پیش کش کی۔ اور دونوں صاحبزادوں یعنے میر محمدؐ پناہ فیروز جنگ بہادر اور میر احمد ناصر جنگ بہادر کے ختنے کی رسم بھی بڑے تزک و احتشام سے ادا کی گئی۔ ختنے میں دھوم دھام کرنا شرعاً تو جائز نہ تھا۔ مگر اس وقت تمام ہندوستان میں یہ رسم عالمگیر تھی اور ادنیٰ اور اعلیٰ سب اس کے پابند تھے۔ اس رسم میں تقریباً سو خلعت نواب نے اپنے عہدہ داروں کو عطا فرمائے۔ اسی سال کے

آخر میں نواب مغفرت مآب نے حیدر قلی خاں کو دیوانی برہان پور سے معزول کیا جو بادشاہ کی طرف سے اس خدمت پر مقرر تھا۔ اگرچہ یہ شخص بہت کم ضابطہ داں اور کارداں تھا اور اس نے اپنے فرائض منصبی بھی پورے طور سے انجام دیئے تھے۔ تاہم وہ میر جملہ سے جس کو بادشاہ کے مزاج میں بہت دخل تھا سازو باز رکھتا تھا اور اس کی حمایت پر مغرور ہوکر اپنے ماتحتوں کے ساتھ سخت گیری کرتا تھا۔ اور خود اختیاری میں جو جی چاہتا کر بیٹھتا تھا۔ اس کی ان حرکات سے نواب مغفرت مآب کو رنج پیدا ہوا اور اس مغرور کو پہلے دیوان خانہ میں بلواکر محمد غیاث خان اور سعداللہ خان کی معرفت اس کی خودسری اور سخت گیری کے نسبت نصیحت فرمائی اور جب ان حرکات سے باز نہ آیا تو اُس کو اس عہدہ سے برطرف کر دیا۔

اسی سال مبارز خان نائب صوبہ حیدرآباد نے نواب کی خدمت میں یوسف بیگ کے ہاتھ تحائف روانہ کئے جس میں قلمکار (چھینٹ) چینی شیشہ کے ظروف وغیرہ اشیا بھی تھے۔

اس تھوڑی سی مدت میں نواب مغفرت مآب نے رات دن کی محنت شاقہ سے دکن کا ایسا انتظام کیا کہ ویران ملک میں از سر نو تازگی پیدا ہوئی اور رعایا کو اطمینان اور آسودگی حاصل ہوئی۔ چونکہ اس سے پہلے امیرالامرا نے مرہٹوں کی چوتھ وصول کرنے کی اجازت دے دی تھی اس لئے ان کے دست برد ظلم و تعدی سے رعایا کو آرام نہ ملتا تھا اور داؤد خان پنی کے زمانہ صوبہ داری میں تو مرہٹوں نے پرگنہ اشنور کے ایک موضع میں ایک چھوٹا سا قلعہ استحکام کیا تھ تعمیر کرلیا تھا اور اس پر توپیں بھی چڑھائی تھیں۔ اس قلعہ کو انھوں نے اپنی لوٹ مار کا مرکز قرار دیا تھا جہاں غارت گری کے حملوں سے فارغ ہوکر وہ پناہ گزیں

ہوتے تھے۔

جب نواب مغفرت مآب اورنگ آباد میں تشریف فرما ہوئے تو اُس وقت ایک عجیب واقعہ پیش ہوا جس کی تفصیل یہ ہے کہ گنگا جی اور سنتا جی سرداران مرہٹہ نے نصرت پور اور راجدھر کے علاقوں کو لوٹ کر قلعہ انٹور میں قیام کیا اور رانو جی نامی اسی قوم کا دوسرا سردار ان کے خلاف تھا جس نے کچھ جمعیت اکھٹا کرکے ان کے مقابلہ کا ارادہ کیا تھا۔ اس اثنا میں رانو جی نے کالو نامی کمایشدار کی وساطت سے محمد انور خان ضلعدار انٹور۔ بھوپچری و بیضا پور سے کمک طلب کی۔ انور خان اس مرہٹہ سردار کی امداد کے لئے بھوپچری سے روانہ ہوگیا اور راستہ میں اس کو یہ خبر ملی کہ رانو جی اور گنگا جی وغیرہ میں باہم مصالحت ہوگئی ہے جن کی منازعت صرف ظاہری تھی۔ اس خبر کو سنکر انور خان واپس ہوا وہ اپنی قلیل جمعیت سے ان مرہٹوں کی کثیر فوج کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتا تھا مگر انور خان نے کالو کو ناعاقبت اندیشی سے قید کرلیا جو اس کمک کے مقابلہ میں واسطہ تھا۔ اور جو اس سے پہلے بھی خان موصوف کے ساتھ بغرض حصول ملازمت نواب مغفرت مآب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ مرہٹوں نے اسکے مقید ہونے کی خبر پاکر بحیثیت اجتماعی تین ہزار سواروں کے ساتھ انور خاں پر حملہ کیا اور خان موصوف کے ہوش وحواس جاتے رہے اور اس نے کالو کو فوراً رہا کردیا۔ مگر خان کی اس کارروائی سے مرہٹوں کو اس کی کمزوری ثابت ہوئی اور انھوں نے جرأت کرکے خان موصوف کو گرفتار کرلیا۔ اور قیدی بناکر قلعہ انٹور میں رکھا۔ جب اس واقعہ پریشان کی خبر نواب مغفرت مآب کو ہوئی جس کی وجہ سے ملک میں اکثر فتنہ ہائے خوابیدہ بیدار ہوگئے تھے تو انھوں نے فوراً بہادر خاں عرف ابراہیم خان برادر مراد خان پنی کو مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے چار ہزار سوار

اور دو ہزار پیادے برق انداز دیکر روانہ کیا۔ ابراہیم خان اس فوج کو لیکر بڑی عجلت کیساتھ پلاسی گھاٹ کے قریب پہنچا۔ اس کی جمعیت دشمنوں کی فوج کے مقابلہ میں کم تھی اس کے علاوہ بارش اور ہوائے تند نے آلات آتش باری کو بیکار کر دیا تھا۔ آخر وہ مرہٹوں کے محاصرہ میں آگیا۔ اور نواب مغفرت مآب سے کمک طلب کی۔ نواب ممدوح نے فوراً تمام سرکاری فوج اور جمعیت متعینہ وغیرہ کو جمع کیا اور اپنے بڑے بیٹے محمد غازی الدین خان کو جن کی عمر اسوقت نو سال سے زیادہ نہ تھی اس فوج کا رئیس مقرر کر کے ابراہیم خان کی کمک کیلئے روانہ کیا۔ محمد غیاث خان داروغہ توپخانہ صاحبزادہ کی اتالیقی میں اور میر مرزا خان ان کی مصاحبت میں بغرض شوری ساتھ کر دئے گئے تھے۔ جب یہ سرداران اسلام عجلت کے ساتھ مرہٹوں کے قریب پہنچے تو ان کے ہوش و حواس باختہ ہو گئے۔ اور فوراً بھاگنے کا ارادہ کر لیا مگر اوجی سر دیسکھ قصبہ سینر کے سمجھانے بجھانے سے جو بظاہر اہل اسلام سے موافقت رکھتا تھا اور باطن میں مرہٹوں کا طرفدار تھا وہ ایک روز شاہی فوج کے مقابلہ میں ٹھیرے اور چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح بڑی مشکل و دشواری سے لڑائی لڑے مگر دوسرے روز ان کے پاؤں نہ جمے اور وہ لومڑیوں کی طرح بھاگ نکلے۔ لشکر اسلام نے اسی کوس تک ان کا تعاقب کیا مگر وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں چوہوں کی طرح جا چھپے اہل اسلام نے قلعہ اٹنور کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ اور اسی طرح جہاں کہیں ان کے اور قلعے دکھائی دئے ان سب کو مسمار کر دیا۔ اس لڑائی میں غنیم کا بہت مال فاتحین کے ہاتھ آیا۔ گھوڑیاں گھوڑے۔ اونٹ۔ ہاتھی وغیرہ سب اس مال غنیمت میں داخل تھے۔ جب صاحبزادہ غازی الدین خان مرہٹوں کو شکست دیکر مظفر و منصور حاضر خدمت عالی ہوئے۔ تو اس وقت محمد غیاث خان اتالیق اور میر مرزا خان نے نواب مغفرت مآب سے یہ سفارش کی کہ پہلے پہل صاحبزادہ کو

یہ فتح نمایاں حاصل ہوئی ہے۔ مناسب ہے کہ ان کو فیروز جنگ کا خطاب دیا جائے جو غازی الدین خان کے خطاب کا ضمیمہ ہے۔ نواب نے اس سفارش کے جواب میں فرمایا کہ "انشاء اللہ دیا جائے گا"۔

اس فتح کے بعد نواب مغفرت مآب کے سینہ میں پھوڑا نکلا جس سے مزاج سخت ناساز ہوا۔ ورم آگیا ریم پڑ گئی۔ یونانی اور ہندی دونوں قسم کے علاج سے کچھ کمی نہ ہوئی۔ آخر کار ایک بھورہ نے جو گجرات سے اتفاقاً آگیا تھا ایسا حکمی علاج کیا کہ بیس روز میں اس کا نشان تک باقی نہ رہا۔ نواب نے اس بلائے ناگہانی سے نجات پاکر بھورے کو چاندی میں تلوایا اور پانچہزار پانسو روپیہ جو اس کے ہم وزن تھے اس کو حوالہ کئے۔ اس نقد رقم کے علاوہ اس کو خلعت بھی دیا۔ اس صحت یابی کی تقریب میں نو روز تک جشن منایا گیا شہر میں روشنی ہوئی اقسام اقسام کے کھانے تقسیم ہوئے۔ ملازمین کو حسب حیثیت خطاب۔ انعام خلعت۔ جاگیر جواہر فیل اسپ وغیرہ عنایت کئے گئے۔

اسی اثناء میں نواب مغفرت مآب کو بھگوانداس کی جھوٹی خبر کا حال معلوم ہوا جو بھاسکر راؤ ہرکارہ شاہی صوبہ خجستہ بنیاد کا نائب تھا اور جس نے مرہٹوں اور شاہی فوج کی لڑائی کے واقعات میں یہ جھوٹا فقرہ دربار دہلی میں لکھ بھیجا تھا کہ ابراہیم خان کے ہمراہی زرہ پوش افغانوں نے عجیب سعی اور کوشش ظاہر کی جس سے بادشاہی عزت و آبرو قائم رہی۔ حالانکہ ابراہیم خان نے تو نواب ممدوح کی کمک سے دشمنوں سے رہائی پائی تھی۔ جب بھگوانداس کے پرچہ اخبار کو وکیل نواب نے خدمت عالی میں بھیجا تو اُس وقت اس دروغگوئی سے نواب کو سخت غصہ آیا۔ اور انھوں نے محمد غیاث خان کو یہ حکم دیا کہ اس ہرکارہ ناکارہ بھگوانداس نے میرے فوج کی تمام محنت اور جانفشانی خاک میں ملادی۔ اس لئے وہ گھر سے

گھسیٹکر جلوخانہ میں لایا جائے اور اسے تازیانے مارے جائیں۔ اور اس تراشیدہ خبر کی یاداشت میں اس کی موچھیں اور داڑھی پیشاب سے منڈوادی جائے اور پھر اس کو گدھے پر سوار کرکے شہر میں پھرایا جائے۔ اُس حکم قہر آمیز پر فوراً عمل ہوا دروغگو اخبار نویس کو سخت سزا ملی۔ اس واقعہ سے ثابت ہے کہ اس زمانہ میں جھوٹے اخبار نویسوں کو بہت ہی سخت سزائیں دیجاتی تھیں۔

مرہٹوں کو شکست دینے کے بعد نواب مغفرت مآب نے غازی الدینخان بہا کو خلعت خاص۔ سرپیچ مرصع گراں بہا عنایت فرمایا اور ان کے منصب میں پانچھزی ذاتی اور پانسو سوار کا اضافہ کیا گیا۔

انھیں دنوں میں آلوجی سردیکہ قصبہ سیرحس نے کھنڈوجی اور بہار یہ مرہٹوں کے ہاتھ سے اپنے کردار کی پوری سزا پائی تھی ہزار سوار کی جمعیت کے ساتھ محمد غیاث خاں کی وساطت سے باریاب شرف ملازمت ہوا اور یہ عرض کی کہ کھنڈوجی نے بگلانہ میں قلعہ بناکر اس میں اپنے متعلقین کو رکھا ہے اور سورت اور احمد آباد کے بندروں کے قافلہ کو لوٹا کرتا اور ان اضلاع کی رعایا پر ظلم و تعدی ڈھاتا ہے۔ اگر سرکار تھوڑی سی جمعیت کو کسی افسر کی سرکردگی میں عنایت فرمائیں تو ان ظالموں کا استیصال کردیا جائے تاکہ رعایا دور و دراز کو ان کے جور و جفا سے راحت و آرام حاصل ہو۔ آپ نے اس درخواست کو منظور کرلیا اور عمر خان کو ایک ہزار سوار دیکر اس مہم پر متعین فرمایا۔ نواب کی اس فوج نے کھنڈوجی کے قلعہ کو منہدم اور اس کے متعلقین کو قید کرکے نواب کی ملازمت کا شرف حاصل کیا۔ اس کامیابی کے صلہ میں نواب نے اس کو منصب اور جاگیر عنایت فرمائی اور اس کی بڑی تحسین و آفریں کی۔

اسی اثناء میں نواب مغفرت مآب کے اقبال سے دھناجی جادو سیناپتی نے جو سرداران قوم مرہٹہ میں بہت مشہور معروف تھا جس نے اورنگ زیب کے زمانہ میں

کیا کچھ آفتیں نہ ڈھائی تھیں خود بخود آکر نواب سے ملاقات کی اور حلقہ ملازمت میں داخل ہوا نواب نے اس کی بڑی عزت افزائی کی ہفت ہزار سوار کا منصب اور علم و نقارہ مرحمت فرمایا۔ اس کے ساتھیوں کو بھی حسب مراتب منصب عطا فرمائے اور اس کے ذاتی خرچ اور اس کے رفقا کی تنخواہوں کے لئے بھالکی کے نواح میں ۲۲ لاکھ کی جاگیر عنایت فرمائی۔

صوبہ داریٔ دکن سے عزل

اس اثنا میں عزت بیگ خان نے جن کا جدید تقرر عبدالنبی خان فوجدار کرناٹک کی جگہ ہوا تھا اور ہزار سوار کے ساتھ اپنی خدمت متعینہ پر روانہ کر دئے گئے تھے جائزہ لینے میں عبدالنبی کے ساتھ جنگ کی اور اس کشت و خون میں اس کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی نواب بغرض انتظام کرناٹک کی طرف روانہ ہوئے۔ اور جب وہ انبڑ کے مقام پر پہنچے تو اس وقت انھیں حسین علی خان کے تقرر کا حال معلوم ہوا جس کو فرخ سیر نے ان کی جگہ دکن کی صوبہ داری پر مقرر کیا تھا۔ اس وقت یہ خبر زبان زد خلایق تھی اور بعد ازاں ان کے وکیل کی تحریر سے بھی اس خبر کی تصدیق ہوئی جو بغرض اخبار رسانی پایۂ تخت میں متعین تھا۔ نواب مغفرت مآب اس خبر کی تصدیق کے بعد اورنگ آباد خجستہ بنیاد کو واپس آئے۔ اور مصلحت وقت کے لحاظ سے کرناٹک جانا مناسب نہ جانا۔ اورنگ آباد میں آنے کے چند روز بعد فرمان شاہی صادر ہوا۔ جس میں حسین علی خان کے لئے صوبہ داری دکن اور نواب کے لئے حضوری دربار کا حکم تھا سنہ ۱۱۲۶ میں نواب مغفرت مآب اورنگ آباد سے اپنی تمام فوج لیکر دہلی کو روانہ ہوئے اور راہ میں بمقام برہان پور تاپتی کے کنارے چند مقام فرمائے اور تریف بیگ خان کو جس نے صوبہ دار برہان پور کو قتل کیا تھا معزول کر کے ان کی جگہ ظفر محمد خان کو مقرر فرمایا۔

ادھر ظفر محمد خان کو صوبہ داری برہان پور پر مقرر فرما کر نواب مغفرت آب تو دار السلطنت دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ اور ادھر ۱۱۲۷ھ ہجری کو امیر الامرا امیر حسین علیخان شاہجہاں آباد (دہلی) سے دکن کی سمت راہی ہوا۔ راستہ میں دو کوس کے فاصلہ پر جب یہ دونوں امیر پہنچے۔ تو اس وقت امیر الامرا نے نواب سے ملاقات کا پیام بھیجا۔ مگر انھوں نے عزل و نصب کے عار اور مصلحت وقت کے لحاظ سے قبول نہ کیا۔ اور وہ کوچ پر کوچ کر کے دار الخلافت میں داخل ہوئے۔ باریابی حضور کے وقت بادشاہ نے ان سے بہت کچھ عنایت آمیز باتیں کیں اور خلعت خاص چار قبہ مرحمت فرمائے۔ اس کے بعد امیر الامرا کا بھائی عبداللہ خان قطب الملک وزیر اعظم نواب سے ملنے کے لئے ان کے مکان پر آیا اور ان کے عزل کی نسبت بہت کچھ معذرت کی اور کہا کہ "درحقیقت وزیر اعظم آپ ہیں۔ صوبہ داری دکن کی اصل کیا ہے۔ بعض ضروری مصلحتوں اور فسادوں کے دفع کرنے کی غرض سے امیر الامرا دکن روانہ کئے گئے ہیں اب آپ جہاں کی صوبہ داری کو پسند فرمائیں حاضر ہے"۔ چونکہ اس وقت دربار شاہی کا رنگ بگڑا ہوا تھا۔ اور چاروں طرف نفاق اور خود غرضی کا بازار گرم تھا اور حکومت کے تلون کی کچھ حد نہ تھی۔ وزیر بھی نفاق و مکر میں ڈوبا ہوا تھا بادشاہ اور وزیر کے درمیان فتنہ اور فساد کی آگ بھڑکتی جاتی تھی۔ اس لئے نواب عالیجناب نے صلاح وقت پر نظر کر کے سنبھل مراد آباد اور دیگر پرگنات کی صوبہ داری قبول کر لی اور سیر و شکار کا بہانہ کر کے دہلی سے روانہ ہو گئے۔

۱۱۳۱ھ ہجری میں جب قطب الملک نے اپنے بھائی امیر الامرا کو جو دکن میں تھا فرخ سیر کی سازش اور در پردہ استیصال سادات کی کوشش سے اطلاع دی امیر الامرا نے خانگی دشمن سے نجات پانے کے لئے بیرونی قوی دشمن سے ملاپ کیا اور راجہ ساہو کو دکن کے چھ صوبوں میں چوتھ وصول کرنے کی سند اپنی مہر خاص سے لکھدی اور

اس کے کمایشداروں کو ہر جگہ چوتھ وصول کرنے کے لئے مقرر کر دیا۔ اس خود غرضانہ کارروائی کے بعد جس کے نتائج سلطنت کے حق میں بعد کو بہت برے ثابت ہوئے وہ دارالسلطنت دہلی کو روانہ ہوا اور فرخ سیر کو قید کر کے اس کی جگہ رفیع الدرجات کو بٹھایا۔ رفیع الدرجات تین مہینے کئی دن کے بعد مرض سل میں مرگیا پھر رفیع الدولہ کو تخت شاہی دیا وہ تین مہینے بھی نہ جیا۔ اس کے مرنے کے بعد سیدوں نے محمد شاہ کو ۱۱۳۱ھ ہجری میں ذی القعدہ کی پندرہویں کو تخت نشین کیا جس کا ذکر جابجا آئے گا اس زمانہ میں نواب مغفرت مآب دہلی میں تشریف فرما تھے۔ اور زمانہ کی نیرنگیوں کو دیکھکر انھوں نے دربار شاہی میں آنا جانا موقوف کر دیا تھا۔ اس انقلاب میں سادات نے انھیں مراد آباد کی صوبہ داری سے معزول کر کے صوبہ داری مالوہ پر مقرر کیا اور انھوں نے اُس وقت اس انقلاب عظیم سے بچنے کے لئے بغرض کنارہ کشی دوری دربار اس تقرر کو قبول فرمایا۔ اور مالوہ میں پہنچکر اپنا پورا بندوبست کر لیا۔

۱۱۳۲ھ ہجری میں نواب مغفرت مآب نے ازراہ دوراندیشی سوار اور پیادے بھرتی کرنا شروع کر دیے اور یہ ظاہر کیا کہ ملک مالوہ میں چونکہ بدنظمی ہے اس لئے فوج کی زیادتی ضروری ہے۔ مگر اس کارروائی کو شروع ہوئے سات آٹھ مہینے بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ حسین علی خان امیرالامرا کی تیز نظر اس کو تاڑ گئی جو اس وقت صرف نواب ہی کو اپنا مدمقابل سمجھا تھا۔ اس نے نواب عالیجناب کی طرف سے بدگمان ہو کر ان کے استیصال کی فکر شروع کر دی تاکہ ان کے طرف سے جو خدشہ تھا اس سے وہ فارغ البال ہو جائے۔ اور ہندوستان اور دکن کی حکومت کو بغیر کسی خوف و اندیشہ کے اپنے حسب دلخواہ سرانجام دے۔ اس مقصد کے پورا کرنے کے لئے اس نے یہ پالسی اختیار کی کہ قدیم عہدہ داروں کا عزل و نصب اور تغیر و تبدل کیا جائے اور تمام بڑی خدمتوں پر اپنے رشتہ دار اور صوبۂ مالوہ

متوسلین رکھے جائیں۔ اسی بنا پر پرانے تعلقداروں کو موقوف کر دیا۔ چنانچہ مرحمت خان کو جو ماندو اور دھار کا قلعدار اور فوجدار تھا عزل کر کے اس کی جگہ خواجم قلی خان کو نصب کیا۔ جب یہ نیا تقرر یافتہ شخص اپنے علاقہ مقررہ کے قریب پہنچا تو مرحمت خان نے سلطنت میں انقلاب دیکھ کر اس کو جائزہ دینے سے تساہل کیا۔ اس خبر کے سننے سے سادات کو بڑا غصہ آیا اور انھوں نے مرحمت خان کی چشم نمائی کی اور نواب مغفرت مآب کو لکھا کہ خواجم قلی کو فوراً قلعہ سپرد کرا دیا جائے۔ نواب عالی جناب نے سادات کی خاطر سے مرحمت خان کو جس سے قبل ازیں رابطہ اتحاد اور دوستی تھی اپنے پاس بلا لیا اور باعزاز تمام اس کو اپنے پاس رکھا۔ کیونکہ جو مخالفت فرمان شاہی کی اس سے سرزد ہوئی تھی اس کی وجہ سے وہ دربار میں حاضر نہیں ہو سکتا تھا جب مالوہ کے ایک زمیندار ستر سال نامی نے سرکشی اختیار کی اور وانگڈھ کے قلعہ پر قبضہ کیا تو اس کی سرکوبی اور قلعہ کے فتح کرنے کے لئے فرمان شاہی بنام نواب عالیجناب صادر ہوا۔ اور انھوں نے اس مہم پہ مرحمت خان کو ایک مناسب فوج دیکر روانہ کر دیا۔ مرحمت خان نے بہت جلد اس قلعہ کو بڑی کوشش اور جانفشانی سے تسخیر کیا اور اپنی لیاقت و کارگزاری دکھائی۔ مگر اس حسن خدمت سے بھی سادات کے دل اس کی طرف سے صاف نہ ہوئے۔ لیکن نواب عالی جناب نے جو اس پر بزرگانہ شفقت رکھتے اور اس کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کرتے تھے مالوہ کی صوبہ داری کا بندوبست اس کے سپرد کر دیا۔ مرحمت خان نے بھی بڑی توجہ سے ملک مالوہ کے نظم و نسق کا کام انجام دیا۔ مفسدوں کی قرار واقعی سرکوبی کی اور پرگنہ چندیری کے چند مواضع کو جو مفسدوں کے ملجا و ماویٰ بنے ہوئے تھے برباد اور خاک سیاہ کر دیا۔ اس وقت فتنہ پردازوں کو جو سادات کے اردگرد جمع تھے نواب عالی جناب سے بھڑکانے کا موقع ملا۔ اور انھوں نے

مالوہ میں زیادہ فوج جمع ہونے اور دیہات شاہی کے برباد کرنے کی خبریں امیرالامرا حسین علی خان کے کان تک پہنچائیں۔ جس نے فوراً نواب عالی جناب کو یہ لکھ بھیجا کہ میں چاہتا ہوں کہ دکن اور دیگر پرگنات کے انتظام کے لئے مالوہ میرا مقام مستقر بنایا جائے۔ اس لئے آپ اکبرآباد۔ الہ آباد۔ برہان پور۔ ملتان ان میں سے جس جگہ کی صوبہ داری پسند فرمائیں اس پر آپ کا تقرر کردیا جائے۔" مگر امیرالامرا کو یہ نہ معلوم تھا کہ مشیت ایزدی اس کے خلافِ منشا رنگ لائے گی اور اسکی ساری تدبیریں جو اس نے نواب مغفرت مآب کے خراب کرنے کے لئے سوچی تھیں مکڑی کے جالے کی طرح ایک پھونک سے ٹوٹ کر فنا ہو جائیں گی۔

دکن کو جانے کا ارادہ

نواب مغفرت مآب کو اس تحریر کے پڑھنے سے سخت تردد پیش ہوا ادھر نواب فوج کے خرچ کثیر سے زیر بار ہو گئے تھے اور مالوہ سے چلے جانے کی وجہ سے فصل ربیع کے محاصل ہاتھ سے جاتے تھے کیونکہ اس ملک میں آمدنی سرکاری کے لئے یہ عمدہ فصل شمار کی جاتی ہے۔ اور ادھر سید دلاور خان بوندی کی فتح کے بعد فوج لئے ہوئے راجہ بھیم سنگھ اور راجہ گج سنگھ کے ساتھ گوٹہ میں سکونت پذیر تھا اور حسین علی خان کے اشارہ سے حرکت کر رہا تھا۔ ان واقعات پر نظر کرنے کے بعد نواب عالی جناب کے روشن دماغ میں دو خیال گزرے۔ ان میں سے ایک تو یہ تھا کہ متعلقین کو کسی مضبوط قلعہ میں چھوڑ کر راجہ جے سنگھ سے ساز باز کرنا چاہئے اور علانیہ سادات کی مخالفت پر کمربستہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ اسی خیال کی بنا پر انھوں نے مغل علی خان کو راجہ جے سنگھ کے پاس بھیجا اور اس کا ما فی الضمیر دریافت کیا مگر راجہ مذکور نے ان کے پیام کا کچھ اطمینان بخش جواب نہ دیا جس سے یہ تجویز ملتوی رہی۔ نواب کا دوسرا خیال یہ تھا کہ دکن کو چل دینا چاہئے۔ کیونکہ مبارز خان ناظم حیدرآباد نے اپنے

ایک معتمد محمد علی نامی کے زبانی یہ پیام بھیجا تھا کہ "اگر آپ دکن میں تشریف فرما ہوں تو میں بھی بادشاہ کے خون کا انتقام ساوات سے لینے کیلئے مستعد ہوں" ادھر چندرسین ولد دہنا جادو نے بھی آپ کو اسی کام کے لئے بلایا تھا۔ اور نواب کے ایک خیرخواہ محمد غیاث خان کی رائے کا میلان بھی اسی طرف تھا کہ ساوات سے فرخ سیر کے خون کا عوض لیا جائے۔ آخر کار ان دونوں پہلوؤں پر سوچ سمجھکر نواب نے شق آخر کو ترجیح دی اور دکن کو چلے جانے کا ارادہ کیا۔ امیرالامرا کی تحریر کا کدورت آمیز جواب لکھ کر نواب نے روانہ فرمایا جس میں یہ شعر بھی تھا ؎

من بے دفانیم بوفامی خورم قسم   من چوں شمانیم بشامی خورم قسم

اس تجویز کے مطابق نواب مغفرت مآب نے ابوالخیر خان کو بغرض طلب مرحمت خان کے پاس بھیجا جو اسوقت بوپالہ (بھوپال) میں مقیم تھا۔

جب یہ سردار کاہٹیا کے مقام پر نواب سے آکر ملا۔ تو اس وقت نواب چار ہزار سوار جرار اور سرداران نامدار کو اپنے ہمراہ لیکر وسط جمادی الآخر ۱۱۳۲ھ مطابق اپریل ۱۷۲۰ء عیسوی میں سرونج سے روانہ ہوئے اور اس روانگی کی وجہ قصد حضوری اور بندوبست اضلاع مشہور کی۔ یہاں سے کچھ فاصلہ پر پہنچکر پھر نواب مغفرت مآب کاہٹیا میں واپس آئے۔ اور پھر یہاں سے دکن کا رخ کیا اور بسرعت تمام کوچ درکوچ ادھر کو روانہ ہوگئے۔

قلعہ اسیر کی فتح

اثنائے راہ میں قلعہ اسیر پر نہایت خوش تدبیری سے قبضہ کیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ انوراللہ خان کی غفلت اور بخل کی وجہ سے فوج اور منصبداروں کو تنخواہیں برابر نہیں پہنچتی تھیں اور اس وجہ سے لوگ اس سے ناراض تھے نواب نے اس واقعہ کی خبر پاکر ایک چیلہ کو جس کا نام خسرو تھا پہلے اس قلعہ کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ اس نے قلعدار کے لشکریوں اور ملازموں کو انعام

اکرام کا لالچ دلاکر مطیع کیا اور قلعہ کی فتح کا مژدہ ارسال خدمت کیا مگر نواب کو اس کارروائی سے اطمینان حاصل نہ ہوا۔ انہوں نے دوبارہ خسرو اور میر حفیظ اللہ خان کو قلعہ کے حفاظت کرنے والوں کے پاس بھیجا۔ وہ بھی لشکریوں اور رعایا سے عہد و پیمان مضبوط کرکے واپس خدمت عالی ہوے۔ جب نواب مغفرت مآب کے خیمے پاندہار کے میدان میں نصب ہوے۔ تو اس وقت قلعہ آسیر کے سرداران سپاہ استقبال کے لئے حاضر ہوے۔ اور نواب عالی جناب کے لوگوں کو سپردگی قلعہ مذکور کے لئے اپنے ساتھ لیگئے۔ مگر طالب خان قلعدار آسیر قبضہ دینے پر راضی نہ ہوا اور ممانعت کے ساتھ پیش آیا۔ اس واقعہ کی خبر ملنے پر مرحمت خان اپنے ساتھ چار طرار تیز زبان اور ذی فہم اشخاص کو لے کر نواب سے رخصت حاصل کرکے طالب خان کے پاس آیا اور باہر سے اس کو یہ پیغام بھیجا کہ میں تم سے کچھ خیر خواہی کی باتیں کہنے کے لئے آیا ہوں۔ طالب خان نے اس کے جواب میں یہ کہلا بھیجا کہ "کچھ مضائقہ نہیں آپ صاحبوں میں سے کوئی ایک شخص آکرے اور جو کچھ کہنا ہو کہے۔" مرحمت خان سید حبیب کو ساتھ لیکر طالب خان کے پاس آیا اور اس کو اچھی طرح اونچ نیچ سوجھاکر اور خوف و طمع دلاکر طوعاً و کرہاً قلعہ کے سپرد کرنے پر راضی کیا۔ اور بہت کچھ تسلی اور دلاسے سے کام لیا۔ الحاصل غرہ رجب سنہ مذکور کو یہ قلعہ نواب عالی جناب کے تحت تصرف میں آگیا اور دوسرے دن نواب ممدوح پاندہار کے مقام سے کوچ فرماکر بنولہ میں تشریف لائے۔

قلعہ آسیر پر نواب کا قبضہ ہونے کی خبر پاکر محمد انور اللہ خان دیوان برہانپور جو محمد انور خان ناظم صوبہ مذکور کا نائب بھی تھا بہت گھبرایا اور برج و بارہ کا انتظام کرکے شہر کے دروازوں پر اپنے نوکروں اور منصبداروں کو متعین کردیا۔ ادھر محمد انور خان ناظم برہان پور جو اس وقت عالم علی خان کے پاس اورنگ آباد

میں تھا اس خبر کو سنکر اور راؤ رنبھا تیا لکر کو اپنے ساتھ لیکر دو روز اور ایک شب کے قلیل دفعہ میں برہان پور آیا۔ اور شہر کی حفاظت میں بہت سعی و کوشش کی۔ مگر نواب مغفرت مآب نے اپنی اقبال مندی سے بوساطت محمد غیاث خان اکثر اعیان و اشراف شہر اور نیز راؤ رنبھا تیا لکر کو خفیہ طور سے اپنی جانب کر لیا اور ادہر شہر کے صرافوں اور تاجروں اور اہل حرفہ نے جمع ہو کر محمد انور خان سے مصالحت کر لینے کی استدعا کی جس سے وہ ناچار ہو گیا اور نواب عالیجناب سے بمصالحت پیش آیا۔ چودہویں ماہ مذکور کو شہر برہان پور ملازمان نواب کے تحت تصرف میں آیا اور سید زین الدین خان کوتوال شہر نے حسب الحکم نواب یہ ڈھنڈورا پٹوایا کہ شہر میں امن و امان ہے۔ دوسرے روز صبح کو محمد انور خان ناظم برہان پور اور انور اللہ خان دیوان بیم و رجا کی حالت میں نواب کے پاس حاضر ہوئے۔ اور سعادت ملازمت حاصل کی۔ اس کے بعد نواب عالی جناب نے لال باغ میں قیام فرمایا اور اہل شہر کو تسلی و دلاسا دے کر علی رؤس الاشہاد زبان مبارک سے یہ کہا کہ "میں اپنے خداوند نعمت یعنے بادشاہ کو اس کے نوکروں کے ہاتھ سے چھڑانا چاہتا ہوں جنہوں نے اس کو اسقدر گرفتار کر رکھا ہے کہ ان کے بغیر اجازت وہ نماز جمعہ کو بھی نہیں جاسکتا۔ بھلا دوسرے امور سلطنت میں دخل دینے کی مجال کیا ہوسکتی ہے"

برہان پور کے قبضہ و بندوبست کے بعد نواب مغفرت مآب نے تعلقات کے حکام کی رد و بدل شروع کی انور اللہ خان کو معزول کر کے برہان پور کی صوبہ داری محمد علی اکبر خان کے حوالہ کی اور بخشی گری کے عہدہ پر محمد واسع خان کی جگہ محتشم خان کا تقرر عمل میں آیا۔ اس اثنا میں عضد الدولہ عوض خان بہادر صوبہ دار برار جن کے نکاح میں نواب کی پھوپھی تھیں تیرہ سو سواروں کی جمعیت لیکر نواب کے پاس حاضر ہوئے۔ ان کے ہمراہ حکیم محمد تقی اصفہانی بھی اپنے پانسو سواروں کی جمعیت

لئے ہوئے آئے تھے۔

یہ خبر پہنچی کہ سید عالم علی خان سنکراجی ملہار اور محمد امین خان صوبہ دار ناندیڑ ایک کثیر فوج ساتھ لیکر بارادہ کارزار اورنگ آباد سے برہان پور کی طرف روانہ ہوئے ہیں۔ اس خبر کے پاتے ہی نواب مستطاب نے بعض قبائل کو تو برہان پور کے قلعہ ارک میں بھیجدیا اور بعض کو فدوی خان کی حویلی میں رکھا اور دوسرے متعلقین کو اموال و اثقال کے ساتھ قلعہ اسیر کو روانہ کردیا۔ اور خود لال باغ سے روانہ ہوکر اور دریائے تاپتی سے عبور کرکے زین آباد کی طرفِ شرقی میں خیمہ زن ہوئے

شاہی فوج سے لڑائی اور دلاور علی کا قتل

اسی اثنا میں یہ خبر ملی کہ حسین علی خان کے حکم سے سید دلاور علی خان جس کے ہمراہ حسین علی خان کا ابن عم شمشیر خان۔ بابر خان۔ دوست محمد خان روہیلہ۔ راجہ بھیم سنگھ اور راجہ گج سنگھ ہیں سات ہزار جرار سواروں کے ساتھ بطریق تعاقب نربدا سے عبور کررہا ہے۔ اس وقت نواب کے مقابلہ میں دو قوی فوجیں دو مختلف جانبوں سے بڑھ رہی تھیں اور دونو دشمن زبردست تھے۔

نواب نے پہلے سید دلاور علی خان کی مہم کو میر عالم علی خان کی لڑائی پر ترجیح دی اور خدا پر توکل فرماکر توپ خانہ کو محمد غیاث خان و شیخ محمد فاروقی اور دیگر بہادروں کے ساتھ آگے روانہ کردیا اور خود اس کے پیچھے کوچ پر کوچ کرتے ہوئے چلے۔ جب نواب عالی جناب کا لشکر تعلقہ راج نگرائی میں داخل ہوا تو اس وقت ان کے اور سید دلاور علی خان کے لشکروں میں صرف دو ہی کوس کا فاصلہ تھا اپنی معمولی روش کے موافق پہلے نواب نے دلاور علی کو صلح آمیز پیغام بھیجا اور جدال و قتال سے باز رہنے کے لئے بہت کچھ سمجھایا۔ مگر ان کی اس آشتی اور سمجھانے بجھانے سے کوئی فائدہ مترتب نہ ہوا۔ آخر الامر تیرہویں ماہ شعبان سنہ رواں کو نواب مغفرت مآب نے مجبور ہو کر جنگ پر آمادگی ظاہر کی اور اپنی

فوج کی صفوں کو ترتیب دیا۔ مگر اسی اثنا میں نواب کو یہ معلوم ہوا کہ دلاور علی توپخانہ کو قائم کرکے پشت بہ قبلہ کھڑا ہوا ہے اس حالت کے دریافت ہونے سے نواب نے اس لڑائی میں ایک نئے خدعہ جنگ سے کام لیا۔ جس کا نتیجہ دلخواہ ظہور میں آیا۔ انہوں نے ہاتھی سے اتر کر پہلے روبقبلہ دو رکعت نماز پڑھی اور خداوندتعالےٰ سے فتح کی دعا مانگ کر بسرعت تمام دو کوس راستہ طے کیا جس سے مخالف کو ان کے فرار کا گمان گزرا۔ اور پھر وہ دلاور علی کی پشت کی طرف سے نمودار ہوئے۔ ان کی فوج کو پیچھے سے آتے ہوئے دیکھکر دلاور علی کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ کیونکہ وہ تو یہ جانتا تھا کہ نواب کی فوج مقابلہ کی جرأت نہ کرکے منتشر ہو گئی ہے۔ اور اسی خیال سے وہ اپنی جگہ اطمینان کے ساتھ قائم تھا۔ اب اس اضطراب کی حالت میں اس کو اپنا توپ خانہ اُسی مقام پر چھوڑنا پڑا جہاں وہ پہلے قائم کیا گیا تھا۔ دلاور نے اپنی جمعیت کے غرور میں توپ خانہ کو وہیں چھوڑا اور پیچھے رخ کرکے نواب سے جنگ و جدال میں مصروف ہوا۔ نواب کے لشکر سے بطور ہراول کے عوض خان ایک طرف اور محمد غیاث خان دوسرے جانب سے بڑھے اور دونوں نے بازار کارزار گرم کیا۔ اس دار و گیر میں عوض خان پسپا ہوا اور سادات بارہہ اور افغانوں نے داد دلاوری دی اور راجپوتوں نے گھوڑوں پر سے اتر کر رستمانہ جنگ کی۔ اس زد و کشت میں عوض خان کے ہاتھی نے رخ پھیرا اور اس کے اکثر لشکری بھاگ نکلے۔ مگر عوض خان نے باوجود ہاتھی کے بھاگنے کے بھی استقامت اور تدبیر سے منہ نہ پھیرا۔ اسی طرح نواب کا ایک اور افسر قادر خان روستائی کے ہاتھی نے بھی لڑائی سے منہ پھیرا اور اس کے اکثر آدمی بھی بھاگے اور وہ زخمی بھی ہوا۔ مگر اس نے اپنی تیراندازی سے دشمن کے بہت سے لشکریوں کا خون بہادیا۔ درمیان میں دلاور اجل رسیدہ کو یہ گمان ہوا کہ اسوقت نواب کے ساتھ

سواروں اور دو تین سو پیادوں سے زیادہ جمعیت موجود نہیں۔ اس لئے اُس نے خود چار پانچ ہزار سوار ہمراہ لیکر اپنے فیل مست کو بغرض مقابلہ نواب عالیجناب کے ہاتھی کے سامنے بڑھایا ہی تھا کہ ناگاہ اس کے ابرو کے اوپر ایک اچٹتی ہوئی گولی پڑی جو کھال کو چیرتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اور وہ بیہوش ہو کر ہودہ میں گر پڑا۔ فیل بان ہاتھی کو جنگ سے ہٹا کر اس کو ایک اونچی جگہ کے قریب لایا۔ تاکہ دلاور علی کو غش سے افاقہ ہو جائے۔ دلاور علی نے غش سے چونک کر اور نواب کو اپنے نزدیک دیکھکر اپنے ہاتھی کو ان کے جانب بڑھایا کہ ناگاہ بندوق کی ایک گ... اس کے پہلو پر پڑی اور اس نے اس کا کام تمام کر دیا۔ مرحمت خاں نے دلاو... ہاتھی پکڑ کے نواب عالی جناب کے روبرو پیش کیا اور نواب نے فوراً شاد... جانے کا حکم صادر فرمایا۔ مگر دلاور علی خان کی فوج کی بہادری بھی ... ی جس نے افسر کے مارے جانے کے باوجود بھی لڑائی سے ... اور بدستور جنگ و جدال پر قائم رہے۔ پانسو راجپوت گھوڑوں سے ... ن جنگ میں بہادری کا جوہر دکھا رہے تھے۔ اور داد مردی و مردانگی ... رہے تھے۔ القصہ دلاور کی فوج کے چہار ہزار سوار اور پیادے اس ... ی میں مارے گئے اور نواب مغفرت مآب کی طرف نامی لوگوں میں سے ... بدخشی خان اور تبریز خان ہی کام آئے اور عوض خان بہادر محمد غیاث خان ... رزیر بیگ اور قادر داد خان زخمی ہوئے۔ مگر جان سے محفوظ رہے۔ اس لڑائی کے بعد نواب نے فراریوں کا تعاقب نہیں کیا اور دشمن کے مجروحین کے زخموں کی مرہم پٹی کے لئے جراح بھیجے اور ہر شخص کے حال کے موافق اُس کی تیمار دا... لی۔ اچھے ہونے کے بعد جب اُنہوں نے نواب کی نوکری سے انکار کیا۔ تو ... زادِ راہ دیکر رخصت کر دیا گیا۔ نواب عالی جناب نے دونوں جانب کے کشتہ...

تجہیز و تکفین کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ فوج مخالف کے مسلمان کشتے تو ان کے مذہبی رسوم کے موافق دفن کئے گئے اور ہندو مردے راجہ اندر سنگھ کے اہتمام سے جلائے گئے۔ شعبان کی بائیسویں تاریخ میدان جنگ سے روانہ ہوکر نواب مغفرت مآب نے جسونت باغ میں قیام فرمایا اور اس مقام پر اپنی سپاہ کو انعام و اکرام عطا کئے۔ اس لڑائی میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اس میں صرف توپ خانہ اور ہاتھی لے لئے گئے۔ باقی مال جس نے جو کچھ لوٹا تھا وہ اس کو بخش دیا گیا۔ بلکہ نواب نے خود سپاہیوں سے قیمتی چیزیں خرید کرکے امرا کو عطا فرمائی تھیں۔ لڑائی میں جس سپاہی کا گھوڑا مارا گیا اس کو حسب ضابطہ بحساب فی راس کلاں (صلہ) رفی راس کوچک (۔۔) روپیہ دلا دئے گئے۔

جب نواب مغفرت مآب کی فتح اور شاہی فوج کی شکست کی خبر معلوم ہوئی جو نواب کے مقابلہ کے لئے ایک فوج کثیر لیکر اورنگ آباد اور جس کے ساتھ دلاور علی خان کے بھاگے ہوئے سپاہی بھی جا کر مل گئے تو بیچارا رنج و غم میں ڈوب گیا۔ اس وقت اس کے سرداروں نے اس کو رائے دی اب اس مقام فردا پور سے واپس ہو جانا چاہیئے اور حسین علی خان آ نگر میں قیام کرنا چاہیئے۔ اور مرہٹوں کی فوج کو قزاقانہ جنگ کا حکم دینا چاہیئے وہ نواب کے لشکر کو وقتاً فوقتاً غارت کرتے رہیں۔ یہ موقع نواب سے بڑ کا نہیں ہے۔ ان کے ساتھ تدبیر سے جنگ کرنی چاہیئے۔" مگر اس نوجوان کی عمر ۲۱ یا ۲۲ برس سے زیادہ نہ تھی اور جو اپنی جوانی کے نشہ میں چور اور دلاوری اور شجاعت آبائی پر مغرور تھا اس قیمتی رائے کی کچھ پروا نہ کی اور لوٹ کو عار و ننگ خیال کیا۔

راج کمرائی کی لڑائی کے بعد جب نواب عالیجناب برہان پور میں داخل ہوئے

تو انہوں نے عالم علی خان کے بڑھنے کی خبر سنی۔ نواب نے دلاور علی خان اور شیر علی خان کے جنازوں کو بڑی توقیر اور عزت کے ساتھ عالم علی خان کے پاس بھیجدیا۔ اور اس کو خط میں یہ لکھا کہ "مسلمانوں کے خون بہانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ بہتر ہے کہ تم اپنے قبائل کو لیکر اپنے چچاؤں کے پاس چلے جاؤ۔ میری طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوگی"۔ مگر یہ نوجوان سید اس تجربہ کار نواب کی نصیحت کو کب مانتا تھا۔ جب سمجھانے سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تو بہ مجبوری نواب نے رعایت خان کو برہانپور میں چھوڑا اور محمد انور خان۔ انوراللہ خان۔ ملک مصطفےٰ خان اور محمود خان گجراتی کو قلعہ ارک اور شہر کے بندوبست کے لئے مقرر فرمایا اور خود برہانپور سے کوچ کرکے اور دریائے تاپتی سے گذر کر دریائے پورنا کے کنارے ڈیرے ڈالدئے جو برہانپور سے سوا سترہ کوس سمت غربی میں واقع تھا۔ اُدھر سے عالم علی خان بھی اپنا لشکر جرار لیکر آٹھ نالوں کے تالاب کے قریب خیمہ زن ہوا جو پورنا سے بہت قریب تھا چونکہ اس وقت بارش کی کثرت تھی اور آب دریا جو فیمابین حائل تھا چڑھاؤ پر تھا اور کیچڑ راستوں میں بکثرت تھی۔ اس لئے یہ دونوں جنگ جو مخالف اپنے اپنے فرودگاہوں میں ساکن ساکت رہے مگر اس درمیان میں نواب عالیجناب نے ہر روز ایک دو کوس پایاب مقام ڈھونڈھنے کے لئے بار کیطرف اچانا اختیار کیا۔ جب زمینداروں کی رہبری اور عوض خان بہادر کی جستجو سے سے کوس کے فاصلہ پر بالاپور کی طرف ایک پایاب مقام کا پتہ لگا۔ تو اُس وقت جوان سید عالی جناب نے وسط رمضان میں اپنی فوج کو لیکر دریا سے عبور کیا۔ ادہر چھد اور عالم علی خان نے اس عبور کی خبر سنکر اپنے مقام فرودگاہ سے کوچ کیا اور لڑ قصد سے وہ قصبہ پیل گاؤں میں پہنچا۔ نواب نے بھی اسکے آنے تک ایک مقام پر ایک روز توقف کیا اور پھر وہ یہاں سے

کوچ کر کے سیوگاؤں کے متصل جس کا تعلق صوبہ برار سے تھا بغرض مصاف خیمہ زن ہوئے۔ چونکہ اس وقت شدت کی بارش تھی جس سے راستے میں کیچڑ ہوگئی تھی اس لئے یہاں کئی مقام لازمی خیال کئے گئے۔ اس وقت اس مقام پر غلہ کی سخت گرانی تھی۔ کیونکہ مرہٹوں نے جو عالم علی خان کے طرفدار تھے نواب کے لشکر کو اطراف سے تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور دہ گھاس کا ایک تنکا نواب کے لشکر تک پہنچنے نہ دیتے تھے رسد کا تو کیا ذکر ہے۔ ان وجوہ سے نواب کے لشکروں کو سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ اور بہت کم حوصلہ سپاہی لشکر کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور اکثر جمعداروں نے ان تکلیفوں کی شدت سے عاجز آکر نالہ و فریاد آغاز کیا۔ مگر خوش قسمتی سے اس وقت بارش نے فرصت دی اور نواب عالی نے اس مقام سے کوچ کر کے بالاپور سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک ویران دیہہ کے پاس مقام فرمایا اور عوض خان بہادر، محمد غیاث خان، راؤ رنبھا تیا لکر اور دیگر بہادران فوج کو مرہٹوں کی شوخی و شرارت کے دفع کرنے کیلئے روانہ کیا۔ اس چھوٹی جماعت نے کسیقدر لڑ بھڑ کر مرہٹوں کو پسپا کر دیا جو اپنی عادت مستمرہ کے بموجب چاروں طرف بھاگ کر منتشر ہو گئے۔ مگر نواب کی اس جماعت نے دو تین کوس تک ان کا تعاقب کیا اور بہت سی گھوڑیاں لوٹ میں ہاتھ آئیں۔ نواب عالی جناب کو اسی مقام پر عید ہوئی اور ضرورت کے موافق دانہ گھاس اور سامان رسد بھی مہیا ہوگیا۔ تو نواب نے کوچ فرمایا۔ مگر راستہ کی خرابی اور بیلوں کی کمزوری کی وجہ سے بڑی توپیں ہمراہ لے نہ جا سکتے تھے اسلئے انہیں اسی مقام پر زمین میں گڑوا دیا۔ اور نواب کا لشکر بالاپور کے قریب خیمہ زن ہوا جہاں دانہ گھاس کثرت سے میسر آتا تھا۔ اس جگہ دو تین مقام کئے گئے تا کہ اہل لشکر کو تکان راہ سے آرام و استراحت ہو۔ پانچویں شوال کو نواب نے بھیر اور

سامان کو اسی مقام پر رہنے دیا اور خود جمعیت کو ہمراہ لیکر دو تین کوس کے فاصلہ پر اپنی فوج کی صف بندی شروع کی۔ اور سرداران لشکر کو حسب موقع میمنہ اور میسرہ اور قلب میں جمایا اُدھر ان کے مقابلہ میں عالم علی خان نے بھی اپنی فوج کی صف آرائی کی جس میں قوم مرہٹہ سے چالیس ہزار سوار موجود تھے۔ اور عمدہ عمدہ جمعدار اور فوجدار بھی صف بستہ کھڑے تھے جن میں سے ہر ایک کو رستم اور سہراب کے مقابلہ کا دعوے تھا۔ مگر عالم علی خان کے سرداروں میں سے بعض مثلاً امین خان. برادر خان عالم۔ ترک تاز خان اور عمر خان برادر زادہ داؤد خان پنی جسے اپنے چچا کے خون کا انتقام مدنظر تھا خفیہ طور سے نواب عالیجناب سے ملے ہوئے تھے اور بظاہر عالم علی خان کے ساتھ تھے۔ الغرض ماہ شوال کی چھٹی کو ۱۱۳۲ھ ہجری میں لڑائی شروع ہوئی۔ بعض مورخین کا قول یہ ہے کہ اس جنگ میں نواب نے ابتدا کی اور عالم علی خان اپنے مقام پر کھڑا رہا۔ مگر بعض اس کے خلاف ہیں اور یہی صحیح بھی معلوم ہوتا ہے۔ القصہ پہلے مرتبہ عالم علی خان کی طرف سے دو تین گولے نواب کے لشکر میں آئے۔ مگر ان سے کسی کو صدمہ جانی نہیں پہنچا۔ بعد ازاں نواب کے لشکر سے بھی گولہ باری شروع ہوئی اور پہلے ہی گولے میں دشمن کے ایک سردار لطیف خان پوار کے ہاتھی کا ہودہ اُڑ گیا۔ مگر وہ جان سے بچ کر پاپیادہ ہو گیا۔ اس گولہ باری نے عالم علی خان کے لشکر میں تزلزل پیدا کر دیا اس حالت کو دیکھکر عالم علی کے لشکر کا ہراول متہور خان سترہ اٹھارہ ہاتھی جن پر دلیران نبرد آزما سوار تھے اور چودہ پندرہ سو سوار جرار ہمراہ لیکر آگے بڑھا اور قبل اس کے کہ دھوئیں کا غبار فرو ہو جو توپوں کی آتشباری سے پیدا ہو گیا تھا اس نے نواب عالی جناب کے لشکر ہراول پر حملہ کیا۔ اور اس شدت کی لڑائی کی لڑی کہ اکثر مغلوں کے پاؤں اپنے مقام سے ہٹ گئے اور محمد شاہ داروغہ

توپخانہ کو کاری زخم تلوار کا لگا۔ اگرچہ نواب کی فوج نے بھی بڑی بہادری دکھائی
مگر اس سخت حملہ سے ان کے لشکر میں پوری طور سے خلل آ گیا۔ محمد شاہ داروغہ
توپخانہ زخم کھا کر لڑائی سے بیکار ہو گیا۔ اس کا بھائی نوراللہ بھی مارا گیا۔ اور بہت سے
بہادر سپاہی زخمی ہوئے۔ محمد غیاث خان بخشی کی سالم آنکھ میں جو نواب کی فوج
کا ہراول تھا تیر لگا اور دنیا اس کے دونوں آنکھوں میں تاریک ہو گئی اور باقی ہراول
فوج بھاگ نکلی۔ یہ بری حالت دیکھکر نواب کی فوج کے میمنہ اور میسرہ نے حرکت
کی اور شیران نبرد آزمانے دشمن کے ساتھ مردانہ جنگ کی اور میدان میں پاؤں
جما کر تیر اندازی سے کام لیا۔ القصہ دونوں جانب سے بڑی معرکہ آرا لڑائی ظہور میں
آئی۔ اور دونوں طرف کی سپاہ نے جان پر کھیل کر جنگ کی داد دی۔ اسی اثنا
میں جوش مردانگی سے ہاتھی پر سوار ہو کر اس سرعت کے ساتھ عالم علی خان میدان
جنگ میں آیا کہ اس کے ہمراہیوں کو بھی اس کے ساتھ آنے کی طاقت نہ رہی اور
بڑی شجاعت کے ساتھ نواب کے لشکر پر حملہ کرنے لگا۔ ادھر سے بھی عضدالدولہ
عوض خان۔ مرحمت خان۔ قادر داد خان نے رستمانہ مقابلہ سیدوں کا کیا۔ اس
دار و گیر میں عالم علی شیر کی طرح حملے کر رہا تھا اور شجاعت اور مردانگی کی داد دے رہا تھا
کہ اسی اثنا میں نواب کی طرف سے ان کے قرابتی متوسل خان نامی نے جو عالم علی
کا ہم سن تھا اور شجاعت و بہادری میں اپنے زمانہ کے لوگوں میں ممتاز مانا جاتا تھا
اپنا ہاتھی آگے بڑھایا اور دشمن کی فوج پر شیرانہ حملہ کیا۔ مگر اس زد و کشت میں وہ
تیر اور گولی سے مجروح ہوا۔ اس پر بھی اس نے جرأت سے اپنے ہاتھی کو عالم علیخان
کے فیل کے برابر کر دیا اور مردی اور دلاوری کی داد دی۔ مگر پھر وہ کاری زخموں سے
چور ہو گیا۔ قادر داد خان نے بھی جو متوسل خان کی امداد کیلئے پہنچ گیا تھا بہت بڑی
شجاعت کے جوہر دکھائے۔ عالم علی کے لشکر کے نودس نامی گرامی اشخاص مثلاً

تہور خان جو عالم علی خان کے ہاتھی کا اُس وقت فیلبان تھا۔ غیاث الدین خان داروغہ توپخانہ دکن جو عالم علی خان کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ غالب خان۔ آپا جی دیوان شمشیر خان سید ولی۔ سید عالم بارہہ وغیرہ سب نے سب بہت بڑی سعی و تردد کے بعد تیر اور گولے کے زخموں سے راہی ملک عدم ہوے۔ اس دار و گیر میں مرہٹوں کو لوٹنے کا موقع ملا انہوں نے نواب عالی جناب کے لشکر بہیر میں پہنچکر خزانہ سے اشرفیاں لوٹ لیں۔ اسی اثنا میں عالم علی کا ہاتھی تیر اور گولے کے زخموں کو زیادہ برداشت نہ کرکے پیچھے بھاگا اور عالم علی خان نے جو اس وقت زخموں میں چور تھا باواز بلند یہ کہا کہ "میدان جنگ سے ہاتھی بھاگا جاتا ہے میں نہیں بھاگتا ہوں"۔ اس وقت نوجوان سید کی شجاعت کی حالت یہ تھی کہ جب ترکش میں تیر نہ رہے۔ تو اس نے اُن تیروں کو جو اس کے جسم۔ رخسارہ اور بازوؤں میں لگے تھے نکال کر کمان میں جوڑ کر نواب کے لشکر کی طرف چھوڑا۔ واقعی اس شجاعت اور جوانمردی کی نظیر دنیا کی تاریخ میں بہت کم پائی جائے گی۔ جو اُسوقت کم سن سید سے ظہور میں آئی۔

القصہ جب پیاپے زخموں سے عالم علی خان کا کام تمام ہوا جس پر سادات بارہہ کی شجاعت کا خاتمہ ہوگیا۔ تو اُس وقت نواب عالی جناب کی فوج میں شادیانے بجے۔ اس لڑائی میں عالم علی کے سترہ اٹھارہ سرداران نامی جو ہاتھیوں پر سوار تھے مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوے اور فتح کے بعد امین خان۔ عمر خان ترک تاز خان۔ قدوی خان دیوان دکن اور دوسرے نامی گرامی امیر نواب کے لشکر میں داخل ہوگئے۔ اور اُن کی ملازمت اختیار کرلی۔ مگر شنکراجی زخمی ہوکر گرفتار ہوا فوج مخالف کے ہاتھیوں اور توپ خانہ پر قبضہ کرلیا گیا۔ اور باقی کارخانہ جات کو لوٹ لینے اور غارت کرنے کا حکم دیا گیا نواب کی طرف صرف سید سلیمان جو اولاد حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ میں سے تھے۔ شیخ نوراللہ اور دو تین اور

معزز آدمی تلف ہوے اور افسران فوج میں سے متوسل خان ۔ محمد حیات خان بحریش کامیاب خان اور چند اور نامی اشخاص زخمی ہوے ۔ جب عالم علی خان کے قتل کی خبر اُن کے متوسلین کو اورنگ آباد میں پہنچی تو بہت گھبرائے اور انہوں نے دولتآباد کے قلعہ میں سید مبارک کے خاندان سے پناہ طلب کی جو سید جلال بخاری کی اولاد میں تھے ان سیدوں نے باوجود اس کے کہ حسین علی خان نے ان کے مناصب گھٹادئے تھے اس وقت اس کے رشتہ داروں کو ان کے اسباب و سامان کے ساتھ قلعہ میں جگہ دی ۔ اسی اثنا میں مبارزخان صوبہ دار حیدرآباد اور اس کے ہمزلف دلاورخان نے جو چھ سات ہزار سوار لیکر عالم علی خان کی کمک کو نکلا تھا راستہ میں اس کے مارے جانے کی خبر سنکر نواب مغفرت مآب سے ملاقات کی اور جدید عہد و پیمان باندھے ۔

امیرالامرا کی چڑھائی اور اس کا قتل

جب سید دلاور علی اور عالم علی خان کی شکستوں کا حال اور ان کے مارے جانے کی جانکاہ خبریں قطب الملک سید عبداللہ اور امیرالامرا سید حسین علی خان کو پہنچی تو حیرت سے دنگ رہ گئے ۔ اور اس بات سے انہیں بڑا تعجب ہوا کہ ان دونوں معرکہ آرا لڑائیوں میں سیدوں کے آدمی تو بہت مارے گئے اور نواب عالی جناب کی سپاہ قریب قریب محفوظ رہی ۔ ان دونوں سیدوں کے دلوں کو ان شکستوں کا نہایت رنج و غم ہوا اور اس کے علاوہ عالم علی خان کے قبائل کی جانب سے بھی سخت تردد تھا جب دو ہفتے بعد خبر پہنچی کہ عالم علی خان کے حویل بحفاظت تمام قلعہ دولت آباد میں پناہ گزیں ہیں ۔ تو کسیقدر اطمینان ہوا اور انہوں نے نواب عالی جناب سے انتقام لینے کی نسبت مشورہ کیا ۔ بعد مشورہ کے یہ امر قرار پایا کہ قطب الملک تو دارالخلافت میں رہیں ۔ اور امیرالامرا محمد شاہ کو ساتھ لیکر دکن پر فوج کشی کرے ۔ اس رائے کے موافق ذیقعدہ ۱۱۳۲ ہجری کو امیرالامرا

بادشاہ کو ساتھ لیکر پچاس ہزار سوار کی جمعیت سے جس کے علاوہ اور امدادی فوج بھی تھی اکبرآباد سے دکن کی طرف روانہ ہوا مگر مشیت ایزدی نے اس کے ارادہ کو پورا نہ کیا اور وہ راستہ ہی میں بمقام تورہ جو فتح پور سیکری سے غرب کی جانب پانچ کوس کے فاصلہ پر ہے ذیحجہ کی چھٹی تاریخ میر حیدر کاشغری کے خنجر سے قتل ہوا اور اُس کے ڈیروں میں آگ لگادی گئی اور کرور روپے سے زیادہ کا جواہرخانہ و خزانہ لٹ گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کا قتل ایک اندرونی سازش کا نتیجہ تھا جس میں محمد شاہ کی والدہ صدرالنسا بیگم، اعتمادالدولہ محمد امین خان جو نواب مغفرت مآب کے ساتھ قرابت قریبہ رکھتا تھا اور نواب سعادت خان نیشاپوری بانی ریاست اودھ وغیرہ شریک تھے۔ یہ نواب کی اقبال مندی تھی کہ تھوڑے ہی وقت میں ان کے دونوں قوی دشمن امیرالامرا حسین علی خان اور سید عبداللہ قطب الملک وزیر اعظم مارے گئے اور تمام سادات بارہہ کا زور ٹوٹ گیا۔

جب حسین علی خان کے قتل کی خبر آدھی رات کو نوندرائے دیوان سرکار عالی کو پہنچی اور اس نے نواب سے اس کو عرض کیا تو اسی وقت نواب مغفرت مآب نے شادیانہ اور نوبت بجانے کا حکم صادر فرمایا اور صبح کو بہت سے آدمیوں کو کھانا کھلایا۔ پھر اسی واقعہ سے ایک ماہ بعد سید عبداللہ خان اور نجم الدین علی خان کے قتل کی خبر پہنچی جس پر آپ نے خدا کی درگاہ میں شکرانہ ادا کیا۔ ۱۱۳۳ھ ہجری کے اوائل میں نواب نے شاہ جہاں آباد کا ارادہ کیا اور شہر سے باہر آکر بمقام ہرسول خیمہ زن ہوے۔ اس اثنا میں سبارز خان ناظم حیدرآباد دلے جو عالم علی خان کے قتل کے بعد نواب کی ملاقات کے لئے اورنگ آباد آیا تھا بڑے تکلف سے بلدہ خجستہ بنیاد میں اپنے بیٹوں کی شادیاں رچائیں۔ اور نواب عالی جناب سے مورد الطاف و عنایات ہوکر حیدرآباد کی طرف رخصت ہوا۔ جب نواب نے فردا پور میں پہنچ کر

یہ خبر سنی کہ وزارت پر اعتماد الدولہ محمد امین خان کا تقرر ہو چکا ہے۔ تو وہ اسی مقام سے واپس ہوے۔ راستہ میں مرحمت خان بہادر کو صوبہ داری برہان پور سے معزول کر کے بگلانہ کا صوبہ دار مقرر فرمایا اور چار لاکھ کی جاگیر ان کے نام برقرار رکھی مگر خان موصوف نے دہلی کے اشتیاق میں اس عہدہ کو قبول نہ کیا اور وہ شاہ جہاں آباد کو روانہ ہو گئے ان کی معزولی کا اصلی سبب یہ تھا کہ گو انہوں نے بذات خود خاندیس کا عمدہ انتظام کیا تھا مگر ان کے کارپردازوں میرزا عبد اللہ اور شیخ ہدایت اللہ نے برہان پور میں رعایا پر ظلم اور زیادتیاں شروع کر دی تھیں۔ اس کارروائی کے بعد نواب عالیجناب نظام آباد عرف اجنٹہ سے کوچ کر کے خجستہ بنیاد میں داخل ہوئے اور پھر یہاں چند مقام کر کے بیجا پور کو روانہ ہوے کہ وہاں افغانوں نے شورش مچا رکھی تھی جب نواب عالی جناب قصبہ اندی میں پہنچے جو دریائے بھیمرا کے متصل ہے۔ تو شاہ نظام الدین کی وساطت سے جو اورنگ آباد کے اکابر مشائخ میں سے تھے اور جن کے ساتھ نواب حسن عقیدت بھی رکھتے تھے تفاخر خان ابن عم امیر خان اور روح اللہ خان تعلقدار بیجا پور نے شرف ملازمت حاصل کیا۔ اور اطراف و جوانب کے فوجداروں اور جاگیرداروں نے بھی اسی مقام پر نذریں اور متعدد ہدایا پیشکش کیے جنہیں ابراہیم خان فوجدار کوتوال۔ عبد النبی خان فوجدار کرپہ۔ عبد الغفار خان پسر دلیر خان وغیرہ بھی شامل تھے۔ چنانچہ انہیں رقموں سے سپاہ کی پنجاہی ماہوار تقسیم ہوئیں

وزارت دہلی پر تقرر۔

اس اثنا میں اعتماد الدولہ محمد امین خان نصرت جنگ وزیر الممالک ہند کا انتقال ہوا اور محمد شاہ نے باوجود اکثر امرا کی کوشش کے عہدہ وزارت کو خالی رکھا اور نواب عالی جناب کو اس جلیل القدر خدمت پر مامور کرنے کے لئے بذریعہ فرمان شاہی دکن سے طلب کیا۔ چنانچہ یہ حکم نواب کو اسوقت ملا جبکہ وہ ادہونی میں مقیم تھے۔ اس فرمان کے پہنچتے ہی نواب نے ضلع بیجا پور کا انتظام بسرعت تمام

ختم کیا اور ماہ رجب کے آخر میں اورنگ آباد پہنچے۔ یہاں انہوں نے فدوی خاں کی جگہ جس نے بیت اللہ جانے کی رخصت حاصل کی تھی دیانت خان کو دیوان دکن مقرر فرمایا اور عضد الدولہ کو اپنی نیابت پر سرفرازی بخشی۔ اس ضروری انتظام کے بعد وہ دارالخلافت شاہ جہاں آباد کو روانہ ہوئے اور آخر ماہ ذیحجہ کو برہان پور پہنچے یہاں سے عشرہ محرم ۱۱۳۴ہجری میں کوچ کرکے ربیع الآخر کے دوسرے عشرہ میں شاہ جہاں آباد کے قریب ۱۷۲۲عیسوی میں پہنچے تو بادشاہ نے استقبال کیلئے بخشی الملک صمصام الدولہ منصور جنگ بہادر کو روانہ کیا۔ اسی مہینے کی ۲۲ کو بادشاہ کی ملازمت کا شرف دہلی میں حاصل کیا اور دارالخلافت کی حویلی میں فروکش ہوئے جلنے والے اس فکر میں لگے ہوئے تھے کہ نواب عالی جناب کا تقرر عہدۂ وزارت پر نہ ہونے پائے۔ اور اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے بہت کچھ دور از قیاس باتوں سے بادشاہ کے کان بھرے تھے۔ اس لئے چند روز نواب کے تقرر میں تاخیر ہوئی۔ آخر الامر جمادی الاولیٰ کی پانچویں تاریخ محمد شاہ نے خلعت وزارت۔ خنجر۔ قلمدان مرصع اور الماس گراں بہا کی انگوٹھی عطا فرمائی اور عہدہ وزارت پر نواب کا تقرر ہوگیا۔ نواب عالی جناب نے ہرچند اس بات کی کوشش فرمائی کہ ملک کا ایسا عمدہ انتظام کیا جائے جس سے خزانہ معمور۔ بادشاہ نیک نام اور سپاہ و رعیت آسودہ حال ہوجائے۔ مگر درباری بدہمکاروں علی الخصوص بادشاہ کی کوکی کی مخالفت اور خلل اندازی کی وجہ سے جو بڑی مکار و پرفن عورت تھی تمام معتمدین و خواجہ سراد ملازمین حضور اس سے ملے ہوئے تھے اور لاکھوں روپیے بادشاہ کی پیشکش اور اپنی حق سعی کے نام سے ہضم کرجاتی تھی ان کی ایک تجویز بھی پیش نہ گئی۔ اس وقت یہ مُزَوِّرہ اور پرفن عورت جس نے بادشاہ کے تمام مقربوں خواجہ سراؤں اور خدمتگاروں کو گانٹھ رکھا تھا محمد شاہ کی دمساز اور ہمرازبنی ہوئی

تھی۔ اس نے بادشاہ پر یہ ظاہر کر رکھا تھا کہ وہ لوگوں سے پیش کش کے نام سے خطیر رقمیں لے لے کر خزانہ شاہی کو بھرتی ہے اور اس میں سے صرف اپنا حق سعی لیتی ہے۔ اس عجیب و غریب عورت کے علاوہ بادشاہ کے اور مقربین بھی نواب کی طرف سے خیالات فاسد اس کے ذہن میں جماتے رہتے تھے اور وزارت کے کاروبار میں دخل در معقولات دیا کرتے تھے چنانچہ معزالدولہ حیدر قلی خان جس نے میر آتشی کی خدمت پر کمال استقلال بہم پہنچایا تھا اپنے تقرب اور چرب زبانی کی وجہ سے ملکی اور مالی معاملات میں خواہ مخواہ دخل دیا کرتا تھا۔ جب بادشاہ نے نواب عالی جناب کے اشارہ سے اس کو اس دخل دہی سے منع فرمایا۔ تو وہ رنجیدہ خاطر ہو کر اپنی صوبہ داری احمد آباد پر چلا گیا جو اس کے نام زد تھی۔ اور وہاں پہنچکر اس نے بادشاہ کے اکثر نوکروں اور مقربوں کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ اس زیادتی کی خبر آنے پر شاہی فرمان اس کے نام جاری ہوئے۔ کہ وہ ضبطی جاگیرات سے باز رہے۔ مگر اس نے ان فرامین کی کوئی پروا نہ کی۔ اس لئے اس کی جاگیر جو دارالسلطنت کے اطراف میں تھی بحکم سرکار ضبطی میں آئی۔ اس واقعہ کی خبر پا کر حیدر قلی خان نے بادشاہ کی خدمت میں گستاخانہ یہ عرض کرائی کہ "بادشاہ نے میری جاگیر ضبط فرمائی ہے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ شاید انہیں میری نوکری کی توقع باقی نہیں رہی ہے" اس کے بعد بغرض فہمائش اس کے نام احکام جاری ہوئے۔ مگر ان سے بھی اس کو کوئی تادیب نہ ہوئی۔ آخرالامر محمد شاہ نے نواب عالی جناب کو صوبہ داری احمد آباد پر مقرر فرمایا اور جب نواب ممدوح نے جاٹوں کی مہم سے فراغت حاصل کی۔ تو اس وقت بادشاہ نے خلعت۔ جواہر۔ فیل اور دو لاکھ روپیہ دیکر حیدر قلی کی گوشمالی کے لئے احمد آباد روانہ کیا۔ ۱۱۳۵ھ ہجری کو نواب اس مہم پر روانہ ہوئے۔ اور جھابوے کے قریب عضدالدولہ نائب اورنگ آباد سے۔ نصیرالدولہ برہان پور سے

حسب الطلب آکر قدمبوس ہوئے اور دیانت خان دیوان دکن اور محتشم خان بخشی دکن بھی حکم پر حاضر ہوئے۔ اور جوانمرد خان اور صلابت خان دونوں افغانوں نے جو حیدر قلی خان سے رنجیدہ خاطر تھے احمد آباد سے آکر بوساطت ابوالخیر خان نواب عالیجناب سے ملاقات کی اور ان کے طرفداروں میں شامل ہوگئے۔ جب نواب اکبر آباد میں داخل ہوئے تو حیدر قلی خان کے کئی مراسلے آئے جن میں چاپلوسی اور خوشامد کے کلمات درج تھے نواب نے ان مراسلات پر کوئی لحاظ نہ کیا۔ اور کوچ پر کوچ کرتے ہوئے مالوے کی سرحد پر پہنچے جہاں انہیں یہ خبر ملی کہ ان کے آنے کی خبر سنکر دہشت کے مارے حیدر قلی بیمار ہوگیا ہے اور نوبت جنون تک پہنچ گئی ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ مصلحت وقت سے دیوانہ بن گیا تھا۔ الغرض اس نے اپنے بیٹے کے ہاتھ ایک عرضداشت حضوری میں بھیجی جس میں بہت کچھ معذرت درج تھی اور یہ بھی لکھا کہ میں عنقریب دارالسلطنت میں پہنچتا ہوں۔ اس عرضداشت کے بعد وہ اپنے دیوان راجہ رگھناتھ داس کے کہنے سننے سے براہ اجمیر دہلی میں پہنچا۔ جب اس کے دہلی جانے کی خبر نواب کو وقائع نگاروں کی تحریر سے ثابت ہوئی تو اس کا تعاقب نہیں کیا اس لئے کہ نواب مستطاب نربدا سے عبور کرچکے تھے احمد آباد سے سات آٹھ منزل کا فاصلہ رہ گیا تھا نواب نے اپنے چچا حامد خان کو صوبہ داری احمد آباد پر اپنا نائب مقرر کردیا اور خود دارالخلافت کو روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں دکن کے سرداروں کو رخصت کیا اور بھوپال کے راستہ سے دہلی کی طرف بڑھے۔ اسی درمیان میں اسلام گڈھ کو محمد خان کے قبضہ سے نکالا اور مالوہ کی صوبہ داری پر اپنے پھوپھی کے بیٹے عظیم اللہ خان پسر رعایت خان کو مقرر کیا۔ جب محمد شاہ کی خدمت میں پہنچے۔ تو انہوں نے پھر کوشش کی کہ ملکی اور مالی امور کا قرار واقعی انتظام کیا جائے۔ مگر بادشاہ کی کوکی اور دوسرے مصاحبوں

کی سازشوں سے جو اس عورت کے ہمزبان تھے مقصود پورا نہ ہوا۔ ایک روز نواب مغفرت مآب نے ملکی انتظامات میں ایک عمدہ رائے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کی جس کے اصول مجوزہ یہ تھے کہ (۱) خالصہ کے اضلاع کو ٹھیکہ پر دئیے جانے کی جو رسم جاری ہے وہ موقوف کی جائے۔ اس سے ملک برباد ہوا جاتا ہے (۲) رشوت لینے کا قاعدہ جس کا نام پیشکش رکھا ہے برطرف کیا جائے۔ (۳) کفار سے جو جزیہ خلد مکان کے زمانہ میں لیا جاتا تھا پھر اس کو جاری کرنا چاہیئے (۴) شاہ سلطان حسین فرماں روائے ایران کی مدد کی جائے جو محمود خان افغان کی قید میں ہے۔ کیونکہ ہمایوں بادشاہ کو جبکہ وہ شیر شاہ افغان کے حملہ سے ایران بھاگے تھے۔ تو انہیں شاہ ایران نے بڑی مدد دی تھی۔ اگر اسوقت بادشاہ والی ایران کی کمک کریں گے تو هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ کا مقولہ صادق آئے گا۔ اور تاریخوں میں خاندان تیموریہ کی نیک نامی ثبت رہے گی۔ محمد شاہ نے آخری فقرہ کا جواب یہ دیا کہ اول تو خزانہ میں روپیہ نہیں اور دوسرے ایسا آدمی کہاں ہے جو ایسی دور دراز مہم پر روانہ کیا جائے۔ نواب عالی جناب نے اس کے جواب میں کہا کہ حضوری خدام میں سے جس کسی کو حکم دیا جائے گا وہ اس مہم کو انجام دے گا اور اگر کسی کو اس میں تامل ہو تو اس مہم پر خانہ زاد کا تقرر فرما دیا جائے خانہ زاد اس کی سربراہی میں بدل وجان کوشش کرے گا۔ بادشاہ نے اس باب میں دوسرے امیروں سے مشورہ کیا جو نواب عالی جناب کی روزافزوں ترقی اور افزایش مراتب سے حسد کی آگ میں جل رہے تھے اور نواب کے انتظامات سے رنجیدہ خاطر تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سلطنت میں پھر وہی رونق پیدا ہو جس کو یہ لوگ اپنے ہاتھ سے کھو چکے تھے حاسد امیروں نے بہت سے غرض آمیز کلمات بادشاہ سے عرض کئے اور نواب کی طرف سے جو حسن ظن تھا اُس کو دور کر دیا بلکہ اس کے بجائے اُن کی جانب سے

بادشاہ کے دل میں سوءظن پیدا کرکے نواب کی تخریب کے منصوبے باندھنے لگے اور مخفی طور سے باغذ پیش کش دکن کی صوبہ داری مبارز خان ناظم حیدرآباد کے حوالہ کی گئی۔

دکن کی روانگی

دربار کی اس ابتر حالت اور خفیہ سازشی کارروائیوں کو دیکھکر نواب نے ازراہ دوراندیشی اور عاقبت بینی خدمت وزارت اور اس نالائق صحبت سے کنارہ کیا اور ۱۱۳۶ھ ہجری میں ناسازی ہوا اور سوء مزاج کا بہانہ کرکے سیر و شکار کی رخصت بادشاہ سے حاصل کی اور اس حیلہ سے دارالخلافہ سے روانہ ہوکر تیس چالیس کوس دور نکل گئے اور گنگا کے کنارے سیر و شکار میں مصروف ہوے۔ امرائے دربار نواب کی اس کارروائی سے تاڑ گئے کہ وہ رنجیدہ ہوکر چلے گئے ہیں اور انھوں نے نواب کو دام میں لانے اور دہلی میں نظر بند کرانے کیلئے خوشامدانہ خطوط تحریر کئے۔ جن کا مضمون یہ تھا کہ اگر آپ کو خدانخواستہ کوئی رنج ہوا ہے۔ تو خود بادشاہ اپنی والدہ ماجدہ کو آپ کے لینے کیلئے بھیجیں گے نواب عالی جناب جو ایک تجربہ کار زمانہ دیدہ شخص تھے اس مکر کو بخوبی سمجھ گئے امرا کے اُن خطوط کا جواب بڑے اخلاق کے ساتھ لکھا اور سیر و شکار کے بہانے سے دریائے گنگ کے کنارے سے بھی آگے بڑھنے لگے اور اپنے کارخانہ جات کو جو دہلی میں تھے بتدریج حکمت عملی سے طلب کرلیا۔ اسی اثنا میں یہ خبر پہنچی کہ صوبہ احمد آباد جس کے انتظام پر بطور نائب نواب کے چچا نواب ہی کی طرف سے متعین تھے اور صوبہ مالوہ میں جس پر نواب کے بڑے صاحبزادہ غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ مقرر تھے مرہٹوں کی دست برد سے تنگ ہیں۔ اس عام خبر کی بنا پر نواب نے بادشاہ سے اُن صوبوں کی طرف جانے اور مرہٹوں کے چنگل سے انہیں بچانے کیلئے رخصت حاصل کی اور مقام

سورون سے جو دریائے گنگ کے کنارے ایک مشہور و معروف شکارگاہ ہے کوچ کرکے شورش و فساد کے انسداد کیلئے روانہ ہوئے مرہٹوں کی گوشمالی کے بعد پرگنہ اجین سے روانہ ہوکر پرگنہ بہورین ہٹیرے جو سرونج کے متصل ہے۔ اس مقام پر اخباریوں نے یہ خبر پہنچائی کہ مبارز خان ناظم صوبہ حیدرآباد برسرپرخاش ہے۔ یہ وہی مبارز خان ہے جس نے عالم علی خان کے قتل کے بعد نواب عالی جناب سے اتحاد اور دوستی کا عہد واثق کیا تھا اور جس کو نواب نے بادشاہ سے کہہ سنکر ہفت ہزاری منصب اور عماد الملک کا خطاب دلایا تھا اور جس کو خود اپنی طرف سے ماہی مراتب اور جھالردار پالکی مرحمت فرمائی تھی۔ اور بہت سی رعایتیں بھی اس کے ساتھ کی تھیں اور اس کی جاگیر اور خدمت سابق کو بحال رکھا تھا۔ اور ساتھ ہی اس کے یہ خبر بھی ملی کہ بادشاہ کے اشارہ سے اس وقت مبارزخان نواب سے مقابلہ کے لئے اس بنا پر آمادہ ہوگیا ہے کہ سند حضوری کے بموجب وہ کل دکن کا صوبہ دار ہے۔ اور ایک فوج کثیر ہمراہ لیکر خجستہ بنیاد کے ارادہ سے نکلا ہے۔ ان خبروں کی تصدیق محمد غیاث خان وغیرہ کے خطوط سے بھی ہوئی۔ اسی اثنا میں دہلی کے وقائع نگاروں نے یہ تحریر کیا کہ نواب کے جانے کے بعد بادشاہ نے غازی الدین فیروز جنگ کو نیابت وزارت سے موقوف کرکے اعتماد الدولہ قمرالدین خان کو مقرر کردیا ہے اور کوکی کا استقلال اور مرتبہ روز افزوں ہے اُس کی رشوت و پیش کش کا بازار گرم ہے یہ انقلاب دیکھئے کہ وہ امیر کبیر جو شہنشاہ اورنگ زیب کی سلطنت کا رکن رکین تھا محمد شاہ کی کوکی نے اونہیں دربار میں جھنے نہ دیا۔

مبارزخان ناظم حیدرآباد سے جنگ وجدال

نواب مغفرت مآب نے ان رکیک واقعات پر غور کرکے اور یہ سوچکر کہ صوبہ دکن تین پشت کی جانکاہی میں خرخشوں سے پاک ہوا ہے اور خوش قسمتی

اور حسن اتفاق سے سیدوں کے پنجے سے چھوٹا ہے جنہوں نے اس کو اپنی جاگیر سمجھ لیا تھا یہ رائے قرار دی کہ وزارت کو چھوڑ کر اب دکن ہی کی مستقل حکومت کرنا چاہیئے۔ اس ارادہ سے نواب ۲۰ رشعبان کو باندے میں پہنچے سیر کے بہانے سے قلعہ وہار کے اندر گئے خواجم قلی خاں قلعدار کو اپنے ساتھ لیا اور ان کی جگہ ابوالخیر خاں کو قلعہ میں مقرر کر دیا۔ اس قلعہ سے دلجمعی حاصل ہوئی تو نربدا کو عبور کر کے اوائل رمضان میں بہ مقام برہان پور پہنچے اور کشتیوں کے ذریعہ سے دریائے تاپتی اور پورنا کو عبور کر کے اواخر ماہ رمضان میں خجستہ بنیاد اورنگ آباد میں داخل ہوئے مبارز خاں کے نام یہاں سے مکرر خطوط روانہ کئے جس میں اس کے عہود و مواثیق کی یاد دہی کی گئی تھی اسی کارروائی میں نواب دو ماہ تک اورنگ آباد میں بغرض دفع الوقتی ٹھیرے رہے۔ مگر ان خطوط کا کوئی اثر اس اجل رسیدہ پر نہ ہوا وہ اپنے داعیہ اور عزم سے باز نہ آیا۔ اور روز بروز پیادے اور سوار اپنی فوج میں بڑہانے لگا۔ ملک میں بدامنی پھیلنے لگی اور مرہٹوں کے فتنہ و فساد بڑہنے شروع ہوئے جو ایسے ہی موقعوں کے منتظر رہتے تھے۔ ان وجوہ سے اواخر ماہ ذیقعدہ میں نواب مستطاب نے بلدہ اورنگ آباد سے کوچ کر کے تالاب جسونت کے قریب خیمے نصب کئے اور یہاں سے بھی بغرض اتمام حجت چند خطوط مبارز خاں کے نام ارسال کئے جن میں نصیحت آمیز مضامین درج تھے۔ ان خطوط میں یہ بھی درج تھا کہ مصالحت اچھی چیز ہے اور مسلمانوں کی خونریزی خوب نہیں مگر مبارز خاں کے دماغ میں تمام دکن کی حکومت کی خواہش موجزن تھی اس نے ان تحریروں کی طرف ذرا بھی توجہ نہ کی ہر وقت تازہ تازہ تدبیریں اس کی خاطر میں گذرتی تھیں۔ کبھی تو وہ یہ سوچتا تھا کہ دفعتہً نواب کی فوج پر حملہ کر دینا چاہیئے اور کبھی یہ کہ راہ کاٹ کر اورنگ آباد پر جا کر قبضہ

کرنا چاہیئے۔ آخرالامر اس آخری تجویز پر عمل کیا اور نواب کی فوج کے مقابل سے ہٹکر دریائے پورنا کو عبور کیا اور بہت سے سواروں اور پیادوں کی ایک جمعیت کو اپنے ایک بہادر سردار کے سپرد کرکے راستے میں ایک نالہ پر متعین کیا جہاں سے عبور دشوار تھا۔ اس نالہ پر مبارز خان اور نواب کی فوجوں میں جنگ و جدال واقع ہوئی اور مبارز خان کے اس فوج متعینہ کے اکثر سردار مقتول اور اسیر ہوے اور نواب عالی جناب کی فوج مظفر اور منصور آگے بڑھی اور دریائے پورنا سے عبور کرکے ۱۱۳۷ہجری کو قصبہ شکر کھیڑا میں داخل ہوئی جو صوبہ برار کے مضافات میں سے تھا اور اورنگ آباد سے چالیس کوس کے فاصلہ پر واقع تھا۔ اس مقام پر پہنچنے کے بعد دونو طرف سے صف بندیاں ہوئیں نواب کی طرف فوج ہراول کی سرداری قادر داد خان عالمگیری کو عنایت ہوئی جو نواب عالی سے رشتہ قرابت رکھتا تھا۔ اور بہادری اور شجاعت میں بھی مشہور تھا۔ میسرہ پر طالب محی الدین خان نبیرۂ سعداللہ خان مرحوم کا تقرر ہوا جو نواب کے ناموں کے بیٹے تھے۔ میمنہ پر اسمٰعیل خان خویشگی کا تعین عمل میں آیا کنور خان چند بہادر پسر ستر سال بندیلہ کو بندیوں کا ایک جوق دیکر برق انداز خان میر آتش کیساتھ کیا اور عطار خان داروغہ احشام اور توپ خانہ کو ہراول فوج کی پشت پناہی کیلئے مقرر کیا۔ عضدالدولہ عوض خان بہادر۔ سید جمال خان پسر بہادر موصوف مقرب خان۔ عالم علی خان دکنی۔ متہور خان دکنی۔ عزیز بیگ خان حارسی کو توپخانہ عنایت فرماکر فوج میسرہ کی کمک کیلئے متعین کیا۔ ظہیرالدولہ رعایت خان اور محمد عنایت خان کو فوج میسرہ اور قول کے درمیان جگہ دی۔ نصیرالدولہ چین قلیج خان کو میمنہ کی تقویت کے لئے مقرر فرمایا۔ سید غضنفر علی خان بخشی اور غازی الدین فیروز جنگ کو برہان پور کے متعینہ منصبداروں کے ساتھ رکھا اور فوج دسے کر

ایک دوسرے کی اعانت کے لئے تعین کیا۔ حرز اللہ خان کو جن کا خطاب اسوقت بہادر دل خان لاچین بیگ تھا ایک شائستہ جمعیت دیکر قول اور میمنہ کے درمیان حفیظ الدین خان بہادر اور محمد سعید خان بہادر جو سعد اللہ خان بہادر کے نبیرے تھے اور نواب عالی جناب سے قرابت قریبہ رکھتے تھے قول سے دو جریب کے فاصلہ پر اور ہوشدار خان کو جن کا خطاب ارادت خان تھا فوج طلیمش کی سرداری پر متعین فرمایا۔ محتشم خان بہادر نبیرۂ میر خانی اور دوسرے سرداروں کو اس کام پر مقرر کیا کہ جس طرف امداد کی ضرورت ہو اعانت کریں۔ خواجم قلی خان تورانی۔ گوپال سنگھ گو تسلیم خان کو جو عمدہ جمعداروں سے تھے اور رسول یار خان افغان کو فوج طلیمش کے آگے مقرر کیا اور ترک تاز خان کو جو ہمیشہ مرہٹے فوج کے سردار رہتے تھے مرہٹہ کی ایک فوج کا سردار مقرر کیا۔ کیونکہ اسوقت باجے راؤ وغیرہ سرداران مرہٹہ سات آٹھ ہزار سوار کی جمعیت کے ساتھ ہمراہ رکاب نواب عالی جناب تھے۔ اور خود بہ نفس نفیس کمال شکوہ اور تمکین سے خدا پر بھروسہ فرماکر عمدہ عقیدت کیش اشخاص کے ساتھ جن میں خواجہ عبداللہ خان۔ اہتدا خان دیوان رستم بیگ خان نیک نظر خان بخشی سرکار۔ نواب ناصر جنگ وغیرہ شامل تھے۔ قلب لشکر میں جاگزیں ہوے۔

اب مخالف فوج کی صف بندی کا کچھ حال بیان کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مبارز خان عماد الملک نے بھی ہراول میں غالب خان اور حسین منور خان پسر خان زمان المعروف بہ شیخ نظام دکنی کو متعین کیا۔ اور ان کے عقب میں اپنے خالو محمد خان کو جو صاحب شجاعت و تجربہ تھا فوج طلیمش پر۔ ابراہیم خان پنی کو جس کا خطاب بہادر خان تھا جو داؤد خان کا بھائی تھا فوج میمنہ پر۔ ابو الفتح خان پسر عبد النبی خان میانہ کو میسرہ پر مقرر کیا جو شجاعان بیجاپور میں فرد روزگار تھا۔ علیخان

متنائے دلیرخان اور اپنے چاروں فرزندوں خواجہ محمود خان۔ خواجہ اسعد خان۔ خواجہ مسعود خان حامد اللہ خان کو قول کے پاس متعین کیا اور خود خان زمان پسر خانخانان بہادر شاہی۔ متورخان۔ قزل باش خان۔ فائق خان دیوان۔ عزت بیگخان میر یوسف خان اور دوسرے بہادران رزم آزما کے ساتھ قلب لشکر میں جاگزیں ہوا۔ جب ان دونوں فوجوں کی صف بندیاں ہوچکیں اور لڑائی شروع ہوئی۔ تو اسوقت نواب عالی جناب نے اپنے پسندیدہ اصول کے موافق جنگ میں سبقت نہ فرمائی مگر مبارز خان نے کارزار میں جلدی کرکے اور نالہ صعب العبور سے جھٹ پٹ پار اُتر کر نواب کے لشکر پر حملہ کیا دونوں فوجوں میں باہم آتش پیکار مشتعل ہوئی۔ اور نہایت سخت لڑائی عمل میں آئی۔ جس کی تفصیل طول سے خالی نہیں۔ الغرض دونجانب کے دلاوروں نے جوانمردی اور تہور کی داد دی۔ اور تقریباً دونوں طرف کے تیس چالیس ہاتھی تیر و تفنگ سے مارے گئے۔ مقرب خان پسر امین خان جسکو اپنے باپ سے رنجش تھی اور امین خان لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی مبارزخان کی طرف چلا گیا تھا۔ معرکہ کے وقت باپ بیٹوں میں تلوار چل گئی۔ اگرچہ امین خان کسی اور کے ہاتھ سے مارا گیا مگر لوگوں میں یہی مشہور تھا کہ بیٹے نے باپ کو قتل کیا۔ الحاصل نواب کی فوج کے پیاپے حملوں سے مبارز خان کے تیرہ[۱۳] چودہ[۱۴] پاکمر اور نشان کے ہاتھیوں نے رخ پھیرا۔ اور اکثر دکھنیوں کے پاؤں اپنی جگہ سے اکھڑ گئے۔ اور ایک زلزلۂ عظیم اس کی فوج میں پیدا ہوگیا۔ ادھر نواب کی فوج بہیر کا پائے ثبات ڈگمگانے کے قریب تھا۔ کہ دیانت خان دیوان دکن نے جو اس روز بیماری کی وجہ سے پچاس ساٹھ سواروں اور اپنے ہمراہیوں کیساتھ بہیر کے عقب میں کسی جگہ کھڑا تھا بہیر کے لوگوں کی یہ پریشانی دیکھکر اُنہیں متفرق ہونے سے روکا۔ اسی اثنا میں مبارز خان کے دو بیٹے مسعود خان اور اسعد خان

اور دوسرے سرداران فیل سوار مارے گئے اور دوسرے دو بیٹے محمود خان اور حامد اللہ خان گرفتار ہوئے اور خود مبارز خان زخموں میں چور فیلبان کے مارے جانے سے ہاتھی کی گردن پر بیٹھا ہوا میدان کی طرف ہاتھی کو ہول رہا تھا کہ اتنے میں زخموں کی کثرت سے راہی ملک بقا ہوا اور نواب عالی جناب کی فوج میں سے شادیانوں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ دوسرے روز جب مقتولوں کا شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مبارز خان کی تین ہزار سپاہ تخمیناً اس لڑائی میں کام آئے اور گولے اور بان سے گھوڑے تو اسقدر مارے گئے تھے کہ ان سے میدان جنگ اور لاشیں چھپ گئی تھیں۔ ان کا شمار احاطہ حساب سے خارج تھا۔ ان کے علاوہ دس بارہ سے زیادہ سرداران افاغنہ وغیرہ جو حکام۔ کارفرما اور صاحب تمن تھے مثلاً عالی خان۔ حسین منور خان۔ کمال خان دکھنی۔ بہادر خان پنی۔ عبدالفتح خان پسر ارشد عبدالنبی خان جو فی الحقیقت تمام صوبہ بیجاپور کو اپنے تحت و تصرف میں کئے ہوئے تھا اس جنگ میں قتل ہوئے۔ اور خوانین کی ایک کثیر جماعت بھی جن میں خان زمان خان پسر خانخانان۔ احسن خان پسر علی مردان خان۔ میر یوسف خان پسر میر امام۔ فائق خان وغیرہ شامل تھے رہ نورد طریق آخرت ہوئی۔

مگر نواب عالی جناب کے لشکر میں سے بہت ہی کم لوگ کام آئے رعایت خان جس کے حلق میں تیر کا زخم لگا تھا۔ سلیمان خویشگی۔ سید غضنفر خان اور چند اور غیر مشہور آدمیوں کے سوا اور کسی کو بھی آفت جانی نہیں پہنچی۔ فتح کے بعد فوراً نواب عالی جناب نے دونوں طرف کے مقتولین کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور جو مجروحین اسیری میں آئے تھے ان کی خاطر خواہ تیمارداری کی گئی مبارز خان کے دو نو بیٹوں کے لئے اور اس کے ہم زلف دلاور خان اور اس کے ماموں محمد بیگ خان وغیرہ کے معالجہ اور تیمارداری کا مخصوص حکم نافذ فرمایا اور جو قیدی

زخمی نہ تھے مثلاً حکیم عزت طلب خان۔ قزلباش خان۔ میرابوالفضل خان۔ رضا خان دیوان قمرنگر۔ آقا ابوالحسن سوانح نگار مچھلی بندر وغیرہ۔ ان کے ساتھ عنایت اور مہربانی کا سلوک کیا۔ ان تمام زخمیوں اور قیدیوں کو نواب کی طرف سے غذا اور دوا دی جاتی تھی۔ نواب کے عہدہ دار بھی ایسے رحمدل اور طالب خیر تھے کہ وہ بھی اپنے خرچ سے ان کا مداوا کرتے تھے۔ چنانچہ نواب کے دیوان اہتدا خان خانساماں نے جو ایک مرد باخیر تھا قیدیوں کی ایک جماعت کثیر کی غذا اور دوا کا انتظام اپنے ذمہ لے لیا تھا ان کے علاوہ دیانت خان دیوان دکن نے بھی بہت سے ایسے لوگوں کی امداد زرنقد اور خوراک سے کی جو اسباب وغیرہ تاراج ہونے کی وجہ سے مفلس قلاش ہوگئے تھے۔ نواب عالی جناب نے اپنی جبلی فیاضی کی وجہ سے مبارز خان کے بیٹوں اور دلاور خان اور کاظم علی خان پسران حاجی محمد منصور وغیرہ کا جو کچھ اسباب از قسم جواہر۔ اقمشہ اور زرنقد ضبطی میں آیا تھا مسترد کر دیا۔

اس فتح کے دو تین روز بعد نواب عالی جناب خجستہ بنیاد اورنگ آباد کو روانہ ہوئے۔ جب اس فتح نمایاں کی خبر بادشاہ کو پہنچی۔ تو اس نے فوراً مالوہ کی صوبہ داری پر گردھر بہادر کو مقرر کیا جو چھبیلے رام کا بھائی اور بدیا بہادر کے نام سے مشہور تھا اور گجرات کی صوبہ داری پر مبارز الملک سربلند خان بہادر دلاور جنگ کو متعین فرمایا اور دھارو ماند کی قلعداری قطب الدین علی خان بنکوری کو دے دی اور صوبہ داری گجرات کی نیابت کی سند شجاعت علی خان عرف معصوم علی بیگ پسر کاظم بیگ خان کے نام ارسال کی جو حیدر قلی کے آوردوں سے تھا جس کی بہادری کو بھی لوگ مانتے تھے اور اس نے گجرات میں رہکر وہاں کے زمینداروں کو بھی زیر کیا تھا۔ جب گردھر بہادر اور قطب الدین علی خان حضور (بادشاہ) سے رخصت ہوکر اپنے اپنے متعینہ صوبوں میں پہنچے۔ تو نواب عالی جناب کے نائب عظیم اللہ خان

نے جو اجین میں اس وقت چہار ہزار سوار کی جمعیت سے موجود تھا اور ابوالخیر خان نے جو نواب کی طرف سے قلعہ دہارو ماند میں بطور نائب متعین تھا اور جس کے پاس اسوقت ایک ہزار سوار اور دو ہزار پیادہ کی فوج موجود تھی ان دونوں نئے امیروں کے ساتھ ممانعت سے پیش آنا چاہا. مگر اس اثنا میں صمصام الدولہ عظیم اللہ خان کے نام بادشاہ کا یہ نوشتہ پہنچا کہ تم حضور میں حاضر ہو جاؤ وہاں تمہیں گجرات کے عوض اجمیر کی صوبہ داری عنایت کی جائے گی۔ اس تحریر کو دیکھ کر عظیم اللہ خان اپنے ارادہ سے باز آیا اور اس نے دہلی کی راہ لی اور ابوالخیر خان نے حسب الارشاد نواب عالی جناب قلعہ دہارو ماندکو قطب الدین علیخان کے حوالہ کر دیا اور خود نواب کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

لیکن سید حامد خان نے جو نواب مستطاب کے طرف سے صوبہ داری گجرات کے نائب تھے شجاعت خاں کو معرکۂ کارزار میں قتل کیا اس کے علاوہ شاہی فوج سے کئی دفعہ لڑے۔ اگر چہ اس کی ممانعت بھی نواب عالی جناب کے طرف سے کی گئی تھی۔ مگر اس امیر نے کچھ نہ سنا اور احمد آباد کو غارت کرنے اور فوج شاہی کو کئی بار زک دینے کے بعد آخرالامر وہ اورنگ آباد میں نواب عالیجناب کی خدمت میں حاضر ہوا۔

حیدرآباد کا انتظام.

مبارز خاں کے قتل کے بعد جب نواب عالیجناب کو اورنگ آباد میں یہ خبر پہنچی کہ خواجہ احمد خان پسر مبارز خان نے جو باپ کے غیبت میں صوبہ حیدرآباد کا نائب تھا قلعہ محمد نگر عرف گولکنڈہ کو خواجہ سرا صندل خان نامی کے قبضہ سے جو مبارز خاں کے دوسرے بیٹے کی طرف سے نائب مقرر تھا نکال کر اپنا قبضہ و دخل کیا ہے اور تمام مال و متاع کو قلعہ میں نقل کر کے اس کا پورا بند وبست کر لیا ہے۔ تو اس وقت نواب خجستہ بنیاد اور اس کے اطراف و جوانب کا پورا انتظام کر کے حیدرآباد کی طرف روانہ ہوئے اور آخر ربیع الثانی ۱۱۳۷ھ کو انہوں نے حوالی حیدرآباد میں پہنچکر گوشہ محل کے باغ میں قیام فرمایا۔ اور یہیں سے

نے جو اُجین میں اس وقت چہار ہزار سوار کی جمعیت سے موجود تھا اور ابوالخیر خان نے جو نواب کی طرف سے قلعہ دہارو ماند میں بطور نائب متعین تھا اور جس کے پاس اسوقت ایک ہزار سوار اور دو ہزار پیادہ کی فوج موجود تھی ان دونوں نئے امیروں کے ساتھ مانعت سے پیش آنا چاہا. مگر اس اثنا میں صمصام الدولہ عظیم اللہ خان کے نام بادشاہ کا یہ نوشتہ پہنچا کہ تم حضور میں حاضر ہو جاؤ یہاں تمہیں گجرات کے عوض اجمیر کی صوبہ داری عنایت کی جائے گی۔ اس تحریر کو دیکھ کر عظیم اللہ خان اپنے ارادہ سے باز آیا اور اس نے دہلی کی راہ لی اور ابوالخیر خان نے حسب الارشاد نواب عالی جناب قلعہ دہارو ماند کو قطب الدین علیخان کے حوالہ کر دیا اور خود نواب کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

لیکن سید حامد خان نے جو نواب مستطاب کے طرف سے صوبہ داری گجرات کے نائب تھے شجاعت خاں کو معرکۂ کارزار میں قتل کیا اس کے علاوہ شاہی فوج سے کئی دفعہ لڑے۔ اگر چہ اس کی ممانعت بھی نواب عالی جناب کے طرف سے کی گئی تھی۔ مگر اس امیر نے کچھ نہ سنا اور احمد آباد کو غارت کرنے اور فوج شاہی کو کئی بار زک دینے کے بعد آخرالامر وہ اورنگ آباد میں نواب عالیجناب کی خدمت میں حاضر ہوا۔

حیدرآباد کا انتظام۔

مبارز خاں کے قتل کے بعد جب نواب عالیجناب کو اورنگ آباد میں یہ خبر پہنچی کہ خواجہ احمد خان پسر مبارز خان نے جو باپ کے غیبت میں صوبہ حیدرآباد کا نائب تھا قلعہ محمد نگر عرف گولکنڈہ کو خواجہ سرا صندل خان نامی کے قبضہ سے جو مبارز خاں کے دوسرے بیٹے کی طرف سے نائب مقرر تھا نکال کر اپنا قبضہ و دخل کیا ہے اور تمام مال و متاع کو قلعہ میں نقل کر کے اس کا پورا بند و بست کر لیا ہے۔ تو اس وقت نواب خجستہ بنیاد اور اس کے اطراف و جوانب کا پورا انتظام کر کے حیدرآباد کی طرف روانہ ہوئے اور آخر ربیع الثانی ۱۱۳۷ھ کو انہوں نے حوالی حیدرآباد میں پہنچکر گوشہ محل کے باغ میں قیام فرمایا۔ اور یہیں سے

حیدرآباد کے ضلع کا بند و بست اور عمال کے عزل و نصب کی کارروائی شروع کی خواجہ احمد خاں نے ایک سال تک قلعہ کے حوالے کرنے میں یہ ظاہر کر کے تساہل کیا کہ بادشاہ کی طرف سے اس کے نام حیدرآباد کی صوبہ داری اور قلعہ داری کا فرمان آنے والا ہے۔ علاوہ ازیں اس کو اپنے خزانہ اور سامان رسد پر بھی اطمینان تھا اور اس نے اطراف و جوانب کے قلعہ داروں اور زمینداروں کو بھی کمک بھیجنے کے لئے لکھا تھا جو اور مفسد پیشہ اشخاص مدت دراز سے قلعہ میں مقید تھے انہیں زیادہ فتنہ فساد برپا کرنے کی غرض سے چھوڑ کر مطلق العنان کر دیا تھا۔ چنانچہ کاظم علیخاں ولد حاجی منصور وحیدار بھونگیر جو جوان رشید اور کارآمد سپاہی تھا فساد انگیزی کی وجہ سے مارا گیا۔ الغرض خواجہ احمد نواب عالیجناب کے عمال کی کارروائیوں میں خلل اندازی کرتا تھا اور سرکشی پر بالکل آمادہ تھا۔ مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ نواب نے مبارز خاں کے وابستوں کے ساتھ انواع اور اقسام کے الطاف و احسان کئے اور ان کے جاگیروں اور عطیات کو صرف بحال ہی نہیں رکھا بلکہ ان میں نمایاں اضافہ کیا اور موروثی خطابات کو بھی برقرار رکھا چنانچہ خواجہ احمد خاں کو شہامت خاں اور خواجہ محمود کو مبارز خاں کا خطاب عنایت فرمایا اور جاگیرات بھی انہیں دئے اور علاوہ اسکے اُسکو اسبات کا بھی یقین ہو گیا کہ میرے تدابیر کچھ کارگر نہ ہوں گے تو اُس وقت ۱۱۳۷ ہجری کو اس نے قلعہ کی کنجیاں نواب عالیجناب کی خدمت میں پیش کیں اور ان کے سایۂ عاطفت میں پناہ گزیں ہوا۔

اس کارروائی کے اختتام کے بعد نواب عالی نے ملک کی اندرونی حالت کیطرف توجہ فرمائی اور مفسدوں اور سرکشوں کی تنبیہ اور تادیب کا بند و بست کیا۔ اور مغلوک الحال اور زیردست رعایا کے حالات کی دریافت و تفتیش شروع فرمائی۔ مرہٹوں کے فتنہ فساد میں تخفیف ہوئی جو سابق عملداریوں سے برابر چلے آتے تھے اگرچہ بظاہر مبارز خاں حسب قرارداد ساوات مرہٹوں کو چوتھ نہیں دیتا تھا۔ اور انکی سرکشی کی تنبیہ و تادیب

قرار واقعی کرتا تھا۔ تاہم وہ جہاں کہیں قابو پاتے تھے لوٹ مار کر کے چوتھ سے کہیں زیادہ وصول کر لے جاتے تھے اور اکثر شوارع عام دیہات کے راستوں میں مرہٹوں کی دست درازی کا خوف تھا۔ نواب عالیجناب نے جہاں کہیں کسی مفسد پیشہ کی خبر پائی وہیں اُس کی قرار واقعی تنبیہ کر دی چنانچہ دانکیر کے زمینداروں کو جنہوں نے عالم گیر کے زمانہ میں کیا کچھ فتنہ انگیزیاں نہیں کی تھیں اور نواح کوہیر پرگنات قوال و سرکار ایلگندل وغیرہ کے مفسدوں کو جن کی سرکشی اور تمردی کی وجہ سے اس حصہ ملک کا اچھا انتظام ہو نہیں سکتا تھا تھوڑی ہی مدت میں مطیع و منقاد کر لیا۔ اور ان کے ظلم و تعدی سے ان پرگنات کی رعایا کو چھوڑایا اور ان راستوں کو بھی خطرات سے محفوظ کیا جو سابق صوبہ داروں کے عہد میں پر خوف و خطر تھے۔ ابھی تک یہ حال تھا کہ مرہٹے بڑے ظلم و تعدی کیساتھ جاگیرداروں سے چوتھ وصول کرتے تھے اور اس کے علاوہ زمینداروں اور رعایا سے فی صد دو روپیہ سردیسکھی کے نام سے بھی تحصیل کرتے تھے۔ اور ان کے گماشتے جن کا تغیر و تبدل ہر ماہ بلکہ ہر ہفتہ جاری رہتا تھا رعایا کی وسعت سے زیادہ فرمایشات کرتے رہتے تھے جن سے رعایا اور جاگیرداروں کو سخت تکلیف اور تصدیع ہوتی تھی اور سرکاری ملازمین کی خفت اس کے علاوہ تھی اس لئے نواب عالیجناب نے ان تمام بدعنوانیوں کے دفع کرنے کیلئے رقم چوتھ نقد خزانہ عامرہ سے ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا اور دس روپیہ فی صدی رسوم دیسکھی اور راہداری کو موقوف کر دیا۔ کیونکہ مسافروں اور راہرو کو کمال اذیت اور تکلیف سفر میں اوٹھانی پڑتی تھی۔

سند صوبہ داری دکن؛ جب نواب مغفرت مآب کی کامیابیوں کی خبریں بادشاہ کو پہنچیں اور اُس نے دیکھا کہ نواب کا قبضہ تمام دکن پر ہو گیا۔ تو اس کو اُس وقت اپنی کارروائیوں سے جن کو اس نے نواب کے خلاف کیا تھا اندیشہ پیدا ہوا۔ کیونکہ بادشاہ نے مبارز خان کے جنگ سے پہلے ہی وزارت پر نواب کی جگہ اعتماد الدولہ قمر الدین خاں بہادر کو مقرر کر دیا تھا اور مبارز خان کے مارے جانے کی بعد ہی مالوہ اور گجرات کی صوبہ داریاں ان سے نکال لی تھیں۔ ان تمام کارروائیوں پر غور کر کے جو اس طرف سے نواب کے مخالف عمل میں آئی تھیں اور نیز مصلحت وقت پر نظر ڈالکر

بادشاہ نے نواب کو تمام صوبہ داری دکن اور وکالت شاہی کے تقرری کا فرمان ارسال کیا اور اس کے ساتھ خلعت خاص فیل و جواہر اور خطاب آصف جاہی سے بھی سرفراز فرمایا۔

تغیر و تبدل عہدہ داران

سنہ ۱۱۳۶ھ میں نواب عالیجناب نے میر اکبر خان دیوان برہان پور کو اپنے پاس بلاکر ارادت خان دیوان دکن کا نائب مقرر کیا اور اس کی جگہ محمد عاقل خاں کنبوہ کا تقرر دیوانی برہان پور پر عمل میں آیا۔ اور حامد خان جو گجرات سے لڑ بھڑ کر آئے تھے ناندیڑ کی صوبہ داری پر متعین کئے گئے۔

باجے راؤ کی سرکوبی

سنہ ۱۱۳۹ھ میں نواب مغفرت مآب نے باجے راؤ کی گوشمالی کا ارادہ فرمایا جس کے حرکات ناشائستہ سے خاطر مبارک کو رنج پہنچا تھا۔ اس وقت ان کا منشاء یہ تھا کہ راجہ ساہوجی کا نائب باجے راؤ تھاراج کی گدی سے اتار دیا جائے اور اس کی جگہ سنبھا رام راج کا بیٹا اور ریوا کا پوتا بٹھایا جائے۔ اس منشا کے بموجب نواب نے چندرسین کی وساطت سے جس کا نام پہلے سیناپتی تھا اور جو اُس زمانہ میں نواب کا ملازم تھا سنبھا کو طلب فرمایا اور قوم مرہٹہ کی سرداری اور سردیکھی کی سند اس کے نام لکھدی اور اس کے گماشتوں کو جنہیں مکاسہ دار کہتے تھے تعلقات پر مقرر فرمایا اور باجے راؤ کے گماشتوں یا مکاسہ داروں کو اٹھوا دیا۔ اس زمانہ میں موسم بارش تھا۔ اس لئے مرہٹوں نے لڑائی کا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا۔ جب بارش کا موسم ختم ہوا تو سنہ ۱۱۴۰ھ میں باجے راؤ ایک فوج کثیر لیکر بغرض جنگ جالنہ میں آیا۔ نواب نے بھی اپنے ساتھ سنبھا کو لیکر اس کی تنبیہ کیلئے فوج کشی کی اور عضد الدولہ عوض خاں بہادر کو فوج کی ہراول پر متعین فرمایا۔ دوسری ربیع الآخر سنہ رواں کو دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ مگر باجے راؤ لڑائی کی تاب نہ لاکر بھاگا اور نواب نے عضد الدولہ کو اس کے تعاقب کے لئے روانہ کیا اور خود بھی بغرض تائید اس کے پیچھے روانہ ہوے۔ باجے راؤ برہان پور تک برابر بھاگتا چلا گیا اور اس کی تمام فوج محنت مشقت سے خستہ ہوگئی نواب عالیجناب نے برہان پور سے بجانب شمال کئی کوس تک اس کا تعاقب کیا۔ مگر جب انہیں یہہ معلوم ہوا کہ گجرات کی طرف چلا گیا ہے تو وہ برہان پور واپس آئے اور یہاں بمقام لال باغ

فوج کی استراحت و آرام کی غرض سے وہ مقام فرمائے اس وقت نواب عالیجناب نے عاقل خاں کو برہان پور کی دیوانی سے عزل کرکے اس کی جگہ پھر علی اکبر خان کو مقرر فرمایا اور عاقل خاں کو دیوان دکن کی نیابت پر مامور کیا جس پر علی اکبر خاں مقرر تھا۔ اور شہر برہان پور کی بیوتاتی کا عہدہ شرف الدین خان کو دیا۔ جو حاجی نقد علی خان کے سپرد تھا اس ضروری انتظام کے بعد نواب نے پھر باجے راؤ کے تعاقب کا ارادہ فرمایا اور بڑے بڑے کوچ کرکے سورت کے قریب پہنچے اور یہاں انہوں نے چندے قیام فرمایا۔ نواب کے یہاں ٹھیرنے سے مبارز الملک سربلند خان ناظم گجرات کو یہ گمان ہوا کہ نواب عالیجناب باجے راؤ کیساتھ ملکر گجرات کی تسخیر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس بدگمانی سے ناظم مذکور کو کمال پریشانی اور اضطراب لاحق ہوا۔ مگر اسی اثنا میں باجے راؤ گجرات کے قریب پہنچکر الٹے پاؤں پھرا۔ اور نواب نے اس کا تعاقب ترک کرکے اس کی دارالامارۃ پونا کے تاراج کرنے کا ارادہ فرمایا اسی قصد سے اوس طرف روانہ ہوگئے۔ مگر جب احمد نگر میں داخل ہوے تو معلوم ہوا کہ باجے راؤ بھی اورنگ آباد کی طرف لوٹ مار کرنے کو بڑھ رہا ہے اس خبر کو سنکر نواب فوراً خجستہ بنیاد کی طرف روانہ ہوے اور باجے راؤ کتل کساری سے نکل کر گانڈا پور اور بیجا پور میں پہنچا اور نواب کے لشکر کو اردگرد سے لوٹنے مارنے لگا۔ اور رسد کے روکنے میں سعی بلیغ کی۔ اور نالوں کے عبور سے مانع ہوا۔ وہ جم کر لڑائی تو نہیں لڑتا تھا۔ مگر اپنی قوم کے مستمرہ طریقہ کی موافق جنگ قزاقی میں مصروف تھا اور جب کبھی لشکر فیروزی اثر سے تلوار کی لڑائی ہونے لگتی تھی تو بھاگ جاتا تھا آخر تھک تھکا کر باجے راؤ نے عضدالدولہ کی وساطت سے صلح کا پیام نواب عالیجناب کیخدمت میں بھیجا اور نواب بھی اسکی قزاقانہ جنگ سے عاجز آکر جس کیوجہ سے اہل فوج کو بہت تکلیف اور تصدیع ہوتی تھی مصالحت کی طرف مائل ہوے اور آخرالامر دو شرطوں پر مصالحت باہمی کا تصفیہ ہوا۔

شرط اوّل باجے راؤ اور راجہ سبنہا کے ساتھ کسی بدسلوکی اور عداوت سے پیش نہ آئے۔

شرط دوم۔ چوتھ سے زیادہ کوئی رقم رعایا سے وصول نہ کی جائے۔ اس صلح کے بعد باجے راؤ کے مکاسدار تعلقات دکن پر مقرر کردیئے گئے۔ اور نواب عالیجناب اسی مقام سے بلدہ حیدرآباد کی

طرف روانہ ہوئے۔

حامد خاں بہادر کی وفات

نواب مغفرت مآب حیدرآباد ہی میں مقیم تھے کہ ۱۱۴۲ھ کو حامد خاں بہادر صوبہ دار نانڈیڑ نے انتقال کیا اور دوسرے سال ۱۱۴۳ھ کو عضد الدولہ بہادر عوض خاں بھی اورنگ آباد میں راہی ملک عدم ہوئے۔ ان دونوں امیروں کے فوت کی خبر پاکر نواب حیدرآباد سے اورنگ آباد کو روانہ ہوگئے۔ عضد الدولہ نواب کے پھوپھا تھے اور اس کے علاوہ چند خصوصیات بھی ایسے تھے جن کی وجہ سے اکثر معاملات ملکی کو بغیر اطلاع سرانجام دے دیا کرتے تھے۔ اس لئے نواب کی زبان سے ان کی وفات کی خبر سننے پر یہ کلمہ نکلا کہ "آج میں تمام دکن کا صوبہ دار ہوا"۔ واقعی ماتحتوں کا اپنے اقتدار کی حد سے زیادتی اختیار کرنا بادشاہوں کی مخالفت مول لینا ہے۔ گو وہ کسی دباؤ سے اس مخالفت کو ظاہر نہ کریں

موہن سنگھ کی تنبیہ۔

الغرض جب نواب مغفرت مآب اورنگ آباد میں داخل ہوئے تو عضد الدولہ کے بیٹے کو جو باپ کی جانب سے صوبہ داری برار پر نائب مقرر تھا معزول کیا اور اس کی جگہ شجاعت خاں کا تقرر فرمایا۔ نصیر الدولہ بہادر کو برہان پور سے طلب فرمایا۔ اور جب وہاں سے روانہ ہوکر کتل فردا پور میں پہنچے تو اس وقت ان کی جگہ حفیظ الدینخان بہادر کو جو نواب کے عزیزوں میں تھے برہان پور کی صوبہ داری سے سرفراز کیا۔ اور جب نصیر الدولہ لشکر فیروزی اثر میں داخل ہوئے تو حفیظ الدین خاں کے نام یہ حکم صادر ہوا کہ نوبت بجاتے ہوئے نصیر الدولہ کے خیمہ کے پاس سے گذر کر برہان پور کو روانہ ہوجائیں حفیظ الدین خاں شہر برہان پور میں داخل ہوئے اور چند روز کے بعد موہن سنگھ زمیندار کی ملک کی تسخیر کے لئے وہ بطور ہراولی لشکر فیروزی اثر کے روانہ کئے گئے۔ اس اثنا میں محمد خان بنگش بادشاہ کی طرف سے صوبہ داری مالوہ پر مقرر کیا گیا۔ اور وہ اجین میں پہنچا تھا کہ اوسط ماہ شعبان میں نواب عالیجناب بھی رونق افروز بلدہ برہان پور ہوئے اور پھر یہاں سے موہن سنگھ کی تنبیہ کے لئے کوچ فرمایا۔ جب لشکر فیروزی اثر کتل اکبر پور میں داخل ہوا تو موہن سنگھ مقابلہ کی تاب نہ لاکر دشوار گذار پہاڑوں میں بھاگ گیا اور پھر پیش کش قبول کرلینے پر اس کو پناہ دی گئی۔

اس اثنا میں محمد خاں بنگش صوبہ دار مالوہ نے دریائے نربدا کے کنارے آکر نواب

عالیجناب سے ملاقات کی اور دو تین روز نواب کا مہمان رہا۔ اس کے چلے جانیکے بعد نواب بھی بازدید کی رسم ادا کرنے کی غرض سے نربدا کو عبور کرکے اس کے مکان مستقر پر تشریف فرما ہوئے۔

رمضان کے مہینے میں نواب مغفرت مآب برہان پور میں پہنچے اور یہاں ریاست کے مصارف برہانپور کا میں کچھ تخفیف فرمائی جس کی تفصیل یہ ہے کہ یومیہ داروں کی تخفیف کی نیت یہ حکم نافذ ہوا کہ جس شخص کو خلد مکان (عالمگیر) کے فرمان کی سند سے یومیہ ملتا ہو اس کے یومیہ کا ایک حصہ موقوف کیا جائے اور دو حصہ بحال رکھے جائیں اور جس کو کسی اور حاکم کی سند سے یومیہ ملتا ہو۔ اُس کے دو حصہ سرکار میں ضبط کئے جائیں اور ایک حصہ بحال رکھا جائے اس انتظام سے فارغ ہو کر نواب عالی جناب عید الفطر کے دن اکبر پور سے روانہ ہوئے اور حفیظ الدین خان راجپور تک ہمراہ رکاب آئے اور پھر یہاں سے واپسی کی رخصت حاصل کی۔ اسی مقام سے ابوالخیر خاں بہادر میر اکبر خاں دیوان۔ صارم علی خان مہتمم بیوتات اور دوسرے منصبداروں کو برہان پور جانے کی رخصت عطا ہوئی۔

راجپور کے مقام سے براہ کوہستان نواب عالی جناب باجے راؤ کی تادیب کے لئے روانہ باجے راؤ کا فرار ہوئے جس نے فتنہ و فساد برپا کر رکھا تھا۔ اور خاندیس میں پہنچکر ملک بگلانہ تک وہ اس کے تعاقب میں چلے گئے۔ مگر وہ غلام گریز پا کی طرح گجرات کی طرف فرار ہو گیا اور نواب اوس کا پیچھا چھوڑ کر خجستہ بنیاد میں واپس آئے ۱۱۴۵ھ میں نواب عالی جناب کی پھوپھی فاطمہ بیگم اہلیہ ظہیر الدولہ ورعایت خان حسب ایمائے نواب مستطاب دار الخلافت سے روشن الدولہ ظفر خان بہادر بخشی سوم حضور بادشاہ کی لڑکی کو جو میر احمد علی خاں بہادر نامر جنگ سے منسوب تھی شادی کی غرض سے اپنے ہمراہ لائے۔ روشن الدولہ نے عطا علی خاں کشمیری کو جو شاہی قورخانہ کا داروغہ تھا بہت سا امیرانہ ساز و سامان جہیز اور شادی کا دیکر فاطمہ بیگم کے ساتھ کر دیا تھا۔ جب لوگ خجستہ بنیاد کے قریب پہنچے تو نواب نے ان کی پیشوائی کے لئے محتشم خان بخشی اور اکثر رسالہ داروں کو بھیجا۔ حفیظ الدین خان بہادر اور ابوالخیر خان بہادر نے برہان پور سے ان کا استقبال

کیا تھا اور خواجم قلی کہرکون سے ان کی پیشوائی کے لئے گئے تھے۔ محتشم خان اور حفیظ الدین خان اورنگ آباد تک دلہن والی جماعت کے ساتھ آئے اور ابوالخیر خان برہان پور تک آکر وہیں ٹھیر گئے۔

دلپت تھوکہ کی سرکوبی

انہی ایام میں دلپت تھوکہ نے آسیر وغیرہ کی رعایا پر کچھ دست تعدی دراز کیا جسکی سرکوبی کیلئے ابوالخیر خان انند روپ عامل آسیر کی استدعا پر تین سو سوار اور نورالدین کوتوال بلدہ برہان پور کو ہمراہ لیکر روانہ ہوے اور چار پہر میں پندرہ کوس راستہ طے کیا۔ آخر کار دلپت تھوکہ کے تقریباً سو آدمی قتل ہوے اور وہ بھاگ نکلا اور پھر ابوالخیر خان اپنے مقام مستقر کو واپس آئے۔

۱۱۴۳ھ ہجری میں نواب مغفرت مآب مظفر خان برادر صمصام الدولہ کی آمد آمد کی خبر سنکر جو بادشاہ کی جانب سے غنیم کی تنبیہ کے لئے مقرر کیا گیا تھا اور برہان پور تک اوس کے آنے کا احتمال تھا پہلے سے اس مقام پر اوس کے منتظر تھے۔ مگر جب وہ سرونج کے مقام سے بغیر حرب شاہجہاں آباد کو واپس چلا گیا تو نواب بھی خجستہ بنیاد کی طرف روانہ ہوے۔

آصفجاہ ثانی کی ولادت

اسی سال کے غرہ شوال میں نواب غفران مآب نظام علی خان آصف جاہ ثانی پردہ عدم سے میدان شہود میں آئے جن کی تولد کی تاریخ یہ ہے ۔ مصرع

طلوع آفتاب از صبح دولت

دہلی میں آنا

اس اثنا میں مرہٹوں نے ہندوستان میں فتنہ فساد شروع کیا اور اون کی قرار واقعی تنبیہ بادشاہ کے افسروں سے نہ ہو سکی جس کی وجہ سے سلطنت کے امور کلی میں بہت کچھ ضعف واقع ہوا اور آدھر نادر شاہ کے کان میں بھی بادشاہ کے ضعف اور مرہٹوں کی سرکشی کی خبریں متواتر پہنچیں جو قندہار تک پہنچ گیا تھا۔ ان تمام خرابیوں کے پیدا ہو جانے سے محمد شاہ کو بجز اس کے اور کچھ نہ سوجھا کہ نواب عالیجناب دکن سے بلائے جائیں اور وہ ان خرابیوں کا انسداد فرمائیں۔ چنانچہ ان کی حضوری کے لئے مکرر فرمان جاری ہوے۔

ان متواتر شاہی فرمانوں کے آنے سے نواب مستطاب نے ذیحجہ ۱۱۴۹ھ کو دارالسلطنت کی

طرف کوچ کیا۔ اور میر علی اکبر خان دیوان برہان پور کو نصیر الدولہ کا نائب مقرر کیا اور براجورہ کے مقام سے خواجہ عبد اللہ خاں اور حرز اللہ خان بہادر کو مرخص فرمایا۔ اور ان کے ہاتھ صوبہ داری دکن کی نیابت کی سند بنام خلف ارجمند نظام الدولہ میر احمد علی خان بہادر ناصر جنگ روانہ کردی جو خجستہ بنیاد سے روانگی کے وقت نائب مقرر کردیئے گئے تھے اور امرا کے نام صاحبزادے کی اطاعت و فرمان برداری کے احکام نافذ ہوئے۔ اس کے بعد وہ مقام سرونج میں پہنچے جہاں انہوں نے چند مقام کیے اور باجے راؤ کے ساتھ عہد و پیمان کو تازہ کرکے نصیر الدولہ سید جمال خان وزارت خاں۔ دیوان محتشم خان بخشی۔ متہور خان۔ جانوجی۔ سلطان جی نیالکر وغیرہ کو جو ہمراہ رکاب تھے واپس جانے کی رخصت مرحمت فرمائی۔ اور اواخر ماہ ربیع الاول ۱۱۵۰ھ کو شاہ جہاں آباد میں وارد ہوکر بادشاہ کی ملازمت سے فیض یاب ہوئے۔ نواب عالیجناب کے اس ورود مسعود کی جو تاریخ فضل علی خان شاعر نے کہکر پیش کی تھی اس کے صلہ میں ایک ہزار روپیہ نقد اور ایک اسپ با ساز نقرہ مرحمت فرمایا وہ رباعی یہ ہے۔

صد شکر کہ ذات دیں پناہی آمد   رونق دہ ملک بادشاہی آمد

تاریخ رسیدنش بگوشم ہاتف   گفت آیت رحمت الٰہی آمد

شاہی ملاقات کے بعد نواب عالیجناب کو صوبہ اکبرآباد کی صوبہ داری جس پر راجہ جے سنگھ متعین اکبرآباد اور صوبہ داری تھا اور مالوہ کی صوبہ داری جو باجے راؤ کے تفویض تھی بغرض دفع شر مرحمت فرمائی گئی اور جے سنگھ کا باجے راؤ کا [illegible] تغیر اور باجے راؤ کی معزولی عمل میں آئی ان دونو صوبہ داریوں کے پانے کے بعد نواب مستطاب انکے پرگنات کے انتظامات کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور سرکہیرے کی راہ سے پہلے اکبرآباد پہنچے اور چند روز وہاں مقام فرمایا۔ بعد ازاں محی الدین قلی خان پسر محمد خلیل المخاطب بہ عنایت خاں پسر لطف اللہ خاں ولد سعد اللہ خان کو جو حفیظ الدین خان بہادر کے برادر علاتی تھے اکبرآباد کی صوبہ داری پر مقرر فرمایا۔ اور جمنا کو عبور کرکے اٹاوہ میں داخل ہوئے اور اس ملک کا بندوبست فرمایا جو اکبرآباد کی صوبہ داری میں داخل تھا۔ اس کے بعد وہ کالپی میں آئے اور پھر یہاں سے روانہ ہوکر اور جمنا کو

دوبارہ عبور کرکے وہاموئی میں پہنچے۔ چند روز اس مقام پر توقف فرمایا اور پھر یہاں سے افواج بندیلہ کو ساتھ لیکر بھوپال آئے جو یار محمد خاں پسر دوست محمد خاں کا مسکن تھا۔ ادھر باجے راؤ بھی ایک فوج کیثر لیکر مالوے کی طرف روانہ ہوا۔ نواب عالیجناب اور باجے راؤ کے پہنچنے سے پہلے ملہارجی ہولکر نے جو اس وقت مالوہ میں تھا فتنہ و فساد شروع کیا اور امیر معانی خاں عامل کو جس کے پاس صرف تین چار سو سواروں کی جمعیت سے زیادہ نہ تھی لڑکر قتل کیا۔ باجے راؤ نے بھوپال میں پہنچکر رسد بند کردی اور نواب کے لشکر کے اطراف و جوانب لوٹ مار شروع کی جس سے لشکر فیروزی اثر کو کمال تکلیف ہوئی۔ اور ایک ماہ کامل تک توپ و تفنگ کی لڑائی جاری رہی آخرکار نواب مستطاب نے مجبور ہوکر صفوں کو درست کیا اور ہراولی۔ چنداولی میمنہ اور میسرہ کو اپنے امیروں کے سپرد کرکے بھوپال کی طرف روانہ ہوئے جو لشکر فیروزی اثر سے دس کوس کے فاصلہ پر تھا۔ باجے راؤ نے بھی اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور ایک کو ہراولی اور دوسرے کو چنداولی پر متعین کیا۔ دونوں طرف کی ترتیب صفوف کے بعد آتش کارزار مشتعل ہوئی اور جانبین سے سخت زد و کشت ہوئی۔ دونوں طرف کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ نواب کی فوج حملہ کرکے بھوپال کے قلعہ کے پاس پہنچ گئی۔ ادیہاں اور بھی زیادہ شعلۂ آتش حرب بھڑکا نواب اپنے لشکر چنداول کی مدد اور فوج کے اطراف کی حفاظت کرتے رہے۔ شام کو اپنے خیمہ میں واپس آئے۔ اس مقام پر پورے ایک مہینہ تک لڑائی قائم رہی۔ اور غلہ کی نایابی کی وجہ سے مردم لشکر کو سخت تکلیف اٹھانی پڑی کیونکہ فی روپیہ ایک سیر بھی بلکہ ایک سیر جو ابھی میسر نہیں آتی تھی۔ ان واقعات پر نظر فرماکے اور نادرشاہ کے دہلی میں آنیکی خبر سن کر نواب نے حسب اقتضائے وقت مخالفین سے صلح کرلی اور شاہجہاں آباد کو روانہ ہوگئے رگھوجی بھوسلہ نے جو راجہ ساہو کے چچا کی اولاد میں تھا اور برار کی مکاسہ داری پر مامور تھا میدان خالی پاکر ماہ رمضان سنہ رواں میں شجاعت خاں ناظم برار سے مقابلہ کرکے اس کو قتل کرڈالا۔ اور اپنے لشکر کی بغلبندی قصبہ ایلچپور کے باشندوں سے وصول کی۔ ادھر چاجی نے موقع چاکند میں ہنگامہ آرائی شروع کی جو نواح برہان پور میں واقع ہے اس کی یہ شورش دیکھ کر نصیرالدولہ

ناظم برہان پور نے شہر پناہ کی حفاظت کا انتظام کیا۔ نظام الدولہ ناصر جنگ نے نواب عالیجناب اور باجے راؤ کی لڑائی کی خبر پاکر دکن کے افواج فراہم کئے اور اپنے والد بزرگوار کی کمک کے لئے روانہ ہو گئے۔ مگر جب وہ کتل فردا پور میں پہنچے تو انہیں باہم صلح کی خبر ملی اور نواب عالیجناب کا خط بھی اسی مضمون کا آیا جس سے اس خبر کی تصدیق بھی ہو گئی۔ اسلئے ناصر جنگ بہادر اسی مقام سے اورنگ آباد کو واپس ہوئے۔

نادر شاہ کا دہلی میں آنا

ان واقعات کے بعد نادر شاہ والئ ایران کے آنے کی خبر گرم ہوئی اور وہ کابل و قندہار اور پشاور و لاہور کو فتح کرتا ہوا شاہ جہاں آباد کے قریب آپہنچا۔ اس وقت محمد شاہ جو شب و روز عیش و عشرت میں سرمست تھے خواب غفلت سے چونکے اور امرائے دربار کو روبے دیکر ترتیب فوج کا حکم دیا۔ نواب عالیجناب کو بھی تیس لاکھ روپیہ اسی غرض سے دئے گئے اور لڑائی کے وقت نواب ممدوح ہراول فوج شاہی مقرر کئے گئے۔ اس اثناء میں جب برہان الملک صوبہ دار لکھنؤ وادھ بہت سی فوج اور زر خطیر ہمراہ لیکر شاہ جہاں آباد کے نزدیک پہنچا اور اپنے خزانہ اور فوج کو پیچھے چھوڑ کر حاضر حضور ہوا اوس کے ادھر آنے کے بعد اس کا تمام ساز و سامان جو اُس نے عقب میں چھوڑا تھا نادر شاہ کی فوج نے لوٹ مار کر برباد کر دیا۔ تو اس وقت بادشاہ نے انتقام لینے کی نسبت امیر الامرا کی رائے دریافت کی۔ جس کے جواب میں اوس نے یہ کہا کہ "جمیع مہمات میں اور خاص کر کے اس محاربہ کی نسبت جہاں پناہ کو نظام الملک آصفجاہ کی رائے سے کام کرنا چاہیئے اور ہم غلاموں کو مناسب یہ ہے کہ ہم نواب عالیجناب کی رہنمائی اور ہدایت کے موافق کام کریں"۔ بادشاہ نے بھی اس رائے کو قبول فرمایا اور زبان مبارک سے کہا کہ "ہاں امر واقعی یہی ہے"۔ اس کے بعد نواب مستطاب کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ "اس معاملہ میں تمہاری رائے کیا ہے"۔ نواب نے برہان الملک کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ باوجود اس کے کہ ایسا قوی دشمن قریب تھا۔ اس پر تم اپنے لشکر اور خزانہ کو پیچھے چھوڑ کر جلدی سے حاضر حضور ہو گئے۔ یہ امر مناسب نہ تھا۔ خیر جو کچھ ہونا تھا سو ہوا۔ اب تم ذرا فوج کو آرام لینے دو

کل عنایت ایزدی سے باتفاق باہم اس خرابی کا تدارک کیا جائے گا۔" مگر اس رائے صائب کو برہان الملک نے ذرا بھی نہ سنا اور اپنی شجاعت کے غرور میں نادر شاہ سے لڑنے کے لئے چڑھ دوڑا اور آخر کار زخمی ہو کر گرفتار ہوا۔

اس شکست کے بعد جس میں برہان الملک گرفتار ہوا تھا۔ محمد شاہ نے امیر الامرا کو حملہ کا حکم دیا جس نے پندرہ ہزار سواروں سے نادر شاہ کی فوج سے مقابلہ کیا۔ اس وقت نواب مغفرت مآب نے امیر الامرا کو فوراً بذریعہ تحریر کے یہ رائے دی کہ نہر سے آگے قدم بڑھانا نہ چاہیئے۔" اس کا جواب امیر الامرا نے قاصد کو یہ دیا کہ "اس وقت تحریری جواب کی فرصت نہیں نواب سے زبانی یہ کہہ دینا کہ فوج ہراول کا فیل نشان نہر سے گذر گیا ہے۔ اب میں اپنے ارادہ سے باز نہیں رہ سکتا ہوں۔" یہ جواب سن کر نواب عالیجناب نے بھی اپنی فوج کی صفیں درست کیں اور صارم علی خان داروغہ فیل خانہ کو اپنے جلو میں بٹھایا۔ اس اثنا میں یہ خبر پہنچی کہ صمصام الدولہ نے نہر سے پار اوتر کر نادر شاہ سے جنگ کی دلاوران ہند نے تلوار کی لڑائی میں نادر شاہ کے بہت سے سپاہیوں کو قتل کیا۔ اور صمصام الدولہ لڑتا ہوا نادر شاہ کے لشکر تک پہنچ گیا یہ سنکر نواب نے بادشاہ اور وزیر سے کہلا بھیجا کہ "آپ جلد سوار ہوں میں آمادہ بہ پیکار ہوں۔" اس پر بادشاہ اور وزیر ہاتھیوں پر سوار ہوے اور آہستہ آہستہ میدان جنگ کی طرف چلے اور نواب عالیجناب نہر کے کنارے سے بڑھکر برہان الملک کے توپخانہ کے پاس جا پہنچے۔ اُدھر سے نادر شاہ نے بھی حملۂ دلیرانہ کیا اور آخر کار بادشاہ مصلحتاً اپنے قیام گاہ کو واپس آئے۔

نواب مغفرت مآب نے لڑائی کا رنگ دیکھکر بادشاہ کو عرضی لکھی کہ "اب زیادہ جنگ و جدال کا موقع باقی نہیں رہا۔ یہ رات قیام گاہ میں گذار کر صبح کو فوجیں ترتیب دیجائینگی اور اس شکست کا تدارک کیا جائے گا۔" بادشاہ اور وزیر اور اعیان سلطنت کو نواب عالیجناب کی یہ رائے پسند خاطر ہوئی اور محمد شاہ نے اپنے وزیر اعتماد الدولہ قمر الدین اور دوسرے اعیان و

ارکان کو بلا کر اباره میں مجلس شوره منعقد کی اور ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ رائے پوچھی۔ نواب عالی جناب کے سوا سب نے بالاتفاق یہی رائے دی کہ لڑائی ہونی چاہیئے۔ مگر نواب نے اس رائے سے مخالفت کی اور یہ رائے ظاہر کی کہ لڑائی جاری رکھنے کے لئے میری رائے نہیں صلاح وقت اسی کی مقتضی ہے کہ مصالحت سے کام لیا جائے۔ برہان الملک اور امیر الامراء نے اگرچہ غیرت حمیت اور شجاعت دکھائی اور اپنی جانیں نثار حضور والا کیں۔ مگر مناسب رائے کے نہ ماننے سے حضرت ولی نعمت کے معاملات اور کار ملکی کو ضائع کر دیا حضرت کو معلوم ہے کہ اس وقت جنگ کی استعداد اس طرف کیا ہے اس لئے صلاح فلاح اسی میں ہے کہ لڑائی موقوف کی جائے اور صلح کا پیغام بھیجنے سے آتش فتنہ فرو کی جائے۔ اگر حسن کردار اور لطف گفتار سے مصالحت ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ خدا پر بھروسہ کر کے آمادۂ جنگ ہو جانا چاہیئے" بادشاہ نے نواب کی اس رائے کو پسند فرمایا اور کہا کہ یہی رائے مستحسن اور عین صواب ہے۔"

غرض نواب عالی جناب کی رائے کے موافق صلح ہو گئی اور نادر شاہ کی دعوت کا بہت بڑا انتظام کیا گیا۔ اس خاطر و تواضع کے درمیان یہ حادثہ عظیم پیش آیا کہ کسی نے یہ جھوٹی خبر مشتہر کر دی کہ نادر شاہ مارا گیا۔ اس بازاری خبر پر شہر دہلی کے اوباش اور رند اشخاص دوڑ پڑے اور نادر شاہ کے سپاہیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ جب نادر شاہ کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو اس نے صبح ہوتے ہی قتل عام کا حکم دیدیا اور اس کی فوج میں بزن و بکش کا آوازہ بلند ہوا۔ الغرض صبح سے لیکر غروب آفتاب تک تیس ہزار مرد و عورت بچے۔ امیر و شریف مارے گئے اور خانہ بربادی کے بعد بہت سے لوگ قید ہوئے۔ اس قتل عام میں جو اجمیری دروازہ سے جامع مسجد تک ہوا تھا سید نیاز خان داماد اعتماد الدولہ حسن پورہ نواب عالیجناب و محی الدین علیخان وغیرہ امرا بھی داخل تھے شہر کی تباہی اور خلق اللہ کے حال زار پر رحم فرما کر نواب عالیجناب نے جرأت کر کے

نادرشاہ سے جس کے سامنے شیر کا پتہ پانی ہوتا تھا اور جس کے روبرو حالت قہر میں کسی کو مجال عرض کرنیکی نہ تھی سنجیدگی سے گزارش کی کہ اہل شہر پر مصادرہ یا تاوان مقرر فرمانا چاہیئے اور خلق اللہ کو قتل عام سے اب امان دیجائے۔" نادر نے اس کے جواب میں کہا کہ تمہاری خاطر سے میں نے امان دی۔ اس حکم کے ہوتے ہی کشت و خون کا بازار بند ہوا اور لوگوں کو موت سے نجات ملی۔

دکن کی حالت

۱۱۵۱ھ میں ادھر تو دہلی میں نادرشاہ کی آمد سے یہ حادثات گذر رہے تھے جنمیں نواب عالیجناب ہمہ تن مصروف تھے اور اُدھر دکن میں ان کی غیبت سے لوگ فائدہ اٹھا رہے تھے چنانچہ اس سال ان کے چلے آنے کے بعد جو واقعات وہاں گزرے وہ حسب ذیل ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

گوپال راؤ زمیندار برار نے میدان خالی پاکے قلعہ ماہور پر ہاتھ صاف کیا اور اس کے قلعہ دار حرز اللہ خان کو فریب دیکر قلعہ کو اپنے قبضۂ اقتدار میں کر لیا۔ محرم ۱۱۵۲ھ میں بالاجی راؤ مرہٹے نے برہان پور کے گرد و نواح میں جاگیرداروں کی جاگیریں ضبط کرلیں اور فتنہ و فساد کا بازار گرم کر دیا۔ اس کی بڑھتی ہوئی شورش کو دیکھکر نصیر الدولہ حسین قلیچ خاں بہادر نے شہر کے برج و بارہ کا بندوبست کر لیا مگر جب اس مرہٹے کو نادرشاہ کی واپسی کی خبر ملی اور اس کے ساتھ نواب نظام الدولہ ناصر جنگ کا پیغام غلام نقشبند خاں کی معرفت پہنچا۔ تو اس نے جاگیرات کی ضبطی سے باز آیا۔ اور چوتھی ربیع الاول کو نواح برہانپور سے کوچ کر کے پونا کی طرف چلا گیا۔ اور پھر نواب ناصر جنگ سے برسر فساد ہو کر لڑائی شروع کی مگر اس میں اُسے کوئی کامیابی نہ ہوئی اور مجبوراً اس نے نواب ناصر جنگ سے صلح کر لی۔ چنانچہ اس کی تفصیل ناصر جنگ کے حالات میں آئندہ بیان کی جائے گی بارہویں محرم ۱۱۵۳ھ کو برہانپور کے نواح میں ناصر جنگ اور باجی راؤ میں چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی یہ خبر سنکر نواب عالیجناب کو سخت اندیشہ ہوا اور انہوں نے فوراً بادشاہ سے اجازت لے کر دکن کی

روانگی کا قصد کیا اور شاہجہاں آباد سے نکلکر خیمہ زن ہوے۔ مگر اسی اثنا میں ان دونوں کی مصالحت کی خبر پہنچی اور وہ پھر دہلی کو واپس چلے گئے۔

نواب عالیجناب تو دہلی میں مطمئن بیٹھے ہوے تھے۔ مگر ادھر دکن میں ناصر جنگ کے حوصلے کچھ اور ہی کہہ رہے تھے اور ناعاقبت اندیشی ان کو باغ سبز دکھارہی تھی۔ باجی راؤ کے فوت ہونے سے دکن کی زمین متمردوں سے تو خالی ہو چکی تھی اب ڈر کس کا تھا۔ نواب عالیجناب کی ساری فوج انہیں کے اختیار میں تھی۔ اپنے نشہ جوانی اور خواہش حکمرانی سے ناصر جنگ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور علانیہ اپنے پدر بزرگوار کی اطاعت سے مخالفت شروع کی۔ اس ارادہ سے وہ اورنگ آباد چھوڑ کر حیدرآباد کو روانہ ہوے۔ انوراللہ خان دیوان کو اس وقت صاحبزادہ کی فرماں برداری کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا اور اس لئے وہ انہیں کی مرضی کے موافق امور سلطنت کو انجام دیتا تھا۔ رفتہ رفتہ خودمختاری کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ ناصر جنگ نے اپنے بعض مصاحبوں کی اغوا سے جن میں عبدالعزیز خان۔ فتحیاب خان۔ سید جمال خان وغیرہ شامل تھے خالصہ کی جاگیروں کو جسے جی چاہا دینا شروع کر دیا اور طالب محی الدین خان نبیرہ سعداللہ خان کو جو نواب عالیجناب کے ماموں کے بیٹے اور متوسل خان و حمداللہ خان کے بھائی اور بظاہر فوجدار ادھونی تھے مگر درحقیقت تمام بیجاپور کے صوبہ دار تھے حساب کے باز پرس میں ماخوذ کیا اور رشتہ داری کا پاس نہ کرکے ان کے ساتھ ایسی بے مروتی کی کہ وہ بیچارے اپنی عزت و آبرو کے خوف سے زہر کھاکر مر گئے۔ مگر ناصر جنگ نے اس واردات کی ذرا بھی پروانہ کی اور اپنے ماموں ہمت خاں کو ان کی جگہ پر فوراً مقرر کر دیا۔ نصیرالدولہ بے کم و کاست ان تمام واقعات کی اطلاع نواب کو دہلی میں دیتا رہتا تھا۔ اسلئے نواب ناصر جنگ اور سید جمال کو اس کے استیصال کی فکر دامنگیر ہوئی۔ اس اثناء میں نواب عالی جناب نے ناصر جنگ کی سرکشیوں کو بخوبی دریافت فرماکے بادشاہ سے دکن جانے کی رخصت حاصل کی اور اکبرآباد اور ملک راجپوتانہ کو طے کرکے اور عین موسم بارش میں نربدا کو عبور فرماکے

آخر ماہ شعبان سنہ رواں کو وارد برہان پور ہوئے۔ اور دو ماہ تک یہیں توقف فرمایا ناصر جنگ کو گمان یہ تھا کہ گذشتہ لڑائیوں کی زحمت اور نادر شاہ کے حملہ اور تکان سفر دور دراز سے نواب عالیجناب کے مزاج میں ضعف آگیا ہوگا۔ اس کے علاوہ مغویوں نے بھی انہیں اغوا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ اسلئے انہوں نے اپنے والد بزرگوار کی اطاعت قبول نہ کی اور عبدالحسین خان جو اس سے پہلے نواب عالیجناب کا خانساماں تھا اور میر اکبر علی پیرزادہ کی زبانی بعض تکالیف شاقہ کی نسبت پیام بھیجا۔ غالباً وہ پیام یہ تھا کہ فرمانروائی و لشکر کشی کا بار اس پیرانہ سالی میں آپ سے نہ اٹھ سکیگا۔ امور ملکی میرے حوالہ کرکے خود سبکدوش ہو جائیے اس کا ذکر مغفرت مآب نے اس عرضی میں کیا ہے جو دہلی میں بھیجی تھی۔ نواب روشن ضمیر تو پہلے ہی سے اپنے فرزند ارجمند کے ارادوں سے واقف تھے۔ اس لئے عید الفطر کے دن کمال تجمل و احتشام کے ساتھ وہ عید گاہ میں نماز کیلئے تشریف فرما ہوئے۔ اس شان و شوکت کو دیکھکر بعض امراء نواب عالیجناب کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور اکثر اس دبدبہ اور صولت کی خبر سن کر جو اس باختہ ہوگئے اور انہوں نے ناصر جنگ کو صاف یہ جواب دے دیا کہ "ہم اپنے خداوند نعمت کیساتھ نہیں لڑ سکتے۔ ہم سے یہ ممکن نہیں کہ جن کا نمک برسوں کھایا ہے انہیں سے نمک حرامی کریں اور انہیں کے مقابلہ میں تلوار کھینچیں"۔ مگر بعض کم عقل لوگوں نے ناصر جنگ کا ساتھ دیا۔

اس کارروائی حکمت عملی کے بعد نواب عالیجناب اپنے فرزند کی تادیب اور مغویوں کی سزادہی کے لئے ایک دلخواہ جمعیت ہمراہ لیکر برہانپور سے نکلے۔ ادھر ناصر جنگ نے یہ خبر سنکر اور فوج کا رنگ دیکھکر جنگ و جدال سے کنارہ کشی کی جس کا ارادہ وہ دل میں رکھتے تھے اور دنیوی لباس کو ترک کرکے فقیری بھیس اختیار کیا اور چند فقرا کیساتھ حضرت شاہ برہان الدین غریب کے مزار پر آکر گوشہ نشینی اختیار کی۔ نواب عالیجناب نے ان کی اس حالت کی خبر پاکر جو عرضی محمد شاہ بادشاہ کو لکھی تھی۔ اس کا خلاصہ

حسب ذیل درج کیا جاتا ہے۔ جس سے اس واقعہ پر بخوبی روشنی پڑے گی۔ وہ عرضی یہ ہے:۔

"چار سال کی مدت میں کہ یہ عقیدت سرشت حاضر حضور رہا ملک دکن میں عجیب انقلابات واقع ہوئے جن سے اُمور انتظامی میں بہت کچھ خلل پیدا ہو گیا ہے ناصر جنگ اپنے ناتجربہ کاری اور زمانہ ناشناسی سے بعض خبیث باطن مغویوں کے بھڑکانے میں آ گیا اور اپنے آپ کو مستقل صوبہ دار دکن سمجھنے لگا اور اپنے مصاحبوں کو جنگی تحریک سے اُس نے یہ سرکشی اختیار کی تھی جاگیریں عنایت کیں۔ چنانچہ سید جمال خاں ولد عضد الدولہ کو جو نائب صوبہ دار برار ہے اور جس کو تنخواہ کے علاوہ کئی لاکھ روپیہ نقد دیئے جاتے ہیں فدوی کی جاگیر سے چند محالات اس بہانہ سے دے دئیے کہ وہ زیادہ سپاہ کو مہیا رکھے گا۔ اسی طرح سے عبد العزیز خان کو بھی بتقریب صوبہ داری اورنگ آباد بائیس لاکھ روپیہ سالانہ کے محالات عطا کر دیئے اور اُن کے بیٹوں خویشوں اور متوسلوں کو بھی جاگیرات سے سرفراز کیا ہے اور خان عالم اور جانوجی وغیرہ نے بھی مختلف تدبیروں اور تلبیسوں سے خاطر خواہ جاگیریں اور مناصب حاصل کر لئے ہیں۔ ان سب کا ارادہ یہ تھا کہ فدوی کے ساتھ بر سر مجادلہ و مقابلہ پیش آئیں۔ مگر اس ارادہ میں انہیں ناکامی ہوئی۔ ناصر جنگ جس کو زمانہ کا تجربہ نہ تھا انکی طرفداری پر مغرور تھا اور انہیں زیادہ انعامات کی تحریص دیتا تھا۔ مگر وہ اس سے بے خبر تھا کہ اگر فدوی پر اس کو فتح بھی ہو جاتی تو اس کا ملک ان حرامخوروں کی دست برد سے کب محفوظ رہتا اور وہ اس کو تکا بوٹی کر ڈالتے اور اس تقسیم سے خود فائدہ اُٹھاتے فدوی نے ہر چند نصیحت کی مگر اس نے ایک نہ سنی۔ اور تیس ہزار سوار جرار اور توپ خانہ بسیار ہمراہ لیکر بغرض جنگ کُل قرداپور میں مقیم ہوا جو برہان پور سے تیس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ پھر اس نافہم نے پہلے متہور خان کے واسطہ سے یہ پیغام بھیجا کہ دکن کی صوبہ داری اس کے قبضہ میں بحال رہے اور فدوی حضوری میں واپس چلا جائے۔ اس پیغام کا شافی جواب دیدیا گیا۔ مگر اس نے نشۂ غرور کی شدت سے ناصحانہ کلمات کی کوئی پرواہ نہ کی

اور پھر دوبارہ عبدالحسین خان میر ساماں کی وساطت سے وہی پہلا پیام فدوی کو دیا۔ جب فدوی نے یہ دیکھا کہ اس نوجوان کا مزاج فاسد کسی دوا سے اچھا نہیں ہوتا تو فدوی نے اس قاعدہ کے بموجب "آخر الدواء الکی" اس کے مقابلہ کیلئے فوج فراہم کرنی شروع کی جو قلیل عرصہ میں بہت کچھ جمع ہو گئی۔ پھر فدوی نے ان کوتہ اندیشوں کی تادیب کے لئے برہانپور سے نکلنے کا قصد ظاہر کیا اس ارادہ کی خبر پاکر ناصر جنگ کے تمام خودکام سرداروں میں خوف کے مارے ہل چل پڑ گئی اور جنگ وجدال سے باز آئے۔ ناصر جنگ نے اپنی فوج کی یہ حالت دیکھکر اور لڑائی سے مایوس ہو کر بظاہر فقیری کا لباس اختیار کیا ہے اور اس نے حضرت شاہ برہان الدین کے روضۂ منورہ میں پناہ لی ہے اور محتشم خان بخشی منصبداران خان عالم سینہاجی وغیرہ سرداران فوج متعینہ نظام الدولہ ناصر جنگ توپ خانہ وغیرہ لیکر فدوی کے پاس آگئے ہیں اور الحمد للہ والمنۃ کہ ایک فتنۂ عظیم جس کیوجہ سے سب کو تشویش تھی فضل الٰہی سے فرو ہو چکا ہے مگر اب تک بعض قلعے مثلاً ورنکدہ۔ قلعہ جنیر وغیرہ مخالفین کے قبضے میں ہیں جنہوں نے حیدرآباد کو خالی پاکر سرکشی آغاز کی ہے۔ اور رگھو مرہٹے نے بالفعل ملک کرناٹک پر قابض ہو کر فوج کثیر جمع کرلی ہے اور حیدرآباد پر چڑھائی کا ارادہ رکھتا ہے۔ اسلئے فدوی کا ارادہ یہ ہے کہ اس طرف جاکے وہاں کا قرار واقعی انتظام کردے اس کے بعد جو کچھ کارروائی عمل میں آئے گی اس کی اطلاع عرضداشت کے ذریعہ سے حضور اعلیٰ میں گزرانی جائے گی۔

اس عرضی کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ درحقیقت ملک دکن کے مستقل رئیس تھے۔ کیونکہ انہوں نے سادات کی فوج کو علانیہ شکست دیکر اس ملک کو حاصل کیا تھا۔ تاہم انہوں نے اپنے اخلاق وعادات حسنہ کی وجہ سے علانیہ آزادی کا ڈنکہ نہیں بجایا اور بظاہر بادشاہ وقت کے مطیع وفرماں بردار رہے۔ اور اسی وجہ سے انہیں بار بار مشکل کے وقت دہلی میں بلایا جاتا تھا اور ان سے اہم کام لئے جاتے تھے اور

وہ بھی شاہی اداب و لحاظ بدستور سابق قائم رکھتے تھے۔ اس وقت طرفین یعنے بادشاہ اور صوبہ دار دکن میں بجز ظاہری حکومت اور اطاعت کے اور کچھ باقی نہ تھا اور معنًی نواب عالیجناب بالکل آزاد تھے اور انہیں دکن کے انتظامات میں آزادانہ اقتدارات حاصل تھے جنہیں بادشاہ نے کبھی مبارز خاں کی شکست کے بعد سے دخل نہیں دیا اور خطابات اور اسناد کے دینے سے اپنا شاہی وقار قائم رکھا۔

الغرض اس کارروائی کے بعد نواب مغفرت مآب ۲۸ شوال سنہ رواں کو دریائے تاپتی سے گذر کر بارہ روز تک دریائے پورنا کے کنارے مقیم رہے اُس وقت جبکہ موسم سرما تھا اور بے ہنگام بارش ہو رہی تھی محتشم خان وغیرہ امرائے دکن نے شرف حضور حاصل کیا اور نواب عالی جناب نے یہ حکم صادر فرمایا کہ دکن کا لشکر پورنا کے اُسطرف عادل آباد میں قیام کرے۔ اس حکم کی فوراً تعمیل کیگئی اور انور اللہ خان دیوان نے حیدرآباد سے آکر شرف ملازمت حاصل کیا۔ اس وقت باجی راؤ متوفی کے بیٹے بالاجی راؤ نے جو مالوہ کے قصد سے نکلا تھا ملاقات کی درخواست کی اور نواب مستطاب نے اپنے چچا نصیر الدولہ کو استقبال کیلئے روانہ کیا۔ بالاجی راؤ اپنے تمام سرداروں کے ساتھ جنمیں بیلاجی جادو ہولکر کوڑیا وغیرہ بھی شامل تھے حاضر خدمت ہوا اور دو تین روز پورنا کے کنارے قیام کرکے مالوہ کو چلا گیا یہیں سے نواب عالیجناب نے ابوالخیر خاں کو تیرہ سو سوار دیکر انکے علاقہ پر روانہ کیا۔ اور دسویں ذیقعدہ سنہ ۱۱۵۳ھ ہجری کو نصیر الدولہ بہادر کو بھی برہان پور جانے کی اجازت دی۔

ان عہدہ داروں کو رخصت کردینے کے بعد نواب عالیجناب دریائے پورنا سے پار ہو کر خاندیس کی جانب متوجہ ہوئے اور کتل کساری کے پاس پہنچکر قلعہ تنگہ کو فتح کیا جو گلشن آباد کے قریب تھا۔ اسکا نام فتح مبین رکھا گیا۔ اور نواب کتل پور میں واپس آکر خجستہ بنیاد کو روانہ ہوئے اور سنہ ۱۱۵۵ھ ہجری میں وارد دار الحکومت اورنگ آباد ہوئے۔

نواب مغفرت مآب کے آنے کی خبر پاکر ناصر جنگ پر خوف اور اندیشہ غالب ہوا۔ اور انہوں نے روضہ سے بھاگ کر قلعہ ملہر میں پناہ لی جسکو فتحیاب خاں نے مکر و حیلہ سے متوسل خان کے قبضہ سے نکال لیا تھا۔ موسم بارش کا آغاز تھا اس لئے اپنے قدیم معمول کے موافق نواب نے اہل فوج کو اپنے اپنے وطن جانے کے لئے رخصت دے دی تھی اور جانوروں کو چراگاہ میں بھجوا دیا تھا۔ اور خود تن تنہا اورنگ آباد میں مقیم تھے۔

نواب مغفرت مآب کو لشکر سے علٰحدہ دیکھ کر اس موقع کو فتنہ انگیزوں نے غنیمت جانا اور فتح یاب خاں کے کہنے سننے سے ناصر جنگ نے ملہر میں سات ہزار سوار جمع کرکے اور جھٹ پٹ کنسل ساری میں پہنچکر بتاریخ ۱۹ جمادی الاولی سنہ رواں چہارشنبہ کے دن حضرت برہان الدین اولیا کے روضہ کے متصل قیام کیا اور اپنے والد بزرگوار کے ساتھ آمادہ جنگ و پیکار ہو گئے۔

نواب مغفرت مآب نے یہ خبر سنکر جو کچھ آدمی اور توپ خانہ اُسوقت موجود تھا اُسکو ساتھ لیا اور شہر سے کوچ کرکے عیدگاہ کے قریب ٹہیرے۔ نواب کے پاس تھوڑے سے آدمی اور نہایت کم سامان جنگ دیکھ کر مردم لشکر اور اہل شہر کو سخت پریشانی اور ہراس دامن گیر ہوا۔ مگر نواب نے اپنی ثابت قدمی کی عادت جبلّی سے کام لیا اور اپنے قلیل لشکر کی صف بندی شروع کی۔ خواجم قلی خان اور متوسل خان کو ہراول فوج مقرر کیا۔ جمیل بیگ خاں اور رحیم خان کو فوج میمنہ اور ابو الخیر خاں کو میسرہ پر متعین فرمایا اور متہور خاں اور سلیم خاں کو کمک پہنچانے کا کام دیا۔ بالفعل توپوں کے کھینچنے کے لئے بیل تو موجود نہ تھے۔ اسلئے مزارعین کے بیل لئے گئے اور توپیں لشکر میں لائی گئیں اُسوقت ناصر جنگ تو بزرگوں کے مزارات کا طواف کرتے اور باپ پر فتحیابی کی دعائیں مانگتے پھرتے تھے۔ مگر نواب اپنے قرارگاہ میں بڑے ثبات و استقلال سے کھڑے ہوئے تھے۔

دوسرے دن بتاریخ ۲۰ ر جمادی الاول ناصر جنگ بعزم رزم سوار ہو کر خجستہ بنیاد کی طرف روانہ ہوئے۔ اور اخباریوں نے نواب عالی جناب کو یہ خبر دی کہ ناصر جنگ کٹی گھاٹی سے آرہے ہیں۔ نواب نے ہرکارہ کی زبان سے کٹی گھاٹی کا لفظ سنکر اس سے فال نیک لی اور دو مرتبہ اُسی لفظ کو اپنی زبان سے نکالا۔ اور اپنی معمولی دعاؤں کو پڑھنا شروع کیا جنہیں ہمیشہ جنگ کے ہنگاموں میں پڑھا کرتے تھے۔

الغرض جب سہ پہر کو ناصر جنگ کی فوج کے علم نمودار ہوئے۔ تو اُسوقت نواب کی طرف سے برق دم توپوں نے آوازیں بلند کیں اور بانوں نے بلند ہو کر پیام جاں ستاں پہنچایا۔ شام تک دونوں طرف سے بازار کارزار خوب ہی گرم رہا۔ مگر جب رات ہوئی رات کی تاریکی اور سواروں کے غبار اور توپوں کے دود سیاہ نے میدان جنگ کو ڈھانک لیا۔ تو اُس وقت ناصر جنگ کی فوج میں انتشار شروع ہوا اور لشکریوں کے دل خوف زدہ ہوئے۔ اور دنیا انکے آنکھوں میں سیاہ ہوگئی۔ آخر کار خوف و ہراس کے مارے وہ بھاگ نکلے۔ اور ناصر جنگ کے ہاتھی کا فیلبان تیر و تفنگ کی ضرب سے زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اس حالت کو دیکھکر ناصر جنگ فیلبان کی جگہ آبیٹھے اور خود ہاتھی کو ہولنے لگے اور اپنے چند رفیقوں کے ساتھ نواب عالیجناب کے ہاتھی کے پاس جا پہنچے۔ اس اثنا میں اُچٹتے ہوئے دو زخم ناصر جنگ کو لگے اس وقت متوسل خان بہادر نے اپنی کمان میں تیر جوڑ کر ناصر جنگ کے مارنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ انکے بیٹے ہدایت محی الدین خاں نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ ان کے اس ارادہ کو مانع ہوئے۔ اسی اثنا میں نواب کے سپاہیوں نے چاروں طرف سے ناصر جنگ کے ہاتھی کو گھیر لیا اور سید لشکر خاں بہادر نے جلدی کر کے اپنے فیل کو ناصر جنگ کے ہاتھی کے قریب کر دیا اور انہیں سمجھا بجھا کر اپنے ہاتھی پر بٹھا لیا۔ جیسے ہی ناصر جنگ اپنے ہاتھی کی پیٹھ سے اُتر کر لشکر جنگ کے ہاتھی پر آئے تو نواب کے لشکر میں فتح کے شادیانے بجنے لگے۔ اور باپ بیٹے کی لڑائی کا خاتمہ ہوا۔ اسوقت

حرز اللہ خان نبیرہ سعد اللہ خاں وزیر نے صمصام الدولہ شاہ نواز خان سے بے تکلفی کیساتھ جو بوجہہ باہم آشنائی کے آپسمیں تھی یہہ کہا کہ "بیٹا تو اپنے باپ کے گھر جاتا ہے۔ تم اب کہاں جاؤ گے۔ جو کچھ رفاقت کا حق تھا ادا کر چکے اب اس تہلکہ سے کنارہ کشی کرنی چاہیئے"۔ شاہ نواز خان اس دوستانہ رائے کو تسلیم کر کے اپنے ہاتھی سے فوراً اتر پڑا کنارہ کشی اور عزلت گزینی اختیار کی پانچ برس تک ان پر نواب عالیجناب کا عتاب رہا اور اس عرصہ عزلت گزینی میں انہوں نے تاریخ مآثر الامرا وغیرہ کتابیں لکھیں جو آج تک ان کے نام کو زندہ کر رہی ہیں۔ واقعی اس یادگار کے لحاظ سے یہہ عتاب انکے حق میں رحمت الہٰی تھا۔ ۱۱۵۶ ہجری میں نواب نے شاہ نواز خان کا قصور معاف فرما کر پھر اُنہیں دیوانی صوبہ برار پر مقرر کیا۔

جب ناصر جنگ کی گرفتاری کی خبر نواب عالی جناب کو معلوم ہوئی تو انہوں نے یہہ حکم دیا کہ رات کو ناصر جنگ ایک علٰحدہ خیمہ میں نیگرانی تمام رکھے جائیں۔ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوگئی۔

دوسرے دن جمعہ کو صبح کے وقت اسی مہینہ کی اکیسویں تاریخ نواب عالیجناب بلدہ میں رونق افروز ہوے۔ اور ناصر جنگ عبد العزیز خاں المشہور بہ مقبول عالم کی حویلی میں نظر بند رکھے گئے۔ عبد الحسین خان کے مکان پر چوکی پہرہ قائم کیا گیا اور سید جمال خان کو گھر بٹھا دیا گیا۔ ابراہیم علیخاں ولد حاجی محمد علیخاں اور مرزا حسن علی جنکا خطاب ناصر قلی خان تھا قلعہ دولت آباد میں پناہ گزیں ہوئے اور اسیطرح ناصر جنگ کے اور رفقا بھی بھاگ بھاگ کر جابجا چھپ رہے۔ نواب عالیجناب اُن لوگوں کے حال سے متعرض نہوے سید لشکر خاں کو ان کی شائستہ خدمت کے صلہ میں نصیر جنگ کا خطاب عنایت کیا اور حکم صادر فرمایا کہ کوئی شخص نواب مستطاب کی حضوری میں ناصر جنگ کا نام ان کے خطاب کے ساتھ نہ لے۔ بلکہ اُنکا اصلی نام (میر احمد خان) لیا جائے اسی طرح

نواب نے ان کے تمام رفقا کے خطابات جنہیں ناصر جنگ نے اپنے عہد حکومت میں عنایت کیئے تھے منسوخ کر دیئے۔ اس فتح کے بعد نواب عالی جناب نے ملازمین سے نذریں لیں۔ سب نے ایک ایک نذر تو فتح کی اور دوسری نذر شاہزادہ کی سلامتی کی دی۔ ناصر جنگ کے قلمدان سے اڑتیس عرضیاں ایسی نکلیں جن پر نواب مغفرت مآب کے ارکان دولت کی مہریں اور دستخط موجود تھے مولوی خان منشی معتمد نے نواب کے ملاحظہ میں اون عرضیوں کو پیش کرنا چاہا آپ نے اون تحریروں کو پڑھنا مناسب نہ سمجھا حکم دیا کہ سب دھوڈالی جائیں سب حاضرین کے سامنے اس ارشاد کی تعمیل ہوگئی اور کسی کا راز فاش ہونے نہ پایا۔

نواب عالیجناب نے اپنی عادت عفو جرائم کی وجہ سے ناصر جنگ کے ساتھ کوئی بدسلوکی اور زیادتی نہ کی جو محبت پدری کے خلاف ہوتی بلکہ اتنی چشم نمائی بھی صرف مصلحت وقت اور دکھلانے کیلئے تھی۔ نظر بند ہونے کے بعد ان کا مجرا اور سلام موقوف کر دیا گیا نواب کے دل میں ہر چند مہر پدری جوش مارتی تھی مگر وہ اپنے استقلال اور تمکین کی وجہ سے ضبط فرماتے تھے اور اکثر اوقات یہہ کہا کرتے تھے کہ "جب میر احمد کو چیچک نکلی تھی تو میرے دل کو کمال اضطراب اور بے چینی تھی۔ اسی حالت میں میں نے مردمان محل کے کہنے سے وہ وہ حرکتیں کیں جو کسی طرح ایک مسلمان کو زیبا نہ تھیں یعنے میں نے اسکے عارضہ چیچک کے دفع ہونے کے لئے خود اپنے ہاتھ سے گدہوں کو دانہ کھلایا اور خداوند تعالی کی بارگاہ میں اسکی شفا کے لئے بہت گریہ وزاری کی یہہ وہی میر احمد ہے جس نے میرے ساتھ یہہ سلوک کیا۔ یہہ قول سچ ہے کہ اَوْلَادُنَا اَکْبَادُنَا صِغَارُهُمْ اُمَرَاءُنَا کِبَارُهُمْ اَعْدَاءُنَا۔

الغرض نواب عالی جناب موسم بارش کے بعد ناصر جنگ کو ہمراہ لیکر ملہر کے قلعہ کی تسخیر کے لئے اورنگ آباد سے روانہ ہوئے۔ اور اواخر شعبان میں ملہر کے مقام پر پہنچے اور جلال الدین حسین خاں صوبہ دار بنگالہ کو جو شجاع الدولہ کا داماد تھا اس قلعہ کی تسخیر کے لئے مامور فرمایا اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں اہل قلعہ کو ایسا تنگ کیا کہ اُنہوں نے خود قلعہ ملہر

قلعہ کو نواب عالیجناب کے ملازمین کے سپرد کر دیا۔ نواب نے اس قلعہ کو میر بزرگ کے حوالہ کرکے جو سلطان پور وغیرہ کا فوجدار تھا اور خواجم قلی خاں کو بگلانہ کی فوجداری دے کر مراجعت فرمائی اور پائین گھاٹ سے فرداپور میں پہنچکر حیدر آباد کا رخ کیا اور رنا ندیڑ میں آکر قندہار کی طرف پھرے اور وہاں کے قلعدار گوپال سنگھ کو معزول فرماکر اسکی جگہہ برق انداز خان کو مقرر کیا۔ اور ناصر جنگ کو بھی اس قلعہ میں چھوڑکر نلدرگ میں رونق افروز ہوے۔ مگر اس مقام پر محل کے لوگوں نے ناصر جنگ کے جرائم کو عفو کردینے کیلئے سفارش کی اور مہر پدری نے بھی دل میں جوش کیا۔ اس لئے پھر ناصر جنگ کو قلعہ قندہار سے طلب کرلیا۔ جب وہ سامنے آئے تو پاؤں پر گر پڑے اور بہت ہی گریہ وزاری اور عجز والحاح کیا۔ نواب نے بھی ان کا سر پاؤں پر سے اٹھاکر انہیں آغوش میں بٹھالیا۔ اس وقت باپ بیٹوں پر عجیب طرح کی رقت طاری تھی خاموش تھے اور دونوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کے تار بندھے ہوئے تھے۔ آخر کار نواب کے دل سے ان اشکوں نے غبار رنج کو دھو ڈالا اور سارے قصور معاف کردئے۔

انہیں ایام میں انوراللہ خان دیوان سرکار عالی نے رخصت بیماری حاصل کی اور برہان پور کو چلے گئے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو ہرچند اپنی بیماری کا علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہوا اور ماہ صفر میں وہ راہی ملک بقا ہوے۔ حضرت شاہ برہان رازالہی قدس سرہ کے روضہ میں دفن کئے گئے ان کے مرنے کے بعد نواب نے عہدہ دیوانی پر خدا بندہ خان ولد امیر الامرا شایستہ کو مقرر فرمایا جو حضرت خلد مکان (عالمگیر) کے ماموں تھے۔

سنہ ۱۱۵۵ھ ہجری میں نواب مغفرت مآب بلدہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں رونق افروز ہوے اور یہاں کے عہدہ داروں کا عزل ونصب شروع کیا۔ نواب کا اصول یہہ تھا کہ وہ کسی عہدہ دار کو کسی تعلقہ پر ایک دو سال سے زیادہ مامور نہیں رکھتے تھے۔ تاکہ تمام عہدہ داروں کو درجہ بدرجہ ترقی کا موقع ملے اس اصول کے موافق نواب عالیجناب نے

خواجہ مومن خان پسر عضد الدولہ کو صوبہ داری حیدر آباد پر اور حرز اللہ خان اپنے ماموں کے بیٹے کو ناندیڑ کی صوبہ داری پر متعین فرمایا۔ اور ہمت یار خاں کو جو ناصر جنگ کے عمل میں ادھونی۔ رائچور۔ وغیرہ مضافات بیجاپور کا فوجدار تھا بدستور سابق بحال رکھا۔ اس عزل و نصب کے بعد اورنگ آباد کی طرف مراجعت فرمائی اور جب خجستہ بنیاد میں پہنچے تو میرزا باقر علی خان داماد مرشد قلی خان داماد شجاع الدولہ ناظم بنگالہ نے شرف ملازمت حاصل کیا اور چند روز بعد مرشد قلی خان بھی اورنگ آباد میں آیا اور نواب کی عنایت سے معزز و مکرم ہوا۔ اسکے ساتھ اسکی بیوی بنگالی بیگم بھی آئی جو شجاع الدولہ کی بیٹی تھی۔ نواب نے اسکو جہاں بیگم کا خطاب عنایت فرمایا۔

ملک کرناٹک میں جانا۔ اورنگ آباد میں چندے قیام فرمانے کے بعد نواب عالی جناب نے ملک کرناٹک کا ارادہ کیا اور اپنی نیابت پر خجستہ بنیاد میں اپنے چچا نصیر الدولہ کو برہان پور سے طلب فرماکر مقرر کیا۔ اور نصیر الدولہ کے فرزند مجاہد خان کو برہان پور کی نظامت عطا کی اور پورن چند دیوان سرکار نصیر الدولہ بہادر ان کی جاگیرات کے انتظام کے لئے برہان پور پر متعین کیا گیا۔ ان ضروری بندوبست سے فارغ ہوکر نواب عالی جناب ناصر جنگ کو اپنے ہمراہ لیکر ممالک کرناٹک اور ارکاٹ کی طرف روانہ ہوے۔ ایک انگریز مورخ اوس زمانہ کا لکھتا ہے کہ نظام کے ساتھ اس مہم میں اسّی ہزار سوار اور دو لاکھ پیادے تھے۔ اسی اثنا میں ہمت یار خاں صوبہ دار اولکہ بیجاپور کے مارے جانے کی خبر پہنچی جو افاغنہ کرنول کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ اس واقعہ کی خبر سنتے ہی نواب نے مجلس شورہ قرار دی جسمیں ناصر جنگ بھی شریک تھے۔ اور اسکے بعد ۱۱۵۶ ہجری میں بغرض بندوبست کرناٹک ادھونی پہنچے یہاں ہمت خاں رئیس افاغنہ کے عرائض مشعر بعفو جرائم وصول ہوے نواب تو سراپا حلم و کرم تھے اس کے قصور کو معاف فرمایا۔ اسوقت نواب رگھوجی مرہٹہ کی تنبیہ کو سب کاموں سے مقدم سمجھے تھے اس لئے انہوں نے کرنول کو تین ۳ کوس کے

خاصہ پر چھوڑ کر کرناٹک کی جانب رخ کیا۔ ہمت خاں نے وہیں آکر شرف ملازمت حاصل کیا مغفرت مآب نے اس کے جرائم معاف کر دئے اور اسکو کرنول جانے کی اجازت دی اور فوجداری کرنول اوسکے نام پر بحال رہی۔

نواب مغفرت مآب ارکاٹ پہنچے۔ تو پہلے ترچناپلی کے قلعہ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا جو مرہٹوں کا کمیں گاہ تھا۔ اثنائے محاصرہ میں نواب کو یہہ خبر پہنچی کہ ۱۲ ربیع الآخر کو نصیر الدولہ بہادر نے انتقال کیا جنہیں نواب عالیجناب اپنا نائب مقرر کر کے اورنگ آباد میں چھوڑ آئے تھے۔ اور یہہ معلوم ہوا کہ مجاہد خاں پسر نصیر الدولہ نے جو نائب ناظم برہان پور تھا اپنی جگہ پر عبد الوہاب خاں اور محمد اشرف خاں کو مقرر کر کے اورنگ آباد میں نیابت کا کام شروع کر دیا ہے۔ نواب عالی جناب نے اس خبر کے سننے کے بعد علی اکبر خان کو صوبہ داری اور متصدی گری جاگیرات سرکار پر متعین فرمایا اور نائباں صوبہ برہان پور کے نام حکم صادر کیا کہ وہ مشار الیہ کو عمل و دخل فوراً دے دیں۔ پہلے تو مجاہد خاں نے اس جدید صوبہ دار کی مخالفت جایزہ دینے میں کی مگر پھر حکم کی بجا آوری کر کے اس کو عمل دخل دیدیا۔

ترچناپلی کے قلعہ کو فتح کر کے نواب عالیجناب نے ملک آرکاٹ کو نوائطوں کے قبضہ سے نکالا جو ایک مدت دراز سے اس پر متصرف تھے۔ ایک انگریز مورخ لکھتا ہے کہ بعض لوگ ان میں سے جو نواب ارکاٹ ہونے کے مدعی تھے نظام نے کوڑوں سے اونہیں پٹوا ڈالا۔ اور پھر اس ملک کے انتظام پر خواجہ عبد اللہ خاں کو مقرر کیا جو اس سے پہلے پنجہزاری اور صاحب نوبت بنایا گیا تھا۔ مگر اس اوچھے آدمی کو اتنا بڑا رتبہ جو ملا تو مارے خوشی کے شادی مرگ ہو گیا۔ اب اسکی جگہ نواب نے اپنے مقربین میں سے کسی اور شخص کو انتخاب کرنا چاہا۔ اثنائے تجویز میں انورالدین خاں شہامت جنگ گوپاموی نے جو ایک مرد شجاع۔ تیز فہم اور صاحب عزم تھے عرض کیا کہ "میری نظر میں ایک ایسا

شخص ہے جس سے بہتر اس عہدہ کیلئے کوئی دوسرا ہو نہیں سکتا" نواب عالیجناب نے فرمایا
کہ" وہ کون ہے" کہا کہ فدوی درگاہ انورالدین خان دولت خواہ" نواب اس کہہ کر کہتے ہوئے
فقرہ پر ہنس پڑے اور انورالدین کو اس عہدہ جلیلہ کا خلعت عطا فرمادیا۔
ممالک کرناٹک کے خاطر خواہ انتظام کے بعد نواب عالیجناب ۱۱۵۷ہجری کو
ترچناپلی سے روانہ ہوکر اورنگ آباد میں رونق افروز ہوئے یہی وہ زمانہ ہے
جبکہ فرانسیسیوں اور انگریزوں کا تعلق براہ راست دولت آصفیہ کے ساتھ پیدا ہوا۔
اس مجمل کی تفصیل یہ ہے کہ انگریزی کارخانوں کے منتظمین جو سواحل بحر پر قائم تھے۔
صوبہ دار دکن کے اہلکاروں سے بمقابلہ فرانسیسیوں کے اپنے مقاصد پورا کرنے
کیلئے کچھ دن سے ساز باز رکھتے تھے۔ (یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ۱۷۴۴ء تک انہوں نے
کبھی براہ راست صوبہ دار دکن سے کوئی معاملہ کیا تھا یا نہیں) انگریزی کی قدیم
تاریخوں میں اسکی تصریح موجود ہے کہ ابوالحسن تاناشاہ کو مدراس کا خراج کمپنی دیا کرتی تھی
اوسکے بعد نواب ارکاٹ و کرناٹک برابر انگریزوں سے خراج لیتے رہے اور خود نواب
خراج گزار دولت آصفیہ تھے۔ اسی سال انورالدین خاں تو کرناٹک کی فوجداری پر
مقرر ہوئے اور مدراس پر فرانسیسیوں نے قبضہ کرلیا۔ اس سے یہ خوف تھا کہ انگریزوں
کے تمام فوائد سواحل دریا سے قطعاً نیست و نابود ہو جائینگے۔ اور انورالدین خان اس وقت
فرانسیسیوں کے طرفدار تھے۔ انگریزوں کی کسی درخواست پر توجہ نہیں کرتے تھے۔
ان مشکلات اور نازک حالت کو دیکھکر مسٹر (کموڈر) گریفن نے جو اسوقت
مدراس کی بحری فوج کا کمانڈر اور فورٹ سینٹ ڈیوڈ کا گورنر تھا براہ راست نواب عالیجناب
کی خدمت میں ساتویں مارچ ۱۷۴۷ء کو دو عرضداشتیں روانہ کیں۔ مضمون یہ تھا کہ نواب
عالیجناب انورالدین خان سے اُن کی گذشتہ کارروائیوں کی نسبت بازپرس فرمائیں اور
اپنے اقتدار کو کام میں لاکر انگریزی کمپنی کے مقبوضات کو جو ناواجبی طور پر چھین لئے گئے ہیں

واپس دلادیں۔

ان عرضداشتوں پر پورا لحاظ فرمایا گیا اور انورالدین کے نام احکام جاری ہوئے کہ فرانسیسیوں کو سزا دیں۔ انگریزوں کے بندرگاہ کو اُن سے واپس دلادیں چنانچہ بندرگاہ مدراس انگریزوں کو واپس دلا دینے کے لئے انورالدین خان نے اپنے ایک بیٹے کے ماتحتی میں سواروں کا ایک رسالہ روانہ کیا۔ مگر فرانسیسی قلعہ کے اندر سے لڑتے تھے اون سے بس نہ چلا الٹے پاؤں ارکاٹ میں واپس آئے۔ یہہ واقعات اسوقت کے ہیں جبکہ نواب عالی جناب بستر مرگ پر پڑے ہوے تھے۔

سنہ ۱۱۶۰ ہجری میں نواب عالیجناب کا مزاج مبارک کسیقدر ناساز ہوا۔ مگر احمد خاں ابدالی کے دہلی میں آنے کی خبر سنکر وہ باوجود اس کسل مزاجی کے بادشاہ کی امداد کے لئے خجستہ بنیاد سے بقصد دارالسلطنت روانہ ہوگئے۔ برہان پور میں پہنچنے کے بعد یہہ خبر آئی کہ احمد خان ابدالی احمد شاہ خلف محمد شاہ کے ہاتھ سے شکست کھاکر اپنے وطن کو واپس چلا گیا ہے۔ اس خبر کے بعد ہی اعتماد الدولہ کے قتل اور محمد شاہ کے انتقال کی خبریں پے در پے پہنچیں۔ نواب عالیجناب کو سخت رنج ہوا۔ اور برسم تعزیت تین روز تک نوبت کی موقوفی کا حکم صادر فرمایا۔ جب احمد شاہ کے جلوس کی خبر وصول ہوئی تو نواب نے بھی جشن جلوس منعقد کیا اور شادیانے بجوائے۔ علالت مزاج

ان ایام میں نواب مغفرت مآب کا مزاج بگڑا ہی رہا اور طبیب علاج کرتے رہے اس بیماری کے زمانہ میں آپ اکثر تفریح و سیر کے طور پر پالکی میں بیٹھکر کرارہ کو جایا کرتے تھے جو مئی سے تعمیر کیا گیا تھا اور چند روز وہیں قیام کرتے تھے۔ اس اثنا میں صوبہ حیدرآباد اور صوبہ ناندیڑ کی بدانتظامیوں کی خبریں پہنچیں اور باوجود شدت مرض مہلک اور ضعف طبیعت کے آپ نے ان صوبوں پر جانے کا ارادہ کیا اور اس قصد سے وہ برہانپور سے نکلکر خیمہ میں ٹھیرے جو بمقام زین آباد بجانب خجستہ بنیاد نصب کیا گیا تھا نواب نے

حسب دستور ناصر جنگ کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ سوء اتفاق سے بے موسم بارش ہوگئی اور تری اور کیچڑ کی وجہ سے نواب نے اس مقام سے کوچ فرما کے دریائے تاپتی کے کنارہ موہن نالہ کے قریب قیام کیا۔ لیکن اس درمیان میں روز بروز مرض کی شدت اور طبیعت کا ضعف بڑھتا جاتا تھا اس مقام پر پہنچتے ہی یکایک آثار موت طاری ہوگئے چوتھی ماہ جمادی الآخرہ سنہ ۱۱۶۱ ہجری کی تھی کہ نواب عالیجناب نے ناصر جنگ کو بلا کر حسب ذیل چند وصیتیں کیں۔

(۱) رئیس دکن کو چاہیئے کہ مرہٹوں کے ساتھ نرمی اور دوستانہ برتاؤ سے پیش آئے وصیتیں اور رحلت

(۲) خدا کی مخلوق کے قتل وخون اور انہدام سے بچے اور مجرم واجب القتل کو بغرض اجرائے حکم شرع قاضی کے سپرد کردے۔ (۳) راحت وآرام کو دوست نہ رکھے اور اپنے ملک کا دورہ کرنا نہ چھوڑے۔ کیونکہ بہت سے انتظامی امور کا بندوبست اس پر منحصر ہے مردم فوج کی استراحت کے لیئے چھاؤنی ضروری سمجھے اور اہل فوج کو انکے گھروں کو جانے کی رخصتیں دیتا رہے تاکہ قطع نسل ہونے نہ پائے (۴) دن رات کے اوقات کو عبادت۔ کاروبار ریاست اور استراحت کے لیئے تین حصوں میں تقسیم کرے اور کوئی وقت اپنے نفس کو بیکار نہ چھوڑے (۵) مہمات میں بزرگوں اور درویشوں سے امداد طلب کرے

(۶) کسی شخص کی حق تلفی نہ کرے اور ملازمین کو باری باری سے ترقیاں دیتا رہے۔ اور دو تین سال کے بعد انہیں اپنے عہدوں سے بدلتا رہے۔ مگر ادنیٰ کو اعلیٰ اور اعلیٰ کو ادنیٰ کاموں اور خدمتوں پر مقرر نہ کرے یعنے حسب حیثیت ولیاقت خدمتوں پر مامور کرے۔

(۷) ہر شخص کے مرتبہ اور حد کو نگاہ رکھے اور اپنے چھوٹے بھائیوں کو اپنے فرزندوں کی طرح سمجھے اور اراذل یعنے نیچے درجہ کے لوگوں کو اپنی محفل صحبت میں باریاب ہونے نہ دے اور آداب ظل سبحانی (شاہی) خداوند نعمت کو ترک نہ کرے۔ جب نادر شاہ والی ایران دہلی میں آیا تھا۔ تو اس نے اپنی عنایت سے مجھے ہندوستان کی سلطنت دینی چاہی تھی۔ مگر میں نے اسکے استفسار کے جواب میں فوراً یہہ کہا تھا کہ ”ہم لوگ نوکری پیشہ ہیں ہم سے

یہہ نمک حرامی نہ ہوسکے گی۔ اور آپ کو بھی بد عہدی کا داغ لگایا جائے گا" اس جواب پر اُس نے بہت آفریں کی تھی۔ (۸) جہاں تک ممکن ہو لڑائی میں سبقت نکرے۔ اگرچہ طرف ثانی کی جمعیت کم ہی کیوں نہ ہو۔ مگر جب مد مقابل جنگ میں پیش دستی اور مبادرت کرے تو خدا سے مدد طلب کرکے اُسے دفع کرے اور جب تک صلح ممکن ہو جنگ کا ارادہ نکرے (۹) مورو پنڈت اور رام داس کو جو اس ریاست کے برہم زن ہیں اور قلعہ محمد نگر میں مقید ہیں رہا نکرے۔ کیونکہ ان کے قید رکھنے سے امور ریاست کے انتظام میں امن ہے۔

ان قیمتی وصیتوں اور بے بہا نصیحتوں کے بعد نواب عالی جناب نے یہہ کلمات کہکر ناصر جنگ کو ہمیشہ کے لئے رخصت کیا کہ جاؤ اور کارخانہ جات کا بندوبست کرلو۔ اب مہلت بہت ہی کم باقی ہے تمہیں خدا کو سونپا۔ وہی تمہیں ہدایت کرے گا اور تمہارا معین و مددگار رہے گا" ان کلمات کے سنتے ہی ناصر جنگ رونے لگے مگر نواب عالیجناب نے فرمایا کہ "گریہ وزاری کا وقت نہیں باہر جاکر ضروری انتظام کرلو۔

حسب ارشاد والد بزرگوار نواب ناصر جنگ نے باہر نکل کر امور ضروری کا بندوبست شروع ہی کیا تھا کہ اُدھر نواب مغفرت مآب متوجہ بہشت ہوے اور انہیں الفاظ "متوجہ بہشت" سے ان کی رحلت کی تاریخ نکلتی ہے۔ رات کو لاش بدستور اپنی حالت پر قائم رکھی گئی اور صبح کو اسی جگہ پر جہاں انتقال فرمایا تھا میت کی تغسیل اور تکفین عمل میں آئی اور جسم شریف کو تابوت میں رکھکر نماز جنازہ ادا کرکے بغرض تدفین تابوت کو اورنگ آباد میں لائے اور برہان الدین کے روضہ میں دفن کیا۔ اسی سال نواب مغفرت مآب کی وفات سے قبل فردوس آرامگاہ محمد شاہ شہنشاہ دہلی اور انکے وزیر اعتماد الدولہ قمر الدین خاں نے جہان فانی سے رحلت کی ان تینوں ارکان سلطنت کی رحلت کی جو عمدہ تاریخ میر آزاد نے کہی تھی وہ یہہ ہے۔

قطعہ

رکن مملکت ہند از جہاں رفتند ⁂ فتادہ حیف در یگانہ از کف دہر
برائے رحلت ایں مہر یافتم تاریخ ⁂ نماند شاہ زماں با وزیر و آصف دہر

سن اور مدت — نواب مغفرت مآب کا سن شریف (۷۹) سال کا تھا۔ اور (۴۷) روز بیمار رہکر آپ نے سنہ ۱۷۴۸ء کو اس دار خرابات سے رحلت فرمائی تھی۔ اس (۷۹) سال میں سے آپ کی عمر کے اوائل بیس سال تو والد بزرگوار کی خدمت میں گذرے۔ ۲۹ سال مختلف شاہی خدمات میں اور تقریباً تیئس برس صوبہ دکن کی فرماں روائی و حکومت آرائی میں گزرے تھے۔

اگرچہ انہوں نے اپنے عہد میں کسی نئے صوبہ کو فتح نہیں کیا کیونکہ عالمگیر کے بعد ہی سے فتوحات کے دروازے بند ہوگئے تھے۔ اور تمام ملک ہند فتح ہو چکا تھا تاہم انہوں نے جو کچھ انکے ہاتھ آیا اسکو اپنی حیات تک جانے نہیں دیا۔ انکے انتقال کے وقت تقریباً حدود ارضی صوبہ دکن نربدا سے ترچناپلی اور کوکن سے سواحل مدراس تک وسیع تھی۔

تعمیرات — نواب مغفرت مآب کو لڑائیوں انتظام ملکی اور اندرونی جھگڑوں نے اتنی مہلت کہاں دی تھی جو ان سے رفاہ عام کے کام ظہور میں آتے اور وہ قابل توجہ یادگار چھوڑ جاتے تاہم انہوں نے اسی کشمکش میں جو عمارتیں تعمیر کیں وہ یہہ ہیں (۱) حصار شہر پناہ برہان پور جسکی تعمیر سنہ ۱۱۴۱ہجری میں شروع ہوئی تھی۔ (۲) آبادی قصبہ نظام آباد۔ یہہ قصبہ کتل فردا پور کے قریب ہے۔ اور آبادی کے پہلے بالکل ویرانہ تھا۔ نواب عالیجناب نے اسکو آباد کیا اور اس میں مسجد۔ کاروان سرا۔ دولتخانہ۔ پل وغیرہ عمارتیں بنوائیں (۳) تکمیل حصار شہر پناہ حیدر آباد فرخندہ بنیاد جسکی تعمیر انکے عہد سے پہلے شروع ہو چکی تھی مگر اسکی تکمیل انہیں کے زمانہ میں ہوئی (۴) نہر سول واقع اورنگ آباد یہہ نہر بھی نواب

عالیجناب کے آثار خیر سے ہے جو گلے حکام کی بے پروائی سے خراب ہوگئی تھی اس کی مرمت ۱۲۲۲ھ ہجری میں بعہد وزارت میر عالم انہیں کے اہتمام سے ہوئی ہے۔

اخلاق و عادات

نواب مغفرت مآب کے اخلاق کریمانہ اور خصائل و عادات سب امیرانہ اور نیک تھے جنکی تصدیق حسب ذیل واقعات سے بخوبی ہوتی ہے۔ اور ہم انہیں واقعی دلیلوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

ان کے مزاج میں بالطبع رحم و کرم زیادہ تھا اور مردم آزاری ذرا بھی نہ تھی۔ کیونکہ انہوں نے اپنی طرف سے کسی سے لڑائی نہیں مول لی مخالف کو اول صلح کیطرف آمادہ کرتے تھے اور حتی الامکان جنگ سے بچتے تھے۔ فتح کے بعد دشمن کے مُردوں اور زندوں سے بہت نیک سلوک کرتے تھے اور مخالف کے زخمیوں کا علاج اور قیدیوں اور مجرموں کی تقصیر عفو کیا کرتے تھے۔ بلکہ اکثر مال غنیمت بھی مقتولین کے ورثا کو واپس کر دیا کرتے تھے پھر انہیں جاگیرات خطابات وغیرہ بھی دیتے تھے۔ انکے بیٹے نواب ناصر جنگ نے جو جرم عظیم کیا تھا وہ کبھی معافی کے قابل نہ تھا۔ مگر انہوں نے اپنے جبلی رحم و کرم کی وجہ سے انکے تمام جرائم کو معاف ہی نہیں کیا بلکہ بدستور سابق وہ انکی آنکھوں میں ویسے ہی محبوب رہے جیسے کہ پہلے تھے۔ انہوں نے صرف اپنے بیٹے ہی کے جرائم سے درگذر نہیں کی بلکہ اون کے رفقا کو بھی سخت سزا نہیں دی جنہوں نے بیٹے کو باپ سے لڑوا دیا تھا آپ کی چشم پوشی کا حال یہہ تھا کہ جب دیوان نے ان امرا کے خطوط پیش کئے جو ناصر جنگ کے طرفدار تھے۔ تو آپ نے بغیر دیکھے ان خطوط کو فوراً دھلوا دیا۔ تاکہ مجرمین کے نام ظاہر نہ ہونے پائیں اور وہ اپنے قصوروں کی سزا سے بچ جائیں۔ مبارز خاں کے لڑکوں سے جو انہوں نے سلوک کیا اس سے بھی ان کے کمال رحم و کرم کا بخوبی پتہ چلتا ہے بہت مشکل ہے کہ کوئی شخص اپنے قوی دشمن خون کے پیاسے کی اولاد کو بدستور سابق جاگیرات پر بحال رکھے اور انہیں عہدوں اور خطابوں سے

سرفراز فرمائے۔ یورپ کی تاریخوں میں بھی اس روشن زمانہ میں انکے رحم و کرم کی نظیریں کم پائی جائینگی۔

نواب عالیجناب کی طبیعت میں انتہا کی سیرچشمی اور فیاضی تھی اور کبھی کسی کے مال پر دست درازی پسند نہ فرماتے تھے۔ چنانچہ جب وہ برہان پور میں تھے اور اُن کو روپیہ کی سخت ضرورت تھی تو اس وقت یوسف علیخاں کی والدہ بہت زرو جواہر اور مال و متاع اپنے ساتھ لیکر برہان پور میں وارد ہوئی تھیں۔ لوگوں نے بہت کچھ ترغیب اور تحریص کی کہ اس عورت کا مال و جواہر ضبط سرکار کر لیا جائے۔ مگر نواب عالی قدر نے اسکے طرف ذرا بھی توجہ نہیں فرمائی اور برخلاف اسکے ان کی بڑی مہمان نوازی کی اور چلتے وقت ان کی حفاظت کے لئے دو سو سواروں کا ایک جوق متعین کر دیا۔

نواب مغفرت مآب کی مزاج میں رعایا پروری اور آسایش خلق کا بہت خیال تھا۔ وہ اپنے نام و نمود کے لئے کبھی رعایا کی تکلیف اور انکے جیبوں کو خالی کرنا نہیں چاہتے تھے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رواج ہو گیا ہے کہ ادنیٰ درجہ کے حکام جب اپنے علاقوں پر پہنچتے ہیں تو انکی خاطر مدارت جشن وغیرہ کا بار غریب رعایا کی گردن پر ڈالا جاتا ہے اور مختلف چندوں سے انکی دعوتیں کی جاتی ہیں اور انہیں ایڈریس دئے جاتے ہیں۔ نواب کی احتیاط اس معاملہ میں اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ وہ رعایا سے ایک دمڑی بھی اپنے نمود کے لئے صرف کرانا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ میر محمد حسین خاں کو ایک روز مغرب کے وقت ڈیوڑھی پر حاضر ہونے کا حکم فرمایا اور وہ وقت معین پر حاضر ہوئے۔ ڈیوڑھی کے ناظر نے صرف اس خیال سے کہ نواب عالیجناب آج شب کو برآمد ہونگے معمول سے زیادہ چراغ روشن کر دئے۔ جب نواب برآمد ہوئے تو نظر ان چراغوں پر پڑی۔ پوچھا کہ اتنے چراغ کس نے جلوائے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ ناظر ڈیوڑھی نے

عالیجناب کے برآمد ہونے کی خبر سنکر یہہ روشنی کی ہے۔ فرمایا جب میں باہر آتا ہوں۔ تو روشنی میرے ساتھ ہوتی ہے۔ پھر ان زاید چراغوں کے روشن کرنے کی کیا ضرورت تھی اور ان کا خرچ کس مد میں محسوب ہوگا میر محمد حسین نے عرض کیا کہ سرکار میں لاکھوں روپے صرف ہوتے ہیں اور اہل کار حضرت کے طفیل سے ہزاروں پیدا کرتے ہیں۔ اگر چراغوں کی روشنی میں چند پیسے خرچ ہو جائیں تو کیا مضایقہ ہے۔ حضرت ناظر کی اس تقصیر کو عفو فرمائیں۔ نواب نے فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ المُسرِفِینَ۔ اسراف ممنوع اور منہی عنہٗ ہے۔ یہہ لوگ جو اپنے گاڑھی محنت سے کماتے ہیں وہ اُن کے اہل و عیال کا حق ہے۔ میں اسکا روادار نہیں کہ ان کے زن و فرزند کے حق میں سے ایک دمڑی بھی میرے لئے خرچ کی جائے۔ یہہ بات کہکر نواب عالیجناب محل میں چلے گئے۔ ان باتوں کے کہنے سے نواب مستطاب کا مقصد دیوان اور حکام کی تعلیم تھی۔ کہ وہ رعایا کے روپیہ سے سرکار کی شان و شوکت نہ بڑھائیں۔

اگرچہ نواب عالیجناب رعایا کی ایک کوڑی بھی اپنی ذاتی شان و شوکت کے بڑھانے اور اپنے آپ کو خوش کرنے میں صرف کرنا جایز سمجھتے تھے۔ اور احکام شرع اور امر و نہی کے سخت پابند تھے تاہم یہہ امر بھی قابل تذکرہ ہے کہ وہ اہلکاروں کا صاحب معاملہ سے بخوشی خاطر کچھ اپنا حق سعی لینے کو برا نہیں جانتے تھے۔ واقعی ہر زمانہ میں کچھ ایسی بری اور اچھی باتیں مروج ہو جاتی ہیں جو اس زمانہ میں مستحسن اور نیک سمجھی جاتی ہیں۔ رشوت جو اس زمانہ میں باوجود قانونی ممانعت کے بھی دفع نہیں ہوتی مدت دراز سے مغرب تک کے رواج میں داخل تھی اور وہاں کے حکام نے گزشتہ زمانوں میں اس کو جایز ہی نہیں رکھا بلکہ بعض موقع پر اسکی تحریک اور تحریص بھی کی ہے۔

قدیم زمانہ میں باوجود بہت ہی کم تنخواہوں کے بڑے امیرانہ

ٹھاٹ سے رہتے تھے۔ نواب عالیجناب نے ایک موقع پر اپنے دیوان کو جو کچھ تنبیہ کی تھی اُس کا واقعہ یہ ہے۔

کہتے ہیں کہ نواب عالی جناب نے خدا بندہ نبیرہ امیرالامرا شایستہ خان کو جو اورنگ زیب شہنشاہ ہند کے ماموں تھے پانسو روپیہ ماہانہ پر اپنا دیوان مقرر فرمایا یہ تھے خاندانی امیر خرچ رکھتے تھے زیادہ۔ بعض مصاحبوں کے واسطے سے یہ عرض کرایا کہ "حضرت کے ادنیٰ متصدی دیوانی کی اتنی آمدنی ہے کہ اسکا اسباب روزمرہ سات آٹھ اونٹوں پر لادا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے دیوان سرکار عالی کے سامان کی باربرداری کے لئے اقل درجہ پچاس اونٹ اُسکے کارخانے میں ہونا چاہیئے۔ مگر پانسو روپیہ ماہوار ان اخراجات کو کیونکر کافی ہوگی" اسکے جواب میں نواب والا نے فرمایا کہ "متصدی کو سرکار سے صرف سات آٹھ روپیہ تنخواہ ملتی ہے۔ مگر وہ اہل معاملات سے بحسن سلوک اپنی کارروائی کے لئے انکی رضا و رغبت سے بطریق رسم حق تحریر ایک آدھ لپشینر (دمڑی یا پیسا) لے لیا کرتا ہے۔ خدا بندہ یہہ چاہتا ہے کہ اسکے کارخانہ کا بار سرکار اُٹھائے۔ یہہ کیونکر ہوسکتا ہے"۔ مصاحب نے اسکے جواب میں عرض کیا کہ "خدا بندہ ایک متدین آدمی ہے۔ جو کچھ سرکار سے وہ پاتے ہیں۔ اسی میں اپنی بسر اوقات کرکے کار سرکار کو بڑی دیانت و امانت سے انجام دیتے ہیں"۔ یہہ جواب سنکر نواب فوراً تکیہ سے اُٹھکر جو پس پشت تھا دوزانو سیدھے ہو بیٹھے اور کہنے لگے کہ یہہ کیا تعریف ہے کہ ان میں دیانت و امانت کا جوہر موجود ہے۔ مرد کار دان کو چاہیئے کہ وہ اپنے سلیقہ کارروائی سے روپیہ پیدا کرکے خود کھائے اور دوسروں کو کھلائے۔ نہ یہہ کہ سرکار کے مال کا نقصان گوارا کرے۔ معلوم ہوا کہ خدا بندہ میں کاروانی اور کارروائی کا سلیقہ نہیں ہے"۔ اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب عالیجناب اپنے اہلکاروں کو زیادہ ماہواریں اپنے خزانہ سے دینا نہیں چاہتے مگر

اور رعایا کے مال سے اہلکاروں کے فائدہ اُٹھانے کو زیادہ بُرا نہیں جانتے تھے اور وہ زمانہ اُس وقت کے حالات سے اسی بات کا مقتضی بھی تھا۔ کیونکہ انتظام مملکت اکثر ٹھیکوں اور مستاجری کے ذریعہ سے چلایا جاتا تھا۔ اور اہلکار اپنی اُجرت محنت رعایا سے وصول کرتے تھے۔

باوجود اس رعایت کے جو نواب عالیجناب کو اپنے اہلکاروں کے ساتھ ملحوظ تھی وہ اس بات کو کبھی جایز نہیں رکھتے تھے کہ رعایا کے مال و زر پر کوئی حاکم یا عامل دست تعدی و ظلم دراز کرے۔ اور اسی ظلم و تعدی کے خوف سے انہوں نے ابواب ضلعداری۔ فوجداری۔ راجداری اور دوسرے مدّات کو یک قلم موقوف کردیا تھا جنکے رہنے سے رعایا کی تکلیف کا خوف تھا۔ ان ابواب کے بند ہونے سے رعایا کو بہت آرام نصیب ہوا۔ کیونکہ جسقدر جس رعایا پر ابواب سرکاری اور ٹیکس کا بار زیادہ ڈالا جاتا ہے وہ ہمیشہ زیر بار مفلس و قلاش ہوجایا کرتی ہے۔ نواب عالیجناب کو یقیناً یہہ اصول بہت کچھہ ملحوظ تھا۔

نواب عالیجناب میں اپنے اہلکاروں کے ساتھ رعایت و مراعات اور چشم پوشی اور عفو جرائم کا مادہ اس قدر بڑہا ہوا تھا کہ وہ اکثر موقعوں پر طرح دے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ان ایام میں جبکہ آپ شاہی نوکری کو ترک فرماکر گوشہ نشین ہوئے تھے۔ اسوقت آپ کے بعض ملازمین عملہ نے آپکے جواہر خانہ سے جواہر گراں بہا قیمتی زیور اور مرصع آلات وغیرہ اُڑاکر انکی جگہ اسی رنگ ڈہنگ کے جواہر اور زیورات رکھہ دئے تھے۔ جب آپ کو اس چوری اور جعلسازی کی خبر ہوئی۔ تو آپ خموش ہو رہے اور ملازمین سے کوئی باز پرس نفرمائی اور جب پھر آپ صاحب اقتدار ہوئے تو اُسوقت بھی بعض اشخاص نے اس دغابازی کی یاد دہی کی اور آپ کو مجرمین کے سزا دینے اور ان سے تاوان لینے کی ترغیب دی مگر آپ نے صرف لوگوں کی عزت

و آبرو کا لحاظ فرما کر اس معاملہ میں ذرا بھی اعتنا نہ فرمائی سزا دینے کا ذکر تو کیا ہے اسیطرح سے انہوں نے داؤد خاں پنی سے بھی کچھ مواخذہ نہ کیا جس نے لاکھوں روپے سرکاری اپنے عمل میں خورد برد کئے تھے۔

الغرض نواب عالیجناب کے رحم و کرم کی حالت یہہ تھی کہ وہ کبھی سنگین مجرمین کو اپنے زبان سے سزا دینے کا حکم نہ فرماتے تھے اور نہ چور کے ہاتھ کاٹنے اور قاتل کے قصاص کا خود حکم کرتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ وہ انہیں حکام شرع کے سپرد کر دیا کرتے تھے جو شریعت کے بموجب انہیں سزائیں دیا کرتے تھے۔

نواب مغفرت مآب علما و صلحا و زہاد و فقرا کی دوستی اور صحبت کو بہت پسند فرماتے تھے۔ اور ہمیشہ اس قسم کے اشخاص آپ کی خدمت میں دور دراز ملکوں سے آکر حسب حیثیت فیضیاب ہوتے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ وہ فقرائے صاحب کمال اور مشائخ صاحب حال سے بہت اعتقاد رکھتے تھے اور اکثر ان کی زیارت کو جایا کرتے تھے اور ان سے طلب ہمت اور استمداد کرتے تھے۔

وہ خلد مکان عالمگیر کی طرح مردم اہلکار۔ اہل کمال صاحب لیاقت کے جویا اور خواستگار رہتے تھے اور اہل کمال کی بڑی قدر دانی اور عزت فرماتے تھے اور ایسے اشخاص کو بیکار رہنے نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک روز آپ موسم گرما میں سہ پہر کو بالاخانہ پر تشریف فرما تھے کہ کبوتروں کا ایک ساتھ تیزی کے ساتھ اڑتا ہوا اسقدر آپ کے نزدیک سے گذر گیا کہ ان کے پروں کی ہوا آپ کو محسوس ہوئی۔ پوچھا کہ "یہہ کبوتر کس کے ہیں" اور کون بیکار شخص اپنے اوقات گرانمایہ کی تضیع کرتا ہے"۔ جو صاحب اسوقت حاضر تھے انہیں سے کسی نے عرض کی کہ "صف شکن خان یہاں قرب و جوار میں رہتے ہیں اکثر وہی اپنے عزیز وقت کو لہو و لعب میں صرف کیا کرتے ہیں"۔ اس زمانہ میں یہہ امیر ناصر جنگ کی طرفداری کے

باعث معاتب تھا اسلئے نواب نے فرمایا "یہہ قصور میرا ہے جو میں نے ایسے کارطلب شخص کو بیکار اور معطل کر رکھا ہے۔ اگر اس بیکاری کی حالت میں اس نے بقول کسی حکیم کے کہ النفس ان لم تشغلها یشغلک ایسے اشغال میں اپنے آپ کو مشغول کیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہہ فرما کے اس بیکار امیر کو طلب فرمایا اور عہدہ خان سامانی پر سرفراز کیا۔

نواب عالیجناب میں شجاعت و بہادری کے ساتھ جوہر حلم و بردباری بھی تھا چنانچہ ایک مرتبہ متہور خاں نے سید عالم علیخاں کا نام جو نواب کے دشمن تھے لفظ شہید کے ساتھ لیا۔ نواب نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے ہاتھ سے مارا جائے تو اسکو شہید نہیں کہتے ہیں۔ متہور خاں نے بے باکانہ طور سے جواب دیا کہ" اس صورت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کو بھی شہید نہیں کہہ سکتے ہیں"۔ اس شوخ جواب کو سنکر نواب نے از روئے حلم و وقار سکوت اختیار کیا۔

نواب عالیجناب کبھی کبھی تفنناً اپنے رفقائے خاص کی مجلس و صحبت میں مزاح اور لطیفہ سے بھی دل خوش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ سید شریف خاں تنباکو بہت پیا کرتے تھے۔ اور نواب عالیجناب کو تنباکو سے نفرت تھی۔ اس لئے وہ مجلس سے باہر جاکر حقہ پی آیا کرتے تھے۔ نواب کو یہہ حال معلوم ہوگیا۔ آپ نے مزاح کے طور پر فرمایا کہ اگرچہ امت محمدیؐ بہشتی ہے۔ لیکن جو لوگ تنباکو پینے کے خوگر ہیں انہیں بہشت میں آگ نہ ملے گی۔ کیونکہ بہشت میں آگ نہیں ہے۔ اسلئے انہیں آگ کے لئے دوزخ میں ضرور جانا پڑے گا"۔ اس پر لطف کلام کے جواب میں سید شریف نے عرض کی کہ " جناب عالی کے آدمیوں کو آگ کی تکلیف نہ ہوگی۔ کیونکہ قہوہ کے لئے وہاں انگیٹھی ضرور آوے گی۔ اس میں سے ایک دو چنگاری لیکر اپنے چلم پر میں بھی رکھ لونگا"۔

نواب عالیجناب کو سادہ روش بہت پسند تھی اور وہ خاص وقتوں کے سوا پوشاک میں تکلف نہ فرماتے تھے۔ جشن و دربار کے روز تو وہ عمدہ، فاخرہ لباس اور جواہر پہنتے اور مکان کو فرش و مسند سے آراستہ کرتے تھے۔ باقی ایام میں حضرت خلد مکان (عالمگیر) کی طرح وہ بھی بے تکلفانہ لباس پہنا کرتے تھے۔

ان کے روزمرہ اوقات گراں بہا کی تقسیم یہ تھی کہ وہ نماز صبح اور اوراد و وظائف کے بعد دوپہر تک کاروبار ریاست میں مصروف رہتے تھے اور حکومت کے تمام جزئی اور کلی کاموں کو بذات خود کیا کرتے تھے سہ پہر کے بعد نماز اور قرآن شریف پڑھکر حدیث نبوی کی سماعت۔ اہل کمال صلحا اور فقرا سے ہمکلام رہتے اور صحبت گرم رکھتے تھے۔

نواب عالیجناب ایک عمدہ پایہ کے شاعر تھے جنکا دیوان جو ہنگامہ آرائیوں اور کاروبار سلطنت کے نہایت ہی مشغولی کے زمانہ میں وقتاً فوقتاً لکھا گیا تھا قابل تعریف ہے۔ تعجب ہے کہ ایسے عدیم الفرصت امیر نے جسکا تمام وقت ملکی امور میں صرف ہوتا تھا شعر گوئی اور سخن سنجی کا بھی شغلہ جاری رکھا تھا۔ پہلے انکا تخلص شاکر تھا مگر پھر خطاب آصف جاہی کے بعد آصف تخلص فرمانے لگے ان کے دیوان سے جو سراپا معادن جواہر بے بہا ہے یہہ دو شعر درج کئے جاتے ہیں۔

اشعار

زنہار دل بنقش و نگار جہاں مبند | رنگے کہ دیدہ رخ گل پر بدنیست
شاکر برنگ برق دریں عرصہ خیال | دامن زخویش برزدہ یکرہ دویدنیست

نواب عالیجناب خود جو شاعر اور سخن سنج اور سخن فہم تھے اسلئے شعرا کی بھی بڑی قدر فرماتے تھے۔ جب آپ دہلی میں پہنچے تو میر تخلص ایک شاعر نے انکے آنے کی تاریخ ایک عمدہ رباعی میں نکالکر پیش کی تھی جسکے صلہ میں انہوں نے ایک ہزار روپیہ نقد

اسپ مع ساز نقرہ اور خلعت وغیرہ سے سرفراز فرمایا تھا۔ مگر آپ اپنی مدح میں قصائد کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ آپ صوفی منش تھے اس لئے تعریف اور مدح کو مخرب نفس خیال کرکے اس سے اجتناب کیا کرتے تھے۔ مگر جو اشعار قابل صلہ ہوتے تھے ان کا صلہ ضرور دیتے تھے۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا وہ نواب مغفرت مآب کے اخلاق وعادات روزمرہ کی نسبت تھا۔ مگر امور ریاست۔ تدبیر مدن اور نظام ملک کے جو ان میں گراں بہا جوہر تھے انکا بیان کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ اُن کے سیاسی امور کی مجمل تصویر کھینچنی کوئی آسان بات نہیں جسکے لئے ایک مدبر اور تجربہ کار شخص کا قلم درکار ہے۔ تاہم اس موقع پر یہہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ نواب مغفرت مآب میں تدبیر ملکی ثابت قدمی مصلحت اندیشی وقت شناسی سب ہی کچھ اپنی اپنی حد مناسب پر موجود تھا۔ کبھی تو یہہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ وقت اور زمانے کے تابع ہیں اور کبھی یہہ نظر آتا تھا کہ وہ ان دونوں پر حکومت رکھتے ہیں اگر زمانہ سازی مصلحت شناسی مستقل مزاجی وغیرہ ہی اعلیٰ اسباب ترقی ہیں۔ تو اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ نواب مغفرت مآب میں یہہ سب صفتیں موجود تھیں اور واقعی امر تو یہہ ہے کہ وہ ایسے زمانہ میں پیدا ہوے تھے جسمیں انہیں باتوں کی ضرورت تھی اور انہیں اوصاف سے لوگ معاملات ملکی میں ترقی کرتے تھے۔ ان اخلاق اور اوصاف اور تدبیر ملکی میں اُس وقت ہندوستان میں نواب عالیجناب کا مدمقابل کوئی تھا تو باجی راؤ مرہٹہ ہی تھا جو ان کے جوڑ توڑ کو بہت ہی جلد سمجھ جاتا تھا اور وقت پر تدارک کر دیتا تھا۔ اسکے سوا اُس زمانہ میں نواب سا شخص تمام ہندوستان میں موجود نہ تھا۔

اگر ہندوستان کے تمام مدبرین پر ایک گہری نظر ڈالی جائے جو اسوقت ملکی شطرنج کی چالوں کو چل رہے تھے جبکہ نواب مغفرت مآب دکن میں اپنی فراست اور

تدبیر تمدن کے ذاتی جوہر دکھا رہے تھے۔ تو یہ صاف اقرار کیا جائے گا کہ نواب مرحوم اپنے زمانہ میں اس فن میں فرد فرید تھے اور ان کی چالیں ایسی پیچیدہ اور گہری تھیں کہ ان کے سمجھنے کی بہت ہی کم مدبرین ہند لیاقت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ ملازمت میں ہندوستان کے شمال جنوب۔ شرق اور غرب تمام اطراف لڑائیاں فتح کیں۔ انہوں نے سیدوں کو نیست و نابود کر دیا جو بادشاہ کو تخت پر بٹھا کر اُسے کٹھ تپلی کا ناچ نچاتے تھے۔ انہوں نے خودسروں کو نیچا دکھایا۔ جنہوں نے بادشاہ سے سرکشی اختیار کی تھی۔ اور انہوں نے حتی المقدور مرہٹوں کو اپنی حد سے زیادہ بڑھنے نہیں دیا جنہوں نے مرتے وقت اورنگ زیب سے شہنشاہ ہند کو دق کر رکھا تھا۔ الغرض نواب مغفرت مآب کو ان کے تمام دوست اور دشمن وقار و عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نواب میں حوصلہ مندی اور اعلیٰ درجہ کی ترقی پر پہنچنے کا جوہر تھا تاہم انہوں نے مرتے دم تک کبھی خودمختاری اور خودسری ظاہر نہیں کی اور ایک کمزور بادشاہ کی ویسی عظمت و عزت اور اطاعت قائم رکھی جیسی کہ ایک پُرزور بادشاہ کی ہونی چاہیئے۔ وہ صرف ایک بہت بڑے مدبر اور نبض شناس ملک ہی نہ تھے بلکہ شجاع اور بہادر بھی تھے۔ اگر اہل اسلام میں اپنے ملک کے بہادروں کی یادگاریں قائم کرنے کا رواج ہوتا۔ تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اٹھارہویں صدی عیسوی میں بھی سیکڑوں مسلمان ان یادگاروں کے مستحق نکلتے۔ مگر افسوس ایک ادبار رسیدہ قوم کبھی اس طرف متوجہ نہیں ہو سکتی جس سے وہ اپنی نکبت اور بدحالی کو دریافت کر سکتے۔

نواب عالیجناب کی رحلت کے وقت اُنکے چھ فرزند جنکی تفصیل یہہ ہے موجود تھے

(۱) میر محمدؐ پناہ امیر الامرا جنہیں دربار دہلی سے ان کے دادا کا خطاب غازی الدین خاں فیروز جنگ عنایت ہوا تھا۔ (۲) میر احمد نظام الدولہ ناصر جنگ

(یہہ دونوں ایک بطن سے تھے) (۳) میر سید محمد امیر الممالک صلابت جنگ (۴) آصف جاہ ثانی میر نظام علیخاں بہادر اسد جنگ (۵) میر محمد شریف بسالت جنگ برہان الملک المخاطب بہ شجاع الملک (۶) میر مغل ناصر الملک ان صاحبزادوں کی مائیں علٰحدہ علٰحدہ تھیں۔

چھ صاحبزادیاں بھی تھیں۔ جنکی تفصیل یہہ ہے۔ (۱) بادشاہ بیگم (۲) محسنہ بیگم یہہ دونوں غازی الدین اور ناصر جنگ کی سگی بہنیں تھیں۔ (۳) بدر النسا بیگم (۴) ماہ بانو بیگم (۵) خجستہ بانو بیگم (۶) مکرمہ بیگم ان صاحبزادیوں کی مائیں علٰحدہ علٰحدہ تھیں۔

نواب نظام الدولہ میر احمد خان ناصر جنگ شہید

نسب اور بچپن کے حالات

نواب ناصر جنگ نواب مغفرت مآب کے دوسرے فرزند تھے۔ ان کی والدۂ ماجدہ گلبرگہ کے مشایخ میں سے ایک بزرگ کی بیٹی حسن صورت و سیرت میں ممتاز سیّد النسا بیگم نام صحیح النسب سیدانی تھیں کہتے ہیں کہ جب ناصر جنگ پیدا ہوئے نواب مغفرت مآب نے ان کے جشن ولادت میں بڑی دھوم دھام کی ارکانِ دولت کو بہت کچھ انعام تقسیم کیا چار سال چار ماہ چار روز کی عمر کو پہنچے تو رسم بسم اللہ خوانی بھی بڑے تزک و احتشام سے ہوئی۔ ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی طرف نواب مغفرت مآب کو بہت توجہ تھی ناصر جنگ نے سن رُشد تک اس قدر علوم و فنون حاصل کر لئے تھے جو رؤسا اور امرا کے لئے سرمایۂ ناز سمجھے جاتے ہیں۔

نیابت

جب سنہ ۱۱۵۰ ہجری میں نواب مغفرت مآب شاہجہاں آباد کو تشریف لے جانے لگے تو انہیں کو اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ یہ ایک ذی علم اور لایق نوجوان تھے۔ نواب کی غیبت میں امور جہانبانی کو بڑی بیدار مغزی و اولوالعزمی سے انجام دیا تھا۔ مگر شاہنواز خاں صمصام الدولہ کو اپنا دیوان مقرر کیا تھا۔ اور وضیع و شریف ہر ایک کو حسب مراتب انعامات اور جاگیرات نہایت ہی سیر چشمی سے عنایت فرماتے تھے اس سے ان کے والد بزرگوار کو ان کی طرف سے رنجش پیدا ہو گئی تھی۔

نادر شاہ کے آنے اور دہلی میں قتل عام ہونے سے ہندوستان میں عموماً سرکشی پیدا ہو گئی تھی اور سرکشان ہند کو موقع ملا تھا جو ضعف سلطنت سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ اس لئے دکن میں بھی مرہٹوں نے اس موقع غدر کو ہاتھ سے

جانے نہیں دیا اور باجے راؤ نے بادشاہ اور نواب مغفرت مآب کی دی ہوئی جاگیروں
کو ضبط کرنا شروع کر دیا۔ نادرشاہ کی مراجعت کے بعد جب پھر ملک ہند میں شاہی
تسلط ہوا۔ تو ناصر جنگ نے باجے راؤ کے پاس اپنا ایلچی بھیجا مراسم دوستی
قائم کئے۔ اور باجے راؤ جاگیرات کی ضبطی سے دست بردار ہو گیا دو سال تک
مرہٹوں کی دست برد سے ملک محفوظ رہا مگر پھر ۱۱۵۲ھ ہجری میں اس نے نواب
ناصر جنگ سے ریاست دکن کے چھیننے کا ارادہ کیا اور ایک کثیر فوج جمع کر کے
جنگ و جدال کی عزم سے اورنگ آباد کے جنوبی مقامات پر آموجود ہوا۔ ناصر جنگ نے
بھی اپنی فوج کو جو اس وقت بلدۂ فجستہ بنیاد میں تھی لیکر اس کے دارالامارہ یعنی
پونا کو غارت کر دینے کے لئے کوچ فرمایا۔ راستہ میں ان دونوں مخالفوں میں
مڈبھیڑ ہو گئی اور معرکہ کارزار گرم ہوا۔ جس میں ناصر جنگ غالب رہے۔ مگر
پھر بھی یہ مرہٹہ اپنی آبائی عادت اور قومی رواج کے بموجب فرار ہو کر واپس آ جاتا
اور قزاقانہ جنگ کرتا رہا الغرض ۲۸ شوال سے عید قربان تک تقریباً ایک ماہ
سے زیادہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی بھیڑوں اور بکریوں کی طرح قربانی ہوتی رہی
اور ہر روز عید قربان کا سماں دکھاتے رہے۔ اس لڑائی میں باجے راؤ کی طرف
پچاس ہزار سوار اور نواب ناصر جنگ کے ساتھ کل دس ہزار سوار تھے۔ اس پر بھی
اہل اسلام اپنی آبائی شجاعت کے جوہر دکھاتے تھے اور ہندوؤں کو ہر حملہ میں
پسپا کر دیتے تھے باجے راؤ نے زچ ہو کر اور لڑائی میں پے در پے زک اٹھا کر
نواب سے صلح اختیار کی عہد و پیماں کے بعد نواب کی ملاقات سے فیضیاب
ہوا۔ نواب ناصر جنگ نے بھی اس کی خاطر و تواضع میں کچھ کمی نہیں کی اور
استحکام دوستی کی غرض سے اس کو سرکار کھرکون اور سرکار ہانڈیہ بطور جاگیرات
کے مرحمت فرمائی۔ مگر باجے راؤ کو متواتر شکستیں اٹھانے کا ایسا صدمہ ہوا کہ اس کے

دو مہینے بعد مر گیا۔

والد بزرگوار سے تعاد وغیرہ

نواب مغفرت مآب کی غیبت میں ناصر جنگ بہادر نے واقعی ملک دکن کو اپنی خوش انتظامی سے بہت ہی پر امن وامان رکھا اور نہایت بیدار مغزی سے فرماں روائی کی مگر جو ناشایستہ حرکت ان سے باغوائے شیاطین الانس ظہور میں آئی (یعنے جب نواب مغفرت مآب دہلی سے واپس آئے تو انہوں نے ان سے مقابلہ کیا) اس ناقابل عفو قصور پر بھی نواب مغفرت مآب نے محبت پدری سے کام لیا اور اس گستاخی وناعاقبت اندیشی کو معاف فرما کر ۱۱۵۵ھ میں انہیں اورنگ آباد کا صوبہ دار مقرر فرمایا۔ اور جب ۱۱۵۹ھ میں نواب مغفرت مآب حیدرآباد سے روانہ ہو کر دہارور میں پہنچے تو انہیں اورنگ آباد سے طلب فرمایا اور راجہ میسور سے پیشکش وصول کرنیکا حکم دیا۔ ناصر جنگ نے سرینگ پٹن میں پہنچکر پیشکش کی ایک معتد بہ رقم وصول کی اور اس رقم خطیر کو لے کر اپنے والد ماجد کی خدمت میں واپس آئے۔ نواب مغفرت مآب نے اس کارگزاری پر بہت تحسین وآفریں کی پھر انہیں اپنے ساتھ لیکر برہان پور کی طرف روانہ ہوئے۔ چند روز یہاں گزرے تھے کہ نواب نے سفر آخرت اختیار کیا۔

تخت نشینی

جب نواب مغفرت مآب نے اس جہان سے رحلت فرمائی تو نواب نظام الدولہ ناصر جنگ ان کے جانشین ہوئے۔ تین روز تک اپنے شفیق باپ کی سوگواری میں رہے اور نوبت ونقارہ کو موقوف رکھا سوم کے بعد چوتھے روز بتاریخ ۹ جمادی الآخر برہان پور سے خجستہ بنیاد اورنگ آباد کی طرف روانہ ہوگئے۔ اثنائے راہ میں انہوں نے میر احمد خان دیوان کو بتغیر خواجہ مومن خاں برہان پور کا دیوان مقرر کیا اور میر احمد جو ایک منزل تک ہمراہ رکاب تھے رخصت حاصل کرکے اپنے جدید تقرر کے مقام کو روانہ ہوئے۔ خواجہ مومن خاں پر معزولی کی وجہ سے تنخواہ داروں کی یورش ہوئی اور اس نے مجبور ہو کر اپنا اثاث البیت فروخت کرکے ان کی ماہواروں کا فیصلہ کیا اور ان کے ہنگاموں سے نجات حاصل کی۔

عہدہ داروں کا عزل و نصب

جب نواب ناصر جنگ بہادر لشکر کھیڑہ کی راہ سے اورنگ آباد پہنچے اور ایام بارش کے بسر کرنے کی وجہ سے انہیں یہیں قیام کرنا پڑا۔ اس زمانہ میں حسب مصلحت وقت عہدہ داروں کا عزل و نصب کیا۔ پورن چند کو دیوانی سے معزول کرکے اور میر عبدالرزاق خاں ابن کاظم خان کو شاہ نواز خان کا خطاب دیکر اس کی جگہ دیوان مقرر فرمایا۔ مورو پنڈت کو رائے لپشند اس کا خطاب دیا اور وہ نائب دیوان یا پیشکار مقرر کیا گیا۔ عبدالحسین خاں ابن حکیم نقی خاں کو میر آتشی کی خدمت مرحمت ہوئی جس پر دلیر خاں مامور تھا۔ قاضی محمد دائم کو جو اس سے پہلے خواجم قلی خاں کے رفیقوں میں سے تھا اور علم و فضل سے بہرہ ور اور شاعری سے ذوق رکھتا تھا منصب ہزاری دیکر دکن پر مقرر فرمایا۔ عوض بیگ کو جو ان کا خاص خانساماں تھا شاہ بیگ خان کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اور ابو تراب خاں ابن بہرام جنگ کو عہدۂ خانسامانی سے عزل کرکے شاہ بیگ کو اس کی جگہ مقرر کیا۔ جس نے پورے اقتدارات پاکر اپنے متصدیوں میں سے بہتوں کو خطاب دلائے اور بعض کو مورد عتاب کیا۔ سعداللہ خاں مظفر جنگ کو جن کا نام ہدایت محی الدین خان تھا اور جو متوسل خاں کے بیٹے اور نواب مغفرت مآب کے پیارے نواسے تھے طلب فرمایا۔ جواب میں مظفر جنگ نے کہلا بھیجا کہ ادھونی و رائچور وغیرہ کی صوبہ داری اور حکومت مجھے میرے جد امجد نے عنایت فرمائی ہے مجھے طلب کرنے سے معاف فرمائیے۔ اس خشک جواب سے ناصر جنگ کو بہت رنج ہوا گر وہ اس وقت بادشاہ دہلی کی حسب الطلب ہندوستان جانے والے تھے بجز تحمل اور صبر کے کوئی چارہ نہ تھا۔ اس وقت ناصر جنگ نے اپنے اس رشتہ دار کی نسبت کوئی تدارک کرنا نامناسب خیال کیا اور اس کو آیندہ موقع پر چھوڑا۔

ہندوستان کی طرف روانگی

ہندوستان جانے کا اصلی سبب یہ تھا کہ جب احمد شاہ بادشاہ کو نواب مغفرت مآب کی رحلت کی خبر ہوئی۔ تو بہت رنج کیا اور عماد الملک غازی الدین خان بہادر

فیروز جنگ خلف الصدق نواب مغفرت مآب کو جو دار الخلافہ میں موجود تھے طلب فرما کر خلعت ماتمی عطا کیا۔ اور چار پانچ روز کے بعد عہدۂ وزارت کو جو اس وقت تک نواب مغفرت مآب کے انتظار میں خالی تھا ابو المنصور خاں کو مرحمت فرمایا۔ مگر اس کی رعونت و خود بینی سے رنجیدہ ہو کر جاوید خان خواجہ سرا کی معرفت جو وزیر اعظم سے عداوت رکھتا تھا خفیہ طور سے ایک شقہ ناصر جنگ کے طلب میں لکھا اور خواجہ سرا نے خود بھی ناصر جنگ کو یہ لکھا "کہ جس طرح سے ہو سکے شاہجہاں آباد میں بہت جلد پہنچنا چاہیے کیونکہ سلطنت کے بعض امور آپ کے آنے پر منحصر ہیں" اس شاہی خط کے آنے پر باوجودیکہ دکن میں فتنہ و فساد کا سخت اندیشہ تھا اور ہدایت محی الدین خاں کی طرف سے تو بغاوت کا پورا یقین تھا مگر نواب ناصر جنگ نے ۱۱۶۲ھ ہجری میں بغرض اطاعت فرمان ظل سبحانی و اصلاح کارہائے سلطنت مغلیہ ایک فوج گراں اور توپخانہ فراواں ساتھ لیکر ہندوستان کی طرف روانہ ہونے کا قصد کر دیا۔ روانگی سے پہلے ابو الخیر خاں کو عزل کر کے اس کی جگہ محمد دائم کو فوجدار بگلانہ مقرر فرمایا۔ مگر اس معزولی کے ساتھ ابو الخیر خاں کو شمشیر بہادر کا خطاب دیکر اعزاز بڑھا دیا۔ سید شریف خاں صوبہ دار برار کو شجاعت جنگ کا خطاب دیا۔ اور سید لشکر خاں کو نصیر جنگ کا خطاب مرحمت فرما کر اورنگ آباد میں اپنا نائب مقرر کیا۔

اس ضروری انتظام کے بعد شاہجہاں آباد کی طرف کوچ کیا اور ظفر آباد کی راہ سے روانہ ہوئے جو داؤد خاں اور ان کے وابستوں کی جاگیر التمغا میں تھا۔ اثنائے راہ میں افغانوں نے صف شکن خاں کو اس اتہام میں قتل کر ڈالا کہ اس نے کسی افغان کی لونڈی کو اشارہ کر کے نکلوا دیا ہے۔ الغرض جمادی الاولی کے مہینے میں ناصر جنگ بڑے دبدبہ اور کوکبہ کے ساتھ برہان پور میں وارد ہوئے۔ یہاں سے شاہ نواز خاں کو دو تین ہزار سوار دیکر اورنگ آباد روانہ کیا۔ اور پاندھار کے نالہ پر بغرض عرس نواب مغفرت مآب چار روز قیام فرمایا پھر یہاں سے دہلی کی جانب کوچ کیا اور بعض مستورات کو جاگیرداران

برہان پور کی ہمراہی میں اورنگ آباد بھیجکر کوچ پر کوچ کرتے ہوئے نربدا کے کنارے تک پہنچے یہاں پہنچنے کے بعد انہیں شاہی خط جس پر بادشاہ کے دستخط اور مہر خاص تھی ملا۔ جس میں یہ مضمون تھا کہ ابھی یہاں آنے کا ارادہ ملتوی رکھو۔ اسی اثنا میں محی الدین خاں کی بغاوت کی متواتر خبریں وصول ہوئیں۔ ناصر جنگ نے اورنگ آباد واپس ہونے کا ارادہ کیا اور اسی مقام سے ایک عرضی بادشاہ کی خدمت میں روانہ کی جس کا خلاصہ مضمون یہ تھا کہ فدوی باوجود کثرت کاروافکار بغرض شرف قدمبوسی روانہ ہو کر نربدا تک پہنچا تھا۔ کہ فرمان واجب التعمیل صادر ہوا فسخ عزیمت سے اس جان نثار کو کمال رنج ہوا۔ جسے آرزوئے دیدار عاشقان بیقرار سے بھی زیادہ تھی امید کہ فدوی آیندہ کسی موقع پر شرف قدمبوسی سے محروم نہ رکھا جائے گا۔ اس عرضداشت کے روانہ کرنے کے بعد خجستہ بنیاد کی طرف رخ کیا۔ اور خواجم قلی خان کو برہان پور کا ناظم مقرر فرمایا۔ الحاصل اواخر جمادی الاخریٰ میں دریائے نربدا کے کنارہ سے روانہ ہو کر اور دریائے تاپتی کو بمشکل عبور کر کے جو شدت باران کی وجہ سے چڑھا ہوا تھا عین موسم بارش میں داخل بلدۂ اورنگ آباد ہوئے اور برسات بھر یہیں قیام فرمایا۔

ہدایت محی الدین کی بغاوت

قبل اس کے کہ ہدایت محی الدین خاں کی بغاوت اور لشکر کشی اور اس کے ساتھ ناصر جنگ کی لڑائی کے حالات مفصل بیان کئے جائیں۔ اس موقع پر یہ ضرور ہے کہ ہدایت محی الدین کی ابتدائی کیفیت اور اسباب سرکشی نہایت ہی اختصار کے ساتھ نذر ناظرین کر دئے جائیں۔ تاکہ آیندہ معرکہ آرائیوں کے سمجھنے میں سہولت ہو۔

ہدایت محی الدین خاں نواب مغفرت مآب کی ایک پیاری بیٹی کے فرزند تھے جس کو نواب ممدوح بہت چاہتے تھے اور اس لڑکے کو وہ ہمیشہ اپنے پاس ہی رکھتے تھے۔ اور اس سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ ان کے انتقال کے بعد ہی یہ خبر مشہور ہو گئی تھی کہ نواب نے مرتے وقت ہدایت محی الدینخاں کو اپنے مال و دولت کا ایک

بہت بڑا حصہ ہی نہیں دیا بلکہ اس کے لئے اپنی ریاست کے جنوبی ملک کی حکومت کو بھی نامزد کر دیا ہے۔ مگر ان خبروں اور وصیت نامہ کی نسبت سچ یا جھوٹ ہونے کا کوئی حکم لگانا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس زمانہ میں مہر کا رواج تھا جس میں آسانی سے جعل بنایا جا سکتا تھا اور اکثر بادشاہ زادوں اور امیروں کے معاملات میں اس قسم کی جعل سازیاں سنی گئی ہیں اور دیکھی جاتی ہیں (علاوہ ازیں نواب مغفرت مآب کو یہ اختیار تو تھا ہی نہیں کہ وہ اپنا مال و متاع اپنے کسی فرزند کو ترکہ میں دیتے چہ جائیکہ "ملک کا کوئی حصہ" ہدایت محی الدین کو وصیت میں لکھ جاتے)

نواب ناصر جنگ بہادر کو اپنے والد بزرگوار کے عین حیات ہی میں امور سیاست اور جنگ و جدال کے بہت کچھ تجربے ہو چکے تھے اور وہ ان معاملات میں ہدایت محی الدین خاں سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے والد کے مرتے ہی تمام مال و متاع و کارخانجات اور افواج شاہی پر قبضہ کر لیا تھا باپ کے جانشین ہو چکے تھے۔ اس زر کثیر سے جو اس وقت ان کے ہاتھ آیا تھا وہ بہت کچھ افواج اور سامان جنگ مُہیا کر سکتے تھے۔ جو ہدایت محی الدین خاں کے احاطہ قوت کے باہر تھا۔ ناصر جنگ نے اپنی تخت نشینی کے وقت یہ ظاہر کیا تھا کہ والد نے مرتے وقت اپنے بڑے بیٹے غازی الدین خاں کو اپنی جانشینی کے لئے نامزد کیا تھا۔ مگر چونکہ وہ دربار شاہی میں امیر الامرا کی خدمت پر سرفراز ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس صوبہ داری دکن کو میرے حوالہ کر دیا ہے اور اس کی منظوری بھی شاہی دربار سے ہو چکی ہے۔

الغرض ناصر جنگ اور ہدایت محی الدین دونوں اپنے اپنے دعووں پر سندیں پیش کرتے تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنے آپکو صوبہ داری دکن کا مستحق سمجھتا تھا۔ ہدایت محی الدین خان کا بیان یہ تھا کہ مجھے خود بادشاہ نے بذریعہ سند اور خطاب مظفر جنگ کے صوبہ داری پر مقرر فرمایا ہے۔ گو ہدایت محی الدین خاں کا یہ بیان صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

تاہم ناصر جنگ کے قبضہ میں اس وقت نواب مغفرت مآب کی ساری دولت موجود تھی جس سے وہ فوج کی تنخواہیں بخوبی ادا کر سکتے تھے اور فوج بھی اس قدر ان کے پاس تھی کہ ہدایت محی الدین بڑی مشکل سے کوئی فوج بھرتی بھی کرتے تو بھی وہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس صورت میں ہدایت محی الدین کی کامیابی کا حال معلوم تھا ان موافق واقعات پر بھی ہدایت محی الدین نے ۲۵ ہزار آدمی جمع کر لئے اور وہ گولکنڈہ کے نواح میں اس موقع کے منتظر تھے کہ نواب ناصر جنگ پر قابو پا کر حملہ کیا جائے۔

چندا صاحب اور اس کی ترغیب

اس وقت مظفر جنگ (ہدایت محی الدین خاں) کے ساتھ ایک شخص چندا صاحب نامی شریک ہو گیا جو قوم نوایط اور خاندان دوست علی سے تھا۔ جو انور الدین سے پہلے کرناٹک کا نواب بنا ہوا تھا۔ چندا صاحب نے مظفر جنگ کے استحقاق کو ترجیح دی اور اپنی گرم جوشی اور سعی و کوشش کی وجہ سے مظفر جنگ کو اپنا گرویدہ کر لیا۔ اس نے مظفر جنگ کو صوبۂ کرناٹک پر اپنا حق جتا کر ان سے اس صوبہ کی حکومت کی سند حاصل کی اور مظفر جنگ نے اس کو کرناٹک کا نواب بھی مقرر کر دیا۔ جس سے اس کا اثر اور دخل مظفر جنگ کے مزاج میں بخوبی ثابت ہوتا ہے۔ اس نے مظفر جنگ کو یہ رائے دی کہ گولکنڈہ کے نواح و اطراف میں ٹھہر کر فوج بھرتی کرنا مناسب نہیں کیونکہ ناصر جنگ کے خوف سے لوگ اس کی فوج میں بھرتی نہ ہو سکیں گے۔ اور اس مقام پر پڑے رہنے سے کوئی کامیابی نہ ہو گی۔ بہتر ہے کہ اسی فوج سے کرناٹک فتح کیا جائے اور اس کے مخالف انور الدین خاں کو شکست دی جائے۔ اور اس مہم کے لئے اس قدر فوج اسکے نزدیک کافی تھی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اگر اکاٹ اور راس کماری کے مابین جو ملک ہے۔ وہ فتح کر لیا جائے گا۔ تو اس کی وجہ سے روپیہ اور آدمی سب کچھ بکثرت مہیا ہو جائیں گے۔ اور پھر ایسی قوت پیدا ہو جائیگی کہ ناصر جنگ پر آ کر حملہ کر سکیں گے۔ چندا صاحب نے مظفر جنگ سے یہ بھی

وعدہ کیا کہ میں ان تمام کارروائیوں میں آپ کا شریک اور معاون رہوں گا۔ اور رنج و راحت عیش اور مصیبت میں ساتھ دونگا۔ اگر مارے جائیں گے تو دونوں ساتھ ساتھ راہی ملک عدم ہوں گے۔ اس رائے اور وعدہ کا اثر ایک نوجوان شاہزادہ کے دل پر جس کے دل میں حکومت اور فتح کی اُمنگ پیدا ہو رہی ہو جو کچھ پڑ سکتا ہے اُس کو ناظرین بخوبی خیال فرما سکتے ہیں۔ مظفر جنگ چندا صاحب کو منجانب خدا بھیجا ہوا فرشتہ سمجھتے تھے اور اس کو اپنا ہادی خیال کر کے اور اپنی آنکھیں بند کر کے اس کی رائے کو وَحْیٌ مِنَ السَّمَاءِ سمجھ کر اٰمنّا اور صدّقنا کہتے تھے۔

فرانسیسیوں کا تعاون

مسٹر ڈپلے کو ان تجویزوں کی اطلاع دی گئی جو اس وقت پانڈیچری یا پھولچری کا فرانس کی طرف سے گورنر تھا اور اس سے جنگی کارروائیوں میں شریک ہونے کی استدعا کی گئی اور یہ بھی جتایا گیا کہ اس شرکت سے اس کو اور اس کی فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی کو بشرط کامیابی منفعت کثیر حاصل ہوگی۔ ڈپلے تو خدا سے چاہتا تھا کہ کوئی ایسا عمدہ موقع ملے کہ جس سے اس کی اور اس کی کمپنی کی عزت و قوت ہندوستان میں بڑھے اور فرانس کے علاقہ کو ترقی ہو۔ وہ کب ایسے موقع کو ہاتھ سے جانے دیتا۔ اس نے فوراً چار سو یورپین اور دو ہزار دیسی سپاہی سبر کردگی مسٹر ڈاٹیل مظفر جنگ اور چندا صاحب کی امداد کے لئے روانہ کر دئیے۔ اس فوج کے ساتھ چندا صاحب کا بیٹا رضا صاحب بھی موجود تھا۔ جو باپ کے ایام قید میں جب کہ وہ مرہٹوں کے ہاتھ میں محبوس تھا۔ پانڈیچری میں مقیم تھا۔

انورالدین خان کی تیاریاں

سید محمد نواب ارکاٹ کے قتل کے بعد سے انورالدین خاں نے اس صوبہ کی حکومت بڑے اطمینان سے کی۔ کیونکہ اُس وقت یہ ملک تمام اندرونی اور بیرونی فتنہ و فساد سے خالی تھا۔ مگر اس کے ساتھ انورالدین کو چندا صاحب کی طرف سے خوف تھا جو اس وقت مرہٹوں کی قید میں تھا جس سے چندا صاحب نے رشوت کے ذریعے

اپنی رہائی حاصل کی تھی۔ جب چندا صاحب اس حبس سے چھوٹا۔ تو انورالدین خان کو یقین ہو گیا کہ اب میری حکومت صرف تلوار ہی کے زور سے قایم رہیگی۔ اس خیال کی بنا پر اس نے اپنی فوج کی اصلاح شروع کی اور منتخب سپاہی بھرتی کئے۔ الغرض اس نے بارہ ہزار سوار اور آٹھ ہزار پیدل کی ایک جرار اور انتخابی فوج آراستہ کی اور آخر دم تک اپنے ملک کے بچانے کا ارادہ کیا مگر اس وقت وہ ایک اہم بات سے چوک گیا۔ اور وہ یہ تھی کہ اس نے ناظم دکن کی فوج سے مدد لینے کا کوئی بندوبست نہ کیا۔

اس اثنا میں مظفر جنگ اور چندا صاحب چالیس ہزار فوج لیکر کرناٹک کیطرف بڑھے اور جہاں کہیں ان کا گذر ہوا وہاں کے راجہ سے پیشکش و نذرانہ وصول کیا۔ ادھر سے پانڈیچری کی فوج بھی آملی۔ جو انورالدین خان کے مقام سے دور دور فاصلہ سے گذری تھی۔ اور اس وجہ سے روک ٹوک کے بغیر وہ منزل مقصود پر پہنچگئی تھی۔ ان اجتماعی فوجوں نے انورالدین پر فوراً دھاوا کر دیا جو اس وقت بیس ہزار فوج لئے ہوئے امور کے قلعہ کے نیچے پڑا ہوا تھا۔ امورارکاٹ کے مشرق میں پچاس میل اور ڈالچیری سے بجانب جنوب ۳۰ میل کے فاصلہ پر واقع تھا جہاں اس سے پہلے ۱۷۴۰ء میں دوست علیخاں مرہٹوں کی لڑائی میں مارا گیا تھا۔ فرانسیسی فوج کے افسر نے پہلے خود اپنی فوج لیکر بغیر مظفر جنگ کی فوج کی امداد کے غنیم کی خندق پر حملہ کرنا چاہا۔ اور چونکہ چندا صاحب اس موقع کا منتظر تھا کہ وہ مظفر جنگ پر اپنے دوست فرانسیسیوں کی بہادری ثابت کرے جنہیں اُس نے پانڈیچری سے طلب کیا تھا۔ اس لئے اس نے اس فرانسیسی افسر کی یہ درخواست فوراً قبول کر لی۔ فرانسیسی سپاہیوں کے دلوں میں یہ امید موجزن تھی کہ نواب انورالدین خان کے کیمپ میں بہت کچھ مال وزر لوٹ میں ہاتھ آئے گا۔ اس لئے انہوں نے بڑی گرم جوشی سے حملہ کیا مگر انورالدین کے توپخانہ نے ان کا منہ پھیر دیا۔ کیونکہ اسوقت

غنیم کے توپوں نے اپنے نشانوں پر پورے طور سے گولے مارے تھے۔ جس سے فرانسیسیوں نے
پلٹ کر حملہ کیا اور آدھ گھنٹہ تک لڑائی قائم رہی۔ اور بہت سے فرانسیسی سپاہی خندق
کے پشتے پر چڑھ گئے مگر پھر انورالدین کی فوج نے ان کے رخ پیچھے پھیر دئے۔ اس حملہ
میں فرانسیسی فوج کا افسر مسٹر ڈاٹیل زخمی ہوا چونکہ فرانسیسیوں کو یہ معلوم تھا کہ ان کی
وقعت چندا صاحب اور مظفر جنگ کی نظروں میں زیادہ ہے جو اس وقت اپنی فوج کو
لئے ہوئے علیحدہ کھڑے تھے اور فرانسیسی فوج کی طرز جنگ دیکھ رہے تھے۔ اس لئے
فرانسیسیوں نے جوش غیرت میں بھر کر پھر خندق پر حملہ کیا۔ لیکن اس وقت انورالدین خان کی
فوج کے دل اس دلیری کے دیکھنے سے ٹوٹ گئے تھے۔ جو فرانسیسی فوج نے
پے درپے ظاہر کی تھی۔ اس لئے اس نے فرانسیسیوں کی کوئی زیادہ مزاحمت نہ کی۔ جس کا
خوف مسٹر ڈاٹیل کو تھا۔ اور اب فرانسیسی فوج خندق پر بآسانی قابض ہوگئی اور انورالدین خان
کے آدمی اپنے اپنے متعین مقاموں سے بھاگ نکلے۔ فرانسیسی غنیم کی خاص فوج
کی طرف بڑھتے ہوئے گئے۔ اور آخر کار اس مقام پر پہنچ گئے۔ جہاں انورالدین کی
افواج کا علم یا نشان قائم تھا۔ اس مقام پر انورالدین بنفس نفیس ہاتھی پر سوار کھڑا تھا
اور اس کے اطراف اس کی فوج کے منتخب سوار تھے۔ جن میں وہ لڑائی کے لئے
جوش دلا رہا تھا۔ اس اثنا میں ادھر سے چندا صاحب مظفر جنگ کی فوج لے کر بڑھا
اور خندق کے پار ہو کر فرانسیسی پلٹن کے ساتھ مل گیا۔ اور پھر ان دونوں نوجوں نے
قدم آگے بڑھائے۔ اس وقت انورالدین کو خبر پہنچی کہ اس کا بڑا بیٹا محفوظ خاں
جو فوج کے ایک حصہ پر کمینڈر تھا غائب ہے۔ اور وہ توپ کے گولے سے
مارا گیا ہے۔ اس خبر کے سننے سے وہ بہت ہی مضطرب ہوا۔ اور اتنے میں
اس نے چندا صاحب کا ہاتھی اور اس کی فوج کا نشان اپنے سامنے پایا۔ انورالدین نے
فیلبان کو ہاتھی آگے بڑھانے اور چندا کے ہاتھی کے مقابل لانیکی بہت ترغیب دی

اور اس کے صلہ میں بہت کچھ انعام واکرام کا وعدہ کیا۔ مگر اس کے ہاتھی کے راتب میں
فرانسیسوں کا ایک جوق تھا۔ جس نے فوراً انورالدین پر بندوق کی باڑہ چلائی اور ایک
گولی اس کے سینہ کے پار ہوگئی۔ اور وہ مردہ ہوکر ہاتھی کی پیٹھ سے میدان جنگ میں
گرا۔ اس کے گرتے ہی اس کی فوج کے قدم اُٹھ گئے جو نشان کے گرد تھی۔ اور پھر تو
بھاگڑ پڑ گئی۔ مظفر جنگ کی فوج نے بھاگتے ہوؤں کا پیچھا کیا اور بہتوں کو اسیر اور بہتوں کو
تہ تیغ بیدریغ کر دیا۔ کشتوں میں انورالدین کے تین چار خاص افسرانِ فوج تھے۔
اور اسیروں میں اس کا بڑا بیٹا محفوظ خان تھا۔ محمد علی انورالدین کا دوسرا بیٹا بھی لڑائی میں
موجود تھا۔ مگر وہ اپنے آپ کو بچاکر اس کشت و خون سے نکل گیا تھا۔ اس خونریز
لڑائی کی تاریخ تیسری جولائی سنہ ۱۷۴۹ء ہے۔ جس کے دوسرے روز مظفر جنگ
ارکاٹ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور بغیر کسی مزاحمت کے انہوں نے شہر اور
قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

تخت نشینی۔

اسی مقام پر مظفر جنگ نے اپنی تخت نشینی اور دکن کے صوبہ دار ہونے کی رسم
بڑے تزک و احتشام سے ادا کی اور چندا صاحب کو نواب کرناٹک مقرر کیا۔ اور جو کچھ
ملک انورالدین کے تحت و تصرف میں تھا۔ وہ سب اس کو بذریعہ سند کے دے دیا۔
اس ناگہانی انقلاب کو دیکھکر سواحل سمندر کے تمام راجوں اور سرداروں کے ہوش
اُڑ گئے۔ جو چندا صاحب کے تقرر سے خوش نہ تھے۔ ان ناخوش راجاؤں میں
تنجور کا راجہ بھی تھا۔ جس کے آباواجداد نے سلطنت مغلیہ کی اطاعت اس شرط پر
قبول کی تھی کہ وہ اپنے قدیم رسم و رواج کے موافق اس راج پر حکومت کرینگے
اور بادشاہ کو سالانہ پیشکش ادا کرتے رہیں گے۔ اور جب کبھی کرناٹک کے نواب کو
لڑائی درپیش ہوگی تو اس کی کمک فوج سے کریں گے۔ اس سے پہلے ۱۷۳۶ء میں
جب چندا صاحب ترچناپلی کی حکومت پر مستقل ہوا تھا تو اس نے تنجور کے راجہ سے

بقایاے پیشکش کی نسبت باز پرس کی تھی اور ساتھ ہی اس کے اُس نے لوگوں میں یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ راجہ نے شاہی حکومت کی توہین اور تحقیر کی ہے ان الزامات پر چندا صاحب نے راجہ کے ساتھ لڑائی شروع کی تھی اور اس کے دارالامارت تنجور کا محاصرہ کیا تھا مگر اس میں اس کو کوئی کامیابی نصیب نہ ہوئی تھی۔ اُدھر تنجور کے راجہ اور دوسرے دکن کے راجاؤں نے مرہٹوں سے کرناٹک پر حملہ کرنیکی استدعا کی تھی۔ اور اسی وقت نواب مغفرت مآب نے بھی مرہٹوں کو اس حملہ کی ترغیب وتحریص دلائی تھی۔ آخر کار مرہٹوں کے ہاتھ سے ارکاٹ کے حکمران خاندان کی تباہی ظہور میں آئی تھی۔ اور چندا صاحب مرہٹوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوا تھا۔

فرانسیسیوں کی خاطر و تواضع

مظفر جنگ اور چندا صاحب نے ارکاٹ میں بیٹھکر کرناٹک کے تمام راجاؤں اور سرداروں کو طلب کیا اور ان سے پیشکش ادا کرنے کی استدعا کی اور ان میں سے بعض نے ان کے حکم کی تعمیل بھی کردی جب وہ اپنی حکومت کا سکہ اسطرح سے جا چکے۔ تو پھر وہ اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ ہمراہ لیکر فرانسیسی بٹالین کیساتھ بڑے تزک و احتشام سے پانڈیچری میں داخل ہوے اور مسٹر ڈپلے نے ان کے مراتب کے موافق خاطر و تواضع کی اور انھیں بڑی شان و شوکت سے شہر میں لایا۔ اور قوم فرانس کی عظمت وقعت دکہانیکی غرض سے اس نے فیاضی سیرچشمی اور تزک و احتشام کو خوب ہی دل کھولکر ظاہر کیا۔ اس مدارا کے بعد ان تینوں شخصوں میں آیندہ کارروائی کی نسبت مشورہ ہوا اور چندا صاحب نے ۸۱ گاؤں کی حکومت جو پانڈیچری کے اطراف و جوانب میں تھے۔ مسٹر ڈپلے کے نذر کردی۔ بعد ازاں چندا صاحب

اور مظفر جنگ پانڈیچری سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر بجانب غرب خیمہ زن ہوئے۔

تنجور کا محاصرہ

مسٹر ڈپلے نے ترچناپلی پر حملہ کرنے کی رائے دی اور چندا صاحب پر اس بارہ میں سخت تاکید کی اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ جب تک ترچناپلی فتح نہ کیا جائے گا۔ اُس وقت تک ہمیشہ انورالدین کے خاندان کو کرناٹک کی نوابی پھر حاصل کرنے کا موقع باقی رہیگا۔ چندا صاحب نے بظاہر تو اس دلیل کو تسلیم کیا۔ اور ڈپلے کے خوش کرنے کے لئے اس کارروائی کا وعدہ کر بھی لیا۔ مگر دل میں اس نے اس رائے کے خلاف کارروائی کرنیکا ارادہ کیا۔ اس نے مسٹر ڈپلے سے بڑی احتیاط کیساتھ اس امر کو پوشیدہ رکھا۔ کہ باوجود پیشکش کی بڑی بڑی رقموں کے وصول ہونے کے بھی ایک کثیرالتعداد فوج کی ادائی ماہوار کے لئے کافی خزانہ نہ تھا۔ چندا صاحب نے اس بات کو۔ اس غرض سے چھپایا تھا کہ ڈپلے کی نظر میں اس کی اور مظفر جنگ کی کم وقعتی نہ ہونے پائے۔ اس کے علاوہ اس کو یہ خوف بھی تھا کہ اگر ترچناپلی کے فتح ہونے میں عرصہ گذر لیگا تو فوج ماہوار نہ پانے سے ملازمت سے دست بردار ہوجائیگی۔ اور ترچناپلی کے محاصرہ میں ناکامی ہوگی۔ اِن خیالات کی وجہ سے اس نے پہلے تنجور کے محاصرہ کا ارادہ کیا جو کچھ زیادہ مستحکم اور محفوظ نہ تھا۔ اس محاصرہ سے اس کی غرض صرف یہی تھی کہ راجہ زچ ہوکر ایک بہت بڑی رقم صلح میں نذر کریگا اور اپنے راج کو قائم رکھیگا۔

اس ارادہ کے موافق چندا صاحب اور مظفر جنگ نے تنجور کا محاصرہ شروع کیا ان کی غرض اس محاصرہ سے صرف روپیہ کا وصول کرنا تھا۔ جس سے ان کی فوج کی تنخواہیں ادا ہوں اس لئے انہوں نے پیشکش کی ادائی پر صلح کی کارروائی آغاز کی اور راجہ نے بھی اس شرط کو منظور کر لیا۔ مگر راجہ نے اس

ارادہ سے کہ ادائی رقم میں تاخیر کرنے کے سبب سے غنیم کی مشکلات میں زیادتی پیدا ہوگی۔ اس کی ادائی میں دیر لگانی شروع کی اور چندا صاحب کے پاس ایسا عجز وانکسار کا خط بھیجا جس سے چندا کو اس کی طرف سے ایسا اطمینان ہوا کہ اس نے دسمبر کے وسط تک ایفائے شروط کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اِس اثنار میں راجہ نے محمد علی سے مراسلت کی جو ترچنا پلی میں تھا اور اس کے ذریعہ سے ناصر جنگ کو گولکنڈہ سے بلایا تاکہ وہ اپنے والد بزرگوار کی طرح خود کرناٹک میں پہنچکر یہاں کے معاملات کا تصفیہ کریں۔ اس کے علاوہ اس نے انگریزوں سے بھی اعانت طلب کی جنہوں نے تادمِ مرگ دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی ترغیب دی۔ مگر باوجود اس ترغیب وتحریص کے انگریزی قوم نے اس کی امداد کے لئے صرف بیس یورپین ہی روانہ کئے جو ترچنا پلی سے چلکر رات کو تنجور میں داخل ہوئے۔

مسٹر ڈپلے کو تنجور کے محاصرہ میں عرصہ گذرنے سے سخت اضطراب اور پریشانی لاحق ہوئی۔ اور اس نے متواتر اس مضمون کے خطوط چندا کے پاس روانہ کئے کہ ترچنا پلی کا محاصرہ نہایت ضروری ہے۔ مگر جب اس نے یہ دیکھا کہ اس کی کوئی نصیحت کارگر نہیں ہوئی۔ تو اُس نے اپنی فوج کے کماندار کو جو چندا اور مظفر جنگ کے ہمراہ تھا یہ لکھ بھیجا کہ عہد وپیمان توڑ دئے جائیں اور ان سے اظہار مخالفت کے لئے کوئی ناشایستہ حرکت کی جائے۔ اس اثنار میں چندا صاحب نے اس بات کو ضروری خیال کیا کہ راجہ کو ڈرایا دھمکایا جائے اور اس غرض سے اس نے اپنی تمام فوج شہر پناہ کے دیوار کے قریب چار روز تک صف بستہ کھڑی رکھی مگر اس سے بھی کوئی فائدہ مترتب نہ ہوا۔ آخر کار تنجوریوں نے چندا صاحب کی فوج پر آتشباری شروع کی اور پانچویں دن فرانسیسی بٹالین نے شہر کے بعض بیرونی برجوں کو فتح کر لیا۔ دوسرے دن بہت سویرے راجہ کے

عہدہ دار چندا کے کیمپ میں آئے اور صلح کی بات چیت کی۔ چندا نے اپنے شرائط پیش کئے اور راجہ کو ان شرطا پر غور کرنے کے لئے دو دن کی مہلت دی۔ مگر جب تیسرے دن بھی راجہ کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ تو اس وقت چندا نے فرانسیسی کمنیڈر کو شہر پر گولہ باری کا حکم دیا۔ اس کے حکم کی تعمیل ہوئی اور کئی گولے راجہ کی محلسرا کے قریب جا کر گرے۔ جس سے وہ اس قدر گھبرایا کہ اس نے فوراً اپنے ایلچی چندا کے پاس بھیجدئے اور انہوں نے صلح کی نسبت کارروائی شروع کی اور بغیر کسی تصفیہ کے اس میں تین دن گزار دئے۔ اس کارروائی کو دیکھکر فرانسیسی کمنیڈر کو غصہ آیا جو چندا سے زیادہ راجہ کی اس لیت ولعل سے دق ہوگیا تھا اور اس نے پھر شہر پر گولہ باری شروع کردی۔ مگر اس وقت راجہ کے آدمیوں نے بھی انگریزی سولجروں کی امداد سے اس کی گولہ باری کا جواب دیا اور انہوں نے بھی غنیم کی فوج پر توپیں سرکیں۔ فرانسیسیوں نے اس غیر متوقع مزاحمت کو دیکھکر شہر کے ایک دروازہ پر حملہ کیا اور اس پر قابض ہوگئے مگر درمیان میں ایک بہت بڑی خندق حائل تھی اس لئے انہیں شہر میں داخل ہونا اس وقت متعذر تھا۔ فرانسیسیوں کی اس فتح یابی نے راجہ کے دل میں خوف پیدا کر دیا۔ اور اب وہ واقعی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ شرائط صلح کی طرف متوجہ ہوا اور ۲۱۔ ڈسمبر ۱۷۴۹ئ؁ کو ایک صلحنامہ پر دستخط کئے۔ جس کے رو سے اس نے چندا کو نواب ارکاٹ تسلیم کیا۔ اور ستر لاکھ روپیہ تو چندا کو اور دو لاکھ روپیہ فرانسیسی فوج کو نقد خزانہ سے دینے کا عہد و پیمان کیا۔ علاوہ ازیں راجہ نے ۸۱ گاؤں کی حکومت فرانسیسیوں کے حوالہ کی جو قصبۂ سری کال کے متعلق تھے جہاں کہ انہوں نے اس سے پہلے اپنا قدم جما لیا تھا اور راجہ کی بغیر اجازت ۱۷۳۶ئ؁ میں ایک قلعہ بھی تیار کر لیا تھا۔

ادرکا کی ؟

راجہ نے اس رقم معہود کی پہلی قسط کو بھی اسی لیت ولعل اور امروز فردا کے وعدوں کے بعد ادا کیا جس سے اس نے عہد و پیمان کے تصفیہ میں کام لیا تھا۔ چندا صاحب یہ سمجھتا تھا کہ ایسے معاملات میں ایسی ہی تاخیر اور لیت ولعل کا عام دستور ہے اس لئے اس نے رقم کی ادائی کے انتظار کو اس سے بہتر جانا کہ روپیہ سے دست برداری اختیار کی جائے جس کی ضرورت اس کو اس وقت حد سے زیادہ دامنگیر تھی۔ راجہ سے پہلی قسط کی پوری رقم بھی وصول ہونے نہ پائی تھی کہ مسٹر ڈپلے نے چندا کو یہ خبر بھیجی کہ ناصر جنگ گولکنڈہ سے آرہے ہیں اور اس خبر کیساتھ ہی اس نے چندا کو یہ ہدایت بھی کی کہ تنجور پر فوراً قبضہ کر کے اس کو جائے پناہ قرار دینا چاہیئے۔ ناصر جنگ کے آنے کی خبر سنتے ہی ڈر کے مارے مظفر جنگ کے ہوش اڑ گئے اور انھوں نے اپنی فوج چھوڑ کر پانڈیچری کی طرف رخ کیا۔

ناصر جنگ کو مظفر جنگ کی تجویزوں اور کارروائیوں کا اتنا خوف نہ تھا جتنا کہ اپنے بھائی غازی الدین کے آنے اور صوبہ داری دکن کے لینے کا ڈر تھا۔ اس خوف سے وہ ایک بہت بڑی فوج لیکر دہلی کی طرف بڑھ رہے تھے کہ اتنے میں انہیں آمور کی لڑائی کی خبر ہوئی اور اب ناصر جنگ کے کان کھڑے ہوئے اور کرناٹک کی فتح سے اپنے بھانجے کو بھی خوف کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ اور انہیں بمجبوری دہلی کی طرف بڑھنے کا عزم فسخ کرنا پڑا اور گولکنڈہ میں واپس آکر اپنی فوج کو اور بڑھایا اور دکن کے تمام نوابوں اور راجوں کو امداد کے لئے مراسلات روانہ کئے جن کے ممالک کرشنا کے جنوب میں واقع تھے۔ اور یہ لکھا کہ اپنی اپنی فوجیں لیکر میری ہمراہی کے لئے تیار رہیں اور فوجوں کی تعداد اسی قدر ہو جو معرکہ آرائی کے وقت امداد کے لئے مشروط ہے۔ ناصر جنگ کا یہ خیال تھا کہ جب اُن کا بھانجا ان غیر معمولی تیاریوں کو سنے گا۔ تو خوفزدہ ہوکر

اطاعت قبول کرلیگا۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ اس نے تنجور پر حملہ کر دیا ہے۔ تو وہ فوراً گولکنڈہ سے کرناٹک کی طرف روانہ ہوگئے۔ اثنائے راہ میں جو فوجیں انہوں نے طلب کی تھیں وہ منزل بمنزل ان کے ساتھ ہوتی گئیں۔ انہوں نے مرہٹوں کے دس ہزار آدمی کرائے سے لئے تھے جنمیں سے بعض کا کمینڈر مورار راؤ تھا۔ یہ مرہٹی فوج سب سے پہلے روانہ کی گئی تھی۔ اور وسط فروری میں دریائے کلورن کے کنارے پہنچی تھی جو ملک کرناٹک کی جنوبی حد تھا۔ چلمبر کے مندر کے قریب مرہٹوں کو مظفر جنگ کی فوج ملی جو تنجور سے واپس آرہی تھی۔ مگر وہ ایسی کثیر التعداد نہ تھی جو مرہٹوں کا جم کر مقابلہ کرتی۔ اس لئے مرہٹوں نے اس کی راہزنی کی اور اپنے دزدانہ حملوں سے منتشر کر دیا۔ اگرچہ فرانسیسی توپوں نے اکثر مرہٹوں کے منہ پھیر دئے تاہم وہ مظفر جنگ کی فوج کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ولنور تک چلے گئے۔

مظفر جنگ اور چندا صاحب دونوں مسٹر ڈپلے سے مشورہ کرنیکے لئے پانڈیچری پہنچے اس وقت ڈپلے نے چندا کو اس کی بات کے نہ سننے اور ترچناپلی پر حملہ نہ کرنے اور تنجور پر قابض ہونے پر سخت ملامت کی۔ مگر اب بحث و تکرار کا موقع باقی نہ رہا تھا۔ اس لئے چندا نے اپنے قصور کا اعتراف اور روپیہ کی کمی کا عذر کیا اور یہ بھی کہا کہ جو کچھ تنجور کے راجہ سے وصول ہوا تھا وہ بھی فوج کی تنخواہوں میں خرچ ہوا ہے اور اس پر بھی اس قدر تنخواہ کی رقم واجب الادا ہے کہ جس کے ادا نہ ہونے پر ہر روز یہ اندیشہ ہے کہ سپاہی یا تو عذر کرینگے یا ناصر جنگ کی طرف چلے جائینگے۔ چندا صاحب کی سخاوت و اسراف کا حال بخوبی معلوم تھا اس لئے مسٹر ڈپلے کو اس کے بیان کی تصدیق ہوئی اور اسکی امداد سے کنارہ کشی نہ کی۔ اور اپنے حوصلے نکالنے کے لئے جس کی کارروائی وہ آغاز کر چکا تھا اس نے بغیر کسی پس و پیش کے فرانسیسی کمپنی کا خزانہ لیکے اپنے

مظفر جنگ اور چندا کا پانڈیچری میں پھر آنا۔

دوستوں کی امداد میں صرف کرنا شروع کر دیا۔ ۱۷۵۰ء میں مسٹر ڈپلے نے پچاس ہزار پونڈ مظفر جنگ اور چند اصاحب کو قرض دئے۔ اور اور رقم دینے کا وعدہ کیا۔ اسوقت رقم کے وصول ہونے سے ایک گونہ مظفر جنگ کی فوج کو تسکین ہوئی۔ اس رقمی معاونت کے علاوہ مسٹر ڈپلے نے فرانسیسی فوج میں اضافہ کیا۔ اور دو ہزار یوروپین سپاہیوں کی ایک فوج بسر کردگی مسٹر ڈاٹیل مظفر جنگ کے ساتھ کی۔ ویلنور کے مقام پر یہ فرانسیسی سپاہ مظفر جنگ کی فوج سے آکر ملی۔

کرناٹک میں پہنچکر ناصر جنگ نے بھی محمدؐ علی اور اس کی فوج کو ترچناپلی سے طلب کیا انگریزوں طلب اور فورٹ سینٹ ڈیوڈ کے گورنر کو یوروپین فوج کے بھیجنے کا مطالبہ کیا اور اپنی تمام فوجوں کو جنجی میں اکھٹا کیا۔ جس کا قلعہ پانڈیچری کی سمت شمالی غربی میں ۳۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس مقام پر ناصر جنگ کی فوجیں آنا شروع ہوئیں اور وسط مارچ میں خود ناصر جنگ بھی اپنی خاص فوج میں آکر شریک ہو گئے۔ اس وقت ناصر جنگ کی فوج میں تین لاکھ لڑنے والے آدمی تھے۔ جس میں سے تقریباً ڈیڑھ لاکھ سوار تھے ان کے علاوہ آٹھ سو توپیں اور ایکہزار تین سو ہاتھی بھی تھے۔ اس کثیر التعداد فوج کے ماسوا جاگیرات اور ماتحت راجاؤں کی فوجیں بھی تھیں۔ جب انگریزوں نے اس قدر کثیر التعداد فوج کو ملاحظہ کیا تو اس وقت انہیں یقین کامل ہو گیا کہ ناصر جنگ ہی اصلی صوبہ دار دکن ہیں اور اس یقین کے بعد انگریزوں نے اپنی ترچناپلی کی فوج کو محمدؐ علی کے ساتھ جانیکا حکم دیا۔ جو چھ ہزار سوار لیکر بمقام ویلڈور ناصر جنگ کے لشکر میں داخل ہوا جو پانڈیچری سے ۱۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ادھر میجر لارنس بھی چھ سو یوروپین سپاہ کو ہمراہ لیکر فورٹ سینٹ ڈیوڈ سے روانہ ہوا اور چند روز کے بعد بتاریخ ۲۲۔ مارچ ۱۷۵۰ء نواب ناصر جنگ کے کیمپ میں حاضر ہو گیا۔ اس وقت دونوں طرف کی فوجیں جنگ پر آمادہ تھیں۔

میجر لارنس کیساتھ کونسل کا ایک ممبر اور ایک فوجی افسر کپتان ڈائٹن تھا جنھیں کمپنی کی طرف سے یہ اقتدار دیا گیا تھا کہ وہ میجر کے ساتھ شریک ہوکر اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوائد مدنظر رکھکر ناصر جنگ کے معاملہ میں باہم مشورہ کریں اور انہیں تینوں کی رائے سے ہر ایک کارروائی کی جائے۔ اس ڈپوٹیشن کے ساتھ جسمیں یہ تینوں انگریزی افسر شریک تھے نواب ناصر جنگ بہت خُلق سے پیش آئے۔ اور ایشیائی مذاق کی خاطر و مدارات کی نظر سے نواب نے میجر لارنس کو اپنی تمام فوج کی افسری کرنیکی خواہش ظاہر کی اور غنیم پر فوری حملہ کا حکم دیا۔ میجر نے کہا کہ فرانسیسی فوج بہت اچھے موقع پر ہے۔ اور اس کی کمک کے لئے ایک بہت بڑا توپخانہ موجود ہے۔ اسلئے اگر ساتھ ہی حملہ کیا جائے گا۔ تو بہت سے بہادر سپاہیوں کے مارے جانیکا اندیشہ ہے۔ بہتر ہے کہ آپ اپنی فوج کو یہاں سے ہٹا کر غنیم کی فوج کے اور پانڈیچری کے درمیان صف آرائی کریں۔ تاکہ دشمن کی فوج کا تعلق ادھر سے منقطع ہو جائے اس تدبیر سے اس کو لڑائی میں ضرور ناکامی ہوگی "۔ اس رائے کو سنکر نواب نے کہا کہ کیا! یہ رفیع الشان ناصر جنگ نظام الملک کا بیٹا اپنے فائدہ کی غرض سے یہ بیعزتی گوارا کریگا کہ ایسی حقیر فوج کے سامنے سے بھاگے ہرگز نہیں۔ میں تو سامنے ہی سے دشمن پر حملہ کرونگا "۔ میجر لارنس نے کہا کہ " جیسی آپ کی خوشی ہو کیجئے۔ ہم آپکی امداد کے لئے موجود ہیں "۔ مگر دونوں طرف کی فوجیں باہم بہت ہی قریب تھیں اس لئے لڑائی کا آغاز لازمی معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت فرانسیسی فوج میں سخت انتشار اور پریشانی پیدا ہوگئی تھی۔ اس لئے اگر ناصر جنگ کی رائے کے موافق حملہ کیا جاتا تو ضرور اس میں کامیابی ہوتی۔

ادھر تو میجر لارنس اور نواب ناصر جنگ کے باہم یہ گفتگو ہو رہی تھی اور ادھر مظفر جنگ کی طرف فرانسیسی فوج میں بغاوت کے آثار نمایاں تھے۔ اس مجمل کی

تفصیل یہ ہے کہ جو فرانسیسی افسر تنجور کے محاصرہ میں شریک تھے انہوں نے پہلی قسط کی رقم سے جو راجہ کے پاس سے وصول ہوئی تھی اپنی مشروط رقم اور اپنا حصہ وُہرا لیا تھا اور جب وہ پانڈیچری واپس گئے تھے تو انمیں سے بہتوں نے رخصت لیکر لڑائی سے کنارہ کشی اختیار کی تھی۔ جو افسر اور سپاہی ان رخصت یافتہ آدمیوں کی جگہ مقرر کئے گئے تھے انہوں نے عین آغاز جنگ کے وقت یہ عذر پیش کیا کہ "دوسروں نے تو خوب رقمیں لیکر لطف اٹھائے اور جان کے خطرے سے بچے اور ہم بغیر کسی منفعت اور امید کے ذبح ہونے کے لئے میدان جنگ میں بھیجے گئے جبتک ہمیں بھی انہیں کی طرح روپیہ نہ دیا جائے گا ہم بھی نہ لڑینگے" مسٹر ڈپلے نے ان باغی سپاہیوں کیساتھ سختی سے پیش آنا چاہا۔ مگر ایک سپاہی کے گرفتار ہوتے ہی سبھوں نے ہتیار ڈالدئے۔ باغیوں کی تعداد تھی زیادہ اور وقت تھا نازک۔ اسلئے ان کو سزا دینے سے چشم پوشی کی گئی۔ مگر بغاوت کا اثر ساری فرانسیسی فوج میں پھیل گیا سپاہیوں نے نافرمانی اور اپنے فرائض سے بے پروائی شروع کی

اس وقت جبکہ میجر لارنس نواب ناصر جنگ کے لشکر میں داخل ہوے تھے آغاز جنگ فرانسیسی فوج میں جو مظفر جنگ کی طرف تھی یہ باغیانہ خیالات پھیلے ہوے تھے۔ دوسرے روز دونوں طرف صف آرائی ہوئی اور گولے چلنے لگے۔ مسٹر ڈاٹیل کو اپنی فوج پر بھروسہ نہ تھا۔ اور اس کو انگریزوں کے حملے اور ان کے نتائج کا خوف بھی لگا ہوا تھا۔ ان باتوں کو سوچکر اس نے میجر لارنس کو خفیہ یہ پیام بھیجا کہ اگرچہ دونوں یوروپین قومیں اپنے اپنے منافع کے لئے دو شاہزادوں کی امداد پر تلی ہیں۔ تاہم یہ مناسب نہیں کہ یوروپین خون بہایا جائے۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ ناصر جنگ کی فوج میں کس مقام پر انگریزی فوج متعین ہے۔ اس لئے اگر فرانسیسی توپ کا کوئی گولہ ادھر آئے۔ تو میں معاف رکھا جاؤں" اس پیام کا جواب میجر لارنس نے

یہ دیا کہ انگریزی توپخانہ پر انگریزی باؤٹا بلند رہیگا۔ اگر آپ ذرا توجہ سے دیکھینگے تو آپ کو فوراً معلوم ہوجائیگا کہ انگریزی فوج کہاں متعین ہے۔ مجھے بھی ہرگز یوروپین کا قتل و خون منظور نہیں لیکن آپ کی جانب سے کوئی گولہ آئیگا۔ تو اس کا جواب ضرور دیا جائیگا۔ اس پیام و جواب سے بخوبی ظاہر ہے کہ ہندوستان میں ان دونوں یوروپین قوموں کے پولٹیکل مقاصد کیا تھے ہیں زیادہ توضیح کرنیکی ضرورت نہیں۔ ناظرین اس کو خود غور فرماسکتے ہیں۔

فرانسیسیوں کی علیحدگی

باغی فرانسیسی افسروں نے ترغیب و تحریص جنگ کے عوض سپاہیوں کے دل غنیم کی کثرت فوج کے مبالغہ آمیز باتوں سے توڑدئے۔ فرانسیسی توپخانہ نے گولہ باری تو کی۔ مگر اس سے ناصر جنگ کی فوج کو زیادہ نقصان نہ ہوا اور آخرکار شام تک یہ گولہ باری بھی موقوف ہوگئی اور رات ہوتے ہی تیرہ فرانسیسی افسر مسٹر ڈاٹیل کے پاس بالاتفاق جمع ہوکر آئے اور انہوں نے استعفا یا کمیشن دیکر فوراً کیمپ سے علیحدگی اختیار کی۔ اس شرمناک علیحدگی سے مظفر جنگ کی تمام فوج میں خوف و ہراس پیدا ہوگیا۔ کیونکہ سپاہ نے اس علیحدگی کا سبب یہ خیال کیا تھا کہ فرانسیسی افسر دشمن کی فوج سے خوف کھاکر نوکری سے دست بردار ہوے ہیں جب مسٹر ڈاٹیل فرانسیسی کمینڈر نے یہ کارروائی دیکھی اور اس کے نتائج پر غور کیا۔ تو اس کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر اب میدان جنگ میں فرانسیسی فوج لڑائی جائے گی۔ تو سخت نقصان ہوگا۔ اس خیال سے وہ اپنی تمام فوج مظفر جنگ کے کیمپ سے لیکر پانڈیچری کی طرف چلتا ہوا۔ مظفر جنگ اور چندا صاحب اگرچہ فرانسیسیوں کی اس بغاوت سے مطلع تھے۔ مگر انہیں یہ توقع نہ تھی کہ عین معرکۂ جنگ کے وقت فرانسیسی فوج ساتھ چھوڑ دیگی۔ مظفر جنگ اور چندا نے جب یہ دیکھا کہ مسٹر ڈاٹیل سمجھانے بجھانے ترغیب و تحریص سے کسی طرح نہیں رکتا

تو اس وقت وہ حیرت زدہ ہو کر نہایت ہی مضطرب ہوے۔ اور اُن کے ہوش و حواس جاتے رہے۔

گولہ باری سے کئی دن پہلے سے جانبین میں نامہ و پیام کا سلسلہ جاری تھا۔ صلح کی کار اور شرائط صلح پیش کئے جا رہے تھے۔ اور ناصر جنگ کی طرف کے بعض افسروں نے مظفر جنگ کو اس بات کا یقین دلایا تھا کہ "اگر تم اطاعت قبول کر لوگے تو ہم تمہاری جان و مال کے ذمہ دار ہیں۔ اور جو شرائط صلح تمہارے ساتھ ہونگے اُن کی تعمیل کا ذمہ بھی ہماری طرف ہے"۔ پہلے مظفر جنگ کو مسٹر ڈیلے اور فرانسیسی فوج پر بھروسہ تھا۔ اس لئے وہ صلح کرنے اور ہتیار ڈالدینے سے باز رہے۔ مگر اب جبکہ فرانسیسی فوج مظفر جنگ سے علحدہ ہو کر پانڈیچری روانہ ہو گئی تو بجز صلح کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ یہ معلوم ہی ہو چکا تھا کہ فرانسیسیوں کی علحدگی سے تمام فوج کا دل ٹوٹ گیا ہے اور ایک ہی دو دن میں ساری فوج یا تو فرار ہو جائیگی یا نواب ناصر جنگ کی طرف چلی جائیگی۔ چندا صاحب کو ناصر جنگ کا بڑا خوف تھا اس لئے اُس نے اس وقت فرانسیسی فوج کیساتھ پانڈیچری جانا مناسب خیال کیا۔ مگر مظفر جنگ کو جانے میں پس و پیش تھا۔ ان کے خاص مصاحبوں نے ان کو ثابت قدم رہنے کی رائے دی اور یہہ سمجھایا کہ صوبہ داری کی مسند پر بیٹھکر پھر لڑائی سے منہ پھیرنا حمیت اور جوانمردی کے خلاف ہے۔ الغرض مظفر جنگ نے چندا صاحب کیساتھ جانے سے صاف انکار کیا اور ناصر جنگ کی طرف سے جو شرائط صلح عہد و پیمان پیش کئے گئے تھے ان پر پورا بھروسہ کیا اور صلح کی کارروائی ختم کر دینے کے لئے اپنے ایلچی بھیجے۔ اور اطاعت کا ارادہ ظاہر کر دیا اور وہ دونو یار غار یعنے مظفر جنگ اور چندا صاحب ایک دوسرے سے رخصت ہوے۔ اور باہم گلے ملے۔ اور اپنے دلی محبتوں کا اقرار کیا جسمیں مصلحت سے علحدگی ذرا بھی

خلل پیدا نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ یہ دوستی سچی تھی اور ان دونوں کو پھر کسی موقع پر ملنے کی امید تھی۔ آدھی رات کے وقت فرانسیسی فوج نے نہایت ہی خفیہ طور سے کوچ کیا۔ جس کے بعض اسکاڈرن پر چند اصاحب حکمران تھا۔ مگر پھر بھی ایسا انتشار تھا کہ گیارہ توپیں اور چالیس گولہ انداز پیچھے رہ گئے۔ ادھر اسی وقت مظفر جنگ کے ایلچی شاہ نواز خاں کے خیمہ میں پہنچے جس نے انہیں فوراً ناصر جنگ کے سامنے پیش کر دیا۔ اس کارروائی کو دیکھکر ناصر جنگ اس خیال سے کہ میرا بھانجا میرے قابو میں آگیا اپنے جامہ میں پھولے نہ سمائے۔ اور انہیں اس وقت انتہا درجہ کی مسرت ہوئی انہوں نے جوش مسرت میں بغیر کسی خوف اور پس وپیش کے قرآن مجید پر ہاتھ رکھکر یہ حلف کر لیا کہ "میں نہ تو مظفر جنگ کو قید کرونگا اور نہ ان کو اس حکومت سے معزول کرونگا جس پر وہ اپنے نانا کے وقت سے متعین ہیں۔"

مظفر جنگ کی گرفتاری

جب مظفر جنگ کے ایلچی واپس آئے اور انہوں نے اس موکد عہد وپیمان کی اطلاع دی تو اس وقت فوراً مظفر جنگ اپنے ماموں کی ملاقات کے لئے اپنے لشکر سے روانہ ہوگئے۔ مگر ناصر جنگ کے خیمہ کے قریب پہنچتے ہی وہ گرفتار کر لئے گئے اور ایک سخت پہرہ کی حراست میں ایک قریب کے خیمہ میں بھیجدئے گئے جہاں ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالدی گئیں جیسے ہی مظفر جنگ کے قید کی کارروائی ختم ہوئی فوراً یہ حکم دیا گیا کہ ان کے لشکر پر حملہ کیا جائے۔ مظفر جنگ کی فوج نے اس حملہ کی کچھ خفیف سی مزاحمت کی۔ اور جب وہ بھاگی اور اس کا تعاقب کیا گیا۔ تو بہت سے آدمی مظفر جنگ کے لشکر کے مارے گئے۔ کیونکہ ناصر جنگ کی فوج نے انہیں بچ کر نکلجانے کا کوئی موقع نہیں دیا تھا۔ اسی اثنا میں ناصر جنگ کے سواروں کی ایک جماعت اور فرانسیسی گولہ اندازوں کے مابین مڈبھیڑ ہوگئی فرانسیسی بہت سے مارے گئے۔ اگر اس وقت انگریز اپنے قومی

بھائیوں یعنی فرانسیسی گولہ اندازوں کو نہ بچاتے تو وہ سب کے سب ناصر جنگ کے سواروں کے ہاتھ سے نیست و نابود ہو جاتے ادھر مورارا ؤ مرہٹہ بھی فرانسیسی فوج کے تعاقب میں برابر چلا جا رہا تھا۔ اور جب وہ اپنے علاقہ کی سرحد کے قریب پہنچے تو مرہٹوں نے انہیں آدبایا اور لڑائی شروع ہوئی۔ اسوقت مسٹر ڈاٹیل نے اپنے سپاہیوں کا ایک مربع قائم کیا جس پر صرف پندرہ آدمیوں سے مورارا ؤ نے حملہ کیا اور اس کو مکڑی کے جالہ کی طرح توڑ دیا۔ یہ بہادرانہ جراوت مورارا ؤ نے اس امید سے کی تھی کہ اس کے اور آدمی بھی اُس کے پیچھے حملہ آور ہونگے۔ مگر جب اس نے اپنے آپکو غنیم کے مربع میں محصور پایا۔ تو اس نے پھر اُس خط سے نکلنے کی کوشش کی اور وہ چھ آدمیوں کیساتھ مربع کی محاذی طرف کو توڑ کر باہر نکل آیا۔ لیکن اس دوسرے حملہ میں اس کے نو آدمی مارے گئے۔ پھر بھی مرہٹوں نے فرانسیسیوں کے تعاقب کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ فرانسیسی اپنی سرحد میں داخل نہ ہوگئے۔ اس تعاقب میں مرہٹوں نے ۱۹ یورپین کو قتل کیا۔ اگر اس وقت چندا صاحب کے سواران مرہٹوں کا سختی سے مقابلہ نہ کرتے اور وہ اپنی شجاعت قومی اور ثابت قدمی کے جوہر نہ دکھاتے تو اس سے زیادہ یورپین مارے جاتے

اِن اتفاقی واقعات نے چندا صاحب اور مظفر جنگ کی فوجوں کو توڑ دیا۔ جس سے یقین کامل ہوگیا کہ اب ناصر جنگ ہی بغیر کسی مزاحمت کے ملک دکن کے مالک ہیں۔ مگر اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ دورباریوں میں اتنے بڑے ملک کے انتظام کی قابلیت نہ تھی۔ جس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے لوگوں میں خفیہ بغاوت کی کارروائی شروع ہوئی۔ اُس وقت نواب ناصر جنگ کی فوج میں جو راجے اور نواب کمک کے لئے موجود تھے ان سب میں کرپہ اور کرنول

اور شاہ نور کے نواب زیادہ زور دار تھے اور یہ تینوں قوم کے پٹھان اور جاہل تھے۔ ان نوابوں نے ناصر جنگ کا ساتھ اس امید میں دیا تھا کہ انکے ملک میں اضافہ ہوگا۔ اور پیشکش کی جو رقمیں ان کے ذمہ باقی ہیں۔ وہ معاف کر دی جائیں گی۔ مگر ناصر جنگ نے ان خواہشوں پر کوئی توجہ نہیں کی اور ان کی امداد کو ان کا ایک فرض منصبی خیال کیا جس کا بجا لانا ان کے لئے ضروری تھا۔ دوسرے لشکر شاہی میں شریک ہو جانے کے سوا ان پٹھانوں نے کوئی بہادری اور جراءت کا کام بھی اس وقت تک نہیں کیا تھا۔ جب ان دغاباز پٹھانوں نے ناصر جنگ کا ساتھ دینے میں اپنا کوئی فائدہ نہ دیکھا تو وہ ان کی طرف سے مایوس ہو گئے اور آخر کار اس جنگی کارروائی کو ختم کرنے کا ارادہ انہوں نے اپنے دل میں ٹھانا جس سے وہ دل برداشتہ ہو گئے تھے۔ کیونکہ انہیں لوگوں نے مظفر جنگ کو سمجھا بجھا کر ناصر جنگ کی اطاعت پر آمادہ کیا تھا۔ جس کا صلہ وہ ناصر جنگ سے چاہتے تھے۔ چونکہ ناصر جنگ اور مظفر جنگ کے مابین صلح کی کارروائی عمل میں آئی تھی ان کے بانی مبانی یہی پٹھان۔ شاہ نواز خاں وزیر دکن اور کئی طرفین کے مصاحب اور اہل دربار تھے۔ اور ناصر جنگ نے ان درمیانی اشخاص سے قرآن پر یہ حلف کیا تھا۔ کہ میں مظفر جنگ کے ساتھ ایسی بدسلوکی سے پیش نہ آؤنگا۔ مگر جب مظفر جنگ آئے تو ساری قسمیں اور حلف توڑ ڈالے گئے۔ اور ان کے پاؤں میں فوراً بیڑیاں ڈالدی گئیں۔ اِس لئے یہ سب بیچ میں پڑنے والے لوگ ناصر جنگ سے دلوں میں سخت رنجیدہ ہوئے۔ وزیر نے تو ناصر جنگ سے تہذیب اور شائستگی کے پہلو سے اس بدعہدی کے بُرے نتایج کو جتایا۔ مگر ان پٹھانوں نے علانیہ بلند آواز سے ناصر جنگ کی اس بیوفائی کی شکایت کی

اور اسی وقت سے وہ ناصر جنگ کے قتل کے پہلو سوچنے اور اس بارہ میں باہم مشورہ کرنے لگے۔

فرانسیسیوں کی کارروائیاں

ادھر تو نواب ناصر جنگ کے امیروں میں اُن کی بدعہدی کی وجہ سے جو اُن سے باوجود حلف قرآنی کے مظفر جنگ کے ساتھ ظہور میں آئی تھی بددلی پھیل رہی تھی اور اُدھر پانڈیچری میں فرانسیسی فوج کے بھاگ آنے۔ مظفر جنگ کے قید ہو جانے اور ان کی فوج کے ٹوٹ جانے سے بہت ہی بڑی کھلبلی پڑی ہوئی تھی۔ اس ہل چل اور انتشار میں مسٹر ڈپلے جس کو اپنے نفس پر پوری حکومت حاصل تھی اور جس کے دل پر سب سے زیادہ ان خرابیوں کا اثر تھا اپنے اندرونی جذبات اور رنج والم کو بڑی جوانمردی سے ضبط کر رہا تھا اور لوگوں کو اپنی پوری طمانیت اور دلجمعی دکھا رہا تھا اس نے اُس فرار شدہ فوج کو شہر کے باہر ٹھیرنے کا حکم دیا۔ اور فراری افسروں کی جگہ دوسرے کمنیڈروں کو متعین کیا باغی سپاہیوں کو گرفتار کر کے مسٹر ڈاٹیل کمینڈر پر یہ الزام قائم کیا کہ وہ بغیر حکم میدان جنگ سے چلا آیا۔ اور بغرض سزا اس کو کورٹ مارشل کے سپرد کر دیا۔ اور پھر اپنی ثابت قدمی اور اولوالعزمی سے ازسرنو فوج کا انتظام شروع کیا۔ اور اس کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ یورپین سپاہیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت جنکی امداد کے لئے دیسی فوج موجود نہ ہو کبھی ناصر جنگ کی ایک بہت بڑی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے جن کے ساتھ انگریزوں کی ایک بٹالین بھی موجود تھی مگر اس کو ہندوستان کے درباروں کی کیفیت اور دیسی نوابوں اور راجاؤں کے مزاج اور چال چلن اور اخلاق سے پوری واقفیت تھی۔ اس لئے کسی ایسی تدبیر اور سازش کے سوچ لینے میں کوئی دقت نہ تھی جس سے مظفر جنگ اور چندا صاحب کے بگڑے ہوئے معاملات پھر درست ہو سکیں اور فرانسیسی

قوم کا سکہ ہندوستان میں بیٹھے۔ الغرض اِن ذاتی معلومات کی مدد سے اوس نے ایک نہایت گہری سیاسی چال سوچی اور نہایت سہولت اور چالاکی سے اسکو وہ عمل میں بھی لایا۔ پہلے تو اُس نے مہلت ملنے اور ناصر جنگ کے دربار اور مصاحبوں کے مزید حالات دریافت کرنیکی غرض سے ناصر جنگ کے ساتھ صلح کی خط وکتابت شروع کی اور انہیں ایک مراسلہ بھیجا جس میں اِن دو شرطوں پر صلح کا پیام تھا کہ مظفر جنگ اپنی صوبہ داری بیجاپور پر بدستور بحال رکھے جائیں۔ اور چندا صاحب کو کرناٹک کی نوابی دیجائے۔ ناصر جنگ نے اس درخواست کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مسٹر ڈپلے کو نواب کی اس بے پروائی اور غفلت سے مراسلات کا سلسلہ جاری رکھنے اور اپنے ایلچیوں کے ذریعہ سے دربار کے حالات دریافت کرنیکے لئے اچھا موقع ملا۔ اُس نے نواب کو یہ یقین دلایا کہ فرانسیسی فوج میدان جنگ سے از خود نہیں بھاگی بلکہ اُس کو بھاگنے کا حکم اس غرض سے دیا گیا تھا کہ طرفین کے آدمیوں کی خونریزی واقع نہ ہو۔ اور صلح میں جلدی کرنیکا موقع ملے۔ اور ساتھ اُس کے نواب پر یہ ثابت بھی کر دیا کہ عوام میں جو خبر فرانسیسیوں کے بھاگنے کی مشہور ہے وہ غلط ہے بلکہ فرانسیسی فوج نے واپسی کے وقت ناصر جنگ کے بہت سے سپاہیوں کو ہلاک کیا۔ حالانکہ ڈپلے کا یہ بیان کسی طرح صحیح نہ تھا۔ مگر اس نے مصلحت سے اس وقت نواب کے مقتولین کی تعداد میں دروغ سے یقیناً کام لیا جو مصلحت ملکی کے لئے ہر قوم میں جائز سمجھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ڈپلے نے ناصر جنگ کو اس خاطر و تواضع کی یاد دلائی جو انکی ہمشیرہ یعنے والدہ مظفر جنگ کے ساتھ اُس وقت عمل میں آئی تھی جبکہ وہ پانڈیچری میں تشریف فرما ہوئی تھیں۔ اِن تمام واقعات کو تفصیل وار پیش کرکے مسٹر ڈپلے نے ناصر جنگ سے مظفر جنگ کے ساتھ رحم و کرم کا برتاؤ کرنیکی

سفارش کی اور اپنے ایلچیوں کو بھیجنے کی درخواست کی جو حقیقت میں دربار کے حالات دریافت کرنے اور نواب کے قتل کی سازش پیدا کرنیکے لئے موضوع خیال کئے گئے تھے۔

ڈوپلے کے ایلچی کا آنا۔

نواب ناصر جنگ بہادر نے ایلچیوں کے بھیجنے کی درخواست کو منظور کر لیا اور پانڈیچری کی کونسل کے دو ممبران کی خدمت میں روانہ کر دیئے گئے دربار میں باریاب ہونیکے بعد وہ وزیر یا دیوان کے پاس اپنی تجویزوں کو پیش کرنے اور ان پر بحث و مباحثہ کرنیکے لئے بھیجے گئے۔ اور انہوں نے یہ دو آخری درخواستیں پیش کیں کہ اول تو مظفر جنگ اور ناصر جنگ میں جو باہمی کدورت ہے اس کے دفع ہونے تک مظفر جنگ کی جاگیرات ان کے بیٹے کے قبضہ میں دے دئے جائیں۔ دوم چندا صاحب کرناٹک کا صوبہ دار یا نواب مقرر کر دیا جائے اہل دربار اور عہدہ داران صاحب اقتدار اگرچہ مظفر جنگ کے خیر خواہ تھے اور سب ان کے ساتھ عمدہ سلوک کو پسند کرتے تھے۔ تاہم جو سفارشیں یا درخواستیں مسٹر ڈوپلے نے ان کی نسبت پیش کی تھیں۔ انہیں وہ ناصر جنگ کے ملاحظہ میں لانیکی جرائت نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے فرانسیسی ایلچیوں سے صاف یہ کہہ دیا کہ چونکہ محمد علی پسر انور الدین خاں کرناٹک کی نوابی پر مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس لئے چندا صاحب کی نسبت تو کوئی سفارش منظور ہونیکی امید بھی نہیں ہوسکتی ہے

آخر کار آٹھ دن قیام کر کے فرانسیسی ایلچی واپس گئے۔ اگرچہ بظاہر یہ ایلچی اپنے مقاصد میں ناکام رہے۔ مگر درحقیقت ان کے آنے کا جو مقصود تھا وہ پورے طور سے حاصل ہوا یعنے انہوں نے ناصر جنگ کے دربار کے پورے حالات دریافت کر لئے۔ اور کڑپہ۔ کرنول اور سوانور کے نوابوں کے ساتھ باہم مراسلات کے ذرائع قائم کر دئے جو ناصر جنگ کے جانی دشمن ہو گئے تھے

اِس خفیہ کارروائی کی نسبت لوگوں کو کچھ شبہ پیدا ہوا اور میجر لارنس کو یہ خبر ملی کہ ناصر جنگ کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔ جسمیں شاہ نواز خاں دیوان خصوصیت کے ساتھ کارپرداز ہے۔ اس خبر کا آخری حصہ تو صحیح نہ تھا اور پہلے کی نسبت بھی ثبوت موجود نہ تھا اس پر بھی میجر لارنس نے ہمت کر کے ملاقات کے وقت ناصر جنگ سے اس سازش کی نسبت جو کچھ انہوں نے سنا تھا۔ اس کے ظاہر کردینے کی کوشش کی۔ مگر مترجم کو ان کے بیان کے ترجمہ کرنیکی جرأت نہ پڑی جس سے اس کو اپنی جان کا خطرہ تھا۔ اس لئے اُس نے غلط بیانی سے کام لیا۔ اور میجر کے بیان کو الٹا کردیا میجر کو بجز اس کے اور کوئی دوسرا ذریعہ ناصر جنگ کو اس سازش سے مطلع کرنیکا نظر نہ آیا۔ کیونکہ براہ راست نہ تو کوئی خط ان کے پاس پہنچ سکتا تھا اور نہ کوئی شخص بغیر موجودگی دیوان یا خانگی ملازموں کے جو دیوان کے متوسل اور مطیع ہوا کرتے ہیں اُن سے تنہائی میں ملسکتا تھا۔ واقعی یہ دونوں دستور دیسی ریاستوں میں جواب تک کسی قدر قائم ہیں خلاف مصلحت ملکی ہیں جن سے نوابوں راجاؤں کو ملک کے اصلی حالات سے کماحقہ آگاہی ہونے نہیں پاتی وہ سخت تاریکی کی حالت میں رکھے جاتے ہیں۔

فرانسیسیوں کی پھر جنگی تیاریاں اور حملہ۔

جب فرانسیسی ایلچی ناصر جنگ کے کیمپ سے پانڈیچری میں آگئے۔ اسوقت چند اصاحب نے فوج میں نئی بھرتی شروع کی اور مسٹر ڈوپلے کو یہ بات ضروری معلوم ہوئی کہ پھر لڑائی کے ذریعہ سے دکن میں فرانیسی وقعت وعزت لوگوں کی نظروں میں قائم کیجائے۔ اور اُن اشخاص پر جنہیں اس نے ناصر جنگ کے کیمپ میں اپنی طرف ملایا تھا یہ امر بخوبی ثابت کردیا جائے کہ فرانیسی گورنر جنگ بدستور سابق قائم رکھنے کے لئے بالکل تیار ہے۔ اس ارادہ کے موافق مسٹر ڈاٹیل پھر فرانسیسی فوج کا کمینڈر مقرر کیا گیا اور اُس نے ناصر جنگ کے لشکر پر دھاوا بولدیا

اور صبح ہونیکے پہلے ہی ناگہانی طور سے فرانسیسی فوج ناصر جنگ کے کمپ کے بعض حصہ پر حملہ آور ہوئی۔ اس وقت شاہی فوج ایک میل کے طول میں خیمہ زن تھی اور ہندوستان کے رواج کے موافق سپاہیوں نے شام کو خوب پیٹ بھر کھانا کھایا تھا اور وہ غافل پڑے سو رہے تھے۔ ایسی غفلت میں ایک قواعد داں چھوٹی سی جماعت بہت بڑی فوج میں سخت انتشار پیدا کرسکتی ہے۔ اسی اصول کے موافق فرانسیسیوں نے بھی رات کے وقت سے فائدہ اٹھایا اور ناصر جنگ کی غافل فوج کو منتشر کردیا اور بھاگتے ہوؤں کو تہ تیغ بیدریغ کیا۔

انگریزوں کا ناصر جنگ سے کچھ حصہ ملک کا طلب کرنا

ادھر تو فرانسیسی چندا صاحب اور مظفر جنگ کی امداد کے لئے ان کارروائیوں میں مشغول تھے۔ اور ان کی اعانت کے لئے اپنی کمپنی تک کا سرمایہ صرف کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ چندا صاحب دو دفعہ مسٹر ڈوپلے کی رائے کو نہ ماننے سے زک اٹھا چکا تھا۔ اور مظفر جنگ قید ہو چکے تھے۔ اور ادھر مسٹر لارنس اپنی پلٹن لئے ہوئے ناصر جنگ کے لشکر میں موجود تھے اور نواب ناصر جنگ سے عطیات ملک کی منظوری کے متقاضی تھے جس کے دینے کا وعدہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے محمد علی نواب ارکاٹ کرچکا تھا۔ مسٹر لارنس اور ان کے مشیروں کی فرمائش یہ تھی کہ انہیں مدراس کے قریب کوئی علاقہ امداد فوجی کے عوض دیا جائے حالانکہ اس لڑائی میں جو مظفر جنگ اور ناصر جنگ کے مابین ہوئی کوئی زیادہ کشت و خون نہیں ہوا تھا اور واقعات اتفاقی ہی نے باہمی جنگ و جدال کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اس پر بھی ناصر جنگ نے مسٹر لارنس کی اس درخواست کے منظور کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ مگر دیوان دکن شاہ نواز خاں اس منظوری کے خلاف تھا اور دفتر سے اس عطیہ کی منظوری کے حکم کو اس نے جاری ہونے نہیں دیا تھا۔ کیونکہ اس کی رائے یہ تھی کہ شاہی ملک کو دینا ناصر جنگ کے اقتدار سے باہر ہے۔ وہ اپنی طرف سے بغیر منظوری

بادشاہ کے ملک کا کوئی حصہ کسی شخص کو دینے کے مجاز نہیں ہیں۔ جب مسٹر لارنس
اس پُر تاخیر کارروائی اور وعدہ وعید سے تھک گیا۔ تو اُس نے فوری صاف
جواب دینے پر اصرار کیا اور نواب سے کہا کہ جو کچھ آپکو دینا یا نہ دینا ہو۔ اس کی
نسبت صاف صاف فوراً کارروائی کر دینی چاہیئے۔ اس کی درخواست کے
جواب میں اُس سے یہ کہا گیا کہ اگر تم اپنی پلٹن کو ارکاٹ لیجاؤ گے جہاں ناصر جنگ
اپنی فوج کیساتھ جانے والے ہیں۔ تو اسی وقت تمہاری درخواست پوری
کیجائیگی۔ مگر مسٹر لارنس نے اس تجویز کو اس مصلحت سے قبول نہ کیا کہ شاید فرانسیسی اور
چنداصاحب اس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھائیں اور انگریزی ملک پر حملہ کر دیں۔
اپنی خاص مصلحت اور منافع پر نظر کر کے مسٹر لارنس نے ناصر جنگ کو ان کی اس
تجویز سے باز رکھنے کی کوشش کی اور انہیں یہ سمجھایا کہ اگر میں ارکاٹ بھیجا جاؤنگا۔
تو غنیم کو نئی فوجوں کے بھرتی کرنیکا موقع ملیگا۔ اور اگر ایسا نہ کیا جائے گا اور میں
اپنی جگہہ پر قائم رکھا جاؤں گا۔ تو مجھے اس کا موقع ملیگا کہ میں غنیم کو دیہات میں
کوئی فوج بھرتی نہ کرنے دوں اور اس کے تعلقات دیہات سے منقطع کرتا رہوں
اور اس کو اسقدر اس کی کارروائیوں میں تنگ کر دوں کہ آخر کار وہ زچ ہو کر صلح کا
طلبگار ہو جائے۔ مگر اس سمجھانے بجھانے کا کوئی اثر نواب پر نہ ہوا اور میجر اپنی
پلٹن کو فورٹ سینٹ ڈیوڈ میں واپس لے گیا اور اواخر ماہ اپریل ۱۷۵۰ء کو
ناصر جنگ وال دور سے ارکاٹ کو روانہ ہو گئے۔

پلیچم کی ضبطی ارکاٹ میں پہنچکر نواب ناصر جنگ نے یہ حکم صادر فرمایا کہ شہر مسلی پٹم اور نیام میں
جو مسلی پٹم سے تقریباً ۲۵ میل کے فاصلہ پر بجانب شمال واقع ہے فرانسیسیوں کے
جو کچھ مکانات اور اثاث البیت اور کارخانجات ہیں وہ سب کے سب فوراً ضبط
کر لئے جائیں۔ عہدہ داروں نے بغیر کسی مزاحمت اور لوٹ مار کے اس حکم کی تعمیل کی

اور جو کچھ ہاتھ آیا اس کو بجنسہ مقفل کر کے اُس پر مہر لگا دی۔ اگرچہ فرانسیسیوں کو اس کارروائی سے زیادہ نقصان نہ ہوا تھا۔ تاہم جب مسٹر ڈپلے کو سلی پٹم کی غیر محفوظ حالت کی خبر پہنچی تو اس نے ناصر جنگ کی اس زیادتی کا دس گونہ زیادہ عوض لینا چاہا۔ اور اس غایت کے پورا کرنیکے لئے اُس نے سلی پٹم پر حملہ کا ارادہ کیا۔ جس کے قبضہ میں لانیکے لئے وہ چار ماہ پہلے سے مختلف خیالات پکا رہا تھا۔ مظفر جنگ سے بھی اس کا وعدہ لے لیا تھا کہ دکن کے صوبہ دار ہوتے ہی وہ سب سے پہلے سلی پٹم کو فرانسیسیوں کے حوالہ کر دے۔ کیونکہ مسٹر ڈپلے اس مقام پر قابض ہونے کو اپنی کمپنی کے منافع کے لئے ضروری خیال کرتے تھے۔ اس تجویز کے مطابق مسٹر ڈپلے نے آغاز ماہ جولائی ۱۷۵۰ء میں دو سو یوروپین اور تین سو دیسی پاہیوں کو قلعہ انداز توپوں اور بارود وغیرہ سامان جنگ دیکر اور دو بڑے بڑے جہازوں میں اُنہیں سوار کر کے سلی پٹم کو روانہ کر دیا اور تین روز کے بعد یہہ جنگی جہاز سلی پٹم کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہوے اور آدھی رات کو فرانسیسی فوج نے ناگہانی طور سے حملہ کیا۔ جس میں جانی اور مالی نقصان کم ہوا اور شہر پر بآسانی قبضہ کر لیا اور اس کی حفاظت کا بھی پورا بندوبست شروع کر دیا۔

فرانسیسیوں کی علانیہ مخالفت

جب ناصر جنگ ولیڈور کے مقام سے روانہ ہوے تو فرانسیسیوں نے انکے جانے کے بعد اس نئے حصہ ملک کے سرحد پر جسے مظفر جنگ نے اُنہیں دیا تھا اپنا کیمپ قائم کیا۔ اور نواب ناصر جنگ کی حکومت کی علانیہ مخالفت ظاہر کی۔ مگر اس توہین سے نواب ممدوح پر کوئی اثر مرتب نہ ہوا کیونکہ وہ اپنے بھانجے کے قید کرنے ہی کو تمام بغاوت کی کارروائیوں کا خاتمہ سمجھتے تھے۔ اور اس سے وہ فراغت سے اپنا تمام وقت اپنے طبعی میلان کے پورا کرنے میں صرف کرتے تھے ان کا سارا وقت عیش و عشرت اور شکار و تفریح میں گزرتا تھا۔

اس عیاشی اور غفلت کے موقع کو پٹھان نوابوں نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اور ناصر جنگ کو دوستی کے پہلو سے اِن برائیوں میں پڑے رہنے اور رات دن صحبت عیش وطرب کو گرم کرنے کی ترغیبیں مختلف ذرایع سے دلائیں اور ساتھ ہی اس کے مسٹر ڈپلے کو فوراً ناصر جنگ پر حملہ کر دینے کی تحریص کی۔

ترو ڈی کا حملہ

اس خفیہ ترغیب کے مطابق مسٹر ڈپلے نے ترو ڈی کے مندر پر حملہ کر دینے کے لئے پانسو یورپین سولجروں کو حکم دیا۔ یہ مندر قلعہ سینٹ ڈیوڈ کے غرب میں تقریباً ۱۵ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ اس فرانسیسی حملہ کی کسی نے بھی مزاحمت نہیں کی اور فرانسیسیوں نے اس مندر میں پچاس یورپین اور ایک سو دیسی سپاہیوں کا ناکا قایم کر دیا اور پھر باطمینان تمام ضلع ترو ڈی کی مال گذاری وصول کرنے لگے۔ پھر یہاں سے دریائے پنار کے جنوب میں قدم بڑھایا۔ اس کارروائی کو دیکھکر محمد علی کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ فرانسیسی آگے ہی بڑھتے چلے آئینگے۔ اِس لئے اس نے نواب ناصر جنگ سے یہ درخواست کی کہ مجھے فرانسیسیوں سے لڑنیکی اجازت دیجائے اور انگریز بھی اپنے ذاتی منافع کی غرض سے فرانسیسیوں کے مقابلہ میں میرا ساتھ دینگے اس لئے اُن سے فوج طلب کرنے کا بھی حکم صادر فرمایا جائے نواب ناصر جنگ انگریزوں سے اس قدر ناراض ہوگئے تھے کہ انہوں نے اس درخواست کو منظور نہیں کیا دو بار انگریزوں نے ان کے حکم کی تعمیل نہیں کی تھی پہلے جب انہیں مظفر جنگ کی فوج کا مقابلہ کرنیکے لئے کہا گیا تھا۔ تب بھی انہوں نے اس حکم کو با توہین ٹالدیا تھا اور جب ارکاٹ جانیکے لئے اُن سے کہا گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ حیلہ حوالہ کر کے قلعہ سینٹ ڈیوڈ کو واپس چلے گئے تھے۔ ان وجوہ سے نواب کو اُن کی طرف سے سخت ناراضی تھی۔ مگر محمد علی کے بہت اصرار کرنے سے انگریزوں سے امداد لینے کی اس شرط سے اجازت دی گئی تھی

کہ وہ نواب کے طرف سے بلائے نہ جائیں۔ آخر کار محمد علی نے انگریزوں کو اس بات کا یقین دلایا کہ فوج کے تمام اخراجات وقت پر ادا کئے جائیں گے۔ اس اقرار پر انگریزی کمپنی نے چار سو یورپین اور ایکہزار پانسو دیسی سپاہیوں کی ایک فوج محمد علی کی امداد کے لئے بھیجدی جو بیس ہزار فوج ہمراہ لیکر جسمیں نصف سے زیادہ ناصر جنگ کے آدمی تھے ارکاٹ سے روانہ ہوگیا مگر اس بیس ہزار فوج کو بھی اس نے پانڈیچری کے دیہات سے گذرنے کے لئے کافی نہ سمجھا اور انگریزی فوج کے آنے کے انتظار میں اس نے جنجی کے مقام پر قیام کیا یہاں آغاز جولائی میں انگریزی فوج آکر اس کے لشکر میں مل گئی۔

جنجی کی فتح

القصہ فرانسیسیوں نے محمد علی کی فوج پر بمقام تردوڈی حملہ کیا اور اس کو پوری شکست دے دی۔ اور ساتھ ہی اُس کے جنجی کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ جو نہایت ہی مستحکم خیال کیا جاتا تھا اس بیّن فتح سے فرانسیسیوں کی شہرت میں ترقی ہوئی اور محمد علی کے فوج کی شکست اور جنجی کے مضبوط قلعہ کے جانے سے ناصر جنگ خواب غفلت سے چونکے۔ اور انہوں نے سوچا کہ ایسے دشمن کا استیصال کرنا ضروری ہے جسمیں بڑی بڑی لڑائیوں کے فتح کرنے کی قابلیت موجود ہے۔

فرانسیسیوں کی صلح کی درخواست

جب وہ ارکاٹ میں داخل ہوے تھے تو مظفر جنگ کی بغاوت فرو ہو جانے کے خیال سے انہوں نے اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ گولکنڈہ کو واپس کر دیا تھا اور کئی راجاؤں اور سرداروں کو اپنے اپنے گھروں کو پھر جانے کی اجازت دیدی تھی اور وہ لوگ لشکر سے چلے بھی گئے تھے۔ لیکن اب حسب ضرورت اُن فوجوں کو پھر انہوں نے طلب کیا۔ انہیں یہ امید تھی کہ جنگی تیاری کی خبر سنکر اور کچھ منافع کے ملنے کا وعدہ پاکر فرانسیسی فوج ہتیار ڈالدیگی۔ انہوں نے اِس خیال کی بنا پر لڑائی سے پہلے صلح کرنے کی تحریک کو اختیار کیا اور اپنے دو افسروں کو ڈپلے کے پاس شرائط صلح طے کرنے کے لئے پانڈیچری بھیجا مگر اب تو مسٹر ڈپلے نے اور بھی پاؤں پھیلائے

اور صلح کی شرطیں یہہ پیش کیں کہ مظفر جنگ قید سے رہا کئے جائیں۔ اور ان کا تمام اسباب اور ملک واپس دیا جائے۔ چندا صاحب کو ارکاٹ کا دیوان مقرر کیا جائے شہر مسلی پٹم اور اس کا سارا علاقہ فرانسیسی کمپنی کے حوالہ کیا جائے۔ اور جب تک ناصر جنگ اورنگ آباد کو واپس چلے نہ جائیں اُسوقت تک جنجی کا قلعہ فرانسیسیوں کے قبضہ میں رہے۔

نواب ناصر جنگ نے اس شرط کو نامنظور کیا اور مسٹر ڈپلے تو پہلے ہی سے جانتا تھا کہ وہ ان شرائط کو منظور نہ کریں گے غرض صلح ہوتے نظر نہ آئی تو ناصر جنگ نے اپنی فوجوں کو جنجی کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اور سپٹمبر ۱۷۵۰ء کے آخر میں وہ بھی اپنے لشکر میں آکر داخل ہو گئے۔ اس وقت ان کی فوج میں ساٹھ ہزار پیدل ۴۵ ہزار سوار۔ سات سو ہاتھی اور ۳۶۰ توپیں موجود تھیں یہ فوج جنجی سے ۱۶ میل کے فاصلہ پر آپہنچی تھی کہ زور و شور کی بارش شروع ہوئی فوج کا آگے بڑھنا متعذر ہو گیا راستوں میں پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ اگرچہ اس وقت ارکاٹ میں واپس آنا مناسب تھا۔ مگر ناصر جنگ نے اپنے پرانے خیال سے کہ واپس جانے سے شاہی فوج کی عزت میں بٹا لگے گا واپس آنے کو گوارا نہ کیا اور غنیم کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ دو تین روز کے بعد ہی ان کی فوج دو دریاؤں کے بیچ میں گھر گئی جو طغیانی کی وجہ سے ناقابل عبور تھے اب تو چاروں طرف سے رسد کی آمد بند ہوئی۔ موجودہ سامان رسد کم ہونے لگا۔ سپاہی زمین کی تری اور بارش کی سختی سے بیمار پڑنے لگے اور کمپ میں مختلف امراض پیدا ہو گئے۔ یہ تمام مشکلات جنمیں ناصر جنگ کی فوج مبتلا تھی دسمبر تک دور نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ اُسی مہینے میں عموماً اچھا موسم شروع ہوتا ہے۔ ان ناگہانی قدرتی مشکلات نے ناصر جنگ سے متلون مزاج کو اور بھی بے صبر بنا دیا اور وہ جنگ میں اس قدر تاخیر ہونے سے سخت گھبرائے۔ اس لئے کہ اس جھگڑے میں انہیں ایک

سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا تھا اور انہیں اپنے وسیع ملک کے باقی صوبوں کے انتظام کی فکر تھی کہ وہاں ان کی غیبت میں بے انتظامی کا اندیشہ تھا۔ اگرچہ وہ کرناٹک میں زیادہ قیام کو پسند کرتے تھے۔ مگر اب تو ان کی تلون مزاجی نے انہیں یہاں کے قیام سے برداشتہ خاطر کر دیا۔ اس اضطراب اور جلدی کے سبب سے انہوں نے مسٹر ڈپلے سے مراسلت شروع کی۔ اور اپنی بدنامی کے خوف سے جو فرانسیسیوں کی شوخی اور جرأت کے بڑھنے سے تمام ملک میں پیدا ہو رہی تھی فرانسیسیوں کے تمام کڑے شروط اس شرط پر قبول کر لینے پر آمادگی ظاہر کی کہ فرانسیسی اپنے آپ کو نظام کی رعایا تسلیم کریں۔

مسٹر ڈپلے تو پہلے ہی سے دیسی رئیسوں کے مزاج سے بخوبی واقف تھا۔ اور ان کے قول و اقرار پر کوئی اعتماد نہیں رکھتا تھا اس لئے اس نے ان نوابوں سے جو ناصر جنگ سے رنجیدہ خاطر تھے بدستور سابق اپنی خفیہ کارروائی جاری رکھی۔ اور ادھر ناصر جنگ کے ساتھ صلح کے بحث و مباحثہ کو بھی طول دیا اس اثنا میں دسمبر کا مہینا شروع ہوا اور بارش پورے طور سے موقوف ہو گئی۔ اب اس وقت جنگ یا صلح کا موقع آ گیا جو مسٹر ڈپلے کے اختیار میں تھا کہ ان میں سے جس سے چاہے کام لے

پورے سات مہینے تک مسٹر ڈپلے اور باغی پٹھان نوابوں میں مراسلت جاری رہی اور ان نوابوں کے ساتھ ناصر جنگ کے قتل کی سازش میں تقریباً بیس بڑے بڑے عہدہ دار یا افسران فوج شریک تھے۔ اس لئے ناصر جنگ کی آدھی فوج باغیوں کے حکم میں تھی۔ باغیوں کو خود اس بات سے تعجب تھا کہ اتنی دیر تک ان کا راز سربستہ رہا۔ حالانکہ ان کو ہر روز یہ ضرورت لاحق ہوتی تھی کہ اپنا بھید اپنے ماتحت افسروں سے ظاہر کریں۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو سازش کی تعمیل کے وقت بہت کچھ دقت ہوتی۔ اور ناصر جنگ کے قتل کی تجویز میں ناکامی کا بہت بڑا

اندیشہ ہوتا۔ مگر اس قدر اشخاص پر اس خوفناک راز کے کھلنے سے باغیوں کو بڑی فکر ہوگئی تھی اور وہ اب اس سازش کی تعمیل میں زیادہ دیر لگانی نہیں چاہتے تھے ادھر تو ناصر جنگ کے کیمپ میں اُن کے مارے جانیکی بڑی سرگرمی سے تجویز ہورہی تھی۔ اور ادھر پانڈیچری میں ان کے ایلچی مسٹر ڈپلے کو یہ یقین دلا رہے تھے کہ نواب اب بہت جلد صلحنامہ پر دستخط کر دینگے اور کیمپ کو توڑ کر کرناٹک سے واپس چلے جائینگے۔

اس وقت مسٹر ڈپلے کو ہر طرح سے کامیابی کی امید تھی۔ ناصر جنگ کا مارا جانا یا صلح کرلینا اس کے لئے یہ دونوں صورتیں مساوی تھیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں اس کا فائدہ ہی فائدہ تھا اس لئے اس نے ان میں سے کسی ایک کو ترجیح نہیں دی۔ اور دونوں صورتوں کو بخت و اتفاق پر چھوڑ دیا۔ ادھر تو اس نے ناصر جنگ کے ایلچیوں سے صلحنامہ کی منظوری طلب کی۔ اور ساتھ ہی اس کے اسی وقت اُدھر اپنی فوج کے کمینڈر کو جو جنجی میں پڑا ہوا تھا۔ یہ حکم بھیجدیا کہ جب باغی نوابوں کا یہ پیام آجائے کہ ناصر جنگ کے قتل کا پورا انتظام کرلیا گیا ہے۔ تو اُسی وقت فوراً حملہ کر دیا جائے ابھی نواب ناصر جنگ کا دستخطی صلحنامہ پانڈیچری میں نہ پہنچا تھا کہ باغی نوابوں کا پیام حملہ جنجی میں پہنچگیا اور قتل کی کارروائی صلح کی کارروائی پر مقدم ہوگئی۔ اس موقع پر یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ فرانسیسی گورنر کے اخلاق بھی قابل نفرت تھے۔ جس نے صلح کی کارروائی کے ساتھ قتل کی کارروائی بھی جاری رکھی اور اپنے جزوی مقاصد کے لئے ایک رئیس کے قتل میں پورا حصہ لیا جو صلح پر آمادہ تھا افسوس ہے کہ طلب جاہ و ملک انسان کو اسفل ترین جرایم کے ارتکاب پر آمادہ کر دیتی ہے۔

چوتھی ڈسمبر ۱۷۵۰ء کو فرانسیسی فوج نے جس کا کمینڈر مسٹر ڈی لاتوچی تھا

نواب ناصر جنگ کے کیمپ پر حملہ کیا۔ نواب ممدوح اس حملہ سے ایک دن پہلے صلحنامہ پر دستخط فرما چکے تھے اس لئے وہ اس حملہ کی خبر کو فوراً یقین نہیں کر سکتے تھے۔ مگر جب انہیں اس خبر کی تصدیق ہوئی۔ تو دریائے حیرت میں غرق ہو گئے اور اس وقت انہوں نے دریافت کیا کہ میرے ساتھ کے نوابوں اور افسروں نے لڑائی کا کیا انتظام کیا ہے۔ اس کے جواب میں ان سے یہ کہا گیا کہ میدان جنگ میں کڑپا۔ کرنول۔ کڈ نور۔ میسور کے نوابوں کی مختلف فوجیں اور بیس ہزار مرہٹہ صف بستہ لڑائی پر آمادہ کھڑی ہوئی ہیں مگر ابتک انہوں نے فرانسیسی فوج پر حملہ نہیں کیا ہے یہ سنکر نواب ناصر جنگ کو سخت غصہ آیا اور وہ ہاتھی پر سوار ہو کر اردلی کے سواروں کے ساتھ اپنی فوج کی طرف بڑھے۔ اور سب سے پہلے کڑپا کے نواب کے پاس پہنچے جو اپنے رسالہ کے سامنے تھا۔ ناصر جنگ اس کے قریب گئے اور ملامت کرنے لگے کہ "افسوس تجکو اب تک اس نہایت حقیر اور کمزور دشمن کے مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی اور شاہی فوج کی عزت و آبرو کا کچھ خیال نہ کیا" اس کے جواب میں اس باغی امیر نے کہا "میں ناصر جنگ کے سوا اور کسی کو دشمن نہیں جانتا" یہ کہتے ہی اس نے فوراً ایک قرابین والے کی طرف جو اس کے پیچھے ہاتھی پر بیٹھا ہوا تھا گولی چلانیکا اشارہ کیا۔ اس نے قرابین تو چھوڑی مگر گولی نشانہ پر نہ بیٹھی یہ دیکھتے ہی کڑپا کے نواب نے اپنی قرابین فیر کی جس میں دو گولیاں بھری ہوئی تھیں دونوں ناصر جنگ کے سینہ پر لگیں۔ نواب ہاتھی پر گرے اور قاتل نے فوراً سر جسم سے جدا کر کے مظفر جنگ کے خیمہ کی راہ لی۔ وہاں پہنچکر ان کو ماموں کا سر نذر کیا اور صوبہ داری کی مبارکبادی دی مظفر جنگ نے حکم دیا کہ ناصر جنگ کا سر نیزہ پر نصب کر کے تمام لشکر میں پھرایا جائے اور اس حکم کے بعد ہی وہ خود بھی لشکر میں پہنچے شام کے وقت مسٹر ڈی لاتوچی فرانسیسی کمینڈر اپنے افسران فوج کو ہمراہ لیکر

مبارکبادی کے لئے مظفر جنگ کے پاس آیا نواب نے ان فرانسیسیوں کی بڑی خاطر و مدارات کی اور ان کے خدمات کے لایق اُن کا شکریہ ادا کیا۔

قتل کی یادگار

نواب ناصر جنگ کے قتل کے بعد مسٹر ڈپلے نے اپنی اس ناپاک قابل نفرین سازش کی ایک یادگار قایم کی اور جہاں وہ شہید ہوے تھے اسی جگہ بطور یادگار ایک قصبہ اپنے نام کا بسایا تاکہ آیندہ نسلوں کو فرانس کی خوش قسمتی اور کامیابی ظاہر ہوتی رہے۔ اس قصبہ کا نام اس نے ڈپلے فتح آباد رکھا۔ مگر ۱۷۵۱ء میں انگریزوں نے ارکاٹ کا محاصرہ کیا اور انہیں فرانسیسیوں اور راجہ صاحب پر کاوری پاک کے مقام پر کامیابی ہوی۔ تو لارڈ کلایو نے اس قصبہ کو مسمار کر کے ویران کر دیا اور فرانسیسی یادگار کو جو ایک بے گناہ کا خون یاد دلاتی تھی اور جو دراصل بزدلی اور مکر و حیلہ کی یادگار تھی نیست و نابود کر دیا۔ بقول شخصیکہ کہ کرد کہ نیافت مسٹر ڈپلے کو بھی نواب شہید کے خون نے آرام و عزت سے بیٹھنے نہ دیا۔ اور جو کچھ بدنامی اس کی یورپ میں ہوئی وہ اسی کے افعال کا نتیجہ تھی۔

نواب ناصر جنگ کی شہادت کے بعد جو ۱۷۔ محرم ۱۱۶۴ھ میں واقع ہوئی ان کا سر جسم سے ملا کر اور میت کی تکفین کر کے لاش اورنگ آباد کو روانہ کر دی گئی اور تقریباً ساٹھ روز کے بعد وہ شاہ برہان الدین غریب نواز کے روضہ میں نزدیک مرقد نواب مغفرت مآب دفن کئے گئے اور اسی روز ان کے تمام قاتل جو اُن کی قتل کی سازش میں شریک تھے میدان جنگ میں مارے گئے۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

مدت حکومت

نواب ناصر جنگ کی مدت حکومت دو سال چھ ماہ اور چند روز ہے اور انکی شہادت قلعہ جنجی کے قریب پانڈیچری سے بیس کوس کے فاصلہ پر واقع ہوئی جسکا مادۂ تاریخ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے یہ نکالا تھا۔ نواب عدل گستر عالی جناب رفت۔ فرصت نہ داد تیغ حوادث شتاب رفت۔

درہفدہم زماہ محرم شہید شد ؛ تاریخ گفت نوحہ گری آفتاب رفت ؛

نواب ناصر جنگ کی شہادت سے پہلے چند واقعات ایسے پیش آئے تھے جن سے وا
اُن کی روشن ضمیری اور نیک دلی ثابت ہوتی ہے اور جن کے ذکر کرنے سے اِس
زمانہ میں جبکہ اسلامی اخلاق کا زوال ہے ایک گونہ فلسفہ اخلاق پر روشنی پڑسکتی ہے
اپنی شہادت سے ایک ماہ پہلے نواب ناصر جنگ نے ایک درویش کے ہاتھ پر بیعت
کر کے تمام منہیات سے توبہ کی تھی اور پھر مرتے دم تک کبھی کسی ناجایز امر کا ارتکاب
نہیں کیا تھا۔ اس واقعہ سے ثابت ہے کہ نواب ممدوح موت کے وقت غالباً تمام
گناہوں سے پاک تھے جس کے صلہ میں انہیں شہادت کا مرتبہ نصیب ہوا ناصر جنگ کی
شہادت کے ثبوت میں یہ واقعہ بطور شہادت پیش کیا جاسکتا ہے کہ حافظ محمد اسعد نے
جو ایک مقدس عالم۔ متقی پرہیزگار اور جادہ شریعت وطریقت پر مستقیم تھے۔ آزاد بلگرامی
سے بیان کیا کہ جب ناصر جنگ شہید ہوے۔ تو ان کی شہادت سے سات روز کے
بعد میں صبح کی نماز سے فارغ ہوکر روبقبلہ بیٹھا تھا اور میرے دل میں یہ خیال
تھا کہ ناصر جنگ کی شہادت کس قسم کی ہے اس اثنا میں مجھ پر ایک خواب کی سی حالت
طاری ہوئی جو غفلت وبیداری کے مابین تھی۔ اس حالت مراقبہ میں میرے پاس
دو شخص عربی لباس پہنے ہوئے آئے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ نواب ناصر جنگ کی
شہادت کس قسم کی تھی۔ دوسرے نے جواب دیا کہ اِنَّہٗ لَشَہِیۡد۔ جب میں اِس
حالت سے چونکا تو مجھے یقین ہوا کہ واقعی نواب ممدوح شہید ہوے ہیں۔ اِس
واقعہ کے علاوہ میر غلام علی آزاد خود اپنا ذاتی مشاہدہ بیان کرتے ہیں جس سے
ان کی شہادت مستنبط ہوسکتی ہے وہ اپنی کتاب سروِ آزاد میں لکھتے ہیں کہ اس

رات جسکی صبح کے بعد ناصر جنگ شہید ہوے تھے میں تمام شب اُن کے پاس موجود تھا۔ صبح کو انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنی دستار باندھی اور بار بار آئینہ دیکھنا شروع کیا۔ اس اثنا میں کئی دفعہ انہوں نے اپنے عکس کو مخاطب کرکے جو آئینہ میں تھا کہا کہ "اے میر احمد خدا تیرا حافظ ہے"۔ اس کے بعد انہوں نے باوجود وضو ہونیکے بھی نیا وضو کیا اور وظیفہ معمول پڑھتے ہوے ہاتھی پر سوار ہوگئے۔ اسوقت انہوں نے خلاف معمول زرہ بکتر نہیں پہنا جس کو وہ ہمیشہ لڑائیوں کے موقع پر پہنا کرتے تھے۔ صرف اپنے جامہ پر اکتفا کی۔

اخلاق وعادات

نواب ناصر جنگ کے اخلاق اور انداز کی نسبت یہ کہنا نازیبا ہوگا کہ گو وہ اپنے باپ کی طرح مدبر۔ ثابت قدم اور اولوالعزم تو نہ تھے تاہم اِنہیں اکثر اخلاق قابل تعریف جمع تھے۔ وہ عادل۔ منصف مزاج۔ خداترس۔ رحم دل۔ رعایا پرور امیر تھے ان کی استعداد علمی۔ سخن فہمی۔ شعر گوئی واد دینے کے قابل تھی۔ وہ لڑکپن سے شاعری کی طرف متوجہ تھے اور اپنے کلام کو مرزا صائب کی طرز پر لانا چاہتے تھے۔ اور اس میں وہ اس قدر کامیاب بھی ہوے تھے کہ معمولی شاعروں کو اصل و نقل یعنے اجتہاد اور تقلید میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوسکتا تھا۔ شعر۔ نہ امروز است مارا زیں قفس آہنگ آزادی ؛ درون بیضہ میکردیم مشق پر فشانی را ؛ ولہ۔ اگر تن رانہ باشد دل منور زیر خاکش کن ؛ نباشد در شبستاں عزتے فانوسِ خالی را ؛

یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ نواب شہید نازک خیالی اور مضمون آفرینی کی طرف زیادہ متوجہ تھے۔ اگر نواب مغفرت مآب اور نواب شہید کے کلام کا مقابلہ کیا جائے تو اِن دونوں کے کلاموں کو ایک دوسرے پر ترجیح دینا مشکل ہے مغفرت مآب کے کلام میں سادگی۔ اور روانی اور جذبات انسانی پائے جاتے ہیں اور نواب شہید کے کلام میں مضامین نازک خیالی تشبیہات واستعارات سے کام لیا گیا ہے اسی لئے

یہ دونوں کلام اپنے اپنے رنگ میں بے مثل ہیں۔ اور اس موقع پر یہ کہنا نازیبا نہیں کہ اگلے بادشاہوں میں علمی لیاقت اور شاعری وسخن فہمی اور شجاعت و دلیری سب ہی کچھ اپنے اپنے مرتبہ وحد پر موجود تھیں۔

نواب شہید صرف فارسی گو ہی نہیں تھے۔ بلکہ تاریخ میں ہے کہ وہ ہندی اور اردو میں بھی شعر کہتے تھے جنکے نمونے اس وقت موجود نہیں۔ انہیں شعر گوئی میں ایسی مشق بہم پہنچی تھی کہ تھوڑی ہی دیر میں ایک طولانی غزل کہہ لیتے تھے۔ اس مشق کے علاوہ انہیں مضمون کی جدت بلکہ قوافی کی تجدید میں بھی کد تھی اور وہ اکثر نئے نئے قافیوں میں غزل کہا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ نواب شہید نے اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں ترقی مراتب کے بارے میں کوئی عرضداشت گذرانی تھی جو منظور نہیں کی گئی۔ اس پر تین چار روز کے بعد انہوں نے اپنے مدعا اور مافی الضمیر کو ایک شعر میں نظم کیا تھا اور موقع پاکر والد کو سنایا تھا۔ وہ شعر یہ ہے۔ مرنجاں خاطرم جانان مزاجے نازکے دارم ؂ توگر از حسن مغروری من از عشق تو مغرورم ؂ اس شعر کو سنکر نواب مغفرت مآب نے فرمایا کہ "عاشق کو غرور زیبا نہیں" اس کے جواب میں نواب شہید نے بیساختہ یہ کہا کہ "خیر ما عاشق معشوق مزاجیم" اس پھڑکتے ہوئے جواب کو سنکر نواب مغفرت مآب ہنسکر چپ ہو رہے۔

الغرض نواب شہید فن شاعری میں اس زمانہ کے اساتذہ سے کچھ کم نہ تھے۔ انکا ایک مبسوط مطبوعہ دیوان موجود ہے جس سے اُن کے کلام کی خوبی بخوبی معلوم ہوسکتی ہے۔ انہیں میر غلام علی آزاد بلگرامی سے تلمذ حاصل تھا جو ان کے نوکر اور مصاحب تھے علاوہ شاعری کے نواب شہید کو علم موسیقی اور فن مصوری میں بھی بہت کچھ دخل تھا۔

نواب مظفر جنگ ہدایت محی الدین خاں بہادر

مسند نشینی

جب نواب ناصر جنگ میدان جنگ میں باغی پٹھانوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے تو اس وقت لشکر میں نواب مغفرت مآب کے چار بیٹے موجود تھے ان میں سے کوئی نواب شہید کی جگہ کے لئے منتخب کیا جا سکتا تھا۔ مگر پٹھان افسروں کی سرکشی اور فرانسیسی فوج کی تائید سے مظفر جنگ صوبہ داری دکن کی مسند پر بٹھا دئے گئے۔ اور اہل اسلام و نصاریٰ سب نے ان کی ریاست تجویز کی۔

انتظام امور ملکی

مظفر جنگ نے صوبہ دار دکن ہوتے ہی عزل و نصب شروع کر دیا ناصر جنگ کے قتل کے صلہ میں سب سے پہلے باغی پٹھانوں کو بہت سے قلعے دے دئے۔ اسکے بعد ایک سیاہ فام برہمن رام داس نامی کو جو سیکاکول کا باشندہ تھا۔ رگھناتھ داس کا خطاب دیکر عہدۂ دیوانی پر سرفراز فرمایا۔ ناصر جنگ کے زمانہ میں یہ ادنیٰ درجہ کا آدمی متصدیوں کے زمرہ میں ملازم تھا۔ لیکن فرانسیسیوں سے مل کر اس نے نواب ناصر جنگ کے قتل میں بڑی سازش و کوشش کی تھی۔ اور جنیو کے عوض مظفر جنگ کی محبت کا زنار پہن لیا تھا۔ اس لئے وہ جلیل القدر عہدہ پر مامور کیا گیا۔

پانڈیچری میں خوشی

ادھر تو مظفر جنگ انتظام ملک میں سرگرم تھے۔ اور اُدھر پانڈیچری میں نواب ناصر جنگ کے قتل کی خبر سے شادیانے بج رہے تھے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب دوپہر کے بعد پانڈیچری میں ناصر جنگ کی شہادت اور اُن کی

جگہ مظفر جنگ کے بیٹھنے کی خبر پہنچی تو سب سے پہلے اس خوش خبری کو چندا صاحب نے مسٹر ڈپلے سے بیان کیا اس نے یہ سنتے ہی توپخانہ سے توپوں کے سر کرنے کا حکم دیا تاکہ اہل شہر کو فرانسیسیوں کی فتحیابی معلوم ہو جائے اور پھر شام کو ایک عام دربار منعقد کیا گیا جس میں تمام شہر کے باشندوں نے ڈپلے کو مبارکباد دی دوسرے روز قواعد ہوئی تہنیت کے باجے بجائے گئے۔ اور ایک سفارت جسمیں تین معزز شخص تھے ڈپلے کی طرف سے مبارکباد دینے کے لئے مظفر جنگ کے پاس بھیجی گئی اور دوسری سفارت کے ذریعہ سے ڈپلے نے مظفر جنگ کے لئے چھ خلعت گران بہا اور ایک سفید نشان ہاتھی پر روانہ کیا۔ اس نشانِ فوج سے نواب ممدوح اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے یہ حکم دیا کہ ہمیشہ معرکہ آرائیوں میں یہی سفید نشان سب نشانوں کے آگے رہا کرے۔

اس جشن تہنیت کے بعد جو مظفر جنگ کے سامنے بمقام پانڈیچری ہوا اُن تین پٹھان پٹھان نوابوں نے جو ناصر جنگ کے قتل کی سازش میں سب سے زیادہ کارپرداز تھے مسٹر ڈپلے سے اپنی خدمات کے صلے کی درخواست کی جسمیں یہ امور بھی شریک تھے کہ تین سال کے پیشکش کی رقم جو اُن کے ذمہ باقی تھی معاف کیجائے اُن کے مقبوضہ ملک سے جو اس وقت اُن کے قبضہ میں ہے اور اُس ملک سے بھی جو آیندہ دیا جائیگا کسی طرح کی پیشکش وصول نہ کیجائے اور جو کچھ ناصر جنگ کا مال ومتاع اور خزانہ ہے اس میں سے نصف حصہ انہیں دیا جائے۔ ڈپلے نے اس ناواجبی حد سے زیادہ خواہش کو سنکر پٹھانوں کو سمجھایا کہ "واقعی جو کچھ خدمتیں آپ نے جدید انقلاب میں کی ہیں اُنکی وجہ سے مظفر جنگ آپ کے بہت ممنون ہیں۔ اور میں نے بھی آپ کی طرح اس انقلاب کے پیدا کرنے میں بہت کچھ کام کیا ہے۔ تو میں بھی آپ صاحبوں کی طرح اسی صلہ کا مستحق ہوں جس کو آپ طلب کرتے ہیں۔ اگر آپ اور میں اور اسی طرح

اور اشخاص بھی جو اس سازش میں شریک تھے یونہیں اپنے اپنے حصے طلب کرینگے اور نواب ان کے دینے میں مجبور کئے جائینگے۔ تو صوبہ دکن برائے نام رہ جائیگا۔ اور نواب کے پاس اس قدر ملک و مال باقی نہ رہیگا کہ وہ اپنی شان و شوکت جو صوبہ داری کے لئے ضرور سمجھی جاتی ہے قائم رکھ سکے۔ اس لئے صلہ کی طلب میں حد اعتدال کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ اور میں سب سے پہلے اپنے حصہ کو چھوڑے دیتا ہوں اور مظفر جنگ کے خزانہ سے کسی طرح کی رقم طلب نہیں کرتا اور نہ ایسے منافع کی درخواست کرتا ہوں جس سے مظفر جنگ کو معاملات ملکی میں کوئی تکلیف واقع ہو"

ڈپلے کی اس تقریر کو سنکر پٹھان تاڑ گئے کہ اسکو نواب مظفر جنگ کی طرفداری منظور ہے اس لئے انہوں نے باہم مشورہ کرکے اس وقت یہ ظاہر کیا کہ ہم کو ڈپلے صاحب کی تجویز سے پورا اتفاق ہے اور وہ تجویز یہ تھی کہ ان پٹھانوں کو ان کی خدمات کے صلہ میں کچھ اضلاع ملک دیدئے جائیں جو ان کی درخواست سے بہت کم تھے اور کچھ شاہی اراضیات کم محاصل پر ان کے حوالہ کئے جائیں اور جو کچھ ناصر جنگ کا مال و متاع یعنی خزانہ وغیرہ ہے اس میں سے نصف حصہ ان تینوں قاتل پٹھانوں میں تقسیم کردیا جائے مگر ناصر جنگ کے جواہرات مظفر جنگ کے ہی تحت تصرف میں رکھے جائیں۔

موسی ڈپلے کی اس تجویز پر ان تینوں پٹھانوں نے اپنے اپنے دستخط کئے اور قرآن شریف پر ہاتھ رکھکر یہ حلف کیا کہ ہم مظفر جنگ کے مطیع فرمان رہینگے۔ اور ساتھ ہی اس کے انہوں نے یہ بھی کہا کہ جو فرمان برداری ہم مظفر جنگ کے حکم کی کرینگے اس قدر ہم نے کبھی ناصر جنگ کے فرمان کی بھی نہیں کی ہوگی یعنی ناصر جنگ کی اطاعت سے زیادہ ہم مظفر جنگ کے مطیع و منقاد رہینگے۔ اس وقت ڈپلے نے بھی اس امر کا حلفیہ وعدہ کرلیا کہ اگر کوئی بدعہدی نواب مظفر جنگ کے ساتھ

ظہور میں نہ آئیگی تو میں بھی آپ صاحبوں کی حفاظت اور حمایت کرونگا جب تک کہ آپ اپنے عہد پر ثابت رہینگے۔

پانڈیچری میں دعوتیں

اس عہد و پیمان کے بعد بظاہر تمام جھگڑے فرو ہوگئے۔ اور ڈپلے نے اپنی قوم کی عظمت و شان ان نوابوں کے دلوں میں جمانیکے لئے ان کی دعوتوں اور جلسوں میں دل کھول کر روپیہ صرف کیا۔ اِن دعوتوں اور جلسوں کے درمیان مظفر جنگ کی تخت نشینی کی رسم بھی ادا کی گئی اور اس دربار میں ڈپلے تمام ان ممالک دکن کے صوبہ دار مقرر کئے گئے جو دریائے کرشنا کے جنوب میں واقع ہیں یہ جنوبی حصہ دکن فرانس کے ملک سے کچھ کم نہ تھا جسکی گورنری ڈپلے کے ہاتھ میں آئی۔ اور اسی دربار میں اُس کو ہفت ہزاری منصب اور ماہی مراتب بھی عطا فرمایا گیا جو خاص ارکان سلطنت ہی کو دیا جاتا تھا۔ اِن اعزاز کے علاوہ یہ حکم بھی دیا گیا کہ کرناٹک میں وہی سکہ رائج کیا جائے جو پانڈیچری میں مضروب ہو۔ اور ملک کرناٹک کی مالگزاری بھی ڈپلے کو دے دی جائے جس کا حساب مسٹر موصوف صوبہ دار دکن کی خدمت میں وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہینگے اِسی دربار میں چندا صاحب بھی مسٹر موصوف کی ماتحتی میں ارکاٹ کے نواب بنائے گئے اس کارروائی کے بعد تمام اہل دربار نے نذریں پیش کیں اور حسب مراتب سب کو خطابات۔ جاگیرات اور وظیفہ وغیرہ دئے گئے اور علی الخصوص اُن اشخاص کو زیادہ نصیب ہوئے جنھوں نے اس انقلاب جدید میں سازشیں کی تھیں مگر یہ سب اعزاز انہیں اشخاص کو دئے گئے تھے جنھوں نے ڈپلے کی تحریری سفارش پہلے سے پیش کی تھی اور بغیر اُس کی سفارش کے کوئی شخص کسی اعزاز کا مستحق سمجھا نہیں گیا۔

ذرائع ... کی

نواب مظفر جنگ کی صوبہ داری سے جو منافع فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کو حاصل ہوئے اُن کا مختصر بیان یہ ہے کہ پانڈیچری کے متصل کمپنی مذکور کو جو ملک دیا گیا تھا اُس کا سالانہ محاصل ۹۶ ہزار تھا۔ اور اسی طرح کاریکل علاقہ تنجور میں بھی کمپنی کو

ایک حصہ ملک عنایت ہوا جس کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ چھ ہزار تھی اِس کے علاوہ شہر مچھلی بندر اور اُس کے مضافات بھی فرانسیسیوں کے حوالہ کئے گئے جس کا ہر سال ایک لاکھ ۴۴ ہزار محاصل ہوتا تھا۔ الغرض تقریباً آٹھ لاکھ سالانہ آمدنی کا ملک فرانسیسی کمپنی کی نذر کیا گیا۔ فرانسیسیوں کے بیان کے بموجب تو آٹھ لاکھ کا ملک تھا مگر درحقیقت اِس سے کہیں زیادہ محاصل کا ملک فرانسیسیوں کو مظفر جنگ نے نہایت ہی بے پروائی سے دیدیا۔ (جس کے دینے کا انہیں کوئی اختیار نہ تھا۔ کیونکہ بغیر شاہی اجازت کے ملک دینا مستند نہ تھا۔ مگر فرانسیسیوں نے اِس بات کی کوئی پروا نہیں کی اور ملک پر اچھی طرح سے مالکانہ قبضہ کرلیا۔ اگرچہ اس عطیہ ملک کی کوئی باضابطہ سند دہلی کے دربار سے فرانسیسیوں کو حاصل نہیں ہوئی تاہم) اِس ملک کے ملنے سے ان کی وقعت دکن کی رعایا میں بہت کچھ بڑھ گئی۔ کیونکہ کرناٹک کے لوگ صوبہ دار دکن ہی کو زیادہ تر اپنا پادشاہ خیال کرتے تھے۔ اِن فرانسیسیوں کو جو یہ وسیع جاگیرات عطا ہوئے تو محمد علی کے دل میں اضطراب پیدا ہوگیا۔ اور اُس نے جانوجی مرہٹہ کے توسل سے یہ درخواست کی کہ اگر اس کو گولکنڈہ کے اطراف جوانب میں کوئی جاگیر دی جائے گی اور اس کے مال ومتاع پر کوئی دست طمع دراز نہ کیا جائے گا اور اس سے اس کے باپ انورالدین خاں کے حسابات طلب نہ کئے جائیں گے۔ تو وہ ترچناپلی بھی ڈپلے کے حوالہ کردیگا ڈپلے نے اس کو اطمینان دلایا کہ یہ شرایط منظور ہوجائینگے اور بہت جلد منظوری کی تعمیل کرادیجائیگی۔

پنڈچری سے روانگی

اب تمام کارروائیوں کے بعد کوئی ایسا امر نہ تھا جو مظفر جنگ کی روانگی میں حائل ہوتا گولکنڈہ اور اورنگ آباد کی طرف ان کے متوجہ ہونے کی زیادہ ضرورت تھی یہاں ہر روز معاملات ملکی میں خرابیاں پیدا ہورہی تھیں ڈپلے کی یہ ساری کامیابیاں اور حکومت و قوت نواب مظفر جنگ ہی کے وجود کیساتھ وابستہ تھیں۔ اس لئے

اس کو ان کی حفاظت اور ان کے ملک میں امن و امان قایم رہنے کا بہت خیال تھا۔ اس بنا پر اُس نے یہ تجویز پیش کی کہ مظفر جنگ کے ہمراہ اُس وقت تک ایک فرانسیسی فوج رہے۔ جبتک کہ وہ صوبہ داری دکن پر بخوبی مسلط نہو جائیں مظفر جنگ نے اس درخواست کو بغیر کسی پس وپیش کے منظور کر لیا۔ انہیں تو فرانسیسیوں کی خیر خواہی کا مشاہدہ ہو چکا تھا۔

شاہ نواز پھر دیوان

ناصر جنگ کے قتل کے بعد شاہ نواز خاں وزیر دکن جو ایک جہاندیدہ اور تجربہ کار عہدہ دار تھا مظفر جنگ کے خوف سے فرار ہو گیا تھا اور اُس نے چیناپیٹ کے قلعہ میں پناہ لی تھی۔ مگر اس کو انتظام ملکی میں کمال تجربہ حاصل تھا اِس لئے اُس کی سخت ضرورت واقع ہوئی مظفر جنگ نے اُس کو سابق خدمت پر طلب کر لیا۔ شاہ نواز خاں حاضر ہوا اور حسب سابق دیوان مقرر کیا گیا۔

پٹھانوں

القصہ تاریخ ۴۔ جنوری ۱۷۵۱ء مظفر جنگ مسٹر ڈپلے سے گلے ملکر اور باہم دوستی کا اقرار کرکے پانڈیچری سے روانہ ہوئے اور ان کے ہمراہ فرانسیسیوں کی ایک فوج کی گئی جس میں تین سو یورپین اور دو ہزار دیسی سپاہی بسر کردگی مسٹر بسی تھے اور دس توپیں بھی تھیں۔ پانڈیچری سے روانہ ہو کر اواخر ماہ مذکور میں نواب مظفر جنگ کڑپہ کے قریب پہونچے۔ جو پانڈیچری سے ۱۸۰ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ یہاں اتفاقاً مظفر جنگ کی فوج کے سواروں سے اور ایک دیہہ کی رعایا سے کچھ تکرار ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیدرد فوج والوں نے دیہہ مذکور کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا اسی طرح اور دوسرے دیہات کو بھی آتش زدگی سے غارت کیا۔ کڑپہ کے نواب کو اپنا دلی غبار نکالنے کے لئے یہ ایک اچھا موقع ہاتھ آیا اور اس نے بظاہر اس غارت گری سے غصہ میں آکر اپنی فوج کو حکم دے دیا کہ وہ نواب مظفر جنگ کے لشکر کے عقب سے حملہ کرے۔ آخر کار دونوں فوجوں میں باہم لڑائی ہوئی اور کڑپہ کی فوج جس کی تعداد بہت تھوڑی تھی بھاگ کر بڑی جماعت میں

مل گئی۔ اگرچہ اس بات کا کافی ثبوت نہیں کہ یہ حملہ بالارادہ کیا گیا تھا مگر اس میں کلام نہیں کہ کڑپہ کی فوج نے نواب مظفر جنگ کی اُس جماعت پر حملہ کیا تھا جو عورتوں کی سواریوں کے ساتھ تھی۔ ممالک ایشیا میں ہر جگہ عورتوں کی بہت بڑی عزت و حرمت کیجاتی ہے حتی کہ جنگ و جدال میں بھی کوئی اُن پر حملہ نہیں کر سکتا۔ اِس لئے کڑپہ کی فوج کا یہ حملہ گستاخانہ خیال کیا گیا۔ اور اِس سے نواب مظفر جنگ کی سخت بے آبروئی ہوئی تھی جس سے اِن کا شعلۂ غضب بھڑک اُٹھا تھا۔

نواب مظفر جنگ نے اس توہین و تذلیل کی خبر سنکر ساری فوج کو قیام کرنے کا فوری حکم دیا اور خود ایک بڑی جماعت کیساتھ کڑپہ کے نواب پر حملہ کی تیاری کر دی موسی بسی نے جس کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ حتی الامکان راستہ میں ہر ایک فتنہ و فساد کو بیچ میں آکر دور کرتا رہے مظفر جنگ کو اس حملہ سے روکا اور بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر انہیں ٹھنڈا کیا تاکہ نواب کڑپہ اپنی اس حرکت ناشائستہ کے وجوہ پیش کرے۔ بعد ازاں مظفر جنگ اور مسٹر بسی دونوں نے اپنے اپنے پیامبر کڑپہ کے نواب کے پاس بھیجے مظفر جنگ کے پیامی کو تو اس سرکش پٹھان نے جوابدیا کہ " میں تلوار لئے ہوئے اپنے آقا کا منتظر ہوں " اور مسٹر بسی کے قاصد سے یہ کہا کہ " آپ بیچ میں پڑتے ہیں تو مجھے صوبہ دار کی اطاعت قبول کرنے سے کوئی انکار نہیں " ان متضاد جوابوں سے مظفر جنگ کے تن بدن میں آگ لگی اب تو وہ اس حالت غضب میں کسی کے روکے سے رک نہیں سکتے تھے۔ اس پر بھی مسٹر بسی نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی اور انہوں نے اس سے کہہ دیا کہ " میری فوج میں ہر پٹھان باغی ہے اور ان کی فطرت میں بغاوت ہے " چند دقیقہ گزرے ہونگے کہ مظفر جنگ کے اس قول کی تصدیق ہوگئی جاسوسوں نے خبر پہنچائی کہ تینوں پٹھانوں نے اپنی اپنی فوجیں لڑائی کے لئے مستعد کھڑی کر دی ہیں اور ایک پہاڑی پر جو مظفر جنگ کی راہ میں ہے اور کئی اونچے مقاموں پر توپیں بھی

چڑھادی ہیں۔ جو کئی دن پہلے اِسی دن کے لئے لائی گئی تھیں۔ اب تو اِن تیاریوں کے سننے سے کسی کو بھی اس میں شک وشبہ نہیں رہا کہ پٹھان آمادہ بغاوت ہیں اور اس بغاوت کی تدبیریں انہوں نے پہلے سے کر رکھی ہیں۔

اس وقت مظفر جنگ نے اپنے سواروں کی سرلشکری خود اپنے ماتحت رکھی اور انہیں اسقدر بےصبری اور بیتابی لاحق ہوئی کہ فرانسیسیوں کی فوج کی رفتار سے زیادہ اپنے سواروں کی رفتار کو تیز کر دیا اور اُن کی امداد کے بغیر باغیوں پر جاتے ہی حملہ آور ہو گئے پٹھانوں کی فوجوں میں زیادہ تر انہیں کے ہم قوم سپاہی تھے یہ اگرچہ تعداد میں کم تھے مگر بہت ہی بہادری سے انہوں نے مقابلہ کیا اور مسٹر بسی کی فوج کے آنے تک اس حملہ کو رد کر دیا۔ مگر فرانسیسی توپخانہ نے پٹھانوں میں کشت وخون کا بازار گرم کر دیا آخر انہیں بجز فرار کے کچھ نہ سوجھا۔ مگر نواب مظفر جنگ نے باوجود مسٹر بسی کی ممانعت کے بھی دشمنوں کا تعاقب کیا اور فرانسیسی فوج کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے فرانسیسیوں نے کوشش کی کہ ان تعاقب میں جلدی بڑھیں۔ مگر وہ اس سعی میں کامیاب نہیں ہوئے وہ نواب کی جماعت کے ایک رسالہ کے پاس اُسوقت پہنچے جبکہ مظفر جنگ کے سوار سواآنور کے نواب کی لاش کے میدان جنگ میں پڑنے اُڑا رہے تھے۔ کڑپا کا نواب بھی میدان سے زخمی ہو کر بھاگ نکلا تھا۔ اور مظفر جنگ اُس کے تعاقب میں تھے اِس اثنا میں کرنول کے نواب سے مڈبھیڑ ہو گئی اِس کے ساتھ ایک مختصر سی جماعت تھی۔ باغی پٹھان نے دیکھا کہ اب فرار کی کوئی صورت نہیں فوراً مظفر جنگ کے ہاتھی پر حملہ کیا۔ مگر اس ناتجربہ کار نواب زادہ مظفر جنگ نے اپنی فوج کو یہ اشارہ کیا کہ نواب کرنول پر حملہ نہ کیا جائے۔ یہ شکار میرے لئے چھوڑ دیا جائے۔ اب طرفین کے ہاتھی باہم مل گئے اور مظفر جنگ نے تلوار کا وار کیا۔ مگر اس کو خالی دیکر مخالف نے ایک ایسا تیر مارا کہ اُن کی آنکھ میں پیوست ہو گیا۔ اِس زخم کاری کے لگتے ہی وہ

راہی ملک عدم ہوئے دشمن پر چاروں طرف سے مظفر جنگ کی فوج ٹوٹ پڑی اور اسکو زخموں میں چور کر دیا۔ اس باغی پٹھان کے مارے جانے پر اہل فوج نے اکتفا نہیں کی بلکہ اِس کے ساتھی پٹھان کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ حدیقۃ العالم میں لکھا ہے کہ اِس لڑائی میں کسی پٹھان کا ایک تیر نواب نظام علی خاں بہادر اسد جنگ کو بھی لگا مگر خدا نے خیر کی فرانسیسیوں کو مظفر جنگ کی واپسی کا خیال تھا اور فتح کی مبارکبادی کے لئے تیاریاں کر رہے تھے کہ اتنے میں اُن کے مارے جانے کی اطلاع ہوئی یہ سن کر اُن کی آنکھوں میں زمین و آسمان سیاہ ہوگئے اور بہت مضطرب ہو کر فوراً مظفر جنگ کے لشکر میں آئے یہاں نواب کے مارے جانے کی خبر نے ہل چل ڈالدی تھی کیونکہ اہل فوج کی ماہواریں چڑھی ہوئی تھیں اور یہ سخت اندیشہ تھا کہ اِس وقت تمام فوج غدر کر کے نواب کا مال و متاع لوٹ لیگی۔ اس وقت لشکر کے تمام فوجی افسر ایک دوسرے کو بدگمانی کی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور ایک عجیب پریشانی پھیلی ہوئی تھی۔

اِس حادثہ جانکاہ سے جو مظفر جنگ کے قتل سے واقع ہوا فرانسیسیوں کے منافع کو بہت بڑا ضرر پہنچا کیونکہ ناصر جنگ کے قتل سے انہیں جو کچھ ملکی اور مالی فائدہ حاصل ہوگئے تھے وہ سب مظفر جنگ کے مرنے سے کالعدم ہوگئے۔ اب فرانسیسیوں کو دکن کے ملکی امور میں مداخلت کرنے کے لئے کوئی وجہ موجود نہ تھی اور اس وجہ سے مسٹر بسی کوئی کارروائی نہیں کر سکتا تھا۔ اگرچہ مسٹر بسی کو فرانسیسیوں کی کامیابی کی آیندہ کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ اور اُس نے بُرے نتایج کو بھی اپنے آنکھ سے دیکھ لیا تھا تاہم اُس نے اپنی جرأت اور ثابت قدمی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور جو کچھ اس نازک موقع پر اُس کو سوجھا وہ بیدھڑک کر گذرا۔ اُس نے فوراً عہدہ داران و افسران فوج کو جمع کیا اور انہیں بھی اس امر کے لئے مستعد پایا کہ مظفر جنگ کے قتل سے جو خرابیاں پڑ گئی تھیں وہ دور ہو جائیں۔ اس وقت لشکر میں مظفر جنگ کے ایک خوردسال

بچے کے سوا ناصر جنگ کے تین بھائی بھی موجود تھے جنھیں وہ اپنے ساتھ نظر بند رکھتے تھے تاکہ وہ ان کی غیبت میں بغاوت نہ کریں۔ جب ناصر جنگ شہید ہوئے تھے اور مظفر جنگ اُن کی جگہ پر بٹھائے گئے تھے۔ اس وقت بھی یہ بیچارے رہا نہیں ہوئے اور بدستور سابق قید میں رکھے گئے۔ مسٹر بسی نے افسران فوج اور ارکان ریاست کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی کہ اِن تینوں رئیس زادوں میں بڑے کو جنکا نام صلابت جنگ تھا صوبہ داری کی مسند پر بٹھایا جائے۔ اِس تجویز کو سبھوں نے پسند کیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہر لحظہ ہنگامہ اور غدر کا اندیشہ ہے اور مظفر جنگ کے دودھ پیتے بچے کو صوبہ دار بنانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اب تو مسٹر بسی کی اِس رائے کی تعمیل ہوئی اور تینوں قیدی حبس سے رہا کئے گئے جنمیں سے صلابت جنگ صوبہ داری کی مسند پر فوراً بٹھا دئے گئے۔

نواب مظفر جنگ بہادر کی حکومت و صوبہ داری صرف ایک مہینہ بیس روز تک رہی۔ مدت حکومت در حقیقت انہوں نے کوئی حکومت نہیں کی۔ حیدرآباد کو آتے ہوئے راستہ میں قتل کر ڈالے گئے۔ نواب مقتول ابتدا ہی سے دوسروں کے ہاتھ میں رہے۔ چندا صاحب کے ذریعہ سے فرانسیسیوں نے اُن کی طرفداری کی گر جو حکم چاہتے تھے ان سے لکھوا لیتے تھے۔ صوبہ داری کا زمانہ اور اُس کے پہلے کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں قوت فیصلہ بہت ہی کم تھی اور تجربہ و دانشمندی سے بھی بے بہرہ تھے آخر کار ان کو یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ نواب مقتول کو علوم عربیہ کا بہت شوق تھا خصوصاً علم منطق پر نہایت توجہ تھی تہذیب المنطق زبانی یاد تھی مگر شعر کی طرف میلان نہ تھا۔

نواب امیر الممالک صلابت جنگ میر سید محمد خاں بہادر

نواب صلابت جنگ بہادر کو صوبہ دار بنانے کے بعد مسٹر بسی نے یہاں کے تغیرات اور جدید حالات سے مسٹر ڈپلے کو اطلاع دی اُس نے اِس انقلاب کو بھی فرانسیسیوں کے حق میں مناسب سمجھکر مسٹر بسی کو اُس کی کارروائیوں کی منظوری دی اور تمام اپنے مقاصد کا نشیب و فراز اس کو سمجھا دیا کہ کس طرح نواب صلابت جنگ بہادر سے کام نکالنا چاہئے۔ اس کے بعد ہی فوج نے کوچ کیا اور کرنول پر حملہ کرکے قلعہ کو فتح کرلیا۔

کرنول پر قبضہ

یہیں کے نواب نے مظفر جنگ بہادر کو قتل کیا تھا۔ اِس جنگ میں تمام کرنول کی مقیم فوج تہ تیغ کردی گئی۔ ادھونی کی جاگیر سید الدین خاں فرزند مظفر جنگ کے قبضہ میں دیدی گئی جس پر مظفر جنگ اپنے نانا کے وقت سے قابض تھے اِس کے علاوہ کرنول اور کڑپہ بھی اس جاگیر میں شریک کردیا گیا جسکی آمدنی سالانہ ایک کرور روپیہ سے زاید تھی پٹھانوں کا استیصال کرکے اس فوج نے گولکنڈہ کی طرف رخ کیا اور دریائے کرشنا سے پار اُتری۔ گولکنڈہ اور دریائے کرشنا کے مابین پچیس ہزار مرہٹوں نے بالاجی راؤ کی ماتحتی میں اس فوج کی پیش قدمی کو روکنا چاہا۔ اور اسی غرض سے مرہٹوں کو نواب غازی الدین خاں بہادر برادر اکبر صلابت جنگ نے متعین کیا تھا۔ جو اس وقت دہلی میں امیر الامرائی کے عہدہ پر سرفراز تھے۔ لیکن اب تک مرہٹوں کو نواب غازی الدین خاں بہادر سے کسی قسم کی امداد نہ ملی تھی اس لئے کچھ نقد رقم دیدینے سے مسٹر بسی نے اُن کو اپنے طرف ملا لیا۔

مرہٹوں کی مزاحمت

اب کوئی روک درمیان میں باقی نہ رہی تھی۔ ۲ اپریل ۱۷۵۱ء کو یہ فوج گولکنڈہ میں داخل ہوئی اور بغیر کسی مخالفت کے نواب صلابت جنگ صوبہ داری کی مسند پر تخت نشین ہوئے۔ ان کی صوبہ داری کی موافقت نہ صرف رعایا نے کی بلکہ قرب وجوار

تخت نشینی اور فرانسیسیوں کی ملازمت

تمام حکام نے اطاعت قبول کی۔ نواب صلابت جنگ بہادر کی مسند نشینی جب بغیر کسی مخالفت کے عمل میں آگئی تو فرانسیسیوں کا حق الخدمت ادا کیا گیا۔ ایک لاکھ پونڈ کی قیمتی جسٹن مسٹر بسی کو عطا کی گئیں اور فرانسیسی علم بردار کو پچاس ہزار روپیہ انعام ملے اس طرح تمام فرانسیسی افسروں کو بڑی فیاضی سے نواب صلابت جنگ بہادر نے خوش کیا اور ساری فوج کو نواب صاحب موصوف نے نوکر رکھ لیا۔ فوج کے کپتان کی تنخواہ علاوہ گاڑی گھوڑے کے ماہانہ اخراجات کے ایکہزار روپیہ تھی اور لفٹنٹ کی پانچسو روپیہ علم بردار کی تین سو روپیہ اور سولجروں کی ساٹھ ساٹھ روپیہ تنخواہ ماہانہ مقرر ہوئی۔ فرانسیسی فوج کا جب عمل دخل پورا ہوگیا تو سٹرڈ پلے نے ان کی مدد سے مسلی پٹم پر قبضہ کرلیا۔

اورنگ آباد میں داخلہ اور مسند صوبہ داری

اسی اثناء میں یہ خبر پہنچی کہ نواب غازی الدین خاں بہادر نے بادشاہ دہلی سے دکن کی صوبہ داری اپنے نام حاصل کرلی ہے اور ان کے حکم سے ایک بڑی فوج برہانپور کیطرف بڑھتی چلی آرہی ہے۔ یہ خبر پاتے ہی نواب صلابت جنگ بہادر اورنگ آباد کی طرف روانہ ہوئے جہاں تک پہنچنا انہوں نے ضروری جانا تھا۔ اس سفر کے درمیان میں جاسوسوں نے یہ خبر پہنچائی کہ اورنگ آباد کے معززین نواب صلابت جنگ بہادر کی صوبہ داری کے خلاف ہیں اور شاہنواز خاں نے جو اس سفر میں نواب صلابت جنگ کے ساتھ تھا مگر کسی جگہ موقع پاکر علحدہ ہوگیا پہلے ہی سے اورنگ آباد پہنچکر لوگوں کو بھڑکا دیا ہے کہ نواب صلابت جنگ بہادر نے اپنی آزادی سے حکومت مغلیہ کی اہانت کی کہ بجز شاہی منظوری کے اتنے بڑے ملک پر قبضہ مالکانہ کرلیا۔ شاہ نواز خاں نے یہ بھی بیان کیا کہ صلابت جنگ نہایت کمزور طبیعت کے آدمی ہیں اور بڑے خودغرض ہیں اور انہوں نے سلطنت مغلیہ کے خلاف آدھے ملک کو اپنے قبضہ میں کرلیا ہے اگرچہ اس زمانہ میں شاہان دہلی کا وہ اثر اور دبدبہ نہ رہا تھا جو شاہان سابق کا تھا تاہم ہندوستان کے وہ ممالک جو ماتحت آچکے تھے وہاں کے باشندے بغیر منظوری شاہ دہلی

کسی کو اپنا حکمران جایز نہیں تصور کرتے تھے۔ نواب صلابت جنگ بہادر کو اس خبر کے سننے سے بڑی تشویش لاحق ہوئی اور انھوں نے دارالملک اورنگ آباد میں داخل ہونا مناسب نہ خیال کیا۔ لیکن رعایا کے اطمینان اور مخالفین کا منہ بند کرنے کے لئے ایک نئی تدبیر کی یعنی ایک مصنوعی دربار دہلی کے ایلچی کا بڑے تزک و احتشام کے ساتھ استقبال کیا مصنوعی ایلچی نے ان کو بادشاہ کی طرف سے سند صوبہ داری دکن کی لاکر دی۔ جب یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہوگئی کہ بادشاہ دہلی نے باضابطہ سند صوبہ داری نواب صلابت جنگ بہادر کے نام ارسال کی ہے تو ساری مخالفت دور ہوگئی اور نواب صلابت جنگ بہادر بلا خوف و خطر فرانسیسی فوج کو لئے ہوئے اورنگ آباد میں داخل ہوئے۔ یہ شہر اُس وقت اپنی آبادی اور وسعت کے لحاظ سے دہلی کے بعد دوسرا شہر تھا جہاں قریب پندرہ لاکھ کے آدمی آباد تھے۔ فرانسیسی فوج کی حفاظت کے لئے ایک محفوظ جگہ انتخاب کی اور وہاں اپنے ڈیرے ڈالدئے۔

بالاجی راؤ کا مقابلہ

اگرچہ نواب صلابت جنگ بہادر نے اپنی حکمت عملی سے اپنا وقار قائم کر لیا تھا مگر مزید تقویت کے لئے ایک دوسری تقریب سرانجام دیگئی اور وہ یہ تھی کہ دہلی کے بادشاہ کا ایک سفیر خلعت صوبہ داری اور مرصع تلوار لیکر اورنگ آباد میں داخل ہوا جس کی بڑی توقیر کی گئی اور دھوم دھام سے استقبال کرکے شہر میں لایا گیا۔ علاوہ خلعت کے حکومت کی سندیں بھی اس سفیر کے پاس موجود تھیں جن کو اُس نے نواب صلابت جنگ کے حوالہ کیا ۱۷۵۱ء کے آخر تک نواب صلابت جنگ بغیر کسی جنگی مہم کے ملکی انتظام میں مصروف رہے۔ مگر ۱۷۵۲ء کے آغاز ہوتے ہی نواب غازی الدین خاں بہادر کے اشارہ سے پھر بالاجی راؤ مرہٹہ برسر پرخاش ہوا اور ۴۰ ہزار مرہٹوں کی فوج لیکر حدود صوبہ داری میں حملہ آور ہوگیا۔ اس وقت نواب صلابت جنگ اور بالاجی راؤ کے حدود سلطنت میں دریائے گوداوری حد فاصل تھا جو اورنگ آباد سے

۳۵ میل کے فاصلہ پر مغربی سمت بہتا ہے۔ بالاجی راؤ کا صدر مقام پونہ تھا جو اورنگ آباد سے ۱۲۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس حملہ کے وقت بالاجی راؤ نے پونے کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ کیا تھا۔ نواب صلابت جنگ بہادر بالاجی راؤ کے مقابلہ کے لئے اپنی تمام فوجوں کو لیکر میدان جنگ میں جا پہنچے اور مسٹر بسی فرانسیسی کمینڈر کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی فرانسیسی فوج کو لیکر میدان جنگ میں آجائے لیکن مسٹر بسی نے بجائے اس کے کہ اپنے ہی ملک کے حدود میں مرہٹوں کا مقابلہ کرے انہیں کے ملک میں نقصان پہنچانے کی تدبیر اختیار کی اور پونہ سے ۳۰ میل کے فاصلہ تک فرانسیسی فوج کو لئے ہوئے آپہنچا۔ وہاں مرہٹوں نے خوف زدہ ہو کر خود آس پاس کے دیہات جلادئے اور پونہ میں جس قدر غلہ کی کوٹھیاں تھیں اس خوف سے کہ مسٹر بسی کا قبضہ نہ ہو جائے تباہ و برباد کر دیں صوبہ داری کی فوج کی رسد پر جو پیچھے سے آرہی تھی حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور حسب عادت کیمپ سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہے لیکن ہر مرتبہ فرانسیسی توپخانہ سے نقصان اٹھا کر فرار ہوتے رہے۔ ایک رات چاند گہن تھا بالاجی اور سب مرہٹے گنگا کے کنارے پرستش میں مشغول تھے فرانسیسیوں نے یہ خبر پاکر شب خون مارا مرہٹوں کی جماعت کثیر کو قتل کیا بالاجی ننگے سر بے زین کے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ گیا مال غنیمت بہت سا ہاتھ آیا جس میں سونے کے بت بھی تھے۔ مگر پانچ سات دن کے بعد متفرق فوج کو جمع کر کے بالاجی پھر آموجود ہوا اور دونوں لشکروں میں بڑا کشت و خون ہوا اس معرکہ میں نواب صلابت جنگ بہادر کی فوج کو رسد نہ پہنچنے سے بڑی تکلیف پہنچی اور فاقہ کشی کی حالت پہنچ گئی۔ یہ جنگ بھی دونوں فریق کے لئے یکساں اثر رکھتی تھی اور دونوں نے یکساں نقصان برداشت کیا۔ آخر مصلحت وقت کے لحاظ سے صلح کی گفتگو کی گئی اور بالاجی راؤ نے ایک لاکھ روپیہ لیکر جنگ و جدال سے کنارہ کیا۔

راجہ نرمل کا مارا جانا

یہ معاہدہ جولائی ۱۷۵۲ء میں طے پایا اور نواب صلابت جنگ بہادر نے اپنی تمام فوج لیکر اورنگ آباد سے گولکنڈہ کی طرف کوچ کیا۔ راستہ میں وہ تمام جاگیرداروں اور زمینداروں سے خراج وصول کرتے جاتے تھے لیکن راجہ نرمل نے جو تمام زمینداروں سے زبردست تھا اور زیادہ فوج رکھتا تھا اپنے ساتھ کئی سرکش زمینداروں کو شریک کرکے نواب صلابت جنگ بہادر کا مقابلہ کیا۔ ایک سخت جنگ واقع ہوئی جس میں زمینداروں کی فوج شکست کھاکر فرار ہوگئی اور راجہ نرمل میدان میں مارا گیا نواب صلابت جنگ بہادر بغیر کسی مزاحمت کے گولکنڈہ میں داخل ہوئے۔

نواب فیروز جنگ کا دکن میں آنا اور فوت ہونا۔

نواب غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ ثانی اس وقت تک دہلی ہی میں بیٹھے ہوئے دکن کی صوبہ داری پر دور ہی سے وار کر رہے تھے مگر یہ دیکھکر کہ اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلا آخر اکتوبر ۱۷۵۲ء میں ایک لاکھ پچاس ہزار تعداد کی فوج لئے ہوئے اورنگ آباد کے سامنے آنکلے اور اُن کے اشارہ سے بالاجی راؤ اور رگھوجی بھوسلہ نے ایک لاکھ سواروں کیساتھ گولکنڈہ کے صوبوں پر حملہ کردیا۔ صلابت جنگ بہادر مسٹر بسی کو لئے ہوئے بیدر تک پہنچے ادھر تو مرہٹوں سے مڈبھیڑ ہوگئی اودھر نواب غازی الدینخاں بہادر فیروز جنگ اورنگ آباد میں داخل ہوگئے اُن کے پاس شاہ دہلی کا فرمان موجود تھا اس لئے کسی مخالف سے مقابلہ نہیں کرنا پڑا۔ دوسرے وہ اس قدر فوج جرار اپنے ساتھ رکھتے تھے کہ کسی کو ان کی طرف آنکھ اُٹھانے کی جرأت بھی نہ تھی نواب غازی الدین خاں بہادر کیساتھ دہلی سے ایک فرانسیسی ڈاکٹر ڈیولٹن بھی آیا تھا جو دہلی کے دربار شاہی میں بحیثیت معالج رہتا تھا۔ نواب موصوف نے ڈاکٹر کو ایلچی کرکے پانڈیچری میں مسٹر ڈپلے کے پاس روانہ کیا اور بادشاہ دہلی کی طرف سے ایک مہری کاغذ بھی دیا جس میں مسٹر ڈپلے کو لکھا گیا تھا کہ اگر وہ اپنی فوج نواب صلابت جنگ کی ملازمت سے علحدہ کرلے تو اُس کو بہت سے مقامات اس صلہ میں

دیدئے جائینگے۔ اس کارروائی کی اطلاع نواب صلابت جنگ کو بھی ہوگئی۔ مگر اسی اثناء میں دفعتہً نواب فیروز جنگ بہادر کا انتقال ہوگیا۔ مورخین کا وجہ موت میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ نواب موصوف کو زہر دیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ ہیضہ سے فوت ہوئے۔ بہر حال اُن کی فوج منتشر ہوگئی اور کچھ حصہ مرہٹوں سے مل گیا جو بیدریں برسرپیکار تھے اور باقی اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوگئے۔

نواب صلابت جنگ کی کارروائی۔

اب نواب صلابت جنگ بہادر کے لئے صوبہ داری کا کوئی حریف باقی نہیں رہا اگرچہ اُن کو یہ خیال تھا کہ غازی الدین خاں بہادر کے صاحبزادہ نواب شہاب الدین بہادر جو دہلی میں موجود تھے صوبہ داری کی سند حاصل کرکے اپنے باپ کا بدلہ لے سکتے ہیں لیکن اُس وقت اُنہوں نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی بڑے ہی اطمینان کیساتھ اپنے کو جائز صوبہ دار قرار دیا۔ نواب صلابت جنگ بہادر یہ جانتے تھے کہ انکو جو کچھ قوت حاصل ہے وہ مسٹر ڈپلے کی عنایت اور امداد سے ہے اس لئے اُن کو یہی فکر رہتی تھی کہ مسٹر ڈپلے کسی طرح ان سے مخالف نہ ہونے پائے۔ چونکہ ڈاکٹر ڈیولٹن بادشاہ دہلی کا فرمان لیکر مسٹر ڈپلے کے پاس روانہ ہوگیا تھا اور اگرچہ نواب غازی الدین خاں بہادر کی وجہ سے اُس کا جانا بے سود تھا تاہم نواب صلابت جنگ بہادر اُس کو اور بھی بے اثر کرنے اور مسٹر ڈپلے کو خوش کرنے کیلئے ایک عجیب چال چلے۔ نواب صلابت جنگ بہادر نے اپنے بڑے بھائی کے فوت ہوتے ہی اپنی طرف سے ایک ایلچی مسٹر ڈپلے کے پاس روانہ کیا جس نے نواب صلابت جنگ بہادر کے حسب منشاء ظاہر کیا کہ وہ بادشاہ دہلی کے پاس سے آیا ہے چنانچہ مسٹر ڈپلے کو جب خبر ہوئی تو اُس نے بڑی عزت و احترام کے ساتھ ایلچی کا استقبال کیا جس نے ایک فرمان شاہی جو جعلی تھا مسٹر ڈپلے کے حوالہ کیا۔ اُس میں یہ درج تھا کہ کرشنا کے جنوب میں جو ملک واقع ہے ہم نے اس پر مسٹر ڈپلے کو نواب مقرر کیا۔ مسٹر ڈپلے کو یہ فرمان دیکھکر بڑی خوشی ہوئی اور اُس نے تمام صوبہ جات

دکن میں اس فرمان کی تشہیر کی جسے وہ سمجھتا تھا کہ درحقیقت بادشاہ دہلی کی طرف سے آیا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ خواہ اس کا کچھ نتیجہ نہ ہو مسٹر ڈپلے کا مطلب ہر طرح سے حاصل تھا وہ اس وقت دکن کے ہر حصہ پر کم و بیش اثر رکھتا تھا۔ خصوصاً نواب صلابت جنگ بہادر تو بالکل اسی کے ہاتھ میں تھے۔

مرہٹوں سے صلح

غازی الدین خاں بہادر کا انتقال بھی ہو چکا لیکن بالاجی راؤ و رگھوجی بہوسلہ نے جنگ برابر جاری رکھی ہاں مسٹر بسی کے توپ خانہ نے ان مرہٹوں کی ہمت توڑ دی تھی اور اپنی سرحدیں بھاگ کر متفرق ہو کر چھوٹی چھوٹی جمعیتوں کے ساتھ حملہ کرتے تھے جنکا تعاقب مسٹر بسی نے ہر بار بڑی سختی سے کیا۔ بالاجی راؤ نے مثل سابق پھر یہی تدبیر اختیار کی کہ مسٹر بسی کے دست رس سے پہلے ہی وہ اپنے دیہات اور سامان رسد وغیرہ کو تباہ کر دیتا تھا۔ اگرچہ اس صورت میں بالاجی راؤ کا ملک بالکل ویران ہو جاتا تھا لیکن دشمن کو اپنی کسی چیز سے فائدہ نہ اٹھانے دیا۔ الغرض بالاجی راؤ صلح پر راضی ہوا اور وسط نومبر ۱۷۵۳ء میں بمقام گلبرگہ یہ عہد نامہ مرتب ہوا کہ برہانپور کے چند اضلاع بالاجی راؤ کے قبضہ میں دیدئے جائیں۔ اور اورنگ آباد کے نواح کے مقامات جو نواب غازی الدین خاں بہادر نے بالاجی راؤ کو سپرد کر دئے تھے نواب صلابت جنگ کو واپس کئے جائیں۔ اس عہد نامہ پر دستخط ہو جانیکے بعد بالاجی راؤ اپنی فوج لیکر پونا واپس گیا۔ اور رگھوجی بہوسلہ اپنے صدر مقام ناگپور کو واپس چلا گیا جو صوبہ برار کے وسط میں اور اورنگ آباد سے ۳۰۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ مسٹر بسی نے تمام خرخشوں سے ملک صاف کرنیکے بعد اپنے مطالبات نواب کے سامنے پیش کئے اور بہت ہی آسانی کے ساتھ مسلی پٹم کے ساتھ جس کو وہ کچھ پہلے اپنے قبضہ میں لے چکا تھا کوندویر کے اضلاع بھی شریک کرنیکا حکم حاصل کر لیا اس پر بھی مسٹر بسی اس فکر میں تھا کہ اس کی خدمات کے مقابلہ میں یہ انعام کچھ بھی نہیں ابھی وہ اسی لیت و لعل میں پڑا ہوا تھا کہ دفعتہً رگھوجی بہوسلہ نے حملہ کے لئے تیاری کر دی

رگھوجی بہوسلہ کی فوج کشی

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب بالاجی راؤ سے معاہدہ ہو رہا تھا تو رگھوجی نے بھی چند اپنے مفید مطلب شرائط پیش کئے تھے لیکن نواب صلابت جنگ بہادر نے ان کو منظور نہیں کیا اور وہ اپنے کو ناکام سمجھکر راستہ ہی میں ٹہیر گیا تھا۔ قریب دو ہفتہ کے معاہدہ کو گذرے تھے کہ وہ فوج کو لیکر گلبرگہ میں آموجود ہوا جہاں صلابت جنگ کی فوج اب تک مقیم تھی۔

مرہٹے سواروں نے حسب معمول غارتگری اور لوٹ مار شروع کی جابجا سامان جنگ و رسد کو لوٹتے اور بڑی تعداد میں مختلف جماعتوں پر حملہ کرتے تھے۔ فرانسیسی رسالے نے بخوبی مقابلہ کیا اور خاصکر توپخانہ نے جس سے مرہٹے بہت خوفزدہ تھے اور درحقیقت اس کا مقابلہ کرنے سے وہ عاجز تھے۔ سخت نقصان پہنچایا اس پر بھی مرہٹوں نے پیچھا نہیں چھوڑا اور برابر جنگ قزاقانہ جاری رکھی۔ مسٹر بسی نے اس وقت یہ خیال کیا کہ دکن کی فوج کو آرام لینے کی ضرورت ہے اور ملکی انتظام میں حرج ہو رہا ہے مرہٹوں کی جنگ کا کسی طرح موقوف ہو جانا بہتر ہے اس تجویز کی بنا پر اس نے نواب صلابت جنگ سے برار کے چند اضلاع رگھوجی بہوسلہ کو دلاکر اس جنگ سے پیچھا چھڑایا۔

اگرچہ مسٹر بسی نے رگھوجی بہوسلہ کی طرفداری کی اور اسکے حسب منشاء چند مقامات اسکو دلادئے لیکن مسٹر بسی اور فرانسیسیوں کیلئے اسکا نتیجہ بہت ہی خراب نکلا مرہٹوں نے نواب صلابت جنگ بہادر کے اکثر سرداروں اور عہدہ داران فوج کو توڑ کر اپنی طرف ملالیا۔ اور علانیہ طور سے مسٹر بسی اور فرانسیسیوں کے اثر اور حقوق کی مخالفت کرنے لگے جو وہ نواب صلابت جنگ بہادر اور دکن کے تمام مقامات پر رکھتے تھے شاہنواز خاں اس تحریک مخالفت کا سرغنہ تھا۔ لیکن ایک اور دوسرا شخص مسٹر بسی کے خلاف میں سب سے زبردست پیدا ہوگیا۔ اس شخص کا نام لشکر خاں تھا۔ جو نواب آصف جاہ بہادر کے عہد میں فوج کا کپتان معتمد اور نامور جنگ کے ساتھ کرناٹک میں بھی موجود تھا لشکر خاں نہ صرف ایک سپاہی تھا بلکہ اس کی رائیں اور ملکی انتظامات کے تدابیر اس قسم کے ہوا کرتے تھے کہ اسکو ایک مدبر کہنا نامناسب

نہیں ہوسکتا۔ یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اگر لشکر خاں نواب ناصر جنگ سے علحدہ ہوکر اورنگ آباد نہ چلا آتا تو نواب شہید کے افسران فوج ہرگز قتل کرنے کا مشورہ نہ کرسکتے۔ گذشتہ سال جب نواب صلابت جنگ بہادر اور مسٹر بسی اورنگ آباد میں داخل ہوے تھے تو لشکر خاں یہیں مقیم تھا۔ گوکہ لشکر خاں فرانسیسیوں کا سخت مخالف تھا لیکن مصلحت وقت سے وہ مسٹر بسی کا ایسا یار غار بنا ہوا تھا کہ اس نے نواب صلابت جنگ سے تحریک کی کہ وہ لشکر خاں کو اپنا دیوان مقرر کرلیں اور ہوا بھی ایسا ہی مگر سید لشکر خاں نے وزیر ہوتے ہی ظاہری دوستی کا پردہ چاک کر ڈالا اور نواب صلابت جنگ بہادر کے فرانسیسی طرفداری کے ہر ایک موقع پر مخالفت کرنے لگا۔ اور جب کبھی فرانسیسی قوم کے کچھ مطالب وہ پورا کرنا چاہتے تو سید لشکر خاں سخت مخالفت کرتا اور ان کو روک دیتا تھا

مسٹر بسی کا بیمار ہو جانا۔

۱۷۵۳ء کے آغاز میں سید لشکر خاں کو ایک عمدہ موقع فرانسیسی اثر کے زائل کرنے کا مل گیا رگھوجی بھوسلہ کے معاہدہ کے چند ہی دن بعد مسٹر بسی گلبرگہ میں سخت بیمار پڑا اور اگرچہ بیماری کا خطرہ باقی نہ رہا مگر اس کے معالج نے اس کو رائے دی کہ جب تک وہ اپنے عہدہ سے علحدہ ہوکر چند مہینہ خاموشی اور آرام سے بسر نہیں کریگا صحت نہیں ہوسکتی۔ جنوری ۱۷۵۳ء میں مسٹر بسی مسلی پٹم کی طرف روانہ ہوا اور اپنا کام اپنے ماتحت عہدہ داران کے ذمہ چھوڑ دیا جو نہ تو مسٹر بسی کی طرح تجربہ کار تھے اور نہ ایسی قابلیت رکھتے تھے کہ فرانسیسی حقوق کی کماحقہٗ حفاظت کریں۔ مسٹر بسی کی روانگی کے بعد فرانسیسی فوج کیمپ سے کوچ کرکے حیدرآباد چلی آئی۔ دیوان کے لئے مخالفت کا ایک عمدہ موقع ملا۔ اور مسٹر بسی کی غیر حاضری سے اس نے فائدہ اٹھایا لیکن یہ کام کچھ آسان نہ تھا نواب صلابت جنگ بہادر اپنی کم ہمتی اور سادہ لوحی سے اس بات پر بڑا وثوق رکھتے تھے کہ فرانسیسی فوج نہ صرف ان کے دشمنوں کے اور مخالفوں کے مقابلہ میں ان کی پشت و پناہ ہے بلکہ ان کی حکومت کی حفاظت بھی

اُنہیں لوگوں کے دم قدم سے باقی ہے۔ دیوان نے اِن حالات پر غور کیا اور یکایک فرانسیسی فوج کو توڑ دینا ناممکن سمجھکر رفتہ رفتہ ان کی علیحدگی کی تدبیریں کرنے لگا۔

مسٹر بسی پانچہزار فرانسیسی فوج کے ساتھ نواب صلابت جنگ بہادر کے کیمپ میں فرانسیسی کی شکایا
رہا کرتا تھا۔ اور یہ فوج جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے نواب کی ملازم تھی لیکن ابتدا میں فوج کی تنخواہ اور اس کا کل انتظام مسٹر بسی نے اپنے ہاتھ سے کیا اور خود فوج کی تنخواہیں ادا کیں۔ دیوان نے مسٹر بسی پر تنخواہ کا ادا کرنا چھوڑ دیا لیکن تھوڑے دنوں کے بعد جبکہ خزانہ سے روپیہ ادا نہ ہوسکا تو فرانسیسی فوج نے نواب صلابت جنگ بہادر سے سخت شکایت کی۔ دیوان نے ان کی شکایت کا جواب دیا کہ جب تک مملکت کی مالگزاری وصول نہ ہوجائے تنخواہ کا ادا کرنا ناممکن ہے۔ اور اس کی تدبیر ہے تو یہی ہے کہ فرانسیسی فوج عمال کے ساتھ جاکر خود روپیہ وصول کرے۔ اور خزانہ میں داخل کردے لیکن درپردہ دیوان نے چند اضلاع میں مالگزاری ادا کرنے کی ممانعت بھی کردی تھی دیوان کی تدبیر آخر کارگر ہوگئی اور نواب صلابت جنگ بہادر نے بھی طوعاً و کرہاً فرانسیسی فوج کو وصولیابی کے لئے روانہ ہونیکی اجازت دی۔ اِس کا نتیجہ دیوان کی امید کے موافق یہ ہوا کہ فرانسیسی فوج نے وصول یابی میں سخت تشدد کیا اور رعایا ان کے برتاؤ سے نہایت ناراض ہوئی اور جوق جوق محل شاہی کے روبرو آکر فرانسیسی فوج کے تشدد کے شکایات پیش کرنے لگے۔

جب اِن تدبیروں سے فرانسیسی فوج کو دیوان نے منتشر کردیا تو نواب صلابت جنگ بہادر کو آمادہ کیا کہ فی الفور اورنگ آباد پہنچکر استحکام کے ساتھ قیام کرنا چاہئیے اور صرف چند فرانسیسی اور دیسی سپاہیوں کی جمعیت اپنے ساتھ رکھنا چاہیئے۔ دوسرے دن حاکم گولکنڈہ کو خفیہ طور پر یہ فہمائش کی کہ وہاں جو فرانسیسی فوج موجود ہے اس کی تنخواہ نہ دیجائے اور ہر ایک ذریعہ سے ان کے پریشان کرنے کی تدبیر نکالی جائے اور

جو فوجی حصہ مالگزاری وصول کرنے لگا تھا وہ جن جن اضلاع میں پہنچتا تھا دیوان
پہلے ہی سے وہاں کے زمینداروں اور حکام و رعایا کو فرانسیسیوں کے خلاف ابھار
دیتا تھا ان تمام تدابیر سے جو سلوک فرانسیسی فوج کیساتھ کیا گیا سید لشکر خاں کو یہ امید تھی
کہ وہ خود دل برداشتہ ہوکر اپنی علحدگی کی درخواست دیدیگی۔

الغرض ان تمام تدابیر کا یہ نتیجہ ہوا کہ تمام فرانسیسی اور دیسی سپاہی تنخواہ نہ ملنے
کی وجہ سے شور و غل مچانے لگے اور فرانسیسی افسروں نے خاموشی سے اپنے فرائض کی
انجام دہی میں کوتاہی نہیں کی اور خود کچھ دنوں اپنے پاس سے سپاہیوں کی تنخواہ
دیتے رہے لیکن تھوڑے دنوں کے بعد جب ان کا ذخیرہ بھی ختم ہوگیا اور انہوں نے
دیکھا کہ اب معاملہ نازک حالت پر پہنچگیا ہے تو مسٹر بسی کو اطلاع دی کہ اُسے بہت
جلد حیدرآباد واپس آنا چاہیئے ورنہ فرنچ کمپنی کے حقوق معرض زوال میں آجائینگے
اور تمام فوائد معرض خطر میں ہیں۔

مسٹر بسی اس وقت تک مسلی پٹم میں مقیم تھا اور اسے کامل صحت نہ ہوئی تھی جب ی کی مراجعت
فرانسیسی فوج کا طلب نامہ اُس کو ملا تو وہ سخت پس وپیش میں تھا کہ جائے یا نہ جائے
لیکن اسی اثنا میں مسٹر ڈیلے کا تاکیدی خط پہنچا کہ مسٹر بسی کی غیر حاضری میں اگر
ہمارے فوائد کو نقصان پہنچا تو اس کی ذمہ داری اسی کے سر رہیگی۔ مسٹر ڈیلے کی
تہدید آمیز تحریر کو دیکھکر مسٹر بسی نے فوراً مسلی پٹم کو اواخر جون ۱۷۵۳ء میں خیرباد کہا اور بہت
جلد حیدرآباد کا رخ کیا جہاں فرانسیسی فوج کا بڑا حصہ مقیم تھا۔ پہنچنے سے پہلے ہی اُس نے
حکم بھیجدیا تھا کہ جس تاریخ کو میں وہاں پہنچوں تمام فوج شہر کے باہر جمع رہے الغرض ۲۳ر جولائی کو
مسٹر بسی حیدرآباد وارد ہوا اور اسکو تمام فوج یکجا ملی جس میں (۵۰۰) یورپین اور (۴۰۰) دیسی سپاہی تھے
مسٹر بسی نے گولکنڈہ کے گورنر پر اور دوسرے عہدہ داروں پر بھی زور ڈال کر بقایا رقم وصول کرلی
اور اپنی ضمانت پر ساہوکاروں سے بھی روپیہ لیکر فوج کی تنخواہ ادا کی اور سب کو مطمئن کردیا لیکن

یہ سکون واطمینان عارضی تھا کیونکہ آیندہ کے لئے تنخواہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ دیوان مذکور درپے فساد تھا اور اورنگ آباد میں جو فرانسیسی جمعیت صلابت جنگ بہادر کے ساتھ تھی وہ بھی تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے سخت پریشان تھی۔ سردست سوا اس کارروائی کے مسٹر بسی کو اور کوئی تدبیر بہتر نہ معلوم ہوئی دفع الوقتی کرکے موسم باراں کے ختم ہوتے ہی اورنگ آباد کی روانگی کا اُس نے مصمم ارادہ کرلیا۔ جو گولکنڈہ سے ۳۰۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے ستمبر کے ختم ہوتے ہی مسٹر بسی نے اپنی فوجوں کو لیکر اورنگ آباد کی طرف کوچ کیا۔

مسٹر بسی حاضر

اگرچہ سید لشکر خاں مسٹر بسی کی بیخ کنی میں اپنے امکان بھر تدبیریں کررہا تھا لیکن پھر بھی مسٹر بسی کے بہت سے دوست نواب صلابت جنگ بہادر کے دربار میں موجود تھے جو خاطر خواہ اثر رکھتے تھے۔ اِس اثنا میں خود نواب صلابت جنگ بہادر اپنی فوج کی تنخواہ ادا نہ کرسکے اور مقروض ہوگئے تھے دوسرے رگھوجی مرہٹہ کی مخالفت کا اندیشہ ہورہا تھا اور تیسرے یہ ہوا کہ مسٹر بسی کی اورنگ آباد کو آنیکی خبر سنکر دربار صوبہ داری میں سخت پریشانی پھیل گئی سید لشکر خاں دیوان اس معاملہ میں خاص کرکے فکرمند تھا کیونکہ یہ ساری خرابی اِسی کی ساختہ پرداختہ تھی لیکن اس نے پہلے ہی سے اپنے بچاؤ کی فکر کرلی کہ اگر کوئی موقع ایسا آگیا تو وہ دولت آباد کے قلعہ میں جو اورنگ آباد سے (۸) میل کے فاصلہ پر واقع ہے پناہ لیگا۔ مگر اس سے پہلے اس نے ایک اور حکمت عملی اختیار کی کہ اپنے کو دیوانی کی خدمت سے علٰحدہ کردینے کی درخواست کی اور اپنے عذرات پیش کرکے مسٹر بسی سے چاہا کہ وہ کسی دوسرے شخص کا انتخاب کرے۔ گر مسٹر بسی جب پہنچگیا تو وہ سید لشکر خاں کے تمام چالوں سے خبردار ہوگیا کیونکہ سید لشکر خاں جانتا تھا کہ مسٹر بسی اس کو علٰحدہ کرکے ایک جدید الزام اپنے سر نہ لیگا۔ آخر کار وہی ہوا اور مسٹر بسی نے یہ مصلحت سمجھکر کہ سردست صلابت جنگ بہادر

اور سید لشکر خاں سے بگاڑ ٹھیک نہیں ہے موافقت کے ساتھ پیش آیا اور پھر مثل سابق ہر ایک پر اعتماد کیا گیا۔ اور مسٹر بسی نے ایک معاہدہ دستخط کرنے کے لئے تیار کیا۔

الغرض اس شورہ اور اتفاق کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو عہد نامہ مسٹر بسی نے تیار کیا تھا اس پر صلابت جنگ بہادر نے دستخط کر دئے اور مسٹر بسی اسکو لیکر سید لشکر خاں کے مکان پر آیا کہ وہ اس کی تصدیق کر کے اپنے دستخط بھی کر دے۔ اس عہد نامہ میں درج تھا کہ صوبجات مصطفیٰ نگر۔ ایلور۔ راجمندری سیکاکول فرانسیسی فوج کی مدد کیلئے دئے گئے۔ اور تین دن کے عرصہ میں تفویض کی سند مسٹر بسی کو دیدینا چاہیئے اور یہ کہ جعفر علی خاں نے مسٹر بسی کے انتظام سے قبل جو روپیہ آمدنی کا جمع کیا ہے اگر وہ اس کے دینے میں تاخیر کرے تو سرکاری خزانہ سے انتظامی اخراجات جو آیندہ لاحق ہوں دئے جائینگے۔ اور یہ کہ فرانسیسی فوج اس صوبہ کے لوگوں کی محافظ رہیگی اور یہ کہ اس کو کسی طرح یہ حق نہیں ہے کہ صوبجات ارکاٹ کے معاملات میں دخل دہی کرے اور یہ کہ سلطنت کے تمام بڑے بڑے اہم معاملات میں مسٹر بسی کی رائے لینی ضرور ہے اِس کے بعد ہی بلا تامل جاگیر کی سند مسٹر بسی کو عطا کر دی گئی۔ اور اس نے مسٹر موراکن کے پاس بھیجدی جو مسلی پٹم کا افسر اعلیٰ تھا۔ تاکہ وہ جدید جاگیرات کا انتظام شروع کر دے۔

اس عہد نامہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلی پٹم اور کوندویر کے علاقہ کے علاوہ فرانسیسی کورمنڈل اور اوڑیسہ کے ساحل کے بلا شرکت مالک ہوگئے جو ۶۰۰ میل تک موٹ پلی سے پکوڈانک واقع ہے۔ اِن جدید صوبہ جات کی مالگزاری ۲۱ لاکھ ۱۰ ہزار روپیہ تھی اور کوندویر کی ۶ لاکھ ۸۰ ہزار مسلی پٹم کی پانچ لاکھ ۷ ہزار۔ الغرض کل آمدنی ۴۲ لاکھ ۸۷ ہزار تک پہنچتی تھی اُس وقت فرانسیسی ایک بڑے زرخیز ملک کے مالک تھے جو اس سے پہلے کسی یورپین قوم کے قبضہ میں نہ آیا تھا۔

مسٹر بسی نے یہ پورا سال فوج کے انتظامات اور تیاری میں اورنگ آباد میں بسر کردیا رگھوجی بھوسلہ رگھوجی سے جنگ
کے حملہ کی شہرت ہو رہی تھی اِس سے جنگ کے لئے نواب صلابت جنگ بہادر کی فوج
کیساتھ یہ بھی تیاری کر رہا تھا۔ آخر کار جنوری ۱۷۵۶ء؁ میں رگھوجی بھوسلہ کی تنبیہ کے لئے
متفقہ فوج نے چڑھائی کی۔ مسٹر بسی اور نواب صلابت جنگ بہادر اپنی فوجوں کو ناگپور
تک بڑھالے گئے کیونکہ رگھوجی شمالی مشرقی صوبہ جات کو تباہ کر رہا تھا چند خفیف
لڑائیوں کے بعد رگھوجی سے ۱۱ اپریل میں صلح نامہ ہوگیا۔

اسی سال میں نواب صلابت جنگ بہادر نے نواب نظام علی خاں اور بسالت جنگ کو انتظامات
حکومت ملک کی خدمت سپرد کی۔ نواب نظام علی خاں بہادر برار کے صوبہ دار مقرر
ہوے اور بسالت جنگ ادھونی۔ بیجاپور۔ رائچور کے ناظم ہوے۔ اور عالمگیر ثانی
بادشاہ دہلی نے نواب کو ماہی مراتب اور خلعت روانہ کیا اور لشکر خاں کی جگہ شاہ نواز خاں
صمصام الدولہ وکیل مطلق قرار پائے۔

نواب نظام علیخاں کا برار جانا اور گرانڈیہ سے جنگ کرنا۔

نواب نظام علی خاں بہادر سید وحید خاں کو ساتھ لیکر اورنگ آباد سے برار کی طرف
روانہ ہوے۔ اگرچہ بارش ختم نہ ہوئی تھی لیکن مرہٹوں کی شورشوں کے اندیشوں سے
ایلچ پور تک پہنچنا ضرور تھا۔ نواب نظام علیخاں بہادر بھی بڑے گاؤں تک پہنچے تھے
کہ رگھوجی بھوسلہ کا جنرل گرانڈیہ ایک بڑی فوج لے کر حملہ آور ہوا گو نواب نظام علیخاں بہادر
کے ساتھ تھوڑی سی فوج تھی لیکن نہایت جوانمردی اور شجاعت سے مرہٹہ سردار کا
مقابلہ کیا۔ طرفین میں چند دن تک متواتر جنگ ہوتی رہی جس میں کسیکو غالب ہونیکا
دعوے نہیں ہوسکا۔ اور آخر کار ایک صلحنامہ پر دستخط ہوے جس کی روسے
نواب موصوف کے لئے برار کے اضلاع بغیر زیادہ جنگ وجدال کے صاف ہوگئے۔

۱۷۵۵ء؁ میں یورپ میں فرانس اور انگلستان کے درمیان لڑائی چھڑ گئی جس کا انگریزی دہ۔
نتیجہ یہ ہوا کہ جنوبی ہند میں بھی ملک کرناٹک میں جسے شمالی سرکار بھی کہتے ہیں

کرنل فورڈ کی ماتحتی میں انگریزوں نے فرانسیسیوں پر حملہ کیا اور انکو شکست دیکر شمالی سرکار سے نکال دیا۔ نواب صلابت جنگ بہادر نے جب فرانسیسیوں کا یہ حال دیکھا کہ وہ خود مصیبت میں مبتلا ہیں تو انگریزوں کے حملہ کا ان کو بھی خوف پیدا ہوا انہوں نے پہلے ہی سے انگریزوں کے ساتھ صلح رکھنے کا ارادہ کر لیا۔

مسٹر بسی کا جدید [illegible] اور حیدرآباد پر قبضہ کرنا۔

اسی زمانہ میں فرانسیسیوں کی جاگیر سیکاکول میں بھی کچھ فساد ہو گیا جس کے فرو کرنیکے لئے مسٹر بسی نے ابراہیم علیخاں کاردی کو فوج دیکر انسداد کے لئے روانہ کر دیا۔ وہاں کا انتظام کرنے کے بعد ابراہیم علیخاں نے فرانسیسیوں سے علیحدہ ہو کر اپنے اہل وعیال اور توپ خانہ کو ساتھ لئے ہوے شمالی پہاڑیوں کے درمیان سے گذر کر ایلچ پور کے قریب نواب نظام علیخاں بہادر کا شرف ملازمت حاصل کیا جس کا خانہ خراب مسٹر بسی نے نواب صلابت جنگ بہادر کو اب یہ درخواست دی کہ قلعہ بیدر بھی ہم کو ضروری انتظامات کے لئے دیدیا جائے۔ صمصام الدولہ شاہ نواز خاں وزیر تھے انہوں نے نواب کو سمجھا کر فرانسیسی فوج کو برطرفی کا حکم سنا دیا اس پر موسی بوسی نے بغاوت کا ارادہ مصمم کر لیا اور نواب صلابت جنگ بہادر سے اجازت حاصل کر کے اپنی فوج کو لیکر سیکاکول اور راجمندری کی طرف واپس جانے کا بہانہ کیا اور ارادہ یہ تھا کہ حیدرآباد پر جاکر قبضہ کرلے۔ اس وقت شوکت جنگ کا بھانجہ اور داماد ابراہیم علیخاں حیدرآباد کا حاکم تھا۔ مسٹر بسی کے دیوان حیدر جنگ نے یہ تدبیر سوچی کہ کسی فریب سے ابراہیم علی کو قتل کر ڈالنا چاہیئے کہ بغیر اس کے حیدرآباد قبضہ میں آسانی سے نہیں آسکتا حیدر جنگ نے مسٹر بسی کے ایک مترجم رومی خاں کو شہر میں ابراہیم علیخاں کے پاس اس بہانہ سے بھیجا کہ سفر کی ضروریات کے لئے ہم کو کچھ خریدنا منظور ہے۔ اور چار شخص اور بھی رومی خاں کے ساتھ کر دئے ان کو الگ سمجھا دیا تھا کہ ابراہیم علیخاں کے پاس پہنچے ہی اس کو قتل کر ڈالنا۔ حیدر جنگ کو رومی خاں سے بھی دیرینہ

عداوت تھی اس کو بھی وہ موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا تھا۔ یہ موقع اس کو خوب مل گیا اور اپنی اس فریب کو رومی خاں پر نہ ظاہر ہونے دیا الغرض رومی خاں اجازت حاصل کرکے شہر میں داخل ہوا اور ابراہیم علیخاں کے پاس پہونچکر حیدر جنگ کا پیام سنانے لگا۔ اسی اثنار میں چار آدمیوں نے جھپٹ کر ابراہیم علیخاں کا کام تمام کردیا۔ رومی خاں سخت پریشان ہوا وہ اس فریب سے بیخبر تھا۔ مگر اس مہم کا افسر وہی تھا اس لئے ابراہیم علیخاں کے آدمی دوڑے اور رومی خاں کو تلوار سے مار ڈالا

نواب صلابت جنگ کا حیدر آباد آنا

حیدر جنگ کو جب اس فریب میں کامیابی ہوگئی تو مسٹر بسی فوج کو لیکر شہر میں داخل ہوگیا۔ چار محل کو اپنا ہیڈ کوارٹر قرار دیا اور داد محل اور چار مینار پر بڑی بڑی توپیں شہر کی طرف رخ کرکے چڑھا دیں۔ کہ باشندوں کو تاب مخالفت نہ رہے۔

جب مسٹر بسی کی اس مخالفانہ قبضہ کی اطلاع اورنگ آباد میں نواب صلابت جنگ اور شاہ نواز خاں کو پہونچی تو دونوں سخت برافروختہ ہوئے۔ شاہ نواز خاں تو یہہ چاہتا ہی تھا کہ کسی طرح فرانسیسیوں کو قلع قمع کردے اس نے نواب صلابت جنگ بہادر کو آمادہ کیا وہ ایک بڑی فوج کے ساتھ حیدر آباد کو روانہ ہوئے یہاں آکر وہ گولکنڈہ کے قلعہ میں فروکش ہوئے اور شوکت جنگ و مظفر خاں نے آگے بڑھکر آتش کارزار کو مشتعل کردیا۔ اگرچہ جانبین کا برابر نقصان ہوا لیکن مسٹر بسی نے یہ دیکھکر کہ نواب کی فوج کثیر ہے فوراً ایک ایلچی کو پانڈیچری روانہ کردیا کہ جلد کمک روانہ کیجائے۔ چنانچہ مسٹر میس تین ہزار یورپین اور دو ہزار دیسی سپاہیوں کی فوج لیکر مسٹر بسی کی مدد کو روانہ ہوا اگرچہ بیس ہزار فوج نے اس کے داخلہ کی مزاحمت کی گر مسٹر میس لڑتا بھڑتا حیدر آباد میں مسٹر بسی کی پاس پہنچ ہی گیا۔ اور اس جنگ نے طول کھینچا آخرکار عہدہ داروں کے نفاق سے ذیقعدہ ۱۱۷۰ھ ہجری میں ایک عہدنامہ مرتب ہوا اور دوستانہ تعلقات مسٹر بسی اور صلابت جنگ بہادر کے درمیان پھر قائم ہوگئے اور

مسٹربسی نے وہاں سے کوچ کرکے سیکاکول کی راہ لی ۔

مسٹربسی جب سیکاکول پہنچگیا تو راجہ اجارام جی نے حیدرجنگ سے درخواست کی کہ وہ بوبلی کے زمیندار رنگاراؤ کے خلاف میری مدد کرے جس نے ۷ ہزار جانبازوں کیساتھ اس ملک کو تباہ کردیا تھا اور اِس کے قتل کے درپے تھا اس مدد کے حاصل کرنیکے لئے حیدرجنگ کو ایک بڑی رشوت دی گئی اور آخرکار اُس نے راضی ہوکر ایک عظیم فوج کے ساتھ رنگاراؤ کا محاصرہ کرلیا۔ رنگاراؤ نے جب اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھی تو اپنے ساتھ کی آٹھ ہزار عورتوں کو قتل کردیا کہ وہ آیندہ بیعزتی سے محفوظ رہیں۔ اور اپنی کل فوج کو لیکر حیدرجنگ کے قلب لشکر پر بلائے ناگہانی کی طرح ٹوٹ پڑا۔ ایک سخت کشت وخون کے بعد رنگاراؤ ماراگیا اور اُسکی فوج بھی تہ تیغ ہوگئی ۔ صرف رنگاراؤ کا بڑا بیٹا بچ گیا جس کو کسی عورت نے بھگاکر کسی محفوظ جگہ چھپادیا تھا۔ لیکن راجہ رام جی نے اِس مدد سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ اس واقعہ کے چند ہی دن بعد چند بہاگے ہوئے رنگ راؤ کے سپاہیوں کے ہاتھ سے قتل کیا گیا جس سے ایک پُرانے راجہ کے خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور اسی سال لشکرخاں فوت ہوا۔

اورنگ آباد میں نواب صلابت جنگ کا آنا۔

موسم بارش کے ختم ہوتے ہی شاہ نواز خاں کے مشورہ سے نواب صلابت جنگ بہادر اپنے بعض اضلاع میں دورہ کے لئے روانہ ہوئے ادہونی میں پہنچکر انہوں نے اپنے بھائی بسالت جنگ کو ساتھ لے لیا جنکا انتظام قابل اطمینان نہ تھا اور وہاں سے رائیچور ہوتے ہوئے اورنگ آباد میں داخل ہوگئے۔

شاہ نواز خاں عرصہ سے کوشش کررہا تھا کہ قلعہ دولت آباد کو اپنے تصرف میں لائے ۔ لیکن ایسا ممکن نہ ہوا۔ اس قلعہ پر مبارک خاں اور مرتضیٰ خاں کی اولاد عرصہ دراز سے قابض تھی لیکن شاہ نواز خاں نے انکی اولاد کو جاگیر اور منصب دیکر قلعہ حاصل کرلیا۔

پانچویں ذیقعدہ ۱۱۷۱ھ کو اورنگ آباد کی مقیم فوج میں ایک سخت ہنگامہ وقوع پذیر ہوا جس کو دو برس سے تنخواہ نہ ملی تھی شاہ نواز خاں شام کے وقت نماز کے لئے مسجد میں گیا تھا جو اس غدر کی وجہ سے بڑے خطرہ میں پڑ گیا اور چھپکر اپنے گھر میں داخل ہوگیا چھٹی ذیقعدہ کو بلوائیوں کا ایک بڑا گروہ نواب بسالت جنگ بہادر کے مکان پر آیا اور اِن کو ساتھ لیکر صلابت جنگ بہادر کے پاس پہونچکر یہ اصرار کیا کہ شاہ نواز خاں کی جگہ اِن کو وکیل مطلق کا خلعت عطا کیا جائے۔ رفتہ رفتہ بلوہ خطرناک حالت اختیار کرتا گیا۔ اور بلوائیوں نے ارادہ کرلیا کہ رات کو شاہ نواز خاں کے گھر پر حملہ کرکے اس کے اثاث البیت کو روک لیں لیکن بوجوہ شام کو یہ ارادہ بدل گیا۔ جس سے فائدہ اٹھاکر شاہ نواز خاں نے اپنی پھاٹک پر پشتے بندھواکر حفاظت کا کچھ سامان کرلیا اور اسوقت سے فائدہ اٹھاکر ایک لاکھ روپیہ سرست خاں کو رشوت میں دیا جو بلوائیوں کا سرغنہ تھا۔ چونکہ رقم کے ادائی کی کوئی صورت نہ تھی لہذا شاہ نواز خاں نے بہتر یہی جانا کہ کسی طرح اپنے کو اس مخمصہ سے نکالے چنانچہ رات کے وقت وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ظفر گیٹ کے سنتریوں کو قتل کرکے پھاٹک زبردستی کھلواکر قلعہ دولت آباد کی طرف راہی ہوا اور وہیں پناہ لی۔ جب اس کے فرار ہونیکی خبر شہر میں مشہور ہوئی تو بلوائیوں نے اس کا گھر لوٹ لیا۔

ادہر نواب بسالت جنگ بہادر اپنے مقصد میں ناکامیاب رہے اور انہوں نے آگے بڑھ کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور تمام سامان رسد کا ذریعہ باہر سے بند کردیا شاہ نواز خاں نے اپنی اس بے بسی کا حال دیکھکر مرہٹوں کے پاس قاصدوں کو بھیجا اور ان کو تحریک دلائی کہ وہ اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں مرہٹے تو ایسے ہی موقعوں کے منتظر رہتے ہی تھے فوراً انہوں نے قتل و غارت کا بازار گرم کردیا اور اس طرح نواب صلابت جنگ بہادر کو مشکلات میں پھنساکر شاہ نواز خاں نے اپنی مخلصی حاصل کی۔

نواب صلابت جنگ بہادر اس وقت بہت متفکر تھے۔ ایک طرف تو خود انہیں کی فوج بلوہ پر آمادہ تھی دوسری طرف مسٹر بسی سے کشیدگی تھی اور وہ اپنی فوجوں کو علیحدہ کرکے سیکاکول میں پڑا تھا اور تیسری طرف مرہٹوں کی یورش بڑھ رہی تھی اور ان کا کوئی معاون و حمایتی نہ تھا۔ زیادہ تر وہ اپنے وزیر سید لشکر خاں کے ہاتھ میں تھے جو پہلے ہی سے رحلت کرچکا تھا اس کے بعد شاہ نواز خاں کے مشورہ پر عمل کرتے تھے وہ بھی اس وقت انہیں کے خلاف میں کوشاں تھا۔ الغرض نواب صلابت جنگ بہادر نے اس نازک موقع کو پہچان کر فوراً نظام علیخاں بہادر کو اپنی مدد کے لئے برار سے طلب کیا اگرچہ نواب نظام علیخاں بہادر کے پاس بہت تھوڑی سی فوج تھی لیکن انہوں نے یہ خیال کرکے کہ بیرونی دشمنوں کے مقابلہ میں اپنے بھائی کی اعانت لازم ہے پیغام پاتے ہی کوچ کر دیا راستہ میں بالاجی راؤ مرہٹہ نے اپنے وکلا بھیجے اور ایسا انتظام کیا کہ نواب نظام علیخاں بہادر اپنے بھائی کی مدد نہ کریں لیکن ان کی غیور طبیعت نے اس امر کو پسند نہ کیا اور برابر انہوں نے پیش قدمی جاری رکھی۔ جب ان کے قریب پہنچنے کا غلغلہ بلند ہوا تو صلابت جنگ کے درباری امرا میں سخت کھلبلی پڑگئی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اب ان کے مقاصد اور خواہشوں کے پورے ہونیکی کوئی توقع نہیں۔ اور نواب صلابت جنگ بہادر کی طرح نواب نظام علیخاں ان کے کہنے پر عمل نہ کرینگے اور انہوں نے نواب صلابت جنگ بہادر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ فوراً رقعہ بھیجیں کہ نواب نظام علیخاں برار واپس چلے جائیں۔ اس واقعہ سے یہہ بات بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ نواب صلابت جنگ بہادر کے دربار میں کسقدر خود غرض امرا بھرے ہوئے تھے جو اپنی خواہشوں کے مقابلہ میں سلطنت کے فوائد قربان کردینا بہت معمولی بات سمجھتے تھے مشرقی بادشاہوں کے ارد گرد اکثر ایسی

قسم کے خودغرض لوگوں کا مجمع ہو جاتا ہے اور جو ہمیشہ رئیس کو غفلت اور تعیش میں ڈالکر اپنا کام نکالتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سلطنت تباہ و برباد اور رعایا مفلس و قلاش ہو جاتی ہے۔

جدید انتظام اور نواب صلابت جنگ کی بدگمانی۔

الغرض نواب صلابت جنگ بہادر نے اپنے خودغرض امرا کے کہنے سے آگے بڑھنے کی ممانعت کا خط نواب نظام علیخاں بہادر کے پاس بھیجدیا لیکن نواب نظام علیخاں بہادر سے دانشمند کے آگے یہ بات کب پوشیدہ رہ سکتی تھی کہ خودغرض عہدہ دار سلطنت کے تباہ ہونیکی چال چلتے ہیں حالت ملک کی ایسی ناگفتہ بہ تھی کہ انہوں نے اس ممانعت کی مطلق پروانہ کی اور بڑھے چلے آئے اور اورنگ آباد پہونچکر اپنے دونوں بھائیوں نواب صلابت جنگ بہادر اور نواب بسالت جنگ بہادر سے ملاقات کی اور ایک ضروری کونسل منعقد کرکے اس بات کا فیصلہ کیا کہ سب سے ضروری انتظام سردست یہ ہے کہ مرہٹوں کی یورش کا سد باب کیا جائے اس کے بعد ملک کی اندرونی حالت کا انتظام پورا پورا کیا جائے۔ اس امر کے طے ہو جانیکے بعد نواب نظام علی خاں بہادر نے شاہ نواز خاں کا ساتھ ہونا نہایت ضروری خیال کیا کیونکہ شاہ نواز خاں کو امور مملکت اور ریاست کے انتظام میں بڑا تجربہ حاصل تھا اور اپنے وقت کا وہ دکن میں ایک بہت بڑا مدبر شخص تھا۔ چنانچہ نواب موصوف نے میر غلام علی آزاد بلگرامی کو جو شاہ نواز خاں کے نہایت معتبر دوست تھے دولت آباد بھیجا اور شاہ نواز خاں سے حفاظت جان کا وعدہ کرکے آزاد بلگرامی ان کو نواب کے پاس لائے۔ یہ واقعہ یکم ربیع الاول سنہ مذکور میں ہوا۔ شاہ نواز خاں کے مل جانیکے بعد نواب نظام علیخاں بہادر نے فوجی انتظامات شروع کر دئے اور شاہ نواز خاں کو عقب کے حصہ کی کمان دی کہ وہ سامان رسد وغیرہ کی بھی نگرانی کریں اور بسالت جنگ اور ابراہیم علیخاں کو فوج ہراول کی کمان دی اور سہراب جنگ کے رسالے کو محفوظ

رکھا اور حکم دیا کہ جس طرف ضرورت واقع ہو وہ امداد پہنچائیں۔ اس طرف تو
نواب نظام علیخاں بہادر فوج کو حرکت دینے کی فکر میں تھے اور دوسری طرف
خود غرض اور مطلبی امرائے نواب صلابت جنگ بہادر کو یہ پٹی پڑھائی کہ اگر وہ
تمام انتظامات نظام علیخاں بہادر کے ہاتھ سے انجام دلائینگے تو سخت بے وقعتی ہونیکے
علاوہ یہ بھی زیادہ اندیشہ ہے کہ نواب نظام علیخاں کہیں مستقل طور پر زمام ریاست
اپنے ہاتھ میں نہ لے لیں اور وہ ان انتظامات کو جب محض اپنی رائے سے سرانجام
دیتے ہیں تو ضرور کچھ نہ کچھ اپنا فائدہ سمجھ لیا ہے۔ جب نواب نظام علیخاں بہادر
کو اس دراندازی کی خبر پہنچی اور نواب صلابت جنگ بہادر کی کشیدگی
کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے سید واحد علیخاں کو نواب صلابت جنگ بہادر کے
پاس بھیجکر اُن کو یقین دلایا کہ میرا یہ ارادہ ہرگز نہیں ہے کہ اس موقع سے کسی قسم کا
فائدہ حاصل کروں یا کوئی اپنا ذاتی منشا پورا کروں بلکہ یہ تمام کوششیں محض
ریاست کی خیر خواہی پر مبنی ہیں اور سوا اس کے کوئی دوسرا مطلب نہیں ہے۔
نواب صلابت جنگ بہادر نے یہ سنکر اپنی بڑی خوشی ظاہر کی اور نواب نظام علیخاں بہادر
کو طلب کرکے اپنا ولی عہد مقرر کیا اور فوج کیساتھ جانیکی اجازت دی۔

مرہٹوں سے جنگ - بالاجی راؤ نے ایک بڑی فوج اپنے بیٹے بسواس راؤ کی ماتحتی میں دیکر روانہ کی
کہ وہ نواب کی پیش قدمی کو روک دے اور اس کے پیچھے خود روانہ ہوا اسنے
سواران کا ایک رسالہ راجہ رامچندر اور عضدالدولہ کے روکنے کے لئے بھی بھیجی
جو اپنے اپنے تعلقات سے نواب نظام علیخاں بہادر کی فوج سے ملنے کے لئے
آرہے تھے۔ بالاجی راؤ کی یہ خواہش تھی کہ وہ اِن دونوں سرداروں کو یکجا ہونے
دے اور اسی غرض سے اس کے سواروں نے اس کمک کا مقابلہ ہر جگہ کیا۔
اور آخرکار راجہ رامچندر راؤ اور عضدالدولہ لڑتے بھڑتے سندکھیڑہ کے مقام تک

پہنچگئے جہاں مضبوطی کے ساتھ اپنا مورچہ قائم کیا مرہٹوں نے اِس وقت صرف اپنی قدیم حکمت عملی سے کام لیا یعنی اس فوج کے سامان رسد کو چھین لیا اور چاروں طرف سے رسد غلہ وغیرہ کو بند کر دیا جس کی وجہ سے نہ صرف اِس فوج کو تکلیف ہوئی بلکہ اورنگ آباد تک میں قحط پڑگیا۔ نواب نظام علیخاں بہادر مرہٹوں کے جور وظلم کا بدلہ لینے اِن کے حدود کیطرف روانہ ہوئے اور راستہ میں سامان رسد تلاش کرنیوالی جمعیت کی مزاحمت مرہٹے برابر کرتے رہے اور اگرچہ اسمٰعیل بیگ محمد روشن خاں وغیرہ نے چار سو سواروں کیساتھ مرہٹوں پر حملہ کیا مگر کوئی فائدہ مترتب نہ ہوا۔ ایک مرہٹہ سردار تاجی رسید ہیا نامی جو زخمی ہو گیا تھا اُس نے اپنی فوج لیکر علیحدگی اختیار کرلی۔

یہ چھوٹی چھوٹی اور بیقاعدہ لڑائیاں اُس وقت تک برابر جاری رہیں جب تک کہ نواب نظام علیخاں بہادر رسید کیڑ میں پہنچگئے اب اُنھوں نے پونا کے لوٹنے کا ارادہ کرکے فوج کا رخ اس کے طرف پھیر دیا پہلے تو مرہٹوں نے اس پیش قدمی کی مزاحمت کی لیکن بڑے بھاری نقصان کے ساتھ ہٹادئے گئے اِس کے بعد مرہٹوں نے عقب کی فوج پر چند توپوں کو پہاڑی پر لگا کر گولے برسانے شروع کر دئے جس کی وجہ سے نواب موصوف کی فوج میں بڑی گھبراہٹ پھیل گئی اور سپاہی اسقدر پریشان ہوے کہ تمام فوجی ترتیب جاتی رہی اور عقب کی فوج ہراول کی جگہ پہنچگئی اور آگے کا دستہ پیچھے ہو گیا جس ہاتھی پر نواب صاحب موصوف سوار تھے اس کے عماری کے پاس سے گذرتے ہوئے بہت سے گولے قریب گرے مگر وہ محفوظ رہے۔ اس کے بعد سخت دست بدست گھمسان کی جنگ ہوئی جسمیں دونوں طرف کے آدمی بکثرت قتل ہوئے آخرالامر دشمن کامل طور پر شکست کھاکر فرار ہوا جس کے تین ہزار سوار اور قریب چار سو سرداران فوج کے میدان جنگ میں کھیت رہے۔

الغرض جب نواب موصوف یہاں سے آگے بڑھ کر دریائے گوداوری کے قریب پہنچے تو بالاجی راؤ اپنے ملک کی تباہی سے خوف زدہ ہوکر صلح کا خواہاں ہوا لیکن نواب موصوف نے اس طرف کچھ توجہ نہ کی۔ جب وہ گوداوری کے کنارے پہنچگئے اور اپنی فوج کو پار اترنے کا حکم دیا تو بالاجی راؤ نے پھر صلح کی درخواست پیش کی۔ القصہ دونوں کے مابین ایک عہدنامہ قرار پایا اور صلح ہوگئی۔

مسٹر بسی اور حیدر جنگ کا آنا

اس صلحنامہ کے بعد مسٹر بسی اور اس کا دیوان حیدر جنگ سیکاکول سے روانہ ہوئے اور اس خیال سے کہ نواب صلابت جنگ بہادر کی خدمت میں حاضر ہوں اپنے مقام سے روانہ ہوئے شاہ نواز خاں کو نواب نظام علیخاں بہادر نے ان کی ملاقات کو مقرر کیا اور جب مسٹر بسی آگیا تو اس کا بڑے عزت و احترام کے ساتھ نواب نظام علیخاں بہادر نے استقبال کیا اور ملاقات کی۔ اس ملاقات کے بعد مسٹر بسی نے اپنی چالاکی اور حکمت عملی سے شاہ نواز خاں کو اپنا دوست بنالیا اور اس سے کہا کہ وہ نواب نظام علیخاں بہادر سے سفارش کردے کہ ابراہیم علیخاں کو جو پہلے ہمارے ہی ملازمت میں تھا اور جواب نواب موصوف کے پاس ہے ہم کو واپس کردیں۔ نواب موصوف نے شاہ نواز خاں کی سفارش پر اور مصلحت وقت کو دیکھکر یہ درخواست منظور کرلی اور اس کے بعد ہی وہ فوج لیکر اورنگ آباد واپس ہوئے۔ مگر مسٹر بسی ٹھیر گیا اور بالاجی راؤ اور صلابت جنگ سے ملاقات کرکے محمدی باغ اور شہر کے مابین قیام پذیر ہوا۔

حیدر جنگ کی چالاکی

حیدر جنگ فتنہ پردازی اور مکاری میں بےنظیر تھا۔ اس نے نواب صلابت جنگ بہادر کو یہ ترغیب دی کہ نواب نظام علیخاں بہادر سے وکالت مطلق کی سند لے لیں۔ اور بجائے ان کے بسالت جنگ کو اس خدمت سے ممتاز کریں۔ نواب صلابت جنگ تو فرانسیسیوں کے ہاتھ ہی میں تھے انہوں نے حیدر جنگ کے مشورہ پر عمل کیا اور

نواب نظام علیخاں بہادر کے بجائے بسالت جنگ کو وکیل مطلق مقرر کر دیا۔ اور اس ذریعے تمام معاملات حیدر جنگ نے اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ نواب نظام علیخاں بہادر نے جب یہ حال دیکھا کہ کسطرح ان کی مخالفت کیجا رہی تھی تو انہوں نے دربار کی آمد و رفت بند کر دی اور وہاں سے برار واپس جانے کی تیاری میں مصروف ہوگئے لیکن اسی درمیان میں ایک سخت سازش کا واقعہ ہوا جس کا بانی مبانی حیدر جنگ تھا پہلے تو اس نے آٹھ لاکھ روپیہ اپنے پاس سے تنخواہ کے دے کر نواب نظام علیخاں بہادر کی فوج کو موسی بسی کی ملازمت میں داخل کر لیا اور اندرونی سازش کر کے نواب موصوف کی کل فوج توڑ دی صرف چند جان نثار رفقا نواب موصوف کے ساتھ باقی رہ گئے تھے پھر اسی کی تحریک سے ایک حبشی غلام نے ۴۔ رجب کو نواب ممدوح کے ایک رفیق واحد علیخاں کو بھی قتل کر ڈالا۔

شاہ نواز خاں کی گرفتاری۔

شاہ نواز خاں اگرچہ نہایت ہوشیار اور معاملہ فہم وزیر تھا لیکن اس موقع پر وہ بالکل آنکھ بند کر کے حیدر جنگ اور مسٹر بسی کی فتنہ انگیزیوں پر مطمئن بیٹھا ہوا تھا ان کو اپنا دوست سمجھتا تھا اُن کی فتنہ پردازیوں اور حیلہ سازیوں سے بالکل ناواقف تھا۔ حتیٰ کہ ایک تقریب میں حیدر جنگ اور مسٹر بسی کو مدعو کیا اور ان کو خلعت و جواہرات عنایت کئے اور اس طرح اپنی دوستی محکم کی۔ مسٹر بسی نے بھی موقع دیکھکر حیدر جنگ کے ذریعہ سے اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور ایک موقع پر اس کی خواہش کی کہ وہ قلعہ دولت آباد میں اس کے ساتھ سیر کرنے کو چلے۔ شاہ نواز خاں چلنے پر راضی ہوگئے اور مسٹر بسی نے خفیہ طور پر نواب صلابت جنگ بہادر سے کہلا بھیجا کہ بیگم کے باغ میں سیر کرنے کے بہانہ سے تم شاہ نواز خاں اور یمین الدولہ منصور جنگ کو بلا بھیجنا۔ جب قلعہ دولت آباد سے توپ چلنے کی آواز آئے تو دونوں کو قید کر لینا الغرض ۲۶ رجب کو نواب صلابت جنگ اور بسالت جنگ بہادر

امرا کے ساتھ بیگم کی مزار پر گئے اور شاہ نواز خاں اور میر محمد حسین خاں تمکین الدولہ بھی ساتھ تھے۔ مسٹر بسی نے قلعہ کے دروازے بند کر کے توپ سرکی لبالت جنگ نے دونوں اسیروں کو قید کر لیا اور فرانس کے کیمپ میں بھیجدیا دونوں الگ الگ فرانسیسیوں کے پہرہ میں رکھے گئے اور ان کے ساتھ شاہ نواز خاں کے بیٹے میر عبدالحی خاں اور میر عبدالسلام خاں اور میر عبدالنبی خاں بھی قید کر لئے گئے اور شاہ نواز خاں کا گھر دوبارہ لوٹا گیا۔ ان کے تمام اقربا و متوسلین اسیر و بے خانماں کر دئے گئے۔

جب فرانسیسیوں نے شاہ نواز خاں کا قرار واقعی انتظام کر لیا تو اب مسٹر بسی اور حیدر جنگ کو اس کی فکر ہوئی کہ کیسطرح نواب نظام علیخاں بہادر کو بھی قابو میں کرنا چاہئے۔ دسویں شعبان ۱۱۷۱ھ کو نواب صلابت جنگ بہادر ہاتھی پر سوار ہو کر آئے اور نواب نظام علیخاں بہادر کو اپنے ساتھ بٹھا کر کمپ میں لے گئے۔ ان سے برار کی حکومت علٰحدہ کر لی گئی۔ اس کے عوض میں حیدرآباد کی حکومت عنایت ہوئی اور ماہانہ ۲۰ ہزار روپیہ تنخواہ مقرر ہوئی نواب نظام علیخاں بہادر نے یہ سمجھ کر کہ عنقریب فتنہ و فساد پیدا ہونے والا ہے۔ مناسب جانا کہ جلد اپنے کو یہاں سے نکال لے جائیں۔

الغرض نواب نظام علی خاں بہادر نے حیدرآباد کا سامان کر کے نواب صلابت جنگ سے رخصت حاصل کی جس رات کو وہ جانے کی تیاری کر رہے تھے اپنے خاص جاں نثاروں کو بلا کر مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ آیا خاموشی کے ساتھ یہاں سے چلا جانا مناسب ہے یا کچھ قسمت آزمائی کرنی چاہئے جس قدر لوگ جمع ہوئے تھے وہ سب تجربہ کار اور دانشمند تھے انہوں نے رائے دی کہ جبتک حیدر جنگ نہ مارا جائے گا یہ خرابیاں نہیں دور ہو سکتیں۔ نواب موصوف نے

اِن کی رائے منظور کرلی اور اسی وقت حیدر جنگ کو یہ پیغام دیا کہ میں کل حیدرآباد چلاجاؤں گا اس لئے ایک بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ حیدر جنگ کو اپنی قوت پر اسقدر گھمنڈ تھا کہ یکہ و تنہا چند ملازمین اور دو سپاہیوں کو ساتھ لیکر نواب موصوف کے خیمہ میں چلا آیا ۲؍ رمضان ۱۱۷۱ھ بعد مراسم ملاقات کے نواب موصوف نے اپنے چند ملازموں کو بلایا برگز کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں لوگوں میں غلام سید خاں بھی تھے جو بعد کو عظیم الامرا ارسطو جاہ کے لقب سے مشہور ہوئے اور اُن کا ہاتھ حیدر جنگ کے ہاتھ میں دیکر اس سے کہا کہ اب میں حیدرآباد جاتا ہوں ان لوگوں کو آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ ان کی حفاظت اور آرام کا انتظام اچھی طرح سے کیجئے گا۔ یہ کہکر خود کسی بہانہ سے اُٹھ گئے۔ اِن کے اُٹھتے ہی تمقام جنگ نے حیدر جنگ کے ہاتھ پکڑ کر گردن کے گرد لپیٹ دئے اور زبردست خاں اور شہسوار جنگ نے اِس کے دونوں پہلوؤں میں خنجر بھونکدیا اور راجہ پرتاب ونت نے جھپٹ کر اُس کا سر تلوار سے اُڑا دیا۔ یہ عبرت ناک انتقام جب ہو چکا تو اِس کی لاش ایک چادر میں لپیٹکے خیمہ کے کسی کونہ میں ڈالدی گئی اور محمدؐ غوث خاں کے مشورہ سے نواب نظام علیخاں بہادر خیمہ کی قنات کو پھاڑ کر گھوڑے پر جلدی سے سوار ہوئے اور چند رفیقوں کے ساتھ آگے بڑھے۔ حیدر جنگ کے سپاہیوں نے پے در پے نواب موصوف پر کئی گولیاں چلائیں لیکن بفضلہ آپ محفوظ رہے اور بڑھتے ہوئے ایک ٹیکرے پر پہنچگئے۔ یہاں سے مسٹر بسی کے کیمپ پر دو بان مارے کہ اس کی فوج میں ہل چل پڑگئی اور باوجود کثرت تعداد کے فرانسیسی حواس باختہ ہوگئے یہاں سے نواب موصوف راجہ رامچندر کے کیمپ کے طرف بڑھے اور وضعدار خاں کو راجہ کے پاس بھیجا اُس نے نواب موصوف کے پاس خود آنا تو خلاف مصلحت سمجھا لیکن دو تین ہزار سواران کے خدمت میں روانہ کردئے۔

انہیں سواروں کو ساتھ لیکر نواب موصوف وہاں سے بھی روانہ ہو گئے ۔

ہ نواز خاں کا قتل

مسٹر بسی نے ابراہیم خاں گارڈی کو پھر اپنے ماتحت کر لیا تھا اُس کے پاس بہت سی فوج اور توپخانہ تھا اُسے یہ حکم دیا کہ دیکھو نواب نظام علیخاں جانے نہ پائیں ابراہیم علیخاں مصلحت وقت اور نمکخواری کے لحاظ سے حملہ کرنیکے عوض اپنی کل فوج کے ساتھ نواب موصوف سے مل گیا یہ امر اور بھی مسٹر بسی کے لئے اشتعال غیظ کا باعث ہوا طیش میں آکر اپنے ترجمان پچھمنا اور ایک جماعت کو شاہ نواز خاں وغیرہ کے قتل کا حکم دے دیا غرض اِن لوگوں نے یمین الدولہ اور شاہ نواز خاں اور اُن کے ایک بیٹے عبد النبی خاں کو تہ تیغ کیا۔ اِن سادات کی پُر حسرت شہادت کے ذکر میں یہ امر بھی قابل بیان ہے کہ حیدر جنگ جو اِن کے قید کرنے کا بانی مبانی تھا دو گھنٹہ پیشتر اپنے کیفر کردار کو پہنچ چکا تھا اِسکے قتل کی خبر شاہ نواز خاں کو پہلے ہی سے معلوم ہو گئی تھی جب اس وزیر سید کو حیدر جنگ کے قتل کا حال معلوم ہوا تو اِس نے یقین کر لیا کہ اب اسکا خاتمہ بھی دور نہیں ہے اور دو زانو ہو کر قبلہ رو شہادت کا منتظر ہو بیٹھا اور آخر کار اِسی حالت میں مارا گیا ۔ اور اِن کی لاشیں سمت جنوبی شہر میں دفن کی گئیں ۔

نظام علیخاں بہا
چا نا اور مرہٹوں
مقابلہ

نواب نظام علیخاں بہادر نے اس ہنگامہ سے نکل کر خاندیس کی راہ لی اور ۱۳ رمضان کو برہانپور میں جا کر قیام کیا روپے کی بہت ضرورت تھی اس سبب سے برہانپور کے امرا سے ایک مبلغ کثیر وصول کیا وہیں عید الفطر کی نماز شان و شوکت سے ادا کر کے باسم کی راہ لی جو برار کے اضلاع میں صدر مقام تھا ۔

یزوں سے
پہنچ

اِسی سال یعنی ۱۷۵۸ء میں نواب صلابت جنگ بہادر مسٹر بسی اور ذوالفقار جنگ کو ساتھ لیکر حیدرآباد روانہ ہوئے وہاں پہنچے ہی تھے کہ مسٹر بسی کے پاس کونٹ لالی فرنچ گورنر جنرل کا جو مسٹر ڈپلے کا قائم مقام ہو کر آیا تھا ۔

ایک تاکیدی خط پہنچا کہ وہ فوراً اپنی فوجوں کو لیکر چلا آئے۔ مسٹر بسی نے مجبور ہوکر صلابت جنگ بہادر سے رخصت لی نواب نے نہایت حسرت وافسوس کے ساتھ مسٹر بسی کو الوداع کہی یہاں مسٹر بسی نے جاگیرات کے انتظام کے لئے مسٹر کنفلس کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود روانہ ہوگیا۔ اُس کے جانے کے بعد ہی کرنل فورڈ نے مسٹر کنفلس پر حملہ کرکے شکست دی اور اس کو نکال باہر کیا اسی وقت سے فرانسیسی تعلقات سرکار نظام سے قطع ہوگئے۔ کیونکہ انگریزی فوجوں نے ہر چار طرف سے ان کو کامل شکست دے دی تھی اور وہ مجبور ہوکر جو کچھ مقامات حاصل کر رکھے تھے چھوڑ کر چلدئے اور نواب صلابت جنگ بہادر نے انگریزوں سے معاہدہ کیا جسکی روسے کہ اب آیندہ سے فرانسیسیوں سے کمک نہ لینگے اور انگریزوں کو مسلی پٹم اور دوسرے مقامات بطور انعام حوالہ کردئے اسکے بعد ہی جیسا کہ ذیل میں لکھا جائے گا نواب صلابت جنگ بہادر نواب نظام علیخان کے حیدرآباد آنے کا حال سنکر واپس ہوئے اور انہوں نے کرنل فورڈ سے تحریک کی کہ وہ بھی ساتھ چلے مگر اس نے انکار کردیا۔ اس بات پر نواب صلابت جنگ بہادر سخت کبیدہ خاطر ہوکر واپس ہوئے۔

نواب نظام علیخاں کے دشمنوں نے جو نواب صلابت جنگ بہادر کی طبیعت پر قابو پائے ہوئے تھے نواب موصوف کو اس بات پر آمادہ کیا کہ آپ بالاجی راؤ اور جانوجی بھوسلہ کو خط تاکیدی روانہ کریں کہ نواب نظام علیخاں کے پریشان کرنے اور برار سے بیدخل کرنیکی جسقدر وہ کوشش کرسکیں کریں۔ چنانچہ نواب صلابت جنگ بہادر نے دونوں مرہٹوں کو خطوط مغویانہ روانہ کردئے۔ نواب نظام الملک بہادر کو بھی اپنے مخبروں سے جو چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے یہ خبر معلوم ہوگئی انہوں نے نظام سید خاں سہراب جنگ کو بالاجی راؤ کے پاس روانہ کیا اور خود باسم میں قیام کیا ادھر

گرانڈیہ نے جانوجی کی فوج لے کر موسم بارش ختم ہوتے ہی باسم کے اطراف وجوانب میں لوٹ مار شروع کردی نواب موصوف نے بھی جنگ کی تیاری شروع کی خبر آئی کہ برہانپور کی مقیم فوج پر گرانڈیہ حملہ کیا ہی چاہتا ہے۔ یہ سنتے ہی نواب موصوف اِن کی امداد کے لئے برہان پور روانہ ہوگئے۔

اگرچہ راستہ بھر مرہٹے نواب موصوف کی فوج سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہے لیکن وہ یکم ربیع الثانی کو مع الخیر برہان پور پہنچکر دریائے تاپتی کے کنارے خیمہ زن ہوئے اور پانچ دن تک یہاں قیام کر کے فوج کو زحمت سفر سے آسودہ کرکے ناگپور کی راہ لی۔ جانوجی نے جب دیکھا کہ گرانڈیہ نواب کی مقاومت کے لئے کافی نہیں ہے تو خود ایک بڑی فوج لیکر اِن کے ساتھ ہولیا اور راستہ میں جابجا حملہ کرتا رہا لیکن کوئی سخت لڑائی پیش نہیں آئی۔ جب نواب موصوف دریائے پورنا کے کنارے پہنچ گئے۔ تو سیدی عنبر خاں اور قدیر صاحب گارڈی نے رات کے وقت دشمن کے لشکر پر شب خون مارا گھمسان کی لڑائی ہوئی جانوجی اور گرانڈیہ بھاگ نکلے اِن کی فوجوں نے کامل شکست کھائی۔ اور مرہٹوں کا کل سامان رسد وحرب حملہ آوروں کے ہاتھ لگا۔ جانوجی نے مصلحت وقت کے لحاظ سے صلح کو جنگ پر ترجیح دی اور درخواست صلح کی پیش کی۔ راجہ پرتاب ونت کے مشورہ سے نواب نظام علیخاں بہادر نے بھی اس درخواست کو منظور کرلیا۔ اور جانوجی نے ایک قیمتی پیشکش نذر میں گذرانی۔

نواب نظام علیخاں کا حیدرآباد واپس ہونا۔

اس کے بعد نواب موصوف دیوگڑھ چاندا کے قلعہ پر حملہ کرنے کی غرض سے آگے بڑھے تھے کہ راستہ میں غلام سید خاں پونا سے آکر مل گیا جس نے بالاجی راؤ سے کامل مصالحت کرلی تھی اور بالاجی راؤ نے اِس کی بڑی عزت کی تھی۔ غلام سید خاں نے نواب موصوف کو یہ رائے دی کہ بہتر ہے آپ اپنے بھائی نواب صلابت جنگ بہادر کے

پاس حیدر آباد واپس چلیں۔ اس کا نتیجہ نہایت عمدہ ہوگا کہ جب آپ اس ملک کے مالک ہونگے تو تمام صوبجات بغیر کسی جنگ وجدال کے قبضہ میں آجائینگے اور ملک میں امن وامان قائم رہیگا۔ اگرچہ راجہ پرتاب ونت وزیر نے اس رائے کی مخالفت بھی کی لیکن نواب موصوف نے غلام سید خاں کی رائے پر عمل کیا اور نرمل کی طرف روانہ ہوگئے۔ یہ سنکر صلابت جنگ کے مقرر کردہ حاکم مجاہد جنگ نے پیغام بھیجا کہ اگر اس طرف سے آپکا لشکر گذریگا تو میں مقابلہ کے لئے آمادہ ہوں لیکن نواب نظام علیخاں بہادر نے اس کی کچھ پروا نہ کی اور قلعہ کے قریب جا پہنچے مجاہد خاں نواب موصوف کی کثرت افواج دیکھکر مرعوب ہوگیا حاضر خدمت ہوکر قلعہ کی کنجی نواب موصوف کے سپرد کردی نواب صاحب موصوف نے خواجہ سعد خاں فرزند عضد الدولہ کو قلعدار مقرر کرکے حیدر آباد کا رخ کیا۔

نواب صلابت جنگ کا دورہ

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ نواب صلابت جنگ بہادر جب حیدر آباد وارد ہوئے تو مسٹر بسی ارکاٹ چلا گیا۔ اور انگریزوں سے شکست کھاکر تباہ ہوگیا اب حکومت کے معاملات نواب صلابت جنگ بہادر کے اختیار میں آگئے انہوں نے شوکت جنگ کو دیوان خاص اور شیر جنگ کو دیوان عام مقرر کیا۔ موسم بارش کے ختم ہونے کے بعد مقتدر خاں قلعدار بیدر نے سرکشی کی اُس کی تنبیہ کے لئے نواب صلابت جنگ بہادر فوج لیکر روانہ ہوئے اور ایک مہینہ کامل محاصرہ کے بعد اس کو فتح کرلیا۔ اور وہاں کا انتظام کرکے سیکاکول کی طرف بڑھے یہاں مسٹر بسی کے نائب ذوالفقار خاں کو اننت راج زمیندار نے انگریزوں کی اعانت سے شکست فاش دی تھی اُس کا جواہر خانہ اور ہاتھی اور توپ خانہ سب چھین لیا تھا۔ اور اس لڑائی میں زمیندار کی طرف کے تمام وہ لوگ لچھنا وغیرہ جو شاہنواز خاں کے قاتل تھے میدان جنگ میں مارے گئے۔

اسپ بہلو والیں

غرض انت راج کی تنبیہ کے لئے سیکاکول کی طرف ۱۷۵۹ء میں نواب صلابت جنگ بہادر روانہ ہوئے بھونگیر کا قلعہ سٹربسی کے زمانہ سے نقش بندی خاں کے قبضہ میں تھا۔ اس قلعدار نے نواب صلابت جنگ بہادر کے لشکر پر گولے اتارنے شروع کئے انہوں نے چند دن یہاں قیام کرکے بخوبی اس کی تنبیہ کی اور اُن کے سپاہیوں نے تمام اطراف و جوانب کے دیہات لوٹ کر ویران کردئے۔ آخرکار مصالحت سے یہ قصہ رفع ہوگیا۔ اور نواب نے قلعہ داری صولت جنگ کو عنایت فرمائی یہاں سے نواب موصوف ایک بہت بڑے جنگل کا راستہ طے کرکے مسلی پٹم کے قریب پہنچے تھے کہ خبر ملی کہ نواب نظام علیخاں بہادر نے حیدرآباد پہنچکر حکومت ہاتھ میں لے لی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سخت پریشان ہوئے اس صورت میں انت راج کے ساتھ انگریزوں سے مقابلہ کرنا خلاف مصلحت تھا۔ کرنیل فورڈ کی درخواست پر انگریزوں کو مسولی پٹم کا قلعہ وغیرہ لبطور انعام کے عطا کردیا اور صلح کا معاہدہ کرلیا اور یہ پہلا معاہدہ تھا جو سرکار آصفی اور انگریزوں میں ہوا۔ نواب صلابت جنگ نے ادھر انگریزوں سے یہ معاہدہ کرکے اطمینان حاصل کیا اور فوراً مسلی پٹم کو چھوڑکر جلد جلد کوچ کرتے ہوئے حیدرآباد سے تین کوس کے فاصلہ پر سوری پیٹ میں پہنچکر مقام کیا۔ صلابت جنگ بہادر نواب نظام علیخاں سے خائف ہوکر اپنی تمام فوج چھوڑکر تنہا ادھونی چلے گئے جہاں وہ پہلے سے حاکم مقرر کئے گئے تھے۔ نواب صلابت جنگ بہادر نے بھی اپنی فوج اسی مقام پر چھوڑی اور خود چند سواروں اور ملازموں کے ہمراہ حیدرآباد کو روانہ ہوئے۔ جب نواب نظام علیخاں بہادر کو ان کے قریب پہنچنے کا حال معلوم ہوا تو بڑی ہی عزت و تکریم کیساتھ آگے جاکر ان کا استقبال کیا اور ۲۳ر شوال سنہ ۱۱۷۴ھ کو اپنے ساتھ شہر میں لائے۔ ملاقات کے بعد نواب صلابت جنگ بہادر نے حکومت کی باگ نواب نظام علیخاں بہادر کو سپرد کردی

انہوں نے کمال دور اندیشی سے انتظامات شروع کئے میر عبدالحی فرزند شاہ نواز خاں کو آزاد کیا اور صمصام جنگ کا خطاب دیکر چھ ہزار کی جاگیر دی اور اس کے بھائی میر عبدالسلام کو بھی دولت آباد سے طلب کیا۔ لیکن ابراہیم علیخاں گارڈی پرتاب ونت کے سلوک سے ناراض ہوکر فرانسیسی توپ خانہ کو ساتھ لئے ہوئے بالاجی راؤ کے پاس چلا گیا۔

مرہٹوں سے جنگ
نواب نظام علیخاں بہادر کے اعلیٰ تدبر اور دانشمندی سے ملک کا انتظام نہایت مضبوط اصول پر قائم ہوگیا اور لائق و منتظم اشخاص ان کے دربار میں جمع ہونے لگے۔ یہ امر ایسا تھا جو اس ملک کے دشمنوں اور حاسدوں کے لئے سخت تکلیف دہ تھا۔ کیونکہ وہ تو محض اس بات کے خواہاں تھے کہ ریاست بدنظمیوں کا گھر اور فسادات کا مرکز رہے اور ہم لوٹ مار مچاکر فائدہ حاصل کریں۔ خاصکر مرہٹے تو اور بھی پریشان ہوئے جو اس ریاست کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ انہوں نے اپنی خصومت اور عداوت کا اظہار شروع کردیا ۱۱۷۳ھ میں انہوں نے حیلہ بازی اور دباؤ سے احمد نگر۔ بہادر نگر۔ بڑے گاؤں کے قلعوں پر قبضہ کرلیا تھا اور بڑی کوشش سے ابراہیم علیخاں کو بھی نواب سے علیحدہ کرلیا اسی اثنا میں سوریا راؤ زمیندار نرمل جو اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے قید میں تھا۔ کسی ترکیب سے نکل بھاگا اور نرمل کے قلعدار کو قتل کرکے خود قابض ہوگیا۔ یہ خبر سنتے ہی سہراب جنگ فی الفور روانہ کیا گیا کہ زمینداروں کو قید کرکے قلعہ کو اپنے قبضہ میں کرلے۔

بالاجی راؤ کی نسبت خبر معلوم ہوئی کہ دو لاکھ کی فوج جرار لئے ہوئے مقابلہ کے لئے نکلا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہوئے نواب نظام علیخاں بہادر مع نواب صلابت جنگ بہادر میدان جنگ کی طرف فوج لیکر روانہ ہوئے پہلے وہ بالکنڈہ پہنچے اور وہاں سے نرمل کے قلعہ میں آئے اور سہراب جنگ و سوریا راؤ کو بھی اپنے ہمراہ لیکر آگے کی راہ لی اور متواتر کوچ کرتے ہوئے ادگیر میں داخل ہوئے جو نہایت فرحت بخش

مقام تھا اور جہاں سامان رسد اور میٹھا پانی بکثرت ملتا تھا۔ فوج کے قیام کرتے ہی بالاجی راؤ کی فوج کا کچھ حصہ چند میل کے فاصلہ پر ۵ ۲ ر جمادی الاول سنہ مذکور ۱۱۷۶ء میں نظر آیا جو دور تک وسیع میدان پر قبضہ کئے ہوئے تھا چند بہادر منصبداروں کی معیت میں ایک رسالہ نواب موصوف کے حکم سے جنگ کے لئے آگے بڑھا مگر بالاجی کی فوج بہت تھی۔ اس نے ہر چہار طرف سے گھیر کر اس مختصر سی جمعیت کو پراگندہ کر دیا اور وہ مجبور ہو کر دھارور کی فصیل کے نیچے پناہ گزین ہوئی۔ ابراہیم علیخاں نے جو بالاجی راؤ کی طرف سے مقابلہ پر آیا تھا ایک بلند مقام پر اپنا توپ خانہ قائم کر لیا اور وہاں سے نواب موصوف کی فوج پر گولے مارنے شروع کئے۔ ۶۔ جمادی الثانی کو تیغ جنگ اور سہراب جنگ نے جو نواب ممدوح کے میمنہ پر متعین تھے ابراہیم خاں پر سخت حملہ کیا ایک سخت جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابراہیم علی نے مجبوراً اپنی جگہ چھوڑ دی اور پیچھے ہٹ گیا۔ اسی طرح سے فوج میمنہ سے چند دنوں تک کئی معرکہ آرائیاں ہوئیں جس میں لشکر اسلام کو غلبہ رہا چند افسران فوج اسلام مارے گئے اور مرہٹوں کی طرف سے بھی بکثرت کام آئے اور ابراہیم علیخاں کا بھتیجا مارا گیا۔

معاہدہ صلح

اس جنگ کے بعد نواب نظام علیخاں بہادر نے یہ ارادہ کیا کہ جو رسالہ دہارور میں موجود ہے اس کی کمک کے لئے جانا چاہیئے ورنہ اس کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ قرار دیکر اُنہوں نے اودگیر کو خیر باد کہا اور اوسہ کی راہ لی جو یہاں سے بیس کوس کے فاصلہ پر واقع تھا وہ وہاں چند دن آیندہ تیاری کے لئے مقیم رہے تاکہ بالاجی راؤ پر ایک سخت اور مشترکہ حملہ کر کے قطعی فیصلہ کر دیا جائے۔ بالاجی راؤ مرہٹہ نے جب یہ تیاری دیکھی تو اُس نے خیال کیا کہ اپنی بقیہ فوج سے مل جانیکے بعد نواب نظام علیخاں بہادر ضرور پونا کی تخریب کے درپے ہوں گے اور انکے روکنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ امر ذہن نشین ہو چکا تھا اپنے تمام دوستوں

اور ساتھیوں کو جمع کر کے اُس نے یہ تقریر کی کہ اس کی کبھی خواہش نہ تھی کہ مملکت آصفیہ پر حملہ کیا جائے اور کہ اِس نے اس جنگ کے لئے مطلق تیاری نہیں کی اور اِس کو اس آمادگی پر اس وقت سخت افسوس ہو رہا ہے۔ اس کے بعد اِس نے یہ فیصلہ کیا کہ ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ صلح کر لیں اور ہندوستان کے شمالی مغربی حصہ کو اپنی جولانگاہ بنائیں اس کے بھائی بھاؤ راؤ وزیر اعظم نے اگرچہ اس تقریر کی مخالفت نہیں کی لیکن اس کو یہ سخت ناگوار گذرا اور اس نے کہا کہ دو لاکھ کی فوج اور ایک عظیم توپخانہ اگر مٹھی بھر مسلمانوں سے اسطرح سے عاجز آ جائے کہ بغیر جنگ کے صلح کر لے تو یہ یقین کرنا چاہئے کہ ہندوستان میں ہماری سخت ہتک ہوگی اور یہ رُعب و داب جو ہم کو ہندوستان میں حاصل ہے بالکل اُٹھ جائے گا اگر صلح کرنا منظور ہو تو ہم کو اس میں مخالفت نہیں ہے لیکن صلح اس ڈھنگ سے ہونا چاہئے کہ ملک کا کچھ حصہ اور چند قلعہ ہمارے سپرد کر دئے جائیں۔ اگر یہ شرط صلح میں باقی رہے تو ہم عزت و وقعت کیساتھ اپنے وطن واپس ہو جائینگے بالاجی نے اس تجویز پر صاد کیا اور اسی قسم کا صلحنامہ تجویز کر کے ایک کمشنر کے ہاتھ روانہ کیا۔ یہہ ایلچی نواب صلابت جنگ کے پاس اس وقت پہنچا جب ادھر سے میدان جنگ کی طرف بڑھنے والے تھے۔ اس ایلچی نے بالاجی کی رائے پیش کی کہ ہمارے چھینے ہوئے اضلاع اور قلعجات واپس مِلجائیں تو ہم بھی جنگ سے دست بردار ہو جائینگے۔

نواب صلابت جنگ بہادر نے اس صلح پر اپنی رضامندی ظاہر کی مگر نواب نظام علیخاں بہادر نے سخت مخالفت کی کہ جو مقامات اس قدر کشت و خون کے بعد بزور حاصل ہوئے ہیں ان کا واپس کرنا ہرگز مصلحت نہیں ہے علاوہ اس کے مرہٹوں کے قول و فعل کا مطلق اعتبار نہیں ہے وہ جب موقع پائینگے اس صلحنامہ کو پس پشت ڈالدینگے۔

الغرض بالاجی راؤ کا ایلچی ناکامیاب واپس آیا اور ۲۵ ربیع الثانی کو طلوع آفتاب کے وقت نواب موصوف کی فوج میں آگے بڑھنے کا بگل بجایا گیا اور فوج میدان کی جانب حرکت میں آئی۔ ابھی تھوڑا ہی فاصلہ اس فوج نے طے کیا تھا کہ بسنت رائے پیشکار اونٹ پر سے گر پڑا جسکی وجہ سے شوکت جنگ نے خیمہ ڈالدیا اور قریب ایک کوس کے میدان جنگ باقی رہ گیا تھا۔ مرہٹے تو چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے انہوں نے ہر ایک طرف سے گھیر لیا اور جارحانہ جنگ شروع کردی اور طرفین سے ایک سخت لڑائی وقوع میں آئی۔ اگرچہ آخر میں مسلمانوں کو غلبہ رہا مگر فوج کے مشہور سردار شوکت جنگ قادر جنگ جلال الدولہ۔ حسن منور الدولہ غلام نقشبند خاں بسنت رائے وغیرہ اس جنگ میں کام آئے اور مرہٹوں کے ایک ہزار سوار مارے گئے مرہٹوں نے کچھ توقف کرکے پھر ہجوم کیساتھ حملہ کیا اور آتش جنگ بڑی شدت کیساتھ مشتعل ہوئی جسمیں نواب نظام علیخاں بہادر نے بہتوں کو اپنے تیر سے موت کے گھاٹ اُتارا۔ آخر کار شام ہوگئی اور طرفین نے جنگ سے منہ موڑا۔

اگرچہ اس وقت تک مسلمانوں کی طرف اضمحلال نہ پیدا ہوا تھا اور نہ اس بات کی کوئی علامت تھی کہ مرہٹے غالب آئینگے۔ مگر نواب صلابت جنگ نے مرہٹوں کی کثرت افواج کا خیال کرکے اور اپنی طرف کے اکثر سرداروں کے کام آنے سے صلح کو جنگ پر ترجیح دی۔ نواب نظام علیخاں بہادر نے پھر مخالفت کی لیکن نواب صلابت جنگ نے ایک نہ سنی اور سہراب جنگ و راجہ پرتاب ونت کو بالاجی راؤ کے پاس صلح کی غرض سے روانہ کیا۔ بالاجی راؤ تو اسی کا منتظر تھا فوراً اس نے جنگ موقوف کردی اور ایک صلحنامہ قرار پایا جس کی رو سے قلعہ دولت آباد قلعہ اسیر صوبہ برہانپور و خاندیس مع متعلقہ مقامات کے اور سالانہ ساٹھ لاکھ روپیہ دینے کا عہدنامہ مرہٹوں کے ساتھ کیا گیا۔ بالاجی راؤ اس تکمیل کے بعد پونا واپس گیا۔ اور اپنی

فوج کو ہندوستان کی طرف روانہ کر دیا۔ جو دلی کو تاخت و تاراج کرتی ہوئی احمد شاہ ابدالی سے جا بھڑی اور ایسی سخت شکست کھائی کہ اِس کے بعد سے مرہٹوں کو کبھی عروج حاصل نہ ہوا۔ اس واقعہ کی تفصیل ہمارے مقصود سے خارج ہے۔

بالاجی راؤ مرہٹہ سردار سے جب صلح کی کارروائی اختتام کو پہنچ گئی تو آصفجاہی فوج حیدرآباد کو راہی ہوئی۔ نواب نظام علیخان بہادر نے اورا اور راجمندری کی راہ لی لیکن اِن کو راستہ ہی میں یہ خبر پہنچی کہ حامداللہ خاں کو اِن کے بجائے نواب صلابت جنگ بہادر نے وکیل مطلق بنایا ہے تو وہ بھی حیدرآباد کی طرف روانہ ہو گئے اور راستہ ہی میں نواب صلابت جنگ سے مل گئے حامداللہ خاں کو نواب موصوف نے لائق اور منتظم شخص دیکھ کر اِس کے تقرر کی کچھ مخالفت نہیں کی اور اِس کی جگہ پر اسے باقی رکھا۔ بارش کا آغاز ہو چکا تھا جس کی وجہ سے نواب صلابت جنگ بہادر نے اپنی فوج کو ایلگندل میں ٹھیرنے کا حکم دیا۔ مگر نواب نظام علیخاں بہادر باوجود خراب راستہ کے بغیر کسی تاخیر کے حیدرآباد روانہ ہوئے۔

موسم بارش کے ختم ہوتے ہی نواب نظام علیخاں بہادر کو رگھناتھ راؤ مرہٹہ سردار سے مقابلہ کرنا پڑا۔ جس نے لوٹ مار کرنا شروع کر دیا تھا مگر جلد ہی طرفین میں صلح ہو گئی اور یہاں سے نواب موصوف بیدر کو روانہ ہوئے جس کے قلعدار میر مقتدر خاں نے سرکشی ظاہر کی تھی۔ نواب موصوف نے اس کی جگہ سعادت خاں کو مقرر کیا اور حیدرآباد پہنچکر اپنے بھائی کا انتظار کرنے لگے۔

جو شہر کے باہر مقیم تھے چند دن کے بعد دونوں مل کر اورنگ آباد پہنچے۔ اس درمیان میں بھی نواب صلابت جنگ بہادر کو نواب موصوف کی طرف سے کچھ کدورت آگئی تھی جس کو اُنھوں نے زائل کیا اور اپنی طرف سے اخلاص کا یقین دلایا۔ اور بیدر کو روانہ ہوئے ختم سال کے بعد ۱۷ رمضان کو ریاست کا بہت بڑا دشمن بالاجی راؤ فوت ہوگیا اور یہ واقعہ پانی پت کے جنگ کے بعد ہوا۔ اس کے فوت ہونے کے بعد مہاراؤ اُس کے بیٹے نے پیشوائی کا عہدہ لیا۔

۱۷۶۱ء یا ۱۱۷۵ھ کے آغاز میں نواب نظام علیخاں بہادر کو رگھناتھ راؤ سے پھر مقابلہ کرنا پڑا جب وہ دھارور میں پہنچے تو رگھناتھ راؤ بغیر کسی اشتعال کے اورنگ آباد پر چڑھ آیا۔ لیکن اس کو ناقابل فتح پاکر نواب موصوف کی فوج کیطرف بڑھا۔ وہاں بھی اپنی فوج کو کمتر پاکر پیچھے پلٹا۔ اور اورنگ آباد پہنچکر اس کے اطراف کے دیہات کو لوٹنا شروع کیا۔ نواب موصوف ۲۳۔ ربیع الثانی ۱۱۷۵ھ کو احمد نگر کی طرف بڑھے۔ اور غنیم سے راستہ میں ایک جھڑپ ہوگئی۔

۲۷۔ جمادی الاولیٰ کو نواب نظام علیخاں بہادر پونا سے ۸ میل کے فاصلہ پر پہنچگئے جہاں غنیم کی فوج مزاحمت کررہی تھی یہاں ایک سخت واقعہ ہوا کہ نواب موصوف کے چھوٹے بھائی ناصر الملک اور راجہ رامچندر دشمن سے مل گئے جس کی وجہ سے اِن کی فوج میں سخت گھبراہٹ پھیل گئی۔ اس قسم کے اتفاقی واقعات جنگ وجدال پر سخت اثر ڈالتے ہیں مگر نواب موصوف نے مستقل مزاج مدبر نے اس کی کچھ پروا نہکی اور اپنے سرداران فوج کو بلوا کر وفاداری کا عہد و پیمان لیا اور آگے بڑھے۔ رگھناتھ داس نے ہزار مدافعت کی کہ آصفیہ فوج آگے بڑھنے نہ پائے مگر ہر دفعہ

کثیر نقصان کے ساتھ پسپا کیا گیا اور یہ دیکھ کر کہ اب اس کا زیادہ ٹھیرنا ملک کی تباہی کا باعث ہے۔ پونا فرار ہو گیا۔ ۶۔ جمادی الآخر کو اور ایک عہد نامہ مقرر کر کے صلح کی جس کی رو سے اورنگ آباد اور بیدر میں ۲۷ لاکھ روپیہ کی آمدنی کا ملک نواب کے حوالہ کیا۔ اور نواب موصوف یہاں سے رامچندر غدار کے تعلقہ کو ویران کرتے ہوئے بیدر پہنچے یہیں موسم بارش بسر کیا۔

اس سفر کے دوران میں نواب صلابت جنگ کے کئی خطوط نواب نظام علیخاں بہادر کے ہاتھ لگے جس میں انہوں نے اُن کے خلاف بہت کچھ لکھا تھا۔ یہ امر نواب موصوف کو سخت ناگوار گزرا کہ باوجودیکہ وہ ہمہ تن ریاست کی بہبودی اور نواب صلابت جنگ بہادر کی خیر خواہی اور وفاداری کے کوشاں ہیں۔ مگر وہ ان پر مطلق بھروسہ نہیں کرتے۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ اس سے پیشتر دو مرتبہ ایسا واقعہ پیش آچکا ہے۔ آخر کار نواب نظام علیخاں بہادر نے وزیر اعظم وغیرہ سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے اُن سب نے باتفاق رائے یہ تجویز پیش کی کہ آپکو مسند نشین ہونا چاہیئے۔ الغرض ۴۔ ذیحجہ ۱۱۷۵ھ کو نواب موصوف نے نواب صلابت جنگ بہادر کی جگہ تخت نشینی اختیار کی اور اُن کو قلعہ بیدر میں محبوس کر دیا جہاں وہ ۱۱۷۷ھ میں فوت ہوئے۔

نواب صلابت جنگ بہادر نے ۱۳ برس حکومت کی اور اگرچہ وہ صلح پسند اور نیک دل رئیس تھے لیکن ریاست کے انتظام میں وہ ابتدا سے انتہا تک ناکامیاب رہے ایسے زمانہ میں جبکہ مسٹر ڈپلے اور مسٹر بسی اپنے داؤ گھات میں لگے ہوں اور دوسرے طرف مرہٹے حملہ کیلئے ہمہ تن آمادہ ہوں ملک کا سنبھالنا نواب صلابت جنگ بہادر کے اختیار سے باہر تھا اور ہم گذشتہ واقعات سے نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ ابتدا میں مسٹر بسی کے ہاتھ میں رہے پھر اپنے وزرا سید لشکر خاں اور شاہ نواز خاں کے ہاتھ میں رہے جنہوں نے فرانسیسیوں کو دربار سے نکالنے کی بڑی کوشش کی لیکن ناکامیاب رہے۔ اور اگر نواب نظام علیخاں بہادر

اس کا انسداد نہ کرتے تو نواب صلابت جنگ بہادر بالکل حیدر جنگ اور مسٹر بسی کے ہاتھ میں چلے جاتے۔ حیدر جنگ کے قتل کے بعد جس قدر واقعات ظہور پذیر ہوئے وہ نواب صلابت جنگ بہادر کی کمزوری طبع پر اور روشنی ڈالتے ہیں یعنی انہوں نے نواب نظام علیخاں بہادر پر مطلق اعتبار نہ کیا۔ اور اپنے خود غرض امرا کے کہنے سے اُن کی تخریب کے درپے ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تخت سے اُتار دیئے گئے۔

نواب میر نظام علی خاں بہادر نظام الملک نظام الدولہ آصف جاہ ثانی

نواب آصف جاہ بہادر اول نے جو بعد رحلت خطاب مغفرت مآب سے تاریخ میں یاد فرمائے گئے چھ صاحبزادوں کو چھوڑ کر وداع سلطنت کیا تھا۔ان میں سے چار مفصلۂ ذیل تخت نشینی حضرات نے کم و بیش تاریخی نام پیدا کیا۔نواب آصف جاہ بہادر کی رحلت کے وقت نواب غازی الدین خاں دہلی میں تھے اور نواب ناصر جنگ بہادر ہمراہ رکاب تھے اور یہی وجہ تھی کہ ان کو سب سے اچھا حصول حکومت کا موقع تھا۔تیسرے صاحبزادے نواب صلابت جنگ بہادر تھے اور سب سے چھوٹے مگر اقبال میں سب سے بڑے نواب نظام علی خاں بہادر تھے جنھوں نے بخطاب آصف جاہ ثانی بیالیس سال تک بڑی شان و شوکت سے سلطنت کی۔

اسلامی حکومت میں بادشاہ وقت کا جانشین مقرر نہ ہونا اور "ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند" پر عمل کرنا ہمیشہ نہایت خطرناک رہا ہے۔اسی غیر متعین حالت نے عالمگیر کی مضبوط سلطنت کو بھائیوں میں تلوار چلا کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور یہی نقص مغفرت مآب کے صاحبزادوں کی باہمی جنگ و جدل کا باعث اور قیمتی جانوں کی ہلاکت کا سبب ہوا۔

جیسا کہ ہم اوپر تفصیل سے دکھا چکے ہیں کہ جب نواب ناصر جنگ نے رحلت نواب مغفرت مآب کے بعد لوائے حکومت بلند کیا اور مشہور کیا کہ غازی الدین خاں بہادر نے حکومت دکن سے دست برداری کی تو نواب مظفر جنگ بہادر ہمشیرہ زادہ نے جو اس وقت بیجاپور کے گورنر تھے اختلاف کر کے اپنی حکومت کا استحقاق ظاہر کیا۔انگریز اور فرانسیسی بالترتیب نواب ناصر جنگ اور مظفر جنگ کے یار و مددگار رہے اور دونوں یکے بعد دیگرے کامیاب ہوکر آخر اپنے ہی نمک حرام ماتحتوں کے ہاتھوں شربت اجل سے سیراب ہوئے

اب نواب صلابت جنگ بہادر نے تخت آصفیہ پر قدم رکھا تو نواب غازی الدین خاں بہادر بڑے بھائی اون کے مرہٹوں کو ہمراہ لے کر برسر مقابلہ ہوئے مگر اورنگ آباد میں غازی الدین خاں بہادر کی یکایک موت سے جو زہر خورانی سے تعبیر کیجاتی ہے نواب صلابت جنگ چندے آزادانہ حکومت کرتے رہے لیکن نواب موصوف کو جیسا کہ پچھلے حالات سے ظاہر ہے اپنے نام سے کچھ مناسبت نہیں تھی۔ وہ نظام علی خاں بہادر سے ہمیشہ خائف رہے۔ ان کا رعب و داب اور ان کی جنگجوئی و لشکر کشی نواب صلابت جنگ بہادر کو ہمیشہ خوف دلاتی ہیں۔ آخر کار یہہ خوف جو بے وجہہ نہ تھا ۱۷۶۱ء میں پورا ہوا نواب صلابت جنگ بہادر کو حکومت سے سبکدوشی حاصل ہوئی۔ قلعہ بیدر میں قید اور بحالت قید ۱۵ مہینہ کے بعد قید حیات سے رہائی پاکر رہگزائے عالم بقا ہوئے۔

۱۷۶۱ء نہایت مبارک سال تھا۔ جس میں نہ صرف نواب نظام علی خاں سا با اقبال و با سطوت بادشاہ تخت نشین سلطنت ہوا۔ بلکہ احمد شاہ ابدالی نے اسی سال پانی پت کی عظیم الشان جنگ میں مرہٹوں کا بڑی خونریزی سے استیصال کیا اور مرہٹوں کی ظالمانہ حکومت سے ہندوستان اور اہل اسلام کو نجات دی اور انگریزوں نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا۔

دکن کی حالت

اسی سال نواب نظام علی خاں بہادر نے موقع مناسب دیکھکر اپنے ملک کا بڑا حصہ جو گزشتہ سال مرہٹوں کو تفویض کیا گیا تھا واپس لیا۔

نواب نظام علی خاں بہادر کی الوالعزمی اور جنگ جو طبیعت ان کو خاموش نہیں رہنے دیتی تھی زمانہ بھی نہایت پر آشوب اور جنگ و جدال کا تھا۔ مختلف اقوام مختلف مقامات پر اپنی اپنی جدا خود مختارانہ حکومت قایم کر رہی تھیں۔ کیونکہ مرکز حکومت دہلی نہایت کمزور ہورہا تھا اور حضرت عالمگیر کے بعد شیرازہ سلطنت بکھر گیا تھا مرہٹوں کی قوت تمام ہندوستان میں تقریباً محسوس ہورہی تھی۔ دکن میں سرکار آصفیہ کا

جاہ و جلال تھا۔ یوروپین اقوام میں سے فرانس و انگلستان علٰحدہ علٰحدہ کبھی کسی کے ساتھ ہوکر اور کبھی کسی کی رفاقت ترک کرکے اپنی حکومت قائم کر رہے تھے۔

میسور میں حیدر علی نائیک بڑی قوت سے قائم تھا۔ غرض طوائف الملوکی کا ایک ہنگامہ برپا تھا۔

پونہ پر چڑھائی سنہ ۱۷۶۳ء میں نواب نظام علی خاں بہادر نے ورثۂ پیشوایان میں سے ایک فریق کی جانب واری کرکے پونہ پر چڑھائی کر دی۔ راستہ میں عام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔ ہلکر اور گایکوار کی مجموعی فوج نے نواب نظام علی خاں بہادر کی فوج جرار کے مقابلہ سے پہلوتہی کی۔ بلکہ بجائے مقابلہ کے انھوں نے اورنگ آباد اور حیدرآباد پر متواتر حملے کر دئے مگر دونوں جگہ سخت نقصان کے ساتھ واپس ہونا پڑا۔ بخلاف اس کے نواب نظام علی خاں بہادر نے پونہ پہونچکر شہر کو لوٹ لینے کا حکم دیا چنانچہ تمام پونہ میں آگ لگادی گئی۔

جب نواب ممدوح فتح پونہ کے بعد واپس حیدرآباد ہوئے تو مرہٹوں کی فوج رگھوناتھ راؤ کی ماتحتی میں پیچھے پیچھے آرہی تھی۔ بدقسمتی سے نواب ممدوح کی فوج میں ایک مرہٹہ سردار جانوجی نامی تھا۔ اس کو رگھوناتھ راؤ نے ہموار کرکے ۳۲ لاکھ روپیہ کی جاگیر کا لالچ دیا۔ چنانچہ جب حضور پرنور کچھ فوج ساتھ لے کے دریائے گوداوری سے بمقام راکس بہون عبور کر چکے تو نمک حرام جانوجی نے رگھوناتھ راؤ کو اشارہ کیا اور وہ خود حضوری فوج سے مع جمعیت کثیر علٰحدہ ہو گیا۔ رگھوناتھ راؤ نے جو اس کا منتظر اور قریب ہی موجود تھا حضوری فوج پر حملہ کر دیا اور اعانت نہ پہونچنے کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا۔ راجہ پرتاب ونت بہادر وزیر اعظم جو پونہ کے حملہ میں بھی ہمراہ رکاب اعلیٰحضرت تھے اس جنگ میں کام آئے۔ نواب نظام علی خاں بہادر اس واقعہ سے متنبہ و متاثر ہوکر فوج کے ساتھ فوراً اورنگ آباد روانہ ہوئے تاکہ اس کے محفوظ رکھنے کی فکر کریں رگھوناتھ راؤ نے اورنگ آباد پہونچکر

وہاں بھی حملہ کیا مگر نواب ممدوح وہاں پہلے ہی سے تیاری کر چکے تھے مرہٹوں کو شکست نصیب ہوئی اس کے بعد نواب نظام علی خاں بہادر اور رگھوناتھ راؤ میں صلح ہو گئی۔ اگرچہ ملک شمالی سرکارات جن میں راجمندری اور گنتور وغیرہ اضلاع شامل تھے۔ نواب صلابت جنگ بہادر نے فرانسیسوں کو حوالہ کر دیا تھا اور فرانسیسوں سے انگریزوں نے چھین لیا تھا جس کی تصدیق اور توثیق بھی کمپنی کے حق میں دربار دہلی یعنی شاہ عالم سے ہو چکی تھی تاہم نواب نظام علی خاں بہادر اس حصہ ملک کو اپنے ہی زیر اقتدار سمجھتے تھے اس زمانہ میں دربار دہلی کی کچھ ہستی نہ تھی۔ انگریزوں کو کرناٹک کی دیوانی کا فرمان دینا اتنی حقیقت بھی نہ رکھتا تھا جتنا اعتبار حیدر قلی خاں کو دیوانی دکن کا فرمان محمد شاہ سے لے کر حاصل ہوا تھا کہ جب وہ مغفرت مآب کے سلام کو حاضر ہوا تو اوسے سلام کرنے کی بھی اجازت نواب نے نہ دی۔ غرض دیوانی کرناٹک کے مطالبہ پر نواب نظام علی خاں بہادر نے فوجی تیاری کر کے ۱۷۶۵ء میں حملہ کر دیا۔ انگریزوں کی جانب سے مزاحمت ہونے پر دوسرے سال اس سے بھی زیادہ اہتمام سے حملہ کی تیاری کی۔ انگریزوں نے دیکھا کہ ایک نہایت زبردست حکمراں سے بار بار مقابلہ قرین مصلحت نہیں ہے لہذا اپنے ایک جنرل کو بھیجکر انھیں اضلاع کے متعلق جو ان کے قبضہ میں آچکے تھے۔ سات لاکھ روپیہ سالانہ خراج دینا قبول کر لیا اور ضلع گنتور تاحین حیات نواب بسالت جنگ برادر خورد نواب نظام علی خاں بہادر کے قبضہ میں بطور جاگیر رہا۔ یہہ دوسرا معاہدہ تھا جو سرکار آصفی اور انگریزوں میں ۱۷۶۶ء اور ۱۱۸۰ ہجری میں ہوا اور یہ تصریح کر دی گئی کہ اضلاع مذکورہ میں ہیرے کی کان اگر نکلے تو وہ سرکار نظام کا حق ہوگا اور قلعہ کونڈاپلی کے متعلق جو جاگیر ہے اوس کی آمدنی اوس قلعہ دار کو ملا کرے گی جو حضور کی طرف سے مقرر ہوا کریگا۔ اسی معاہدہ کے ساتھ یہہ بھی قرار پایا کہ معاملات حیدرآباد کے تصفیہ مناسب کیلئے

انگریزوں سے معاہدہ

جب ضرورت ہو سرکار کمپنی اپنی فوج سے سرکار نظام کی مدد کرے گی اور اس کا بار خرچ سرکار عالی کے ذمہ ہوگا اس طرح (امدادی) فوج کی جو آج تک قایم ہے بنیاد پڑی۔ معاہدہ کے بعد ہی انگریزوں نے دو پلٹنیں حیدرآباد میں بھیج دیں اور نوبت بہ نوبت محمد وح سے بنگلور پر لشکر کشی کی خواہش کی۔ حیدر نایک بھی صاحب فوج تھا اور انگریزوں کے استیصال کے درپے تھا۔ اوس نے رکن الدولہ کی وساطت سے حضور نظام کو اس ارادہ سے باز رکھا اور وہ دونوں پلٹنیں واپس چلی گئیں اور حیدر نائک اور نواب نظام علی خاں بہادر نے شریک ہو کر انگریزوں پر لشکر کشی کی۔ اثنائے جنگ میں حیدر نائک نے شرف ملازمت حاصل کیا حضور نے جواہرات عنایت فرمائے اور دو دن کے بعد ملاقات بازدید کی۔ حیدر نائک نے اشرفیوں کے چبوترے پر حضور نظام کو بٹھا کر جواہر کے خوان اور دو ہاتھی اور تین توپیں جو فوج انگریزی سے غنیمت میں ہاتھ آئی تھیں نذر گزرانیں اس کے بعد والاجاہ نواب کرناٹک جن کو حیدر نائک سے مخالفت تھی اس امر میں ساعی ہوئے کہ حضور نظام میاں اور انگریزوں میں پھر میل ہو جائے اس بناء پر ۱۷۶۸ء کا تیسرا معاہدہ ہوا۔

نواب نظام علی خاں بہادر نے از روئے معاہدہ ۱۷۶۸ء کمپنی سے قبضہ کرناٹک اور شمالی سرکارات حاصل کرنے کے لئے امداد کا وعدہ کیا جس کے معاوضہ میں کمپنی نے سات لاکھ روپیہ سالانہ اور دو لاکھ روپیہ چھ سال تک نذر دینا قبول کیا۔ تواریخ میں ہے کہ میسور کے راجہ سے پیشکش نواب ناصر جنگ وصول کر کے لائے تھے اور ہمیشہ سے میسور سرکار نظام کا ماتحت تھا حیدر نائک نے غاصبانہ قبضہ کر کے پیشکش کا بھیجنا موقوف کر دیا تھا بلکہ کرنول وغیرہ پر بھی اوس نے تسلط کر لیا تھا اسی بناء پر ان اضلاع کی دیوانی کی سند بھی حضور نظام نے انگریزوں کو اس شرط پر عنایت کی کہ سالانہ سات لاکھ روپیہ نذر کے سرکار نظام میں داخل کیا کریں

یہ دیوانی کی سند بھی تیسرے عہد نامہ میں شامل ہے۔

مرہٹوں سے چھیڑ چھاڑ — اواخر ۱۷۷۳ء میں مرہٹوں نے پھر فتنہ انگیزی شروع کی اور مختلف لڑائیوں میں جو بیدر کے قرب وجوار میں واقع ہوئیں حضور نظام سے بارہ لاکھ محاصل کا علاقہ حاصل کیا۔ لیکن بہت ہی تھوڑے عرصہ کے بعد ان کو پھر واپس دینا پڑا۔

جب نواب بسالت جنگ بہادر کو اپنے حصہ ملک گنتور پر حیدر علی کے حملہ کا خوف ہوا تو انھوں نے کمپنی سے معاہدہ کرکے بحفاظت گنتور حفاظت کی خواہش کی اور جانبین میں شرائط طے ہوگئے جس کی اطلاع کے لئے مسٹر ہالنڈ حیدرآباد آئے۔ یہ صاحب حیدرآباد کے پہلے سفیر تھے۔ ان کو کمپنی کی طرف سے یہ بھی ہدایت کی گئی تھی کہ انگریزوں نے جو خلاف معاہدہ رگھناتھ راؤ کی اعانت کی ہے اور اس کے سبب سے حضور نظام مکدر ہیں اوس کی صفائی بھی کرنا چاہئے۔ نواب نظام علی خاں بہادر نے اس معاہدہ کو جو نواب بسالت جنگ اور کمپنی میں گنتور کے متعلق ہوا تھا نامنظور کیا اور فرمایا کہ بسالت جنگ جو ہمارا بھائی اور ماتحت ہے اس سے بطور خود معاہدہ کرنا سابقہ عہد ناموں کے خلاف ہے اگر کمپنی اپنی فوج کو گنتور سے واپس نہیں بلائیگی تو میں لشکر کشی پر آمادہ ہوں کمپنی کی فوج کو بجبر وہاں سے نکال دونگا یہ مضمون بر گز کی تاریخ میں موجود ہے۔ حدیقۃ العالم میں ہے کہ مسٹر ہالنڈ کے آنے کے بعد نجم الدولہ سیف جنگ تعلقہ کو نور و مرتضیٰ نگر و گنتور سے انگریزوں کے دفع کرنے کیلئے بحکم حضور فوج لے کر روانہ ہوئے آخر کار کمپنی نے حضور نظام سے معافی مانگی اور ضلع گنتور حکام آصفیہ کے سپرد ہوگیا اور کمپنی نے اپنی غلطی کا الزام مدراس گورنمنٹ کے سر تھوپا چنانچہ مسٹر ہالنڈ بے نیل مرام واپس ہوئے نواب غفراں مآب کا اعتراض عہد نامہ ۱۷۶۸ء کی بنا پر تھا کہ اوس میں تصریح ہے کہ سرکار انگریزی کو حضور نظام کے متعلقین و ملازمین سے کوئی تعلق نامہ وپیام کا نہ کرنا چاہئے باستثنائے

دیوان وغیرہ اور اس اعتراض کو گورنر جنرل نے تسلیم کر لیا۔

نواب بسالت جنگ کے مرنے کے بعد بھی اگرچہ از روئے معاہدہ گنتور کمپنی کے تفویض ہونے والا تھا مگر نواب نظام علی خاں بہادر نے اسے حوالہ کمپنی نہیں کیا جب مسٹر جانسن سفیر نے گنتور کی حوالگی اور پیشکش کا تصفیہ کرنا چاہا جو باوجود مکرر معاہدوں کے کمپنی کی طرف سے عرصہ سے وصول طلب تھا تو نواب ممدوح نے انصاف کو مدنظر رکھکر فرمایا کہ ضلع گنتور بدستور تحت سرکار نظام رہے جس کے معاوضہ میں علاوہ بقایا پیشکش کی معافی کے ایک کروڑ روپیہ نقد اور کمپنی کو دیا جائے گا۔ گنتور معاملہ

مسٹر جانسن نے اس تجویز کو قبول کر کے محکمہ منتظمان کمپنی کو لندن لکھا دیا ہے اس بیچارے پر بہت لے دے ہوئی۔ رزیڈنسی کی خدمت سلب کر لی گئی اور ان کو مجبوراً استعفاء دیکر ۱۷۸۵ء میں حیدرآباد چھوڑنا پڑا۔ تین سال کے بعد لارڈ کارنوالس نے پھر ضلع گنتور کا مطالبہ کیا۔ اس مرتبہ مطالبہ کے ساتھ فوجی تائید بھی تھی آخر بعد مجرائے رقم واصلات گنتور نواب صاحب ممدوح نے ۹ لاکھ ۱۶ ہزار روپیہ وصول کر کے ضلع مذکور کو کمپنی کے حوالہ کر دیا۔

اس کے بعد انگریزوں نے حضور نظام کو امدادی فوج کے متعلق جو از روئے معاہدہ ۱۷۶۸ء قائم ہوئی تھی لکھدیا کہ وہ فوج آپ کے دشمنوں کے زیر کرنے کے لئے تو ہوگی لیکن فریق مخالف کمپنی کا دوست ہوگا تو اس کے مقابلہ کو فوج مذکور نہ بھیجی جائے گی۔

۱۷۸۶ء میں جب ٹیپو سلطان نے حضور نظام سے صوبہ بیجاپور لینا چاہا تو حسب شرائط اعلیحضرت نے انگریزوں سے فوجی امداد چاہی مگر انگریزوں نے امداد نہ دی حالانکہ لارڈ کارنوالس گورنر جنرل کے قول کے مطابق انگریزوں کی ٹیپو سلطان سے جنگ

اس وقت ایسی حالت نہ تھی کہ مسٹر وطہ وو پلٹنوں اور دو توپخانوں کا امداد آبھیجدینا ناممکن ہوتا ٹیپو سلطان اور حیدر نائک نے کرناٹک میں انگریزوں کے مقبوضات کو تہ تیغ کرکے آگ لگا کر خاک سیاہ کرچکے تھے غرض انگریزوں نے تو کمک نہ کی لیکن جب انگریزوں اور ٹیپو سلطان میں دوبارہ جنگ چھڑی تو سنہ ۱۷۹۰ء میں انگریزوں نے پھر ایک معاہدہ منازعۃ اور مدافعۃ بمقابلہ سلطان ٹیپو حضور نظام سے کیا اور اعلیحضرت کو غنیم کے ملک میں سے برابر کا حصہ ملنے کا عہد و پیمان ہوگیا۔ معہودہ دو پلٹنیں مع توپخانہ ہمراہی افواج آصفیہ کے لئے پہونچیں جو اس قدر ناکارہ اور فضول تھیں کہ رزیدنٹ وقت مسٹر کینوی نے نہایت حقارت سے دیکھکر گورنر جنرل سے شکایت کی کہ ایسی فوج سے مدد کرنا بجائے خود ہماری فوجی قوت کی توہین کرنا ہے مگر حضور نظام انگریزی فوجی امداد سے مستغنی تھے اور اپنی کثیر افواج کے ساتھ بطور خود حسب معاہدہ سلطان ٹیپو سے لڑنے کے لئے روانہ ہوگئے اور بنگل میں مقام کیا۔ لیکن اس درمیان میں ٹیپو سلطان اور انگریزی فوج میں دوسری جگہ مقابلہ ہوگیا جس میں انگریزوں کو شکست ہوئی بہت سے گورے اسیر ہوئے اور ارباب نشاط کے حوالے کردئیے گئے اون کو ناچنے گانے کی تعلیم دی جاتی تھی اور ٹیپو سلطان کی محفل نشاط میں ناچا کرتے تھے باقی انگریز سلطان کے محبس میں تھے جن کو سوا خاک کے نہ اوڑھنا ممکن تھا نہ بچھونا نہ زخمیوں کی تیمارداری ہوتی تھی ان اسیروں کے علاوہ فرانسیسوں کے قیدخانہ میں جتنے انگریز تھے وہ بھی اونھوں نے مدت کے بعد سلطان کے حوالہ کردئیے تھے ان سب کی رہائی کے لئے سرکار انگریزی نے بہت تدبیریں کیں مگر سلطان نے ایک نہ سنی اکثر اون میں سے تکلیف قید اوٹھا کر مرگئے اور بہت سے بحکم سلطان قتل کرڈالے گئے سلطان نے جب یہ سنا کہ بنگلور پہ پھر غنیم کا قبضہ ہوگیا تو

فوراً سب اسیروں کو زہر دے کر قتل کر ڈالا جن میں بعض نامی افسر بھی تھے۔
اس شکست سے صاحبان انگریز بہت گھبرائے اور یہہ صحیح گمان کیے کہ اس شکست کا حال مبالغہ کے ساتھ حضور نظام سے بیان کیا جائیگا جس سے انگریزی فوج اور قوت کا ناگوار اندازہ ہو گا گورنر جنرل نے رزیڈنٹ وقت کو لکھا کہ حضور نظام سے نہایت محتاط لفظوں میں اس واقعہ کا ذکر کیا جائے اور کہا جائے کہ جو کچھ ہوا وہ آپ ہی کی تعویق اور سستی کا نتیجہ ہے اگر آپ کی فوج چستی و چالاکی سے میدان کارزار کی طرف روانہ ہو گئی ہوتی تو یہہ روز بد انگریزی فوج کو دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ بہر حال مضی مامضی اب آئندہ گورنر جنرل بہادر کو امید ہے کہ آپ کی افواج قاہرہ بمقابلہ سابق زیادہ سعی و اہتمام سے شریک حال رہینگی۔
جب معاہدہ مذکورۂ بالا فیما بین حضور نظام اور گورنر جنرل زیر تجویز تھا تو اعلیحضرت نے اس معاہدہ میں اپنی جانب سے ایک شرط اور بڑھانی چاہی تھی اور وہ یہہ تھی کہ آئندہ ہماری حدود سلطنت میں مرہٹے دست اندازی نہ کرنے پائیں اس شرط کو پہلے تو گورنر جنرل نے منظور کر لیا مگر مرہٹوں سے موافقت ہو جانے کے بعد نظر انداز کر دیا۔ اعلیحضرت نے بہ نظر معاہدہ پھر کثیر فوج روانہ کی جس نے دو ہفتہ کے محاصرہ کے بعد قلعہ بنگلورس فتح کر لیا۔ اس معرکہ میں فوج نظام کے علاوہ مرہٹوں کی فوج بھی انگریزوں کی کمک پر تھی مگر وہ اپنے مطلب سے آئے تھے اس کے بعد لارڈ کارنوالس اور راجہ تہجونت بہادر کمانڈر افواج آصفیہ اور مرشدزادۂ نواب سکندرجاہ بہادر سری رنگ پٹن کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہونچتے ہی ٹیپو سلطان کی فوج نے حملہ کر دیا اور بڑی شکست اوٹھائی۔ اس میدان کارزار میں فوج

آصفیہ نے ایسے کارنمایاں کئے کہ لارڈ کارنوالس نے راجہ صاحب کو ان کی کارگزاری پر مبارکباد دی۔ سلطان ٹیپو نے صلح کی درخواست کی۔ لارڈ کارنوالس نے جواب دیا کہ جب تک حضور نظام کی استرضانہ ہو کوئی کارروائی نہیں ہوسکتی چنانچہ فی الفور حیدرآباد آدمی روانہ کئے گئے۔ یہاں سے میر عالم بہادر روانہ کئے گئے۔ لارڈ کارنوالس میر عالم سے سابقہ تعارف رکھتے تھے انھوں نے اس انتخاب کو بہت پسند کیا۔ میر عالم بہادر کی طرح پیشوا کی جانب سے ہری پنتہ بھی گورنر جنرل سے آملے اور اس کے بعد نواب سکندر جاہ اور نواب عظیم الامرا بہادر بھی مع فوج شریک گورنر جنرل ہوئے۔ اور ٹیپو سلطان سے جنگ آزمائی ہوتی رہی۔ شکست و فتح کے پلے جھکتے رہے انگریزی فوج نے کپتان لٹل کی سرکردگی میں قلعہ ہولی آنور کو فتح کرلیا اور چاہتے تھے کہ مرہٹوں اور حضور نظام کی فوج کو اس میں سے حصہ نہ دیں مرہٹوں کو یہ خبر پہنچ گئی۔ وہ فوراً آموجود ہوئے بستی میں آگ لگادی اور جن لوگوں کو انگریزوں نے امان دی تھی اون کو بھی لوٹ لیا یہ دیکھکر کپتان لٹل نے بھی لوٹ میں شریک ہونے کا ارادہ کیا مرہٹوں نے اون کو حکم دیا کہ قلعہ سے باہر نکل جائیں اور اون کو نکلنا ہی پڑا انگریز مورخ لکھتا ہے کہ ایک کا شکار دوسرے کے ہاتھ لگ گیا۔ انگریزوں کو مرہٹوں سے بدگمانی پیدا ہوگئی مگر مصلحت وقت سے خاموش رہے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ گورنر جنرل اور نواب نظام علیخاں بہادر اور پیشوا کی مجموعی افواج کا مقابلہ ٹیپو نہ کرسکا اور ۱۷۹۲ء میں نصف ملک فریق مخالف میں باہمی تقسیم اور اپنے دو لڑکوں کو بطور یرغمال حوالہ کردینے کے لئے معاہدہ کیا۔ انگریزی تاریخ قدیم سے ثابت ہوتا ہے کہ ٹیپو سلطان نے اس معرکہ سے پیشتر حضور نظام کو اپنے ساتھ متفق کرہی لیا تھا

مگر ٹیپو نے چاہا کہ اس اتفاق کا استحکام آپس میں سمد صیانہ سے کیا جائے نواب نظام علی خان بہادر کو یہہ امر مکروہ معلوم ہوا اور اس شرط کو نامنظور کیا اس سبب سے اسلام کے دو صاحب ملک و لشکر بادشاہوں میں پھوٹ پڑ گئی اور حضور نظام انگریزوں کے ساتھ اتفاق کرنے پر مجبور ہو گئے اگر یہہ اتفاق نہ کرتے تو میسور کا فتح کرنا انگریزوں کو مشکل تھا اور تنہا لڑکر شکست اٹھا چکے تھے۔ اسی معرکہ میں ٹیپو سلطان کا سارا ملک فتح ہو گیا ہوتا مگر گورنر جنرل بہادر بہت دور کی سوچے یا لفعل آدھے ہی ملک کے لینے پر اکتفا کی۔

اس زمانہ میں نواب رحمت خاں نواب کرنول کے انتقال کرنے سے کرنول کا وہاں کی مسند نشینی اور پیشکش کا جھگڑا تھا۔ نوابان کرنول ماتحت اعلحضرت حضور نظام تھے مگر بلا جبر و اکراہ کبھی پیشکش ادا نہ کرتے اور ایسے سرکش تھے کہ انھیں میں سے ایک نواب ہمت خاں نے نواب ناصر جنگ بہادر کو شہید کر ڈالا تھا۔ نواب حیدر علی والی میسور ان کے ملک پر قبضہ کرکے بجبر پیشکش وصول کیا کرتے تھے اسی طرح سلطان ٹیپو کو بھی وہاں سے پیشکش ملتا تھا۔ ٹیپو سلطان کے شکست کھانے کے بعد سوامی مادھو راؤ کو مسند نشین کرنے کے لئے حضور نظام سے مرہٹوں نے استدعا کی اعلحضرت نے صاحبزادۂ بلند اقبال نواب سکندر بہادر کو روانہ فرمایا۔ آپ جشن میں شریک ہوئے اور پیشوائی کی مسند پر سوامی مادھو راؤ کو بٹھا کر نانا پڑنویس کو کاربردار مقرر فرمایا اور مراجعت کی اسی زمانہ میں غفران مآب نواب نظام علی خاں بہادر نے بجائے رحمت خاں متوفی کے اپنی جانب سے اون کے فرزند کو گدی نشین کرنا چاہا۔ اس کی مزاحمت نواب گورنر

جنرل بہادر نے کی اور یہہ چاہا کہ کرنول کی تحصیل ٹیپو سلطان کے ماتحت
رہے مگر اعلیحضرت نے پہلے اعظم خاں فرزند اکبر اور بعدہٗ الف خان فرزند اصغر
نواب متوفی کو مقرر کر دیا الف خاں بوفاداری تمام جنگ کرڈلا میں بمقابلہ مرہٹہ
کام آیا۔ محمد علی نواب کرناٹک خراج گزار سرکار آصفی تھا ۱۷۹۵ء میں اوس نے
انتقال کیا تو سارے ملک کرناٹک پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا وجہ اس کی
یہ ہوئی کہ اسی ۱۷۹۵ء میں اعلیحضرت اور مرہٹوں میں پھر چھیڑ چھاڑ شروع
ہو رہی تھی پیشوا سندھیا ہولکر بھونسلے وغیرہ سب نے مل کر حضور نظام سے
کرڈلا میں مقابلہ کیا پہلے شکست کھائی۔ حضور نے فتح کا دربار کیا نذریں لیں

مرہٹوں سے چھیڑ چھاڑ

پھر مرہٹوں نے اندرونی سازش سے اعلیحضرت کے سواروں کو جو زیر حکم
مسٹر ریمنڈ فرانسیسی عہدہ دار تھے ہموار کر لیا جس کا یہہ نتیجہ ہوا کہ دوسری
دفعہ مقابلہ ہوتے ہی بغیر جنگ کے پچاس ہزار سوار بھاگ نکلے اور انگریزوں نے
بھی مطلق کمک نہ کی اور وقت پر دغا دی۔ اعلیحضرت نے بشرائط چند صلح اختیار
کی اور نواب عظیم الامرا ارسطو جاہ وزیر اعظم کو بطور یرغمال حوالہ دربار
پونہ کیا اور حیدرآباد پہونچکر انگریزی دو پلٹنوں اور توپخانوں کو جو
از روئے معاہدہ اعلیحضرت کی امداد کے لئے تھیں مگر ضرورت کے وقت
کبھی اون سے امداد نہ ملتی تھی چنانچہ گذشتہ جنگ کرڈلا میں بھی اس نے تائید سے
انکار کیا تھا اسے اپنے ملک سے خارج کر دیا۔ اور وہ ساری فوج یہاں سے
روانہ ہو کر واڑاپلی کی طرف چلی گئی ان انگریزی پلٹنوں کے علاوہ
جنگ کرڈلا میں جن سواروں نے ترک رفاقت کر کے روگردانی کی تھی
جن کی تعداد پچاس ہزار تھی وہ بھی بکلم موقوف کئے گئے۔ انگریزی
میں ہے کہ اس لڑائی میں دو پلٹنیں عورتوں کی بھی تھیں سب کی

سب قواعد فوجی سے واقف وردیاں پہنے بندوقیں ہاتھوں میں لئے بڑی مردانگی سے لڑیں ان کی تعداد دو ہزار تھی یہ عورتیں محلات معلی کی گارڈ سے اور اردے میں تھیں۔

نواب عالیجاہ کا فرار

نواب عالی جاہ فرزند اکبر حضور نظام والد ماجد سے ناخوش ہو کر اورنگ آباد اور وہاں سے بیدر فرار ہو گئے۔ چند ناعاقبت اندیش امرا اور پچاس ہزار برطرف شدہ سوار اور سلطان ٹیپو نے امداد کا وعدہ کیا جس سے اعلیحضرت کو ایک گونہ تشویش ہوئی اور یہ اندیشہ بھی ضرور تھا کہ ایسا نہ ہو کہ انگریز بھی نواب عالی جاہ کی کمک پر آمادہ ہو جائیں اس مصلحت وقت نے نواب نظام علی خاں بہادر کو مجبور کر دیا کہ انگریزوں کی ساری فوج کو اپنی ملازمت سے خارج کر دینے کے بعد پھر واپس بلا لیا۔ نواب میر عالم اور ایم ریمنڈ صاحبزادہ کے مقابلے میں مع فوج روانہ ہوئے خفیف سا مقابلہ کرنے کے بعد صاحبزادہ صاحب بیدر سے اورنگ آباد تشریف لائے اور وہاں اپنی جان و عزت کی ضمانت پر مطیع ہو گئے مگر بغاوت کی پشیمانی اور ترک اطاعت کی شرمندگی اس درجہ تھی کہ راستہ ہی میں زہر کھا کر مر گئے۔

فرانسیسی فوج کا اخراج

۱۷۹۸ء میں ارل آف مارننگٹن گورنر جنرل ہندوستان مقرر ہوئے انھوں نے حضور نظام سے استدعا کی کہ فرانسیسی فوج موقوف اور عہدہ دار فرانسیسی خارج البلد کر دئیے جائیں اور بجائے اس کے انگریزی فوج زیادہ مقدار میں مقرر کی جائے بعوض ان مراعات کے گورنمنٹ انگریزی حیدرآباد کو بیرونی حملہ جات سے محفوظ رکھنے کی ضامن ہوگی گورنر جنرل کی درخواست خالی درخواست ہی نہ تھی بلکہ حکم تھا کہ اگر حضور نظام

قبول نہ کریں تو اونھیں کی فوج کنٹنجنٹ اون پر حملہ کر دے اور مدراس سے
بھی انگریزی فوج امداد کے لئے آ گئی تھی۔ فرانسیسی فوج کا افسر اعلیٰ
مسٹر ریمنڈ مر گیا تھا اور بجائے اس کے ایم پرن مامور تھا۔ اس کی ماتحت
فوج تقریبًا بارہ ہزار تھی۔ اس کے پاس ساز و سامان جنگی اور اسلحہ و
بارود وغیرہ اس سے دو چند فوج کے لئے کافی موجود تھا۔ ایسی فوج
اور اس کے افسروں کا ہتھیار لینا اور منتشر کرنا آسان نہ تھا۔ مگر
بہت ہی احتیاط اور ہوشیاری سے انگریزی فوج نے اور سرکار نظام کے
رسالوں نے باہم شریک ہو کر فرانسیسی فوج کا پہلے محاصرہ کر لیا اور
بہ نظر احتیاط جنگی مواقع پر بخوبی قبضہ کر لیا آخر عہدہ داران فرانسیسی تو
مطیع ہو گئے مگر فوج نے بغیر بلوہ کئے ہوئے اطاعت نہیں اختیار کی۔

۱۷۹۹ء میں پھر انگریزوں اور ٹیپو سے جنگ ہوئی۔ سلطان ٹیپو نے سلطان ٹیپو سے آخری معرکہ
ہر چند اعلیحضرت کو انگریزوں کی اعانت سے باز رکھنا چاہا مگر کچھ اثر نہ ہوا
اور کیونکر ہوتا ملک میسور سرکار نظام کا خراج گزار تھا حیدر نائک نے اوس پر
قبضہ کر لیا اور بیجاپور کے اکثر اضلاع دبا لئے تھے غرض ساڑھے چھ ہزار
فوج کنٹنجنٹ تحت عہدہ داران انگریزی اور ساڑھے چھ ہزار فوج آصفیہ نے
علاوہ بہت سی فوج بے قاعدہ کے جن کا شمار ۳۷ ہزار تھا بالاشتراک سرنگاپٹم پر
حملہ کر دیا۔ اور قلعہ مذکور فتح کر لیا میسور میں ہندو راجہ کو از سر نو انگریزوں نے
گدی نشین کیا۔ علاوہ میسور کے اور جو کچھ ملک فتح ہوا تھا اس میں حضور نظام کو
حصہ دیا گیا۔ اگرچہ عہد نامہ میں میسور کا استثناء نہیں ہوا تھا۔ مگر لارڈ
ولزلی نے قرار دیا کہ اگر میسور تقسیم ہو گا تو حضور نظام بہت قوی اور انگریزوں
کے لئے سخت خطرناک ہو جائیں گے۔ اس سبب سے میسور کا ملک راجہ کو

دیدیا گیا اور راجہ سے جو معاہدہ انگریزوں نے کیا اوس میں بھی ملازمان حضور کو الگ رکھا لیئے ملک کے تمام قلعوں پر انگریزوں ہی کا قبضہ رہیگا انگریزی فوج کا خرچ راجہ کو دینا ہوگا گویا راجہ کے پردہ میں میسور کا سارا ملک کمپنی نے خود لے لیا راجہ کا ایک ہاتھ جنرل ہارس نے اور ایک ہاتھ میر عالم نے پکڑ کر مسند نشین کر دیا میسور جو حضور نظام کا خراج گزار تھا سرکار انگریزی کا فرماں بردار ہو گیا مگر اس کے ساتھ ہی دہلی پر سندھیا نے اپنا قبضہ کر لیا اور مرہٹوں کا رعب بڑھ گیا۔ مرہٹوں نے اس جنگ میں شرکت نہیں کی تھی پھر بھی انگریزوں نے اون کو حصہ دینا چاہا اونھوں نے کسی مصلحت سے خود نہیں لیا گورنر جنرل نے ولایت میں لکھکر بھیجا کہ افواج نظام نے اس جنگ میں بڑی اعانت کی جنرل ہارس ابھی ویلور سے نکلے بھی نہ تھے کہ میر عالم چیتور میں پہنچ کر سرگرم کارزار ہوگئے۔ لیکن انگریزوں نے پھر ۱۸۰۰ء میں ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے اعلیحضرت کو علاوہ سابقہ سب سیڈیری (امدادی) فوج کے اور دو پلٹنیں پیدل اور ایک رجمنٹ سواروں کا خرچ ہمیشہ کے لئے برداشت کرنا پڑا۔ اور یہہ فوج بعد کو انگریزی فوج مدراس کا ایک جزو قرار پائی۔ اس بار گراں کے معاوضہ میں گورنمنٹ انگریزی نے وعدہ کیا کہ حیدرآباد کے بیرونی حملوں سے بشرطیکہ ریاست عالیہ کی طرف سے اشتعال نہ ہو حفاظت کی جائیگی اس فوج کے اخراجات کیلئے اعلیحضرت کو جو حصہ ملک میسور اور سرینگ پٹم کے فتح کرنے میں ملا تھا وہ دونوں دفعہ کا حصہ برٹش گورنمنٹ کے حوالہ کر دیا جس میں بلاری اور کڑپہ کی آمدنی ایک کرور سے زیادہ کی ہے یہہ بھی قرار پایا کہ باستثنائے دو پلٹنوں کے جو حضور نظام کی حفاظت کی غرض سے چھوڑدیجائینگی

بحالت جنگ یہہ کل فوج مع چھہ ہزار پیدل اور نو ہزار سوار کے جو حضوری
فوج ہے اور جس کو کنٹنجنٹ کے نام سے نامزد کیا تھا دشمنوں کے مقابلہ میں
کوچ کریگی اور فوج کنٹنجنٹ مخصوص زیر اقتدار عہدہ داران انگریزی
رہے گی۔ لارڈ ولزلی کو جو اندیشہ تقسیم میسور میں پیدا ہوا تھا کہ حضور نظام کی
قوت نہ بڑھنے پائے اوسی کا اثر یہہ بھی تھا کہ میسور کے علاوہ دو دفعہ
کر کے جو ملک حصہ میں ملا تھا وہ فوج امدادی کی تنخواہ کے نام سے لے لیا گیا
اور اس فوج امدادی کی تعداد اور بڑہادی گئی ملک ٹیپو سلطان کے
مفتوح ہونے سے حضور کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اسی سال مملکت آصفیہ
اور مملکت کمپنی کی حدبندی ہو گئی۔ دریائے تنگبھدرا کے جنوب میں ملک
ادھونی اور دوسرے اضلاع زیر اقتدار اعلحضرت تھے مگر ندی کو حد فاصل
قرار دینے کے لئے وہ مقامات بھی اناگندی اور کپل اور گجندر گڑھ کے معاوضہ میں
کمپنی کے حوالے کر دیئے یہ عہد ہوا کہ اگر اس ملک کا حاصل فوج مذکور کے
مصارف کو کافی نہ ہوگا تو کمپنی اقرار کرتی ہے کہ اب سرکار نظام سے کچھ نہیں لیا جائیگا
اور جس دشمن سے کمپنی اور سرکار نظام شریک ہو کر لڑیں گے اور فوج
حضور کی امداد سے فتح ہو گی تو آدہا ملک بانٹ لیں گے۔

تجارتی معاہدہ

۱۸۰۲ء میں اعلحضرت اور کمپنی میں ایک تجارتی عہد نامہ ہوا جس کی
رو سے کمپنی کو اور حضور پرنور کو اموال درآمد و برآمد پر پانچ روپیہ
فیصد محصول لینے کا اقتدار حاصل ہوا اور اس بات کا معاہدہ ہوا کہ حضور
اپنے جہازوں کا بندرگاہ اور اپنی تجارت کے کارخانے مسولی پٹم میں
بنا سکتے ہیں ۱۸۰۳ء میں پونہ کی گدی نشینی کا جھگڑا پیش ہوا۔ باجی راؤ
آخری پیشوا کو گدی سے اتار دیا گیا تھا۔ انگریزوں نے اسی شخص کو کہ وہ

ان کا موید تھا گدی نشین کیا۔ اگرچہ ہلکر اور سندھیا اس تجویز کے یہاں تک مخالف تھے کہ جنگ آزمائی پر آمادہ ہوگئے۔ ہلکر اور سندھیا کا ارادہ ہوا کہ ریاست حیدرآباد پر حملہ آور ہوں اور اگر ممکن ہو تو اعلیحضرت نظام علیخان بہادر کی جانشینی کے لئے نواب سکندرجاہ بہادر کو جو انگریزوں کے ساتھ موافق تھے محروم کردیں۔ اس وقت خود نواب نظام علی خان بہادر سخت علیل تھے۔

مرہٹوں سے جنگ

کرنل اسٹفن سرکاری امدادی فوج چھ ہزار پیدل اور دو رجمنٹ سوار اور پندرہ ہزار فوج کنٹنجنٹ لے کر بمقام پرینڈہ مرہٹوں سے برسر مقابلہ ہوئے۔ اُدھر سے جنرل ولزلی فوج مدراس سے آٹھ ہزار پیدل اور سترہ سو سوار لے کر پونہ کی طرف بڑھے اور جب معلوم ہوا کہ فوج مرہٹہ اورنگ آباد کی طرف بڑھ رہی ہے تو راستہ میں احمدنگر بیروچ چمپانیر وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوئے اورنگ آباد پہنچے یہاں کرنل اسٹفن بھی کوچ کرتے ہوئے پہنچ گئے اور دونوں مل کر تجاویز جنگ سوچنے لگے اور دوسرے روز جالنہ سے کرنل اسٹفن مغربی راہ اور جنرل ولزلی نے مشرقی راہ اختیار کی اور مرہٹوں سے سخت خونریز جنگ بمقام ارگام اور اسائی ہوئی ان دونوں معرکوں میں مرہٹوں کی رہی سہی قوت بالکل پامال ہوگئی پیشوا نے آدھے سے زیادہ اپنا ملک انگریزوں کے نذر کیا سندھیا نے خود درخواست کی کہ ایک افسر سرکار نظام کا اور ایک انگریزوں کا مقرر کیا جائے دونوں کی تجویز سے جو شرائط قرار پائیں اس پر صلح ہوجائے الغرض سندھیا کا ملک بھی آدھے سے زیادہ سرکار انگریزی کے قبضہ میں آگیا سرحد ملک پیشوا اور ورہا کے درمیان

جو زمین کی ایک چپٹ گدا اوری تک پھیلی ہوئی ہے جس کی دوسری حد کوہستان ہے حضور نظام کے ملک میں شامل کر دی گئی۔

نواب نظام علیخان بہادر کا پرشوکت و پرجلال زمانہ ختم ہوتا ہے۔ اگرچہ انھوں نے بیالیس سال کے طولانی زمانہ میں اپنے نام سے حکومت کی لیکن درحقیقت وہ اپنے بھائی صلابت جنگ کے زمانہ میں پوری قوت کے ساتھ فرمانفرمائی کر رہے تھے تاریخ دکن میں ایسا پرسطوت و پرجلال زمانہ کبھی نہیں ہوا اور جو رعب و داب سلطنت آصفیہ کا اطراف کے حکمرانوں میں بیٹھا ہوا تھا اس کی نظیر پھر نہیں ملی۔ آپ کا عزم و استقلال لاثانی۔ اور آپ کے مفاد کے خلاف کسی سیاسی کارروائی کا نشوونما پانا ناممکن تھا۔ آپ کے جلال شاہی کا یہ ادنی کرشمہ تھا کہ نواب عالیجاہ نے بعد بغاوت و اطاعت روبرو آنے سے مرجانا بہتر سمجھا۔ آپ کا جوہر مردم شناسی نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا۔ جس نے عظیم الامرا اور میر عالم کے سے مشہور مدبر عالم وزرا پیدا کئے۔ انتقال کے بعد آپ کا لقب غفران مآب قرار پایا۔

نواب میر نظام علی خان بہادر یہ اقبال مندی تھی کہ تخت نشین ہوتے ہی مرہٹوں کو احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں سے اور پھر دم واپسیں انگریزوں کے اہتمام اور اپنی فوجی قوت سے پامال ہوتے ہوئے دیکھا مرہٹوں کے تمام ممالک اور ریاستوں میں رزیڈنٹ سزاول اور مقرر ہوگئے کنٹنجنٹ کے رکھنے پہ مجبور کئے گئے۔ سرکار نظام کی شرکت سے یہ اتنی بڑی فتح انگریزوں کو حاصل ہوئی جو ٹیپو سلطان اور میسور کی فتح سے بھی بہت بڑھی ہوئی تھی سیندھیا کا زور ٹوٹنے سے دارالسلطنت دہلی و آگرہ پہ انگریزوں کا قبضہ ہوگیا۔ ٹیپو سلطان جو انگریزوں کا

بڑا دشمن تھا اور مرہٹے جو انگریزی سلطنت کے بڑے مزاحم تھے ان دونوں خطرناک دشمنوں پر باعانت سرکار نظام انگریزوں نے فتح پائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ہند کی بادشاہی اون کو باسانی حاصل ہوگئی انگریز مورخ اس بات کے معترف ہیں کہ غفران مآب کو کبھی اس بات کا رشک نہیں ہوا کہ فرانسیسوں کے نکال دینے سے اور ٹیپو سلطان کے استیصال انگریزوں کی قوت بہت بڑھ جائیگی بلکہ سب سیڈیری فوج سے اتنی بڑی اعانت انگریزوں کو پہنچی کہ تمام ہند میں اون کا رعب بیٹھ گیا۔

نواب میر اکبر علی خان بہادر سکندر جاہ آصف جاہ ثالث

جب ۱۸۰۳ء میں نواب میر نظام علی خان بہادر رہگرائے عالم بقا ہوئے تو نواب سکندر جاہ بہادر باجاہ وجلال سکندری زینت بخش تخت آصفیہ ہوئے۔ اوائل ۱۸۰۴ء میں حضور پرنور میں اور کمپنی میں یہہ معاہدہ ہوا کہ دونوں سرکاریں اپنی اپنی فوجیں ایک دوسرے کے ملک میں لے جاسکتے ہیں اور ایک دوسرے کے قلعوں میں رکھ سکتے ہیں۔ تخت نشینی

نواب اعظم الامرا بہادر جو قبل ازیں پونہ سے ۱۷۹۷ء میں واپس آئے تھے اپنے زمانہ قیام پونہ میں سرداران مرہٹہ کی خدمتوں میں بہت رسوخ یافتہ ہوگئے تھے مرہٹوں کے امور ملکی میں ارسطو جاہ بہادر نے اپنی مدبرانہ رائے سے ایسی ایسی اصلاحیں کیں کہ وہ اُن کے وجود کو آیۂ رحمت سمجھے۔ چنانچہ انھیں کی بار سوخ کوششوں کا یہہ مفید نتیجہ تھا کہ جو

اضلاع ملک بعد جنگ کرولا تفویض حکومت مرہٹہ ہوئے تھے وہ سرکار نظام کو واپس کر دیئے گئے۔ مہاراجہ ہلکر اور مہاراجہ سندھیا میں باہم جنگ ہوئی جس میں سندھیا کو جو پیشوا کا رفیق تھا شکست ہوئی اور اعلیحضرت کو ملک سندھیا کا ایک حصہ تقسیم میں ملا۔ صوبہ بیدر کے چوتھہ سے بھی انہوں نے مطلق دست برداری کی اور قلعہ دولت آباد واپس کیا اور منجملہ تین کرور کے صرف دو کرور روپیہ پر تصفیہ کر کے کل مالی مطالبات سے ہاتھ اٹھایا نواب میر نظام علی خان بہادر نے اپنے ملک کو واپس شدہ اور مطالبات مالی سے آزاد اور نواب عظیم الامرا کے سے بے بہا مدبر شخص کو واپس دیکھکر باطمینان تمام رحلت کی لیکن افسوس ہے کہ نواب مدارالمہام بہادر بعد واپسی و شرفیابی خدمت جلیلہ زیادہ عرصہ تک نواب میر نظام علی خان بہادر کی رحلت کے بعد زندہ نہ رہے اور دوسرے ہی سال انتقال فرمایا۔

ہلکر اور سندھیا کی لڑائی

میر عالم بہادر کی وزارت

اعظیم الامرا بہادر کے بعد نواب میر عالم مالک قلمدان وزارت ہوئے جو اپنی عاقبت اندیشی اور تجربہ کاری سے اتحاد فیمابین دولت انگلشیہ و آصفیہ کے موید تھے۔ اور اس لحاظ سے صاحب عالیشان بہادر ان کے تقرر کے خواہاں تھے چنانچہ دوسرے سال جب نواب سکندر جاہ بہادر نے بجائے وزیر موصوف راجہ مہی پت رام گورنر برار کو خدمت عالیہ وزارت پر سرفراز کرنا چاہا جو اتحاد فیمابین دولتین کے مخالف تھا اور خود صاحب فوج تھا تو اس کا استیصال اور اخراج بذریعہ فوج امدادی بڑے کشت و خون کے بعد عمل میں آیا۔ مہی پت رام یہاں سے نکل کر مہاراجہ ہلکر کے پاس پناہ گزیں ہوا اور مہاراجہ موصوف کو باور کرایا کہ حضور نظام انگریزی اتحاد کے خواہاں نہیں ہیں اگر اون کے اخراج کی کچھ کارروائی ہو سکے تو حضور نظام اتفاق

کرنے کے لئے آمادہ ہیں مہاراجہ ہلکر پہلے ہی سے انگریزوں سے متفق نہ تھے اس تحریک سے ایک گونہ اطمینان ہوا اور حضور نظام کو انگریزی قوت کے استیصال کے لئے فوجی تائید دینی چاہی مگر حضور نظام نے مہاراجہ ہلکر کو ایسا صاف جواب دیا جس سے ان کی کمال درجہ کی صداقت اور وفاداری کا ثبوت ملتا ہے۔ انھوں نے ایک خط میں جو بدست خاص تحریر ہوا تھا اس قسم کی تجویز سے اپنی ناراضی ظاہر کی اور فرمایا کہ مہابت رام نمکحرام ہے جو اسی قسم کی فتنہ انگیزی کی وجہ سے شہر بدر کیا گیا اس کے بعد ہی مہابت رام کو کسی نے قتل کر ڈالا اور جسونت راؤ ہولکر پر انگریزوں نے حملہ کر دیا اور شکست کھائی انگریزی فوج آگرہ تک بھاگتی ہوئی گئی۔ ہولکر نے برابر تعاقب کیا اور آگرہ میں پہنچ کر وہ چاہتا تھا کہ دلی کو پھر انگریزوں کے قبضہ سے نکال لے اور بادشاہ دہلی کو اپنے قابو میں رکھے مگر بمبئی اور بنگال وغیرہ سے انگریزوں کو کمک پہنچ گئی دولت راؤ سندھیا نے باپوجی کی سرکردگی میں اپنی فوج انگریزوں کی امداد کے لئے بھیجی جے پور کے راجہ نے بہت کچھ اعانت کی آخر کار ہولکر مجبور ہوگیا سرکار انگریزی کا بڑا زور یہ بھی تھا کہ حملہ کرنے سے پہلے انھوں نے مرہٹوں کو اس بات کا یقین دلادیا تھا کہ ہولکر کا جتنا ملک فتح ہوگا کمپنی کو خود اس پر قبضہ کرنا منظور نہیں ہے سارا ملک مرہٹوں کی ریاستوں میں تقسیم کردیا جائیگا اسی سبب سے سندھیا وغیرہ نے انگریزوں ہی کی امداد کی۔

وزارت شمس

نواب میر عالم بہادر نے ۱۸۰۸ء میں انتقال فرماگئے۔ مرحوم کی جگہ پر گورنر جنرل کا ایما تھا کہ نواب شمس الامرا بہادر کو خلعت وزارت عطا کیا جائے مگر بہ نظر حقوق میر عالم حضور پر نور نے نواب منیر الملک بہادر

داماد وزیر مرحوم کو وزیر اعظم اور مہاراجہ چندولال کو پیشکار مقرر فرمایا
مگر رزیڈنٹ کے اشارہ سے سفید و سیاہ کا اختیار چندولال کے ہاتھ میں
رہا۔ حضور کے خزانہ سے ایک کروڑ روپیے چندولال نے قرض لئے اور پھر
ادا نہیں کئے ملک زیر بار ہو گیا سپاہ کی تنخواہ چڑھ گئی ملک میں بے انتظامی
پھیل گئی اون کے بیٹے بالا پرشاد نے علانیہ رشوتیں اور نذرانے لینا شروع
کئے چندولال نے رسل صاحب رزیڈنٹ کی خاطر سے کنٹنجنٹ میں بہت اضافہ
کیا نہ حضور کو اس کی اطلاع کی نہ مجلس تجارت ہند کو اس کی خبر ہوئی اس فوج
بڑہانے کا انجام جو ہوا آگے آتا ہے۔ ۱۸۲۲ء میں سر چارلس مٹکاف سے
جو عہدنامہ ہوا اس کی رو سے برٹش گورنمنٹ نے چوتھ اور دوسرے
مطالبات سے جس کا بحیثیت قائمقام پیشوا گورنمنٹ مذکور کو ادعا تھا دست برداری
کی۔ جس کی بڑی وجہہ یہہ تھی کہ ۱۸۱۷ء کی جنگ میں جو انگریزوں اور
پیشوا کے درمیان میں ہوئی حضور نظام کی جدید تربیت یافتہ فوج نے
نمایاں کامیابی حاصل کی اور باجی راؤ پیشوا کا سارا ملک انگریزوں کے قبضہ میں
آگیا ریاست پونہ کا خاتمہ ہو گیا آپا جی بھونسلہ مرہٹہ والی ناگپور بھی گرفتار ہو گیا
وہ ملک بھی کمپنی کے تصرف میں آیا اس فتح کے پانچ برس کے بعد ممالک
مفتوحہ کی تقسیم ہوئی پیشوا اور بھونسلہ کے ملک میں سے حضور نظام کو سولہ
موضع جن کی آمدنی پونے نو لاکھ سالانہ تقریباً بتائی گئی دے کر حضور
کے ملک میں سے نواسی موضع جن کی آمدنی ساڑھے چار لاکھ سالانہ سے بھی
کم تخمینہ کی گئی سرکار کمپنی نے خود لے لئے ان سب موضعوں کے نام اور
تفصیل ۱۸۲۲ء کے عہدنامہ کے آخر میں مذکور و مندرج ہے غرض اس عہدنامہ کی
بنا پر اضلاع احمدنگر و کرڈلا و قلعہ پورندہ و برہان پور و سلطان پور

انگریزوں سے معاہدہ

و صلابت پور وغیرہ سرکار نظام کے قبضہ سے نکل گئے اور بلا وجہ نکلے۔
انگریزی تاریخوں میں ہے کہ حضور نظام امور ریاست سے بے خبر تھے
بادشاہی چندولال کے ہاتھ میں تھی اور چندولال رزیڈنٹ کے تابع
فرمان تھے چندولال ہی کے زمانہ میں اضلاع سرکار عالی پر انگریزوں کا کمپنی سے تو
تقرر ہوا اور آٹھ سال تک محاصل سرکاری تو بلا تکلف وصول ہوتے رہے
اور رعایا امن وامان سے بسر کرتی رہی مگر مخارج مختلفہ کی بہت زیادتی
ہو گئی اور اس کی وجہہ سے پریشانی لاحق ہوئی تو بایائے صاحب عالیشان
بہادر ولیم پامر کمپنی سے قرضہ لیا گیا اور اس کمپنی کو رفتہ رفتہ سرکار عالی کے
مالی معاملات میں بہت دخل ہو گیا۔
یہہ کمپنی ۱۸۱۱ء سے ۱۸۲۰ء تک سلطنت آصفیہ کو قرض دیتی رہی
چنانچہ ۱۸۲۳ء میں اس کمپنی کا زر قرضہ ۷۹ لاکھ کے قریب ہو گیا تھا۔
اس کے علاوہ بیس لاکھ روپیہ کا قرضہ خود برٹش گورنمنٹ کا تھا۔ایسی
حالت میں کہ مالی اعتبار مفقود ہو رہا تھا یہہ ممکن نہ تھا کہ روز افزوں
ترقی یافتہ زر قرضہ ادا ہو سکے جس کا سود اٹھارہ روپیہ سیکڑہ تھا آخر
یہہ طے پایا کہ جو سرکارات شمالی کی بابت سرکار نظام کو برٹش گورنمنٹ سے
سات لاکھ روپیہ بطور پیشکش وصول ہوتا ہے اس سے دوامی دست برداری
کیجائے چنانچہ بمعاوضہ ایک کرور ۱۶ لاکھ ۶۶ ہزار ۶۶۶ کے اضلاع شمالی
مذکورۂ بالا سے ہمیشہ کے لئے علٰحدگی اختیار کی۔ نواحی موضع نکل جانے کے
دو ہی برس بعد سات لاکھ روپیہ جو سرکار انگریزی سے ملا کرتا
تھا ہمیشہ کے لئے موقوف ہو گیا۔ بدانتظامی ملک کی یہہ بڑی دلیل ہے
کہ ادائے قرض کے لئے سات لاکھ روپے سالانہ کا نقصان گوارا کر لیا

اور مہاراجہ چندو لال پر کرور روپیے ریاست کے قرض تھے اون کی جاگیر سے سرکار انگریزی کا قرض نہ ادا کیا گیا مگر یہہ کیونکر ہوتا یہ معاملہ خود مہاراجہ کی رائے سے ہوا اور ادنھیں نے جو چاہا وہ کیا اون کے دروازہ پیہ ہن برستا تھا مگر تنخواہ داروں کے گھروں میں خاک اڑتی تھی۔

رحلت نواب سکندر جاہ بہادر بعد وداع ودیعت حیات مغفرت منزل کے خطاب سے یاد فرمائے گئے۔ آپ نے چھبیس سال تک حکومت کرکے ۱۸۲۹ء میں انتقال فرمایا آپ کے عہد میں اناسی موضعوں کا نکل جانا اور ولیم پامر وغیرہ کے قرض میں ہمیشہ کے لئے انگریزوں کو نذرانہ معاف کر دینا بہت بڑے واقعات ہیں۔

اگرچہ ایک ربع صدی کی حکومت بہت سے انقلابات کا باعث ہوتی ہے مگر ایک جانب تو انگریزوں کی قوت کو غلبہ ہوا اور دوسری جانب مرہٹوں اور ٹیپو سلطان کی قوتوں کا خاتمہ ہوگیا تھا لہذا اس طولانی زمانے میں زیادہ وقت جنگ و جدال میں صرف نہیں ہوا نہ جنگ و جدال کا بار خزانہ پہ پڑا بلکہ جو امور انتظامی نواب عظیم الامرا نے قایم کئے تھے اس کو نواب میر عالم بہادر نے نہایت خوبی سے نباہا۔ میر عالم بہادر نے صرف چار سال تک نہایت قابلیت سے وزارت کی اس کے بعد حضرت مغفرت منزل کے عہد میں نواب منیر الملک بہادر بیس سال تک مسند وزارت پر متمکن رہے۔ مگر ایک انگریز مورخ برگز لکھتا ہے کہ رزیڈنٹ نے ان کو امور ملکی میں کبھی دخل نہیں دینے دیا نام کو وزیر رہے حکومت چندو لال کے ہاتھ میں رہی۔

نواب میر فرخندہ علی خان بہادر ناصر الدولہ آصف جاہ رابع

نواب سکندر جاہ مغفرت منزل کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے نواب ناصر الدولہ تخت نشینی بہادر آصف جاہ رابع زینت بخش تخت آصفیہ ہوئے۔ اوسی روز مہاراجہ چندو لال کو ایک کروڑ روپیے بابتہ قرض زمانہ مغفرت منزل معاف فرمادیئے اور خدمت پر بحال رکھا۔

اب تک سرکاری تحریروں میں اعلیٰحضرت آپ کو مابدولت واقبال لکھا کرتے تھے اور گورنر جنرل نقط نیاز مند اپنے لئے موزوں سمجھتے تھے۔ بلکہ جو رزیڈنٹ یا سفیر سرکار انگریزی سے آتا تھا ہاتھی اور عماری اور گھوڑے اور جواہرات و نفائس وہدایائے کر آتا تھا اور سرکار آصفی سے بھی اس کا عوض کیا جاتا تھا اس کے علاوہ رزیڈنٹ کو خطاب حشمت جنگ و ثابت جنگ و دلاور جنگ وغیرہ ملا کرتا تھا اور وہ اُسے سرمایۂ ناز سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ سڈہنم صاحب رزیڈنٹ نواب سکندر جاہ بہادر کی خوشی میں بیٹھ چکے ہیں اور سرکار انگریزی سے سات لاکھ روپیے سالانہ بطور نذرانہ پیش کرنے کا ہمیشہ کے لئے معاہدہ تھا اور سرکار آصفی میں جسطرح اور پائیگاہوں کی فوج ملازم تھی اوسی طرح فوج کن ٹن جنٹ بھی ایک پائیگاہ سمجھی جاتی تھی اسی عہد میں سرکار انگریزی کا کمنڈران چیف حیدرآباد میں وارد ہوا حضور سے ملاقات چاہی مگر شرط یہہ کی کہ مجھے کرسی ملنا چاہئے حضور نے اس شرط کو قبول نہ کیا وہ بے ملاقات کئے مچھلی بندر کو روانہ ہوگئے مگر نواب ناصر الدولہ بہادر کے زمانہ سے

جبکہ انگریزی قوت بمقابلہ ازمنہ سابقہ غالب ہو گئی اور نذرانہ دینے سے سبکدوشی ہوئی تو یہہ امتیازات اٹھا دیئے گئے اور گورنر جنرل حضور نظام کو مساوی الوزن القاب سے یاد فرمانے لگے۔ پچھلی بدانتظامیوں اور عمال کی سرکشیوں اور خود مختاریوں پر نظر کرکے اضلاع انتظاماً انگریزوں کے ماتحت کر دیئے گئے تھے اس کا نتیجہ جہاں خوش انتظامی اور وصول مالگذاری میں آسانی ہو رہی تھی وہاں صاحبان انگریز کا انتظام بہت گراں خرچ ہو رہا تھا اور عدول حکمی اور بے پروائی اس درجہ محسوس ہو رہی تھی کہ نواب ناصر الدولہ بہادر کو مجبوراً اس سلسلہ انتظام کو توڑنا پڑا۔ اگرچہ امید کے موافق نتیجہ ظہور میں نہ آیا۔ انگریزوں کے علحدہ ہونے پر بھی بدانتظامی کی وہی حالت رہی۔

انتظام انگریزی کی برخاست

وہابیوں کی شورش

مولوی سید احمد بریلوی ایک نہایت مشہور متقی اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے جن کے مریدوں اور شاگردوں میں مشہور و معروف مولانا محمد اسمعیل صاحب دہلوی تھے۔ مولوی صاحب موصوف کے بہت سے نہایت لائق و فائق شاگردوں میں سے بعض اولوالعزم حضرات نے دکن کی طرف بھی توجہہ کی اور اپنے زہد و تقوی اور دینی حرارت و علمی قابلیت سے ممتاز حلقوں تک رسائی پیدا کی۔

اس میں شک نہیں کہ مولوی محمد اسمعیل صاحب اور ان کے شاگرد حکومت انگلشیہ کو جو بعد انتزاع سلطنت مغلیہ قایم ہوئی تھی محبت کی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے۔ نواب مبارز الدولہ بہادر برادر خرد حضرت سکندر جاہ مغفرت منزل مولوی محمد اسمعیل صاحب کے شاگرد اور ان کی صحبت سے فیضیاب تھے۔ جن کا وعظ زیادہ تر اسلام کی

خالص مذہبی پابندیوں پر تھا۔ مکروہات اور بدعتوں سے وہ سخت متنفر تھے۔

۱۸۳۹ء میں انگریزوں کو جو اس وقت لوگوں کے مذہبی رجحانات کی طرف بہت تجسس نظر رکھتے تھے اور طرح طرح کے اندیشوں میں مبتلا ہو رہے تھے۔ کبھی انہیں اس بات کا وسواس ہوتا تھا کہ روس اور نیولین نے رنجیت سنگھ سے سازش کر لی ہے کبھی یہ خبر اڑائی جاتی تھی کہ شاہ ایران نے روسائے ہند کے پاس جاسوس بھیجے ہیں بھوپال رانی سے ایک جاسوس نے خفیہ ملاقات بھی کی۔ اسی زمانہ میں ان کو یہہ معلوم ہوا کہ حیدرآباد میں وہابیوں کی سازش سلطنت انگریزی کے خلاف ہو رہی ہے اور اس سازش میں نواب مبارز الدولہ بہادر اور دوسرے حضرات شریک ہیں اس قسم کی تحریک کو خواہ اس کا رجحان کچھ ہی رہا ہو فی الفور مٹا دینا قرین مصلحت سمجھا گیا اور زیادہ پرزور بنانے کے لئے یہہ بھی قرار دیا گیا کہ وہابی سلطنت انگریزی اور سلطنت آصفیہ دونوں کی تخریب کے درپے ہے۔ چنانچہ بذریعہ ایک کمیٹی کے بعد تحقیق یہہ فیصلہ کر دیا گیا کہ نواب مبارز الدولہ بہادر اور دوسرے حضرات بمقابلہ سلطنت انگلیشیہ و آصفیہ تمام ہندوستان میں وہابیت قایم و شایع کر رہے ہیں۔ نواب صاحب موصوف اور دس شخص اور ان کے رفقاء میں سے اس سازش کی پاداش میں قلعہ گولکنڈہ میں نظربند ہوئے نواب کا چند روز کے بعد وہیں انتقال ہو گیا کرنول کے نواب پر بھی وہابیتہ کا الزام قایم ہوا اور حیدرآباد سے فوج کنٹنجنٹ اس مہم کے لئے طلب کی گئی اور نواب سے ملک لے لیا گیا۔

ندولال
گی

سنہ ۱۸۴۳ء سنہ ۱۲۵۹ ہجری میں مہاراجہ چندولال خدمت پیشکاری
و وزارت سے بحکم حضور پر نور علٰحدہ کر دیئے گئے وجہہ یہ ہوئی کہ اسّی
لاکھ روپیے تنخواہ سپاہ وغیرہ کے لئے بدفعات مہاراجہ بہادر کو
مل چکے تھے پھر بھی اعلٰحضرت سے زر نقد کے بار بار طالب ہوتے تھے۔
حضور نے کشیدہ خاطر ہو کر معزول کر دیا۔ مہاراجہ موصوف خمیدہ قامت
اور نحیف الجسم تھے مستقل مزاجی اور شان وزارت ان میں نام کو نہ تھی
انگریزی قدیم تاریخوں میں ہے کہ کاشتکاروں کو جو قول دیتے تھے
اوس کے خلاف زراعت تیار ہو جانے کے بعد جبر و ظلم کر کے
زیادہ وصول کیا کرتے تھے ان کے زمانہ کا ایک مورخ لکھتا ہے کہ
رشوت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ جس کے سبب سے۔ بہت سے خوش حال محتاج
اور بہت سے خوش آمد کرنے والے صاحب منصب و جاگیر ہو گئے فصل خصومات
و داد و ستد کے مقدمات بھی مہاراجہ بہادر خود ہی فیصلہ کیا کرتے تھے مگر قوت
فیصلہ کی اون میں بہت ضرورت تھی مقدمات میں ان کے دخل دینے سے
حکام عدالت و قاضی و مفتی سب کے سب بیکار ہو گئے تھے مفت کی تنخواہیں
پاتے تھے۔ رسل صاحب رزیڈنٹ اُن سے بہت خوش تھے اور بڑے
دوست تھے اون کی خیر خواہی سرکار کے ساتھ ہوا خواہی سرکار انگلیشیہ بھی
ان کے متمکن خاطر تھی۔ کاروبار سرکاری کی انجام دہی میں حد سے زیادہ
محنت کے عادی تھے سخاوت اور داد و دہش میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے
تفریح طبع کے لئے کسی قسم کا مشغلہ پسند خاطر نہ تھا بجز مطالعہ کتب و سماع
موسیقی۔ جس کا سلسلہ شب کو دو بجے تک رہا کرتا تھا شعر و سخن میں ان کو
اچھی مہارت تھی اور اُردو فارسی میں نظم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ

ان کا دیوان اردو حال ہی میں مہاراجہ مدار المہام بہادر نے طبع کرایا ہے! ور فارسی کا کلام بھی طبع ہو چکا ہے۔

مہاراجہ چندو لال کے بعد دو سال تک ان کے بھتیجے راجہ رام بخش بہادر پیشکار ریاست رہے اور اعلیحضرت بہ نفس نفیس اجرائی مہمات سلطنت میں مصروف تھے ان کے بعد نواب سراج الملک بہادر کا تقرر کیا گیا۔

اعلیحضرت نواب ناصر الدولہ بہادر اپنے وزیر نواب سراج الدولہ بہادر سے خوش نہ تھے اگر صاحب عالیشان بہادر نواب صاحب موصوف کے موید و محافظ نہ ہوتے تو جو خطرات ان کے گرد و پیش تھے وہ بالضرور بہت جلد اون کے سامنے آجاتے۔ سرکار انگریزی کسی مصلحت سے وزیر دکن کی طرفداری کیا کرتی ہے اور ہمیشہ اوس کا نتیجہ یہی ہوا کرتا ہے کہ حضور نظام وزیر سے ناخوش ہو جاتے ہیں۔

مہاراجہ چندو لال کے زمانہ میں سیاسی اور انتظامی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں جس کا بیان کچھ گزرا اور باقی ہم آگے چلکر وزارت نواب سراج الملک کے عنوان کے تحت میں کرینگے۔ اس مقام پر ایک مذہبی جھگڑے کا ذکر کرتے ہیں جو نواب صاحب موصوف کے عہد وزارت میں پیدا ہوا۔

۱۲۶۴ھ کے محرم میں شیعہ و سنی باہم ایک دوسرے سے سخت شیعہ و مخالف نظر آئے جس کی ابتدا اعلیحضرت کے ایک شیعہ داروغہ کے لڑکے سے ہوئی جس نے بعض سنیوں کو مذہبًا سخت کلامی سے رنجیدہ خاطر کیا تھا مگر یہ معاملہ زیادہ سنگین نہ سمجھا گیا تھا اس لئے جب وہ لڑکا کوتوال بلدہ کے

رو برو پیش کیا گیا تو انھوں نے اس کو آیندہ محترز رہنے کی تاکید کر کے چھوڑ دیا مگر، محرم کو اسی جرم میں پھر دو شیعہ گرفتار ہوئے اور تمام شہر میں جا بجا سنیوں کی دل آزاری کے لئے کسی نے اشتہارات چسپاں کئے جن میں اکابر دین باہانت تمام یاد کئے گئے تھے۔ عام سنیوں نے اپنی کمزوری محسوس کی ان میں سے چند اکابر اور ممتاز اشخاص عالم برافروختگی میں قاضی شہر کو ساتھ لے کر مکہ مسجد میں اس ارادہ سے جمع ہوئے کہ جب تک انکا فیصلہ نہ ہوگا وہ مسجد سے باہر نہ نکلیں گے۔ اگرچہ باعتبار حکومت و آبادی سنیوں کا پلہ بھاری تھا مگر وزیر اعظم اور اکثر امرا و عہدہ دار و کوتوال شہر حضرات شیعہ تھے اور یہی وجہ غلبہ قوت کی تھی یہاں تک کہ مکہ مسجد کا داروغہ بھی شیعہ تھا جو سنیوں کے رفتہ رفتہ مسجد میں اجتماع ہو جانے سے بہت برافروختہ ہو رہا تھا پہلے وہی قتل کر ڈالا گیا۔ یہہ سن کر بہت اہل تشیع شہر چھوڑ کر نکل گئے مرزا عباس ایک نامی گرامی شیعہ تھے جن کے ہمکابیاں اپنی مذہبی مباحثے میں وہ سنیوں کو سخت چوٹ آئی تھی وہ اپنے خون آلودہ کپڑوں کے ساتھ بھاگ کر مکہ مسجد پہونچے جہاں پہلے ہی سے مواد جمع تھا اور اب تو زخمی سنیوں کو دیکھکر اور بھی آتش غیظ و غضب بھڑکی مرزا عباس اور ان کے نوکروں کو قتل کر کے ان کا مال و اسباب لوٹ لیا اور رفتہ رفتہ شہر کے بدمعاشوں نے مذہبی حرارت کا بہانہ کر کے بہت سے شیعوں کے جان و مال کا نقصان کیا۔

اعلیحضرت نے اس بدامنی کا فوراً بندوبست کیا اور مکہ مسجد سے مجمع کو منتشر ہونے کا حکم دیا مگر انہوں نے چار شرطوں کے ساتھ قبول فرمانا کا وعدہ کیا اول یہہ کہ اہل تشیع جو بانی فساد ہیں قاضی کے رو برو پیش کئے جائیں

اور وہاں ان کی تحقیقات ہو۔ دوسرے یہہ کہ شیعہ کوتوال موقوف اور بجائے اس کے سنی کوتوال مقرر ہو۔ تیسرے یہہ کہ جو شیعہ قاتل سنی ثابت ہو اس سے قصاص لیا جائے اور چوتھے یہہ کہ اس فساد کی تحقیقات نواب شمس الامرا بہادر کے سپرد کیجائے۔ کوتوال کی موقوفی میں اعلیحضرت نے تامل کیا اور فرمایا کہ میرے وزیر بھی تو شیعہ ہیں مگر نواب شمس الامرا کی خاطر سے آخر حضور نے ان شرائط کو قبول کر لیا کہ مسجد کا مجمع منتشر ہو گیا اس فساد میں چالیس پچاس آدمی ضائع ہوئے اور محرم کی بہت سی رسمیں بند کر دی گئیں۔

وزارت نواب سراج الملک بہادر

نواب سراج الملک بہادر کو نومبر ۱۸۴۶ء میں خدمت وزارت تفویض کی گئی بوجوہات متذکرۂ ریاست کے امور انتظامیہ میں بہت کچھ اصلاح کی ضرورت تھی اس لئے سب سے پہلے اسی جانب عنان توجہ منعطف کی گئی اور مشریامر کو جن کا تعلق حیدرآباد کے مالی معاملات کے ساتھ تیس برس سے تھا ایک انتظامی تختہ مرتب کرنے کے لئے ایما ہوا بلحاظ اقتضائے وقت یہہ مناسب سمجھا گیا کہ جو تختہ مرتب ہو اور جسکی بنا پر آئندہ عمل درآمد کیا جائے اوس میں یوروپین طریق عمل کا زیادہ دخل نہو اور ملکی و قومی مقتضیات اور خصوصیات کا لحاظ رہے۔

مالی خرابیاں اور تفویض برار

اگرچہ صاحب عالیشان کو طریق مجوزہ پر رائے زنی اور چھوٹے بڑے معاملوں میں اپنے خیال کے بموجب ترمیم کا اختیار دیا جائے مگر

سب سے پہلے تخفیف اخراجات کی طرف توجہ ہوتا کہ ممالک محروسہ کے مداخل و مخارج میں باہم مناسبت رہے اور جو ملازمین ضرورت سے زیادہ ہوں وہ تنخواہ دیکر علیحدہ کئے جائیں مگر مشکل یہ تھی کہ بقایا تنخواہ بہت تھی اور رقم خزانہ میں قلیل اور تاوقتیکہ چڑھی ہوئی تنخواہ نہ ادا کی جاتی کسی ملازم کا علیحدہ کیا جانا ناممکن تھا۔ اور سردست ادائی تنخواہ کی کوئی دوسری سبیل بجز اس کے نہیں ہو سکتی تھی کہ کمپنی سے قرضہ لیا جائے۔ اس وقت سرکار عالی کو ان مشکلات کی وجہ سے بطور خود اور کہیں سے قرض لینے کا اچھا موقع نہ تھا لیکن کمپنی سے قرض لینے میں بھی آسانی نہ تھی۔ ملک کی غیر منضبط حالت اور محاصل کی روز افزوں کمی سے خوف تھا کہ رقوم قرضہ کی واپسی بہ مشکل ہوگی۔ لہذا حسب رائے رزیڈنٹ و گورنر جنرل بہادر حصول قرضہ کے لئے کسی ضمانت کی ضرورت تھی اور وہ ضمانت ملک کا کوئی حصہ مع اختیارات انتظامی تفویض کرنا ضروری قرار پایا اسی کے ساتھ صاحب عالیشان کو انتظامات ملکی و تحصیل محاصل میں کسی حد تک دخل دینا پڑا گو لارڈ آکلنڈ بہادر جنرل فریزر صاحب رزیڈنٹ کو لکھ چکے تھے کہ سرکار نظام کے انتظام ملک میں کسی عہدنامہ کی رو سے ہم کو دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ یہ امر قرار پایا کہ آیندہ عہدہ داران اضلاع کے نام کوئی حکم مطالبہ مال کا اجرا ہوا اور جو کچھ رقم نقد اضلاع میں جمع ہو وہ بحفاظت خزانہ عامرہ میں پہونچائی جائے اور اضلاع میں انھیں مقامات پر خزانے ہوں جہاں فوج کنٹنجنٹ متعین ہو اور اضلاع کے خزانوں کا افسر بھی فوجی افسر ہوا کرے جو بہ توسط صاحب عالیشان کارروائی کرتا رہے جس سے یہ بھی مقصود تھا کہ فوج کنٹنجنٹ کی تنخواہ بآسانی ادا ہوتی رہے۔

تخفیف اخراجات کے ذیل میں سب سے پہلے تخفیف اخراجات فوج قرار دی گئی کیونکہ سب سے بڑا حصہ محاصل اراضیات کا اسی مد میں صرف ہوتا تھا

اس سے ملک کی تباہی۔ محاصل کی کمی۔ اور رعایا کی بربادی متصور تھی یہ بھی تجویز ہوئی کہ محاصل جاگیرات جو اسوقت تقریباً بیس لاکھ روپیہ تھا نصف کردیا جائے۔ اور جہاں تک ممکن ہو جاگیرداروں کی تعداد میں تخفیف کی جائے اور ان کے اختیارات بیع ورہن مسلوب ہوں اور اسی طرح منصب داروں کی تعداد اور تنخواہ اور طریق تقسیم ماہوار میں مفید سلطنت ترمیم کیجائے۔

سلطنت کی مالی مشکلات اور انتظامی ابتریاں روز افزوں ترقی پر تھیں۔ ۱۸۴۸ء میں کرنل لو رزیڈنٹ کی رپورٹ سے ظاہر ہے کہ گزشتہ نصف صدی میں سلطنت کی مالی حالت ایسی اندیشہ ناک کبھی نہوئی تھی جیسی کہ اسوقت تھی خزانہ خالی اور رقم قرضہ واجب الادا ساڑھے تین کروڑ روپیہ تھا جن میں فوج اور ملازمین کی چڑھی ہوئی تنخواہ شامل تھی۔ اور ساہوکاروں کے سودی قرضہ کے علاوہ ۴۲ لاکھ سے زیادہ سرکار عظمت مدار کا واجب الادا ہوگیا تھا۔ حالانکہ محاصل ملک صرف ڈیڑھ کرور تھا۔ اور قرض خواہوں کے شدید تقاضے سے گورنمنٹ اور رعایا دونوں سخت پریشانی میں مبتلا تھیں اعلیحضرت نے نواب سراج الملک کو مختلف بدعنوانیوں اور ملکی بدانتظامیوں کے لحاظ سے خدمت وزارت سے علیحدہ کرنیکی تجویز کی مگر حسب ایمائے سرکار عظمت مدار صاحب عالیشان نے وزیر موصوف کی تجویز علیحدگی سے اختلاف کیا مگر اعلیحضرت نے تسلیم نکیا۔ اور مدار المہام موصوف کو دو برس کے اندر ہی مئی ۱۸۴۸ء میں خدمت وزارت سے سبکدوش کردیا۔ صاحب عالیشان فریزر صاحب نے بایمائے سرکار عظمت مدار صرف اظہار تعجب و تاسف پر اکتفا کیا۔

نواب سراج الملک بہادر کی علیحدگی کے بعد اعلیحضرت نے نواب امجد الملک کو وزیر کرنا چاہا۔ اور گورنر جنرل بہادر سے رائے لی گئی انھوں نے لکھا کہ خود ان کے خانگی معدات بہت ابتر ہیں جو اپنی ایک جاگیر کا انتظام نہ کرسکے بڑی ریاست کا

نظم ونسق اس سے کیا ہوگا۔ اس پر حضور پر نور نے پہلے نواب شمس الامرا کو پھر راجہ رام بخش ان کے بعد راجہ گنیش راؤ کو چند ماہ کے لئے وزیر اعظم مقرر کیا مگر یہ تغیر وتبدل بدانتظامیوں کے انسداد کے لئے کچھ بھی کارگر نہوا آخر پھر دو سال گزرنے کے بعد ۱۸۵۱ء میں نواب سراج الملک بہادر کو خلعت وزارت عطا فرمایا گیا۔ جب کہ رام بخش نے چندو لال کی طرح ملک کو اور بھی تباہ کر دیا تھا۔

لیکن جو لوگ ان کی وزارت سے پہلے ہی ناخوش تھے وہ نواب صاحب کے دو سال کے بعد پھر مسند وزارت پر نمودار ہونے سے زیادہ برہم ہوے اور پھر وہی خطرات پیش ہوئے چنانچہ وزارت ثانیہ کے نویں مہینہ میں بقایا تنخواہ والوں کے ہاتھ سے وہ زخمی ہو گئے۔ اب صاحب عالیشان نے بھی معاملات ملکی میں مداخلت کم کر دی تھی مگر بقایا تنخواہ فوج کنٹنجنٹ اور قرضہ کمپنی کا مطالبہ برابر جاری رکھا۔ ایک جانب انتظامی خرابی روز افزوں تھی اور دوسری جانب ادائی قرضہ کا شدید تقاضا تھا مختلف اوقات میں ادائی قرضہ واخراجات فوج کنٹنجنٹ کیلئے مختلف تجویزیں کی گئیں مگر سرمایہ کے نہونے سے کافی طور پر عملدرآمد نہو سکا۔

۱۸۴۳ء میں اعلحضرت ناصر الدولہ غفران منزل نے ہر چہار ماہی پر ۷ الاکھ روپیہ کمپنی سے قرض لے کر تفویض صاحب عالیشان فرمانے کا حکم اجرا کیا مگر اس کی بھی تعمیل نہو سکی یہ زمانہ سراج الملک کی معزولی کا تھا اور اسوقت دو کرور سات لاکھ سے زیادہ قرض کا بار ہو چکا تھا۔ ایک مرتبہ اعلحضرت نے وہ غیر تراشیدہ ہیرا جو ہنوز خزانہ عامرہ میں موجود ہے جسکی قیمت ایک کرور روپیہ قرار دیگئی تھی بمعاوضہ مطالبات صاحب عالیشان کے حوالہ کرنا چاہا مگر صاحب موصوف نے اسے قبول نکیا اور زر نقد کا مطالبہ رکھا یا بالفاظ دیگر صوبہ برار کے جو پہلے سے مکنون خاطر تھا تفویض کر دینے کی پیہم تحریک تھی جنرل فریزر نے خفیہ طور سے

گورنر جنرل بہادر کو یہ لکھ بھیجا کہ لیستن جی برار میں تعلقدار رہ چکا ہے اُس سے مجھے معلوم ہوا کہ برار کا صوبہ بہت سیر حاصل ہے ہمکو اپنے قرض کے مطالبہ میں اِسی صوبہ کو لے لینا چاہیئے لارڈ ڈلہوزی بہادر نے فریزر صاحب کو لکھا کہ ملک نظام سے کوئی صوبہ بالفعل تو ادائے قرض کے نام سے لے لینا چاہیئے جس کا حاصل ۵۰ لاکھ سالانہ ہو تین برس میں قرض تو ادا ہو جائیگا لیکن کنٹنجنٹ کی تنخواہ ماہ بماہ ادا کرنے کے لئے ہمکو اس صوبہ پر دائمی قبضہ رکھنا پڑیگا اس کام کیلئے کنٹنجنٹ وغیرہ اگر کافی نہو تو اور فوج یہاں سے مل سکتی ہے ۔ اعلیحضرت کو سب پریشانیاں بظاہر گوارا تھیں لیکن کسی حصہ ملک کا جدا کرنا نہایت شاق تھا اور یہی وجہ تھی کہ باوجود شدت تقاضا ہمیشہ مختلف تدابیر کیطرف رجوع فرماتے تھے چنانچہ بہت کچھ اصرار ادائی رقوم پر اعلیحضرت نے چند اضلاع نواب شمس الامرا بہادر کے تفویض کر دئے تاکہ اس کے جداگانہ محاصل سے صاحب عالیشان کے مطالبات پورے ہوتے رہیں۔ اس طریق ادائی قرض سے صاحب عالیشان بہادر چندے مطمئن رہے مگر بعد کو یہ سلسلہ بھی قائم نہ رہا۔ آخر تفویض ملک برار کا اہتمام گورنر جنرل نے کرنل جان لو کے ذمہ کرکے حیدرآباد میں اُنہیں رزیڈنٹ مقرر کیا کرنل بہادر موصوف نے بہت بے مروتی بلکہ گستاخی سے اعلیحضرت سے گفتگو کی حضور نے ارشاد کیا کہ نواب کرنول کا ملک وہابیت کے الزام میں ہماری فوج کنٹنجنٹ کی اعانت سے کمپنی کے قبضہ میں آیا ہے اُس کا حساب ابھی تک پیش نہیں ہوا کرنل لو کو اس کا جواب دیتے بن نہ پڑا سراج الملک بہادر نے کہا کہ بہت جلد ادائے قرض کا بند و بست میں کرونگا کرنل موصوف بولے کہ تم جھوٹ کہتے ہو اور گورنر جنرل بہادر کا حکم ہے کہ مہینہ بھر کے اندر اگر برار کا فیصلہ نہوا تو پونہ سے گوروں کی دو پلٹنیں حیدرآباد میں بلالی جائیں غرض جدید عہد نامہ ۲۱ مئی ۱۸۵۳ء کو مرتب کیا گیا برار کے ساتھ دوآبہ رائچور اور نلدرگ بھی حوالہ کئے گئے

اسوقت ملک برار مفوضہ کا محاصل زائد پچاس لاکھ سے تھا۔ گرانٹ ڈف نے جلد اول صفحہ ۴۳۴ میں دفتر مغلیہ کے حوالہ سے فقط برار کی آمدنی ایک کروڑ پندرہ لاکھ تیئیس ہزار پانسو آٹھ روپیہ لکھے ہیں رزیڈنٹ نے اپنی سرکار میں خفیہ جو عریضہ لکھا ہے اس میں یہ فقرہ موجود ہے کہ ملک نظام میں برار سے بڑھ کر کوئی صوبہ زرخیز نہیں وہاں روئی اور افیون کی کاشت سے کمپنی کو نفع کثیر ہوگا۔ صاحب عالیشان کے بار بار اصرار سے نواب غفران منزل تفویض ملک پر راضی ہوئے تو مداخل و مخارج ملک مجوزہ کا تختہ مرتب کیا گیا۔ اس زمانہ میں نواب سراج الملک بہادر تشویش میں لب گور ہو رہے تھے اور راجہ رایان بہادر کا دفتر جو دفتردار کہلاتے تھے نہایت بدانتظامی میں تھا برسوں سے کوئی تختہ مداخل و مخارج کا تیار ہی نہیں ہوا تھا ادھر صاحب عالیشان کا سخت تقاضا تھا ان وجوہ سے نہایت عجلت سے جو تختہ تیار کیا گیا اور اس کی رو سے جو ملک تفویض کیا گیا اس کا محاصل پچاس لاکھ سے بہت زیادہ تھا۔ اسی وجہ سے چار ہی مہینہ کے بعد برار بالاگھاٹ میں سے تین لاکھ سالانہ کے اضلاع واپس کئے گئے پھر سنہ ستاون کا فتنہ فرو ہونے کے بعد مغفرت مکان نواب افضل الدولہ بہادر کے عہد دولت میں ملک مفوضہ میں سے کچھ حصہ واپس کیا گیا اور قرضہ سابقہ منسوخ ہوا کیونکہ اخراجات کنٹنجنٹ کے لئے پچاس لاکھ سے زیادہ کی ضرورت نہ تھی۔ تفویض ملک کی گفتگو میں اعلیحضرت نے دس دربار کئے ان سب میں سراج الملک شریک تھے اور اچھے تھے کوئی شکایت بظاہر نہ تھی مگر اس معاہدہ کی تکمیل کے تین دن بعد نواب سراج الملک بہادر کا انتقال ہوگیا۔ برگز مورخ انگریزی کا بیان ہے۔
”کہ جس دن یہ عہد نامہ مکمل ہوا سراج الملک گویا اسی وقت مر گئے تین دن سے زیادہ نہ جیے بڑے بیدار مغز وسیع الاخلاق حلیم الطبع وزیر تھے عربی و فارسی میں ان کی استعداد و لیاقت علمی کا کوئی دوسرا امیر ان کے زمانہ میں نہ تھا انھوں نے

وزارت کی جستجو نہیں کی خود وزارت نے اُن کو ڈھونڈھ نکالا تھا"
نواب سراج الملک بہادر کے تقرر میں تو رزیڈنٹ بہادر نے کسی مصلحت سے بہت ہی زور دیا کہ اعلیحضرت نواب صاحب سے ناخوش ہو گئے لیکن جب کمپنی کے ادائے قرض میں لیت و لعل کی صورت دیکھی تو فریزر صاحب اور کرنل لو رزیڈنٹ صاحب کے نزدیک سراج الملک سے بڑھ کر کوئی وزیر قابل وزارت نہ تھا اسی بنا پر اعلیحضرت نے کرنل لو سے فرمایا تھا کہ سراج الملک کا اعتبار تم کو نہیں رہا تو میرا اعتبار کرو میں اقرار کرتا ہوں کہ بہت جلد کمپنی کا قرض میں ادا کر دوں گا ملک برار کے دینے میں میری سخت توہین ہے اس فرمانے کا کچھ اثر نہ ہوا اور ۶۴ لاکھ کے قرض میں برار لے لیا گیا مگر انگریزی مورخ شاہد ہیں کہ ساہوکاروں کے بھی دو کروڑ روپیہ سودی اسوقت سرکار عالی پر قرض تھے اتنا بڑا صوبہ نکل جانے کے بعد بھی سب کا قرض اصل و سود سمیت آخر سرکار نظام نے ادا کر ہی دیا اور پھر شاہانہ اعتبار قایم کر لیا۔

نواب سالار جنگ بہادر اوّل

جس طرح تکلیف دہ شب تاریک کے بعد طلوع صبح ہزاروں مسرتوں کی باعث ہوتی ہے اسی طرح گزشتہ مدار المہاموں کا تنگ و تاریک انتظامی زمانہ بری بھلا کا ہی گورنمنٹ اور رعایا کے سروں پر سے گزر کر نواب میر تراب علیخاں سالار جنگ اول کے خوشگوار اور مبارک عہد تک پہنچا۔ بمصداق کل امر مرہون باوقاتہا جب کسی کام کا وقت آتا ہے تو وہ کسی نہ کسی طرح سے پورا ہی ہو کر رہتا ہے۔
نواب سراج الملک بہادر کے انتقال کے وقت ملک کی انتظامی اور مالی حالت جو کچھ تھی وہ ہرگز قابل اطمینان نہ تھی۔ ایسے وقت میں نواب سالار جنگ کا

خدمت وزارت پر سرفراز ہونا بظاہر بہت بڑا اعزاز تھا مگر مشکلات اندرونی و بیرونی کے لحاظ سے کسی عقلمند آدمی کو جراءت ایسی اہم خدمت قبول کرنیکی نہیں ہوسکتی تھی چنانچہ نواب سالار جنگ بہادر نے حصول خدمت کے لئے کوئی فکر نہیں کی جیسا کہ انھوں نے اپنے ایک خط میں مسٹر ڈائٹمین کو تحریر کیا ہے " ۲۰ مئی یوم دوشنبہ کو بوقت شام اعلیحضرت نے مجھے یکایک حکم دیا کہ صبح کو دربار میں دو سرپیچ لے کے حاضر ہوا اور صاحب عالیشان کو اطلاع کر کے اُن کو بھی شریک دربار ہونے کے لئے لکھو اس طرح بغیر کسی قسم کی درخواست و معروضہ کے مجھے خدمت دیوانی سے سرفرازی ہوگئی کاش میں اپنے چچا کی جاگیرات پر قانع ہوکر اپنے اوقات سکون و اطمینان سے گوشہ عافیت میں کاٹتا اور ملکی معاملات کا بار گراں خصوصاً ایسی نہایت نازک حالت میں سر پر نہ لیتا بہر حال خدا سے امید ہے کہ ملک میں کچھ سکون قایم کرسکونگا اور گورنمنٹ کو موجودہ مشکلات سے نکالنے میں کسی حد تک کامیاب ہونگا "
تاریخ شاہد ہے کہ نواب سالار جنگ نے اپنے قول کو کس کامیابی سے بناہا۔

جس وقت نواب موصوف نے خدمت وزارت کا جائزہ لیا تمام ملک میں بدانتظامی اور حکومت سے بددلی پھیلی ہوئی تھی۔ تمام اضلاع میں محاصل بہ ذریعہ اجارہ داران نہایت تقلیل کے ساتھ وصول ہوتے تھے۔ اعراب اور افغان علاوہ بہت سے جاگیرداروں کے تمام اضلاع پر خود مختارانہ حکومت قائم کئے ہوئے تھے۔ اور خزانہ بالکل خالی تھا۔

نواب ناصر الدولہ بہادر نے تصفیہ مطالبات صاحب عالیشان سے تنگ آکر ملک برار اور رائچور وغیرہ حوالہ کمپنی کردیا تھا جس سے تمام ملک نہایت برافروختہ ہورہا تھا۔ اور کسی شخص کو ایسی تنگ و تاریک حالت میں ایک ۲۴ سالہ وزیر سے حد درجہ کے الجھے ہوئے معاملات سلجھنے کی امید نہ تھی ایک جانب تو

ملک کا ایک وسیع حصہ برار وغیرہ قطع کرلیا گیا۔ دوسری جانب خزانہ میں موجودات کی یوں ہی کمی تھی پس اس حصہ ملک کی علیحدگی سے اور بھی نقصان پیش نظر تھا اس پر طرہ یہ کہ جن امرا کی جاگیرات مفوضہ ملک میں واقع تھیں اور اب ازروئے معاہدہ تفویض کمپنی ہوگئی تھیں وہ اپنی جاگیرات کا معاوضہ سرکار عالی سے طلب کرتے تھے اور اگرچہ کنٹنجنٹ کے اخراجات اور کمپنی کے قرضہ سے بعد علیحدگی برار سکون حاصل ہوگیا تھا مگر مقامی ساہوکاروں کا قرضہ اس وقت پونے تین کرور روپیہ تھا جو بعد کو سالار جنگ کی تنقیح سے صرف ۸۰ لاکھ قائم رہا۔ ان سب مشکلات پر قادر ہونا صرف سالار جنگ کی صداقت پسندی اور معاملہ فہمی اور استقلال کی بدولت تھا اور ملک کے دو بڑے فریق یعنے جمعداران اعراب جو کل اقتدارات کے ساتھ تمام اضلاع پر قابض تھے اور ساہوکاران مقامی جو بڑے مالدار تھے اور اطمینان کی حالت میں انھیں سے روپیہ مل سکتا تھا سالار جنگ کے طرفدار ہو گئے۔ نواب سالار جنگ نے اولاً عربوں کی قوتوں اور اضلاع کی جمعیتوں پر نظر اصلاح ڈالی اور نہایت مدبرانہ چال سے بعض طاقتور فہمیدہ عربوں کو اپنا حامی بنا کر دوسرے عربوں کو ہموار کرلیا جس سے بہت سی بدامنیاں رفع ہوگئیں اور تصفیہ معاملات اعراب کے لئے ایک خاص عدالت مقرر کردی ساہوکاروں کی نظر میں بھی ایسا اعتبار ہوگیا کہ جہاں وہ اس سے قبل ایک حبہ دینے کے روادار نہ تھے اب لاکھوں روپیہ دینے کو تیار ہو گئے۔ لیکن سب سے اہم کام عربوں اور پٹھانوں سے جاگیرات کا استرداد تھا جو یا تو سرکار کی طرف سے بہ معاوضہ رقوم قرضہ ان کے حوالہ ہوا لیکن یا اہل ضرورت وقت بے وقت خانگی طور سے ان کے پاس رہن رکھا کرے جن تعلقات کا اجارہ عربوں کو دیا جاتا کہ وہ بعد منہائی اپنے زر قرضہ کے بقیہ محاصل داخل خزانہ سرکار کریں۔ ان میں اکثر تعلقات کا ایک حبہ خزانۂ شاہی میں داخل نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ اصل رقم سود در سود ملا کر

رقم اجارہ سے زائد ہی ہو جایا کرتی تھی اس لئے جو تعلقہ اُن کے حوالہ ہوتا وہ کبھی واپس نہ ہوتا۔ اس طرح شروع زمانہ سالار جنگ میں عربوں کے پاس سوا کرور روپیہ سے زیادہ محاصل کی جاگیرات مرہونہ و مقبوضہ تھیں نواب صاحب نے واپسی جاگیرات مذکورہ کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جسقدر روپیہ اخراجات سے بچ رہتا عربوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ اور بقیہ کے لئے ساہوکاروں کی ضمانت دلا دیجاتی اس طرح پہلے ہی سال لاکھوں روپیہ کے محاصل کی جاگیرات عربوں وغیرہ سے واپس لیں سنہ ۱۲۶۴ف سے سنہ ۱۲۹۰ف تک آٹھ لاکھ چھیاسی ہزار آٹھ سو چھہتر روپیہ محاصل کی جاگیریں واپس لے لی گئیں۔ اسی زمانہ میں سلطان مسقط نے رزیڈنٹ کے ذریعہ سے کچھ ہدایا حضور پر نور کو بھیجے حضور نے رزیڈنٹ کو بعد ملاحظہ سب تحفے عطا فرما دئے۔

قحط نواب سالار جنگ بہادر کے مدبرانہ نظم و نسق کی آزمائش صرف انہیں مہمات تک منحصر نہ تھی جن کا ذکر ہوا بلکہ ان مشکلات کے علاوہ وزارت کے اوائل ہی میں قحط کا سامنا ہوا جو ریل کے نہونے سے اور دوسرے ذرائع آمد و رفت کی دشواری سے اور بھی گراں گزر رہا تھا۔ لیکن نواب سالار جنگ کی بےنظیر کارگزاری نے اس مہلک قحط کا نہایت ہی خوب انتظام کیا۔

[illegible] نواب ناصر الدولہ آصف جاہ رابع نے سنہ ۱۸۵۷ء کے پر آشوب زمانہ میں اٹھائیس برس کی حکومت کے بعد جبکہ ہندوستان کے مختلف حصوں پر غدر کی مہلک آگ سلگ رہی تھی انتقال فرمایا۔ اور غفران منزل کے لقب سے اوراق تاریخ میں یاد کئے گئے۔ حضرت غفران منزل کے زمانہ حکومت میں نواب منیر الملک برائے نام وزیر کے علاوہ زیادہ تر مہاراجہ چندو لال بہادر و نواب سراج الملک بہادر مسند وزارت پر متمکن رہے۔ مہاراجہ چندو لال بہادر نواب منیر الملک بہادر کے زمانہ

وزارت بست و سہ سالہ میں مدار المہامی کا کام کرتے تھے مدار المہام وقت سے انتظام سلطنت میں دخل نہ دینے کے لئے تحریری وثیقہ لے لیا گیا تھا نواب منیر الملک بہادر کے بعد مہاراج بیکنٹھ باشی پورے طور سے تقریباً بارہ[۱۲] سال تک مدار المہام ریاست تھے اور نواب سراج الملک بہادر نے بعہد حضرت مغفرت منزل بدفعات تقریباً ۵ سال وزارت کی بحیثیت مجموعی نواب غفران منزل کا دور حکومت نہایت پر آشوب تھا۔ ملک برار وغیرہ گورنمنٹ انگریزی کے تفویض ہوا جس کی علحدگی میں آپ نے نہایت لیت و لعل کی اور فرمایا کہ برار کا علحدہ ہونا گویا میرے ایک بازو کا منقطع ہونا ہے۔ اعلیحضرت کو برار کا دینا بھی گوارا نہ تھا اور فوج کنیٹجنٹ کا برطرف کر دینا بھی خلاف شان سمجھتے تھے کرنل لو صاحب کے خفیہ مراسلات میں یہ فقرہ موجود ہے کہ میں نے حضور نظام سے کہا کہ آپ کنیٹجنٹ کو برطرف کرنا چاہیں تو ہو سکتا ہے لیکن برار سردست کمپنی کو دے دینا ضرور ہے مجلس تجارت ہند نے قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ مطالبہ تنخواہ کنیٹجنٹ میں سرکار نظام سے کچھ ملک لے لینا چاہئے کنیٹجنٹ کو تخفیف کرتے میں کئی برس لگیں گے ساری فوج کے دفعتہً برطرف کر دینے میں سرکار کمپنی کی بدنامی و بے اعتباری ہوگی ہاں رفتہ رفتہ تخفیف ہو سکتی ہے اس کے بعد آپ کا ملک آپ کو واپس مل جائیگا اس پر حضور نظام نے فرمایا کہ مجھے فوج کا برطرف کرنا بھی منظور نہیں۔ اعلیحضرت غفران منزل کے مکارم خسروانہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ہندوستان میں اٹھارہ موضع نواب مغفرت مآب کے وقت سے جاگیر عطیہ شاہی تھی ان میں سے نو موضع بادشاہ دہلی کو جو اکبر ثانی کہلاتے تھے پریشاں حال دیکھ کر عطا کر دیے اور انہیں مواضع میں سے پانچ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر درگاہ خواجہ اجمیر رحمہ اللہ کو دے دی اور جاگیرداروں میں سے اگر کوئی قرضدار ہو جاتا تھا تو اس کا قرض خود ادا کر کے تا ادائے زر قرض جاگیر سرکاری عہدہ داروں کے زیر انتظام رکھتے تھے

اعلیحضرت نواب میر تہنیت علیخان بہادر افضل الدولہ آصفجاہ خامس

اِس پُر آشوب زمانہ میں جبکہ اندرون ملک اضطراب و بیرون حدود سخت پریشانی ہورہی تھی نواب افضل الدولہ بہادر بخطاب عالی آصف جاہ خامس رونق افروز تخت سلطنت ہوئے یہ زمانہ نہایت سخت آزمایش کا تھا تاہم نواب سالارجنگ کے ہاتھ میں زمام وزارت آتے ہی ملک میں ایک حد تک سکون ہوگیا تھا اعتبار قایم اور دبدبۂ حکومت نمایاں تھا۔ مطالبات انگریزی فرو ہوگئے تھے انتظام و محاصل میں ترقی رونما تھی۔ حکومت کا پہلا ان اور وزارت کا چوتھا سال تھا کہ ہندوستان میں غدر ہوگیا ۱۸۵۷ء کے غدر کے زمانہ میں جو استقلال اور دوراندیشی اور وفاداری ریاست عالیہ کی طرف سے ظاہر ہوئی وہ اس ملک اور گورنمنٹ کی نظروں میں ہمیشہ کے لئے بہت ممتاز رہی اور اسی وجہ سے نواب سالارجنگ کا نام اور اعزاز بنظیر امتیاز کے ساتھ زینت اوراق تاریخی ہوگیا۔ ہندوستان کے غدر کا نہایت مضر اثر جس نے دہلی کے شاہی جھلملاتے ہوے چراغ سحری کو گل کردیا۔ اور اس کے سوا ہزاروں قدیم نوابوں۔ خاندانوں جاگیرداروں کو ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کردیا رفتہ رفتہ اس ملک میں پہنچ گیا تھا اور سب کی نظر حیدرآباد کی شاہی قوت پر تھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک جانب تو برٹش گورنمنٹ اپنے قیام ہندوستان کا انحصار حیدرآباد کے اعلیٰ رجحان پر اور دوسری جانب اہل بغاوت ہندوستان کا آیندہ نظم و نسق حیدرآباد کے ایما پر سمجھتے تھے۔ چنانچہ گورنر بمبئی نے رزیڈنٹ حیدرآباد کو موقع کا اندازہ کرکے تار دیا کہ اگر حیدرآباد نے ذرا بھی حرکت کی تو برٹش گورنمنٹ کا خاتمہ ہے"۔ برٹش گورنمنٹ کو تو تار وغیرہ سے روزمرہ اپنی نازک حالت کی خبر ملتی تھی جس سے استنباط کرکے فقرہ بالا رزیڈنٹ حیدرآباد کو انتباہاً لکھا گیا تھا۔

شورش غدر

لیکن دوسری جانب اہل بغاوت کا اندرونی سلسلہ ایسا پھیلا ہوا تھا کہ غدر دہلی کی خبر صاحب عالیشان نے نواب سرسالار جنگ بہادر کو کی تو نواب صاحب نے فرمایا کہ یہ خبر یہاں شہر میں تین روز پہلے سے ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بغاوت ۱۸۵۷ء کس سرعت اور کس انتظام سے تمام ملک میں خفیہ اور اکثر جگہ باعلان پھیلی ہوئی تھی اور اعلیٰحضرت کے تخت نشینی کے جلسہ میں تمام انگریزی افسر ایک ہی جگہ پر موجود تھے اور دہلی و لکھنو کے غدر کا حال بھی یہاں سب کو معلوم تھا اور یہ سرکار انگریزی کے ساتھ سرکار عالی کی خالص دوستی کا ثبوت بین ہے اس کے علاوہ شوراپور کے راجہ نے ہندوستان کے غدر میں شریک ہونے کے لئے سیکڑوں عرب اور ہزاروں روہیلے اور پنڈاری جمع کر لئے تھے نواب مختار الملک بہادر نے اوسے بحکمت عملی گرفتار کر کے رزیڈنٹ کے حوالہ کر دیا اور غدر کی نوبت نہ آنے پائی۔ مادہ غدر کا عموماً ہر جگہ موجود تھا۔ مگر اعلیٰحضرت و نواب سرسالار جنگ اور نواب امیر کبیر بہادر نے اپنے حدود اراضی میں کسی مخالف تحریک کو کامیاب نہیں ہونے دیا اور ہر طرح رزیڈنسی کی حمایت کے لئے آمادہ اور تیار رہے اور کوئی دقیقہ بلوائیوں کے حوصلہ پست کرنیکا اٹھا نہیں رکھا جس سے صاحب عالیشان بہادر بخوبی واقف تھے صرف بعض اشرار فوجی کی اندرونی سازش پر طرہ باز خاں اور علاؤالدین نے رزیڈنسی پر حملہ کر دیا جو فی الفور رد کر دیا گیا طرہ باز خاں کو بعد گرفتاری بھاگ جانے کی کوشش میں گولی ماردی گئی اور علاؤالدین کو حبس دوام کی سزا ہوئی۔

اگرچہ اس خفیف حرکت کی ذمہ داری سرکار عالی پر نہ تھی کیونکہ سرکار عالی کے ارکان ذمہ دار اس سے قبل ہر قسم کی وفاداری کا بین ثبوت دے چکے تھے۔ تاہم اس ناگوار واقعہ کے متعلق نواب امیر کبیر بہادر رزیڈنٹ صاحب سے معافی خواہ ہوئے کہ اس واقعہ سے سرکار عظمت مدار کی نظر میں تعلق بلوائیوں کے ساتھ نہ سمجھا جائے

بصلۂ وفاداری جو اس نازک وقت میں منجانب گورنمنٹ نظام و نواب سر سالار جنگ و نواب امیر کبیر بحق سرکار انگریزی وقوع پذیر ہوئی۔ نواب ویسرائے بہادر نے مختلف طور سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور محض تحریری شکریہ پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ از روئے معاہدہ ۱۸۵۳ء ملک برار کے ساتھ اور چند اضلاع رائچور نلدرگ و ہاراسیوں بعلت قرضہ و خرچ فوج کنٹنجنٹ وغیرہ تفویض سرکاری انگریزی ہوئے تھے وہ ۲۶ دسمبر ۱۸۶۰ء میں مسترد کر دئے گئے اور اس کے ساتھ پچاس لاکھ روپیہ کا قرضہ مع سود منسوخ کیا۔ اور سمستان شوراپور جو بوجہ بغاوت راجہ سمستان مذکور ضبط سرکار انگریزی ہو گیا تھا حوالۂ سرکار نظام کیا گیا۔ اس کے عوض میں زرخیز و سیر حاصل چھ تعلقے جو دریائے گداوری و دین گنگا کے بائیں کنارہ پر واقع ہیں اس مقام تک جہاں یہ دونوں ندیاں مل گئی ہیں سرکار نظام سے لے لئے گئے۔ تعلقہ راکاپلی۔ تعلقہ بھدراچلم تعلقہ چرلا۔ تعلقہ الباکا۔ تعلقہ نوگور۔ تعلقہ سرونچا اور ان چھ تعلقوں کے علاوہ برار میں جتنے تعلقہ صرف خاص و جاگیرات کے تھے وہ بھی سرکار انگریزی کے ماتحت کر دیے گئے اس کے علاوہ پربھنی کے بعض تعلقات بھی دے دیے اور برار کے ساتھ یہ سب تعلقات مل کر ۳۲ لاکھ سالانہ کا ملک قرار پایا اس کے علاوہ برار کے مداخل و مخارج کی حساب فہمی کا سرکار آصفی کو جو حق تھا وہ بھی اس دفعہ لے لیا گیا یہ بات قرار پائی کہ مصارف ملک برار میں سے جو بچے گا وہ حضور نظام کو دے دیا جائے گا اور یہ ملک حضور ہی کا کہلائیگا لیکن حضور کو اس کا حساب طلب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور اسی وجہ سے بغیر حضور کی منظوری کے کنٹنجنٹ میں ایک ہزار فوج اور بڑھا دی ان کی تنخواہ بھی آمدنی برار سے دی جانے لگی اور برار کے حکام اکثر یورپ کے لوگ بڑی بڑی تنخواہوں کے مقرر کئے گئے۔ اس کے علاوہ جولائی ۱۸۶۰ء میں ایک لاکھ روپیہ کا تحفہ ملکہ معظمہ وکٹوریہ نے بامید قبول اعلحضرت کو بھیجا جسکو نواب والسرائے بہادر نے

باین استدعا کہ اس تحفہ کے قبول فرمانے سے گورنمنٹ نظام اور گورنمنٹ انگریزی
میں ایک نشان دوامی محبت و وداد کا سمجھا جائے گا۔ بذریعہ صاحب عالیشان پیش کیا تھا
نواب سالار جنگ بہادر اور نواب امیر کبیر بہادر کو جو تحائف دئے گئے انکی مالیت
تیس ہزار روپیہ کی تھی یہاں ایک لطیفہ قابل ذکر ہے۔ اعلیحضرت کے تحائف میں
مرصع تلوار کے علاوہ ایک مرصع انگشتری بھی تھی۔ جسے حضرت ممدوح الشان نے
سر دربار پہننا چاہا مگر وہ چھوٹی انگلی میں بھی نہ آسکی حالانکہ انگریزی طریقہ کے موافق
انگشتری مذکور دوسری انگلی میں پہننے کے لئے تیار ہوئی تھی۔

سنہ ۱۸۶۱ء میں ستارہ ہند کا طبقہ ایجاد کیا گیا اور جولائی سنہ مذکور میں اس طبقہ کا ضلع بندی
سب سے اعلیٰ تمغہ مع فرمان دستخطی جناب ملکہ وکٹوریہ بتوسط صاحب عالیشان نذر اعلیحضرت
کیا گیا سرکاری محاصل و تشخیص اراضیات مستحکم بنیاد پر قائم کرنے کے لئے یہ امر ضروری
تھا کہ کل اراضی ممالک محروسہ کو اسمات اور اضلاع میں تقسیم کرکے ایک صورت
ضلع بندی کی قایم کی جائے چنانچہ اس مہتم بالشان کام کو نواب سر سالار جنگ بہادر
نے اس طرح انجام دیا کہ بجائے تعلقہ واری تقسیم کے ضلع واری تقسیم قائم ہوئی
آٹھ سال کے بعد سرکار عظمت مدار سے اضلاع رائچور نلدرگ اور دہاراسیون
واپس اور پچاس لاکھ روپیہ کا قرضہ معاف ہو گیا تھا اس لئے بشمول واپس شدہ
اضلاع کے تمام ممالک محروسہ کا انتظام جدید طریقہ سے کیا گیا قبل اس کے درآنحالیکہ
تعلقات کی تعداد مساوی رہتی تھی تعلقداروں کی تعداد میں کمی بیشی ہو جاتی تھی۔
مثلاً سنہ ۱۲۶۸ف میں ۱۶ تعلقدار تھے مگر سنہ ۱۲۷۴ف میں صرف ۴ تھے بعض تعلقداروں
کے پاس دیہات کی تعداد بہت زیادہ ہوتی بعضوں کے پاس بہت کم اور چونکہ
حد بندی نہ تھی۔ اس لئے اضلاع کے تعلقداروں کے حدود بالکل غیر معین اور
انواع واقسام کی خرابیوں کا باعث تھے۔ اسی طرح تعلقداروں کے متعلق رقم

محاصل کی مقررہ جمع بندی نہ تھی یہاں تک کے ایک شخص کے پاس دو ہزار کی تو دوسرے کے پاس نو لاکھ کی جمعبندی تھی۔ ضلع بندی سے تمام اضلاع میں مساوات ہو گئی اور کل اضلاع کے صرف تین مدارج بلحاظ محاصل آٹھ لاکھ اور دس لاکھ اور بارہ لاکھ کئے گئے اور تلنگانہ میں اجناس میں ادائی کا قدیم طریقہ جس کو بٹائی کہتے تھے موقوف کیا گیا اور صوبہ داروں سے لیکر تحصیلداروں تک کا تقرر کیا گیا اسی اصلاح کے ساتھ محکمہ جات عدالت۔ تعمیرات طبابت۔ صفائی پولس۔ تعلیمات جا بجا قائم ہوئے۔

انتظام کرورگیری — انتظام کرورگیری نہایت تکلیف دہ خلایق تھا۔ اندرون ممالک محروسہ مختلف مقامات پر اور ہر جاگیر دار اپنے حدود میں محصول کرورگیری عائد کرتا تھا۔ اس کی بھی اصلاح کی گئی اور اندرونی مقامات کی تحصیل موقوف کر کے صرف سرحدی مقامات پر محصولخانے قایم کئے گئے۔ منجملہ ان محصولات کے جو عامہ خلایق پر عائد کئے جاتے تھے اور اب موقوف کئے گئے چند حسب ذیل ہیں۔ دھنگر پٹی۔ بھوئی پٹی۔ ڈھیڑ پٹی چرا پٹی تہہ بازاری۔ کلال پٹی۔ جلاہا پٹی۔ راہداری وغیرہ وغیرہ۔

جن جاگیر داروں کو حقوق محاصل راہداری عطا ہوئے تھے اور برار وغیرہ امانتاً تفویض کرنے یا جدید انتظام سے ان کا وہ حق زایل ہو گیا تھا۔ ان کو سرکار عالی سے دو لاکھ دو ہزار ۸ سو چھتر روپیہ سالانہ محاصل کی جاگیر دی گئی۔

صدر المہامی — ۱۸۶۸ء میں چار صدر المہامان مال و پولس و عدالت و متفرقات مقرر کئے گئے اور صدر محکمہ مالگزاری دو ہی برس کے قیام کے بعد موقوف کر دیا گیا۔ اسوقت محکمہ موصوف کے صرف عہدہ داروں کی تنخواہ ستر ہزار سالانہ سے زاید ہوتی تھی حالانکہ کل آمدنی مالگزاری ایک کرور دس لاکھ سے زیادہ نہ تھی۔

رحلت — ہنوز حکومت عالیہ کو پورے بارہ سال نہیں گذرے تھے کہ فروری ۱۸۶۹ء میں نواب افضل الدولہ بہادر نے انتقال فرمایا اور مغفرت مکان کا خطاب وفات

دیا گیا آپ کے عہد حکومت سے پہلے نواب سالار جنگ بہادر عہدہ وزارت پر سرفراز ہو چکے تھے۔ اعلیحضرت نے اُن کے علیحدہ کرنیکی تجویز ۱۸۶۱ء میں کی تھی برار کے واپس لینے کا حکم بار بار نواب سالار جنگ بہادر کو دیا گیا تھا نواب صاحب نے بھی حسب حکم رزیڈنٹ بہادر سے سخت تقاضا بذریعہ مراسلات کیا تھا مگر کسی تحریر کا جواب ہی نہیں ملا حضور نواب صاحب سے اسی بات پر ناخوش ہو گئے تھے معزول کرنا چاہتے تھے مگر بمشورہ صاحب عالیشان بہادر باز رہے آپ کے دورِ حکومت میں بہت سی اصلاحین عمل میں آئیں دہلی کا شاہی سکہ حیدرآباد میں مسکوک ہونا بند ہوا۔ آپ کے زمانہ تک دربار میں رزیڈنٹ جوتا اتار کر فرش پر نشست کرتے تھے۔

آپ ہی کے عہد دولت میں ملک اوڑیسہ میں جو سرکار انگریزی کے ماتحت ہے قحط شدید پڑا تھا اور حسب حکم حضور نواب سالار جنگ بہادر نے سرکار عظمت مدار میں ایک مراسلہ روانہ کیا جس کا حاصل یہ تھا کہ

"غدر کے رفع ہونے کے بعد بادشاہ برطانیہ نے مجلس تجارت ہند کو بے انتظامی و جنگ جوئی و غصب ممالک کے سبب سے برخاست کر کے ملک ہند میں اپنی سلطنت قائم کی۔ اس حکومت کی بنیاد قائم کرنے میں سرکار نظام نے بڑی اعانت کی ہے اور اس سبب سے بمقتضائے ہمدردی انسانی سرکار نظام اپنے کو جمیع رعایائے ہند کی بہبودی کا ذمہ دار سمجھتی ہے۔ پہلا فرض حاکم وقت کا یہ ہے کہ رعایا کی جان کی حفاظت کرے۔ اِس کے برخلاف حضور نظام کو بہ تحقیق معلوم ہوا کہ گذشتہ زمانہ قحط میں پندرہ لاکھ بندگان خدا رعایائے ملکہ معظمہ دام ظلہا میں سے بھوکوں مر گئے اور عہدداران ملک سے کچھ انتظام نہو سکا اور سرکار نظام کو یقین ہے کہ وہ بھی اس غفلت و بے پروائی کو حکام وقت ضرور تسلیم کرینگے۔ اِس صورت میں سرکار نظام اپنی رعایائے برار کو ایسی بے پروا حکومت کے ماتحت رکھنا گوارا نہیں کر سکتی جس نے

اوڑیسہ کی آدھی آبادی کو بھوکوں مرجانے دیا اور خزانہ میں کروروں روپے بھرے ہوے تھے۔ یہ سچ ہے کہ سرکار نظام نے برار کے متعلق عہدنامہ لکھدیا ہے۔ لیکن یہ عہد وپیمان مجلس تجارت ہند کے ساتھ تھا جب وہ حکومت اٹھ گئی تو معاہدہ بھی باقی نہیں رہا۔ اب سرکار نظام سلطنت برطانیہ سے مستدعی ہے کہ ملک برار واپس کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جب سرکار انگریزی نے ملک میسور کا راج اوڑھا کر الحاق کا ارادہ کیا ہے تو حسب معاہدہ آدھا ملک اس میں سے بھی سرکار نظام کو ملنا چاہئے اس کے علاوہ ریاست کرنول وملکسور پر بھی سرکار برطانیہ نے تنہا اپنا تصرف کرلیا ہے سرکار نظام دولت برطانیہ کو اس امر کی طرف پھر متوجہ کرتی ہے کہ آئندہ رعایائے ہند کی بہبودی کا خاطرخواہ انتظام کیا جائے اگر اس انتظام میں اعانت کی حاجت ہو تو سرکار نظام صوبہ اوڑیسہ کا کامل انتظام کرنے کو خود موجود ہیں اس صوبہ کی آمدنی سے جو بچے گا وہ سرکار برطانیہ کے خزانہ میں دے دیا جائیگا۔"

حضور غفران مکان نواب میر محبوب علیخان بہادر

آصف جاہ سادس

نواب افضل الدولہ بہادر کی رحلت کے بعد اعلیٰحضرت نواب میر محبوب علی خان بہادر تخت نشین سلطنت آصفیہ ہوئے۔ تخت نشینی

اعلیٰحضرت ازروئے سلسلہ حکومت تخت آصفیہ پر نویں حکمران ہیں اور باعتبار خطاب آصف جاہ چھٹے ہیں۔ نواب مغفرت مکان کے تین فرزند قبل ازیں داغ مفارقت دے چکے تھے اس لئے ایک جانب طبعی طور سے غیر معمولی حفاظت شہزادۂ ممدوح کی تھی اور دوسری جانب ایک فقیر نے حضرت مغفرت مکان سے کہا تھا کہ آپ فرزند نومولود پر نظر نہ ڈالیں نواب صاحب نے باوجودیکہ پختہ خیالی کے نہایت سرگرم مرید تھے مگر کچھ تو بنظر احترام ہدایت فقیر اور کچھ بخیال حفظ صحت فرزند مبارک تعمیل ہدایت فقیر بڑی پابندی سے کی لوگ اس قسم کے خیالات کو مبنی بر توہمات سمجھتے ہیں اور خصوصاً یورپین جو ایشیائی خصوصیات ومحسوسات سے بخوبی واقف نہیں وہ ایسے بیانات کو مبنی بر واقعات قرار دینے میں تامل کرتے ہیں اس سبب سے جنرل فریزر صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ یہ واقعہ نفس الامری ہے اور وہ فقیر باوجود انگریزی تہذیب وشائستگی کے اب بھی مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

بہ وقت رحلتِ حضرت مغفرت مکان اعلیٰحضرت خلد اللہ ملکہ کی عمر مبارک صرف ڈھائی سال تھی۔ اس واسطے نظم ونسق ممالک محروسہ نواب سر سالار جنگ بہادر اور نواب شمس الامرا بہادر کے تفویض ہوا نواب سر سالار جنگ بہادر کا وسیع اور پختہ تجربہ انتظام ریاست

مسٹر سانڈرس رزیڈنٹ وقت کی رائے میں ہر طرح قابل اطمینان تھا۔

مسٹر سانڈرس کی رپورٹ

چنانچہ انہوں نے بڑی شد و مد سے اپنی رپورٹ ۱۸۷۵ء میں لکھا کہ "مجھے حیدرآباد کا تجربہ ۱۸۵۶ء سے ہے۔ اُس زمانہ کے مقابلہ میں آج حیدرآباد کی وہی حالت ہے جو موجودہ انگلستان کی بمقابلہ اس وقت کے ہے جبکہ وہاں خاندان اسٹوارٹ کی حکومت تھی۔ یہ عظیم الشان اور نہایت مفید انقلاب وزیر اعظم نظام کی بابرکت وزارت کا بہترین نتیجہ ہے آج صرف خزانہ ہی معمور نہیں ہے بلکہ سالانہ مخارج کے مقابلہ میں مداخل کی مقدار ۸ لاکھ سے زیادہ ہے" بہت سے کاموں میں نواب سالار جنگ بہادر کے دو اہم کام نہایت منت پذیری سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اول بندوبست پیمائش ممالک محروسہ سرکار عالی جس کا آغاز ضلع اورنگ آباد سے کیا گیا تھا۔ مولوی مہدی علی خاں کمشنر بندوبست تھے عدم تشریح محاصل و تشخیص جمع بندی اور دیگر امور متعلقہ پیمائش و بندوبست سے جو خرابیاں کثرت سے ملک میں پھیلی ہوئی تھیں ان کا انسداد ہمیشہ کے لئے پابندی قواعد و ضوابط بندوبست سے ہو گیا۔ مولوی سید مہدی علی خاں کی ذہنی قابلیت اور وسیع تجربہ مقتضی اسی قسم کے وسیع میدان کا تھا ۱۸۶۱ء میں برار کے حدود درست کرنے کے لئے ملک سرکار عالی میں پھر کچھ کاٹ چھانٹ اور کتر بیونت کی گئی اکٹھ ہزار روپے سالانہ کے تعلقات برار میں اور شامل کر دئے گئے اُس کے عوض میں اونیس ہزار روپے سالانہ کے تعلقات پھر سرکار عالی کے تصرف میں شامل کئے گئے جو پہلے برار میں داخل تھے۔ سرکار عالی سے سو میں پانچ کرور گیری لینے کا معاہدہ تھا مگر ولیم پامر کمپنی نے برار کی روئی کو دریائے گداوری سے سمندر تک لے جانے کی راہ نکال لی تو گداوری کی کرور گیری کا حق سرکار سے لے لیا گیا۔ برار کے نمکزار تباہ کر دئے گئے اور بمبئی کے نمک کی تجارت جاری ہوئی جس سے سرکار عالی کا تیس ہزار پونڈ سالانہ کا نقصان ہوا

پہلے ان کا خیال تھا کہ ممالک محروسہ کا بھی بجائے رعیت واری کے زمینداری بندوبست کیا جائے وہ خود زمانہ دراز سے اسی طریقہ کے عادی ہو رہے تھے اس لئے پہلے اسی طریقہ کے زیادہ مدد و معاون تھے آخر ان کی رائے میں بمبئی احاطہ کے مثل رعیت واری ہی مفید ملک معلوم ہوئی ۱۸۶۰ء میں مہاراجہ عالی جاہ سندھیا نے تیس ہزار روپے سالانہ کے تعلقات جو صوبہ اورنگ آباد میں واقع تھے سب سرکار انگریزی کو دے دئیے سرکار انگریزی نے حضور نظام کو وہ زمین دیکر اس کے عوض میں پرگنہ آشٹی سے ضلع احمد نگر تک اور تلجاپور سے شورا پور تک اٹھارہ ہزار روپیہ سالانہ کے تعلقات اپنے ملک میں شامل کر لئے۔

پیمائش و بندوبست اخبار ٹائمز آف انڈیا بمبئی مورخہ ۲۴ اکٹوبر ۱۸۸۰ء نے پیمائش و بندوبست جاریہ کی خوبیوں کی طرف گورنمنٹ نظام کو متوجہ پاکر اظہار مسرت کے بعد اس کے برکات کو لکھا ہے کہ ۱۸۵۳ء میں جبکہ نواب سالار جنگ وزارت سے سرفراز ہوئے اورنگ آباد کے چار تعلقوں میں صرف ایک لاکھ اسی ہزار بیگہ مزروعہ تھا۔ اب انہیں تعلقوں میں بعد پیمائش بندوبست پانچ لاکھ اسی ہزار بیگہ مزروعہ ہوگیا اور محاصل میں ایک لاکھ اٹھاسی ہزار روپیہ سے چار لاکھ اٹھ ہزار ہوگئے۔ ان مفید نتائج کے ملاحظہ کرتے ہی نواب مکرم الدولہ اور نواب سالار جنگ بہادر نے اس طریقہ پیمائش و بندوبست کو تمام ممالک میں بعجلت شائع کر دینے کا حتمی ارادہ کیا وہی اخبار آخر دسمبر ۱۸۸۰ء میں پھر لکھتا ہے کہ اس نہایت اہم کام میں کل خرچ سالانہ صرف ایک لاکھ روپیہ ہوا ہے اور امید کیجاتی ہے کہ دوسری دیسی ریاستیں حیدرآباد کے نقش قدم پر چلکر اپنے زیر نگین ریاستوں کا ایسا ہی بندوبست کرینگی اور تمام ہندوستان کا خواہ مقبوضہ انگریزی ہو یا محکومہ والیان ریاست بہت جلد بندوبست ہو جائیگا۔

انتظام قحط دوسرا اہم کام جو نواب سالار جنگ بہادر کی اعلیٰ کارگزاری اور مدبرانہ روشن ضمیری کا شاہد ہے وہ ۱۸۷۶ء و ۱۸۷۷ء کا عظیم قحط تھا جس کا کل انتظام مولوی مہدی علی خاں کے

تفویض کیا گیا تھا۔ مولوی مہدی علی خاں نے جو رپورٹ قحط مرتب کی اس میں گزشتہ ڈھائی سو سال کے قحطوں کی تاریخ درج کی جو فی نفسہ ایک نہایت دلچسپ مضمون اسی موضوع پر ہوگیا ہے۔ مسٹر ولیم ڈگبی سی۔ آئی۔ ای۔ سکریٹری فیمن فنڈ نے اپنی رپورٹ میں نواب سالار جنگ کی قابلیت اور بہترین طریق انتظام قحط کی بڑی جوش و خروش سے داد دی۔ علی ہذا سر رچرڈ ٹمپل جو بالتخصیص یہاں کے انتظامات قحط دیکھنے آئے تھے کامل طور سے مطمئن ہوکر گئے وہ لکھتے ہیں کہ "میں نے یہاں غور سے قحط کے متعلق ہر کام کو تفصیل سے دیکھا اور میری رائے میں کوئی شئے ناکمل نظر نہیں آئی۔"

باوجود اس قحط شدید کے ملک کی سرسبزی جو اس وقت بوجہ خوبی بندوبست و انتظام سلطنت کے تھی اس واقعہ سے ظاہر ہوگی کہ ایام قحط میں ممالک محروسہ سرکار عالی سے ایک لاکھ ٹن غلہ ممالک انگریزی میں گیا اور اس سبب سے بہت بڑا بار ملک و رعایائے سرکار عالی پر پڑا اسی سبب سے اس قحط میں ۴۲ لاکھ ۴۱ ہزار ۶ سو روپیہ سرکار عالی کے خرچ ہوئے۔

عطیہ خطاب

نواب سالار جنگ بہادر کو جی۔ سی۔ یس۔ آئی۔ کا گران قدر خطاب دیا گیا۔ یہ وہ خطاب ہے جو مخصوص حکمرانوں سے متعلق ہے اور نواب سالار جنگ بہادر میں حکومت اور وزارت دونوں حیثیتیں موجود تھیں اس لئے اس اعلیٰ خطاب سے افتخار بخشا گیا اور خدمات غدر کے صلہ میں نجات دہندۂ ہندوستان کے پُرفخر خطاب سے مخاطب کئے گئے۔

انتظام تعلیم و تربیت

گورنمنٹ ہند کی بڑی خواہش تھی کہ اعلیٰ حضرت کی تعلیم و تربیت کا انتظام عمدہ اصول پر قائم ہو اور کوئی دقیقہ عمدہ تعلیم و تربیت کا اٹھا نہ رکھا جائے جس سے بوقت تفویض جان و مال اہالی سلطنت انتظام مملکت باحسن وجوہ انجام پا سکے اسی بنا پر نواب سالار جنگ بہادر نے ہر قسم کی تعلیم کے لئے چیدہ اشخاص مقرر کئے مولوی محمد زماں خاں شاہجہاں پوری مولوی حاجی حافظ محمد انوار اللہ خاں بہادر

نواب محبوب نواز جنگ بہادر نواب دولت یار جنگ بہادر و نواب سرور جنگ بہادر وغیرہ
عربی و فارسی کی تعلیم کے لئے مامور ہوئے مولوی محمد زماں خاں اوستاد اعلیحضرت نے
ایک کتاب ہدیہ مہدویہ تصنیف کی تھی اس کی اشاعت سے فرقہ مہدویہ میں جوش پیدا
ہوا کیونکہ ان کے عقائد کے متعلق انہیں کی مسلمہ کتابوں سے کچھ الزامی جوابات دئے گئے
تھے۔اس جوش و خروش جاہلانہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک مہدوی سید محمد نامی نے مولوی صاحب
موصوف کو درانحالیکہ وہ مسجد میں مصروف تلاوت قرآن شریف تھے شہید کر ڈالا۔بعد شہادت
صاحب موصوف ان کے بھائی مولوی محمد مسیح الزماں خاں مقرر فرمائے گئے۔اول اتالیق
اعلیحضرت کپتان جان کلارک ہوئے جو پہلے رائفل بریگیڈ میں اور ڈیوک آف اڈنبرا کے
ایکیوری (اے ڈی سی) تھے ان کی بیوی کا یکایک بعارضہ ہیضہ انتقال ہوگیا انہوں نے
فوراً علحدگی اختیار کی اور ان کے بھائی سی کلارک نعم البدل ہوئے۔فن سپہگری میں
اعلیحضرت کو طبعی مذاق اور فطرتی ذوق ہے جس میں مہارت تامہ حاصل کی ہے علی ہٰذا
شہسواری ٹیپو خاں سکھاتے تھے۔اعلیحضرت کی ہم مکتبی کے لئے اعیان دولت کے
ممتاز امیرزادوں سے انتخاب ہوا جن کو سو سو روپیہ میوہ خوری کے لئے ملتے تھے
اسی طرح مصاحبت اعلیحضرت کے لئے سربرآوردہ اور برگزیدہ حضرات کا انتخاب
ہوا اور نواب سالار جنگ بہادر نہایت نگرانی رکھتے تھے تاکہ کسی قسم کے ذمائم کا
اثر اخلاق اعلیحضرت پر نہ پڑ سکے۔اُمرائے عظام سے نواب خورشید جاہ بہادر نواب
بشیر الدولہ بہادر نواب محتشم الدولہ بہادر نواب مکرم الدولہ بہادر نواب شہاب جنگ بہادر
نواب شمشیر جنگ بہادر۔نواب عسکر جنگ بہادر۔نواب اقبال یار جنگ بہادر باری
باری سے نشست فرماتے تھے۔جس اعلیٰ پیمانے پر اعلیحضرت کی تعلیم کا بندوبست
کیا گیا اور جس قسم کے لوگ اعلیحضرت کی تعلیم اور مصاحبت کے لئے مامور ہوئے
اُن کے اخلاق اور علمی دستگاہ سے جو کچھ امید ہوسکتی تھی وہ اعلیحضرت کے روزمرہ کے

حالات سے ظاہر ہے۔ جو لوگ شب و روز حاضر باش ہیں یا جن کو سابقہ پڑا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ خدا نے بہت سی پسندیدہ نعمتیں آپ کی ذات میں ودیعت کی ہیں۔ اعلیحضرت اپنے ذوق سلیم سے ہر اہم معاملہ کا اسی خوبی سے تقریراً و تحریراً فیصلہ فرمالیتے ہیں جس خوبی سے فتح میدان وغیرہ میں فن سپاہ گری کا جوہر دکھاتے ہیں۔ اُردو میں آپکا تخلص آصفؔ نہایت موزوں ہے اور کلام آپکا پختہ اور پُر مغز اور قابل تحسین ہوتا ہے۔

بلحاظ ان موانع اور مشرقی پابندی رسوم کے جو اکثر و بیشتر عائد حال شہزادگان والا تبار ہوتی ہیں اعلیحضرت نے تعلیم میں بہت ترقی کی۔ امور انتظامی اور مہمات مُلکی کی تفہیم کے لئے چند چھوٹے چھوٹے رسالہ بایمائے نواب سالار جنگ بہادر مولوی نذیر احمد دہلوی نے مشتمل ابواب فینانس ومال وعدالت مرتب کئے تھے جنکو اعلیحضرت ابتدائی عمر میں نہایت دلچسپی سے ملاحظہ فرماتے تھے اور جب اس سے فراغت ہوئی تو گلبرگہ۔ اورنگ آباد رائچور کی سیاحت میں اعلیحضرت نے عملاً اُن چیزوں کو دیکھا اور آسانی سے سمجھے اور اس خوبصورتی سے اپنے ذہن رسا کا ثبوت دیا جس سے آئندہ کی نیک فالی ظاہر تھی۔

لارڈ نارتھ بروک گورنر جنرل کے زمانہ ۱۸۷۵ء میں پرنس آف ویلز جو اب ملقب بہ ایڈورڈ ہفتم سریر آرائے تخت انگلستان ہیں رونق افروز ہندوستان ہوئے۔ لارڈ موصوف کی رائے تھی کہ اگر پرنس ممدوح کے استقبال میں اعلیحضرت بمقام بمبئی شریک جلسہ ہوں جہاں اور والیان ریاست جمع تھے تو استقبال پرنس موصوف کامل اور مکمل ہوگا باوجودیکہ اس قسم کی کوئی نظیر قبل ازیں پائی نہیں گئی اور اعلیحضرت کی کم عمری و نازک مزاجی بھی مانع سفر تھی تاہم لارڈ صاحب کے اصرار پر آمادگی ہوگئی تھی مگر پھر دفعتہً بوجہ سوء مزاج ہمایون جلسہ استقبال میں شریک نہ ہوسکے۔

اگرچہ فی الواقع سوء مزاجی باعث فسخ عزیمت ہوئی مگر نواب گورنر جنرل بہادر اُس کے کچھ اور معنی سمجھے اور نواب سر سالار جنگ سے تا وقتیکہ لارڈ موصوف خدمت سے علٰحدہ ہوکر واپس نہیں ہوئے اختلاف رکھا۔ لارڈ لٹن خاص ہدایات کے ساتھ گورنر جنرل مقرر ہوئے اور جو اختلافات فیمابین تھے وہ دور ہوگئے۔

نواب سر سالار جنگ بہادر

کا سفر انگلستان

نواب سالار جنگ بہادر اپنے ابتدائے زمانہ وزارت سے بوجہ حسن انتظام ایک نادر شخص خیال کئے جاتے تھے اس سے کہ نواب صاحب سے پہلے انتظام سلطنت ابتر حالت میں تھا۔ آمدنی کی قلت اور خرچ کی زیادتی تھی امن و امان مفقود اور اعتبار حکومت معدوم تھا گورنمنٹ انگریزی اور گورنمنٹ نظام میں بوجہ طلبی زر و اصرار تفویض برار و عدم ایفائے عہد و انکار از تفویض قطعہ ملک کشیدگی قائم تھی نواب سالار جنگ کے قلمدان وزارت پاتے ہی گویا حکومت دکن نے نیا جنم لیا انتظام میں روزافزوں ترقی ہوئی۔ اعتبار حکومت بڑھ گیا آمدنی بمقابلہ خرچ کے زیادہ ہوئی ملک جو تفویض ہوچکا تھا اور روزمرہ کے مطالبہ سے نجات ملی تھی اُس میں سے کثیر محال کے اضلاع واپس ہوئے غدر کے ایام میں جو عاقلانہ اور مدبرانہ روش اختیار کی تھی اُس سے برٹش گورنمنٹ مرہون منت ہوئی خطابات اور عطیات سے سرفرازی بخشی مگر تاوقتیکہ نواب سالار جنگ بہادر ولایت پہونچکر ملکہ وکٹوریہ سے ملاقات نہ کریں جن کی حکومت کے استحکام کے لئے اُنھوں نے دکن اور ہندوستان میں بہت کوشش کی تھی اُس وقت تک

ملکہ وکٹوریہ کی گورنمنٹ اور رعایائے انگلستان کی طرف سے نواب صاحب کی شکرگزاری کا جوش ظاہر نہیں ہوسکتا تھا غرض نواب صاحب مع خدم وحشم ۲ ہر اپریل ۱۸۸۷ء کو ولایت روانہ ہوئے مگر اس امر کی سخت ممانعت کر دی گئی تھی کہ لارڈ سالسبری سے برار کے واپس لینے کی گفتگو نہ آنے پائے جہاز برنڈزی میں پہنچا جو ملک اٹلی کا مشہور بندرگاہ ہے یہاں شاہ ہمبرٹ اور پوپ سے ملاقات کی وہاں سے فرانس گئے ساحل فرانس پر انگلستان کے رئیس اعظم ڈیوک آف سدرلینڈ نے جن سے ہندوستان کا پہلے کا تعارف تھا اپنا خاص جہاز بھیجا تھا۔ اور مشتاق ملاقات تھے نواب صاحب نے پیرس واقع فرانس کے سب سے بڑے ہوٹل میں ایک دن کے لئے قیام کیا تھا مگر اتفاقاً زینے سے اترتے ہوئے پاؤں پھسلجانے سے عرصہ تک نشست وبرخاست ناممکن ہوگئی غرض ادہر انتظار تشریف آوری اور ادہر عذر نشست وبرخاست جانبین کے لئے عجب تکلیف وہ حالت تھی بہرحال تقریباً دو ہفتہ قیام پیرس کے بعد راہی انگلستان ہوئے وہاں نواب صاحب کا بڑی شان سے استقبال کیا گیا۔ ملکہ وکٹوریہ کے ساتھ تناول طعام میں شریک ہوئے اور شب کو قصر ونڈسر میں استراحت کی پرنس آف ویلز سے لیکر کل وزرا اور معتمدین نے نواب صاحب کو دعوتیں دیں۔ آزادی نامہ لندن جو ایک اعزازی رسم ہے وہ نواب صاحب کو عطا کیا گیا اور آکسفورڈ یونیورسٹی سے اعزازی ڈگری۔ ڈی۔ سی۔ ال۔ یعنے ڈاکٹر آف سیول لا کی دی گئی غرض اہل انگلستان نے کوئی دقیقہ نواب صاحب کے خوش کرنے کا اٹھا نہ رکھا۔ تقریباً دو ماہ کے قیام لندن وغیرہ کے بعد واپس ہوئے۔ اور چلتے چلتے امانت کے مسترد لینے یعنے واپسی ملک برار کی تحریک کرتے آئے لارڈ سالسبری نے کہا کہ یہاں سے جاکر درخواست بھیجو یہاں نواب صاحب کا زور توڑنے کے لئے صاحب رزیڈنٹ نے ایسی ایسی تدبیریں کیں کہ نواب صاحب مجبور ہوگئے۔ لارڈ ڈلشن بہادر جب میسور کو

جارہے تھے تو راستہ میں سے یہ حکم بھیجا کہ اگر نواب سالارجنگ احکام و تجاویز رزیڈنٹ سے اختلاف کریں تو فوراً ریل میں سوار کر کے حیدرآباد سے باہر کردئے جائیں۔

دربار قیصری

دوسرے سال اعلیٰحضرت مع نواب سالارجنگ بہادر بہ نظر شرکت دربار قیصری جو یادگار لارڈ لٹن اور مجوزہ ممدوح الصدر تھا شاہانہ سطوت سے دہلی تشریف لے گئے نواب وائسرائے بہادر کی طرف سے استقبال اور کل مراسم جو شایان شان اعلیٰحضرت تھے نہایت خوش اسلوبی سے ادا ہوئے دربار کی تفصیل لکھنا بجائے خود ایک ضخیم کتاب لکھنا ہے۔ لیکن اس موقع پر اتنا لکھنا بیجا نہ ہوگا کہ اعلیٰحضرت کا رتبہ بمقابلہ تمام والیان ملک کے جو امتیاز خاص رکھتا ہے وہ محتاج تشریح نہیں اور نواب سرسالارجنگ کے ذاتی احسانات اور گورنمنٹ نظام کے پچھلے دوستانہ تعلقات جس کی مدد و اعانت سے صرف ایام غدر ہی میں نہیں بلکہ زمانہ ہائے سابق میں بھی برٹش حکومت کو استحکام حاصل ہوا اس کی شہادت بھی گزشتہ اور موجودہ اوراق تاریخ سے بخوبی ملتی ہے ایسے جلیل القدر مہمان کی شرکت بجائے خود دربار کی زینت تھی اعلیٰحضرت کی سفید و سادہ اور سادہ لباس دیگر والیان ریاست کے زمرہ میں جو مرغ زرین بنے ہوئے تھے خاص دلچسپی اور لطف کا مرکز تھا۔

نواب وائسرائے بہادر اور اعلیٰحضرت سے کئی مرتبہ رسمی ملاقاتیں ہوئیں والیان ریاست موجودہ وقت میں سے مہاراجہ ہلکر مہاراجہ اندور مہاراجہ بنارس و بیگم صاحبہ بھوپال وغیرہ نے اعلیٰحضرت و نواب سالارجنگ بہادر سے دوستانہ ملاقاتیں کیں یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو دربار قیصری منعقد ہوا جس میں اعلیٰحضرت اور جملہ معزز والیان ریاست شریک تھے۔ اعلیٰحضرت محاذی گورنر جنرل کرسی پر رونق افروز تھے۔ دہلی سے واپسی کے چند روز بعد نواب رفیع الدین خاں امیر کبیر کا انتقال ہوگیا جو ابتک شریک مدارالمہام تھے بجائے مرحوم و مغفور ان کے بھائی نواب بشیرالدین خاں بہادر

امیرکبیر نائب حضور مقرر ہوئے لیکن نظم ونسق ملک کلیتاً سپرد نواب سرسالار جنگ بہادر تھا۔ عجیب اتفاق ہوا کہ قضا وقدر نے بوجہہ تکمیل انتظام حکومت نواب رشیدالدین خاں امیرکبیر کی بھی ضرورت نہ سمجھی ان کا بھی جلد انتقال ہوگیا اور نواب سرسالار جنگ بہادر تن تنہا ناخدائے کشتی ریاست قرار پائے۔

واپسی برار کی درخواست

ھَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ پر نظر غائر کرکے اور اپنے بزرگ نواب سراج الملک بہادر مرحوم کو اس الزام سے بری کرنے کی غرض سے کہ تفویض برار کے متعلق انکا نام لیا جاتا ہے۔ نواب سرسالار جنگ نے واپسی برار کی کوشش کی۔ اس سے قبل نواب ناصرالدولہ بہادر ونواب افضل الدولہ بہادر نے واپسی برار کا دعوے قائم اور برقرار رکھا تھا۔ مگر ان حضرات کے عہد حکومت میں ممالک محروسہ کا انتظام ایسا اچھا نہ تھا کہ ان کو بے تکلف واپسی برار کے سوال کا موقع ملتا اعلیحضرت نواب میر محبوب علیخان بہادر کے زمانہ بابرکت میں بوجہ خوش انتظامی نواب سرسالار جنگ ووفاداری گورنمنٹ نظام بزمانہ نازک یہہ اُمید کرنی بیجا نہ تھی جب کہ بجلدوی خدمت بادشاہان عظام سے اہل خدمت کو بڑی بڑی سلطنتیں ملجاتی ہیں اگر سرکار نظام کو اُسی کا ملک جو محض قرضہ کی علت میں امانتاً لیا گیا تھا اور قرضہ کو سرکار عظمت مدار نے معاف کردیا ہے واپس دیا جائے تو کوئی امر تعجب انگیز نہیں ہے گورنمنٹ نظام کو واپسی ملک میسور کا صرف علم ہی نہیں تھا بلکہ بوجوہ چند اس ملک کی تسخیر میں شریک غالب تھی نواب سرسالار جنگ بہادر جس روز سے عہدہ وزارت پر فائز ہوئے اُسی روز سے برار کا خیال اُن کے دل میں گھر کئے ہوئے تھا خاصکر اس وجہ سے کہ دو آقایان نامدار

نواب ناصر الدولہ بہادر اور نواب افضل الدولہ بہادر کی بہی بڑی واجب التعمیل وصیتیں تھیں چنانچہ نواب سر سالار جنگ بہادر نے بمشورۂ نواب شمس الامرا بہادر ۱۸۶۲ء میں درخواست دی کہ ایک سرمایہ اس قدر رقم کا ہم سے قبول کیا جائے جس کا سود اخراجات افواج حیدرآباد کنٹیجنٹ کو کافی ہو۔ اور ملک برار ہم کو واپس دیا جائے اور رقم سرمایہ رعایائے انگریزی سے قرض لینے کی بھی اجازت دیجائے۔

نواب صاحب نے لکھا تھا کہ اس تجویز سے صرف ادائی رقم کی ضمانت ہی نہ ہوگی بلکہ سرکار عالی کا اعتماد بہت کچھہ بڑھجائیگا۔ اور مدتوں کے تجویز شدہ معدنیات و ریلوے لائن کے کام کا موقع ملیگا اور استرداد برار سے سرکار کو تخفیف اخراجات کا بھی موقع حاصل ہوگا قرضہ مجوزہ کی ادائی آسانی سے آمدنی ریلوے اور محاصل برار سے ہوجائیگی۔ اس کے علاوہ اور بہت سے امور انتظامی میں سہولت اور آسانی ہوگی گورنر جنرل نے بعد غور کامل جواب دیا کہ مجھے اس تجویز کے قبول کرنے سے بایں وجہ انکار ہے کہ ملکی ضمانت کی شرط دونوں ملکوں کے لئے اہل الاصول ہے اور نیز یک کثیر رقم انگریزی ساہوکاروں سے بہ ضمانت محاصل سرکار نظام قرض لینا موجب پیچیدگی فیمابین سلطنتین ہے۔

لارڈ نارتھ بروک کی خشمناک واپسی اور لارڈ لٹن کی فرحناک وایسرائیٹی نے نواب سر سالار جنگ کو تازہ امیدیں بخشی تھیں اور لارڈ موصوف نے دربار قیصری کے زمانہ میں نواب صاحب کو یہ زبانی مشورہ دیا کہ آپ بڑاپسی عرضداشت سابقہ ایک جدید درخواست استرداد برار کے لئے ارسال کیجئے۔ اس ایما پر ۱۸۷۸ء میں دوسری عرضداشت روانہ ہوئی اُس وقت لارڈ سالسبری وزیر ہند تھے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ "اگرچہ لارڈ ڈلہوزی نے نواب نظام الملک ناصر الدولہ بہادر سے بہت چاہا تھا کہ برار کی علٰحدگی قطعی ہوجائے مگر نواب صاحب نے سخت اختلاف کیا اور پھر

اس بارہ میں کچھ زور نہیں دیا گیا اگر برار کی علحدگی قطعی ہوتی تو ملکیت ملک مذکور
برٹش گورنمنٹ کے ہاتھ منتقل ہو جاتی مگر ایسا نہ ہوا ملکیت ملک برار حضور نظام کے
پاس اُسی طرح ہے جس طرح قبل عہد نامہ تھی جو حقوق اس ملک میں گورنمنٹ نظام کو
پہلے حاصل تھے وہی اب بھی ہیں اور خالص آمدنی بعد وضع اخراجات انتظامیہ اب
بھی اُن کے خزانہ میں بھیجدیجاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اُن سے صرف انتظام ملک کا
علحدہ کیا گیا ہے ان سب باتوں کے علاوہ بڑی بات یہہ ہے کہ نواب سرسالار جنگ بہادر
بحق اعلیحضرت واپسی برار کی استدعا کرنا درآنحالیکہ وہ خود ہنوز نابالغ ہیں مناسب
نہیں ہے"۔ فقط اس عذر لایعنی پر اس مسئلہ کا فیصلہ اسوقت ملتوی ہو گیا نواب صاحب
جس کام کو واجب سمجھتے تھے وہ نامناسب ٹہیرا اور نواب سرسالار جنگ بہادر کو
مجبور ہوکر لکھنا پڑا کہ اعلیحضرت کے سن رشد کو پہنچنے تک اس معاملہ میں بحث
نہ کیجائیگی۔ نواب سالار جنگ اول کے بعد نواب بشیر الدولہ بہادر کے زمانہ مدار المہامی
میں بوجہ سکون ملک و ازدیاد آمدنی پھر اس مسئلہ کو خفیف سی جنبش دیگئی مگر کوئی عملی
نتیجہ نہ ہوا۔ نواب وقار الامرا بہادر کے زمانہ میں غیر سرکاری طور سے برار کے محاصل
اس کے معاہدوں اور اخراجات و واپسی و تقسیم اضلاع برار کے متعلق بذریعہ پریس
بہت چرچا رہا یہانتک کہ ایک طرف اعلیحضرت کے سمع ہمایون تک اور دوسری
جانب نواب وائسرائے گورنر جنرل بہادر کے نوٹس میں یہہ مضامین اور تجاویز لائے
گئے اور امید تھی کہ برار کا تصفیہ بہت جلد ہو جائیگا لیکن بخلاف جملہ توقعات کے
لارڈ کرزن بہادر وائسرائے نے جو ہر شئے کو امپریل نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں
پچیس لاکھ نقد سالانہ کی ادائی پر ملک برار کا تعہد ہمیشہ کے لئے برٹش گورنمنٹ کیلئے حاصل کیا۔
اور جس فوج کے لئے یہ ملک دینا پڑا اُس فوج کا رکھنا سرکار نظام کو لازم نہ تھا وجہ
اس کی یہہ ہے کہ سنہ ۱۸۰۰ میں ملک بلاری و کڑپہ وغیرہ سب سیڈیری فوج کے لئے

حضور نظام سرکار کمپنی کو دے چکے تھے اور یہ معاہدہ ہوگیا تھا کہ فوج کے لئے اب ملک نہیں لیا جائیگا لیکن رسل صاحب رزیڈنٹ کو منظور ہوا کہ حضور نظام کی جتنی فوج باقاعدہ ممالک محروسہ میں پھیلی ہوئی ہے اُس پر بھی رفتہ رفتہ قبضہ کرلینا چاہئے مہاراجہ چندولال کا زمانہ تھا وہ جانتے تھے میری وزارت محض رزیڈنٹ کے سبب سے ہے۔ رسل صاحب نے اُن سے پہلے یہ درخواست کی کہ رسل بریگیڈیر کے نام سے ایک باقاعدہ فوج تیار ہونی چاہئے مہاراج نے فوراً اس کی تعمیل کردی پھر یہ فرمائش کی کہ ایلچ پور و برار و اورنگ آباد میں جو حضوری فوجیں ہیں ان سب پر یورپ کے قواعدداں افسر مقرر کئے جائیں اور ان فوجوں کو بھی انگریزی قواعد کی تعلیم دی جائے یہ مشورہ بھی شکریہ کے ساتھ قبول کیا گیا بڑی بڑی تنخواہوں کے افسر مقرر ہوئے قواعد سیکھ کر فوج زرق برق ہوگئی جس نے ہم میں گئی کارنمایاں کئے غدر کے زمانہ میں اسی فوج نے ہندوستان میں جاکر مقام مئو میں ڈیرے ڈال دئے تھے اور انگریزی رعب وداب کو دور دور کے اضلاع تک قائم رکھا تھا۔ مہاراج سے آخری فرمائش رزیڈنٹ کی یہ تھی کہ یہ سب فوجیں رزیڈنٹ کے ماتحت رہنا چاہئے اور اس کا نام کن ٹن جنٹ ہوگا غرض برسوں کی کوشش میں رزیڈنٹ صاحب نے حضوری فوجوں کو جو حیدرآباد و اورنگ آباد و برار و ایلچ پور میں متعین تھیں انگریزی فوج بنالیا اور سمجھے کہ کارنمایاں کیا یہ نہ سمجھے کہ سرکار نظام انتہا کی سیر چشم وصاحب مروت ہے فوج کے لئے بڑی بڑی پائیگاہیں امرا کو دیکر امیر کبیر بنا دیتی ہے اُسی زمانہ میں چندولال کو ایک کروڑ روپے حضور نظام نے قرض بھی دئے اور معاف بھی کردئے اگر کن ٹن جنٹ کی تنخواہ رزیڈنٹ کے اختیار میں کردی گئی تو یہ محض مروت ودوستی کا مقتضا تھا تنخواہ کے علاوہ اس فوج کے متعلق رزیڈنٹ صاحب کے تمام مطالبات وردیوں کا بنانا اسلحہ جدیدہ کا خریدنا

افسروں کی تنخواہوں میں اضافہ کرنا خزانہ سرکار نظام سے پورے ہوا کئے ۱۸۱۲ء سے ۱۸۵۲ء تک یعنے چالیس برس تک یہ سلسلہ مطالبات جاری رہا اکتالیسواں سال تھا کہ ۵۴ لاکھ روپے بروقت ادا نہونے کے سبب سے لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل بہادر کے حکم سے ملک برار پر امانت کا نام کرکے قبضہ کر لیا گیا اعلیحضرت نواب ناصر الدولہ بہادر سے جو معاہدہ ہوا اُس میں یہ شرط بھی تھی کہ برار کا حساب سرکار آصفی میں پیش ہوا کریگا اور از روئے حساب جس قدر بچت ہوگی واپس کردی جائیگی اس کے سات آٹھ برس بعد اعلیحضرت نواب افضل الدولہ بہادر سے جو معاہدہ ہوا اُس میں حساب کے پیش کرنے کا مضمون نکال ڈالا گیا غرض رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ سنہ ۱۹۰۲ء میں نواب ویسرائے بہادر لارڈ کرزن نے اس امانت کو ہمیشہ کے لئے غیر منفک قرار دیا۔

اعلیحضرت کی پولیٹکل تعلیم

اعلیحضرت کی محض علمی تعلیم اور ورزش روزانہ پر اکتفا نہ کرکے نواب سر سالار جنگ نے عملی تعلیم دینے کی غرض سے سیر و سیاحت کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اعلیحضرت نے اورنگ آباد و گلبرگہ کے دوران سیاحت میں نواب سر سالار جنگ بہادر کے مشورہ سے ملکی انتظامات کے نہایت مفید معلومات حاصل کئے۔ اعلیحضرت کی ذہنی قابلیت خفیف سی رہنمائی کی محتاج تھی۔ چنانچہ مولوی مہدی علی خاں نے مال اور بندوبست و پیمائش اراضی کے متعلق آلات ملاحظہ والا میں پیش کئے اور اپنی مشہور دلاویز تقریر کے ساتھ ان کے ضروریات ظاہر کئے (تو اعلیحضرت نے نہایت توجہ اور دلچسپی سے نوٹ کر لئے اور یہ ذہنی نوٹ منجملہ دیگر تجربات مابعد کے ہمیشہ چراغ ہدایت رہے)

گلبرگہ میں مولوی اکرام اللہ خاں نواب یار جنگ بہادر صوبہ داری پر کار فرما تھے جن کے حسن انتظام کے یادگار نمونے خاصکر گلبرگہ میں ہمیشہ نمایاں رہیں گے۔ گلبرگہ میں محبس و تالاب و دفتر ضلع اور خزانہ اور اسی طرح اورنگ آباد میں نہایت ضروری مواقع ملاحظہ فرمائے۔ اور ہر ایک موقع پر کمال توجہ سے اپنے مفید استفسارات کا دلچسپ جواب سنتے تھے۔ اور یہ امید بیجا نہ تھی جو پوری ہوکر رہی کہ جب سولہ سال کی عمر میں اعلیحضرت کو مہات ملکی کے متعلق اس قدر انہماک ہے تو آیندہ دماغی ترقیات کے ساتھ پولیٹکل معاملات میں دلچسپی کیوں کر روز افزوں ترقی پذیر نہ ہوگی۔

رحلت نواب سالار جنگ بہادر



نواب سالار جنگ بہادر کا ارادہ تھا جیسا کہ جنرل فریزر نے اپنی یادداشت مطبوعہ میں لکھا ہے کہ اعلیحضرت کو انگلستان کی سیاحت کا بھی موقع دیا جائے اور ضرور اس ارادہ کی تعمیل ہوتی کیونکہ کل انتظام سفر ولایت کا ہوچکا تھا۔ یہاں تک کہ جہاز بھی مخصوص اہتمام سے ٹھہرا لیا گیا تھا مگر مشیت الٰہی اس کے خلاف تھی۔ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۰ھ مطابق فروری سنہ ۱۸۸۳ء میں ڈیوک آف مکلنبرگ مہمان ریاست عالیہ ہوئے نواب سالار جنگ بہادر نے شایان شان دعوت کا اہتمام کیا۔ حیدرآباد کے مہمانوں کا ایک روز تالاب میر عالم کی سیر کرنا منجملہ مسلمہ دوامی پروگرام کے ہے۔ جس روز اس مہمان کی وہاں دعوت ہونے والی تھی اسی روز اول شب سے نواب صاحب کا مزاج جادۂ اعتدال سے منحرف ہوگیا طبیعت کمزور ہوتی گئی مگر کسی قسم کا اضطراب نہ تھا۔ دوپہر تک اطمینان تھا یہاں تک کہ اُن کے دونو فرزند سرور نگر چلے گئے تھے لیکن ضعف اور نقاہت رفتہ رفتہ مایوسی کے درجہ تک پہونچگئی اور پانچ چھ بجے

شام کو یہ آفتاب دولت ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا درآنحالیکہ ملک کا انتظام اپنی تیس سالہ وزارت میں نہایت خوبی سے کیا پہلی بدانتظامیاں دور کیں اور نظم ونسق ملک کے لئے برگزیدہ اشخاص مثل مولوی مہدی علی خاں۔ مولوی سید حسین صاحب بلگرامی مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی مولوی چراغ علی صاحب مولوی مشتاق حسین صاحب مولوی اکرام اللہ خان صاحب وغیرہ کو بلوا کر ان کی قابلیت اور وسیع تجربوں سے اپنے زیر رہنمائی ملکی نظم ونسق میں کامل فائدہ اُٹھایا بہت سے محکمے اور عدالتیں اور عمدہ طریق مداخل ومخارج قائم کئے جن کا وجود نواب سراج الملک بہادر کے زمانہ وزارت تک معدوم تھا۔ اور درآنحالیکہ اعلیٰحضرت کی علمی وعملی تعلیم سے ایک حد تک فارغ ہوکر متمنی تخت نشینی اعلیٰحضرت وتفویض ملک وحکومت بدست آقائے نامدار تھے قضا وقدر نے مدت کی دلنشین امیدوں اور حوصلہ افزا تمناؤں کا خون کرکے راہی ملک عدم کردیا ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اعلیٰحضرت نے ایک شفیق رہنما اور مدبر جان نثار وزیر خیرخواہ کے جُدا ہوجانے سے جس قدر رنج کیا وہ اس سے ظاہر ہے کہ جس وقت اعلیٰحضرت نے دست خاص سے نواب لایق علیخاں اور نواب سعادت علی خاں فرزندان مرحوم کے کاندھوں پر سفید شالیں رکھیں جو ماتم پرسی کی ایک رسم ہے تو فرط الم سے ضبط گریہ نہ فرما سکے اور جریدۂ غیر معمولی میں تاسف ظاہر فرماکر تین روز کے لئے تمام دفاتر کو اس سوگ میں بند کرنے کا حکم دیا اس موقع پر کسی قدر پچھلی تاریخ [illegible] وہ بموقع نہ ہوگا مہاراجہ چندولال نے تقریباً بارہ سال تک وزارت کی۔ ان کے زمانہ

میں ان کی بنظیر فیاضی سے حیدرآباد کی اولوالعزمی کا چرچا اکناف عالم میں پھیل گیا تھا۔ اسی کے ساتھ بدنظمی اور زیر باری خزانہ بھی محسوس ہوتی تھی کیونکہ رائج الوقت طریقہ تحصیل محاصل اور بیجا قوت جمعداران وغیرہ اور طرح طرح کی مزاحمتوں کے سبب سے مہاراجہ بہادر ریاست کا مالی انتظام اس خوبی سے نہیں کرسکے جو ان کے مرکوز خاطر تھا۔ ان کے بعد ایک طرف انتظامی خرابیاں روز بروز بڑھتی گئیں اور دوسری جانب وزرا کا تقرر نہایت اضطراری ہوتا گیا۔ چنانچہ مہاراجہ چندولال اور سرسالارجنگ بہادر کے درمیان صرف دس برس کے زمانہ میں سات وزیروں کا عزل ونصب ہوا اور قرضہ کی روزافزوں ترقی سے ملک کی تباہی کے ساتھ رزیڈنسی سے تفویض ملک کا شدید تقاضا ہوتا رہا ان سب موانع پر فتح پانا اور کامیابی سے تیس سال تک حکومت کرنا سرسالارجنگ بہادر کے لئے مخصوص من اللہ تھا۔ اسی کے ساتھ جن لوگوں نے اپنی بنظیر قابلیتوں سے اس عہد کو سراپا برکت کرکے دکھایا ان سے بھی اوراق تاریخ کبھی بے نیاز نہیں ہوسکتے۔

اعلیحضرت کی خردسالی اور نواب سرسالارجنگ بہادر کی ناگہانی موت کے لحاظ سے گورنمنٹ ہند کے لئے جو اس ریاست عظمے کی دوستی کا ہمیشہ دم بھرتی ہے لازم ہوا کہ آیندہ کے لئے فوری انتظام کی طرف توجہ کرے۔ چنانچہ سراسٹوارٹ بیلی ممبر کونسل وائسرائے جو پہلے اسی ریاست میں بعہدہ رزیڈنسی فائز المرام اور بہت سے امور ریاست اور اہل ریاست سے واقف تھے تشریف فرمائے بلدہ ہوئے اور بمشورۂ صاحب عالیشان بہادر راجہ نریندر بہادر اور نواب لائق علیخان بہادر کو منتظم ریاست قرار دیا اور ایک کونسل کا انعقاد فرمایا جس میں نواب بشیرالدولہ بہادر وامیر کبیر وراجہ نریندر بہادر اراکین اور نواب لائق علی خان بہادر معتمد بہ سرپرستی اعلحضرت قرار پائے۔

اگرچہ اس کونسل ایگزیکیٹیو میں راجہ نریندر بہادر کو تفوق بلحاظ رکن اول کے دیا گیا تھا لیکن مضمون مراسلہ صاحب عالیشان بہادر سے واضح تھا کہ آیندہ باقاعدہ تقرر میں نواب لایق علیخاں بہادر خاصکر بلحاظ عمدہ خدمات نواب سر سالارجنگ بہادر کے ..... نسبتہً قابل توجہ ہوں گے بشرطیکہ نواب موصوف اس عہدے اور اپنے والد مرحوم کی قائم مقامی کی اہلیت پیدا کریں۔

اعلیحضرت کا سفر کلکتہ

اب تک اعلیحضرت نے صرف اپنے ملک کی سیر و سیاحت سے فائدہ اُٹھایا تھا اور باستثنائے سفر دہلی باہر جانے کی نوبت نہیں آئی تھی اور جو ارادہ نواب سر سالارجنگ بہادر کا سفر ولایت کے متعلق تھا وہ ہنوز بالقوہ ہی تھا کہ نواب صاحب رحلت فرما ہوئے اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ قبل اس کے کہ زمام ریاست عالیہ اعلیحضرت کے ہاتھوں میں دیجائے دارالسلطنت ہند کی سیر اور وائسرائے سے ملاقات ہو جائے انھیں دنوں ایک بہت بڑی نمایش کلکتہ میں ہونے والی تھی جس کے واسطے تمام ہندوستان اور نیز بیرونجات سے نادر اشیا فراہم کئے گئے تھے اور دور دور از کے سیاح یہ نمایش گاہ دیکھنے کے لئے آنے والے تھے۔ لہذا یہ خیال کرکے کہ ایسے مناسب موقع پر ایک سنجیدہ دماغ اپنے آیندہ انتظام ملک کے لئے بہت مفید سبق حاصل کر سکتا ہے اعلیحضرت کو وائسرائے بہادر کی طرف سے دعوت دی گئی۔

اور چونکہ اکثر نمایش گاہوں میں تاجدار سلاطین کو دعوت نہیں دیجاتی اور اعلیحضرت ہنوز سریر آرائے تخت آصفیہ نہیں ہوئے تھے لہذا اس موقع پر اس سے بھی استفادہ کیا گیا اور اعلیحضرت بہت شان و شکوہ کے ساتھ نہضت فرمائے

کلکتہ ہوئے حیدرآباد میں نواب بشیرالدولہ بہادر وراجہ ہری کشن بہادر سرسری معاملات کے
احکام جاری کرنے کے لئے چھوڑ دئے گئے۔ اور اہم معاملات میں کلکتہ سے ضرورت
استفسار سمجھی گئی فہرست ہمراہیان بہت طویل ہے مگر حضرات ذیل قابل ذکر ہیں:-
مہاراجہ نریندر بہادر نواب لائق علی خان بہادر۔ نواب وقارالامرا بہادر نواب آصف یاورالدولہ بہادر
نواب سرخورشید جاہ بہادر نواب ظفرجنگ بہادر نواب شجاع الدولہ بہادر۔ نواب
آصف نوازالملک بہادر۔ نواب قادرالدولہ بہادر۔ نواب قدیرجنگ بہادر۔ نواب
سرورجنگ بہادر۔ نواب افسرجنگ بہادر راجہ مرلی منوہر بہادر۔ راجہ گردھاری پرشاد بہادر
صاحبزادہ مرحمت علی خان بہادر مسٹر سی کلارک کرنل ڈائسن۔

یہہ زمانہ لارڈ رپن کا تھا جن سے بہتر اور نیک دل وایسرائے اب تک ہند کو
دیکھنا نصیب نہیں ہوا اعلیٰحضرت کے کلکتہ تشریف فرما ہوتے ہی شایان شان مراسم
ادا ہوئے مناسب استقبال کیا گیا اور نواب وایسرائے بہادر سے ملاقاتیں ہوئیں۔
عالیجناب گورنرجنرل بہادر نے حضور پرنور سے اثنائے ملاقات میں ان کی
رشد و کمال پر نظر کرکے عنقریب تخت نشین ہونے کی مبارکباد دی اعلیٰحضرت
وارکان سلطنت نے اس مژدہ جانفزا کا دلی شکریہ ادا کرکے نواب گورنرجنرل بہادر کو
دارالسلطنت تشریف لانے اور اس تقریب سعید میں شریک ہونے کے لئے دعوت
دی۔ ذات ہمایون بتوفیق الٰہی اُس وقت سرآمد والیان ریاست تھی اُس پر حسن اخلاق مستزاد
لہذا بزمانہ قیام کلکتہ ورثۂ تاجداران اودھ و میسور اور اکثر معززارکان مجلس مذاکرہ علمیہ نے
جس میں نواب عبداللطیف خان بہادر معتمد و بانی مجلس موصوف شریک غالب تھے
بذریعہ ایک وفد کے حاضر بارگاہ خسروی ہوکر اپنے دلی خلوص اور جوش عقیدت کا
اظہار کیا اور آیندہ عنان حکومت و زمام نظم و نسق ریاست عالیہ دست مبارک میں لینے پر
مبارکباد دی اعلیٰحضرت نے اس طبقہ کے جوش عقیدت سے متاثر ہوکر برمحل

دلاویز تقریر فرماکے اہل وفد کو خوش و خرم واپس کیا۔
نواب گورنر جنرل بہادر نے منجملہ اور ضروری مشوروں کے اعلیٰحضرت کو سیر انگلستان کا بھی مشورہ دیا اور فرمایا کہ اس سے آپ کے معلومات اور صحت میں ترقی ہوگی۔ اعلیٰحضرت نے نمائش گاہ کلکتہ کی تین لاکھ روپیے کی نادر چیزیں خرید کر سرپرستی فرمائی غربا کو بطور خیرات مبلغ پندرہ ہزار روپیہ عطا فرماکر داد سخاوت دی۔
بعد ملاحظہ نمائش کہ اس زمانہ میں بالخصوص والیان ریاست کے لئے نہایت خوشگوار علمی درسگاہ ہے اور جس کے ملاحظہ سے اپنے زیرنگین ملکوں میں اجرا و توسیع کارخانہ جات صنعتی کی اُمنگ پیدا ہونا لازمات سے ہے اعلیٰحضرت معاودت فرمائے دارالسلطنت ہوئے۔

اعلیٰحضرت کی تخت نشینی

چونکہ نہضت فرمائے کلکتہ ہونے کے قبل ہی سے گورنمنٹ نظام و گورنمنٹ ہند میں تخت نشینی کے متعلق تحریکیں ہوچکی تھیں جس کی کلکتہ پہونچتے ہی تصدیق ہوگئی اس لئے حیدرآباد میں یہ غلغلہ شادمانی ایک سمت سے دوسری سمت تک فی الفور پہنچ گیا۔
نواب بشیر الدولہ بہادر ریزیڈنٹ نے نہایت خلوص اور دلی مسرت کے ساتھ قبل مراجعت اعلیٰحضرت اعلان نوید مسند نشینی جریدۂ اعلامیہ مورخہ ۲۸ صفر ۱۳۰۱ھ میں درج کرکے یہاں کے بیتاب دلوں کو جو اس فرحت انگیز خبر کی تصدیق کے لئے مضطرب ہو رہے تھے مطمئن کردیا اور رائج م رعایا، و برایا کو تیقن کے ساتھ معلوم ہوگیا کہ جس خیال کو وہ مدتوں سے ہزاروں تمناؤں کا مرکز بنائے ہوئے تھے اس کے ظہور کا عنقریب وقت آتا ہے۔

قیام گلبرگہ — اثنائے مراجعت میں اعلیحضرت نے گلبرگہ میں قیام فرمایا اور کارخانہ پارچہ بافی گلبرگہ کا افتتاح کر کے حسب درخواست اہل جلسہ کارخانہ کو اپنے نام مبارک سے موسوم کرنے کا افتخار بخشا گویا کلکتہ کی نمائش گاہ کا پہلا نفع بخش نقش یہاں آتے ہی جمایا اور عزیز رعایا کی مرفہ الحالی کا سنگ بنیاد اپنے مبارک ہاتھوں سے گلبرگہ میں رکھا کارخانے کے ڈائرکٹروں نے جو اڈریس پیش کیا اُس کے جواب میں طولانی تقریر فرمائی جس میں یہ فقرہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ "ملک کے ذرائع ترقیات پر توجہ کرنا میرا اصلی فرض ہے۔ جس کا نتیجہ میری رعایا کی سرسبزی ہے"۔

اس کارخانہ کا نام محبوب شاہی گلبرگہ ملز ہے۔

جنرل فریزر نے لکھا ہے "میں سمجھا تھا کہ کارخانہ کا سنگ بنیاد رکھنا اڈریس لینا اور جواب ادا فرمانا معمولی تفریحات ہیں۔ ان کا اثر اسی قدر جلد فراموش ہو سکتا ہے جس قدر عرصہ میں ان چیزوں کا ظہور ہوا تھا مگر جب اعلیحضرت نے حیدرآباد و سیونگ کمپنی مذکور کے پچاس حصہ خریدے تو میرے دل میں اعلیحضرت کی عملی نفع رسانی کا خیال راسخ اور مستحکم ہو گیا"۔

اعلیحضرت کی شروع سے ہر دلعزیزی جو تمام رعایا کے دلوں میں جاگزین ہے ضرب المثل ہے پھر اس پر کلکتہ کا دور و دراز سفر اختیار فرمانا اور ایک عرصہ تک دارالخلافہ سے علحدہ ہو کر دلدادہ رعایا کو منتظر تشریف آوری رکھنا اس پر مستزاد تھا پھر مراجعت کے ساتھ سریر آرائی کی مسرت ساتھ لانا اور تمام رعایا کو قبل مراجعت اس مژدہ جانفزا سے مطلع کر کے چشم براہ رکھنا کچھ ایسا مجموعہ خوشیوں کا تھا جس کا بیان کرنا خیال کرنے سے مشکل ہے۔ جمعہ کا دن۔ سالگرہ کا مہینہ۔ سفر دور دراز سے واپسی۔ تخت نشینی کا مژدہ غرض تمام مسرتوں کے مرکز یعنے اعلیحضرت نہایت سہانے وقت دس بجے دن کے سرور افزائے قلوب رعایا و نور افزائے دارالخلافہ ہوئے۔

اعلیحضرت کی تخت نشینی کئی وجہوں سے بالتخصیص قابل وقعت اور لایق مسرت تھی اول تو یہہ دریتیم ہزاروں ناز نعمتوں کا پروردہ اور لاکھوں نیازوں اور منتوں کا اعلیٰ نتیجہ تھا دوسرے یہہ کہ تخت آصفیہ اصلی حکمران سے ایک عرصہ دراز سے خالی تھا تیسرے امن وامان اس درجہ تنگ ہوگیا تھا کہ پچھلے واقعات شورش کو یاد کرکے لوگ بادشاہ پرستی کے لئے دل وجان سے آمادہ تھے۔ چوتھے گورنمنٹ نظام وبرٹش گورنمنٹ میں کسی قسم کی الجھن باقی نہیں تھی اور دوستانہ روابط کا اظہار فریقین سے بارہا ہوچکا تھا۔ پانچویں یہہ کہ اعلیحضرت پہلے فرمانروا تھے جن کی مسند نشینی قائم مقام ملکۂ انگلستان یعنے والیسرائے کے ہاتھوں سے ہوئی۔ اور لارڈ رپن پہلے والیسرائے تھے جنھوں نے اس تقریب سعید میں سرزمین دکن پر قدم رکھا۔

بازاروں سڑکوں مکانوں کی صفائی۔ چھڑکاؤ۔ آراستگی جابجا شاندار خوشنما کمانوں (دروازوں) پھریروں۔ جھنڈیوں سے اور خوشنما قطعات مسرت آیات سے تمام شہر میں بیحد رونق تھی اور شب کو آتشبازی کا وہ سامان تھا کہ اس سے قبل حیدرآباد میں کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔

صاحب عالیشان بہادر رزیڈنسی بلارم میں رونق افروزا ور راتدن آنے والے عظیم القدر مہمانوں کے انتظام میں مصروف تھے۔

ہزاکسلینسی لارڈ رپن مع لیڈی صاحبہ اور معزز ہمراہیوں کے ساتھ حسب قرارداد کلکتہ سے مدراس اور مدراس سے رائچور اور رائچور سے بذریعہ اسپشل ٹرین ۲ فروری کو ساڑھے چار بجے رونق افروز بلدہ ہوئے۔ استقبال کے لئے مہاراجہ نریندر بہادر نواب میر لائق علی خان بہادر میجر ٹریور اول مددگار رزیڈنٹ اور کرنل ڈالیسن رائچور تک تشریف لے گئے۔ رڈ رپن

لال پہاڑی سے ۱۰۱ توپوں کی شاہی سلامی سرہوئی ٹرین پہونچنے سے

چند منٹ قبل اعلیٰحضرت رونق افروز اسٹیشن ہوئے تھے۔ جہاں مسٹر کارڈری رزیڈنٹ کرنل ہیٹنگز فریزر ملٹری سکرٹری سے ہاتھ ملایا۔

نواب والیسرائے بہادر ٹرین کے اسٹیشن پر پہونچتے ہی اپنے سیلون سے برآمد ہوئے اور حضور پُرنور و صاحب عالیشان بہادر و امرائے عظام و میجر جنرل کمانڈر افواج حیدرآباد و بریگیڈیر جنرل افواج کنٹیجنٹ نے استقبال کیا۔ جو حضرات کہ اعلیٰحضرت کی ہمراہی میں بمقام کلکتہ شرف اندوز ملازمت والیسرائے بہادر ہو چکے تھے۔ اُن کے سوا اعلیٰحضرت نے نواب بشیر الدولہ بہادر و بعض امرا کا جو کلکتہ نہیں گئے تھے۔ نواب والیسرائے بہادر سے تعارف کرایا سب کا فوٹو لیا گیا صاحب ممدوح الشان مع لیڈی صاحبہ و معتمد خاص و صاحب عالیشان چوکڑے پر سوار ہو کر بلارم تشریف لے گئے اعلیٰحضرت نے مع اُمرا سول کلب تک مشایعت فرمائی اور بعدہٗ ایوان شاہی کو واپس ہوئے اسٹیشن سے سکندرآباد و بلارم تک دورویہ فوج استادہ تھی اور سڑکوں پر رکیو اسٹیشن سے بلارم تک اور وہاں سے ایوان شاہی تک نہایت کثرت سے آراستگی کی گئی تھی اور صدہا دعائیہ کتبے جابجا آویزاں تھے جس سے رعایا کی وفاداری اور حضور پُرنور کی ہر دلعزیزی ظاہر تھی۔

تیسری فروری کو اتوار تھا۔ چوتھی فروری مطابق ۶ ربیع الثانی کو رسم مزاج پرسی ادا ہوئی۔ اس کے بعد نواب والیسرائے بہادر کے ملٹری سکرٹری ایک خاص افسر صیغہ خارجہ اور ایک مصاحب صاحب ممدوح کے ساتھ حاضر بارگاہ خسروی ہوئے اور پھر اعلیٰحضرت کے جلو میں علاوہ سواران جنگی کے والیسرائے بہادر کے کیمپ تک آئے۔ ۲۱ توپوں کی سلامی ہوئی نواب والیسرائے بہادر اور اعلیٰحضرت سے بعد استقبال مناسب ایک گھنٹہ تک تخلیہ کی ملاقات رہی۔ اگرچہ اصطلاحاً یہ تخلیہ کی ملاقات کہلاتی ہے مگر اس موقع پر جانبین کے بہت سے اعلیٰ عہدہ دار اپنی اپنی نشستوں پر

موجود تھے۔

تھوڑی سی گفتگو کے بعد اعلحضرت کے ہمراہی اُمرا کا صاحب عالیشان بہادر نے نواب والیسرائے بہادر سے تعارف کرایا۔ ان میں سے ہر ایک نے پانچ پانچ اشرفیاں نذر دین جو ہاتھ سے صرف مس کر دینے کے بعد چھوڑ دی گئیں اعلحضرت کی خدمت میں نواب والیسرائے بہادر نے دست خاص سے عطر اور پان کی تواضع کی اور وزیر صیغہ خارجہ نے معین المہامان ریاست کی تواضع اور افسر خاص صیغہ خارجہ نے دوسرے امرا کی بالترتیب مدارات کی جو مراسم تشریف آوری کے وقت بجا لائے گئے تھے وہی مراسم بوقت رخصت ملحوظ رہے۔ اسی طرح تین بجے اعلحضرت کی جانب سے چار امرائے عُظام کا وفد نواب والیسرائے بہادر کی خدمت میں پہنچا اور وہ مع معتمدین و مصاحبین شاہی لشکوہ کے ساتھ چو محلہ مبارک میں تشریف لائے۔ اعلحضرت اور صاحب عالیشان نے گاڑی تک استقبال کیا اور وہ حضور کی داہنی جانب کرسی پر رونق افروز ہوئے۔ نواب والیسرائے بہادر کے دست راست ان کے معزز ہمراہی و مصاحبین اور کمانڈران چیف افواج کنٹنجنٹ وغیرہ تشریف فرما تھے اور جانب چپ صاحب عالیشان بہادر اور اکثر امرائے عُظام حیدرآباد حسب مدارج رونق افروز ہوئے۔ بعد مختصر گفتگو کے امرا کی نذریں پیش و معاف ہوئیں اعلحضرت نے دست خاص سے نواب والیسرائے بہادر اور وزیر صیغہ خارجہ کی عطر و پان سے تواضع فرمائی اور اُمرائے عُظام نے دوسرے حضرات کی مدارات کی ۲۱۔ توپوں کی سلامی سر ہوئی اور نواب والیسرائے بہادر رخصت ہوئے۔

جشن تاج پوشی

پانچویں فروری ۱۸۸۴ء تاریخ دکن میں ہمیشہ یادگار رہیگی۔ یہہ وہ دن ہے جس کی برسوں سے تمنا کی جارہی تھی یہہ وہ دن ہے جس کی تمنا نواب سالار جنگ بہادر اپنے پُر حسرت دل میں لیکر گوشہ قبر میں ہمیشہ کے لئے جا سوئے۔ کوئی دقیقہ شہر کی

آراستگی کا باقی نہیں رکھا گیا تھا اور کوئی شخص ایسا نہ تھا جو آج کی رسم تاجپوشی کے لحاظ سے شاداں و فرحاں نظر نہ آتا ہو۔ محلات و دربار و دیگر مقامات کی آراستگی بیان سے باہر ہے۔ صرف یہ خیال کر لینا کافی ہے کہ آج مالک ملک و ہر دلعزیز فرمانروا اپنے آبائی تخت پر جلوہ افروز ہوتا ہے جو آج کے انتظار میں تقریباً ۱۲ سال سے خالی تھا پس ایسے پُرمسرت موقع کے لئے جو کچھ تیاریاں کیجائیں وہ تھوڑی ہیں۔

نواب والیسرائے بہادر بحیثیت گورنر جنرل ہند و قائم مقام شہنشاہ انگلستان پورے کروفر، شان و شکوہ سے مع فوج حضار و توپخانہ چار امرائے معظام حیدرآباد کے حلقہ میں رونق افروز ایوان شاہی ہوئے۔ پندرہ میل تک انگریزی و دیسی افواج دو رویہ صف بستہ تھیں ہز اکسلنسی گورنر مدراس۔ کمانڈر انچیف ہندوستان۔ کمانڈر انچیف مدراس۔ والیسرائے بہادر سے دس منٹ پیشتر دربار میں تشریف لا چکے تھے اور سب معزز مہمان اور حاضرین دربار آدھے گھنٹہ پیشتر سے دربار ہال میں اپنی اپنی نشستوں پر رونق بخش ہو چکے تھے ہر چند اعلیٰحضرت کی خواہش تھی کہ ملکہ وکٹوریہ فرماں فرمائے سلطنت ہند و انگلستان کے فرزند ارجمند ڈیوک آف کناٹ جو اس وقت سپہ سالار افواج بمبئی تھے شریک جلسہ ہوں جس سے جلسہ کی مزید عزت و رونق متصور تھی۔ مگر ایک مشرقی دربار میں یہ امتیاز بہت مشکل تھا کہ نواب والیسرائے بہادر قائم مقام ملکہ وکٹوریہ اور فرماں فرمائے ہند کو تفوق حاصل ہے یا خاص فرزند قیصرہ ہندوستان کو خواہ ضوابط مقررہ سلطنت انگلستان کچھ ہی ہوں لیکن ترجیح کا مسئلہ ارباب دکن کی عام رائے سے متفاوت تھا۔ بہرحال ڈیوک موصوف اس تقریب سعید میں بوجوہ خانگی شرکت سے معذور رہے۔

نواب والیسرائے بہادر پورے ساڑھے دس بجے چو محلہ مبارک میں داخل

ہوئے۔ گارڈ آف آنر نے سلامی دی۔ جلوس ترتیب ذیل سے تھا۔

افسر خاص صیغہ خارجہ

وزیر صیغہ خارجہ	صاحب عالیشان بہادر
اسٹاف نواب وائسرائے بہادر	اسٹاف اعلیحضرت
نواب وائسرائے بہادر	اعلیحضرت
اسٹاف میجر جنرل افواج سکندرآباد	اسٹاف بریگیڈیر جنرل افواج نظامیہ

جلوس کے دربار میں داخل ہوتے ہی دوسرے گارڈ آف آنر نے سلامی دی اور بینڈ نے قومی گیت سے دل بہلانا شروع کیا۔ ۳۱ توپوں کی شاہی سلامی باعزاز نواب وائسرائے بہادر سر ہوئی تعظیم کو دربار کے کل حاضرین سرو قد کھڑے ہوگئے دربار ھال میں ایک شاہی زرنگار کرسی رکھی ہوئی تھی اس کا خوبصورت شامیانہ چارگنگا جمنی نہایت خوبصورت ستونوں پر استادہ تھا جو مشرقی اور مغربی مذاق کا نہایت دلاویز مشترک نمونہ تھا۔

اجلاس کے مرتفع مقام پر جو گرانبہا زردمخمل سے مزین تھا بجائے مسند ایک مرصع کرسی تھی اس کرسی کے محاذی اور دو زرنگار کرسیاں تھیں جو اعلیحضرت اور نواب وائسرائے بہادر کے لئے مخصوص تھیں اور ان کرسیوں کی دونوں جانب دولتین کے معزز مہمان تشریف فرما تھے۔ کل تعداد حاضرین دربار پوری دو ہزار تھی اس میں پچیس لیڈیاں تھیں۔ دربار کی آراستگی اور اہل دربار کے مختلف الالوان بیش قیمت لباسوں سے جو دربار کا سماں اس وقت تھا وہ کسی طرح احاطہ تحریر میں نہیں آسکتا۔

تقریر نواب وائسرائے بہادر — جب سب حاضرین اپنی اپنی نشستوں پر جاگزیں ہوگئے تو نواب وائسرائے بہادر اٹھے اور اعلیحضرت کو مخاطب کرکے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

"یور ہائنس میں آپکو یقین دلا سکتا ہوں کہ آج مجھے اس خوشگوار فریضہ کو منجانب علیا حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریہ ادا کرنے کی دلی مسرت ہے جو آپکو مسند حکومت پر باختیار کامل متمکن کرنے سے حاصل ہوئی ہے چند ہفتہ گذرے جب میں نے سنا کہ آپکی خواہش ہے کہ میں خود حیدرآباد پہونچکر آپکو مسند نشین حکومت کردوں تو مجھکو آپ کی اس خواہش کی تعمیل کا بہت لحاظ ہوا۔کیوں کہ اس سے برٹش گورنمنٹ کی محبت اور اس کی قوت اور صداقت پر آپ کے اعتماد کا ثبوت ملتا ہے میں پہلا گورنر جنرل ہوں جو حیدرآباد آیا ہوں اور میری اس موقع پر حاضری اس معنی کی شاہد ہے کہ صرف اس عظیم الشان سلطنت اور برٹش گورنمنٹ میں رابطہ اتحاد ہی نہیں ہے بلکہ علیا حضرت ملکہ وکٹوریہ اعلیحضرت کے سود وبہبود میں خاص توجہ فرماتی ہیں۔

یور ہائنس کے طول طویل نابالغی کے زمانہ میں حکومت سلطنت ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں تھی جو نمبر اول کے مدبران زمانہ میں شمار کیا جاتا ہے جس نے اپنی دماغی قابلیتوں اور مختلف لیاقتوں سے یور ہائنس کے مفاد پر نظر رکھکر نابالغیت کے زمانہ میں حکومت کے ہزاروں مشکلات اور سدراہ امور کا مقابلہ کرکے اس کامیابی سے عمدہ نظم ونسق ملک کا قائم رکھا کہ اس کی تشکر آمیز یاد یور ہائنس اور گورنمنٹ ہند کو ہمیشہ رہیگی سر سالار جنگ بہادر کے انتظام سلطنت سے مختلف اصلاحیں پیدا ہوئیں محاصل میں ترقی ہوئی اور جان ومال کی حفاظت کے وسائل مہیا ہوئے اور بہت سے اصلاح طلب امور تا وقت واپسیں مرکوز گوشۂ دماغ تھے میری تمنا تھی کہ یور ہائنس سن رشد کو پہونچیں تو سالار جنگ کے تجربہ کار ہاتھوں اور ذوق سلیم سے انتظام سلطنت میں استفادہ کریں۔مگر یہ منظور الہی نہ تھا اور وہ ایسے وقت میں جدا کرلیا گیا جب کہ یور ہائنس کو اس کی اعانت وہمدردی کی احتیاج تھی اور یہاں اگرچہ اس وقت ہزاروں امسرتوں کا بنیادیہ سال بندہ ہوا ہے لیکن اس شخص کے نہونے سے ایک گونہ

افسردگی چھائی ہوئی ہے مگر اُن کے کام یادگار رہینگے۔ اور مجھے کامل بھروسہ ہے کہ آیندہ انتظام سلطنت میں آپ کے وزرا اُن کے اصلاحات کو پیش نظر رکھکر اس کی توسیع اور توثیق میں سعی بلیغ فرمائیں گے۔ اب میں یور ہائنیس کو چند عملی نصائح کی طرف متوجہ کرتا ہوں آپ اپنے مداخل و مخارج کا لحاظ رکھیں غیر مربوط حالت خزانہ باعث انتزاع سلطنت ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ حالت بالتعمیم ہر جگہ ہے مگر بالتخصیص ہندوستان میں ہے مالی معاملوں میں بے توجہی اور فضول خرچی سے رعایا کی ابتدا میں پریشان حالی اور بعدہٗ مفلسی اور بالآخر تباہی لازمی ہے اور سلطنت زر قرضہ کی گرانباری اور سود کی روزافزون ترقی سے پامال ہو جاتی ہے۔ عاقلانہ اقتصاد منصفانہ امداد۔ اور مساوی المقدار محصولات ضامن توسیع دولت اور حامی مرفہ حالی ملک ہیں عمدہ طریق محاصل بنیاد عمدہ طریق حکومت ہے جس کے بغیر بادشاہ پریشان اور رعایا مفلوک رہتی ہے مجھے اعتماد ہے کہ یور ہائنیس منصفانہ برتاؤ اور عدلگستری انصاف پر بھی نظر غائر فرمائیں گے جب حکام عدالت بے لوث وجری ہوں اور انکے دامن ہائے انصاف مشتبہات سے مطلق بری تو وہ اہل حکومت کے لئے سرمایہ افتخار اور اہل جوار کے لئے باعث ناز ہو سکتے ہیں۔ تاج سلطنت کا نہایت درخشاں گوہر بے کم و کاست عدل و انصاف ہے۔ خدا ایسا کرے کہ یہہ گوہر گراں بہا ہمیشہ تاج آصفیہ میں نمایاں و تاباں رہے

یور ہائنیس کو انتظام سلطنت میں بہت سے شدائد و مشکلات پیش آسکتے ہیں۔ آپ تقریباً ایک کرور رعایا کی جان و مال کے فرماں روا ہیں اس رعایا کی آیندہ مرفہ الحالی یور ہائنیس کی ذکاوت و محنت اور انضباط نفس پر منحصر ہے میری التجا ہے کہ یور ہائنیس ظاہری شان و شوکت اور اسباب مفاخرت سے جو محیط ذات والا ہوں گے مطمئن نہ رہیں۔ اور نہ لوگوں کے تملق و ذلیل فرمان پذیری پر اکتفا کریں آپکی سلطنت وسیع۔ آمدنی وافر اور رعایا کثیر ہے مگر یور ہائنیس کے لئے یہہ اُمور

سبب افتخار نہ ہوں۔

آپ ابھی نوجوان ہیں اور عالم نوجوانی محرک جذبات کثیر ہوتا ہے لیکن انکو مغلوب رکھنا آپکا فریضہ ہے ان کے مقابلہ میں اتباع اخلاق حمیدہ اور اکتساب اعمال حسنہ کے لئے بہت سی راہیں کھلی ہیں۔ اگر آپکو زمرہ والیان ریاست ہند میں لوائے نیکنامی بلند کرنا ہے تو اس کا یہی موقع ہے اس کی شہادت رعایا کے ساتھ انصافانہ برتاؤ اور اُس کی مسلمہ مرفہ الحالی ہے۔ آپکی رعایا کی وفاداری مسلم اور ناقابل اشتباہ ہے۔ اس کا قائم رکھنا اور رفتہ رفتہ اس کو مستحکم کرنا آپکا فریضہ اول ہے کیونکہ تاجدار کا سب سے بڑا سرمایہ ناز اُس کی رعایا کی خالص محبت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی نگہداشت آپ کے ہاتھوں میں اس لئے نہیں دی کہ آپ اسے اپنے تکبر و تنفر کا آلہ بنائیں۔ بلکہ اس کے تفویض کرنے کی غرض یہ ہے کہ آپ ان پر اس طرح حکومت کریں کہ ایک جانب رعایا کی مرفہ الحالی اور دوسری جانب رضائے الٰہی حاصل ہو۔ آپ کی حقیقی مسرت رعایا کی خوش حالی .... اور آپ کی واقعی صیانت خلق اللہ کی فارغ البالی ہے۔ امور رکیک نظر فریب نہوں۔ نہ شہرت فاسدہ سے تسکین خاطر ہو آپ اپنے آباو اجداد کے اوراق شہرت کا مطالعہ فرمائیں اور ان کے نقش قدم پر متجسانہ نظر رکھیں تاکہ جب آپ اپنے آبائے کرام سے جا ملیں تو لوگ حسرت سے آپکو یاد کریں۔ اور کہیں کہ اس کے عہد بابرکت میں رعایا خوش حال رہی۔

آپکو اپنے زمانہ حکومت میں گاہ بگاہ مشکلات کا سامنا ہوگا مگر میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ گورنمنٹ قیصر ہند ہمیشہ آپکی معاون اور مددگار رہیگی۔

برٹش گورنمنٹ کی صرف یہی غرض ہے کہ یہ اور دوسری دیسی ریاستیں مرفہ الحال اور خوش انتظام رہیں جہاں تک ان اغراض کی تکمیل منظور ہے ہماری امداد و اعانت بھی موجود ہے۔ دیسی ریاستوں کا قیام دوام انگریزی پالسی کا خوشگوار فریضہ ہے۔ اور

ان کا وجود مفاد انگریزی کے لئے نہایت ضروری ہے۔ آج میں یہاں جس فرمان فرمائی کی
تاسیس مقامی کر رہا ہوں اس کی اصلی خواہش یہ ہے کہ آپکی حکومت مضبوط اور منضبط
ہو اور معاملات باقاعدہ و محصولات منصفانہ ہوں۔ آپ کے امراء وفادار اور آپ کی
رعایا خوش و خرم رہے۔ ملکہ معظمہ وکٹوریہ آپ کے عہد حکومت کو بہت توجہ اور دلچسپی سے
دیکھتی رہینگی۔ مجھے امید ہے کہ آپ انہیں مایوس نہ فرمائیں گے۔

اے میرے دوست میری ذاتی توجہ آپ کے افادات کی طرف ہمیشہ
منعطف رہیگی۔ اور اب میرے لئے یہی باقی رہ گیا ہے کہ میں آپکو مسند نشین ریاست
کروں۔ اور خدا سے ملتجی ہوں کہ وہ آپکو برکت و رہنمائی عطا فرمائے۔ آپکی حکومت
عادلانہ معزز اور کامیاب ہو تاکہ آج کے دلخوش کن وعدے آئندہ فراموش نہوں
اور آپکی شکر گزار رعایا کی آنیوالی نسلیں آج کے دن کو کہ تاریخ دکن کی مرفہ الحالی کا
سنگ بنیاد ہے ہمیشہ یاد کرتی رہیں۔"

اس فصیح و بلیغ و پر نصائح تقریر کا ترجمہ وزیر خارجہ مسٹر ڈیورنڈ نے کیا اور
نواب گورنر جنرل بہادر اعلیحضرت کا دست مبارک اپنے ہاتھ میں لیکر اس کرسی
شاہی کی طرف متوجہ ہوئے جو مرتفع شہ نشین پر رکھی ہوئی تھی اور وہاں اعلیحضرت کو
تخت نشین کر کے اُن کے پورے نام سے اس طرح مخاطب فرمایا۔

"ہز ہائنیس آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب
میر محبوب علی خان بہادر فتح جنگ" بینڈ نے قومی گیت گانا شروع کیا اور اکیس اکیس
توپوں کی سلامی باعزاز مسند نشینی اعلیحضرت حیدرآباد و سکندرآباد اور بلارم سے سر ہوئی۔
جب حاضرین دربار اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو خلعت فاخرہ جو نواب والسرائے بہادر
کی جانب سے آیا ہوا تھا پیشکش اعلیحضرت ہوا اس کے بعد چار امرائے عظام یعنے
نواب سالار جنگ ثانی۔ راجہ نریندر بہادر پیشکار۔ نواب شمس الامرا بہادر۔ نواب بشیرالدولہ بہادر

خلعت عطا کئے گئے اس روز نواب بشیر الدولہ بہادر بوجہ نادرستی مزاج شریک دربار نہ تھے۔اس واسطے اُن کا خلعت اُن کے پاس بھیجدیا گیا۔اس کے بعد اعلحضرت کرسی سے اُٹھے اور حسب ذیل تقریر فرمائی۔

تقریر اعلحضرت

یور اکسلنسی۔ مجھکو آپ کے حیدر آباد میں تشریف لانے کی نہایت درجہ خوشی ہوئی جس کے لئے میں دلی جوش سے مرحبا کہتا ہوں۔ اگر اس موقع تخت نشینی پر آپ کسی وجہ سے یہاں تشریف نہ لاسکتے تو مجھکو اور میری رعایا کو اس کا بڑا صدمہ ہوتا مجھے خوب یقین ہے کہ جو اعزاز آپکی تشریف آوری کا مجھے حاصل ہوا وہ بوجہ آپکی خیراندیشی ریاست کے ہے اور وہ نصائح جو آپ نے مجھے اس موقع پر فرمائے اُنھیں خیالات عالیہ پر مبنی ہیں۔ میں ان احسانات کو کبھی فراموش نہ کرونگا۔ اور ان دونوں نوازشوں کا مجھے کافی طور سے احساس رہیگا مجھے امید ہے کہ یور اکسلنسی بمعاوضہ اس تصدیعہ کے جو طول طویل سفر میں عائد حال ہوا ہے۔ میرا دلی شکر یہ قبول فرمائیں گے یہ میری آیندہ حکومت کے لئے نیک فالی ہے اور میں نہایت خوشی سے اس نشان دوستی کا جو میرے آبا و اجداد اور برٹش گورنمنٹ میں ہمیشہ سے چلے آتے ہیں اعتراف کرتا ہوں جو نصائح یور اکسلنسی نے ازراہ محبت اس موقع پر فرمائے ہیں میں ان کو صدق دل سے قبول کرتا ہوں۔ ان تمام امور میں جو رعایا کی فارغ البالی و خوش حالی سے متعلق ہیں یور اکسلنسی اور برٹش گورنمنٹ کی خواہشات کی تعمیل کرنے میں کبھی دریغ نہ کرونگا۔

اور اس طرح کی تعمیل بجائے خود میرے اور میری رعایا کے لئے نہایت مفید ہوگی میں امید کرتا ہوں کہ میرے خیالات محبت اور احساسات وفاداری جو میں شہنشاہی نام کے ساتھ رکھتا ہوں ہر مجسٹی کوئن امپرس آف انڈیا کی خدمت میں مناسب طریقہ سے جلد پہونچائے جائیں گے۔

جب اعلحضرت اپنا اڈریس ختم فرماکر کرسی نشین ہوے اور کل حضار دربار نے

نشستوں پر بیٹھ گئے تو ہز ایکسلنسی گورنر مدراس۔ کمانڈر انچیف ہندوستان اور کمانڈر انچیف مدراس بالترتیب آگے بڑھے اور اعلحضرت کے روبرو تخت نشینی کی مبارکباد عرض کی۔ پھر عطر و پان تقسیم ہوا اور والیسرائے بہادر و اعلحضرت دربار سے اُسی ترتیب اور مراسم کے ساتھ رخصت ہوئے جس ترتیب و مراسم کے ساتھ تشریف لائے تھے۔

چومحلہ مبارک سے بلارم تک بوجہ حدت موسم سخت تکلیف وہ طول طویل راستہ تھا لہذا تجویز ہوئی کہ نواب والیسرائے بہادر ایوان رزیڈنسی واقع بلدہ میں استراحت فرمائیں مگر چونکہ وہاں اس سے چند گھنٹہ قبل ہی ایک واردات ہیضہ کی ہو چکی تھی اس وجہ سے نواب والیسرائے بہادر میجر جنول کمانڈر انچیف افواج حضور نظام کے بنگلہ پر تشریف لے گئے اور وہیں شام تک آرام فرمایا۔ اور شام کو اسٹیٹ ڈنر کے لئے پھر تشریف لائے۔

شب کو چومحلہ مبارک میں جو ڈنر ہوا۔ اُس میں چار سو مہمان مدعو تھے اس شب کے ڈنر میں وہ طلائی ظروف جو نواب سر سالار جنگ بہادر نے اسی دن کی ضرورت کے لحاظ سے راجرس راک کمپنی کے ذریعہ سے لندن میں خرید کئے تھے وہ آج پہلی مرتبہ کھولے گئے اور استعمل ہوئے اسی کے ساتھ وہ خوبصورت فرنیچر جو نواب موصوف نے بزمانہ سیاحت انگلستان ۱۸۷۶ء میں اپنی زیر نگرانی لندن میں بنوایا تھا نظر افروز ہوا ان ظروف اور فرنیچر کی ساخت اور خوبصورتی کی ہر شخص تعریف کر رہا تھا۔ اسی موقع پر جنرل فریزر کا بھرا ہوا شیر جو بہت خوبصورتی سے مرتب ہوا تھا وہ بھی ایک جانب حضار مجلس کی توجہ کا مرکز تھا نواب والیسرائے بہادر نے اعلحضرت کا جام صحت نوش کرتے وقت فرمایا۔

لیڈیز اور جنٹلمین۔ جام صحت اعلحضرت نوش کرتے وقت مجھے آپ لوگوں کے

روبرو صرف چند الفاظ گزارش کرتے ہیں یہ موقع اسپیچ دینے کا نہیں ہے اور جو تجویز کہ میں اس وقت پیش کرتا ہوں یعنے اعلیحضرت کا جام صحت مجھے امید ہے کہ اس کے قبول کرنے میں دلی مسرت کا اظہار کیا جائیگا۔ صرف یہی نہیں ہے کہ ہم لوگ اعلیحضرت کی شاہانہ اور شاندار تواضع کا شکریہ ادا کریں بلکہ اس موقع پر میں اُن کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہم لوگ کس عقیدت مندی سے خدا سے مستدعی ہیں کہ اُن کی سلطنت نہایت خوش حالی و کامیابی سے رہے اور اُن کی آبائی حکومت جس کا بار آج اُنہوں نے اپنے نازک کاندھوں پر لیا ہے اسی طرح سے منفعت بخش ثابت ہو جیسا کہ ہم سب لوگوں کو یقین ہے۔

اس کے بعد جام صحت نہایت جوش و خروش سے پیا گیا اعلیحضرت نے جواباً شکریہ ادا کیا اور نواب وایسرائے گورنر جنرل کے جام صحت نوش کرنے کی تجویز مختصر تقریر کے ساتھ پیش کی جس کا جواب نواب وایسرائے بہادر نے حسب ذیل دیا۔

یور ہائینس۔ آپ نے میرے اور لیڈی رپن کے نام سے جو جام صحت نوش کرنے کی تجویز کی ہیں اس کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں نے آج صبح ہی کو دربار میں کہا تھا کہ مجھے اس اہم تاریخی واقعہ پر بذات خود آنے سے نہایت خوشی ہوئی کیونکہ میں پہلا وایسرائے ہوں جو حیدرآباد آیا ہوں اور نیز ان مسرت انگیز مراسم میں شریک ہونے سے جن کی نسبت ہماری عین خواہش اور دلی استدعا ہی ہے جو زمانہ حکومت آج سے آغاز ہوا ہے وہ اپنے آخری وقت تک نہایت کامیاب و شاندار ثابت ہو۔ جبتک میں اپنی خدمت پر فائز المرام ہوں آپکو ہر طرح کی اعانت و امداد جو میرے حدود اقتدار میں ہے دینے کے لئے آمادہ و تیار ہوں اور مجھے اس کا بھی یقین ہے کہ مسٹر کارڈری رزیڈنٹ آپکی گورنمنٹ اور آپکی ذات خاص

کے لئے ہمیشہ عمدہ صلاح و مشورہ سے مدد کرتے رہیں گے۔

مجھے بہت افسوس ہے کہ اس وقت لیڈی ریڈ یہاں نہیں آسکیں دو روز ہوئے کہ ان کو ایک حادثہ پیش آیا جو اگرچہ خفیف ہے تاہم اس قدر تکلیف دہ ہے کہ وہ یہاں آنے سے معذور ہیں۔ ان کا اس جشن میں شریک نہ ہونا مجھے کسی حالت میں خوش آیند نہیں اور خاص کر اس وجہ سے کہ ان بے انتہا دلفریب مناظر سے جن کا میں دو روز سے لطف اٹھا رہا ہوں لیڈی صاحبہ محروم ہیں۔

بعد ختم دربار و ڈنر حیدرآباد شبانہ روز متواتر کئی دن تک بقعہ نور بنا ہوا تھا جس کی نسبت دن عید اور رات شب برات کہنا بھی کافی نہیں۔

نواب والیسرائے بہادر کو بمقام سکندرآباد دو اڈریس ایک منجانب رعایا اور ایک منجانب خاص مسلمانان دکن دئے گئے۔ جس میں ان کی تشریف آوری پر اظہار مسرت اور ان کی طرز حکومت کو باعث فلاح رعایا ظاہر کیا تھا اور بعض دیگر مطالب بھی درج تھے مسلمانوں کے اڈریس کے جواب میں نواب والیسرائے بہادر نے فرمایا کہ

"مجھے مسلمانوں کی وفاداری پر حیرانی اور اس کے دیکھنے سے مسرت ہوئی مجھے بہت خوشی ہوئی کہ میں نے حضور نظام کو اُن کے آبائی تخت پر مسند نشین کیا اور میں آپکو یقین دلاتا ہوں کہ میں حضور ممدوح کے سود و بہبود میں اور نیز ان کی رعایا کے ساتھ ذاتی توجہ رکھونگا۔ تعلیم اہل اسلام کے متعلق میں آپکو یقین دلا سکتا ہوں کہ مسلمانوں کی تعلیم کلیتاً آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور چونکہ آپ لوگ تعلیم یافتہ ہیں۔ اس لئے امید ہے کہ اشاعت تعلیم میں خود ہمہ تن توجہ کریں گے۔ اور میں اس امر کا بھی یقین دلاتا ہوں کہ مجھے مسلمانوں کی امداد و اعانت میں ہمیشہ ذاتی توجہ رہیگی۔

واپسی نواب والیسرائے بہادر

نواب والیسرائے بہادر بعد اختتام خدمات جلیلہ ۲ ½ بجے دن کو تشریف فرمائے

اسٹیشن سکندرآباد ہوئے گارڈ آف آنر نے سلامی دی نواب والیسرائے بہادر کو وداع کرنے کے لئے اسٹیشن مذکور پر اعلحضرت بندگانعالی۔ نواب لایق علی خان بہادر۔ مہاراجہ پیشکار بہادر نواب شمس الامرا امیر کبیر۔ نواب بشیر الدولہ بہادر۔ نواب وقار الامرا بہادر واکثر امرائے عظام وصاحب عالیشان بہادر وکمانڈران افواج سکندرآباد وکنٹنجنٹ تشریف فرما تھے۔

نواب والیسرائے بہادر ولیڈی صاحبہ نے اکثر معززین حاضرین سے مصافحہ کیا اوران کی ٹرین شور وغوغا اور فوجی ادائی مراسم اور توپوں کی سلامی کے ساتھ رخصت ہوئی۔

تقسیم خطابات ومناصب

اعلحضرت بندگانعالی کی رسم مسند نشینی بہت سے مسرت بخش اور عزت افزا امور کے لئے بمنزلہ کلید تھی۔ جس کے ادا ہوتے ہی ابواب کامرانی کھل گئے جن کے لئے اہل ملک ہمہ تن چشم انتظار تھے روز مسعود مسند نشینی بعد برخاست دربار معززین اہل ملک کی نذریں بہت کثرت سے گذریں اور جو فہرست خطابات مرتب ہو چکی تھی اس کا اعلان کیا گیا جس میں منجملہ انیس حضرات خطاب یافتہ کے نواب لایق علیخان بہادر خطاب سالار جنگ منیر الدولہ۔ اور برادر خرد نواب میر سعادت علی خان بہادر غیور جنگ شجاع الدولہ۔ اور راجہ راجایان راجہ نریندر بہادر خطاب مہاراجہ سے سرفراز وممتاز ہوئے۔ علاوہ بریں نواب امام جنگ بہادر۔ نواب ظفر جنگ بہادر خطاب دولائی۔ اور راجہ ہری کشن بہادر خطاب راجگی اور آغا مرزا صاحب ومولوی حافظ انور ومرزا نصر اللہ بیگ ومولوی انوار اللہ استادان اعلحضرت خطاب جنگی

وخان بہادری سے مخاطب فرمائے گئے۔

تقرر مدار المہامی

نواب لائق علیخان بہادر

نواب لایق علی خان بہادر فرزند اکبر نواب سر سالار جنگ مرحوم روز مسند نشینی اعلیحضرت اپنے آبائی خطاب سالار جنگ سے ممتاز اور خدمت وزارت پر سرفراز ہوئے۔ درحقیقت خطاب سالار جنگی بلحاظ مدارج زیادہ شاندار نہ تھا مگر اس نام سے جو شہرت نواب میر تراب علی خاں اول سالار جنگ بہادر نے حاصل کی اور جس کی بینظیر ہر دلعزیزی سرکاری حلقوں کے سوا ہر ایک بچہ کی زبان پر جاری ہونے سے ظاہر ہے۔ آخر کو اس درجہ معزز و مہتم بالشان ثابت ہوا کہ خطاب ملکی جو مرحوم اول کو اور اس سے بڑھ کر خطاب عماد السلطنۃ سالار جنگ ثانی کو حاصل ہوا وہ شہرت کے لحاظ سے سبقت نہ لیجا سکا۔ بلکہ نواب سالار جنگ ثانی زیادہ تر اسی خطاب کو سرمایہ ناز سمجھکر استعمال کرتے رہے۔

نواب سالار جنگ اول کے خدمات گورنمنٹ انگریزی اور سرکار آصفیہ میں اس درجہ مقبول ہو چکے تھے اور اُن کے کارہائے نمایاں اس قدر روشن اور محبوب قلوب ہو گئے تھے کہ دونوں گورنمنٹوں کو بقائے نام و اعزاز سر سالار جنگ کی از حد خواہش تھی۔ یہہ تو ایک قدرتی خیال ایسے موقع پر ہر گورنمنٹ کا ہو سکتا ہے مگر اعلیحضرت بندگانعالی بالتخصیص بہ نظر خدمات لایقہ سر سالار جنگ اول و قدردانی کہ قدیم شیوہ شاہان دولت آصفیہ ہے۔ نواب لایق علی خان بہادر کی سرفرازی کا خیال جاگزین خاطر اقدس کئے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ نواب لایق علیخان بہادر کی ذکاوت و فراست جو اُس نوعمری کی حالت میں فیاض ازل سے ملی تھی بہت بڑھ

اور نہایت دل افزا تھی غرض اعلیحضرت کے تخت آصفیہ پر جلوس اجلال کے ساتھ نواب لایق علی خان بہادر کی وزارت بھی پہلے ہی سے فیصل شدہ تھی چنانچہ جنرل فریزر نے مسٹر جونس رزیڈنٹ کو ایک مراسلہ میں لکھا تھا کہ مجھکو ریاست کے ایک خاص عہدہ دار (مولوی سید مہدی علیخاں) سے حیدرآباد کی عام رائے کا رجحان نواب لایق علیخان بہادر کی طرف معلوم ہوا جس کے جواب میں صاحب عالیشان بہادر نے یہ لکھا کہ میں آیندہ انتظام میں مدارالمہام کے فرزند کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔

باوجود اس کے اس قسم کے قیاس کی گنجایش ہے کہ بربنائے نوعمری اعلیحضرت لارڈ رپن گورنر جنرل نے نواب میر لایق علیخان بہادر کو کہ وہ بھی ہنوز ۲۴۔۲۵ سالہ تھے عظیم القدر خدمت وزارت سلطنت آصفیہ تفویض کرنے میں تامل فرمایا تھا۔ لیکن اعلیحضرت نے فرط نوازش سے نواب صاحب ہی کے تقرر پر اصرار فرمایا جس کا قبول کرلینا ناگزیر تھا۔ چنانچہ نواب میر لایق علی خان بہادر جریدۂ اعلامیہ میں جو دوسرے روز شائع ہوا تحریر کرتے ہیں "بتاریخ ہفتم ماہ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ بوقت چہار و نیم ساعت از حضرت بندگانعالی متعالی مدظلہم العالی براہ پرورش و رعایت خدمات قدیمی والد ماجد مرحوم و مغفور بعہدۂ جلیلۂ مدارالمہامی سرکار عالی سرفرازی و نیز خلعت خاصہ ہفت رقم جواہر مرحمت و عنایت گردید"

اعلیحضرت نے بھی اپنے اعلان مسندنشینی مورخہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ میں نواب لایق علی خان بہادر کا تقرر بہ نظر خدمات اول سالارجنگ مرحوم و نیز بخیال قابلیت موجودہ خدمت جلیلۂ مدارالمہامی پر منظور اور طرز عادلانہ کی ضرورت ظاہر فرماکر رعایا کی خوشحالی اور اشاعت علوم و فنون سے اپنی دلی مسرت کا اظہار فرمایا۔

زبان اردو — اس وقت تک زبان اردو نے حیدرآباد میں اچھی ترقی کی تھی اور عام طور سے اسی میں کل گفتگو ہوتی تھی۔ صرف بہ نظر رسم قدیم عدالتوں میں اور سرکاری تحریروں

میں فارسی کا استعمال تھا۔ اتفاق سے ایک صاحب مولوی خدابخش صاحب رئیس سہرام واقع بنگالہ میر مجلس عدالت عالیہ تھے۔ جو اعلیٰ درجہ کی قانونی لیاقت رکھتے تھے مگر زبان فارسی میں فیصلہ جات کی تحریر کے بالکل عادی نہ تھے اس قسم کی اور دوسری ضرورتیں لاحق ہوئیں۔ جن سے زبان دفتر سرکاری کی تبدیلی لازم ہوئی اور جو زبان اس وقت عام طور سے گفتگو میں رائج تھی یعنے اُردو اس کو سرکاری دفاتر میں بھی رواج دیکر ایک جانب تو اُردو کی سرپرستی اور عزت افزائی کی گئی۔ اور دوسری جانب عامہ خلق اللہ کو تفہیم مطالب کا بہتر موقع دیا گیا۔ سرکاری دفاتر میں اردو کے باریاب ہوتے ہی زبان حیدرآباد کی روز بروز نہایت سرعت کے ساتھ اصلاح ہوتی گئی اور حیرت انگیز ترقی کر کے ہندوستان کی اُردو کا مقابلہ کرنے لگی۔ چنانچہ جو شعرا پرانی دکھنی اُردو میں سخن طرازی کرتے تھے بعد خفیف مشق جدید اُردو کے اپنی سابقہ تحریر کو مضحکہ انگیز سمجھنے لگے۔ شاید اُردو زبان کی ترقی کا معیار جو حیدرآباد میں قائم ہوا ہے اس کی نظیر دوسری جگہ نہیں ملسکتی اور اب تو اعلیحضرت کی سرپرستی فرمانے سے اُردو جس قدر ناز و مفاخرت کرے بجا ہے اور جس قدر جلد ترقی کر کے علمی مدارج طے کرے تھوڑا ہے۔

کونسل آف اسٹیٹ

اب تک سلطنت عظمیٰ کے متعلق بجز اجرائی بعض احکام کوئی کھلی کام اعلیحضرت کی جانب سے ایسا مہتم بالشان وقوع میں نہیں آیا تھا جیسا کہ انعقاد کونسل آف اسٹیٹ تھا جس کی صدارت خود اعلیحضرت نے فرمائی اراکین نامدار حسب ذیل تھے۔

(۱) نواب سالار جنگ بہادر۔ (۲) مہاراجہ نریندر پرشاد بہادر (۳) نواب امیر کبیر بہادر

(۴) نواب بشیر الدولہ بہادر (۵) نواب وقار الامرا بہادر (۶) نواب شمشیر جنگ بہادر (۷) نواب شہاب جنگ بہادر (۸) نواب فخر الملک بہادر۔ اس کونسل کے معتمد نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین بلگرامی مقرر ہوئے جو اعلیحضرت اور مدار المہام سوا یورپین حلقہ میں بھی قابلیت اور خیر اندیشی کے لئے مشہور تھے۔

علالت (تصیب دشمنان اعلیحضرت کو ایام قیام سرور نگر میں جہاں کونسل آف اسٹیٹ کا پہلا جلسہ ہوا تھا شکایت سوء ہضم پیدا ہوئی اور دو تین روز تک نہایت تشویش رہی۔ بارے اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل فرمایا اور رعایا کی دعا قبول اور ملازمان خیر اندیش کی سعی مشکور ہوئی)

خطابات اعلیحضرت نے اُس جشن مبارک میں جو پہلے سال جلوس میں ہوا ۲۸ حضرات کو مختلف خطابات سے سرفراز فرمایا۔ منجملہ اُن کے میر وزیر علی صاحب آصف یار الملک ہوئے اور منیر الدولہ مختار الملک اور شجاع الدولہ منیر الملک اپنے خاندانی خطابات سے سرفراز ہوئے اُن کے علاوہ مولوی سید مہدی علی خان غیور نواز جنگ مولوی سید حسین عماد جنگ بلگرامی موتمن جنگ مرزا محمد علی افسر جنگ مولوی اکرام اللہ خان یار جنگ میر اکبر علیخان اکبر جنگ ریاضت علی خان محبوب یار جنگ کے خطابات سے مخاطب فرمائے گئے۔

مُلکی و غیر مُلکی

طلب کیا اور اُن کے کارہائے نمایاں آسمان عزت پر آفتاب و ماہتاب بنکر چمکے تو ایک طرف اور لوگوں کو جو اُسی دل و دماغ کے تھے یہاں پہنچکر اپنے جوہر دکھانیکا شوق ہوا اور دوسری جانب جو اصحاب پہلے سے پہنچ چکے تھے۔ اُنھوں نے دوسروں کو روک کر اپنے تحفظ کی فکر کی۔ انہیں لوگوں میں ضلع الہ آباد کے ایک مشہور وکیل اور معزز عہدہ دار بھی تھے جو حسب دعوت نواب سرسالارجنگ بہادر سرسری طور سے حیدرآباد آئے مگر پھر جلد واپس گئے اور بعدازاں نواب سرسالارجنگ بہادر کے تعلقات سپریم گورنمنٹ سے کچھہ کشیدہ ہوگئے تھے لہذا اُن کو ادر امور کی جانب پوری توجہ کرنے کا موقع نہ ملا۔ اس اثنا میں۔

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

نواب سرسالارجنگ بہادر اول کا انتقال ہوگیا اور انتظام ریاست اُن کے فرزند اکبر نواب میر لایق علی خاں سرسالارجنگ ثانی کے تفویض ہوا اور مولوی مہدی علی خاں وغیرہ جو پہلے ہی سے اعلیٰ خدمات پر ممتاز تھے نواب لایق علیخاں بہادر کے زمانہ میں زیادہ قوت کے ساتھہ کارفرما رہے۔ مولوی مہدی علی خاں نے جو بڑے مدبر اور زمانہ شناس تھے ایک جانب اہل ملک کے حقوق پر نظر کر کے اُن کو گرویدہ احسان بنانے اور دوسری جانب اس قسم کے دوسرے روشن خیال بزرگوں کی آیندہ درآمد بند کرنے کی نیت سے اعلان انتظامیہ مندرجہ جریدۂ اعلامیہ مورخہ ۵ امر ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۶ کہ میں "استحقاق اہل ایں ملک بر اہل بلاد دیگر بشرط لیاقت مرجح است۔ کدامی باشندہ ملک غیر بر کدامی خدمت بلاوجہ وجیہ و بلا منظوری خاص مدارالمہام مقرر نشود" درج کر کے اس قضیہ کی تجدید کردی۔ رفتہ رفتہ یہہ بحث بڑھتا گیا اور اس میں بہ نظر افادۂ اہل ملک مفید علی پہلو اختیار کیا گیا اور اعلیحضرت نے باجرائی احکام اس کی توثیق اور مدارالمہامان وقت نے سختی سے نگرانی فرمائی جس پر

دفاتر سرکار عالی میں الی الآن عمل ہے۔

اعلیٰحضرت نے زمام حکومت لینے کے بعد پہلی سیاحت تعلقہ ابراہیم پٹن کی سیاحت فرمائی چونکہ قرب وجوار حیدرآباد میں ابراہیم پٹن کا تالاب نہایت وسیع ہے اور اس سے اراضیات کے محاصل کو خاص تعلق ہے لہذا اس قریبی نیچرل نفع بخش منظر کی تفریح جس میں شکار شیر وغیرہ شامل تھا ضروری سمجھی گئی۔ اثنائے سیاحت میں تعلقہ مذکور کے اہل اراضی نے تحصیلدار تعلقہ کی مختلف شکائتیں کیں جس کی تحقیقات اور ثابت ہونے پر تحصیلدار مذکور خدمت سے برطرف کیا گیا۔ اس لئے یہہ سیاحت پر ریاست تمام دوسرے تعلقات کے لئے چراغ ہدایت ہوئی۔

نواب مدارالمہام بہادر کو تالاب میں باوجود اخراجات کثیرہ پانی کم آنے اور زیر تالاب اراضیات پر نامناسب محصول لگانے اور دوسرے امور کے متعلق تحقیقات کامل کرکے رپورٹ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس تفریح میں شیر کا شکار نہ ہوا اگر واپس آکر چند روز کے بعد میلوارم تشریف لے گئے۔ ہمراہ رکاب نواب مدارالمہام کے علاوہ صاحب عالیشان بہادر بھی تھے۔ جہاں شیر کا شکار ہوا۔ یہاں بھی اعلیٰحضرت نے اپنے اوقات گرانمایہ صرف شکار میں صرف نہیں فرمائے بلکہ شکار کے ساتھ رعایا کے دلوں کو اُن کی داد وفریاد سنکر تسخیر فرماتے رہے چنانچہ صاحب عالیشان بہادر نے ایک روز اسی تفریح گاہ میں اعلیٰحضرت کا جام صحت نوش کرکے بڑے جوش سے اعلیٰحضرت کو سیر وسیاحت میں انتظام ریاست پر متوجہ پاکر مبارکباد دی اور امید ظاہر کی کہ آئندہ بھی اسیطرح بداعمالوں کو واجبی سزا دیکر رعایا کی مرفہ الحالی کی جانب توجہ عالیہ منعطف رہیگی۔

تبدیلی سنہ — اسی سال باعتبار فصل سال کے آغاز واختتام میں مناسب تبدیلی کی گئی اور بجائے مہر کے آذر سے آغاز سال کیا گیا۔ اس سے قبل بھی کچھہ ترمیمیں سال فصلی میں ہوئی تھیں۔

بہ تقریب جشن عید الفطر اعلیحضرت نے آٹھ امرا و اعزہ کو خطابات سے سرفراز فرمایا۔ منجملہ اُن کے نواب فخر الملک بہادر و نواب خانخانان بہادر ہیں۔

خطاب

اسی سال لنـ۱۳۰۱ھ و ۱۸۸۴ء میں نواب گورنر جنرل لارڈ رپن کی تحریک سے اعلیحضرت کو جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب پیشگاہ ملکہ وکٹوریہ سے عطا کیا گیا یہ آخری نشان محبت لارڈ رپن کا بحالت گورنر جنرلی ہند تھا اس کے بعد وہ اپنی مدت ختم کر کے ولایت تشریف لیگئے۔ ایسے کریم النفس وائسرائے کی علحدگی اعلیحضرت کو اور تمام رؤسا و رعایائے ہند کو بہت شاق گزری۔

اب تک صوبہ داروں کے صوبہ جات کسی خاص نام سے موسوم نہ تھے بلکہ بلحاظ سمت منجانب حیدرآباد پکارے جاتے تھے مثلاً سمت شمالی۔ وسمت جنوب وشرق وغیرہ ان مرکبات کو چھوڑ کر اور اسمات سے قطع نظر کر کے صوبوں کے نام بلحاظ ان مشہور شہروں کے رکھے گئے جو ہر ایک صوبہ میں قدیم الایام سے تاریخی شہرت کے ساتھ قائم ہیں۔ مثلاً صوبہ اورنگ آباد صوبہ بیدر۔ صوبہ ورنگل۔ صوبہ گلبرگہ۔ ان میں سے ہر ایک صوبہ کسی نہ کسی بڑے قدیم تاریخی دارالسلطنت کا پتہ دیتا ہے۔ اس سے فی نفسہ سلطنت آصفیہ کی عظمت و جلالت ظاہر ہوتی ہے جو بہت سی قدیم سلطنتوں کی تخت گاہوں کو اپنے ظل عاطفت میں لئے ہوئے ہے۔

...فینانس

سنہ ۱۳۰۲ھ یا ۱۸۸۵ء میں ایک جدید محکمہ پولیٹکل و فینانس کا قائم ہوا جو تمام سول محکموں میں اعلیٰ و افضل معناً و انتظاماً قرار دیا گیا جس کے بانی اور کارفرما مولوی سید مہدی علی خاں نیر نواز جنگ تھے۔

...ئے خطابات

اعلیحضرت نے سنہ ۱۳۰۲ھ کے جشن سالگرہ میں نواب بشیر الدولہ بہادر کو امیر کبیر آسمانجاہ بمقابلہ امیر کبیر شمس الامرا خطاب عنایت فرمایا اور مولوی مشتاق حسین کو انتصار جنگ میر واور علی صاحب داماد نواب سر سالار جنگ بہادر کو بہرام جنگ اور حسن بن عبداللہ کو

برعایت عماد السلطنت بہادر عماد نواز جنگ اور عبدالسلام خان کو مقتدر جنگ کے خطابات سے سرفرازی ہوئی نواب فخر الملک بہادر معین المہام عدالت اور نواب شہاب جنگ افتخار الملک بہادر معین المہام کوتوالی و تعمیرات عامہ سرکار عالی بغرض امداد مدار المہام مقرر ہوئے۔ رجب ۱۳۲۰ھ میں اعلیحضرت نے کوہ نیلگری کی سیر فرمائی ہمراہی میں نواب عماد السلطنت نواب بشیر الدولہ بہادر۔ نواب مہدی علیخان نیر نواز جنگ نواب عماد الملک بہادر، مولوی سید حسین بلگرامی راجہ مرلی منوہر بہادر وغیرہ بہت سے اعلی عہدہ دار تھے۔ تقریباً دو ماہ اعلیحضرت مقیم کوہ مذکور رہے۔ ہر طرح کی نعمتوں سے ہمراہی عہدہ داروں کے علاوہ غربا تک سرفراز فرمائے گئے اور تمام عہدہ داران عظام اعلیحضرت کی فرط نوازش سے مالا مال تھے مگر دوسرے معنی میں یہ سفر نیلگری محمود و مسعود نہ سمجھا جائیگا کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اعلیحضرت کے نوازشات گرانمایہ کا بار نواب عماد السلطنت بہادر کے ناتجربہ کار کاندھوں پر زیادہ وزنی ثابت ہوا اور تخم شکر رنجی اس پتھریلی زمین میں بویا گیا مراجعت کے وقت مسٹر کارڈری رزیڈنٹ اور ان کے اسٹاف نے اعلیحضرت کا اسٹیشن پر استقبال کیا توپوں کی سلامی ہوئی اور اعلیحضرت مع خدم و حشم رونق افروز بلدہ ہوئے۔ سیر کوہ نیلگری

مجلس وضع قوانین اعلیحضرت نے اپنے اکثر فرامین میں عدالت و انصاف پر خاص توجہ فرمائی تھی جب سے کہ لارڈ رپن بہادر نے اعلیحضرت کو اپنی تقریر مسند نشینی میں قوانین عادلانہ کیطرف توجہ دلائی تھی اس وجہ سے ملک میں قانونی مذاق پھیلانے اور اہل ملک پر از روئے قانون حکومت و سیاست کرنے کی سب سے مقدم ضرورت محسوس ہوئی۔ اب تک دیوانی و فوجداری کے لئے یہاں کا کوئی خاص ضابطہ نہ تھا۔ بلکہ مختلف اوقات میں ضروریات وقت سے مجبور ہو کر جو گشتیات جاری کئے گئے تھے انہیں کے مجموعہ پر اور جہاں لائے واضح طور پر مدونہ ملتی انگریزی مروجہ قانون پر عمل کیا جاتا تھا۔ اس سے قبل قانونی کمشن کا تقرر بہ نظر رفع نقائص قانونی و اصلاح ضروری منظور ہوا تھا اور اس نے چند ضروری

مسودات پیش کئے تھے۔اب اعلیحضرت نے کونسل وضع قانون بمقابلہ امپیریل لیجسلیٹیو کونسل قائم فرمائی۔قانونچۂ مبارک میں اس تقرر کی تشریح کردی گئی۔اس مجلس وضع قانون میں سرکاری مختلف اعلیٰ عہدہ داروں کے علاوہ غیر سرکاری اراکین کو ازروئے انتخاب شرکت کا موقع دیا گیا چنانچہ اراکین مجلس نے وقتاً فوقتاً بہت سے قوانین مرتب و پیش کئے جو بعد منظوریٔ اعلیحضرت خلق اللہ کے نفع و آرام کے لئے جاری ہوا کئے اور جس میں اعلیحضرت ضروری ترمیمات فرماتے گئے۔

مجلس وضع قوانین فی نفسہ بابرکت صیغہ تھا جس سے حقوق و فوائد اہل ملک احاطۂ قانونی میں آجاتے تھے مگر اہل ملک کا یہ ابتدائی زمانہ قانونی تھا لہذا سرکاری عہدہ داروں میں وضع قوانین کے لئے ایسے حضرات آسانی سے نہیں ملسکتے تھے جن پر قانون داں ہونیکا اطلاق ہوسکتا۔اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ کونسل کا وجود ایسے وقت میں ہوا جبکہ ملک اس کے لئے بہمہ وجوہ آمادہ نہ تھا۔چنانچہ نواب اکبر جنگ بہادر کوتوال۔نواب اقبال یار جنگ بہادر کمشنر انعام۔نواب عماد نواز جنگ بہادر کمشنر آبکاری وغیرہ ایسے حضرات شریک مجلس تھے جن کو وضع قانون کی اہم خدمات کا مشکل سے اعزاز دیا جاسکتا تھا۔

کبنٹ کونسل صرف عہدہ داران عظام کی مجلس شوریٰ ہے جو اسی عہد بابرکت میں بزمانہ وزارت نواب سر آسمانجاہ بہادر وجود پذیر ہوئی جس میں مدارالمہام اور کل معین المہام وغیرہ اہم ملکی معاملات پر غور کرنے اور پیش شدہ تجاویز کو منظور یا نامنظور کرنے کے لئے جمع ہوں۔امور ذیل خاص کبنٹ کونسل سے متعلق ہیں۔موازنہ ریاست کا پیش و منظور ہونا۔بحالت اختلاف مابین معین المہام و مدارالمہام کونسل مذکور میں تصفیہ پیش ہونا بشرطیکہ معین المہام کی ایسی تحریک ہو۔بایمائے اعلیحضرت جو امر کونسل میں بغرض غور و تصفیہ پیش ہو وہ یا وہ امور جو مدارالمہام کونسل مذکور میں پیش کرنا چاہیں قانونچۂ مبارک

اعلیٰحضرت اور مدارالمہام کے اقتدارات کی حد بندی بھی ہوگئی۔

اعلیٰحضرت نے کل قوانین اور موازنہ ریاست وغیرہ کی منظوری جو بتوسط کابینہ کونسل وغیرہ پیش خدام عالی ہوں مختص بذات خاص رکھی ہے لیکن ریاست کا سالانہ موازنہ باوجودیکہ ہر سال آٹھویں مہینہ سے مرتب ہونا شروع ہوجاتا ہے مگر اراکین کونسل کے مختلف اور کثیر اختلافات اور ترمیمات سے موازنہ کا وقت پر مرتب اور شائع ہوجانا ناممکن ہوگیا ہے امید ہے کہ آیندہ بہ تقلید موازنہ انگریزی وقت مقررہ پر مرتب اور شائع کرنے کی کوشش کرکے یہہ بدنما دھبہ مٹا دیا جائیگا۔

اعلیٰحضرت کی بار — اعلیٰحضرت نے بہ نفس نفیس بلا امداد و اعانت مدارالمہام اجرائی کاروبار سلطنت کا ارادہ فرمایا۔ اور نواب مدارالمہام کا دخل مناسب نہ جانا اس لئے چند بعض طبائع کو مشتغلہ برہم زنی معاملات فیمابین مرغوب خاطر رہا جس کی وجہ سے اختلاف طرفین ترقی پر تھا برخلاف اس کے چند پاکیزہ نفوس اس قسم کے بھی تھے جنھوں نے اعلیٰحضرت کی معذرت پذیر طبیعت کا اندازہ کرکے درگزر فرمانے کی استدعا کی جو منظور ہوئی اور کچھ صورت مفید پیدا ہوئی تھی کہ پھر پچھلی بدمزگی عود کرنے کے لئے چند اسباب پیدا ہوگئے اور معاملہ دگرگوں ہوگیا۔ نواب سر سالار جنگ بہادر اول کے حقوق کا خیال خود اعلیٰحضرت اور گورنمنٹ عظمت مدار دونوں کو بحد کمال تھا اسی وجہ سے نواب لائق علیخان کو اعلیٰحضرت و وائسرائے نے پہلے اس مرتبہ عالیہ پر پہونچایا اور بعدہٗ مختلف نوازشات اور خطابات سے ممتاز و سرفراز فرمایا اس کے علاوہ باعتبار خدمات نواب سر سالار جنگ مرحوم نواب صاحب ممدوح کو سرکار عظمت مدار کی ہمدردانہ اعانت کا بھی واجبی بھروسہ تھا بہرکیف نواب عمادالسلطنتہ بہادر کو تعمیل احکام حضرت اقدس و اعلیٰ سے ایک گونہ بے پروائی ہونے لگی۔ جب اعلیٰحضرت نے جمادی الاول سنہ ۱۳۰۴ھ میں مدراس کا سفر اختیار فرمایا تو نواب عمادالسلطنتہ بہادر و دیگر اعلیٰ عہدہ دار ہمرکاب تھے۔ مدراس پہنچ کر

اعلیحضرت سے لارڈ ڈفرن نے نہایت تپاک سے ملاقات کی اسی زمانہ میں لارڈ موصوف نے اسٹوارٹ بیلی رکن سپریم گورنمنٹ کو جو سابق میں ریاست عالیہ میں بعہدۂ رزیڈنٹی فائز المرام تھے اور بہت کچھ یہاں کے طبائع پر اپنا اثر رکھتے تھے بضرورت مصالحت روانہ حیدرآباد کیا مگر اس کا بھی کچھ مفید نتیجہ ظہور پذیر نہوا اور ناچاقی بدستور قائم رہی جس مہینہ میں اعلیحضرت مدراس سے واپس تشریف لائے اسی مہینہ میں شاہزادۂ نواب میر عثمان علی خان بہادر شکوئے معلی میں پیدا ہوئے جس سے اعلیحضرت کو بالتخصیص اور تمام اہل ملک کو بالتعمیم خوشی ہوئی اور یہ خوشی ہر طرح موزوں تھی کیونکہ یہ شہزادۂ بلند اقبال رونق افروز بزم ہستی ہوا ہے جو چشم و چراغ خاندان آصفی اور حقیقی وارث تاج و تخت دکن کا ہے۔

ولادت ولیعہد بہادر

آمد لارڈ ڈفرن وایسرائے ہند

نواب وایسرائے بہادر کو بعض معاندین نے یہ یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ اعلیحضرت بوجوہ چند انتظام ریاست میں ذاتی توجہ مبذول فرمانے سے قاصر ہیں جب لارڈ ڈفرن وایسرائے ہند بہت تزک و احتشام سے صفر ۱۳۰۵ھ میں رونق افروز بلدہ ہوئے تو اعلیحضرت نے اپنے اس معزز و مکرم مہمان کی تواضع و مدارات میں زیادہ اہتمام فرمایا اور ابتدائے ورود لارڈ موصوف سے اعلیحضرت نے ہر کام میں سلیقہ شعاری اور پابندی اوقات اس حد تک ظاہر فرمائی جس سے خود بخود خیال مخالف باطل ہوگیا۔

تقرر کرنل مارشل

نواب وایسرائے بہادر نے اپنے ایام قیام میں جو کچھ کیا وہ صرف

اسی قدر تھا کہ جب کوئی صورت رفع انقباض خاطر اقدس کی نہ دیکھی اور نواب عماد السلطنتہ بہادر بھی روبراہ نہ ہوئے تو ناچار کرنل مارشل کو پرائیوٹ سکریٹری اعلیٰحضرت مقرر کر کے خود واپس کلکتہ ہوئے یہہ کرنل صاحب درمیان اعلیٰحضرت و مدارالمہام کار فرما تھے۔

کرنل موصوف نے دوسرے مہینے یعنے اواخر ربیع الثانی سنہ ۱۳۱۰ھ میں نواب علاءالد یہاں پہنچکر جائزہ خدمت لیا اور نواب عماد السلطنتہ بہادر کا تعلق تا واپسی نواب بشیر الدولہ بہادر از لندن برائے نام قائم رہا اعلیٰحضرت بہ نفس نفیس اجرائی کار سلطنت میں نہایت تن دہی سے مصروف رہے۔ ہر شخص کو اس امر کا افسوس ہوگا کہ نواب عماد السلطنتہ بہادر کی وزارت کس زور و شور سے شروع ہوئی اور کس پستی سے اس قدر جلد ختم ہوگئی نواب صاحب موصوف نہایت ہوشیار۔ ہونہار اور ذکی تھے۔ کار فرمائی اور معاملہ فہمی کے لئے مناسب دماغ پایا تھا۔ سب سے بڑھکر دلیری کا جوہر تھا جو اکثر اور خاصکر ابتدائے زمانہ وزارت میں نواب سلطان نواز جنگ بہادر جمعدار اعراب کے بلوے کے وقت ظہور پذیر ہوا جس سے تمام شہر پرآشوب ہوگیا تھا۔

نواب عماد السلطنتہ بہادر نے اُس وقت نہایت دلیری سے عربوں کو پابند انتظام کیا اور سلطان نواز جنگ بہادر کو کہلا بھیجا کہ اگر فوراً بلوہ فرو نہیں کیا جاتا تو صرف یہی نہیں کہ سرکار عالی ان کو کافی سزا دیگی بلکہ بذریعہ سرکار عظمت مدار تو یوں کی سلامی جو بحیثیت ریاست مکلہ وغیرہ واقع عرب حاصل ہے وہ بھی مسدود کرا دیجائیگی بہرحال وہ بلوہ رفع ہوا۔ نواب سلطان نواز جنگ بہادر پر ایک لاکھ روپیہ جرمانہ اور شہر بدر کرنے کا حکم دیا گیا جس کی تعمیل کی گئی۔ اگرچہ یہہ دونوں سزائیں کچھہ دنوں بعد بنظر تعزز جمعدار موصوف اعلیٰحضرت نے معاف فرما دیں مگر عماد السلطنتہ بہادر کی ایسی نازک وقت

میں مستقل مزاجی ظاہر ہوگئی بالآخر ناتجربہ کاری جوش جوانی اور خیالی حمایت کی امید بیجا نے سب توقعات پر پانی پھیر دیا۔ نہ اعلیٰحضرت کی مسامحت کام آئی اور نہ بیلی صاحب وغیرہ کی کوشش مصالحت مفید ہوئی۔

نازک حالت

باوجودیکہ اعلیٰحضرت نے نواب عماد السلطنۃ بہادر کو عملاً خدمت سے علیحدہ کردیا تھا مگر وہ بعض اپنے خاص احباب کے اصرار سے استعفا پیش کرنے میں متامل تھے۔ اس سے بھی اختلاف بڑھ رہا تھا جانبین کے قلوب مکدر ہو رہے تھے کاروبار سلطنت حیز التوا میں پڑے تھے۔ ایک جانب اعلیٰحضرت کے ساتھ وفاداری کا خیال۔ دوسری جانب سر سالار جنگ کے احسانات اہل خدمات و مناصب کو سخت متفکر کر رہے تھے۔ ادہر بعض وابستگان دولت اعلیٰحضرت کے سمع مبارک کو اپنے غرض آمیز حکایات و شکایات سے مملو اور ادہر بعض ابن الوقت وزارت مآب کے خیالات کو اپنے اغراض فاسدہ سے مسموم کر رہے تھے اور نہایت بے لطفی سے اوقات گزاری ہو رہی تھی۔ آخر مولوی مہدی علیخاں نے حالات واقعی کا انکشاف کر کے نواب صاحب پر برٹش حمایت کا مغالطہ ظاہر کردیا اور اعلیٰحضرت کے اصرار اور نواب صاحب کے بے سود انکار میں جو مفاسد و نقصانات پنہاں تھے اُس کی بخوبی تشریح کی اور جملہ نشیب و فراز خیر خواہانہ سمجھا کر استعفا پیش کرنے کی مناسب وقت صلاح دی خدا خدا کر کے نواب عماد السلطنۃ نے رجب ۱۳۰۴ھ میں استعفا داخل کیا جس سے اعلیٰحضرت مطمئن اور نواب عماد السلطنۃ یکسو اور بار خدمت سے سبکدوش ہوئے جہاں مولوی مہدی علی خاں کو اپنے محسن کے صاحبزادے سے استعفائے خدمت کے لئے ناگوار تحریک کرنی پڑی جو مقتضائے وقت اور مجبوراً ضروری ہوگئی تھی وہاں اُنھوں نے نواب صاحب کے لئے اعلیٰحضرت سے التماس کر کے مبلغ سات ہزار روپیہ کا پنشن قرار پانا ہوار وظیفہ مقرر کرایا اور مبلغ تیس لاکھ روپیہ زر قرضہ

جو ذمہ اسٹیٹ سالار جنگ تھا بذمہ خزانہ عامرہ سرکار عالی منتقل کرادیا۔ اس انتقال قرضہ سے نواب سر سالار جنگ بہادر کی جاگیرات درآنحالیکہ نواب سالار جنگ دوم اور نواب منیر الملک بہادر نہایت فیاض طبع تھے اور اسٹیٹ مذکور پہلے ہی سے بہت کچھ زیربار قرضہ تھا بخت خطرہ سے محفوظ رہیں۔ اگرچہ اس انتقال قرضہ کے متعلق بعہدۂ نواب آسمانجاہ بہادر مولوی مہدی علیخاں نے بہت کچھ روحی تکلیفیں اٹھائیں اس کے علاوہ جب نواب عماد السلطنت بہادر بعد سبکدوشی راہی ولایت ہوئے اور لندن میں بنظر اعزاز ذاتی و آبائی کے سی۔ آئی۔ ای۔ کا خطاب و تمغہ عطا کرنے کی تجویز اور اعلیحضرت سے اُس کی اجازت مطلوب ہوئی تو اعلیحضرت نے نہایت فراخ دلی سے اظہار خوشنودی فرماکر اجازت عطا فرمائی۔ اس سے ظاہر ہے کہ عطائے وظیفہ گرانقدر و انتقال قرضہ کثیرہ و اظہار خوشنودی بوقت عطائے تمغہ و خطاب میں پچھلے خیالات کسی طرح حارج و مزاحم نہیں ہوئے اور سابق میں جو کچھ خیالات تھے وہ محض بربنائے خامی و مغالطہ نواب عماد السلطنت تھے۔

اعلیحضرت نے بہ تقریب جشن نوروز جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۳ھ میں منجملہ اور عطائے خطابات حضرات کے فرزندان نواب امیر کبیر کو خورشید الدولہ و شمس الملک نواب شہاب جنگ بہادر کو افتخار الملک بہرام جنگ کو بہرام الدولہ۔ مولوی مہدی علی خاں منیر نواز جنگ کو محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید حسین عماد جنگ کو عماد الدولہ۔ مولوی مہدی حسن کو فتح نواز جنگ کے خطابات عطا فرمائے۔

وزارت نواب سر آسمانجاہ بہادر

پختہ مزاج اور سرد و گرم آزمودہ لارڈ رپن وایسرائے گورنر جنرل بہادر کی تجربہ کاری اور پختہ مغزی اُس اسپیچ سے بخوبی ظاہر ہے جو اعلیحضرت کی مسند نشینی کے

وقت دربار ہال میں دی تھی۔ اس تجربہ تبدیل وزارت سے والیسرائے موصوف کی روشن دماغی کا بین ثبوت ہوتا ہے کہ انہوں نے اس سلطنت عظمےٰ کی عنان وزارت کس احتیاط و تامل سے نواب عماد السلطنتہ بہادر کے ناتجربہ کار ہاتھوں میں سپرد کرنے کی منظوری دی تھی۔

لارڈ رپن کے بعد ہی لارڈ ڈفرن نے اس خدمت کی ناگوار خاطر انجام دہی اپنے ہاتھوں سے کر کے اولاً کرنل مارشل کو اعلیحضرت کی پیشی مبارک میں مقرر کیا اور بعدہ نواب آسمانجاہ بہادر امیر کبیر کو عہدہ وزارت تفویض فرمایا۔

نواب آسمانجاہ بہادر جمادی الثانی ۱۳۰۴ھ میں بہ نظر مبارکباد جشن جوبلی بجناب ملکہ عالیہ وکٹوریہ عازم لندن ہوئے تھے اور ہنوز واپس بلدہ نہیں ہوئے تھے کہ وزارت عظمےٰ پر سرفراز ہونے کی خوشخبری گوش گزار ہوئی۔

بلحاظ درجہ امارت نواب سر خورشید جاہ بہادر وزارت عظمےٰ کے لئے زیادہ موزوں تھے مگر جو جاں نثاری اور اہلیت نواب بشیر الدولہ بہادر آسمانجاہ کو ذات ہمایوں کے ساتھ تھی اس پر نظر فرما کر اعلیحضرت نے ان کو ترجیح دی اور ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ میں اس خدمت عالیہ پر تقرر فرما دیا۔ اور شوال آئندہ میں بانعقاد دربار بعطائے ہفت جواہر و خلعت خاص نواب نظام علی خان بہادر خدمت مذکور پر مستقل فرما دیا اور کونسل آف اسٹیٹ کی ممبری پر نواب منیر الملک بہادر نواب آصف یار الملک بہادر اور حسام الملک خانخاناں بہادر کو مقرر فرمایا اور کرنل مارشل بدستور چندے پیشی میں کارگزار رہے۔ نواب بشیر الدولہ بہادر نہایت مستقل مزاج اور سنجیدہ امیر تھے۔ انھوں نے نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین صوبہ دار اور نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی معتمد مال کا باہمی تبادلہ کر کے مشتاق حسین کو اپنی پیشی میں بلحاظ ان خدمات کے جو مولوی صاحب موصوف نے

بزمانہ سابق ادا کئے تھے مقرر کیا اور بعد چندے عملاً نظم و نسق ملک انہیں کے مضبوط ہاتھوں میں دیدیا مدتوں کی بے انتظامی اور دفتر کی پراگندگی اور انواع و اقسام کی ملکی بدانتظامی نواب انتصار جنگ بہادر کی شبانہ روز کوششوں سے دور ہوگئی۔

کرنل مارشل بضرورت اختلاف فیمابین اعلیحضرت و مدارالمہام پیشی اقدس میں مقرر ہوئے تھے اور اب بوجہ تقرر سر آسمانجاہ بہادر وہ سب اختلافات رفع ہوگئے کرنل مارشل کی ضرورت نہ رہی مگر قبل اس کے کہ صاحب موصوف خدمت موصوفہ سے علیحدگی اختیار کریں اُن کے زمانہ کارگزاری میں دو اہم امور وقوع پذیر ہوئے اول نواب گورنر جنرل بہادر کی خدمت میں اعلیحضرت کی جانب سے مبلغ ساٹھ لاکھ روپیہ نقد بغرض استحکام قوت فوجی بھیجا جانا جس سے آخر امپیریل سروس ٹروپس کی بنیاد پڑی اس عظیم المقدار رقم کا چیک بذریعہ سردار عبدالحق دلیر جنگ بہادر بمقام شملہ وایسرائے وقت کی خدمت میں پیش ہوا تھا اور نواب گورنر جنرل نے اس شاہانہ فیاضی کا شکریہ ادا کیا مگر اس شاہانہ عطیہ کے وجوہ و اسباب اور حالات پر طرح طرح کے خیالات ظاہر کئے گئے۔

سینٹ جیمس گزٹ لندن مورخہ ۶ر اپریل لکھتا ہے کہ ”حضور نظام دکن کی طرف سے رقم مذکور کا پیش ہونا تو ثابت ہے۔ مگر اس کے پیش کرنے کے کیا اسباب ہوئے ہنوز صیغہ راز میں ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مدارالمہام ریاست کو اس کا علم بعد وقوع واقعہ ہوا جس کو اعلیحضرت نے بہ ہمت مردانہ قائم رکھا یہ بھی معلوم ہوا کہ معتمد فینانس و پولٹیکل مہدی علی خاں جو اپنے خدمات کے لحاظ سے ایسے معاملوں میں متوجب رائے زنی تھے اُن سے بھی کسی قسم کا مشورہ نہیں لیا گیا“ پال مال گزٹ مورخہ ۱۷ر اپریل میں لکھتا ہے کہ ”اب مسٹر عبدالحق معزول ہوگئے ہیں امید ہے کہ اس ساٹھ لاکھ کی رقم کا حال جو حضور نظام نے برٹش گورنمنٹ کے نذر کی ہے تنقیح صحیح معلوم ہوگا۔“

اسی طرح اس ساٹھ لاکھ روپیہ کا ذکر ولایت کے بہت سے اخباروں میں بسلسلہ کارروائی معاملہ معدنیات متعلقہ مسٹر عبدالحق سردار دلیر جنگ بہادر آیا ہے۔

طاب نائٹ

دوسرا اہم معاملہ جو بزمانہ کرنل مارشل واقع ہوا وہ معاملہ معدنیات ہے جس کا تفصیلی حال آئندہ ہدیہ ناظرین ہوگا نواب بشیر الدولہ بہادر ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے بخطاب کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ممتاز ہوئے جس کا دربار رزیڈنسی میں ہوا اور اعلیٰحضرت بنفس نفیس شریک دربار ہوکر باعث مزید رونق جلسہ ہوئے۔ ذیقعدہ ۱۳۰۵ھ میں جب

ت کناٹ

مدارالمہام شملہ گئے تھے تو ڈیوک آف کناٹ فرزند اصغر ملکہ وکٹوریہ کو حیدرآباد آنے کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ صاحب موصوف جمادی الاول ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں رونق افروز بلدہ ہوئے جن کی تشریف آوری میں وہی سامان کیا گیا جو اہتمام گورنر جنرلوں کے لئے کیا جاتا ہے۔

وزرائے سابق

یہہ عجیب اتفاق ہے کہ راجہ نریندر پرشاد بہادر اور اُن کے بعد نواب عمادالسلطنة جن دونوں کی وزارتیں بالکل غیر مترقبانہ ہاتھ سے جاتی رہی تھیں اور اس نقصان سے سخت آزردہ ہوئے تھے۔ وہ دونوں اسی سال رہگرائے عالم بقا ہوئے راجہ صاحب ماہ رمضان میں اور نواب ماہ ذیقعدہ میں اور چھ سات مہینہ کے بعد نواب نیرالملک بہادر برادر خرد نواب عمادالسلطنة بہادر کا بھی انتقال ہوگیا۔

اعلیٰحضرت کو اس خاندان سے نہایت ہمدردی ہے کہ باوجود کجرفتاری عمادالسلطنة بہادر نواب نیرالملک بہادر کو ممبر کونسل آف اسٹیٹ اور تادم واپسیں معین المہام فوج و مال قائم رکھا اور بعد رحلت نواب نیرالملک بہادر اسٹیٹ سالار جنگ کے بذات خود نگراں رہے اور تمام خاندان سے پوری عملی ہمدردی رکھی۔ حتیٰ کہ ہمارے حضور پر نور نے نواب سالار جنگ ثالث کو مدارالمہامی سے بھی سرفراز فرمایا۔ بعد انتقال نواب نیرالملک بہادر معین المہامی کے اس عہدہ پر

نواب وقار الامرا بہادر کا تقرر ہوا اور بہ تقریب جشن سالگرہ ۱۳۰۳ھ چالیس حضرات کو مختلف خطابات عطا فرمائے گئے۔

مسٹر جیکب۔ ایک یہودی تاجر الماس تھا۔ اس کے پاس ایک نہایت قیمتی ہیرا موسوم بہ امپیریل ڈائمنڈ تھا۔ مسٹر جیکب اعلیحضرت کی خدمت میں بہ سفارش شاہ ایڈورڈ جو اس وقت پرنس آف ویلز تھے حاضر ہوا اور ہیرا پیش کیا۔ اعلیحضرت نے اس کو ملاحظہ کیا اور اس کی قیمت بشرائط چند چالیس لاکھ قرار پائی لیکن اس قدر گراں قیمت پر ایک ہیرا خریدا جانا درآنحالیکہ مسٹر عابد کی جیب میں اس کا ایک معتدبہ حصہ بطور دستوری جانے والا تھا مسٹر فلیٹر برگ رزیڈنٹ کو ناگوار ہوا اور وہ بہ نظر خیرخواہی خزانہ مزاحم دادوستد ہوئے۔ اعلیحضرت نے فرمایا کہ الماس مذکور ابھی قطعی طور سے نہیں خریدا گیا بلکہ پسند ناپسند کی شرط پر امانتاً لیا گیا ہے جو مسٹر جیکب کے بالکل خلاف تھا کیونکہ اس سے صاف ظاہر تھا کہ معاملہ مذکور جس کو وہ طے شدہ سمجھے ہوئے تھا زیر تجویز ہے۔ جب واپسی الماس پر اصرار و انکار ہوا تو مسٹر جیکب کے برتاؤ سے بالآخر بصیغہ فوجداری نالش کی ضرورت داعی ہوئی اور اعلیحضرت کا بیان بذریعہ کمیشن قلمبند کیا گیا۔ اس قسم کی شہادت سے اعلیحضرت کو باز رکھنے کے لئے بہت کچھ شور و غوغا کیا گیا مگر اعلیحضرت نے انصاف پژوہی کے خیال سے شہادت دینا ناپسند نہ فرمایا۔ ان کی شہادت بہت طول وطویل لی گئی اور کلکتہ میں مقدمہ دائر کیا گیا۔ مدعی علیہ کی جانب سے یہہ عذر پیش ہوا کہ اعلیحضرت تاجدار دکن ہیں ان کے خلاف کسی عدالت صیغہ فوجداری سے کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی۔ لہذا کل شہادت قلمبند شدہ بیکار کر دی گئی۔ بعدہ یہہ الماس نواب فتح نواز جنگ بہادر کی مابعد کارروائی سے کم قیمت پر خرید لیا گیا جو ہنوز موجودہ خزانہ عامرہ ہے۔ مگر اعلیحضرت کو شہادت بیکار جانے سے ایک گونہ افسوس ہوا۔ ہیرے کا مقدمہ

کمپنی معدنیات دکن

نواب سر سالار جنگ بہادر نے بہ نظر افادۂ دولت معدنیات واقع ممالک محروسہ سے فائدہ اُٹھانے کی خواہش کی تھی۔ اُس وقت دکن میں بحیثیت کمپنی مختلف سرمایہ داروں کی مالی اعانت سے یورپین طریق پر کارروائی کرنے اور سمجھنے کی قابلیت علی العموم کم تھی مسٹر عبدالحق اس سے پہلے ریلوے کمپنی کا لندن میں تقرر کر چکے تھے لہذا بہ سفارش بعض اعلیٰ عہدہ داران اُنہیں کو اس کا اہل سمجھکر ولایت میں اُس کے لئے بھی ایک کمپنی قائم کرنے کی سند عطا فرمائی گئی۔

سرکار عالی کا ملک تمام اقسام کے معدنیات سے لبریز ہے۔ سونا۔ چاندی لوہا۔ تانبا۔ ہیرا۔ اور کوئلہ وغیرہ مختلف حصص ملک میں زیر زمین پھیلے ہوئے ہیں اُنہیں چیزوں کا ٹھیکہ مسٹر ڈائسن اور مسٹر اسٹوارٹ کو ۱۸۸۵ء میں ننانوے سال کے لئے بذریعہ مسٹر عبدالحق عطا کیا گیا اور لندن میں جو کمپنی بنائی گئی اس کا حیدرآباد دکن مائننگ نام رکھا گیا۔

مسٹر عبدالحق بعد کو سردار دلیر جنگ دلیر الدولہ دلیر الملک بہادر سی۔ آئی۔ ای ہوم سکرٹری سرکار عالی بہ سفارش مسٹر کارڈری رزیڈنٹ حیدرآباد ہوئے اس کمپنی کے دس دس پونڈ کے ایک لاکھ حصے قیمتی دس لاکھ پونڈ مقرر کئے گئے۔ منجملہ ایک لاکھ حصص مذکورۂ بالا کے پچاسی ہزار حصہ دونوں صاحبوں (مسٹر ڈائسن و مسٹر اسٹوارٹ) نے اپنے نام مشتہر کئے اور بیان کیا کہ ان حصوں کی پوری قیمت وصول ہوچکی ہے حالانکہ ان کا ایک حبہ بھی حوالہ کمپنی نہیں کیا گیا تھا بقیہ پندرہ ہزار حصے بھی انہیں دونوں حضرات نے صرف بقیمت پانچ پونڈ فی حصہ خرید لئے مسٹر عبدالحق نے جو انتخاب مسٹر ڈائسن اور مسٹر اسٹوارٹ کا کیا تھا وہ ولایت میں سخت مشتبہ نظروں سے دیکھا جاتا تھا چنانچہ

اس کا ظہور بہت جلد ہو گیا۔ اس طرح صرف پچھتر ہزار پونڈ کاروبار میں لگائے گئے جس کا مطلب یہ ہوا کہ پچھتر ہزار کی مالیت سے جو فائدہ ہو وہ دس لاکھ کے حصوں پر تقسیم کیا جائے درآنحالیکہ کل ایک لاکھ حصے انہیں کے ہاتھ میں تھے ایسی حالت میں ناممکن تھا کہ کسی شخص کو اس کمپنی کے حصص خریدنے کی رغبت ہوتی۔ چنانچہ جب لوگوں نے حصص کی خریداری سے احتراز کیا تو لندن کے بازاروں میں ان حصص کے متعلق فریبی کارروائی شروع کر دی گئی۔ اسٹوارٹ نے اپنے حصہ ڈائیسن کے نام اور ڈائیسن نے اپنا حصہ اسٹوارٹ کے نام محض من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو کے اصول پر فروخت کر کے نمائشی کارروائی شروع کی مگر اس سے ہوتا کیا ان دونوں نے عبدالحق کو عبدالحق نے سالار جنگ ثانی کو اور سالار جنگ ثانی نے اعلیٰحضرت کو خریداری حصص پر آمادہ کیا اور مسٹر کارڈری رزیڈنٹ اور کرنل مارشل پرائیویٹ سکریٹری نے گورنمنٹ نظام کو خریداری حصص کمپنی سے فائدہ اٹھانے کی تحریک کی ادہر نواب لائق علی خاں خدمت وزارت سے مستعفی ہوئے اور ادھر باجازت گورنمنٹ ہند مسٹر عبدالحق بحیثیت وکیل سرکار نظام و جوبلی کمشنر لندن گئے اور خرید حصص کی تحریری منظوری دستخطی اعلیٰحضرت حاصل کر لی مسٹر عبدالحق اور ان کے ساتھیوں کے پاس پچاسی ہزار حصے قیمتی ساڑھے آٹھ لاکھ پونڈ تو بلا قیمت تھے اور پندرہ ہزار حصے صرف پانچ پونڈ فی حصہ کے حساب سے خریدے گئے تھے انھیں میں سے مسٹر موصوف نے ایک لاکھ اکتیس ہزار دو سو پچاس پونڈ کے حصے سرکار عالی کے نام فروخت کر ڈالے اور حیدرآباد میں کرنل مارشل کو تار دیا کہ بڑی مشکل سے سرکار نظام کے لئے بارہ پونڈ اور سات پونڈ فی حصہ کے حساب سے ساڑھے گیارہ ہزار حصے ایک لاکھ اکتیس ہزار دو سو پچاس پونڈ کے خریدے گئے۔ حیدرآباد سے جواب دیا گیا کہ بہت خوب معاملہ کیا۔ اگرچہ مسٹر عبدالحق کو صرف ایک لاکھ بیس ہزار پونڈ کے حصوں کی اجازت تھی مگر چونکہ وہی خریدار اور وہی بائع تھے اور منفعت کے

حصوں کی فروخت گراں نرخ پر بے تکلف ہو سکتی تھی [illegible] بہت زیادہ
حصے سرکار عالی کے نام منتقل کر دئے اس کے علاوہ اٹھارہ ہزار [illegible] پچاس پونڈ
بنام اخراجات ضروری متعلقہ خریداری حصص وجہ حساب سرکار عالی [illegible] بالفاظ دیگر
یہہ مطلب ہوا کہ سرکار نظام نے اپنے تمام معدنیات ننانوے سال کے لئے معرفت
عبدالحق کے ڈائیں وغیرہ کو دے اور اس عطیہ کے مفت قبول کرنے کے لئے
ساڑھے آٹھ لاکھ پونڈ اور نذر دئے اور اس وقت اعلیحضرت صرف اکیس سالہ تھے
نواب عماد السلطنة بھی نوجوان اور مستعفی ہو چکے تھے اس قسم کے پیچیدہ معاملات کیطرف
توجہ کرنے کا موقع یہاں کے معزز اہل خدمات کو بہت کم دیا گیا۔ مہاراجہ نریندر پرشاد
مولوی مہدی علی خاں اور مولوی مشتاق حسین بالکل تاریکی میں رکھے گئے جب رفتہ رفتہ
لندن میں یہہ معاملہ طشت از بام ہوا تو وہاں کے اخباروں نے مسٹر کارڈری رزیڈنٹ
اور کرنل مارشل پرائیویٹ سکریٹری اعلیحضرت۔ اور سر جان گارسٹ برٹش منسٹر پر اس
معاملہ کے متعلق بہت لے دے کی اور صاف الفاظ میں بیان کیا کہ عبدالحق سرگزشین
ہو کر ان سب کو اپنے گرد چکر دے رہا ہے۔

سینٹ جیمس گزٹ لندن مورخہ ۲۰ اپریل کا یہہ سوال کہ سر جان گارسٹ کو
خزانہ حیدرآباد سے ایک لاکھ روپیہ ۱۸۸۴ء میں کس خدمت کے معاوضہ میں دیا گیا
معنی خیز ہے ورآنحالیکہ اس تعہد کی ابتدائی تحریک گورنمنٹ نظام سے ۱۸۸۳ء
میں ہوئی تھی۔

جب حیدرآباد میں بعد نواب سر آسمانجاہ بہادر عبدالحق کی فریبانہ کارروائی کا
علم ہوا تو اُن کی معطلی اور موقوفی کے فی الفور احکام جاری ہوئے۔ پارلیمنٹ لندن
میں کمیشن کی نشست ہوئی اور مولوی مہدی علی خاں شہادت کے لئے لندن
طلب ہوئے نواب فتح نواز جنگ بہادر میر مجلس عدالت عالیہ بھی گئے جہاں

صاحب موصوف نے تحقیقات کمیشن بالا میں کافی مدد دی اور مسٹر جیکب سے ہیرے کا آخری تصفیہ کیا اور بہت عرصہ تک اسکی پیچیدہ کارروائی ہوتی رہی۔ آخر بمبئی کے ہائیکورٹ میں گورنمنٹ نظام اور عبدالحق میں بشرائط چند مصالحت ہوگئی۔ اس سے قبل مسٹر عبدالحق کو بصلۂ کارگزاری اجرائی ریلوے کمپنی جو پانچ فیصدی ضمانت سرکاری پر جاری کی گئی تھی سرکار عالی سے سولہ ہزار پونڈ عطا ہوئے تھے اور دوسری جانب انھوں نے چھیاسی ہزار پونڈ بطور کمیشن رقم سرمایہ پر وصول کئے باوجود اس کے پھر انھیں کو اجرائی کمپنی معدنیات کے لئے تکلیف دی گئی جس میں انھوں نے ساڑھے آٹھ لاکھ پونڈ بشمول اپنے اور دو دوستوں کے حاصل کئے (ساڑھے آٹھ لاکھ پونڈ کے تقریباً ڈیڑھ کروڑ حالی ہوتے ہیں) مسٹر عبدالحق کی اوالعزمی کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ ایک روز نکاح والی واقع لندن کا ہوٹل کرایہ پر لیکر جلوس شاہی دیکھنے کے لئے اپنے چند دوستوں کی دعوت کی تواضع و مدارات میں دو ہزار پونڈ جس کے تیس ہزار روپیہ کلدار ہوتے ہیں صرف کر ڈالے۔

ریلوے لائن

اس عہد ہمایونی زمانہ محبوب شاہی میں منجملہ ہزاروں برکتوں کے ایک نعمت اجرائی ریلوے کی ہے۔ قبل وجود باجود اعلیحضرت ریلوے کا اس ملک میں کہیں نام ونشان بھی نہ تھا بلکہ اقطاع ہند میں بھی بہت کم جاری تھی اجرائی ریلوے کے فوائد محتاج تشریح نہیں ہیں اس سے رعایا و سلطنت کو بیحد سہولت و آرام و امن امان ہوگیا ہے ریاست عالیہ میں دو پیمانوں کی ریلوے ہے ایک قدیم لائن چوڑی پٹری کی اور دوسری جدید لائن تنگ پٹری کی جو صرف گوداوری ویلی ریلوے ہے۔

چوڑی پٹری کی ریل واڑی سے حیدرآباد و سکندرآباد تک ۱۲۱ میل ہے

جو ابتداءً ۱۸۷۰ء میں شروع ہوئی اور ۱۸۷۴ء میں نواب سرسالار جنگ اول اور امیر کبیر نے ترملگیری جاکر اس کا افتتاح فرمایا اور بڑی دھوم سے باغ عامہ میں جلسہ کیا گیا دوسرے حصہ ریلوے (سکندرآباد سے ورنگل تک) کا افتتاح اعلیحضرت نے بنفس نفیس ۲ اپریل ۱۸۸۶ء کو فرمایا جب کہ نواب عماد السلطنۃ ہمراہ رکاب اعلیحضرت قاضی پیٹھ تک گئے تھے جلسہ ہوا اور باغ عامہ میں دعوت بڑے اہتمام سے ہوئی۔

اس کے علاوہ سکندرآباد سے فوجی ضروریات کے لئے ترملگیری تک ریلوے کی توسیع کی گئی۔ اور فروری ۱۸۸۸ء و ۱۸۸۹ء میں ورنگل سے بجواڑہ تک ریل جاری ہوگئی یہ لائن بصرف مبلغ دس لاکھ پونڈ معادل ایک کرور تیس لاکھ روپیہ تیار ہوئی جس کا خرچ خزانہ عامرہ سے دیا گیا اور دس برس یعنی ۱۸۸۴ء تک بملکیت خاص بنام حیدرآباد اسٹیٹ ریلوے رہی بعدہ کمپنی قائم ہوئی اور یکم جنوری ۱۸۸۵ء سے موجودہ نام نظام گیارنٹیڈ اسٹیٹ ریلوے کمپنی کے نام سے مشہور ہوئی۔ سرکار عالی نے کمپنی مذکور کے ہاتھ ۱۶ لاکھ ۶۶ ہزار پونڈ میں فروخت کردی اور بیس سال تک پانچ روپیہ فیصدی سود کی ضمانت کی کمپنی نے اپنا سرمایہ ولایت میں ۴۵ لاکھ پونڈ کا قرار دیا۔ ۱۸۹۷ء میں تخمیناً چار کرور کے صرف سے حیدرآباد سے منماڑ تک تقریباً چار سو میل بنام حیدرآباد گوداوری ریلوے شروع ہوکر ۱۹۰۰ء میں جاری ہوگئی۔

اس قدیم ریلوے لائن سے مالی فائدہ کا اندازہ یوں ہوسکتا ہے کہ ۱۸۷۴ء میں بعد منہائی اخراجات صرف آٹھ ہزار روپیہ کی بچت ہوئی تھی مگر بیس سال بعد ۱۸۹۴ء میں تین لاکھ سات ہزار روپیہ کی بچت ہوئی۔

جس پانچ روپیہ فیصدی منافع کی سرکار عالی ذمہ دار ہے وہ رقم بعد منہائی ایک فیصدی حصہ داروں کو تقسیم کردی جاتی ہے۔ ایک فیصدی اصل سرمایہ میں بنظر ضروریات رکھ لیا جاتا ہے اور کمپنی کی طرف سے بعد اخراجات کل ششماہی رقم خزانہ سرکار عالی

میں داخل کر دیجاتی ہے آمدنی کے لحاظ سے رقم تقسیم زر منافع کی جسقدر زیادتی ہے وہ بطور قرض کمپنی کے ذمہ قرار دیا گیا ہے جو بوقت انقضائے مدت مقررہ سرکار کو واپس حسب شرائط ملنا چاہئے۔

قدیم ریلوے لائن کی مدت مقررہ گزر چکی اور حسب قرار داد ریلوے لائن قدیم تفویض سرکار عالی ہوگئی جسے سرکار عالی نے اپنی مرضی سے دوسری کمپنی کو کام کرنے کے لئے سپرد کر دیا ہے۔

شفاخانجات یونانی

اعلیحضرت نے ۱۳۰۱ف و ۱۸۹۱ء میں بغرض سہولت عامہ خلائق بلدہ اور دیگر مقامات میں مطب یونانی کھولدیا ہے۔ اور کُل اخراجات اسی طرح رکھے ہیں جس طرح صیغہ ڈاکٹری سے متعلق ہیں مگر اس کا تعلق ناظم طبابت سے نہیں رکھا گیا جو علی العموم رزیڈنسی سرجن ہوتا ہے بلکہ اس کا تعلق ہوم آفس یعنے دفتر معتمد عدالت وامور عامہ سے ہے۔

اجرائی مطب یونانی سے رعایا کی بہبود و سہولت مدنظر ہے کیونکہ اکثر رعایا انگریزی طریق علاج کی خوگر نہیں اور بعض لوگ جو مذہباً زیادہ پابند ہیں وہ انگریزی اودویہ کے استعمال میں احتیاط بلکہ احتراز کرتے ہیں اور یونانی طریقہ علاج یہاں کا قدیم طریقہ ہے جسکی علی العموم رعایا عادی ہے۔

اسطرح رعایا کے فلاح کے ساتھ طب یونانی کے مردہ قالب میں روح تازہ پھونکی گئی ہے۔ اسی سال سرکار عالی نے بمزید مراحم پوسٹ کارڈوں کا اجرا فرمایا جو صرف پاؤ آنہ کے خرچ سے تمام ملک محروسہ میں جاتے ہیں۔

پوسٹ کارڈ

مسٹر پلوڈن رزیڈنٹ

جب مسٹر ٹی۔ سی۔ چچلی پلوڈن ۱۸۹۱ء میں رزیڈنسی کشمیر سے رزیڈنسی حیدرآباد

تشریف لائے تو اُس وقت نواب بشیر الدولہ سرآسمانجاہ بہادر بر سر وزارت اور مولوی مہدی علیخاں معتمد پولٹیکل وفینانس مولوی مشتاق حسین معتمد مال اور مولوی مہدی حسن ہوم سکریٹری تھے اخبار پائنیر نے مسٹر پلوڈن کی نسبت جب وہ وظیفہ یاب ہوئے یہاں کے گذشتہ حالات مدنظر رکھکر نہایت صحیح لکھا تھا کہ مسٹر پلوڈن بجائے اسکے کہ کسی پولٹیکل خدمت پر مامور ہوتے اپنے میلان خاطر کے لحاظ سے زیادہ تر فوجی خدمت کے لئے موزوں تھے۔

مسٹر پلوڈن جب ریاست کشمیر کی رزیڈنسی پر مامور تھے۔ تو ان کی پولٹیکل کارروائیوں سے یہاں کے بعض حلقوں میں جبکہ اُن کا تقرر یہاں تجویز ہوا ایک گونہ تشویش پیدا ہوئی اور غالباً گورنمنٹ ہند سے التوائے تقرر کی استدعا بھی کی گئی جو سودمند نہ ہوئی مسٹر پلوڈن کا زمانہ رزیڈنسی حیدرآباد میں بڑا معرکتہ الآرا رہا۔

مولوی مہدی حسن سب سے پہلے مولوی مہدی حسن فتح نواز جنگ بہادر ہوم سکریٹری کا معاملہ پیش ہوا ایک گمنام پمفلٹ جس میں ہوم سکریٹری صاحب کی یورپین لیڈی کی تضحیک تھی شائع کیا گیا۔ یہ پمفلٹ پہلے بھی بعہد رزیڈنسی مسٹر فیٹسپٹرک تیار ہوا تھا اور ان کے ملاحظہ میں لایا گیا تھا۔ مگر انھوں نے اپنی شریف النفسی سے ایسے غلیظ معاملہ کو پبلک میں لانے کی اجازت نہیں دی پس وہ مصالحہ آیندہ کسی مناسب موقع کے انتظار میں رکھا رہا جس کا وقت اب آگیا تھا پمفلٹ کے ملاحظہ کرتے ہی مسٹر پلوڈن نے ہوم سکریٹری کو عدالت میں چارہ جوئی کرکے صفائی حاصل کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ قبل اس کے مسٹر مہدی حسن مع اپنی لیڈی کے لندن گئے تھے اور وہاں علاوہ بڑے بڑے اُمرا اور لیڈیوں کے ملکہ معظمہ وکٹوریہ سے بھی ملے تھے لہٰذا ایسی لیڈی جس کی تضحیک پمفلٹ مذکور میں تھی کسی طرح ملکہ معظمہ سے ملنے کی اہلیت نہیں رکھ سکتی تاوقتیکہ اس کی صفائی علی رؤس الاشہاد نہ ہوجائے۔

اس پمفلٹ کی تیاری بڑے بڑے ذی اثر حضرات کی خفیہ امداد و اعانت سے برسوں میں ہوئی تھی جس میں اہتمام بلیغ اور صرف کثیر عمل میں آیا تھا۔
بہتر ہوتا کہ مآل کار پر نظر رکھ کر مولوی مہدی حسن خدمت سے سبکدوش ہوجاتے اور نالش کرکے اور ہاری ہوئی لڑائی لڑکے اپنی مزید تضحیک کے باعث نہوتے کیونکہ یہ مقدمہ محض عدالتی نہ تھا بلکہ پولیٹیکل پہلو لئے ہوئے تھا لیکن وہ نالش کرکے صفائی حاصل کرنا باعتبار اپنے رتبہ کے زیادہ مناسب سمجھے مسٹر مترا ایک نووارد بنگالی فریق مخالف پمفلٹ نویس قرار دیا گیا۔ اور عدالت رزیڈنسی میں نالش دائر کردی گئی۔ چونکہ فریق مخالف نے پہلے سے تمام تیاریاں کرلی تھیں لہذا مولوی مہدی حسن کو کسی طرح کی کامیابی نہوئی اور بعد بہت سی طول طویل بیرونی شہادتوں کے جن کے لئے مسٹر نارٹن بیرسٹر مدراس نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں منجانب مدعا علیہ عرصہ دراز تک دورہ کیا تھا جج صاحب نے اس مقدمہ کا مختصر فیصلہ سنا دیا کہ مقامات مندرجہ پمفلٹ حدود رزیڈنسی سے خارج ہیں لہذا مقدمہ کی سماعت یہاں نہیں ہوسکتی مولوی مہدی حسن نے بمصداق بعد خرابی بصرہ خواجہ بیدار شد خدمت سے استعفا دیا اور رخصت ہوگئے۔

امپیریل سروس ٹروپس

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ کرنل مارشل پرائیوٹ سکریٹری اعلحضرت کے زمانہ میں مسٹر عبدالحق بوم سکریٹری گورنمنٹ نظام کے توسط سے اعلحضرت کی جانب سے مبلغ ساٹھ لاکھ روپیہ بہ نظر حفاظت سرحد شمال و غرب گورنمنٹ ہند کی خدمت میں پیش کرنے کی تجویز ہوئی تھی لندن میں اس پیش قرار رقم نذرانہ کے متعلق بہت سے مضامین شائع ہوئے لیکن گورنمنٹ ہند نے کچھ عرصہ تک اس نذر کے متعلق

عملی کارروائی نہیں کی جب لارڈ ڈفرن گورنر جنرل پٹیالہ میں کسی غیر معمولی تقریب میں شریک ہوئے تو وہاں کی شاہی اسپیچ میں حضور نظام کی فیاضی کا ذکر کرکے تمام رؤسائے ہند کو اس میں شریک ہونے کی دعوت دی یعنے ساٹھ لاکھ روپیہ نقد جو حضور نظام نے برٹش گورنمنٹ کو دینا تجویز کیا تھا اس کو نواب گورنر جنرل بہادر نے بجنسہ منظور نہیں فرمایا بلکہ بجائے ساٹھ لاکھ روپیہ نقد کے اعلحضرت سے ایک دستۂ سواران مرتب کرنے کی درخواست کی جس کا کل خرچ ذمہ سرکار عالی ہمیشہ کے لئے ہو اور وہ امپیریل سروس ٹروپس کے نام سے نامزد ہوکر حدود حیدرآباد میں زیر عہدہ داران مقامی مصروف مشق ہائے جنگی رہا کرے اور جب برٹش گورنمنٹ کو اس حصۂ فوج کی ضرورت ہو اُس وقت حدود ریاست کے باہر زیر کمانڈ عہدہ داران انگریزی برٹش مفاد کے لئے جنگ آزمائی کرے۔

مشتاق حسین نواب وقارالملک بہادر نے اس تجویز سے بایں وجوہ اختلاف کیا کہ درآنحالیکہ سرکار عالی کے اخراجات کثیر سے فوج سب سیڈیری اور فوج کن ٹن جنٹ دو دو فوجیں موجود ہیں ان دو فوجوں کے علاوہ صلابت خاں کا رسالہ پلٹنیں توپ خانہ جن کا صرف چودہ لاکھ سالانہ تھا سرکار نظام کے تحت سے نکال کر کن ٹن جنٹ میں منضم کردیا گیا ہے اس طرح سے کہ راجہ چندولال نے اعلیٰ حضرت کو اس کی خبر بھی نہ کی اس کے کئی برس بعد اورنگ آباد میں جو سرکاری فوج تھی وہ بھی کن ٹن جنٹ میں شامل کرلی گئی تو اب تیسری فوج کا بار کیوں ریاست پر ڈالا جائے اور درآنحالیکہ مختلف وجوہ سے فوج سب سیڈیری کا شمار بڑھا کر ایک کرور سے زیادہ کا ملک بلاری اور کڑپہ اُس کے مصارف کے لئے لے لیا گیا اور یہ شرط کی گئی کہ آیندہ ملک نہ لیا جائیگا اس کے بعد چندولال کے اندھا دھند زمانہ میں کنٹنجنٹ کا خرچ اور شمار رفتہ رفتہ بڑھا کر اس درجہ کردیا گیا جس کی ادائی بروقت نہ ہوسکی اور سرکار عالی کو چار ناچار ملک برار

بھی تفویض کرنا پڑا تو اب کیا یہہ اندیشہ نہیں کیا جاتا کہ اس تیسری فوج امپیریل سروس ٹروپس کا خرچ کسی نہ کسی وجہ سے بڑھتا جائے جس کی روک تھام سرکار عالی کے حیطہ اقتدار سے خارج ہو اُس وقت خرچ کے ادا نہونے سے پھر ملک کا کوئی صوبہ فوج مذکور کے خرچ کے واسطے علحدہ اور تفویض سرکار عظمت مدار کرنا پڑے۔

اس قسم کے اعتراضات سرکار عالی کی طرف سے بارہا کئے گئے خواہ وہ اعتراضات کیسے ہی قوی ہوں مگر برٹش گورنمنٹ کا منشا یہہ تھا کہ پہلے حیدرآباد میں فوج مذکور کی بنیاد قائم ہو جائے جہاں سے ساٹھ لاکھ کے صورت میں اُس کی ابتدائی تحریک ہوئی تھی تو دوسرے روسا کو اسی نقش قدم پر چلنے کے لئے اسی قسم کی فوج کی تیاری اور ترتیب کی صلاح دیجائے یونہیں رفتہ رفتہ تمام ہندوستان میں ایک جدید جرار فوج بلا خرچ تیار ہو جائے لیکن سرکار عالی کی طرف سے جس کے اس وقت دست قلم مولوی مشتاق حسین تھے اس قسم کے مسلسل اعتراضوں سے گورنمنٹ ہند کا مقصد فوت ہوا جاتا تھا۔ مولوی مشتاق حسین زمانہ شناس اور مصلحت بین نہ تھے اور اپنی رائے پر باوجود نقصان ذاتی مصر تھے لہذا وائسرائے کی منظوری سے ان کے ہٹائے جانے کا مسئلہ فی الفور طے کر لیا گیا۔ چنانچہ قبل اس کے کہ ۱۸۹۲ء م ۱۳۱۰ھ میں نواب وائسرائے بہادر حیدرآباد تشریف لائیں مولوی مشتاق حسین صاحب خدمت سے سبکدوش اور ملک سے علحدہ کر دئے گئے۔

مولوی مشتاق حسین صاحب کے رخصت ہوتے ہی لارڈ لینڈ وون گورنر جنرل ہندوستان رونق افروز بلدہ ہوئے۔ صاحب ممدوح نے دربار ہال میں جو معمولی اسپیچ دی اس میں نواب سر آسمانجاہ بہادر کی وزارت عظمیٰ کا کوئی ذکر نہیں کیا اور وقار عالیشان بہادر کی تعریف کر کے حضور پُر نور کو اصلاح ملک کی جانب متوجہ ہونے پر مبارکباد دی۔ عموماً اصلاح مذکورۂ بالا سے مراد مولوی مشتاق حسین صاحب کی علحدگی سمجھی گئی۔

امپیریل سروس ٹروپس واقع حیدرآباد میں آٹھ موسولہ سوار ہیں پہلے اس کا سالانہ خرچ (ملے ہے) روپیہ تھا مگر اب پانچ لاکھ سے زائد ہے۔

مولوی مشتاق حسین صاحب کی یہ علٰحدگی دوسری مرتبہ تھی اول جبکہ ان کا تعلق خدمت نواب بشیرالدولہ بہادر کے تحت میں تھا اور فیمابین نواب ممدوح و امیر کبیر بزمانہ سرسالارجنگ اول بعض حقوق کی نسبت بحث تھی اُس وقت مولوی موصوف نے بوثائق و دلائل نواب بشیرالدولہ بہادر کی حمایت کی تھی جس وجہ سے نواب امیر کبیر بہادر نہایت برافروختہ ہوکر مولوی مشتاق حسین کے سخت مخالف ہوگئے تھے اور ان کا علٰحدہ ہوجانا قرین مصلحت سمجھا گیا اگرچہ انہیں دلائل اور وثائق پر بعد کو سرسالارجنگ اول اور گورنمنٹ ہند نے فیصلہ کیا جب اعلیٰحضرت کی تخت نشینی ہوئی تو مولوی موصوف باجازت لارڈ ... گورنر جنرل پھر خدمت پر بحال ہوگئے اور ایام علٰحدگی کی تنخواہ دلائی گئی یہ عجب اتفاق ہے کہ دونوں مرتبہ علٰحدگی کے بعد مولوی مشتاق حسین کا تعلق علی گڑھ کالج سے رہا۔

جب مولوی مشتاق حسین آٹھ سو روپیہ ماہوار پر رخصت ہوگئے تو لوگوں نے ان کی علٰحدگی کے وجوہ کو اپنے اپنے طور سے جاگیرداروں کے حقوق کی پامالی الماس کے مقدمہ میں حضرت اقدس کی غیرسودمند شہادت تمام دفاتر میں اصلاح کے لئے ناگوار کوشش مولوی مہدی حسن کا مقدمہ سارے ملک میں اور خاصکر نواب سرخورشید جاہ بہادر کی نظروں میں خلائق کا ناراض ہونا قرار دیا۔

نواب وقارالملک کی علٰحدگی کے بعد اس ملک کے نظم و نسق میں کوئی مضبوط ہاتھ نہ رہا۔ مولوی مہدی علی خاں باوجود بعض خفیف اختلافوں کے مولوی مشتاق حسین کو نہایت کارآمد سمجھتے تھے۔ جواب شکستہ خاطر ہوکر تن تنہا مصروف نظم و نسق سلطنت عالیہ رہے نواب محسن الملک بہادر بھی ایک ہی سال کے اندر ۱۳۱۱ھ میں آٹھ سو روپیہ

ماہوار وظیفہ دیکر رخصت کئے گئے اور اس کے بعد نواب سر آسمانجاہ بہادر ۱۰ جمادی الاول ۱۳۱۱ھ کو سات برس وزارت کرنے کے بعد خدمت عالیہ سے مستعفی ہوئے۔

نواب سر آسمانجاہ بہادر کے عہد وزارت میں با وجود بعض نقائص کے بوجہ کمال خیر خواہی و مستقل مزاجی انتظام دفاتر بہت خوش اسلوبی سے چلتا رہا۔ تمام دفتروں اور محکموں کی باجرائی قوانین و ضوابط سخت نگرانی سے ایک ایسی وقعت قائم ہوگئی تھی جو اس سے پہلے مفقود تھی۔ تلنگانہ کا عمدہ بندوبست ہوا جو زمانہ دراز سے نہایت توجہ طلب تھا۔ جن بیرونی لوگوں نے سر سالار جنگ اول کے وقت سے انتظام سلطنت میں زیادہ دخل پایا تھا ان کا دور باشتنائے مولوی چراغ علی اس وزارت میں ختم ہوا۔ کبنٹ کونسل امپیریل سروس ٹروپس جلسہ نمایش گاہ کمیشن کلور دفارم ہائی کورٹ میں ہندو جج کا تقرر۔ قانونچہ مبارک۔ جوڈیشل کمیٹی انتظام قحط۔ مقدمہ معدنیات وغیرہ اہم معاملات اسی دور وزارت میں پیش ہوئے تھے۔

جشن سالگرہ ۱۳۱۱ھ میں جو معمولاً ماہ ربیع الثانی میں ہوا کرتا ہے اعلحضرت نے بفرط نوازش ۷۵ حضرات کو مختلف خطابات سے سرفراز فرمایا۔ منجملہ ان کے راجہ کشن پرشاد بہادر کو راجہ راجایان مہاراجہ بہادر اور اون کے فرزند چندا پرشاد کو راجہ بہادر۔ مہاراجہ شیو راج بہادر کو راجہ راجان راجہ مرلی منوہر بہادر کو راجہ راجان مہاراج آصف نواز ونت۔ نواب مرزا خاں داغ دہلوی کو ناظم یار جنگ دبیر الدولہ فصیح الملک جہاں استاد بلبل ہندوستان حکیم محمد حیدر کو لقمان الدولہ اشرف الحکما اور اندر کرن کو راجہ بہادر، میر ولایت علی کو عثمان یار جنگ کے خطاب سے سرفرازی ہوئی

نواب سر وقار الامرا بہادر

جب ارکان وزارت یکے بعد دیگرے ناہنجاری زمانہ سے جلد جلد علحدہ ہوگئے

اور مقدمۃ الجیش نواب سر آسمانجاہ بہادر بھی خدمت سے سبکدوش ہوئے تو مسٹر پلوڈن رزیڈنٹ کی کوشش اور اعلیٰحضرت بندگانعالی کی نوازش اور منظوری سے نواب سر وقارالامرا بہادر کا تقرر امتحاناً خدمت وزارت پر ہوا اور انہیں کی کوشش سے نواب صاحب ممدوح مستقل فرمائے گئے بظاہر اعلیٰحضرت کو نواب سر آسمانجاہ اور اُن کے ارکان وزارت کی علحدگی اور نواب وقارالامرا بہادر کا تقرر پسند خاطر نہ تھا لہذا وقارالامرا بہادر کو زیادہ تر رزیڈنسی کی امداد پر بھروسہ کرنا پڑا ادھر کاروبار سلطنت کے تحفظ اور احکام اعلیٰحضرت کی بروقت اجرائی اور نگرانی کے لئے کسی نگرانکار دفتر اور زوردار قلم کی ضرورت ہوئی جس کے لئے محکمہ پیشی اعلیٰحضرت قائم کیا گیا اور نواب سرور جنگ بہادر اس کے معتمد ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد محکمہ وزارت اور محکمہ پیشی میں تناقض قائم ہوگیا ایک عرصہ تک یہ ناگوار صورت رہی۔ نواب سرور جنگ بہادر جن کو اعلیٰحضرت بخطاب حضرت مخاطب فرماتے تھے معتمد علیہ حضور اقدس تھے اور وہ بھی ہمہ تن اعلیٰحضرت کے احکام کی وقعت قائم رکھنے کی سعی بلیغ کرتے رہے۔

علحدگی نواب سرور جنگ بہادر

مگر محکمہ وزارت اور محکمہ پیشی اعلیٰحضرت کے بے لطف تعلقات کا کوئی اور نتیجہ بجز اس کے نہ تھا کہ باجازت گورنر جنرل بہادر نواب سرور جنگ بہادر بھی ملک سے علحدہ کئے جانے پر مجبور کئے جاتے ان کا علحدہ کیا جانا مسٹر پلوڈن اور زیادہ تر نواب وقارالامرا بہادر کی کوششوں کا نتیجہ سمجھا گیا۔ طبع مبارک اعلیٰحضرت کو اسی وجہ سے نواب وقارالامرا بہادر کی طرف سے زیادہ تکدر ہوگیا اور ہونا بھی چاہیئے تھا نواب وقارالامرا بہادر کی پیشی میں مسٹر ہرمزجی وکیل کو جو خدمت ہوم سکریٹری پر فائز ہوئے تھے بہت دخل تھا بعض امور ان سے ایسے وقوع پذیر ہوئے جن کو ایک بادشاہ کی طبع نازک گوارا نہیں کر سکتی۔

اعلیحضرت کا حکم اُن کی علحدگی کا ہوا جو بعض حلقوں میں سرور جنگ بہادر کا انتقام سمجھا گیا اور مسٹر ہرمزجی وکیل بھی بشکل تمام خدمت سے علحدہ اور ملک سے خارج ہوئے۔ اس کشاکش سے ایک گونہ ملکی نظم ونسق کی خوش اسلوبی میں لازمی طور سے فرق آگیا اور نواب سر وقارالامرا بہادر کی چشم مروت اور متلون مزاجی سے لوگوں نے بہت فائدہ اُٹھانا چاہا۔

نواب سر سالار جنگ بہادر اول کے زمانہ میں جو مجلس مال قائم اور شکست ہوگئی تھی اب پھر بعہد نواب وقارالامرا بہادر بہ شکست معتمدی مجلس قائم ہوئی اور مسٹر ڈنلاپ جو قدیم سے متوسل نواب وقارالامرا بہادر تھے انسپکٹر جنرل مال سے مجلس مجوزہ کے اعلیٰ رکن قرار پائے مسٹر کرالی کنٹرولر جنرل گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے نگرانی خدمات وتنظیم معاملات فینانس کے لئے مامور ہوئے۔

اسی طرح محکمہ تعمیرات وافواج میں جزوی ترمیمات ہوئیں۔

نواب وقارالامرا بہادر کے آغاز وزارت میں محکمہ مال وفینانس بحیثیت معتمدی باہم ضم کردیا گیا تھا اور مولوی چراغ علی اعظم یار جنگ اور بعدہ مولوی علی حسن برادر مولوی مہدی علیخان معتمد تھے مگر ۱۳۱۳ء میں یہ سلسلہ پھر منقطع کردیا گیا اور رکن اول بحیثیت معتمدی مدارالمہام کی پیشی میں کاغذات پیش کرنے لگے مسٹر اے سی ہنکن مسٹر لڈلو کے بعد ناظم کوتوالی اضلاع مقرر ہوئے۔ ان کے حسن انتظام سے کوتوالی اضلاع نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوگئی اور مسٹر ہنکن کا رسوخ گورنمنٹ ہند اور سرکار نظام دونوں جگہ زیادہ ہوگیا۔ کوتوالی اضلاع کے متعلق جو اختیارات صوبہ داروں کو تھے وہ اُن سے لے لئے گئے اور ناظم صاحب کوتوالی کے حوالہ ہوئے۔

سنہ ۱۳۱۳ء مطابق سنہ ۱۸۹۴ء میں لارڈ ایلجن بہادر گورنر جنرل ہند تشریف فرمائے حیدرآباد ہوئے حسب معمول اعلیحضرت نے نہایت فیاضی سے ان کا خیر مقدم کیا آمد ایلجن

اور روسائے عظام نے اپنے مکانات پر والسرائے بہادر کی دعوتیں کیں۔

ڈ جوبلی — ۱۸۹۷ء میں بہ تقریب جشن ڈائمنڈ جوبلی ملکہ وکٹوریہ جو قیصرہ ہند کی شصت سالہ سلطنت کی عظیم الشان یادگار ہے اعلیحضرت نے نہایت جوش و خروش سے دوستی و وفاداری کا اظہار فرمایا بہت سے مسرت انگیز جلسے ہوئے قیدیوں کی رہائی ہوئی۔ نواب ظفر جنگ بہادر منجانب اعلیحضرت مبارکباد دینے کے لئے روانہ لندن ہوئے صاحب عالیشان بہادر نے نواب والسرائے بہادر کا خریطہ پیش کیا جس میں اعلیحضرت کے اظہار مسرت و وفاداری کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔

سپہ سالاری — نواب افسر جنگ بہادر کی مہارۃ فن پر نظر کرکے مولوی مشتاق حسین نے بعہد وزارت نواب سر آسمانجاہ بہادر نواب صاحب موصوف کو تمام افواج سرکار عالی کا سپہ سالار بنانا تجویز کیا تھا مگر ان کی یہ تجویز قبل از وقت سمجھی گئی۔ ۱۳۱۵ء میں کرنل نیول سپہ سالار افواج آصفیہ نے انتقال کیا اور موقع مناسب سمجھکر اعلیحضرت نے بہادر موصوف کو اعلیٰ خدمت فوجی سے ممتاز و سرفراز فرمایا۔ اس نوازش کے سلسلہ میں نواب افسر جنگ بہادر نے اپنی بے نظیر قابلیت سے اعلیٰ ارکان گورنمنٹ ہند میں وہ رسوخ رفتہ رفتہ حاصل کیا کہ کرنل کا درجہ اور سی۔آئی۔ای کا تمغہ گورنمنٹ ہند سے عنایت کیا گیا۔

مجلس امرا — نواب سر وقار الامرا بہادر کی بعض خود مختاریوں سے اعلیحضرت کشیدہ خاطر ہوگئے تھے اور کاروبار سلطنت میں بوجہ رسوخ بعض اعلیٰ عہدہ داران ابتری ہو رہی تھی لہذا اعلیحضرت نے ایک کمیٹی بنام مجلس اُمرا قائم فرمائی جس کے ارکان نواب امیر کبیر سر خورشید جاہ اور مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر پیشکار و وزیر افواج و نواب افتخار الملک بہادر اور معتمد مجلس اُمرا مجلس مولوی احمد حسین صاحب ڈپٹی سکریٹری اعلیحضرت مدظلہ تھے تاکہ تمام معتمدیوں کے اہم کاغذات کا بعد نظر ثانی ارکان مجلس تصفیہ ہوا کرے مگر اس تجویز کی تعمیل میں منجانب نواب وقار الامرا بہادر عہدہ داروں کی حوصلہ افزائی

نہ ہوئی۔ لہذا اہم کاغذات بعض دفاتر سے کچھ تامل اور کچھ تذبذب کے ساتھ اور بعض دفاتر سے بے تکلف حسب حکم خداوندی پیش ہوتے تھے یہہ مجلس ۱۳۱۵ھ میں موقوف کردی گئی۔

مسجد جعفریہ

مولوی سید علی حسن اس سال مسجد جعفری کے تصفیہ میں خلاف مصلحت و ضرورت شریک رہ کر ایک مہتم بالشان مگر بے سود کارروائی میں سربرآوردہ رہے مسجد جعفری واقع بلدۂ حیدرآباد میں اہل تشیع نے اس طرح اذاں دینی شروع کی جس کا رواج قبل اس کے نہ تھا۔ اور جس سے اہل سنت وجماعت اپنے مذہب کی ہتک سمجھتے تھے اعلیحضرت نے بذریعہ فرمان معمولی اذاں دینے کا حکم دیا اور آپس میں صلح واتفاق کی ہدایت فرمائی۔

جشن سالگرہ

جب رعایائے سرکار عالی کو اس امر کا علم ہوا کہ بعض سیاسی حلقوں میں اعلیحضرت کا ہردلعزیز ہونا مسلم نہیں تو اس وہم کے رفع کرنے کے لئے اعلیحضرت کی تیتیسویں سالگرہ ۱۳۱۶ھ میں بڑی دہوم دہام سے کی گئی اس سالگرہ کے حالات مفصل بیان کرنے کے لئے کئی دفتر درکار ہوں گے۔ مختصر یہہ کہ ہر گروہ نے اپنے اپنے حلقہ میں بہترین ذریعہ اظہار مسرت کا اختیار کیا اور بہت سے ایڈریس اعلیحضرت کی خدمت مبارک میں پیش ہوئے جن کے جوابات بھی نہایت خوبی وخوش بیانی سے نظم ونثر میں اعلیحضرت ادا فرماتے رہے اڈریس منجانب عام رعایا اڈریس فری میسان اڈریس حکمائے سندیافتہ اڈریس کایستھ سبھا۔ اڈریس افواج باقاعدہ۔ اڈریس صرف خاص اڈریس صفائی چادرگھاٹ اڈریس تعلیمات وغیرہ اسی سال ایک اڈریس منجانب عام رعایائے ملک بمقام ملک پیٹ بذریعہ مہاراجہ کشن پرشاد بہادر پیش ہوا اور اعلیحضرت نے اس سال کے جشن سالگرہ میں نواب اکبر جنگ بہادر کوتوال کو اکبر الدولہ اکبر الملک خطاب عطا فرمایا جلسہ ہائے سالگرہ کی کامیابی زیادہ تر کوتوال صاحب کی تگ ودو کا نتیجہ

تھی کوتوال صاحب کے علاوہ اس بے نظیر جشن کی مسرت میں ساٹھ امرائے ملک کو خطابات سے سرفرازی ہوئی۔

دوسرے سال یعنے ۱۸۹۷ء میں بھی لوگوں نے اپنی وفاداری اور اعلیحضرت کی ہردلعزیزی کا تقریب سالگرہ میں کافی ثبوت دیا اور دہوم دہام سے جلسہ ہوئے اس سال اہل مطابع نے بھی اپنی فرخندہ حالی اور آزادی کے فوائد سے متمع ہونے کا اظہار اپنے اڈریس میں کیا۔ اس سال گرہ میں اڈریس اُمرازادگان بلدہ۔ وپارسیان وبرہمنان۔ وجہدویان وبرہمہ کہتریان وفوج بے قاعدہ وعہدہ داران عدالت وکلاء کا جس کو نواب فخرالملک بہادر نے پڑھا تھا علٰحدہ علٰحدہ پیش ہوئے۔ ان اڈریسوں کے علاوہ جن گردہوں اور صیغہ کے لوگوں کو سالگزشتہ اعزاز اڈریس پیش کرنے کا ملا تھا اُنہوں نے بدستور اس سال بھی اڈریس دئے۔ تیسرے سال اعلیحضرت نے باجرائی فرمان سالگرہ کی تقریب میں غیرمعمولی اخراجات سے جلسہ ہائے مسرت کرنے کی اس وجہ سے ممانعت فرمادی کہ اس سال قحط سے رعایا کو اپنے ضروریات زندگی فراہم کرنے کی زیادہ ضرورت داعی تھی۔ بمقابلہ اس کے کہ مسرت انگیز جلسوں میں شریک ہوکر مال کا نقصان کریں اور اسی فرمان میں نہایت حکیمانہ ورحیمانہ انداز سے حکم دیا کہ جو روپیہ روشنی اور آتشبازی میں خرچ کیا جاتا ہے وہ قحط زدہ لوگوں کی شکم سیری اور خبرگیری میں صرف ہو تو مابدولت واقبال کے مزید اطمینان ومسرت کا باعث ہوگا

سفر کلکتہ

لارڈ کرزن بہادر بحثیت وائسرائے وگورنر جنرل ہند دسمبر ۱۸۹۸ء میں وارد ہندوستان ہوئے وائسرائے موصوف سابق کے وائسرایوں سے کم عمر تھے ان میں جوش اور الوالعزمی بیحد تھی اور بڑے گویا تھے۔ ان کو ہر بات میں اولویت کی

بڑی فکر تھی اسی اولویت کی ذہن میں بخلاف طریقۂ والیسرایان قدیم اعلیحضرت کو کلکتہ میں تشریف لانے کی دعوت دی۔ حالانکہ اس سے قبل کوئی تاجدار دولت آصفیہ ملاقات کی غرض سے والیسرائے کے پاس نہیں گیا تھا۔ بلکہ ہر والیسرائے لارڈ رپن کے زمانہ سے حیدرآباد آکر حضور اقدس کا مہمان ہوتا تھا۔ مگر جہاں لارڈ کرزن کو اور بہت سے شوق تھے وہاں اُن کے دل میں یہہ گدگدی بھی پیدا ہوئی کہ بخلاف گزشتہ والیسرائوں کے پہلے اعلیحضرت کو کلکتہ میں مدعو کیا جائے چنانچہ دعوت دی گئی اور اعلیحضرت نے اسے قبول فرماکر شعبان ۱۳۱۷ھ مطابق دسمبر ۱۸۹۹ء کو مع صاحبزادۂ والاقدر پرنس نواب میر عثمان علی خاں بہادر نہضت فرمائے کلکتہ ہوئے بہت تپاک سے استقبال ہوا۔ توپوں کی سلامی ہوئی اعلیحضرت کی باقاعدہ مزاج پرسی بذریعہ ارل آف نکلسن اور کپتان ناکسن کے ہوئی۔ والیسرائے بہادر کی ملاقات میں رزیڈنٹ بہادر سروقار الامرا بہادر۔ خورشید جاہ بہادر۔ افسرالدولہ بہادر۔ لقمان الدولہ بہادر۔ مولوی احمد حسین صاحب نواب فصیح الملک بہادر۔ نواب اسد یار الدولہ بہادر۔ نواب ناصر نواز الدولہ بہادر۔ نواب اقبال یار جنگ بہادر۔ نواب عثمان یار جنگ بہادر وغیرہ ہمراہ رکاب اعلیحضرت تھے۔

نواب والیسرائے بہادر نے لب فرش تک اعلیحضرت کا استقبال کیا شیک ہینڈ ہوا شاہزادۂ ذیشان کا گورنر جنرل بہادر سے تعارف کرایا گیا اعلیحضرت دست یمین پر تشریف فرما ہوئے اور دست یسار پر اعلیٰ عہدہ داران گورنمنٹ ہند تھے اعلیحضرت کے بعد شاہزادہ والاتبار و صاحب عالیشان و دیگر حضرات ہمراہی رونق افروز تھے۔ اعلیحضرت اور نواب والیسرائے بہادر سے پندرہ منٹ تک تلطف آمیز دوستانہ گفتگو ہوتی رہی۔ اُمرائے آصفیہ کی طرف سے نذریں گزریں۔ بعدہ والیسرائے کی جانب سے اعلیحضرت کی خدمت میں عطر و پان پیش ہوا اور وزیر خارجہ نے مدار المہام و خورشید جاہ بہادر کی تواضع کی والیسرائے کے ایک

مصاحب نے دوسرے حضرات کی مدارت کی اور جلسہ برخاست ہوا۔

اعلیٰحضرت شام کو گھوڑ دوڑ میں شریک ہوئے اور والیسرائے کے ساتھ چائے نوشی فرمائی شب کو گورنمنٹ ہاؤس میں ڈنر ہوا علاوہ اکثر عہدہ داروں کے گورنران بمبئی و بنگالہ بھی اپنی اپنی لیڈیوں کے ساتھ مدعو تھے اور اس طرف سے صرف نواب مدارالمہام بہادر سر خورشید جاہ بہادر۔ افسرالملک بہادر اعلیٰحضرت کی ہمراہی میں شریک دعوت تھے۔

حضور اقدس کا جام صحت نوش کر کے نواب والیسرائے بہادر نے اسپیچ دی جس میں حضور کے کلکتہ آنے کی خوشی کا اظہار کر کے فرمایا کہ "میں پہلا والیسرائے ہوں جس کو حضور کے کلکتہ میں مدعو کرنے کی خوشی حاصل ہوئی"۔ اعلیٰحضرت نے اپنا جام صحت نوش کئے جانے کا شکریہ ادا فرمایا اور تاج برطانیہ سے اپنی محبت و وفاداری کا اظہار کیا۔

۲۴ شعبان کو نواب لفٹنٹ گورنر بنگال نے شرف ملازمت حاصل کیا دوسرے روز نواب والیسرائے بہادر بمعیت نواب مدارالمہام و سر خورشید جاہ بہادر و افسرالدولہ بہادر اعلیٰحضرت سے ملاقات کے لئے تشریف لائے مناسب استقبال کیا گیا اسی طرح گفتگو رہی تیسرے روز اعلیٰحضرت اور والیسرائے بہادر میں پرائیویٹ ملاقات رہی۔ صرف میجر افسرالدولہ بہادر ہمراہ رکاب تھے مگر کمرہ ملاقات میں والیسرائے بہادر کی سہولت کے لئے صرف گورنر جنرل کے پرائیویٹ سکریٹری باریاب تھے اعلیٰحضرت نے کلکتہ کے بہت سے وفدوں کو افتخار حاضری بخشا۔ جس میں علیگڑھ کالج کی طرف سے مولوی مہدی علی خاں محسن الملک بھی تھے۔ کلکتہ میں جا بجا سیر و تفریح فرما کر اور وہاں کے بڑے راجہ مہاراجوں سے ملاقات کر کے ۲۸ شعبان کو مراجعت فرما ہوئے۔ راستہ میں مہاراجہ بنارس کے یہاں انکی

استدعا پر قیام فرمایا جہاں مشہور شاعر مولوی امیر احمد صاحب امیر مینائی نے اعلحضرت سے شرف ملازمت حاصل کیا اعلحضرت جوہر سخندانی و سخن شناسی بدرجہ کمال رکھتے ہیں لہذا اس مشہور و معروف شاعر شیوہ بیان کو حیدر آباد فرخندہ بنیاد آنے کا ایما فرمایا۔ ۴ رمضان کو ڈھونڈ سے روانہ ہو کر ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر اعلحضرت کی اسپیشل ٹرین بانتظار ایک ڈاک گاڑی کے ٹھہرائی گئی۔ دوران حال اس ڈاک گاڑی سے اعلحضرت کی ٹرین کو ضرور تصادم ہو جاتا اگر اس کا ڈرایور بروقت ہوشیاری نکرتا۔ اس ناتجربہ کاری سے اسٹیشن ماسٹر اور پوائنٹس مین کو سزا ہوئی اور ڈرایور کو اعلحضرت نے انعام سے سرفراز فرمایا۔

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

بعد قیام چند روزہ بمقام گلبرگہ اعلحضرت رونق افروز بلدہ ہوئے۔ قبل اس کے کہ حضور پُرنور اپنے محبوب البلاد حیدر آباد کو اتنے عرصہ کے بعد سرفراز فرمائیں اہل بلدہ نے تمام شہر کو نہایت خوبی سے آراستہ کر رکھا تھا اور اعلحضرت کا بڑی گرمجوشی سے استقبال ہوا اور فرط نوازش سے اس روز سواری بادبہاری میں محض بہ نظر خوشنودی رعایا خلاف معمول اس قدر سہولت اختیار کی کہ تمام رعایا کی منتظر آنکھیں حضور پُرنور کے جمال جہاں آرا سے پوری طور سے مسرت اندوز ہوئیں۔ اعلحضرت کو اسٹیشن حیدرآباد پر جو اڈریس دیا گیا اس میں اعلحضرت نے نہایت تفصیل سے نواب والسرائے بہادر کی خاطر و مدارات کا ذکر کر کے اپنے سفر کلکتہ کے وجوہ بیان فرمائے اور جو ساٹھ لاکھ روپیہ اعانتاً پیش کرنے کی تحریک کی تھی اس کا بھی ایما فرمایا اعلحضرت نے صرف ساٹھ لاکھ کی منظوری ہی نہیں فرمائی بلکہ بغایت جوش وفاداری بذات خاص بمقابلہ دشمنان برٹش گورنمنٹ معرکہ آرائی کا اظہار فرمایا۔

اب تک صرف پاؤ آنہ کے پوسٹ کارڈ جاری ہوئے تھے لیکن اہل مطابع پاؤ آنہ اس رعایت سے اپنے اخباروں کے متعلق کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے جیسا کہ

بالعموم برٹش گورنمنٹ میں عملدرآمد تھا اعلیحضرت نے فرط نوازش سے یہاں بھی باز آنہ کے ٹکٹ اخبارات رجسٹر شدہ کے لئے جاری فرماکر اس طبقہ کو مزید اطمینان بخشا۔

قحط — نواب وقارالامرا بہادر کی وزارت کے آخری زمانہ میں مملکت حیدرآباد پھر قحط سے زیربار ہوئی مسٹر ڈنلاپ تن تنہا کمشنر قحط قرار پائے اور انہیں کی معرفت ایام قحط میں قحط زدوں کی خبرگیری کے لئے مختلف مقامات میں مختلف کارخانے کھولے گئے مسٹر ڈنلاپ نے کوئی دقیقہ رعایا کی خبرگیری کا اٹھا نہیں رکھا۔ لاکھوں روپے خرچ ہوئے گورنمنٹ نظام دو کرور کی قرضدار ہوگئی اور بعض حلقوں میں انتظام قحط کے متعلق مسٹر ڈنلاپ پر رکیک حملے بھی ہوئے مگر گورنمنٹ ہند نے بعد ملاحظہ کارروائی قحط مسٹر ڈنلاپ کو درجہ دوم کا اور نواب وقارالامرا بہادر کو درجہ اول کا طلائی تمغہ مرحمت فرمایا۔

انتقال ملکہ وکٹوریہ — ملکہ عالیہ وکٹوریہ اپنے منجھلے صاحبزادے ڈیوک آف اڈنبرا کے انتقال کے پانچ مہینہ بعد بیاسی سال کی عمر میں ۲۲ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء کو رہگرائے عالم بقا ہوئیں اور یہ طول طویل زمانہ حکومت کہ بوقت رحلت ترسٹھواں سال تھا مختلف انقلابات کے ساتھ اور آخر نہایت شان سے ختم ہوا۔ ملکہ وکٹوریہ غفرانمنزل (نواب ناصرالدولہ بہادر) اور مغفرتمکان (نواب افضل الدولہ بہادر) اور اعلیحضرت غفران مکان کی ہمعصر تھیں۔

ملکہ وکٹوریہ کی یادگار بہت سے شہروں میں اور صدر یادگار (میموریل) کلکتہ میں قائم ہوئی جس میں اعلیحضرت نے ایک لاکھ روپیہ بطور چندہ مرحمت فرمایا اور مقامی یادگار سرورنگر کے شاہی مکان میں دارالیتامی قائم کرکے اور کل اخراجات دوامی بذمہ خزانہ عامرہ رکھکر ملکہ معظمہ کی روح کو خوشنود کیا۔

تبدیلی وزارت — جس طرح اعلیحضرت کا سفر مدراس باعث اختتام وزارت نواب عمادالسلطنت تھا اسی طرح اعلیحضرت کا سفر کلکتہ وجہ انجام کار وزارت نواب وقارالامرا بہادر ہوا۔ اختتام وزارت نواب سرآسمانجاہ بہادر و بنیاد حکومت نواب وقارالامرا بہادر عروج اصول

اور حقیقی خوشنودی اعلیحضرت پر مبنی نہ تھی بلکہ اس میں بیرونی اثرات اس طرح مضمر تھے کہ ان کا نہایت مضر اثر انتظام سلطنت پر پڑتا رہا۔ جب مسٹر پلوڈن کی تحریکات سے نواب سر آسمانجاہ بہادر کے ارکان وزارت یکے بعد دیگرے اور سب کے آخر میں خود نوابصاحب خدمت سے دست بردار اور نواب وقارالامرا بہادر خدمت عالیہ سرفراز ہوئے تو انہیں تحریکوں کی قوت پر احکام عالیہ اعلیحضرت کی طرف وقارالامرا بہادر کو ویسی توجہ نہ رہی جو منشائے خداوندی تھا۔ نواب وقارالامرا بہادر بے حد بامروت اور فیاض دل امیر تھے۔ ایک جانب اعلیحضرت کی ناخوشی اور دوسری جانب برٹش گورنمنٹ کی قوت سے زمانہ وزارت کے غالب ایام میں نہایت آزردہ خاطر اور پریشان دل تھے کیونکہ دونوں طرف کے اثرات کے آماجگاہ خود وزارت مآب تھے۔ بقائے وزارت عالیہ کے لئے لازمی طور سے دونوں پہلوؤں پر نظر رکھنا پڑتی تھی۔ ان معاملات تکلیف دہ کے علاوہ اعلیٰ عہدہ داروں کے تعلقات اور عزل و نصب جاں فرسا تھے۔ اس وزارت کے قبل اور اس کے آغاز میں مولوی مہدی حسن مولوی مشتاق حسین۔ مولوی مہدی علی خاں اور نواب سرور جنگ بہادر کی علحدگیاں واقف کار نظروں میں محمود نہیں تھیں۔

خاصکر مولوی مشتاق حسین جرات اور راستبازی اور مولوی مہدی علی خاں اعلیٰ درجہ کی مدبری اور زمانہ شناسی کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کئے ہوئے تھے اور ان دونوں کو سر سالار جنگ اول کی بابرکت حکومت میں اہم خدمات انجام دینے کے علاوہ نظم و نسق ملک میں مہارت پیدا ہو گئی تھی۔ اور نواب سرور جنگ بہادر اعلیحضرت کی مفوضہ خدمات میں مفاد سلطنت مقدم پیش نظر رکھنے سے پیشی خداوندی کی ہنوز نسبت اور اہلیت رکھتے تھے۔

ان میں وہ تینوں حضرات اجزائے وزارت آسمانجاہ بہادر تھے جن کی علحدگی سے گو نواب وقارالامرا بہادر کو وزارت ملنے میں آسانی ہو گئی مگر کاروبار سلطنت کے

لحاظ سے بے انتظامی وابتری بہت محسوس ہوتی رہی۔

نواب سرور جنگ کی علیحدگی مطلق منشائے خداوندی کے خلاف تھی کیونکہ اُن کا تعلق مخصوص اعلیحضرت سے تھا۔ ان معزولیوں کا یہ اثر ہوا کہ عام خرابیوں کے سوا جس طرح ارکان وزارت سر آسمانجاہ بہادر اور بعدہ خود ممدوح الشان خدمت متوضہ سے علیحدہ ہوئے اسی طرح ارکان حکومت نواب وقار الامرا بہادر اور بعدہ وہ خود اپنی مفوضہ خدمتوں سے دست بردار ہوتے گئے۔

مدار المہامی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنتہ

کرنل ٹی سی۔ پلوڈن صاحب رزیڈنٹ کے علحدہ ہوتے ہی پولٹیکل مطلع غبار و آلودگی سے صاف ہوتا گیا۔ کرنل بار جدید رزیڈنٹ نے انتظام ریاستِ عالیہ میں فضول دست اندازی سے احتراز کرکے اعلیحضرت کو اپنے مقاصد کی تکمیل میں اعانت دی۔ نواب وقار الامرا بہادر درخواستِ رخصت دیکر خدمتِ عالیہ سے سبکدوش ہوئے۔ اور مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر ۱۰ رجمادی الاول ۱۹ ۱۳۲۰ھم سنہ ۱۹۰۱ء کو حسب فرمان شاہی و منظوری سپریم گورنمنٹ اڑتیس سال کی عمر میں فائز خدمتِ جلیلہ ہوئے۔

ایک صدی گذری جبکہ عنانِ وزارت نواب ارسطو جاہ مشیر الملک کے ہاتھوں میں تھی اسوقت سے تا نواب سالار جنگ بہادر اور انکے بعد سے تا مدار المہام حال ملک کو مختلف قسم کی مشکلوں سے کبھی معتدبہ سکون نہ حاصل ہوا۔ اس سو برس کے عرصہ میں چودہ مرتبہ وزارت تبدیل ہوا کی اور ملک میں بہت سے تغیرات ہوئے جو پچھلے صفحات سے ظاہر ہیں۔

اب کتاب زمانہ نے اپنے سالانہ دفتر کی سو جلدیں مرتب کرکے دوسری صدی کی اوراق گردانی شروع کی ہے۔ نئی صدی ہے اور نئی وزارت۔ رفتار زمانہ نے اس وزارت کو حسنِ اتفاق سے پھر اُسی خاندان میں پہنچا دیا جہاں وہ گذشتہ صدی کے اوائل میں بعہد نواب سکندر جاہ مغفرت منزل جلوہ افگن تھی۔

سر مہاراجہ بہادر۔ مہاراجہ چندو لال وزیر اعظم کے نبیرہ و جانشین ہیں۔ خدا نے اس نامور خاندان کو چن لیا تھا کہ وہ دولت آصفیہ کے بڑے بڑے خدمات

جلیلہ پر فائز ہوا اور علوم کی قدر دانی و فیض رسانی میں غیر معمولی شہرت و مقبولیت پائے چنانچہ سر مہاراجہ بہادر بھی فلاطون زمن سلطانِ دکن کی مردم شناس نگاہ میں آگئے اور مہاراجہ چندولال کی کرسی پر متمکن ہوئے۔ بہت سی باتوں میں وزارت مآب کو مہاراجہ چندولال مغفور سے مماثلت کا فخر بھی حاصل ہے۔

شاعری کا ذوق اور علمی مذاکرہ تو بیکنٹھ باشی سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ لیکن قانون و ضوابط کے انضباط و پابندی سے وہ شہرت سخاوت حاصل نہیں ہو سکتی جو مرحوم کو اپنے وقت میں حاصل تھی۔

قبل حصول خدمتِ وزارت آپ بمراحم خسروانہ جو ابتدا سے آپ پر مبذول ہیں نو سال سے خدمت پیشکاری پر فائز تھے اور معین المہامی فوج اور کیبنٹ کونسل کی ممبری بھی عطا ہوئی تھی۔

آپ نے خانگی طور سے عربی و فارسی اور مدرسہ عالیہ میں انگریزی تعلیم حاصل کی ہے۔ اُردو تقریر و تحریر میں نہایت شستگی و قادر الکلامی اور عام طور سے علمی مباحث میں ذوقِ سلیم حاصل ہے۔

یہ کہنا ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ مہاراجہ بہادر کو علمی قابلیت کے اعتبار سے اپنے ہمعصروں میں امتیاز خاص حاصل ہے۔ بلکہ یہ امر حیرت انگیز ہے کہ مہماتِ ملکی میں مصروفی کے ساتھ ساتھ علمی مذاق بھی ترقی پذیر ہے۔ جو وقت امور وزارت سے فرصت کا ملتا ہے وہ ایسے ہی مشاغل میں صرف ہوتا ہے۔ معاملات سیاسی میں حتی الوسع الجھن ڈالنے کے عادی نہیں اور پیچیدہ معاملات کو اعلیحضرت کی پیشی میں نہایت صاف اور مختصر گزرانتے ہیں حال کا انتظام سب سے بہتر ہے۔ سب سے مقدم اعلیحضرت کی رضا جوئی نصب العین ہے۔

مدار المہامی حیدرآباد جو بہت سے متضاد مفادات کا مرکز ہے نہایت پیچیدہ

اور تنگ راہ ہے جس کے ایک جانب خوشنما پھول پتیوں میں جگر دوز خار پنہاں ہیں اور دوسری جانب کسی کے پُر جلال آثار و پُر شکوہ انداز شیر کا زہرہ آب کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں ان پیچیدہ اور تنگ راہوں سے سلامت نکلنا اور دونوں پہلوؤں کے نشیب و فراز کا لحاظ رکھنا آسان نہیں ہے۔ اسکے لئے بہت بڑے تدبّر و بے لوث نفس و آزمودہ کاری کے علاوہ اور بہت سے ضروری الوقت خصوصیات کی حاجت ہے۔

برٹش گورنمنٹ نے بظاہر حیدر آبادی نظم و نسق کے لحاظ سے مختلف اعلیٰ (کی [illegible] ترتیب تغیر) عہدہ داروں کا عزل و نصب منظور کیا تھا جس کا اِجرا باوقاتِ مختلف حسب الحکم خداوندی ہوا کیا۔ اسی نظم و نسق ملک کو مدِ نظر رکھکر اور موقع مناسب خیال فرماکر اعلیٰحضرت نے صاحب عالیشان کرنل بار کے مشورے سے سب سے بڑی انتظامی خدمت پر مسٹر کیسن واکر کا تقرر بحیثیت معتمدی فینانس فرمایا۔

جب سرور جنگ بہادر کی علٰحدہ گی پر مولوی احمد حسین صاحب کو اعلیٰحضرت کی خدمت عالیہ میں امتیاز حاصل ہوا اور اعلیٰحضرت نے روز افزوں الطاف سے نظر توجہ فرمائی تو نواب سرور جنگ بہادر کا پھر حیدر آباد میں آنا جو اُس وقت تک محتمل تھا ناممکن ہوگیا اور مولوی احمد حسین صاحب نے نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے اعلیٰحضرت کی مزاج شناسی کا تمغہ حاصل کیا۔

مسٹر واکر کے تقرر سے نواب عماد جنگ بہادر معتمدی عدالت و امور عامہ پر واپس آئے اور مجلس مال جو شکست ہو چکی تھی پھر قائم کی گئی۔ اور خدمتِ معتمدی پر عام توقعات کے خلاف مولوی غلام رسول صاحب مقرر ہوئے۔ حالانکہ قدامت و لیاقت و تجربہ کے لحاظ سے بہت سے عہدہ دار قابل ترجیح موجود تھے اسی طرح شمس العلماء مولوی سید علی صاحب بلگرامی بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کے

مستعفی ہونے پر مولوی میر کاظم علی صاحب کا تقرر کیا گیا۔ اور مولوی غلام رسول آفندی کی رحلت پر مولوی عبدالرحیم صاحب معتمد مال بنا دیئے گئے۔

آمد لارڈ کرزن بہادر
و
تصفیہ برار

شاید گورنر جنرلی کے ممتاز عہدہ پر لارڈ ڈلہوزی کے بعد جنھوں نے برار کو امانتہً لے لیا تھا لارڈ کرزن بہادر بالقابہ کے دل و دماغ کا کوئی شخص متقرر نہیں ہوا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ممدوح الشان کا دورِ دورہ بڑی بڑی اولوالعزمیوں سے بھرا ہوا ہے جو خود نمائی کا اقتضا ہے لارڈ موصوف امپیریلسٹ فرقہ کے مؤید ہیں اور وہ ہر شئے کو امپیریل نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہندوستان میں لارڈ موصوف نے جو جو کارگزاری کی اُس کی نظیر پچھلے وائسراؤں کے زمانہ میں معدوم ہے۔

پہلے لارڈ کرزن بہادر نے اعلیٰحضرت کو کلکتہ میں مدعو فرما کر تقدم حاصل کیا حالانکہ ہمیشہ سے اِس کے برعکس ہوا کیا ہے۔ اب لارڈ کرزن بہادر نے حسب معمول اعلیٰحضرت کی دعوت قبول فرما کر گویا بازدید کی اور بہت سے امپیریلسٹ منصوبوں کے ساتھ ارادۂ سفر حیدرآباد فرمایا۔ اور ذی الحجہ ۱۹ ۱۳ ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں رونق افروز بلدہ ہوئے۔

لارڈ ممدوح کو ہر شئے میں دوسرے وائسراؤں پر تقدم حاصل کرنے کا شوق تھا لہذا انہوں نے علاوہ اور مہتم بالشان کاموں کے حیدرآباد میں سب وائسرؤں سے زیادہ قیام بھی فرمایا۔ اس طول طویل قیام کے زمانہ میں سب سے

بڑا اور سب سے مہتم بالشان کام برار کا دوامی تصفیہ تھا جو لارڈ کرزن کی یادگار ہیں ممالک محروسہ کے حدود سے خارج ہو کر برٹش ہندوستان میں ضم ہوگیا۔ یہ سرسبز صوبہ برار افواج کنٹیجنٹ کے مفروضہ اخراجات کی بناء پر گزشتہ صدی سے نظروں میں کھبا ہوا تھا۔ ایک جانب قرضہ کی مقدار میں مختلف قسم کے وسائل مستقل ہوتے اور دوسری جانب انتظام ریاست میں ایسا مخل رہا کہ واپسی قرضہ درکنار آمد و خرچ برابر نہ ہو سکا اور جب صورت فینانس درست ہوئی اور واپسی برار کا تقاضا ہوا تو مختلف زمانوں میں مختلف عذرات سے واپسی صوبہ مذکور ملتوی ہوتی رہی۔ کئی دفعہ مسٹر سانڈرس رزیڈنٹ نے برار کے متعلق نواب مختار الملک بہادر کی تحریر یہ کہکر واپس کردی کہ اس باب میں ہم کچھ گفتگو کرنا نہیں چاہتے پھر یہ لکھا کہ ایسی تحریریں ہم سرکار میں نہیں پیش کر سکتے۔ نواب صاحب مرحوم نے بلا واسطہ رزیڈنٹ لارڈ سالسبری سے مرافعہ کیا اور کنٹن جنٹ کی موقوفی کے لئے درخواست کی آخر یہ قرار پایا تھا کہ حضور پرنور کی تخت نشینی کے بعد اس باب میں بحث کرنا چاہئے ابھی مناسب نہیں لیکن یہ بنا قانون تھا کہ اگر مدعی نابالغ ہو تو اسکے حقوق کا مطالبہ مناسب نہیں۔ غرض واپسی برار کے متعلق سرکار عظمت مدار اور سرکار دولت مدار کی تاریخوار تحریریں ملاحظہ کی جائیں تو جو نتیجہ ظاہر ہوا وہ کسیطرح اوراق تاریخ سے مستنبط نہیں ہو سکتا تھا۔ پرائیویٹ ملاقات میں بوقت مباحثہ برار نواب وائسرائے بہادر نے جو نہایت طلیق اللسان اور سریع الفہم گورنر جنرل تھے اعلیحضرت کے استفسار کے جواب نا ممکن مطلق بیان کیا یعنے یہ وہ امانت ہے جو مسترد نہیں ہو سکتی۔ اس سے قبل صوبہ برار برٹش گورنمنٹ کے پاس بلا تعین مدت محض امانت تھا بایں شرط کہ جو کچھ انتظام صوبہ سے بچت بچے وہ داخل خزانہ سرکار نظام ہوا کرے۔ اس طرح سے جو رقم بچت کی وصول سرکار

نظام ہوئی اُس کا سرشکن گزشتہ چالیس سال میں (۱۸۶۰ء و ۱۹۰۰ء) نولاکھ روپیہ سالانہ ہے۔ اب لارڈ کرزن بہادر نے حضور پر نور سے برار کا دوامی اجارہ بحق سرکار انگریزی باین شرایط لے لیا کہ پچیس لاکھ روپیہ آمدنی برار سے سالانہ خزانۂ عامرہ سرکار عالی کو اُس وقت سے ادا کئے جائیں گے جب کہ سرکار انگریزی کا قرضہ دو کرور روپیہ اور قرضۂ متعلقہ برار ایک کرور اکتالیس لاکھ روپیہ مع سود ادا ہو جائے اور بمقابلہ تخفیف افواج کنٹنجنٹ سرکار عالی کے افواج بیقاعدہ ساڑھے اُنیس ہزار سے دس بارہ ہزار کر دیجائے۔ معاہدہ کے قبل قرضہ حیدرآباد متعلقہ قحط میں پندرہ لاکھ اور قرضہ برار میں پچیس لاکھ ادا ہو چکے تھے اور چالیس لاکھ روپیہ بچت کے خزانۂ برار سے موصول خزانۂ عامرہ ہوئے تھے۔ اس کے سوا سالگرہ کے روز باعزاز اعلیحضرت جھنڈے کا بلند ہونا اور حضور نظام کے نام سے توپوں کی سلامی ہونا قرار پایا جس سے گویا برار انتظاماً سرکار انگریزی کو دیا گیا مگر سیادت اعلیحضرت کی قائم رکھی گئی۔

جس طرح فوج کنٹنجنٹ وغیرہ اعلیحضرت کی فوج کہلاتی ہے مگر سرکار انگریزی کے ماتحت ہے جیساکہ خود انگریزی کے مورخ لکھتے ہیں کہ سرکار نظام کا تو نام ہی نام ہے ساری فوج سرکار انگریزی کی فرماں بردار ہے اور اپنے کو انگریزوں ہی کا ملازم سمجھتی ہے۔ گزشتہ چالیس سال میں فی سال نولاکھ روپیہ اتنے بڑے وسیع اور زرخیز صوبہ سے بعد اخراجات وصول ہوتا نہ ہونے کے برابر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اخراجات برار میں جس قدر فضول خرچی اور فیاضی روا رکھی جاتی تھی اس کی نظیر تمام برٹش انڈیا میں نہیں ہے۔ اس کی پوری تفصیل آیندہ جلد میں آئیگی لارڈ کرزن نے محرم کا تماشا دیکھکر اور جنگلوں میں سیر و شکار کر کے ہنوز دارالسلطنت کلکتہ میں قدم نہیں رکھا تھا کہ مہاراجہ کرشن پرشاد بہادر کی مستقل وزارت کا شہرہ

مسموع ہونے لگا۔ جس کا ظہور بعد معاودت از دہلی ہوا۔

دربار دہلی

ملکہ آنجہانی کے انتقال پُر ملال سے ہنوز آنکھیں خشک نہیں ہوئی تھیں اور رؤسا کی خالی شدہ جیب کچھ تلافیِ مافات نہیں کرنے پائی تھی کہ دہلی کے عظیم الشان دربار تخت نشینی شہنشاہِ ایڈورڈ کی طرف لوگوں کو متوجہ کرلیا۔ قبل اس کے ملکہ وکٹوریہ کے خطاب قیصرۂ ہند اختیار کرنے پر لارڈ لٹن وائسرائے نے ۱۸۷۷ء میں پہلا عظیم الشان دربار منعقد کر کے رؤسائے عظمت مدار کو دعوت دی تھی جس میں اعلیٰحضرت اور نواب سر سالار جنگ سب سے مقدم تھے۔ اب انگلستان و ہندوستان کے شہنشاہ وقت کی تخت نشینی کے اعزاز میں دہلی نے اپنا چھبیس سالہ لباس اُتار کر لارڈ کرزن کا عطا کردہ خلعتِ فاخرہ زیب تن کیا جو فرق لارڈ لٹن اور لارڈ کرزن کے سن و سال و الوالعزمی اور قوت و وسعت حکومت میں تھا سب بحیثیت مجموعی اس دربار میں نمایاں تھا۔ اعلیٰحضرت اور تمام رؤسائے ہند و جوار سلطنت دربار میں مدعو ہوئے۔ اور نہایت تزک و احتشام سے جلسہ ہوا اعلیٰحضرت اپنے رتبۂ شاہانہ کے لحاظ سے کل مراتب بجالائے لاکھوں روپیہ سامان و باغات و فرنیچر و مکان واقع دہلی میں صرف کئے گئے اور کوئی دقیقہ اپنی اظہار خوشی و شان الوالعزمی کا جو شایان ریاست درجہ اول ہے اٹھا نہیں رکھا اور اعلیٰحضرت و شاہزادہ ولیعہد بہادر و مہاراجہ مدار المہام بہادر کے علاوہ اعلیٰحضرت کے ہمراہی سرکاری مہمانوں کی نہایت معقول تعداد تھی اور غیر سرکاری مہمانوں کا شمار نہ تھا۔ اعلیٰحضرت بہ نفس نفیس اسپشل ٹرین میں ۲۴ دسمبر کو بوقت شب رونق افروز دہلی ہوئے۔

لارڈ اور لیڈی کرزن۔ ڈیوک آف کناٹ برادر خرد ملک معظم مع بانوئے محترمہ

۲۹ ہر دسمبر کو تشریف فرما ہوئے اسی روز نہایت تکلف سے سجے ہوئے ہاتھیوں پر نواب وائسرائے بہادر اور انکی لیڈی صاحبہ۔ ڈیوک آف کناٹ مع ڈچیز صاحبہ و اعلیحضرت و دیگر روساحب مدارج بڑی شان وشکوہ سے نکلے اعلیحضرت کا ہاتھی نواب وائسرائے بہادر کے عقب میں جانب راست تمام رؤسا سے مقدم تھا۔ نواب مدارالمہام بہادر پس پشت اعلیحضرت کی خواصی میں اور نواب افسرالملک بہادر گھوڑے پر جلو میں تشریف فرما تھے۔ اس جلوس کے دیکھنے کے لئے بڑا اژدہام اور بڑی دھوم دھام تھی اسٹیشن سے موری دروازہ تک لاکھوں آدمیوں کا ہجوم تھا اور تھوڑی دیر کے لئے نشستیں بہت زیادہ کرایہ پر لی گئی تھیں۔ نواب وائسرائے بہادر سے لیکر کل رؤسا کے ہاتھی زرین جھول اور گرانبہا موتیوں اور طلائی و نقرئی زیورات میں غرق تھے ان سب ہاتھیوں میں جو سب سے زیادہ قابل امتیاز بات تھی وہ اعلیحضرت کا سادہ لباس ہاتھی تھا جو اپنے واجب الاحترام راکب کی طرح محض سادگی لباس کی وجہ سے مرکز توجہات ہو رہا تھا۔

دوسرے روز نواب وائسرائے بہادر نے عظیم الشان نمائش گاہ کا جو نیادر دیسی اشیا کا نہایت پرلطف منظر تھی۔ ایک پر فصاحت تقریر کے بعد افتتاح فرمایا جس میں اعلیحضرت مع مدارالمہام بہادر شریک تھے۔

۳۱ ہر دسمبر کو پولو ٹورنمنٹ تھا جس کی رونق وائسرائے بہادر و اعلیحضرت و شاہزادۂ ولیعہد بہادر و مہاراجہ مدارالمہام بہادر و نواب افسرالملک بہادر و اکثر معززین جلسہ کی تشریف آوری سے بہت بڑھ گئی تھی۔ یکم جنوری ۱۹۰۳ء حقیقت میں روز عید تھا جس کے لئے دہلی از سر نو دلہن بنائی گئی تھی اس کے حسن و جمال کے شیدائی ہزاروں میل کا سفر طے کرکے آئے تھے اور لاکھوں روپیہ

صرف کر چکے تھے۔ دربار تو بارہ بجے کے بعد منعقد ہوا مگر اہلِ دربار دس ہی بجے تشریف لاتے رہے۔ اعلیٰحضرت معہ شاہزادۂ والاتبار و مدارالمہام بہادر و اسٹاف گیارہ بجے رونق افروز جلسہ ہوئے۔ اعلیٰحضرت کی نشست نواب وائسرئے بہادر کے محاذی جانب راست تھی۔ اعلیٰحضرت کے داہنی طرف شہزادہ ولیعہد بہادر اور بعدہ صاحب عالیشان بہادر تشریف فرما تھے۔ عقب میں مہاراجہ مدارالمہام بہادر۔ نواب آصف یاورالملک بہادر۔ نواب خانخانان بہادر۔ نواب افسرالدولہ بہادر۔ مولوی احمد حسین صاحب۔ راجہ رائے رایاں۔ راجہ مرلی منوہر اور راجہ صاحب ونپرتی تھے۔

ٹھیک گیارہ بجے ڈیوک و ڈچز آف کناٹ اور پاؤ گھنٹہ کے بعد نواب وائسرائے بہادر مع لیڈی صاحبہ تشریف لائے۔ ان چاروں کی نشستیں پلیٹ فارم پر تھیں اعلان تاجپوشی و اختیار لقب قیصر ہند پڑھا گیا۔ شاہی جھنڈا بلند ہوا توپخانہ سے سلامیاں ہوئیں حضور وائسرائے بہادر نے نصف گھنٹہ تک اسپیچ دی جو تعجب ہے کہ ویسی شاندار نہ تھی جس کا یہ جلسہ مقتضی تھا اور بعدہ قیصر ہند کا پیام پڑھ کر سنایا گیا۔ اس کے بعد تمام رؤسائے عظام نے نواب وائسرائے بہادر اور ڈیوک آف کناٹ سے ملاقات کی اور اپنے اپنے اظہار عقیدت سے مسرور کیا۔

اعلیٰحضرت بحیثیت اپنی شان و رتبہ کے سب سے مقدم تھے اور نواب وائسرائے بہادر کو مخاطب کر کے حسب ذیل تقریر فرمائی:۔

"مجھے اس مبارک و قابل یادگار تقریب میں شرکت سے بے انتہا مسرت حاصل ہوئی یقیناً عالیجناب کو معلوم ہوگا کہ سلطنت انگلشیہ کیساتھ میرے خاندانی وفاداری و دوستی کے جو تعلقات نسلاً بعد نسلٍ رہے ہیں ہیں نے اپنی مدت العمر اُن کے

بحال رکھنے اور انکو تقویت دینے کی کوشش کی ہے۔ لہذا میری استدعا ہے کہ عالیجناب ازراہ عنایت میری خالص وصادق مبارکباد شہنشاہِ معظم کو پہنچا کر میری جانب سے یقین دلائیں کہ وہ مجھے اور میرے خاندان کو ہمیشہ اور ہر طرح ایک وفادار وصادق دوست پائیں گے۔

بجوابِ تقریر پُر تنویر اعلیحضرت لارڈ کرزن بہادر نے شکریہ آمیز جواب دیا اور جلسہ برخاست ہوا۔

دوسری شب کو عجیب وغریب آتشبازی چھوڑی گئی جسکی نظیر ہندوستان میں اس سے پہلے نہیں دیکھی گئی تھی۔ اس آتشبازی کا لطف اعلیحضرت نے جامع مسجد سے ملاحظہ فرمایا۔

آج دن کو جو جلسہ گارڈن پارٹی کا منجانب والسرائے بہادر ہوا تھا اس میں اعلیحضرت وشاہزادہ بلند اقبال ولیعہد بہادر و مہاراجہ مدارالمہام بہادر نے شرکت فرمائی۔

۴۔ جنوری کو اعلیحضرت نے ایک شاندار گارڈن پارٹی اپنے کیمپ میں دی جس میں نواب وائسرائے بہادر اور بہت سے رؤسا و اعلیٰ حکام علاوہ معزز ہمراہیان حضور کے تھے۔

۶۔ جنوری کو دیوان عام میں پُرتکلف اسٹیٹ بال ہوا۔ اسمیں والسرائے بہادر و ڈیوک آف کناٹ وبعض معززین شریک تھے۔ اعلیحضرت مع مدارالمہام بہادر وافسرالدولہ بہادر باعثِ رونق خاص تھے۔ دوسرے روز اسمیں تھیٹر میں دیسی ریاستوں کے ملازمین کا تزک واحتشام کے ساتھ ریویو تھا جس کو بڑے لطف سے نواب وائسرائے بہادر واعلیحضرت و مدارالمہام بہادر واکثر معززین نے ملاحظہ فرمایا اور ۸۔ جنوری کو فوجی ریویو ہوا۔

اعلیحضرت کو بہ تقریب نوروز جی۔سی۔بی۔ کا خطاب اور مدارالمہام بہادر کو جی۔سی۔آئی۔ای۔ اور نواب فریدوں جنگ بہادر کو سی۔آئی۔ای۔ کے خطابات عطا ہوئے۔ اور نواب وائسرائے بہادر نے ۹۔جنوری کو ایک عظیم الشان دربار منعقد کر کے حسبِ فرمانِ قیصرِ ہند اعلیحضرت کو تمغہ مذکور اپنے دستِ خاص سے پہنایا۔

اعلیحضرت ۱۹۔جنوری کو بعد سیر و سیاحتِ مقاماتِ مشہورہ زیاراتِ مقابرِ مقدسہ دہلی و تقسیم یک لاکھ روپیہ بطور خیرات دہلی سے مراجعت فرما ہوئے۔ آگرہ میں کچھ قیام فرما کر قابلِ ملاحظہ مقامات کی سیر کی۔ وہاں سے ۲۶۔جنوری کو بمبئی تشریف لائے۔ اسٹیشن بمبئی حسب الحکم گورنمنٹ بمبئی آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا سلامی کی توپیں سر ہوئیں۔ گورنر صاحب بمبئی نے نہایت متانت و سنجیدگی اور کل اعزاز و مراتب کے ساتھ اعلیحضرت کو ڈیپوٹیشن بھیجکر مدعو کیا۔ اعلیحضرت نے مع شاہزادۂ والاقدر ولیعہد بہادر باعزاز تمام ملاقات کی۔ توپوں کی سلامی ہوئی۔ اُسی روز گورنر صاحب بمبئی نے براسم معمولی اعلیحضرت کی خدمت میں پہنچکر شرف ملازمت حاصل کیا۔

اعلیحضرت نے بہ زمانہ قیام بمبئی انجمنِ احباب و انجمن اسلامیہ کو بھی شرفِ ملاقات بخشا۔ یہ دوسری انجمن بسر کردگی جسٹس بدرالدین طیب جی تھی۔

۲۰۔فروری کو اعلیحضرت سے ڈیوک آف کناٹ نے اپنے ایوانِ خاص میں پرائیویٹ ملاقات کی۔

۳۰۔فروری کو بمبئی سے روانہ ہو کر گلبرگہ اور ۳۱ مارچ کو تشریف فرمائے بلدہ ہوئے جہاں رعایا مدتوں سے چشم براہ تھی۔ بڑی دھوم دھام سے استقبال ہوا۔ رعایا کی طرف سے ایڈریس پیش ہوا جس کا نہایت دل افزا جواب نظم و نثر میں

دیا گیا۔

علاوہ جاگیرداروں اور عام رعایا کے جنہوں نے مختلف طریقوں سے اپنی اپنی مسرتوں کا بوقت واپسی اعلیٰحضرت اظہار کیا۔ کرنل بار رزیڈنٹ حیدرآباد نے بھی ایک جلسۂ خاص دعوت منعقد کرکے حضور کو دعوت دی جس میں سب سے اعلیٰ خطاب ملنے کی مبارکباد دی اور کہا کہ دربار دہلی میں اعلیٰحضرت کے شایان شان جسطرح مدارات منجانب وائسرائے بہادر عمل میں آئی نہایت خوشی کا مقام ہے کہ اعلیٰحضرت نے بھی موقع کی اہمیت اور اپنے مراتب کا بخوبی لحاظ رکھا۔

دربار دہلی سے بخیر و عافیت واپس آکر اعلیٰحضرت نے ایک خاص دربار منعقد فرمایا جس میں بفرط نوازش مہاراجہ مدارالمہام بہادر کو یمین السلطنت کا اعلیٰ خطاب اور خلعت فاخرہ اور جواہرات بے بہا سے مستقل مدارالمہام ہونے کی عزت بخشی۔

اعلیٰحضرت کی یہ نوازش بلحاظ اس حسن عقیدت اور فرمان پذیری کے جو منجانب مہاراجہ بہادر فطرتاً اور عملاً روز اول سے ظہور پذیر ہے جس کا ادنیٰ ثبوت ایک یہ ہے کہ روز سرفرازی خدمت جلیلہ سے لوازم خدمت عالیہ کے کثیر اخراجات ذمہ خزانہ عامرہ نہیں رکھے بلکہ اُن تمام مصارف کے اپنی ذات خاص سے متحمل ہو رہے ہیں۔

ضلع بندی جدید

ایک عرصہ سے قدیم ضلع بندی جو نواب سرسالارجنگ اعظم کے زمانہ میں پہلی تجویز ہوئی تھی۔ معرض بحث میں تھی۔ کوئی ضلع بہت چھوٹا اور کوئی بہت بڑا تھا

آب وہوا اور اقسام آبادی اور بعض مستقر مقامات اور بعض اضلاع کے حدود غیر مناسب اور توجہ طلب تھے۔ سب سے پہلے مولوی عبدالقادر صاحب صوبہ دار نے ضلع لنگسگور کو تخفیف کی ضرورت سمجھکر دوسرے اضلاع میں ضم کردینے کی رائے دی مگر جب اس کمیٹی کا پہلا اجلاس ہوا تو بہ غلبۂ آرا یہ طے ہوا کہ دوسرے اضلاع کی ضروریات و خصوصیات و غیر متناسب حالات پر بھی بالتفصیل نظر ڈالی جائے۔ چنانچہ اس کی ایک عرصہ تک کارروائی ہوتی رہی۔ آخر ضلع لنگسگور تخفیف کیا گیا۔ اور دوسرے اضلاع کے دیہات و تعلقات کا رد و بدل کیا گیا بعض مستقرات بدلے گئے۔ حدود از سر نو قائم کئے گئے۔ بجائے ضلع لنگسگور ضلع عادل آباد قائم کیا گیا۔ جو اب تک علداری ایدل آباد کے نام سے مشہور تھا۔ سب سے بڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ قدیم صوبۂ بیدر جس کو کبھی دارالسلطنت ہونے کا افتخار حاصل تھا۔ صوبہ داری کے پرفخر لقب سے محروم کیا گیا۔ اور صوبۂ گلبرگہ کے ماتحت صرف ضلع کی حیثیت سے رہ گیا اور بجائے صوبہ بیدر کے میدک نیا صوبہ قرار دیا گیا۔ اب صوبجات اور اس کے ماتحت اضلاع حسب ذیل ہیں:۔

صوبۂ اورنگ آباد۔ اورنگ آباد۔ بیڑ۔ ناندیڑ۔ پربھنی۔
صوبۂ گلبرگہ۔ گلبرگہ۔ بیدر۔ رائچور۔ عثمان آباد۔
صوبۂ میدک۔ میدک۔ نظام آباد۔ محبوب نگر۔ نلگنڈہ۔
صوبۂ ورنگل۔ ورنگل۔ کریم نگر۔ عادل آباد۔

اس درمیان میں بعض تعلقات اور اضلاع کے پرانے بے معنے نام بدل کر اچھے اور غیر مشکوک نام رکھے گئے۔ مثلاً عثمان آباد۔ نظام آباد محبوب نگر وغیرہ

نہر میدک

اولوالعزم اور رعایا پرور راجگانِ سلف نے اس ملک کے مختلف حصوں میں نہایت ہی عظیم القدر ذرائع آبپاشی بطور یادگار چھوڑے ہیں جس سے مخلوق الٰہی زیر سایہ عاطفت ظل اللٰہی نہایت اطمینان سے زندگی بسر کر رہی ہے لیکن زمانہ خلافت پناہی میں کوئی عظیم الشان آبپاشی کا ذریعہ نہیں پیدا ہوا تھا جس سے ایک قسم کی بے توجہی بمقابلہ زمانہ سابق پیش نظر تھی مگر الحمد للہ کہ یہ بد نما داغ بہ اجرائے نہر رودماجرا واقع میدک جاتا رہا۔ جو اعلیحضرت کے زمانہ کی عمدہ یادگار ہے۔ اور جو پندرہ لاکھ کی لاگت سے مسٹر راسکو این چیف انجنیر آبپاشی سرکار عالی کی عمدہ اور خیر خواہانہ تجویز سے سنہ ۱۳ف میں جاری ہوئی جہاں اراضیات کی قیمت محض برائے نام تھی وہاں نہر کے جاری ہوتے ہی بلکہ اجرا کے قبل اراضیات کی قیمت دس گنی ہوگئی۔ یہ نہر من کل الوجوہ سنہ ۱۳۱۵ف میں تیار و جاری ہوگئی۔

علوم و فنون

محکمہ علوم و فنون کے قائم ہونے سے اعلیحضرت نے علمی گروہ کی نہ صرف سرپرستی ہی نہیں فرمائی بلکہ اُردو زبان کے حق میں احیائے موتی کے باعث ہوئے کیونکہ اسی محکمہ کی بدولت اُردو زبان میں وہ وہ نایاب کتابیں ترجمہ و تصنیف ہو کر داخل ہوئیں جو اس سے قبل مفقود تھیں اور اس محکمہ کے نہ ہونے سے ان کا عالم وجود میں ظہور پانا دشوار تھا شمس العلما مولوی محمد شبلی نعمانی اس محکمہ کے روح رواں و افسر اعلیٰ ابتدائی تھے۔

دائرۃ المعارف

علیٰ ہٰذا دفتر دائرۃ المعارف نے عربی نایاب کتابوں کو اس خوبصورتی اور صحت سے چھاپ کر تمام عالم میں شہرت دی کہ اعلیحضرت کے اس محکمہ کی واجبی عزت تمام بلاد اسلامیہ میں ہوگئی اور دائرۃ المعارف کی مطبوعہ کتب عربی تمام دنیا کے عربی داں افتخاراً طلب کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں یہ امر تعجب انگیز نہ سمجھا جائے گا کہ سلطنت مصر و جرمنی کے عربی داں حضرات دائرۃ المعارف کے مطبوعہ کتب عربی کے خاصکر بہت شایق ہیں ۔ دائرۃ المعارف کی ابتدا زیادہ تر مرہون منت مولوی محمد عبدالقیوم صاحب مرحوم و مغفور کی ہے ۔

کارخانہ جات دخانی

لارڈ رپن نے اپنی ابتدائی اسپیچ میں فرمایا تھا کہ امن و امان کلید خزائن ہیں اعلیحضرت کے عہد بابرکت نے عملی طور پر اسکو ثابت کر دیا ۔ قبل ولادت باسعادت یہاں دخانی کارخانوں سے مطلقاً کسی کو واقفیت نہ تھی ۔ اگرچہ ملک حیدرآباد قدیم الایام سے دستی صنعت و حرفت کے لحاظ سے تمام دنیا میں مشہور ہے ۔ اورنگ آباد کا مشروع اور ہمرو اور وہاں کے گنگا جمنی کام پیٹن کی زرتار ساریاں وغیرہ ۔ ورنگل کے نفیس ریشمی قالین ۔ ناندیڑ کے خوشنما سبک سیلے ۔ بیدر کے بدری ظروف اور مختلف مقامات واقع ممالک محروسہ سرکار عالی کے ساختہ اوزار و آلات حربی نہایت مشہور رہیں ۔ شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی نے لندن کی ایک باوقعت مجلس کے روبرو ایک محققانہ مضمون پڑھا تھا جس میں نرمل کے فولاد کی حقیقت بیان کی تھی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں کا فولاد

تمام دنیا کے فولاد سے بہتر ہے۔

گزشتہ ربع صدی میں ریلوے کے اجرا کے ساتھ ہی جب حیدرآباد، گلبرگہ۔ اورنگ آباد میں دخانی کارخانے قائم ہوے جن میں لاکھوں انسان کی قوتوں کے مقابلہ میں صرف چند ہزار نفوس کام کرنے لگے تو خزائن اندرون زمین نے کارکنانِ سلطنت کو دھیمی آواز سے لوہا۔ پتھر۔ ہیرا۔ تانبا۔ کوئلہ وغیرہ نہایت ضروری اشیا کی طرف متوجہ کیا۔

حیدرآباد میں مسٹر سیمور ممبر پارلیمنٹ لندن نے پارچہ بافی کا کارخانہ کھولا۔ گلبرگہ میں محبوب شاہی نام کی کمپنی قائم ہوئی پھر شہر بلدہ کے اورنگ آباد میں دوسرا کارخانہ پارچہ بافی کھولا گیا۔ ان سب کارخانوں میں مجموعی تعداد ۲۲۴۰ کاریگروں کی ہے اس کے علاوہ حاجی سیٹھ لعل نے حیدرآباد میں فلور ملز (آٹا پیسنے کی چکی) اور نواب شمشیر جنگ بہادر نے ایک مختصر کارخانہ آہنی تیار کیا ہے۔ اور اضلاع حیدرآباد میں جہاں روئی کی معقول پیداوار ہے۔ روئی کے صاف کرنے اور گٹھے باندھنے کے کارخانے نہایت کثیر تعداد میں تقریباً ہر اسٹیشن پر قائم ہو گئے ہیں۔ ان تمام کارخانوں کے علاوہ حال میں بلدہ کے بعض اولوالعزم حضرات نے ایرانی قالین کا کارخانہ قائم کیا ہے جس کے مال کی کھپت زیادہ تر امریکہ میں ہو رہی ہے۔ جو تمام دنیا میں صنعت و حرفت کا مسلمہ مرکز ہے۔

ان تمام کارخانوں کے قائم ہونے سے جہاں ملکی فلاح و بہبود و ترقی آمدنی ہے وہاں ایک گونہ افسردگی اس خیال سے بھی ہوتی ہے کہ جس قدر کثیر التعداد کارخانہ جات دخانی اضلاع پر قائم ہوئے ہیں۔ اُن میں سے ایک کارخانہ بھی اہل حیدرآباد کا نہیں ہے کل کارخانے بیرونی لوگوں کے

سرمایہ سے ہیں۔

بلدہ کے نامی تاجر سید عبدالرزاق نے ایک کارخانہ شکر سازی کا قائم کیا تھا۔ مگر یہ بیرونی مال کی ارزانی کا مقابلہ نہ کرسکا۔

راجہ مرلی منوہر بہادر آصف نواز ونت اجرائی کارخانہ جات واقع پرتور وامری کے لئے کسی قدر مستحق تعریف تھے کہ صرف انھیں نے منجملہ کثیر التعداد امرائے بلدہ کے اپنے سرمایہ سے مقامات مذکورۂ بالا پر روئی کے چار کارخانے قائم کئے تھے مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد راجہ موصوف نے اپنے کل کارخانجات بیرونجات کے لوگوں کو تھیکہ پر دیدئے اور ایک نمونہ جو ملکی اولوالعزمی کا قائم ہوا تھا اس میں بھی حسب بالا کسادبازاری نمودار ہوگئی۔ باقی کل کارخانے جنکے ذریعہ سے لاکھوں روپیہ کی دولت جمع کیجاتی ہے محض بیرونی لوگوں سے متعلق ہیں

لارڈ ایمپتھل گورنر مدراس سرکار عالی سے بعض مراعات متعلقۂ آبپاشی تعلقات واقع سرحدات دوستانہ طریقہ سے حاصل کرنے کے لئے ۱۹۰۵ء میں تشریف فرمائے بلدہ ہوئے۔ اور دوسرے سال پرنس آف ویلز برادر حضور سابق پرنس آف ویلز جو قبل ازیں ۱۸۸۹ء میں یہاں تشریف لائے تھے رونق افروز بلدہ ہوئے۔

انتظامِ ریاست

رعایا کی خوشحالی اور ریاست کی فارغ البالی سلطنت کے مختلف شعبوں کے حسن انتظام پر منحصر ہے۔ لہذا جو نقش نقاش اول سرسالار جنگ نے اپنے باتدبیر اصحاب الرائے کی امداد سے ڈالا تھا اُس سے اعلحضرت نے کبھی انحراف نہیں کیا بلکہ مقتضیات وقت کے لحاظ سے اُس میں ہمیشہ اضافہ اور اصلاح

فرماتے رہے۔

منجملہ بہت سے محکمہ جات اور دفاتر کے جو رعایا کی جان و مال اور حقوق کی حفاظت کے لئے بلدہ اور اضلاع میں قایم ہیں سب سے مہتم بالشان صیغہ جاتِ عدالت و کوتوالی ہیں۔

بلدۂ حیدرآباد میں عدالتِ عالیہ سب سے بڑا محکمہ عدالت ہے اس کے ذیل میں عدالت دارالقضا و عدالتہائے دیوانی و فوجداری ہیں۔ اضلاع میں تین عدالت ہائے نظامتِ صوبہ اور بارہ عدالتہائے ضلع اور پندرہ عدالتہائے منصفی ہیں صوبہ ورنگل میں عدالت کا انتظام ہنوز علحدہ نہیں ہے لہذا صوبہ دار و تعلقدار و تحصیلدار دیوانی و فوجداری اختیارات مفوضہ عمل میں لاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اسپیشل مجسٹریٹ ٹھگی۔ ڈکیتی اور سنگین جرایم کی تحقیقات کے لئے ہے۔

سب صوبوں میں صدر عدالت نظامت نہیں ہے اور نہ سب نظمائے عدالت کو مساوی اختیارات ہیں۔ ہر ضلع میں ایک صدر منصف ہے جس کو پانچ ہزار روپیہ تک کے مقدموں کی سماعت کا اختیار ہے لیکن نظام آباد۔ میدک۔ بیدر۔ اور محبوب نگر کے نظمائے عدالت کو دس ہزار تک کا اختیار ہے تحصیلداروں کو مقدماتِ فوجداری کی سماعت کا بالعموم بقید حدود اختیارات امتیاز حاصل ہے لیکن چند تحصیلداروں کو سو روپیہ تک کے مقدمات دیوانی کا بھی اختیار ہے۔

عدالت کے تمام جزئیات کے لئے قوانین منضبط ہیں اور سرکار عالی میں کوئی صیغہ صیغۂ عدالت سے زیادہ باقاعدہ اور منضبط نہیں ہے سوائے صوبہ اورنگ آباد کے کہ ہنوز محکمۂ جوڈیشل اپنے اخراجات کا خود کفیل نہیں ہے۔

محکمہ پولیس کے دو بڑے حصے ہیں۔
اول پولیس بلدہ۔ دوم پولیس اضلاع۔ بلدہ کی پولیس پر افسر اعلیٰ بنام کوتوال بلدہ وبیرون بلدہ ہوتے ہیں شیخ عنایت حسین جنگ کوتوال ابتدائے زمانۂ وزارت سر سالار جنگ ثانی میں مستعفی ہوئے اس وقت سے نواب اکبر جنگ اکبر الملک تا حال برسر خدمت رہے۔ان کے زمانہ میں کوتوالی بلدہ کا انتظام قابل ستایش رہا۔ نواب اکبر جنگ بہادر سی۔ یس۔ آئی نہایت مضبوط منتظم اور جفاکش تھے۔ نواب عماد جنگ بہادر مرحوم سکرٹری کو جو کوتوال صاحب کے ساتھ یکجان و دو قالب تھے۔ امید واثق تھی کہ ان کے انتقال کے بعد اس خدمت عالیہ پر اون کے برادر زادہ مقرر ہوں گے لیکن اون مرحوم کے حسب مقصود نتیجہ نہ ہونے سے نواب اکبر جنگ بہادر سخت متنغص ہوئے اور شکایت کے کلمات زبان پر لائے۔ کہا جاتا ہے کہ بعض امور پہلے سے ہی اعلیحضرت کے خلاف مزاج واقع ہوئے تھے۔ مزید برآں بعد انتقال نواب عماد جنگ بہادر اس قسم کی گفتگو سے اعلیحضرت کو زیادہ تکدر خاطر ہوا اور کوتوال صاحب معاف ہو کر بمبئی چلے گئے۔ بعدہ بحصول اجازت بلدہ آئے اور چندے بیمار رہ کر انتقال کر گئے۔

بعد نواب اکبر جنگ بہادر کے میر وزیر علی نواب سلطان یاور جنگ بہادر کوتوال بلدہ مقرر ہوے۔ آپکا انتظام اور نگرانی از منۂ سابقہ سے کم نہیں ہے اعلیحضرت نے بارہا اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا و انسرائے و مہاراجہ مدار المہام بہادر نے انتظام امن و امان کا جو اطمینان بخش ہے شکریہ ادا کیا۔

کوتوالی بلدہ کی جمعیت (۳۰۹۲) ہے جس میں عہدہ دار اور کانسٹبل عروب اور رو ہیلے و سواران پولیس و خفیہ پولیس اور عام پولیس سب شریک ہیں

اخراجات سالانہ تقریباً ساڑھے چار لاکھ روپیہ ہیں۔

کوتوالی اضلاع کی نظامت عرصہ دراز سے یوروپین ہاتھوں میں ہے مسٹر لڈلو کے بعد مسٹر ہنکن سی۔ آئی۔ ای نہایت تجربہ کار اور ہوشیار اور کوتوالی اضلاع کے حق میں پرتو علے ہیں۔ کوتوالی اضلاع کی جمعیت دس ہزار دوسو پنج چودہ لاکھ عــــــہ روپیہ قایم ہے۔ جس طرح کوتوالی بلدہ اپنی خوش انتظامی سے کفیلِ امن وامان ومحافظ جان ومال اہل بلدہ ہے۔ اسی طرح انتظام کوتوالی اضلاع نہایت معتبر وموقر اور ضروریاتِ زندگی اہل اضلاع کے لئے بابرکت ہے۔

صیغہ جاتِ مال جس میں آبکاری وکرورگیری دو بڑی شاخیں ہیں وہ بھی بعد صیغۂ عدالت منضبط وپابندِ قواعد ہے۔

آمدنی مالگزاری دو اور تین کرور کے درمیان ہے۔

آمدنی کرورگیری ۱۳۰۵ء میں ۳۵ لاکھ تھی۔ یہ پہلا سال سرکاری انتظام کرورگیری کا تھا۔ اس سے قبل کرورگیری کا بھی تعہد دے دیا گیا تھا۔ اور ۱۳۱۱ھ میں پچاسی لاکھ کی آمدنی ہوئی۔ مجموعی آمدنی تمام محکمہ جات سرکارعالی کی تخمیناً پانچ کرور روپیہ ہے۔ اور اخراجات سلطنت بہ حیثیت مجموعی بمقابلۂ آمدنی کسیقدر کم ہیں۔ سنینِ گذشتہ میں بارہا اخراجات بمقابلۂ آمدنی بڑھے رہے۔ صرف خاص کی آمدنی چالیس اور پچاس لاکھ کے درمیان ہے۔

افواج سرکارعالی

اگرچہ اس امن وامان کے زمانہ میں اور نیز بوجہ سیادت برٹش گورنمنٹ سرکارعالی کو زیادہ ضرورت قیام افواج کی نہیں ہے لیکن تاہم جو قدیم طریقہ

جلالت وشہامتِ فوجی کا چلاآتا ہے اُس میں باوجود اصرار برٹش گورنمنٹ بہت کم تخفیف ہوئی ہے موجودہ افواج سرکارِ عالی کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

فوج باقاعدہ (۶۰۰۶) جس میں توپخانے اور پیادے بھی ہیں۔ اس کا خرچ تخمیناً پندرہ لاکھ روپیہ سالانہ ہے۔ امپیریل سرویس ٹروپس۔ گولکنڈہ بریگیڈ۔ رسالہ جشیان۔ فوج میسرم شامل افواج باقاعدہ ہے۔ افواج باقاعدہ کے علاوہ ایک بڑی تعداد افواج بیقاعدہ کی ہے اس میں تین ہزار سے زیادہ سوار اور باقی جملہ اقوام ہند کے پیادے ہیں۔ ان اقوام میں سندھی عرب روہیلے دکنی۔ راٹھور اور سکھ وغیرہ ہیں اس کا خرچ تخمیناً (۲۰) لاکھ سالانہ ہے۔

تعلیمات

ملک کی دماغی ترقی علم۔ مرفہ الحالی اور حقوق شناسی کا تعلیم عام سے بہتر اور کوئی دوسرا ذریعہ مسلم الثبوت نہیں ہے۔ سرکار عالی نے روزِ اول سے تعلیم کی جانب نہایت فیاضی سے توجہ فرمائی ہے اور طلبار کے ایڈریس کے جواب میں جو کلمات اعلیحضرت نے طلبا کی دلدہی اور دل افزائی کیلئے فرمائے ہیں وہ ہمیشہ یادگار رکھنے کے قابل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعلیحضرت بذات خاص تعلیم کے کس قدر حامی ہیں۔ سرکار عالی میں اس وقت ہر قسم کے ضروری مدارس موجود ہیں۔ جن میں نظام کالج۔ دارالعلوم۔ مدرسہ نظامیہ بحیثیت اعلیٰ تعلیم انگریزی ومشرقی ومذہبی قایم وجاری ہیں۔

چند سال گزرے کہ اورنگ آباد کالج بوجہ کمی طلبا شکست کر دیا گیا اب اعلیٰ تعلیم کے لئے صرف نظام کالج ہے اور یہ بہت گرانی خرچ کے ساتھ قایم ہے یعنے فی طالب علم سرکاری خرچ تقریباً آٹھ سو روپیہ سالانہ ہے۔

کالج کے بعد پندرہ ہائی اسکول سرکاری اور امدادی دارالریاست اور اضلاع میں ہیں۔ اِن میں سے فی صوبہ ایک ہائی اسکول بیرونجات میں ہے باقی کل مدارس حیدرآباد ہی میں ہیں۔ ہائی اسکولوں میں سرکاری خرچ فی طالب علم ستاون سے ۱۵۰ تک پڑتا ہے۔ ۵۸ مڈل اسکولوں میں طلبا کی سالانہ تعداد بدرجۂ مساوی (۹۰۰۰) ہے۔ اس کے بعد ابتدائی مدارس ہیں جن کے طلبا کی تعداد پچاس ہزار ہے۔

ان مدارس کے علاوہ مدرسۂ تعلیم نسواں۔ نارمل اسکول۔ انجینئرنگ مدارس صنعت و حرفت۔ پولیس ٹریننگ اسکول۔ لا اسکول۔ نشتی اسکول۔ محبوب صنعتی اسکول۔ فارسٹ اسکول وغیرہ قائم ہیں اور بہت سے طلبا کو خاص خاص پیشہ کی تعلیم کے لئے علیحدہ وظائف دئے جاتے ہیں۔ انگلستان میں یہاں کی تعلیم پر کم سے کم اسی ہزار روپیہ سالانہ اوسط درجہ خرچ ہوتے ہیں۔ باوجود ان اخراجات کے ہنوز صیغہ تعلیمات محتاج مزید نگرانی و مزید اخراجات کا ہے اخراجات کے لحاظ سے نتائج قابل اطمینان نہیں ہیں اور مدراس یونیورسٹی کی سختیوں سے محکمۂ تعلیمات سرکارِ عالی نالاں ہے۔

دارالعلوم کا تعلق پنجاب یونیورسٹی سے تھا۔ یہ مشرقی کالج قلیل اخراجات کے ساتھ عمدہ نتائج دکھاتا رہا۔ اب یونیورسٹی کے اصلاحی کمیشن نے اس مدرسہ کا تعلق پنجاب یونیورسٹی سے منقطع کروایا جو لارڈ کرزن کی ناگوار یادگار ہی دلوں میں سے ہے صیغۂ تعلیمات میں جو بڑی خرابی محسوس ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ امرا اور ذی اثر باقاعدہ اعلیٰ تعلیم کی چنداں پروا نہیں کرتے کیونکہ خدمتوں کی تقسیم کے لئے کوئی علمی معیار قائم نہیں جو لوگ وہاں کسی قدر تعلیم کی جانب متوجہ ہیں وہ باخراجات معمولی ذاتی معلموں کے ذریعے کسب علوم

کرتے ہیں۔ درمیانی طبقہ کے جو لڑکے فی الوقت تعلیم کے زیادہ شائق ہیں وہ مدارس کی خام تعلیم سے کامیاب نہیں ہوتے اور نہ معیار و طریقہ تعلیم و ضروری نگرانی کی عدم موجودگی کے متعلق اُن کی صدا مسموع ہوتی ہے۔

تعمیرات

صیغہ تعمیرات کی دو عظیم شاخیں ہیں۔ ایک تعمیرات عامہ اور دوسری آبپاشی ہر صیغہ کا علحدہ افسر ہے جو سپرنٹنڈنٹ انجینیر کہلاتا ہے۔

جنرل برانچ یعنے تعمیرات عامہ کے متعلق عمارات کی نگہداشت و تعمیرات خفیف کارہائے آبپاشی۔ کارہائے قلعہ و دیگر عمارات سڑکیں اور ... ڈیپارٹمنٹ اور صیغہ آبپاشی کے متعلق جملہ کارہائے آبپاشی ہیں جن سے محاصل سرکاری وصول ہوتے ہیں۔

شاخ تعمیرات عامہ کا دفتری خرچ تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ سالانہ اور شاخ آبپاشی کا مستقل دفتری خرچ دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ سالانہ ہے۔ جس کے علاوہ غیر مستقل خدمات بھی ہیں۔ جن کا مجموعی خرچ چار لاکھ روپیہ سالانہ ہوتا ہے۔ حال میں دونوں شاخوں کے دفتری اخراجات میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ کارہائے تعمیرات سڑک اور آبپاشی وغیرہ حسب گنجایش موازنہ سالانہ منظور و جاری ہوتے رہتے ہیں۔ جن کی تعداد اور مقدار متعین نہیں مگر علی العموم انتظام تعمیر سڑک وغیرہ خصوصاً اضلاع پر قابل اطمینان نہیں۔

عام تبصرہ

اس موقع پر تمام دفاتر و محکمہ جات کے متعلق مفصل بیان کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ہر ایک دفتر کی تفصیل کے لئے ایک ضخیم کتاب درکار ہے بہ حیثیت مجموعی اس وقت سرکار عالی کے تمام محکمہ جات پابند قواعد وضوابط ہیں اور ہر ایک محکمہ کے لئے مخصوص قانون جو ضروریات مقامی پر مشتمل ہیں جاری ہو چکے ہیں اور جس قسم کی ضرورت بعد تجربہ محسوس ہوتی ہے متمدن و شایستہ اقوام کی طرح اُس میں باجرائے گشتیات ترمیم کر دیجاتی ہے۔ یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ جو امن وامان اور روز افزوں ترقی ہر صیغہ میں آج پائی جاتی ہے وہ اُنہیں قواعد وضوابط کی اجراو پابندی کا نتیجہ ہے جو تجربہ کار مبصروں نے وقتاً فوقتاً جاری کئے ہیں جس کی وجہ سے آج ممالک محروسہ سرکارِ عالی بعد برٹش گورنمنٹ ہندوستان کا ایک کانسٹی ٹیوشنل ملک ہوگیا ہے۔ بلکہ بعض خاص حیثیتوں سے یہاں کی عام رعایا انگریزی رعایا سے زیادہ تر امن وامان و آسایش میں ہے یہاں مینوسپل ٹکس بہت کم اور خاص خاص مقامات پر ہیں۔ انکم ٹکس معدوم اور ہاؤس ٹکس ندارد ہے۔

زراعت پیشہ رعایا کے ساتھ جو رعایت یہاں ملحوظ ہے۔ وہ اس سے ظاہر ہے کہ قرب وجوار کی انگریزی رعایا نہایت کثرت سے حدود سرکار عالی میں آکر اپنے پیشے سے مرفہ الحال ہوتی ہے۔ ٹول ٹکس لوکل سیس اور بہت سے ابواب محصولی جن سے رعایا کو تکلیف ہوتی ہے یہاں نسبتاً بہت کم ہیں یہاں تک کہ مجرموں اور ناشاد قیدیوں کے ساتھ

جو سلوک حسب انتظامِ سرکاری دوا گا ہوتا ہے وہ انگریزی مجسوں میں مفقود ہے
زراعت پیشہ اقوام اور مدیونِ قرضہ کے ساتھ خاص خاص مراعات ہیں
جن کا وجود برٹش عملداری میں نہیں ہے۔

اعلیحضرت نے تقسیم اعزاز و مناصب میں بین الاقوام کوئی ترجیح جائز
نہیں رکھی اور نہایت عادلانہ انتظام قائم رکھا ہے۔ باوجود مسلمان گورنمنٹ
ہونے کے بمقابلہ (۱۵۸۲) مساجد اور (۵۳۱۷) درگاہوں اور
عاشور خانوں کے جن کی مجموعی تعداد (۶۸۹۹) ہوتی ہے (۲۱۵۴۵۷)
ہندوؤں کے مندروں اور دھرم سالوں کی خزانۂ سرکاری سے امداد
کی جاتی ہے۔ اور خدمتوں کی تقسیم میں بھی ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کے
مقابلہ میں زیادہ ہے۔ درگاہوں کے مقابلہ میں ہندو مٹھوں کے لئے
معافیاں بہت ہیں۔ اور باستثنائے پائیگاہ ریاست عالیہ میں بڑی بڑی
سرسبز جاگیروں پر ہنود قابض ہیں۔

کسی قسم کا پولیٹکل یا مذہبی جھگڑا یہاں قریباً معدوم ہے اور جو ارتباط
و اتحاد ہندو اور مسلمانوں کے سوشیل معاملات میں یہاں تسلی بخش نظر آتا
ہے اس کی نظیر نہ برٹش گورنمنٹ میں ہے نہ کسی اور دیسی ریاست میں۔

ٹھگی۔ ڈکیتی اور سنگین جرائم روز بروز کم ہوتے جاتے ہیں انتظامِ پولیس
خواہ بلدہ کا ہو یا اضلاع کا قابلِ اطمینان اور لائقِ تحسین ہے۔

اعلیحضرت کی انصاف پرستی اور بے تعصبی زبان زدِ خاص و عام ہے
مسلمان فقرا و غربا کی دعوتوں کے ساتھ ہندو برہمنوں کی دعوتوں کا انتظام
بھی بڑے پیمانے پر کیا جاتا ہے۔ اور ہندو مہاتماؤں کا وہی اعزاز ہے
جو مسلمان درویشوں کا۔ قیدیوں پر بلا تخصیص مذہب خاص مہربانی ہے

اکثر موقعوں پر ان کی غیر متزلزل وفاداری کے ساتھ اپنی جانب سے عمدہ مٹھائی
کمل۔ برتن۔ اور اشرفیاں انعام دیجاتی ہیں۔

ہندو رعایا جو مسلمانوں سے تعداد میں نو حصے زیادہ ہے اعلیٰحضرت کو
اسی محبت اور وفاداری کی نظر سے دیکھتی ہے اور اپنے اپنے معبدوں میں
درازیٔ عمر و اقبال کے لئے مستدعی رہتی ہے جس طرح مسلمان مسجدوں میں۔

خوش قسمتی اور تیز نظر انتظام و رعایا پروری پر نظر کر کے برٹش گورنمنٹ
اکثر تائید پر آمادہ رہتی ہے۔ یہاں کشمیر۔ بڑودہ۔ میسور۔ اندور کی طرح
کبھی رزیڈنٹوں کو شکایت کا موقع نہیں ملا۔ اور دونوں گورنمنٹوں میں رابطۂ
اتحاد نہایت مستحکم ہے۔ آنریبل مسٹر بیلی رزیڈنٹ حال اس قسم کے تعلقات
کے استحکام کے لئے نہایت موزوں ہیں۔

اعلیٰحضرت کے ذاتی محامد کا بیان تاریخی احاطہ سے خارج ہے لیکن
چونکہ بمصداق اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ لوگوں کا رجحان خاطر ہمیشہ بادشاہِ
وقت کے عادات و اطوار کی جانب ہوتا ہے جس کو انتظام سلطنت میں بڑا دخل
ہے لہذا یہ کہنا مطلق مبالغہ نہیں ہے کہ اعلیٰحضرت درحقیقت تحمل و درگزر کے
اوصاف سے بدرجۂ غایت متصف اور عام طور سے بمقابلہ ضرر رسانی
نفع رسانی کی طرف بالطبع مائل ہیں۔ اور اجرائی قوانین میں رعایا کی سہولتوں پر
بمقابلہ دشواریوں کے ترجیحی نظر رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ محبوب خلایق
ہیں۔ اسم کے ساتھ مسمیٰ کی جو تطبیق قدرتی طور سے یہاں ہوگئی ہے وہ
بےنظیر ہے۔

ریاست کا یہ حصہ کہ ہر زمانہ ملکی انتظام کے علاوہ علمی مشاغل کیطرف
متوجہ رہا ہے۔ چنانچہ اکثر مضامین و تاریخی قدیم کتب کا تصنیف و تالیف

کرنا بھی وزارت مآب کے لئے باعث فخر و مباہات ہے۔
نواب افسر جنگ افسر الدولہ افسر الملک بہادر فوجی حلقہ میں نہایت عزیز الوجود اور مختلف قسم کی قابلیتوں کے لحاظ سے کرنلی۔ اور سی۔ آئی۔ ای کے امتیازات کے لئے موزوں ہیں جو برٹش گورنمنٹ سے عطا ہوئے ہیں۔
مولوی احمد حسین صاحب معتمد پیشی اعلیحضرت و نواب فریدوں جنگ بہادر سی۔ آئی۔ ای پرائیوٹ و پولٹیکل سکرٹری و مولوی محمد عزیز مرزا صاحب ہوم سکرٹری مدار المہام بہادر و معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ آسمان حکومتِ آصفیہ کے درخشاں ستارے ہیں۔
دوسری طرح سے بھی اس ریاستِ عالیہ کو اوّلیت اور تقدم اکثر بلادِ ہند پر حاصل ہے۔ سلطنت بہمنیہ اور اُس کے بعد پانچ سلطنتیں دکن کے مختلف حصوں میں قائم ہوئیں۔ سب کی قائمقام یہی سلطنت ہے۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں جو صوبے علیحدہ ہو گئے تھے اُن میں سے یہی صوبہ بفضل تعالے قائم ہے اور خدا اس مفید یادگارِ سلطنت مغلیہ ہند کو ہمیشہ کے لئے مصئون و محفوظ رکھے۔ برٹش گورنمنٹ کو بمقابلہ ٹیپو سلطان و پیشوایانِ مرہٹہ جو استحکام اس ریاست کی فوجی قوت سے ہوا ہے اُس میں کوئی دوسری ریاست شریک نہیں اور نہ ”فیتھفل الائی“ ہمارا وفادار رفیق“ کا بجز حضور نظام خلد اللہ ملکہ کوئی دوسرا مستحق ہو سکتا ہے۔
۱۸۵۷ء کے خدمات میں اسی ریاست کے مدار المہام کو ”نجات دہندۂ ہندوستان“ کا پرفخر خطاب عطا ہوا ہے۔ سر سالار جنگ اول ہندوستان کے تمام مدبروں میں درجۂ اول رکھتے تھے۔
امپیریل سروس ٹروپس کی بنیاد اسی ریاستِ عالیہ سے ہوئی جو آج

برٹش گورنمنٹ کا نہایت کار آمد فوجی حصہ ہے۔

علیگڑھ کالج جو آج تعلیمی مرکز اور عظیم الشان یونیورسٹی بن چکا ہے یہیں کی غالب امداد سے قائم و جاری ہوا۔ اور ندوۃ العلماء و دیوبند کی اسلامی درسگاہیں اور دار المصنفین و انجمن ترقی اُردو کی افادتگاہیں اسی چشمۂ فیض سے سیراب ہو رہی ہیں۔

مولوی مہدی علی خاں نواب محسن الملک مرحوم نے اسی ریاستِ عالیہ میں اپنی عمر کا بیش بہا وقت صرف کیا ہے۔ نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین سکریٹری علیگڑھ کالج سرکار عالی ہی کے قدیم متوسل اور وفادار خادم ہیں۔ تمام ہندوستان میں سب سے پہلے نواب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین ناظم تعلیمات سرکار عالی ہی کو انڈیا کونسل لندن کی پُر فخر ممبری کی عزت حاصل ہوئی ہے شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی جو ادبی۔ انجنیری۔ و قانونی امتیازیوں اور ڈگریوں کے بینظیر مجموعہ ہیں اور شمس العلماء مولوی الطاف حسین حالی اور شمس العلماء مولوی محمد شبلی نعمانی اور شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی اور شمس العلماء مولوی عبد الحق کانپوری اور شمس العلماء مولوی عبد الحق صاحب خیر آبادی اور خاتم العلماء ابو الحسنات مولوی محمد عبد الحی فرنگی محلی لکھنوی وغیرہ نامی گرامی افراد متوسلِ ریاست عالیہ رہے ہیں۔

جوبلی کی تاریخ

جوبلی دراصل خداوند پاک کا ایک حکم ہے جو عبرانی لفظ یوبل سے بگڑ کر جوبلی ہوا ہے۔

طور سینا پر خداوند تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد کیا کہ بنی اسرائیل سے کہدو جو زمین تمکو دیجاتی ہے جب تم اُسپر دخل پاؤ تو اس کو چھ سال تک جوتو۔ کاشت کرو۔ انگور لگاؤ۔ اور اس سے ہر قسم کا فائدہ اٹھاؤ مگر ساتویں سال تم اس کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ نہ اس کو جوتو۔ نہ اس پر کاشت کرو۔ نہ انگور کی بیلوں کو آراستہ کرو۔ پرتی رہنے دو۔

زمین کے سبت کا سال

اسی طرح سات سبتوں تک جو حساب سے اُنچاس سال ہوتے ہیں زمین سے فائدہ اٹھاؤ۔ مگر پچاسویں سال زمین پر کوئی کام نہ کرو اور اس سال اس کو پرتی رہنے دو۔ یہ یوبل (جوبلی) کا سال ہے۔

زمین ہمیشہ کے لئے فروخت نہ کیجائے اور اگر فروخت کر دی گئی ہے تو بھی پچاسویں سال وہ اصل مالک کو مل جائے گی۔

اس سال اگر تم کچھ نہ بوگے نہ پھل لگاؤ گے اور خدا کا حکم مانو گے تو خداوند اس قدر غلہ اور پھل تم کو دے گا کہ کئی سال تک تم کھاتے رہو گے اس بیان کے پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جوبلی کا حکم جو شریعت موسوی میں داخل ہے خدا کی بہت بڑی حکمت عملی پر مبنی ہے اس سے نظم و نسقِ مملکت۔ خدا کی فرمانبرداری خدا پر بھروسہ لگاتار محنت کرنے کے بعد آرام و راحت۔ رعایا اور وابستگان

وامن و دولت کے ساتھ محبت اور باہم ہمدردی کا سبق ملتا ہے۔ اور تمام روحانی جذبات اس حکم میں مضمر ہیں۔ جوبلی کی تاریخ توریت شریف سے شروع ہوتی ہے۔ اور اُس پر ہمیشہ عمل ہوتا رہا ہے۔ اگر زیادہ موشگافی نہ کیجائے تو شاہانِ عجم کے درباروں میں اس قسم کے جشن بہت سے ملینگے اور گو آج ہم یہ نہ بتا سکیں کہ حضرت موسیٰؑ سے کتنے سال بعد شاہانِ عجم کے یہاں نوروز کی بنیاد پڑی اور نوروز سے پہلے کیسے جشن ہوا کرتے تھے۔ تاہم اس کا پتہ مل جاتا ہے کہ آتشکدوں میں ایک مدتِ معین کے بعد خدا کی حمد کے ترانے گائے جاتے تھے۔

جوبلی سال رومن کیتھلک گرجاہیں ہر پچیسویں برس منایا جاتا ہے۔ دورانِ سال میں (۲۵ دسمبر سے ۳۱ دسمبر تک) رومن کیتھلک فرقہ کو کچھ آزادیاں اور مراعات اس شرط پر حاصل ہوتے ہیں کہ وہ اپنے گناہوں کا اقرار سچے دل سے کریں اور چند گرجاؤں میں مقررہ اوقات پر جائیں شاہ بونیفس ہفتم کے وقت سے پہلے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ اس کے فرمان کی تاریخ ۲۲ اپریل سنہ ۱۳۰۰ء ہے جیکوبس لیتھبس نے ان واقعات کو جو اس کے انعقاد کا باعث ہوئے اُن اعتقادات کی طرف محول کیا ہے جنہوں نے رومۃ الکبریٰ میں یکم جنوری کے بعد زائرین کی آمد کی صورت اختیار کرلی تھی۔ اول اول سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کے گرجا جوبلی گرجا مانے جاتے تھے مگر بعد کو لیٹرن گرجاؤں نے بھی اس رعایت سے فائدہ اُٹھایا اور اب رومن جوبلی سال کے ایک برس بعد تمام مقامی گرجاؤں میں یہ رسم ادا کی جاتی ہے۔ رومی رعایا کی درخواست پر کلیمنٹ ششم نے مدت پچاس برس رکھی حالانکہ بونیفس نے سو برس رکھی تھی۔ اربن ششم نے اس میعاد کو بھی گھٹایا اور ۳۳ برس کی میعاد (حضرت مسیحؑ کی

دنیاوی زندگی اختتام کی اور اب پاپ دوئم نے اس کو تخفیف کرکے ۲۵ برس کیا۔

حسب رسوم مقررہ سکندر ششم جس سال جشن جوبلی شروع ہوتا تھا پوپ ۲۵ دسمبر کی شام کو اور لوگوں کے ساتھ ایک خاص دروازہ تک جاتا تھا اور اُس پر تین بار دستک دیکر کچھ الفاظ کہتا تھا۔ دروازہ تب کھل جاتا اور پاک پانی اُس پر چھڑک کر پوپ اس کے اندر سے چلا جاتا تھا۔ اسی قسم کے رسوم شہر کے اور گرجاؤں میں بھی پادری عمل میں لاتے تھے۔ ہندوستان میں گو جوبلی کی طرح کے جشن اور تاریخی واقعات موجود نہیں ہیں۔ مگر کسی زمانہ میں یہ ملک بھی بڑے بڑے جلسوں اور جشنوں کے لئے مشہور تھا۔

۱۸۸۷ء میں ملکہ معظمہ وکٹوریا کی جوبلی ہندوستان میں دھوم دھام سے منائی گئی۔ پھر دس برس کے بعد دوسری جوبلی ہوئی جس میں تمام ملک کی جانب سے خوشی ظاہر کی گئی۔

اس کے بعد ہمارے حضور اعلیحضرت نظام الملک آصف جاہ سادس خلد اللہ ملکہ کی جوبلی کا وقت آیا اور رعایا نے باوجود اعلیحضرت کی سخت تاکید اور اصرار کے نہ مانا اور سلور جوبلی منانے کے لئے اپنی ضد کی کہ حضور اقدس مجبور ہو گئے

رعایا کے دل میں اپنے بادشاہ کی محبت کا پیدا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ بادشاہ خدا کا سایہ اور اُس کی بیش بہا نعمت ہے اور یہ بات صرف افضالِ الٰہی پر منحصر ہے

ہندوستان میں سیکڑوں بادشاہ ہوئے ہیں اور ہزاروں روسائے ہند گزر گئے جنہوں نے پچاس پچاس برس بادشاہی یا ریاست کی ہے لیکن عام رعایا نے کبھی یہ اظہار نہیں کیا کہ اس قسم کے جشن منانے چاہئیں۔ تمام ملک کو معلوم ہو چکا ہے

کہ باشندگان ملک کے دلوں میں کیسی محبت اپنے بادشاہ کے ساتھ ہے۔
یہ سچ ہے کہ صرف رعایا کی محبت سے تنہا کام نہیں چلتا۔ اگر حضور اقدس نظام عالی مقام کے دل میں اپنی رعایا کی محبت نہوتی اور رعایا نے اس دلی تعلق کا اثر نہ محسوس کیا ہوتا تو کبھی رعایا متاثر نہوتی دل کے عشرتکدوں میں اُسوقت تک محبت کی شمعیں نہیں جلتیں جب تک بزم آرا کی طرف سے مشتاقانِ جمال کو مژدہ دیدار نہ دیا جائے۔
دنیا میں کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ ہم سب کی نظر پر چڑھ جائیں مگر ہماری نظر پر کوئی نہ چڑھے۔
بادشاہوں کے اقبال کی تاریخ ذرا اُلٹ کر دیکھو۔ کیسے کیسے جنگجو زور آزما۔ صف شکنوں کو زمانے نے شکنجہ میں کھینچا اور اُن کی خودسری اور سفاکی نے دلوں کی روشن اور صاف گلیوں میں جس طرح خون کا چھڑکاؤ کیا تھا۔ اُسی طرح انکی آرزوؤں اور تمناؤں کا خون بہایا گیا اور انکی بیکسی اور حالت زار پر چار آنسو گرانے والا نظر نہ آیا۔ قدرت کا نظام سلطنت میں پیدا ہے کہ شاہ و گدا کے تعلقات سے کائنات عالم میں اخلاقی اور ادبی نتیجے اخذ کئے جائیں اور خلق خدا کے سر پر ایسی قوت سایہ فگن رہے جس کو مبدء فیاض سے دست عطا پاش اور دل خطا پوش ملے ہوں۔
اعلیحضرت نظام عالی مقام میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک خلیفۃ المسلمین اور سایۂ خدا میں ہونی چاہیئے۔
تمام اوصاف۔ رعایا کی سچی محبت اور ملک کے شیدائی فرقوں کی دعاؤں کے اثر سے پیدا ہوئے ہیں اور حضور نظام بھی اس بات کی قدر فرماتے ہیں۔

ابتدائی تجویز

اس غرض کے لئے کہ اعلیحضرت کی چہل سالہ سالگرہ مبارک کا جشن ہمایوں بلحاظ اُن تعلقات خاص مخدومی کے جو اعلیحضرت کو اپنی رعایا اور ارکان سلطنت سے ہیں اور جس خلوص و وفاداری سے عامہ رعایائے دکن اپنے شاہ کو دیکھتی ہے بآئین شائستہ منایا جائے سب سے پہلے سرمہاراجہ بہادر یمین السلطنتہ پیشکار و مدارالمہام سرکارِ عالی کے ذہن میں یہ تجویز گزری کہ یہ تقریب بطور جشن جوبلی انجام دی جائے چنانچہ ۲۵ ءجمادی الاول ۱۳۲۴ ہجری کو آئینہ خانہ ایوان وزارت میں ایک ابتدائی کمیٹی بصدارت سرمہاراجہ بہادر منعقد ہوئی۔ جس کے اراکین نواب افسر الملک بہادر کمانڈر افواج باقاعدہ نواب اکبر الملک بہادر کوتوال بلدہ۔ نواب عماد جنگ بہادر معتمد عدالت و امور عامہ۔ مسٹر فریدونجی جمشید جی پرائیویٹ سکریٹری۔ مہاراجہ آصف نواز ونت بہادر صدر محاسب سرکار عالی۔ مولوی محمد عبدالرحیم صاحب شریک معتمد مالگذاری۔ مولوی میر کاظم علی صاحب معتمد تعمیرات۔ نواب ماہر جنگ بہادر منصرم معتمد افواج تھے۔

سرمہاراجہ بہادر نے یہ فرماکر کہ جملہ اراکین کمیٹی موجود ہیں اب کارروائی شروع ہونی چاہیئے۔ خود کھڑے ہوکر حسب ذیل تقریر کی۔

تقریر سرمہاراجہ بہادر

حاضرین! آج میں نے آپ کو جس مبارک تقریب کی آغاز ہونیوالی بزم عشرت میں شریک ہونے کے لئے بلایا ہے۔ اُس کا علم میرے

رقعوں سے خاطر خواہ ہوا ہوگا لفظ محبوب عجیب پیارا اور مرغوب لفظ ہے اور اُس لفظ میں دلوں کو مسخر کرنیکی ایک ایسی قوی تاثیر ہے کہ بے اختیار جہاں لفظ محبوب قلم یا زبان سے نکلا بس لکھنے اور پڑھنے والے کے دل میں ایک قدرتی تاثیر پیدا ہوگئی جس سے وہ مسخر ہوگیا اور یہی باعث ہے کہ اس محبوب کے نہ صرف معدودے چند جاں نثار ہیں بلکہ تمام ہندو دکن اور اگر مبالغہ نہ ہو تو دور دور کے دور افتادہ مہجور بھی اس محبوب کے جان و دل سے فدائی ہیں

ان کو الفت خلق سے ہے خلق کو ہے ان سے عشق
نام محبوب علی ہو کیوں نہ محبوب القلوب

ہمارے محبوب بادشاہ کی محبت اہل دکن کے دلوں میں ایسی سرایت کرگئی ہے جیسے خون رگوں میں اور جان جسم میں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک کی کل رعایا کیا امیر کیا فقیر سب اپنے محبوب کی سلامتی نہ صرف زبان و دل سے مناتے ہیں بلکہ عملاً بھی اپنے دل سے نقش عقیدت و محبت کو ظاہر کرنے کے لئے مال و زر سے آمادہ ہیں۔ اسکی نظیر گزشتہ سالگرہوں کے جشن سے جو دکن میں ہوئے ہیں بخوبی ظاہر ہوتی ہے اور دور دراز کے سفروں سے مراجعت کے وقت جو خوشیاں خیر مقدم کی منائی گئیں وہ اس کے ثبوت میں خاصی گواہ ہیں

اب کی مبارک ماہ ربیع الثانی کا جب خیر مقدم ہوگا تو ہمارے محبوب کی چالیسویں سالگرہ کا جشن ہوگا۔ چونکہ یہ خوشی کوئی ایسی معمولی خوشی نہیں ہے کہ یہاں کی مخلوق صرف دیوالی کے چراغ اپنی اپنی دوکانوں پر روشن کرکے دیکھتی رہے بلکہ رعایا کا دلی منشا ہے کہ

چالیسویں سالگرہ کا جشن جیسا کہ اہل یورپ جوبلی کے طور پر مناتے ہیں
حیدرآباد بھی اسی قسم کی تہنیت منانے میں حصہ لے۔ اس لئے میں نے
مناسب خیال کیا کہ بذریعہ ایک کمیٹی کے اس کے متعلق مشورہ کر کے
مالک اور رعایا کی خدمت گزاری جو میرے لئے باعث فخر اور میرا فریضہ
ہے۔ اس کو ادا کروں۔

اب میں اپنے کلام کو [illegible] ختم کر کے کمیٹی کا کام آغاز کرتا ہوں
کہ خداوند تو ہمارے محبوب کو اپنے حبیب اور محبوب کے طفیل میں دیرگاہ
ہمارے سر پہ بافتح و ظفر قائم رکھیو اور ایسی مبارک خوشیاں عموماً رعایائے
دکن اور خصوصاً شاد خانہ زاد آصف کو منانا ہر سال نصیب کر۔ آمین

مسٹر فریدوں جی نے تحریک کی کہ اس کمیٹی کے لئے ایک معتمد
کی بھی ضرورت ہے اس لئے میں تحریک کرتا ہوں کہ مولوی محمد عبدالرحیم
صاحب اس کمیٹی کے معتمد مقرر کئے جائیں۔

اس تحریک کی تائید نواب اکبر الملک نے کی اور بالاتفاق منظور
ہوئی مہاراجہ آصف نواز ونت بہادر نے تجویز پیش کی کہ سب سے پہلے
مصارف کا اندازہ ہونا چاہیے۔ اس کے جواب میں نواب افسرالملک بہادر
نے کہا کہ مصارف سے پہلے ان امور کا تصفیہ ہونا چاہئے کہ اس
مبارک جشن میں کیا کیا تقریبیں انجام پائینگی تاکہ ان کے لحاظ سے
اخراجات کا اندازہ کیا جائے۔ اور پھر کہا کہ ان تقریبوں کی تین قسمیں
ہونگی (۱) رسومِ مذہبی (۲) امور خیر و برکت (۳) دربار اور دعوت اور
یہ بھی کہا کہ۔

اس تقریب کا آغاز نہایت [illegible] سے ہونا چاہئے وہ اسطرح کہ اعلیٰحضرت

کہ مسجدیں رونق افروز ہو کر نماز جمعہ میں اپنی رعایا اور عقید تمند
جان نثاروں کے ساتھ شریک نماز ہوں۔ اور اسی روز بلدہ اور تمام
ممالک محروسہ کی مساجد۔ مندر۔ اور گرجا آراستہ کئے جائیں۔
مسلمان مساجد میں۔ ہندو مندروں میں۔ اور عیسائی گرجاؤں میں جمع
ہو کر اپنے بادشاہ جم جاہ کے ازدیاد عمر و اقبال و دولت کے لئے
خلوص دل سے دعا کریں اور پروردگار عالم کا شکریہ احسان بجالائیں۔
اور یہ التجا کریں کہ خداوند عالم یہ چالیسواں سال ہمارے حضور پرنور
کو مبارک کرے۔

جو رسوم سالگرہ کے ہمیشہ سے محلات شاہی میں ادا ہوتے ہیں
عادت کے موافق ادا ہوں گے۔

لیکن ان کے علاوہ بھی کچھ ہونا چاہیئے۔

مہاراجہ صدرالمہام بہادر نے فرمایا کہ جو رسوم محلات شاہی میں ادا ہوتے ہیں
اس میں ہم لوگوں کو حاضر ہو کر مشرف ہونے کا موقع نہیں ملتا لہذا ایسے
رسوم بھی ہونے چاہئیں جن میں ہم خانہ زاد بھی شریک ہوسکیں۔

اس تحریک کو سب نے پسند کیا اور قرار پایا کہ ابھی وقت زیادہ
باقی ہے۔ لہذا اس پر کمیٹی آیندہ میں غور ہو۔ قرارداد کے بعد پیشگاہ خداوندی
میں بکمال ادب معروضہ پیش کیا جائے گا۔

خیرات۔ دربار۔ اور دعوت کے متعلق نواب افسرالملک نے
جو پروگرام مرتب کیا تھا۔ اُسے مختصراً بیان کیا اور تجویز ہوئی کہ اسکی ایک ایک
کاپی جملہ اراکین کمیٹی کے پاس بغرض اظہار رائے مرسل ہو۔

سر مہاراجہ بہادر نے نواب افسرالملک بہادر سے مخاطب ہو کر

فرمایا کہ اخراجات کے متعلق میرا خیال تھا کہ صرف رعایا سے چندہ لیا جائے مگر اندازہ سے اس قدر رقم کا فراہم ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے آیا اس میں خزانہ سے بھی کچھ امداد لیجا سکتی ہے۔ اور اس سے قبل سالگرہ کے متعلق جو چندہ ہوا ہے اگر اب اس کام کے لئے لیا جاتا تو مناسب تھا

مسٹر فریدون جی نے کہا کہ سابق کی جمع شدہ رقم وکٹوریہ میموریل فنڈ کو دینے کا حکم ہو چکا ہے اس لئے وہ رقم نہیں لیجا سکتی۔

نواب افسر الملک و نواب اکبر الملک نے کہا کہ رعایا کئی بار چندہ دے چکی ہے لہذا خزانہ سرکاری سے مدد لینی چاہئے یہ مستقل کمان رعایا کے صرف سے بنائی جائے۔ اور یورپ میں بھی جوبلی کے موقع پر سرکاری رقم سے مدد ہوتی ہے۔

باتفاق رائے یہ قرار پایا کہ اس مبارک تقریب کے لئے دو لاکھ کی رقم کافی ہوگی۔

سر مہاراجہ بہادر نے فرمایا کہ پیشگاہ خسروی میں روئداد کمیٹی کیساتھ کمال ادب عرض کیا جائے کہ اس غرض کے لئے دو لاکھ کی حاجت ہوگی۔ اور ملازمین سرکاری و رعایا سے چندہ کے وصول کا انتظام نواب اکبر الملک بہادر کے سپرد ہو۔

نواب افسر الملک بہادر نے کہا کہ ابھی سے اس کام کے لئے مہینہ اور دن تجویز ہونا چاہئے۔ نواب اکبر الملک نے تائید کی۔

مسٹر فریدون جی نے کہا کہ بیرونی مہمانوں کی آسایش کے لحاظ سے عمدہ موسم تجویز کیا جائے۔ قرار پایا کہ ماہ ذیقعدہ یعنے آخر جنوری ٹھیک ہے تاریخ کا تصفیہ آیندہ ہو۔

مہاراجہ آصف نواز ونت کی یادداشت پڑھی گئی۔ قرار پایا کہ بغرض اظہار رائے جملہ اراکین کے پاس نقل مرسل ہو۔

نواب افسرالملک کی یہ تجویز منظور ہوئی کہ جشن کا کام علاوہ اراکین کمیٹی کے دوسرے عہدہ داروں کے بھی تفویض ہو۔ بعد بحث کے یہ قرار پایا کہ آخر میں جو اسپشیل کمیٹی ہوگی اس میں صوبہ داروں یا ان کے قایم مقاموں کا شریک ہونا کافی ہے۔ مہاراجہ مدارالمہام بہادر کی تحریک پر یہ قرار پایا کہ بارگاہ خسروی میں عرض کیا جائے کہ اس مبارک تقریب میں تمغے بھی تقسیم ہوں۔

قرار پایا کہ مہینہ میں دو مرتبہ کمیٹی ہو اور نقل روئداد پیشگاہ خسروی میں گذرانی جائے۔ آخر میں صدر انجمن مہاراجہ مدارالمہام بہادر کا شکریہ ادا کیا گیا۔ اور اعلیٰحضرت کی ترقی عمر و اقبال کی دعا ہوکر دس بجے کمیٹی برخاست ہوئی۔

دوسری کمیٹی میں جو ۲۳ شعبان ۱۳۲۴ھ کو ہوئی اعلیٰحضرت کا فرمان مبارک مشتہرشدہ جو روئداد کمیٹی سابقہ کے گزراننے پر شرف صدور لایا تھا پڑھا گیا۔

بعد بحث کے قرار پایا کہ دو لاکھ کا چندہ ہونا چاہیئے جو رعایا اور ملازمین سرکار کی مرضی پر منحصر ہوگا۔ اور فراہمی چندہ کے لیئے آیندہ پنجشنبہ کو ایک کمیٹی ہو جس میں جمعدار۔ سررشتہ داران فوج۔ معزز ساہوکار۔ تجار و رعایا شریک ہوں جاگیرداروں کو دوسرے روز اس کام میں شریک کیا جائیگا۔

نواب افسرالملک نے کہا کہ اس مبارک تقریب کا آغاز

روز جمعہ سے اس طرح ہو کہ ہم سب خانہ زاد جمع ہو کر اپنے بادشاہ کے ازدیاد عمر و اقبال کی دعا کریں اور خدا کا شکر ادا کریں۔

پروگرام

روز جمعہ۔ بعد نماز اعلیٰحضرت کے ازدیاد عمر و اقبال کی دعا مانگی جائے۔ اور پروردگار عالم کا شکریہ ادا کیا جائے۔ اس کے بعد غربا و مساکین کو خیرات تقسیم کیجائے شب کو مساجد و معابد میں روشنی کا انتظام ہو علماء و مشائخ جمع ہو کر نماز شکریہ ادا کریں مساجد کے پیش امام و خطیب کو دوشالے یا دستارین تقسیم ہوں۔

شنبہ۔ جنرل پریڈ گراؤنڈ پر صبح کو فوج باقاعدہ کی سلامی۔ سہ پہر اور شام کا پروگرام بعد میں۔

یکشنبہ۔ صبح سے شام تک غربا و مساکین کو کھانا کھلایا جائے۔ قیدی رہا کئے جائیں۔

دوشنبہ۔ شام کو سواری مبارک مع جلوس شاہی شب کو باغ عامہ میں جلسہ۔ سر مہاراجہ بہادر کا رعایا کی جانب سے ایڈریس دینا

سہ شنبہ۔ شام کو اسپورٹس ہوگا۔ جس کا پروگرام نواب افسر الملک علیحدہ مرتب کریں گے۔ بعد میں گارڈن پارٹی یا بال یا ڈنر یہ کام بھی نواب افسر الملک بہادر کے ذمہ ہوگا۔

چہارشنبہ۔ شب کو ڈیوڑھی مبارک میں مغلئی دربار میں حضور پرنور تخت پر جلوہ افروز ہو کر خاص و عام کی نذر قبول فرمائیں گے۔

پنجشنبہ۔ شب کو سواری مبارک جلوس سے برآمد ہوگی۔

تمام بازاروں اور گلی کوچوں میں روشنی۔

اخراجات روز جمعہ

خیرات	عــــــ ۱۲ر
روشنی	عــــــ ۱۲ر
تقسیم دوشالے یادستار	ــــــ ۱۲ر
میزان	ععــــــ

اخراجات روز شنبہ

چھوٹی حاضری پریڈ گراؤنڈ پر صماء

اخراجات روز یکشنبہ

پنکھت	عــــــ ۱۲ر

اخراجات روز دوشنبہ

روشنی باغ عامہ وغیرہ میں	عــــــ ۱۱۱
آتشبازی	صمــــــ ۱۱۱
رقص وسرود	صمــــــ ۱۱۱
میزان	ســــــ ۱۱۱

اخراجات روز سہ شنبہ

انعام اسپورٹس	صمــــــ ۱۱۱

گارڈن پارٹی ۔ بال یا ڈنر

اگر گارڈن پارٹی ہو تو [illegible]

اگر جلسہ بال ہو تو [illegible]

اگر ڈنر ہو تو [illegible]

دربار

دربار کے لئے تقریبِ تحت حسبِ پسند نمونہ سر مہاراجہ بہادر تخمیناً [illegible] کا تیار ہوگا۔ سر مہاراجہ مدار المہام بہادر نے فرمایا کہ اس مبارک تقریب کی یادگار میں آرائشی کمانوں کے علاوہ ایک مستقل کمان پل افضل گنج پر تیار ہونی چاہیئے۔ زیادہ آرائشی کمانوں کے بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔

صرف مندرجۂ ذیل مقامات پر آرائشی کمانیں بنائی جائیں۔

چو محلہ قریب نقار خانہ ایک کمان۔ متصل حویلی قدیم ایک کمان۔ متصل کچہری مجلس عدالت عالیہ ایک کمان۔ متصل ریلوے اسٹیشن ایک کمان متصل باغ عامہ دو کمانیں۔

بالاتفاق قرار پایا کہ افضل گنج کے متصل ایک مستقل کمان اور بقیہ چھ آرائشی کمانیں بنائی جائیں۔

مستقل کمان کا صرف [illegible] اور آرائشی کمانوں کا صرف بحساب فی کمان [illegible] رکھا جائے تو کافی ہے۔

تخمینہ بالا کے لحاظ سے جملہ اخراجات کی رقم ایک لاکھ چھبیس ہزار سات سو ہوتی ہے۔ ۲ ماہ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ کو جو کمیٹی منعقد ہوئی اس میں ابتدائی تمہید کے طور پر ہز ایکسلنسی سر مہاراجہ بہادر نے ایک طول طویل

تقریریں "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" کی نہایت عالمانہ تشریح کی اور فرمایا کہ ایک ورکنگ کمیٹی کے مقرر کرنے کی ضرورت ہے جو اپنی ذمہ داریوں کو پورے طور سے ادا کرے۔ اور وقتاً فوقتاً مجھ سے رپورٹ کرے اور ہر علاقہ میں ورکنگ کمیٹی مقرر کرنے سے یہ غرض ہے کہ تمام ممالک محروسہ سرکار عالی میں اس جشن کا اعلان ہو جائے اور ہر ایک امیر۔ غریب۔ چھوٹے بڑے سب اس جشن میں شرکت کی سعادت حاصل کریں۔ آخر میں یہ کہا کہ اس جشن مبارک میں صرف ڈھائی مہینے باقی رہ گئے ہیں۔ اس لئے انتظام کے متعلق تجاویز جلد پیش کئے جائیں اور فہرستیں تقسیم کی جائیں۔

نواب افسر الملک نے کہا اس کے لئے معتدبہ رقم کی ضرورت ہے اور ممکن ہے کہ جس طرح یورپ میں تقاریب جوبلی وغیرہ پر گورنمنٹ رقم دیتی ہے۔ بارگاہ خسروی سے اعانت طلب کی جائے مگر اس سے ہمارے خلوص دلی کا کیا ثبوت ہوگا۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ ہم سب باہم چندہ کر کے مراسم انجام دیں۔ علاقوں میں ورکنگ کمیٹی مقرر ہونے سے ہر ایک کو چندہ میں شریک ہونے کا موقع ملیگا اور چندہ کی رقم ضرورت سے زیادہ جمع ہو سکے گی۔

اس کے بعد گزشتہ پروگراموں کی تصریح کی گئی۔ ورکنگ کمیٹی کی درجہ بندی اس طرح کی گئی۔

ورکنگ کمیٹی راجہ صاحبان سمستان۔ ورکنگ کمیٹی جاگیردار صاحبان ورکنگ کمیٹی جمعدار صاحبان اعراب علاقہ فوج۔ ورکنگ کمیٹی جمعداران مہدوی۔ ورکنگ کمیٹی جمعداران مندوزئی۔ ورکنگ کمیٹی

منصب داران ورکنگ کمیٹی وکیل صاحبان۔ ہر ایک کمیٹی میں اسی طبقہ کا ایک ایک سکریٹری دیا گیا اور ممبروں کے بڑھانے کا اختیار دیا گیا۔ یہ قرار پایا کہ ورکنگ کمیٹیاں سرمہاراجہ بہادر کی ڈیوڑھی میں منعقد ہوا کریں گی۔

مولوی عبدالباقر خاں صاحب نے کہا کہ جو عہدہ دار۔ جمعدار اور جاگیردار وغیرہ اسوقت موجود ہیں۔ ان سے چندہ کی رقم اسی وقت لکھوائی جائے تو مناسب ہے۔ باتفاق رائے چندہ کی فہرست کھولی گئی۔ سب سے پہلے سرمہاراجہ بہادر نے رقم درج فرمائی۔ پھر نواب افسرالملک بہادر نے بعد میں معتمدین علاقہ جات اور دوسرے موجودین نے اپنا نام اور چندہ لکھا۔

یہ بھی قرار پایا کہ گزشتہ سالگرہ کی بابت جو رقم وصول ہونے سے رہ گئی ہے اُس علاقہ کے معتمد بطورِ خود اُس کی وصولی کا انتظام کریں۔ ساہوکاروں تاجروں اور رعایا سے چندہ وصول کرنے کا انتظام نواب اکبرالملک کوتوال بلدہ کے تفویض کیا گیا۔

مسلمانوں کے لئے پخت اور کھانا کھلانے کا انتظام مولوی نورالضیاء الدین صاحب مولوی عبدالباقر خاں صاحب اور مولوی عبدالغفور صاحب کے ذمہ کیا گیا ہنود کے انتظام بخشی رگھوناتھ پرشاد صاحب۔ رائے بالمکند صاحب۔ راجہ موتی لال صاحب۔ اور راجہ صاحب گیانگیر مامور ہوے۔ اور تقسیم خیرات کا اہتمام۔ مولوی میر کاظم علی صاحب نواب حضور نواز جنگ۔ اور مولوی نظام الدین احمد انڈر سکریٹری کونسل قانونی کے سپرد کیا گیا۔

سرمہاراجہ بہادر کی تحریک یہ قرار پایا کہ معتمد صاحب صرف خاص سے تحریک ہو کہ ان کے علاقہ کے عہدہ دار وغیرہ جو چندہ دینا چاہیں

اوں کی فہرست تیار کر کے بھیجدیں۔

نواب افسر الملک نے موجودہ حاضرین کی نسبت سر مہاراجہ بہادر کی خوشنودی مزاج ظاہر کی۔ اس کے بعد چندہ کی فہرست پڑھی گئی۔

۹ رمضان کو جو کمیٹی ہوئی اس میں بعض ممبر حاضر بعض غیر حاضر تھے ان کے علاوہ چھ ورکنگ کمیٹیوں کے معتمد بھی موجود تھے۔ ورکنگ کمیٹیوں کا مرتبہ گوشوارہ چندہ معتمد صاحب نے پڑھکر سنایا اور کہا کہ بوجہ علالت و عدم شرکت کمیٹی نواب اکبر الملک تاجران و ساہوکاران بلدہ وبیرون بلدہ سے صرف اعـــہ درج ہوا ہے۔ اس لئے اس غرض کے لئے ۱۳ معززین کی ایک کمیٹی قائم ہوئی جو ایوان وزارت میں اجلاس کرے گی۔

رعایا کی کمیٹی جس کے ۱۳ ممبر اور ایک معتمد ہیں باغ عامہ میں منعقد ہوا کرے گی۔ پھر معتمد نے بعض فہرستوں کی رقوم پڑھکر کہا کہ جو راجگان سمستان یہاں موجود نہیں ہیں فہرست انکے پاس بھیجدیجائیگی واپس آنے پر رقمیں معلوم ہوں گی۔ جاگیرداراجوں نے یہ تصفیہ کیا ہے کہ انکی رقم مجموعی ایک لاکھ سے کم نہونی چاہیئے اس طرح کہ سالانہ آمدنی پر فیصدی ایک روپیہ ضرور دیا جائے۔ زیادہ دینے کا اختیار ہے اعراب اور لین کے افسروں سے چندہ کی فہرست بھی بوجہ کمی شرکت مختصر ہی جمعداران مہدوی کا چندہ ـــہ لاکھ ہوا۔ اور جمعداران مندوزئی کا بھی قلیل چندہ ہوا منصبداروں کی فہرست وصول نہیں ہوئی مگر اطلاع دی گئی کہ ہر منصبدار سے اس کی رقم منصب پر سے ۴ر فیصدی چندہ وصول کیا جائے جو تخمیناً معـــہ ہوگا۔ وکلا کی

فہرست نہیں آئی۔ معتمد تعمیرات نے ملازمین وگتہ داران تعمیرات دفاتر بلدہ کی فہرست معہ ماہ سہ کی بھیجی اور لکھا کہ اضلاع کے دفاتر کو بھی تحریک کیگئی ہے

نواب افسر الملک نے افواج باقاعدہ کے چندہ کی فہرست صحہ مار سہ کی بھیجی اور خود ان کے نام کی تعداد رقم چندہ دو ہزار ہے۔ اس طرح ابتک چندہ کی کل تعداد ایک لاکھ ۴۳ ہزار ۵۸۹ ہوتی ہے۔

مستقل یادگار کے لئے قرار پایا کہ دو ہفتہ غور کرنے کے بعد اس پر گفتگو ہو یہ بھی قرار پایا کہ اپنے اپنے مستقر میں صوبہ دار۔ تعلقدار۔ تحصیلدار وغیرہ فہرست مرتب کر کے بھیجیں۔ اور یہ بھی لکھا گیا کہ معتدبہ رقم جمع ہونے کی صورت میں جشن مبارک کے نام سے کوئی مستقل یادگار قایم کیجائے گی۔ یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ وصول چندہ میں کسی قسم کی سختی سے کام نہ لیا جائے۔ معتمد جنرل کمیٹی نے تحریک کی کہ وصول رقم چندہ کا بھی انتظام شروع ہوجائے اور جسقدر رقم جمع ہوتی جائے امانتاً خزانہ عامرہ میں جمع رہے۔ نواب افسر الملک کو اس کے حساب کتاب کا انتظام سپرد ہوا ۲۸ رمضان ۱۳۲۲ھ کے جلسہ میں کرنل افسر الملک بہادر کی یادداشت متعلق انتظامات پیش ہوئی۔ انتظام اور کام کی تقسیم اسطرح قرار پائی۔

روز اول جمعہ

جب سواری مبارک مکہ مسجد میں رونق افروز ہوگی تو فوج وغیرہ کا انتظام نواب افسر الملک اور افسر الملک کوتوال کے ذمہ رہے گا۔

شب کو مکہ مسجد اور دیگر مساجد میں جہاں روشنی ہوگی اوس کا انتظام میر کاظم علی معتمد تعمیرات و میر عابد علی کریں گے جن کو مقامات و مصارف روشنی بتا دئے گئے ہیں۔ خطیبوں اور موذنوں کو تقسیم دوشالہ وخلعت پر نواب بلند جنگ بہادر

میر کاظم علی۔ ناظم صاحب امور مذہبی۔ اور میر عابد حسین ہوں گے کن کن مساجد کے خطیبوں اور موذنوں کو دوشالہ وخلعت دیا جائے گا اور وہ کس قیمت کے ہوں گے اس کی فرد اپنی رپورٹ کے ہمراہ پیش کریں۔

روز شنبہ

حسب پروگرام نواب افسر الملک بہادر سلامی کے لیئے فوج باقاعدہ پریڈ گراونڈ پر اور فوج بے قاعدہ پولوگراونڈ پر جمع ہو گی۔ ناظم صاحب نظم جمعیت کو اطلاع دیجائے کہ پریڈ گراونڈ پر ایک روز قبل از مایشی پریڈ ہونی چاہیئے اور فوج کی صف بندی کا انتظام اُسی طرح ہونا چاہیئے جیسا ہز رایل ہائی نس ڈیوک آف کناٹ کی تشریف آوری پر ہوا تھا۔

اب یہ قرار پایا ہے کہ فوج باقاعدہ اور بے قاعدہ میں چار چار ہزار روپیئے تقسیم کیئے جائیں اس کی بابت فوج باقاعدہ کی طرف سے نواب عثمان یاورجنگ بہادر ہاشم نواز جنگ بہادر۔ اور ممتاز یار الدولہ بہادر۔ اور بے قاعدہ کی طرف سے ناظم صاحب نظم جمعیت اور مددگار افسر۔ برق جنگ بہادر۔ اور شمشیر جنگ بہادر آیندہ کمیٹی میں تجاویز پیش کریں۔

اسپورٹس (فوجی ورزش اور کرتب) حسب پروگرام نواب افسر الملک ہوں گے انتظام نواب یاورالدولہ۔ ہاشم نواز جنگ۔ ممتاز یار الدولہ اور ماہر جنگ کے سپرد ہو گا۔ اسپورٹس چونکہ تا اختتام جشن روزانہ ہوں گے اس لیئے جس شام کو چاہیں اُمرائے عظام ایٹ ہوم کا جلسہ دے سکتے ہیں مہاراجہ مدار المہام بہادر نے فرمایا کہ میں بہت خوشی سے اپنی طرف سے ایٹ ہوم دوں گا اور اُمرا کو بھی اطلاع دی گئی کہ جو صاحب چاہیں

جلسہ دے سکتے ہیں۔

روز یکشنبہ

نواب افسر الملک بہادر نے تحریک کی کہ اتوار کے روز ہندو اور مسلمان محتاجوں کو صبح سے شام تک کھانا کھلایا جائے گا اس کے لئے مندرجہ ذیل عہدہ دار انتظام پر مامور ہوئے۔ اہل اسلام کے لئے مولوی نور الضیاء الدین۔ مولوی عبدالباقر خاں۔ نواب وزیر جنگ مرزا عبداللہ بیگ اہل ہنود کے لئے بخشی رگھوناتھ پرشاد رائے بالمکند کپتان سردار پریم سنگھ۔ نرسنگ گیر۔ اور موتی لال مقرر ہوئے۔ اہل اسلام کو مقامات ذیل میں کھانا کھلایا جائے گا۔ ملک پیٹھ بارہ دری چندولال گوشہ محل۔ باغ عمدہ بیگم متصل فلک نما۔ اور اہل ہنود کے لئے سیتارام باغ باغ بنسی لال۔ باغ بنس گوپال کمیدان اور چندرائن گٹہ۔ اس کے انتظام و اخراجات کا تخمینہ آیندہ پیش ہو۔

روز دوشنبہ

اس روز کا جلسہ جہاں ہوگا مقام بعد میں نامزد کیا جائے گا مگر اس دن کی آتشبازی روشنی اور آرایشی کمانوں کی تیاری کے لئے حسب ذیل معززین کی کمیٹی قایم ہوئی۔ مولوی میر کاظم علی۔ کرنل افسر الملک بہادر۔ نواب اکبر الملک بہادر یا ان کے منصرم سید علی مہتمم تعمیرات مسٹر وارنر مہتمم تعمیرات۔ اور راجہ اندرکرن بہادر کمیٹی روشنی کے مقامات اور اخراجات کا تخمینہ آیندہ پیش کرے۔

روز سہ شنبہ

چونکہ آج اسپورٹس نہ ہوں گے۔ اس لئے نواب عماد الملک اور مسٹر سٹین کو اطلاع دیگئی کہ اس روز مدرسہ کے بچوں کے لئے اسکول فیٹ یا اسپورٹس وغیرہ کی کوئی تجویز ہو اس کا انتظام بھی انہیں کے ذمہ ہوگا اور نواب عماد الملک تخمینہ اخراجات پیش کریں۔ حسب پروگرام نواب افسر الملک اس شب کو گارڈن پارٹی۔ جلسہ رقص یا ڈنر جو کچھ ہو اس کا انتظام کرنل افسر الملک۔ مسٹر فریدون جی اور کپتان ماہر جنگ کے ذمہ ہوگا۔

روز چہار شنبہ

مغلئی دربار کا انتظام بحصول حکم اعلیحضرت کرنل افسر الملک کے اور ناظم الملک کے تفویض ہوگا۔

روز پنجشنبہ

اس صبح کو تمام علما اور مشایخ جہاں اعلیحضرت کا حکم ہو، جمع ہوں اور اعلیحضرت ان سے ملاقات فرماکر معزز و ممتاز کریں اور خطبہ دعائیہ پڑہا جاوے۔ مقام کا تصفیہ بعد میں ہوگا۔

اس کے بعد کمیٹی میں اعلیحضرت کا فرمان جو ٹاؤن ہال کی تعمیر کے متعلق نافذ ہوا تھا پڑہا گیا۔ یہ طے پایا کہ ٹاون ہال میں چندہ دہندوں کے نام کندہ کیے جائیں یا لکھے جائیں جیسا علیگڑہ کالج اور دوسرے مقامات

پر ہے اور بلحاظ تعداد چندہ یہ امتیاز رکھا جائے کہ ڈھائی ہزار یا اس سے زیادہ دینے والوں کے نام اعلیٰ مقام پر لکھے جائیں۔ ایک ہزار یا اس سے زیادہ دینے والوں کا نام اس سے کچھ گھٹے ہوئے مقام پر اور پانچ سو سے زیادہ دینے والے کا نام اس سے کچھ کم درجہ میں لکھا جائے۔ اس سے چندہ دینے کی بڑی ترغیب ہوگی۔

ورکنگ کمیٹیوں کے معتمدین نے پہلے تحریک کی تھی کہ اگر کوئی مستقل یادگار قایم ہو تو چندہ دینے والے زیادہ رقم دینے پر آمادہ ہیں۔ لہٰذا معتمدین کو اطلاع دیجئے کہ سب کو منظوری تجویز تعمیر ٹاؤن ہال سے آگاہ کردیں اور اس کی بابت جو چندہ وصول ہو اس کی فہرست بھیجیں۔

فہرست چندہ پیش ہوئی کہ گزشتہ کمیٹی کے بعد بیس ہزار پانچ سو چالیس روپیہ کی فہرست آئی ہے اور چندہ وصول ہو رہا ہے۔ جاگیرداروں کی فہرست نہیں آئی۔ قرار پایا کہ ایوان وزارت میں جاگیرداروں کی خاص کمیٹی کیجائے۔

وصول چندہ کی نسبت قرار پایا کہ چندہ بہمن اور اسفندار کی تنخواہ پر وصول ہو جانا چاہئے۔ اور معتمد جنرل کمیٹی چالان اور رسید کی مطبوعہ جلدیں ہر ایک معتمد ورکنگ کمیٹی اور افسران علاقہ کے پاس جو اپنے ماتحتوں سے چندہ وصول کریں گے بھیجدیں معتمدین ورکنگ کمیٹی اور افسران علاقہ چندہ دہندوں سے رقم وصول کرکے بذریعہ چالان خزانۂ عامرہ میں جمع کریں اور چالان کا مثنیٰ فہرست چندہ کے ساتھ معتمد جنرل کمیٹی کے پاس روانہ کریں۔

جشن ہمایوں

جس جشن مبارک کے لئے عرصہ سے طرح طرح کی تیاریاں ہورہی تھیں اور سب عہدہ دار اپنے اپنے فرائض اور انتظامات کی تکمیل میں رات دن سرگرم تھے اور جس یوم سعید کے انتظار میں تمام رعایائے دکن گھڑیاں گن رہی تھی کہ اپنے محبوب بادشاہ کے جشن جوبلی میں شوق بھرے دل سے جوش مسرت کا اظہار کرے۔ آخر کار وہ مبارک گھڑی آپہنچی اور ہر ایک کی مصروفی وانہماک وانتظار مسرت خیز ولولوں سے مبدل ہوگیا۔

۱۷ شوال المکرم ۱۳۲۳ف کی شب جمعہ سے اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ سب سے پہلے اعلیحضرت نے باباشرف الدین قدس سرہٗ کی پہاڑی پر تشریف لیجاکر زیارت فرمائی اور مراقب رہے۔ گیارہ بجے شب کو مراجعت فرماکر دربار منعقد فرمایا۔ مہاراجہ یمین السلطنۃ بہادر اور دوسرے امرائے عظام نے نذریں پیش کیں۔ نواب شمس الملک ظفر جنگ بہادر کو مورچل ہلانے کی عزت عطا ہوئی۔

جمعہ

اعلیحضرت جلوس کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے مکہ مسجد تشریف لائے۔

فوجی جلوس حسب ذیل ترتیب سے تھا۔

۱۲ بجے پہلا نشان مسجد کی جانب روانہ ہوا۔

نشان اول

فوج صرف خاص

(۱) لیں
(۲) رسالہ
(۳) متفرق لوازمہ مع ماہی مراتب بیرق و علم وغیرہ ۔

نشان دوم

افواج پائیگاہ

(۱) فوج پائیگاہ نواب شمس الملک بہادر
(۲) فوج علاقہ نواب سلطان الملک بہادر
(۳) فوج علاقہ نواب محمد معین الدین خان بہادر

نشان سوم

(جمعیت کوتوالی)

(۱) پیادہ
(۲) پلٹن
(۳) عروب
(۴) کوتوالی بلدہ مع اسٹاف
(۵) پولیس اضلاع
(۶) سوار

(۷) جوانان پیدل

نشان چہارم

(نظم جمیت)

(۱) لین علاقہ نظم
جمعیت سکھ علاقہ پیشکاری
(۲) راٹھور۔ سندھی۔ کرناٹک۔ بھالہ بردار
(۳)

نشان پنجم

(اصطبل خاص)
(متفرق مع سواری کوتل
افواج و باڈی گارڈ اعلحضرت و پرنس باڈی گارڈ

(۱)
والنٹیر کورز
(۲) جمعداران مہدی و مندوزئی وغیرہ
(۳) جملہ عروب بلا سلسلہ و بلا تفریق
(۴) جملہ جمعداران عروب
(۵) ناظم نظم جمعیت مع اسٹاف
(۶) جوانان برچھی و لوچہ علاقہ متفرقات
(۷) حبوش علاقہ نظم
(۸) ڈھائی بجے کے قریب اعلحضرت کی سواری مع محلات پرانی حویلی سے
روانہ ہو کر محلہ مبارک ہوتی ہوئی پھر وہاں سے اعلحضرت خاص جلوسی
گاڑی پر مکہ مسجد میں جلوہ افروز ہو کر صف اول میں مع امرائے عظام شریک

جماعت ہوئے۔ خطیب نے خطبہ شروع کیا اور دعا کے وقت اعلیٰحضرت کی طرف اشارہ کرتے رہے۔ حاضرین نے بآواز بلند آمین کہی جس سے تمام مسجد گونج اٹھی۔ نماز کے بعد خود اعلیٰحضرت نے حسب ذیل دعا پڑھی۔

(حتی اذا بلغ اشدہ (ای بلغ اربعین سنتہ) قال رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضاہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین۔)

نماز کے وقت مسجد کے اندر تل دھرنے کو بھی جگہ باقی نہ تھی۔

بعد ختم نماز اعلیٰحضرت فیل خاصہ پر سوار ہوئے۔ سر مہاراجہ مدار المہام بہادر خواصی میں مورچھل ہلاتے تھے۔ عماری کے دونوں جانب دو کمپنیاں نظام محبوب اور دو کمپنیاں پلٹن صرف خاص کی تھیں۔ کوتوال صاحب۔ رجواڑے امرا اور اعلیٰحضرت کا کل اسٹاف گھوڑوں پر سوار آگے آگے تھا۔ فیل خسروی سے برابر ذرا پیچھے ہٹ کر ولیعہد بہادر کا ہاتھی بغیر عماری کے تھا حسب رواج قدیم کل لوازمات شاہی مثل ماہی مراتب علم۔ بیرق۔ کلام شریف تبرکات اور خزانہ شاہی وغیرہ ہاتھیوں کے ہودوں پر پیچھے پیچھے ساتھ تھا۔ اس شوکت شاہانہ کے ساتھ ۴ بجے اعلیٰحضرت ایوان وزارت میں رونق افروز ہوئے اور آٹھ بجے کے بعد اسی شان وشکوہ سے مراجعت فرمائی۔ واپسی میں روشنی کی رونق مستزاد تھی اعلیٰحضرت بدست خاص راستہ میں زر پاشی کرتے جاتے تھے۔ پرانی حویلی سے ایوان وزارت تک روشنی میں آدمی ہی آدمی نظر آتا تھا۔ دورویہ سڑکوں۔ دکانوں۔ چھتوں اور کمروں پر مشتاقان جمال شاہی کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔

روز شنبہ

گولکنڈہ پریڈ گراؤنڈ پر فوجی قواعد اور کھیل کرتب ہوئے کچھ دوسرے مراسم بھی ادا کیے گئے مراحم خسروانہ سے اعلیحضرت نے نواب افسر الملک بہادر کو ایک بیش بہا مرصع سرپیچ اور ایک طلائی قبضہ کی تلوار عطا فرمائی۔

روز یکشنبہ

شہر کے مختلف حصوں میں حسب پروگرام غربا اور مساکین کو کھانا کھلایا گیا کپڑے اور کمل تقسیم ہوئے۔

روز دوشنبہ

۴ بجے سہ پہر کو تہنیت محل میں انگریزی دربار منعقد ہوا۔ صاحب رزیڈنٹ بہادر سکندر آباد کے یوروپین فوجی عہدہ دار اور ریاست کے امراء و رؤسا شریک تھے صاحب رزیڈنٹ کی اسپیچ پرنس و پرنسس آف ویلز۔ لارڈ کرزن اور لارڈ منٹو کی طرف سے جو مبارک باد کے تار پیش کئے گئے اور اعلیحضرت نے جو جواب دیا وہ ذیل میں درج ہیں۔

آنریبل رزیڈنٹ بہادر کی تقریر

یور ہائی نس۔ یہ امر مسرت بخش ہے کہ آپ نے براہ مہربانی مجھے اس دربار میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ اس میں زیادہ خوشی کی

یہ بات ہے کہ اس وقت میں یہاں دو حیثیت سے موجود ہوں۔ سب سے
پہلے یہ میرا منصبی فرض ہے کہ بہ حیثیت نائب گورنمنٹ ہند دربار والا
میں منجانب ہز اکسلنسی وائسرائے مبارکباد اور دعائے خیر پیش کروں۔
ابتداءً یہ مبارکباد اور دعائے خیر میرے پاس اوائل نومبر میں بذریعہ تار
پہنچی تھی مگر چونکہ یہ جشن جس میں ہم لوگ اس وقت شریک ہیں ملتوی ہو گیا تھا
اس لئے اس کے اظہار میں مجھے توقف کرنا پڑا۔ پیام تار جس کا پہنچانا میرے
سپرد کیا گیا تھا اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

”وائسرائے چاہتے ہیں کہ انکی جانب سے اس موقع پر جبکہ اعلیحضرت کے
عہد حکومت کا بیسواں سال ختم ہوا ہے دلی مسرت کا اظہار کیا جائے
اور حضور کے عہد حکومت کے انتظامات کی نمایاں کامیابیوں پر مبارکباد
دیجائے۔
ہز اکسلنسی کی یہ بھی دلی آرزو ہے کہ اس سے زیادہ خوشحالی اور
فلاح اعلیحضرت اور رعایائے دکن کو حاصل ہو۔“

یہ پیام تار حسب الحکم لارڈ کرزن روانہ کیا گیا ہے اور حضور عالی
میں یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ وائسرائے کے عہدہ میں خواہ
کچھ ہی تغیر و تبدل ہو مگر گورنمنٹ ہند کے خیالات میں جس کے اعلیٰ ترین
افسر وائسرائے ہوا کرتے ہیں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور کل مجھے لارڈ منٹو کا تہنیتی
تار موصول ہوا جو حسب ذیل ہے۔

”وائسرائے تہ دل سے خواہاں ہیں کہ میں (رزیڈنٹ) ان مبارکبادوں
اور دعاؤں میں منجانب لارڈ منٹو شریک ہوں جو اعلیحضرت کے بیسویں
سال جلوس ختم ہونے پر پیش ہوں جس کا جشن حضور عالی منارہے ہیں۔“

نیز میں مامور ہوا ہوں کہ جو تار منجانب ہز رائل ہائی نس پرنس آف ویلز بتوسطان کے چیف آف اسٹاف کے وصول ہوا ہے اسے پیش کروں جو حسب ذیل ہے ۔

"پرنس اور پرنسس آف ویلز نے حکم دیا ہے کہ میں (رزیڈنٹ) انکی دلی مبارکبادیوں کو ایسے مسرت بخش موقع پر جبکہ چالیسویں سالگرہ اور بیسویں سال جلوس کے ختم ہونے کا جشن منایا جارہا ہے پیش کردں"۔

یہ الطاف آمیز تار اعلیٰحضرت کے لئے خاص خوشی کا باعث ہوگا اس لئے کہ فی الواقع پرنس اور پرنسس آف ویلز کی تشریف آوری حضور والا کی عمر اور تاریخ دکن ایسے ایک قابل یادگار سال میں ہوئی ہے ۔ جس میں حضور والا کی حسب خواہش عنقریب بحیثیت معزز مہمانوں کے آپ اپنے دار السلطنت میں ان کا خیر مقدم کریں گے ۔

اس موقع پر میری سرکاری ڈیوٹی ختم ہوتی ہے لیکن میری خواہش ہے کہ اپنی جگہ پر بیٹھنے سے قبل یورپین گروہ کی طرف سے جو مستقل یا عارضی طور سے حضور والا کے ملک میں سکونت پذیر ہیں دلی مبارکبادیں اس مسرت بخش سالگرہ کے موقع پر عرض کردں ۔ اعلیٰحضرت کی حکومت نے بقول لارڈ کرزن بہت سے فوائد ملک اور اہل ملک کو پہنچائے ۔ گو ہم آپ کی رعایا نہیں ہیں مگر آپ کے اوصاف کی قدر کرتے ہیں جو بحیثیت ایک حکمراں کے ظاہر ہو رہے ہیں اور اس خصوص میں آپ کی رعایا سے کچھ کم نہیں ہیں ۔ یہ حکمرانی ایسی خوبیوں سے بھری ہوئی ہے جس کے ہم شکر گزار ہیں ۔ میں اس موقع پر پبلک طور سے اپنا صحیح خیال ظاہر کرتا ہوں کہ حضور والا نے عمدہ طریقہ سے برٹش گورنمنٹ کی تاریخی دوستی اور

برٹش رعایا سے جو آپ کے ملک میں رہتی ہے اتحاد برقرار رکھا اگر اس دوستی کی نسبت میں یہ پیشین گوئی کروں تو بے جا نہ ہوگا کہ جب تک دونوں گورنمنٹیں قایم ہیں وہ روزافزوں رہے گی۔ اب میں سب کی طرف سے حضور والا کے ازدیاد عمر و صحت واقبال کا خواستگار ہوں۔

اعلیٰحضرت کا ارشاد

(آنریبل مسٹر بیلی رزیڈنٹ کی اسپیچ کے جواب میں)

مسٹر بیلی اور حاضرین۔

یہ دوسرا موقع ہے جس میں سر دربار میں اپنے برٹش دوستوں اور خیرخواہوں کی مبارکباد لینے کھڑا ہوا ہوں۔ پہلا موقع وہ تھا جب کہ بیس سال قبل مارکویس آف ریپن ارل رابرٹس۔ اور دیگر معزز دوستوں کی مبارکباد لینے کو دربار میں کھڑا ہوا تھا میں خیال کرتا ہوں کہ پہلا دربار ایک طور سے موجودہ دربار کا نقش اول تھا اس لئے کہ اس دربار میں محترم مارکویس کی مہربانی آمیز نصیحت نے میرے نقش دل ہو کر مجھے اپنی رعایا کے واسطے خود کو وقف کرنے پر آمادہ کیا۔ میری چالیسویں سالگرہ جس کی خوشیاں میری رعایا اس قدر عقیدتمندانہ جوش سے منا رہی ہے۔ اس تقریب میں آپ کی بڑی مہربانی ہے کہ آپ مجھے مبارکباد دینے کو یہاں آئے ہیں۔ آپ نے اسطور پر جو ہمدردی میری رعایا کے ساتھ اور اپنی ہوا خواہی میرے ساتھ ظاہر کی ہے اسکی میں بہت قدر کرتا ہوں۔

کسی نہ کسی طور سے خلایق کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرنے میں ایک خالص خوشی حاصل ہوتی ہے۔ یہ خوشی المضاعف ہو جاتی ہے اگر اس

کوشش میں کسی قدر کامیابی ہو۔ لیکن خوشی سے چند ہو جاتی ہے جب معلوم ہو کہ اپنے بہترین دوست اس کامیابی کو پسند کرتے ہیں۔

آپ کی مہربانی آمیز مبارکبادوں سے جو گرمجوشی کے ساتھ ادا کی گئی ہیں۔ مجھے آج حسب دستور سے کئی خوشی حاصل ہوئی ہے۔ اور میں آپ سب کا دلی طور سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

خدا کے فضل سے جو کچھ میں گزشتہ بیس سال میں کر سکا وہ یہی ہے کہ بتدریج چند اصول قائم ہوئے جو عمدہ انتظام کے باعث ہیں مگر میرے اور میرے عہدہ داروں کے لئے جو اہم کام درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ان اصول کی جس غرض سے کہ وہ قائم ہوئے ہیں ٹھیک اس کے مطابق عمل میں لانے کے موثر ذرائع اختیار کئے جائیں مجھے قوی امید ہے کہ اپنے اس کام میں میرے دوست مسٹر بیلی کے بیش بہا مشورہ کے علاوہ آپ تمام صاحبوں کی ہمدردی و خیر خواہی کا پوری طور سے مورد رہوں گا۔ اس سے یقیناً میرے مشکل کام میں بڑی آسانی ہوگی۔

ہز اکسلنسی لارڈ کرزن کا مہربانی آمیز پیام وصول کرنے میں مجھے نہایت خوشی ہے۔ ان کو میری ریاست اور میری بہبودی کے ساتھ جو دلچسپی ہمیشہ رہی اس کا میں اعتراف کرتا ہوں۔

میں ہز اکسلنسی لارڈ منٹو کی مہربانی آمیز مبارکباد کا بھی بہت ممنون ہوں اور ہیز رائل ہائنس پرنس ویرنسس آف ویلز کے نہایت مشفقانہ پیام کی نسبت میں کیا کہوں۔ ہیز رائل ہائنسز نے جس اخلاق کے ساتھ مبارکباد ادا فرمائی ہے اس سے میرا دل نہایت اثر پذیر ہوا۔ تاج برطانیہ کو ہم ہر وقت نہایت ہی احترام و اکرام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ہیز رائل ہائنسز کے اس پیغام نے

میرے اور میری رعایا کے رشتہ اتحاد کو تخت برطانیہ کے ساتھ ہمیشہ سے بھی زیادہ استوار کر دیا ہے میرا دل اسوقت اس قدر خوشی سے بھرا ہوا ہے کہ اپنے خیالات کو زبان سے بیان نہیں کرسکتا۔ اس لئے اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں اور مسٹر ہلی سے درخواست کرتا ہوں کہ میرا دلی شکریہ ہز رائل ہائینس پرنس و پرنسس آف ویلز کے پاس اور نیز ہز اکسلنسی لارڈ کرزن اور لارڈ منٹو کے پاس پہنچا دیں۔

خاتمہ تقریر پہ عطر و پان تقسیم ہوا۔ اس کے بعد حاضرین نے افضل محل میں جہاں گارڈن پارٹی قرار پائی تھی فواکہات تناول کئے اس سے فارغ ہونے پر رزیڈنٹ بہادر مع افسران فوج سکندر آباد رخصت ہو گئے۔ باقی درباریوں نے حاضر رہکر نذریں پیش کیں منجملہ ان کے چند صاحبوں نے علاوہ نذر معمولی کے چند چیزیں بھی بطور نذر گزرانی جن کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

سر معین السلطنتہ مہاراجہ مدار المہام بہادر۔ اور حضرت سید احمد بغدادی نے ایک ایک راس گھوڑا۔ نواب محمد معین الدین خان بہادر نے "پرورش باغ" واقع کوہ بابا شرف الدین قدس سرہٗ۔ نواب یوسف علی خان سالار جنگ ثالث نے اپنے ہاتھ کی کھینچی ہوی تصویریں نذر کیں۔

اسی اثناء میں فری میسن لاج کی طرف سے ایڈریس پیش ہوا اور بہ حیثیت گرانڈ ماسٹر ہونے کے لارڈ ایمپتھل گورنر مدراس نے جو تار اس موقع پر دیا وہ مع جواب اعلیحضرت ذیل میں درج ہے۔

بخدمت ہز ہائی نس دی نظام حیدر آباد۔

فری میسنوں کی طرف سے جو اڈریس پیش ہوگا اس میں صدق دل سے مجھے بھی شریک تصور کیجئے۔ بہ حیثیت ڈسٹرکٹ گرانڈ ماسٹر ہونیکے میں حضور والا کا

نہایت شکرگزار ہوں کہ قلمرو حیدرآباد میں فریمسنوں کو آسایش حاصل ہے اور انکی حفاظت ہوتی ہے۔

تار کا جواب منجانب اعلیحضرت

۱۸ ردسمبر ۱۹۰۵ء

بخدمت ہز اکسلنسی لارڈ امپتھل مقام مدراس۔

میں نے نہایت خوشی کے ساتھ آپ کا تار پایا جو آپ نے بہ حیثیت ڈسٹرکٹ گرانڈ ماسٹر ہونے کے روانہ کیا ہے اور نہایت خوشی سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ مہربانی سے میرے ملک کے فری میسنوں کے اڈریس میں شریک ہوئے۔

طلبہ کا اڈریس

۲۲ر تاریخ کو سرکاری مدرسوں کے طلبہ کا جلسہ باغ عامہ میں ہوا صدارت پر شہزادہ ولیعہد بہادر تھے۔ مہاراجہ مدار المہام بہادر اور ملک کے تمام امرا شریک تھے۔ طلبہ کی ضیافت کے لئے ڈیڑھ ہزار روپیہ صرف ہوا

اسی دن شام کو اعلیحضرت نے خاصہ کی بگھی پر سوار مع جلوس شاہانہ راستہ میں دروازہ افضل گنج کا گھنٹہ گھر افتتاح فرمایا جو سرمایہ لوکل فنڈ سے تعمیر ہوا ہے۔ پھر فتح میدان میں تشریف لاکر وہاں کے گھنٹہ گھر کا افتتاح فرمایا جسے عام چندہ سے نواب افسر الملک بہادر نے بنوایا تھا۔ اس رسم کے بعد افسران فوج نے اعلیحضرت کی بگھی کے گھوڑے کھولدیئے اور خود محبوب اسٹینڈ تک گاڑی کھینچنے کی عزت حاصل کی۔

یہاں اعلحضرت نے بہ نفس نفیس اسپورٹس میں جیتنے والوں کو انعامات تقسیم فرمائے۔ اس کے بعد افسران فوج کی لیڈیوں نے نذریں۔ گلدستے پیش کئے اس گارڈن پارٹی میں رزیڈنٹ بہادر۔ اسسٹنٹ رزیڈنٹ اور سرکار عالی کے تمام دیسی عہدہ دار موجود تھے۔ ۲۳ تاریخ کو باغ عامہ میں جو جلسہ ہوا وہ نہایت دلکش تھا۔ روشنی سے تمام سڑکیں بقعہ نور بنی ہوئی تھیں۔ راستہ میں جتنی کمانیں تھیں سب جھاڑ فانوس اور شیشہ آلات کی روشنی سے جگمگا رہی تھیں۔ گلزار حوض کے صراف کی چھت پر گویا روشنی کا باغ لگا ہوا تھا۔ افضل گنج دروازہ کی شان سب سے نرالی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دریائے موسیٰ میں نور کے حباب اٹھ رہے ہیں۔ یا آسمان سے ستاروں کی بارش ہو رہی ہے۔ اسی طرح باغ عامہ تک روشنی کے ٹھاٹھ تھے۔ باغ عامہ کی آراستگی اور روشنی رشک باغ عدن تھی۔ پھاٹکوں کی روشنی سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ پھاٹک کے سامنے دکانوں اور آدمیوں کا اژدحام تھا۔ انتظام قابل تعریف تھا۔ گاڑیوں کی آمد و رفت میں کوئی وقت نہیں ہوئی۔ نہ پیدل چلنے والوں کو کوئی تکلیف ہونے پائی۔ دربار ہال کے ٹکٹ پہلے ہی تقسیم ہو چکے تھے اور باغ عامہ کے اندر جانیکا ٹکٹ ۸ سے ۶ تک فروخت ہو رہا تھا۔ باغ روشنی کی افراط سے دریائے نور معلوم ہوتا تھا۔ بالخصوص دربار ہال کے سامنے کے چمن میں جہاں آتشبازی کا بھی سامان تھا روشنی کا عجب عالم تھا۔ خود دربار ہال برقی روشنی کی وجہ سے نور مجسم ہو رہا تھا۔

دربار ہال کی ترتیب اس طرح تھی کہ پانچ درجے سامنے کی جانب تھے جن میں بیچ کا درجہ بڑا تھا۔ ان میں دو طرفہ سرخ کپڑے سے منڈھی ہوئی بنچیں بچھی ہوئی تھیں۔ بقیہ تین درجوں میں کرسیاں تھیں ہر نشست پر ٹکٹ کے

تمبر پڑے ہوے تھے ۔ ہال کے صحن کے گرد دو گول کمرے تھے جن میں زیادہ ممتاز صاحبوں کی نشست تھی صحن میں تخت گاہ کی جگہ تھی ۔ اعلیحضرت کی جلوہ افروزی کے لئے گنبد نما تخت بنایا گیا تھا ۔ اس میں زردوزی کا کام زرد مخمل پر تھا ۔ اور اسپر ایک طلائی کرسی اعلیحضرت کے لئے اور ایک کرسی شہزادہ ولیعہد بہادر کے لئے تھی ۔ اس کی پشت پر ایک دو منزلہ گول کمرہ اور تھا جس میں محلات کی نشست کا انتظام کیا گیا تھا ۔

۸ بجے شب کو اعلیحضرت داخل دربار ہوے ۔ باغ کے پھاٹک سے دربار ہال تک فوجی افسروں نے گاڑی کھینچنے کا افتخار حاصل کیا داخلہ کے ساتھ ہی سلامی اتاری گئی ۔ اسوقت اعلیحضرت کا جاہ وجلال شاہانہ اور اہل دربار کا جوش دلی قابل دید تھا ۔ جب اعلیحضرت تخت پر متمکن ہو چکے تو چار امیرزادوں نے کمال ادب سے اڈریس کا کاسکٹ حضور میں پیش کیا اور ڈیڑھ سو معززین کا ڈیپوٹیشن جس میں ہر طبقہ کے افراد شامل تھے سامنے دست بستہ کھڑا رہا ہر ایک کو مہاراجہ مدارالمہام بہادر نے حضور میں پیش کیا اور سب نے نذر پیش کرنے کی عزت حاصل کی ۔ اس کے بعد مہاراجہ مدارالمہام بہادر نے روپیوں کی کئی کشتیاں اور سونے چاندی کے پھول فرق مبارک پر نچھاور کئے پھولوں کے ہار پہنائے اور حسب ایما رعایا کا اڈریس بلند آواز سے پڑھکر سنایا جو حسب ذیل ہے ۔

سپاسنامہ رعایائے دکن

بحضور لامع النور ۔ اعلیحضرت ۔ قوی شوکت ۔ قدر قدرت ۔ سکندر صولت ۔ دارا حشمت ۔ رستم دوراں ۔ ارسطوی زماں ۔ مظفر الدولہ

[illegible] الملک ۔ نظام الدولہ ۔ نظام الملک ۔ آصف جاہ ۔ نواب میر محبوب علیخان بہادر
فتح جنگ ۔ جی ۔ سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ جی ۔ سی ۔ بی ۔ ظل سبحانی فرمانروائے مملکت دکن
صانہا اللہ عن الشرور والفتن ۔

زباں کو ای دل منت پذیر دیاری ۔ کہ کر سکیں ہم ادا شکر حضرت باری
بقدر حوصلہ دل نہیں ہے ظرف مقال ۔ ہمارے نطق کو پیش آرہی ہے دشواری
خصوصاً آج کی رحمت خدائے برتر کی ۔ برس رہی ہے مثال سحاب آذاری
دلوں میں جوش زن اسکے کرم کے فوارے ۔ رگوں میں اسکی عنایت کی ندیاں جاری
دکن میں آج نہ خوشیاں ہنگیں لئے گھر گھر ۔ کہ جشن جوبلی شاہ کی ہے تیاری
یہ شاہ کا ہے چہل سالہ جشن سالگرہ ۔ خوشی سے جسکی ہے مسرور مملکت ساری
شرف ہے خاص یہ چالیسویں برس کیلئے ۔ ہزار سے ہے گران قدر لاکھ پہ بھاری
یہ سال وہ ہے نبوت کے قصر رحمت میں ۔ خدا نے خانۂ رحمت میں کی ہے گل کاری
یہ سال وہ ہے کہ عقل سلیم کو اس میں ۔ عطا ہوئی سپہ تجربہ کی سالاری
یہ سال شہ کو مبارک ہو جسکی ذات جمیل ۔ ہے زیب سروری و زینت جہانداری
میسر اس کے ہوا خواہ کو سرافرازی ۔ نصیب اسکے بد اندیش کو نگونساری
وہ شہریار کرم گستری شعار اس کا ۔ وہ تاجدار کہ اسکی روش وفاداری
ہے مذہب اسکا خطا پوشی اور جان بخشی ۔ ہے مسلک اس کا گہر ریزی و گہرباری
ہر اک طرح سے ہے منظور شاہ آصف کو ۔ نیاز مندی رعایا کی ناز بردار[illegible]

ہم فدویان عقیدت کیش وارادت مندان اخلاص اندیش کو جنہیں آستانہ
مبارک پر جبہ سائی کا امتیاز بوجہ اس خوش قسمت گروہ میں داخل ہونے کے حاصل ہے
جس کا چمن آرزو ہمیشہ توجہات شاہی سے جو باران رحمت ہیں سیراب ہوتا رہا ہے
اور جس کو بکمال عطوفت شاہانہ زبان فیض ترجمان سے عزیز رعایا کا معزز و مفتخر لقب

بے نظیر لقب عطا ہو چکا ہے۔ اس موقع پر کہ لفضلہ تعالیٰ سالگرہ مبارک کا جشن چہل سالہ منعقد ہوا ہے۔ جوش وفاداری اور وفور عقیدت شعاری کشاں کشاں بارگاہ فلک پایہ گاہ تک لایا ہے۔ کہ اخلاص و نیاز مندی کا حقیر ہدیہ اس مبارک تقریب میں تہنیت کے ساتھ پیش کریں اور عنایات بے غایات کی شکر گزاری میں رطب اللسان ہوں جو ذات والا صفات سے ہر طبقہ اور ہر درجہ اور ہر ملت کی رعایا پر مبذول ہوتے رہتے ہیں۔ ہر چند یہ نیاز و عقیدت کا ہدیہ پیش کش کرنا وہی صورت رکھتا ہے کہ بازار مصر میں جب حسن یوسفی کا شور ہوا تو بڑے بڑے خریداروں کے ساتھ ایک بڑھیا بھی کچے دھاگے کی انٹی لیکر پہنچی تھی۔ مگر ہمارے بادشاہ جم جاہ غریب نواز ہیں۔ مراحم شاہانہ سے بعید نہیں کہ ہمارا ہدیہ مختصر نظر قبول سے ملاحظہ فرمایا۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

سچ تو یہ ہے کہ جب ہم گراں بہا احسانات کا خیال کرتے ہیں جو باوجود ہماری ہیچمیرزی کے محض عطوفت شاہانہ و مراحم خسروانہ سے ہمارے شامل حال رہے ہیں تو ہمارا پیمانہ شکر گزاری ساغر امید کی طرح لبریز ہو کر چھلک جاتا ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر اس اہم فرض سے عہدہ برا ہوں۔ جب ہم نظر غائر سے دیکھتے ہیں تو ملازمان حضرت کی ذات بابرکات کو ایسے اعلیٰ صفات کا مجموعہ پاتے ہیں کہ شاہان پیشین میں اس کی کوئی نظیر مشکل سے مل سکتی ہے۔ سکندر کی ہمت و حکمت۔ دارا کی صولت و شوکت۔ مشہور ہے۔ نوشیروان میں عدل کی صفت خاص تھی۔ ہارون رشید فیض رسانی اور قدردانی میں گوئے سبقت لے گیا مامون رشید علم پروری سے ممتاز ہوا۔ خدا رکھے ہمارے بادشاہ گیتی آصف جاہ

ان سب صفات کا مجمع اور کمالات کا منبع ہیں۔ حقیقت میں حضرت کی ذات قدسی صفات اپنی آپ ہی نظیر ہے۔

رباعی

اعلیٰ ہے سکندر سے بھی پایا شاہا ۔۔۔ دارا سے فزوں ترا ہے رتبا شاہا
دائم رہے تخت و تاج تیرا شاہا ۔۔۔ سرتاجِ سلاطیں تجھے خالق نے کیا

اور جب یہ سوچا جاتا ہے کہ اکثر شاہان سلف کا طریقہ حکمرانی ذاتی شان و شوکت پر مبنی تھا اور ملازمان حضرت نے اس مقبول انام اصول کو رہبر طریق بنایا ہے جو فلاح دارین کا موجب ہے اور جس کا اظہار زبان فیض ترجمان سے ان دلپسند الفاظ میں ہوا ہے۔

آصف کو جان و مال سے اپنے نہیں دریغ
گر کام آئے خلق کی راحت کے واسطے

یہی وجہ ہے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک دیکھا جائے تو ہر فرد رعایا خواہ وہ امیر ہو یا غریب ہندو ہو یا مسلمان۔ پارسی ہو یا عیسائی۔ مزدور ہو یا مزارع۔ تاجر ہو یا صناع۔ فارغ البالی اور امن و آسائش کے ساتھ اپنے اپنے کام میں مصروف اور اپنے بادشاہ ظل اللہ کی مدح و ثنا میں تر زبان ہے۔

گردوں سے ہے برتر آستانِ عالی ۔۔۔ آصف کی بھی کیا شان ہے شانِ عالی
قائم رہیں میرے بندگانِ عالی ۔۔۔ با فتح و ظفر تا بہ قیامت اے شاد

اصول سیاست کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ بے تعصبی سے بڑھ کر استحکام سلطنت کے لئے کوئی شے ضروری نہیں ہے۔ اس سے زیادہ بے تعصبی

دنیا کی کونسی سلطنت ناز کر سکتی ہے کہ جس کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ اسلامی مساجد و معابد کی طرح ہندوؤں کے مندر۔ عیسائیوں کے کلیسا۔ اور پارسیوں کے آتشکدہ بھی قائم اور ان کے مصارف جاری ہیں۔ اور علمائے اسلام کی طرح پنڈت اور شاستری دستور اور پادری وظیفہ یاب ہیں۔ پھر اگر طبقہ ملازمت پر نظر ڈالی جائے تو اس طلسم کی کنجی صرف اعلیٰ قابلیت اور مقبول روش ہے اور جس شخص کو دسترس ان اوصاف تک ہو سکے وہ بلا لحاظ قوم و ملت اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ پر ترقی کر سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت کا خوان کرم اس قدر وسیع ہے کہ غیر ملک اور غیر ملتوں کے لوگ بھی اس سے یکساں متمتع ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ان کا وجود ملک و رعایا کے حق میں مفید ہو۔ ملازمان حضرت کی خوش نیتی اور دور اندیشی اور حسن تدبیر کی یہ ایک ادنیٰ مثال ہے کہ ملک محروسہ سرکار عالی کی آمدنی یا تو ابتداءً میں دو کروڑ تھی اور اب وہ دوگنی سے زیادہ ہو گئی ہے اور لطف یہ ہے کہ ہم جان نثاران دولت پر محاصل سرکاری کا بار زیادہ ہونے کے بجائے کم ہو گیا ہے اور جو اضافہ ہو گیا ہے اس میں سے ایک پیسہ بھی صرف بیجا کے نذر نہیں ہوتا بلکہ ایک ایک پائی ہمارے ہی صلاح و فلاح میں خرچ ہوتی ہے اور اسی حسن انتظام کا باعث ہے کہ باوجود افزونی اخراجات اس وقت خزانہ مالامال ہے۔ حالانکہ ۱۸۶۷ء میں بقول اخبار انگلش مین سرکار عالی کو نو لاکھ روپیہ کا بھی قرضہ ملنا دشوار تھا۔ عامہ رعایا کی فلاح اور ملک کی آبادی انتظام مالگزاری پر منحصر ہے اور اس کا صحیح اصول یہ ہے کہ شرح محصول کے منصفانہ اور معتدل ہونے کے ساتھ رعایا کو معین حقوق اراضی زیر کاشت پر حاصل ہوں تاکہ وہ نہ صرف اپنی محنت کا ثمرہ بلا غل و غش حاصل کر سکے بلکہ اپنے وسائل معاش کو بھی ترقی

دینے کی فکر کرے اور یہی ترقی دینے کے اسباب ہیں اور یہی وہ محکم اصول ہیں جس کو ملازمان حضرت اقدس واعلی نے بندوبست مرہٹواڑی اور تلنگانہ میں ہمیشہ پیش نظر رکھا ہے اور اس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ گو شرح محصول میں بجائے زیادتی معتدبہ کمی ہوئی ہے لیکن آمدنی دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ اور ملک ایک سرے سے دوسرے سرے تک گلزار ہو رہا ہے اور رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی حد کمال کو پہنچ گئی ہے اور انتظام آبپاشی جس میں سالانہ پچیس لاکھ روپیہ بے دریغ خرچ کئے جا رہے ہیں آمدنی کی افزونی اور رعایا کی خوشحالی کے نئے نئے راستہ کھول رہا ہے۔

حضرت کے زمانہ تخت نشینی کے بعد سے جو جو اصلاحیں عام طور پر کل ممالک محروسہ کے ہر ایک علاقہ میں ہوئیں۔ از انجملہ انتظام مالگزاری میں نہایت قابل اطمینان ترقی ہوئی۔ سنہ ۶۳ف تک تعہد کا طریقہ مروج تھا۔ سنہ ۸۴ف میں بذریعہ پٹواریان پیمائش کی کوشش کی گئی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر سنہ ۸۵ف میں باقاعدہ پیمائش شروع ہوئی اور آخر سنہ ۱۴ف تک اکثر تعلقات کا بندوبست ہوچکا ہے۔ جس سے بمقابلہ جملہ اخراجات تعدادی ۴۷ لاکھ کے تین کرور تیس لاکھ کا جملہ اضافہ ہوا اور سالانہ ۳۴ لاکھ کا دوامی اضافہ مدت بندوبست پندرہ سالہ ختم ہونے سے آخر سنہ ۱۴ف تک (۱۸) تعلقات میں ریویزن عمل میں آیا جس سے اور پانچ لاکھ کا اضافہ ہوا۔

مقبوضہ اراضی کا رقبہ اس مدت بست سالہ میں ایک کرور پچیس لاکھ سے ایک کرور بیاسی لاکھ تک بڑھ گیا۔ یعنے خشکی میں ایک نصف اور تری میں دوچند تک اضافہ ہوا جملہ مطالبۂ مالگزاری میں تخمیناً ۶۶ لاکھ کا اضافہ ہوا۔ یعنے سنہ ۱۲۹۴ف میں مطالبہ ایک کرور ۷۹ لاکھ تھا اور سنہ ۱۳ف

میں دو کرور ۳۹ لاکھ تک پہنچ گیا۔ ۱۳۰۹ ف میں ایک قحط عظیم چھا گیا تھا۔ ابتدائی زمانہ میں اعلیحضرت نے بمقام گلبرگہ شریف جو اسپیچ دی تھی اس میں ارشاد فرمایا تھا کہ اس سال بارش کی کمی کے آثار دیکھکر مجھکو بہت افسوس ہوا کہ غریب رعایا کو گرانی غلہ کی وجہ سے غالباً تکلیف ہو گی مگر میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اور میری رعایا و گورنمنٹ اس بات سے بے خبر نہیں ہیں اس زمانہ قحط میں جملہ ۴۴۸۱۹۸۴۹ مزدور ۲۴۳۰۳۲۰۷ متعلقین اور ایک کرور پچاس لاکھ چھتیس ہزار سات سو ساٹھ محتاجین و معذورین نے بحساب روزانہ پرورش پائی جس کا جملہ آٹھ کرور اکتالیس لاکھ ساٹھ ہزار آٹھ سو سولہ ہوتا ہے اور اس میں تقریباً اناسی لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ اس کے علاوہ بارہ لاکھ تقاوی دیگئی اور چندہ سے سوا لاکھ کی امداد کی گئی۔ اس تدابیر سے لکھوکھا رعایا کی جانیں بچ گئیں۔ چنانچہ ایکدن میں یعنے ۶ اسر امرداد ۱۳۰۹ ف کو محتاج خانہ جات اور کار ہائے امدادی میں سوا پانچ لاکھ اشخاص نے پرورش پائی جو سب سے زیادہ تعداد تھی جس وقت انتظام قحط کی رپورٹ ملاحظہ اقدس میں پیش ہوئی تو پیشگاہ خداوندی سے یہہ ارشاد ہوا کہ۔

مجھے بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ غربا اور قحط زدوں کو مدد دینے میں حتی الوسع کامیابی ہوئی ہے میرا مقصد یہی تھا کہ ہو سو ہو رعایا کی جانیں قحط سے بچائی جائیں کیونکہ میرا ہمیشہ یہی قول ہے ؎

آصف کو جان و مال سے اپنے نہیں دریغ گر کام آئے خلق کی راحت کیواسطے

دوسرے سر رشتہ جات میں بھی اسی طرح انتظام میں سہولت اور آمدنی میں اضافہ ہوا ہے چنانچہ آبکاری میں بیس لاکھ سے اڑتالیس لاکھ تک آمدنی پہنچ گئی۔ اس طرح سے افیون کی مد میں تین لاکھ سے قریب پانچ لاکھ تک اضافہ ہوا۔

قبل از ۱۳۱۳ف لوکل فنڈ وصول نہیں ہوتا تھا جس کی آمدنی ۱۳۱۴ف میں سولہ لاکھ ہوئی۔ سرکار نے براہ خسروانہ کل اضلاع تلنگانہ کی رعایا کو اس کی عام طور پر آزادی دی ہے کہ وہ اراضی خشکی میں قول (اجازت جدید) باؤلیاں کھودیں جن کا کامل فائدہ دوام کے لئے بلا اضافہ محاصل تیار کنندہ کو حاصل رہے گا۔

معدلت گستری حکومت کی جان ہے اور جس سلطنت کی بنیاد عدالت پر نہو وہ سلطنت نہیں قہر الٰہی ہے۔ یہی وہ اعلیٰ قوت ہے جس سے مظلوم ظالم کے پنجہ سے نجات پاتا ہے اور حقدار اپنے حق کو پہنچتا ہے اور عزت دار کی عزت اور مالدار کے مال کی حفاظت ہوتی ہے۔ پس اگر اس اعتبار سے عہد ہمایون کے برکات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یا تو ملازمان اعلیحضرت کے عنان حکومت ہاتھ میں لینے سے پہلے ممالک محروسہ سرکار عالی میں صرف چھ عدالتیں اور وہ بھی خاص بلدہ میں تھیں یا اب کوئی ایسا دور دراز تعلقہ بھی باقی نہیں ہے جہاں ذی لیاقت حکام دادگستری میں مصروف نہ ہوں۔ عدالتیں بلا خوف اپنے فرائض منصبی کو انجام دیتی ہیں سب ادنیٰ و اعلیٰ قانون کے سامنے برابر ہیں اور ایسا کیوں نہو ملازمان حضرت کا خود ارشاد ہے ؎

مجھ سے ہوگی نہ رعایت کبھی اس موقع پر
ترک انصاف کروں یہ مری عادت میں نہیں

اس غرض سے کہ قوانین نافذہ حالات رعایا و ملک کے مطابق ہوں ایک مجلس وضع قوانین کا تقرر کیا گیا ہے جس میں مختلف طبقہ جات رعایا کو حق انتخاب عطا ہوا ہے۔ حفاظت جان و مال رعایا اصول جہانبانی کا اہم جزو ہے اور ملازمان حضرت کی جو اس طرف توجہ ہے جو اس امر سے بخوبی ظاہر ہو سکتی ہے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی ایک زمانہ میں ڈاکوؤں اور رہزنوں کی جولانگاہ

سمجھا جاتا تھا یا اب اس امن و امان میں اس قدر ترقی نمایاں ہے کہ دوسرے اقطاع عالم سے اگر اس اعتبار سے آگے نہیں تو پیچھے بھی نہیں ہے۔ اور کیوں نہو جب کہ ہماری آنکھوں کے دیکھتے پولیس کا خرچ گیارہ لاکھ سے ترقی کر کے چالیس لاکھ تک پہنچ گیا ہے اور پھر بھی اضافہ کی ضرورت تسلیم کیجاتی ہے۔

علم نور الٰہی اور سرچشمہ حیات ابدی ہے۔ اگر علم نہو تو دنیا کی تاریکی جہالت سے ظلمات کو مات کرے۔ یہی وہ راستہ ہے جو سیدھا منزل مقصود کو جاتا ہے۔ اور یہی وہ زینہ ہے جو انسان کو بام مراد تک پہنچاتا ہے پس اگر کوئی ذریعہ انسان کے لئے منشائے فطرت کے پورا کرنے کا ہے تو وہ حصول علم ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حصول علم کے لئے ایسے وسائل ملازمان اقدس و اعلیٰ کی دوراندیشی روشنضمیری اور مدبری نے ممالک محروسہ سرکار عالی میں مہیا کئے ہیں جن سے ہر فرد بشر خواہ وہ کسی قوم وملت سے ہو۔ بیدریغ فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ تعلیم صرف دماغی نہیں بلکہ جسمانی اور اخلاقی بھی جو قوائے ظاہری و باطنی کو ترقی و ماغی کا ہمدم و دمساز بنا کر انسان کو انسان کامل کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا کر قومی ترقی کا موجب ہوتی ہے اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ ملک میں ہر طرف اشاعت علوم کا بازار گرم ہے اور ہر شخص دولت و تہذیب و شایستگی سے مالامال ہو رہا ہے اور پھر ممالک محروسہ سرکار عالی پر منحصر نہیں ہے بلکہ بمقتضاے اطلبوا العلم ولو بالصین۔ یہاں کے ہونہار طالب علموں کو سرکاری خرچ سے ممالک غیر کے مشہور درسگاہوں میں آبحیات علم سے سیراب ہونے کا موقع دیا جاتا ہے چونکہ اب عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ صرف دماغی ترقی قوم کو قوم بنانے کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ملازمان اقدس و اعلیٰ کی توجہ تعلیم صنعت وحرفت

کی طرف بھی بطور کافی ہے اور متعدد مدرسے نہایت مستعدی کے ساتھ افلاس کو ہمیشہ کے لئے معدوم کرکے عروج ترقی کی بنیاد ڈالنے میں مصروف ہیں۔ کیا یہ امر کچھ کم شکرگزاری کے قابل ہے کہ تعلیم کے اخراجات میں اس قدر سیرچشمی اور دریا دلی سے کام لیا جاتا ہے کہ یا تو ابتدا میں اس کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے بھی کم تھی یا اب آٹھ لاکھ تک پہنچ گئی ہے جو بجائے خود ایک معمولی ریاست کی آمدنی کے برابر ہے۔ غریبوں اور بیکسوں کی امداد۔ اور معذوروں اور مریضوں کا علاج ہمدردی انسان کا اعلیٰ جزو ہے اور چونکہ ملازمان اقدس واعلیٰ کی ذات بابرکات خیر مجسم ہے اس لئے خیرات ومبرات کی یہ کیفیت ہے کہ نہ صرف ممالک محروسہ سرکار عالی میں بلکہ دوردراز ممالک میں بھی ہزارہا بندگان خدا جو مکروہات زمانہ کی وجہ سے وقف مصائب وآلام ہیں حضرت کے نوال کرم سے حصہ پاتے اور وظیفہ دعاگوئی میں مصروف ہیں اور یہی وجہ ہے کہ تمام مسلمان حضور پرنور بندگان عالی کو اپنا سرتاج سمجھتے ہیں۔

قطعہ

سلطنت ہند میں قوم کے سرتاج ہیں
خسرو گردوں رکاب آصف عالی تبار

اپنے دوں کی مرادجن کو سمجھتے ہیں ہم
نازسے اپنا جنہیں کہتے ہیں ہم شہریار

دیلم وسلجوق کی شوکت وشاں کا سراغ
دبدبہ دہلی وقرطبہ کی یادگار

عقل وتدبیر کی روح لطف وعنایت کی جاں
محفل احسان کی شمع باغ کرم کی بہار

سرمۂ چشم خرد غازۂ روئے ہنر
زینت شان وشکوہ رونق عزو وقار

معدن جود وسخا مخزن بذل وعطا
مظہر شان خدا سایۂ پروردگار

ان کی کرم گستری اپنی وفاداریاں
قوم کے دل پر ہے نقش ملک پہ ہیں آشکار

مریضوں کے علاج اور بیمارداری کے لئے چھوٹے دیہات میں بھی دواخانے موجود ہیں جہاں ہر سال سات سات لاکھ مریض زیر علاج رہکر دولت صحت سے مالامال ہوتے ہیں۔ دواخانوں کے قیام میں نہ صرف اصول جدید سے مدد لیگئی ہے بلکہ ان قدیم اصول کا بھی ایک حد تک رواج قایم رکھا ہے جو امتداد مدت کی وجہ سے اہل ملک کے طبایع پر حاوی ہوگئے ہیں یعنے دواخانہ جات ڈاکٹری کے ساتھ یونانی دواخانوں کا قیام بھی لازمی سمجھا گیا ہے۔ سب سے بڑی چیز جس سے ملازمان اقدس واعلیٰ کی رحم دلی ثابت ہوتی ہے۔ یہ ہے کہ لاوارث بچوں اور یتیموں کی پرورش اور تربیت کے لئے سلطنت کی طرف سے انتظام کیا گیا ہے کہ وہ آیندہ زندگی میں جماعت انسانی کے ایک مفید رکن بن سکیں۔ اور اس یتیم خانہ کو حضرتہ ملکہ وکٹوریہ آنجہانی کی یادگار قرار دیا گیا ہے جن کا رحم وکرم ضرب المثل ہے۔

حفظ صحت کا دارومدار صفائی پر ہے اور چونکہ بغیر صحت کے زندگی بیکار بلکہ وبال جان ہے۔ اس لئے ملازمانِ اقدس واعلیٰ نے علاج امراض کے انتظام کے ساتھ تندرستوں کی صحت قایم رکھنے کیلئے بھی ایسا ہی اہتمام فرمایا ہے اور نہ صرف بلدہ میں ایک مجلس صفائی مختلف طبقہ جات رعایا سے مقرر کی ہے۔ بلکہ اضلاع میں بھی مجالس لوکلفنڈ ہمہ تن اس کام میں مصروف ہیں۔ اور انکی کوششوں کا یہ نتیجہ ہے کہ اموات کی تعداد روز بروز مائل بکمی ہے اور امراض متعدی کا دورہ نیست ونابود ہوتا جاتا ہے اور بلائے طاعون جس نے ممالک قرب وجوار کے بڑے حصہ کو تباہ وتاراج کردیا۔ ممالک محروسہ میں وہ زور نہیں پکڑ سکی ہے جو اس کا خاصہ ہے بلکہ بفضلہ تعالیٰ ملازمان حضرت کے اقبال اور حسن تدبیر سے جا خاص

مستقر الحکومت اس بلائے بد کی دستبرد سے اس وقت تک بالکل محفوظ و مصئون ہو رہا ہے۔

ملک کی رونق اور دولت مندی کا انحصار ترقی تجارت پر ہے۔ اور تجارت کی ترقی بغیر وسائل نقل و حمل کی آسانی کے ممکن نہیں ہے۔ اور اس وجہہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ کرور ہا روپیہ کے خرچ سے ریلوں کا ایک وسیع سلسلہ جال کی طرح ممالک محروسہ میں پھیل گیا ہے جس نے نہ صرف ملک کو بڑی حد تک قحط کے پر آشوب مصائب سے محفوظ کر دیا ہے بلکہ ممالک محروسہ کی نادر پیداوار بھی مختلف اقطاع عالم میں پہنچانیکا سلسلہ قایم کیا ہے اور ہر طرف نئی نئی سڑکوں کی تیاری میں اسٹیم رولر سرگرم نظر آتے ہیں حالت فینانس کی اصلاح علی الخصوص بروقت پیش نظر اور اُس کی کوششیں ہر دم ملحوظ رہیں۔ چنانچہ جس وقت مرکوز خاطر ہوا کہ کفایت شعاری کے اصول کام میں لائے جائیں۔ اور غیر ضروری اخراجات تخفیف میں آئیں تو ہمیشہ اس پالسی کی حمایت کی گئی۔ باضابطہ حساب رکھنے کا طریقہ جاری کیا گیا موازنہ احتیاط سے مرتب ہونا شروع ہوا جو دقیق نظر سے جانچا جاتا ہے اور نہایت غور کے بعد منظور ہوتا ہے۔ بعد نفاذ اُس پر پورا عمل کیا جاتا ہے۔ اور منظوری کی حد سے کوئی تجاوز نہیں ہونے پاتا۔

سکہ ریاست کو جو سرسبزی تجارت ملک کی جان اور اس کی مالی بہبود کا روح رواں ہے دوسرے قالب میں لاکر ایسا کر دیا ہے کہ سرکار اور رعایا دونوں کے حق میں مفید ہے اور بٹاون کے مافوق العادات اُتار چڑھاؤ جو تجارت ملک کی ترقی کا مانع و مخرب تھا دفع کر دیا ہے۔

مسافروں کیلئے ڈاک بنگلے جابجا تعمیر ہیں اور دفاتر کے لئے بہت

پرشوکت عمارتیں جو قلب انسانی پر رعب حکومت قایم کرتی ہیں تیار ہو رہی ہیں
ڈاک کی سہولتوں نے جو انتظام سرکار عظمت مدار کے ہم دوش ہے کاروبار
تجارتی کو اور بھی آسان کر دیا ہے اور ان تمام وجوہ سے تجارت میں ترقی
ہو رہی ہے۔ وہ افزونی آمدنی کرور گیری سے ظاہر ہے۔ سپہ پروری
شاہان اسلام کا جوہر ہے اور جیسی قدر و منزلت اس پیشہ کے لوگوں کی
ممالک محروسہ سرکار عالی میں ہے کہ حقوق آبائی قابل تسلیم سمجھے جاتے ہیں
اس کی مثال کسی دوسری سلطنت میں نہیں ملسکتی فوج باقاعدہ بلحاظ حسن ترتیب
و قواعد دانی کسی ملک کی فوج سے پیچھے نہیں ہے اور افواج شہنشاہی کے لئے
باعث تقویت ہے۔

ملازمان اقدس و اعلیٰ نے روابط قدیم کے استحکام اور راستی وفاداری
کا ایک ایسا سبق دنیا کو پڑھایا ہے۔ جو بھلانے سے بھی نہیں بھول سکتا۔ یہ
ملازمان حضرت ہی کی دور اندیش پالسی اور بے ریا خلوص تھا۔ جس نے
امپیریل سرویس ٹروپس کی بنیاد ڈالکر دوسرے والیان ملک کو تقلید کا موقع
دیا اور برطانیہ عظمےٰ کے دشمنوں کو بتا دیا کہ بیرونی حملوں کے دفعیہ کے لئے
ایک ایک متنفس اپنا خون بہانے کے لئے موجود ہے یہ ہی سبب ہے کہ
تاریخ نے ملازمان حضرت کو وفادار دوست کا خطاب دیا اُسی کا اقتضا ہے کہ
ملازمان حضرت نے ہم غلامان خاص کو بھی مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا۔ ؎

سرکار دونوں رکھتے ہیں باہم جو اتفاق — یہ دوستی ہے سارے زمانہ پر آشکار
تم خیر خواہ دولت برطانیہ رہو — سمجھیں جناب قیصر ہند اپنا جاں نثار

اور ہم عقیدت کیشوں نے اس ارشاد فیض بنیاد کو اپنا حرز جاں بنایا ہے
نہایت مختصر بیان ان چند برکات کا ہے جو تمامی طبقہ جات رعایا سرکار عالی

کو ملازمان حضرت کے عہد ہمایوں میں حاصل ہوئے ہیں اور ہم معترف ہیں کہ ہم ان تمام تدابیر کا تھوڑا سا بیان بھی کریں جو ہماری بہبودی کے لئے ملازمان اقدس اعلیٰ وقتاً فوقتاً عمل میں لائے ہیں تو اس کے لئے ایک دفتر بے پایاں چاہیئے اور ہم نے یہ مختصر بیان بھی صرف اس غرض سے کیا کہ احسانات کی گرانقدری سے ہمارے اظہار شکر گذاری کی دشواری کا اندازہ ہو سکے ورنہ یہ فدویان کیش کہاں اور ادائے شکریہ کی کوشش کہاں سچ تو یہ ہے شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو۔ اس اڈریس کے ساتھ مجلس صفائی بلدہ اور تمام رعایا و تجار و ساہوکاران بلدہ و سکندرآباد و فوج باقاعدہ و بیقاعدہ و منصبداران و فرقہ مہدویہ اور راجگان سمستان و رعایا کریم نگر و اقوام کالیتھ و برہم تشتری و ممبران پارسی کمیونٹی و جاگیرداران و عہدہ داران و ملازمان کروڑگیری و رعایائے سکندرآباد و ملازمان فینانس و ٹرسٹیان علیگڑھ کالج و مدرسہ دیوبند و گتہ داران تعمیرات و تعلیمات و انجمن ندوۃ العلما کے اڈریس و قصائد نواب کرناٹک و اڈیٹر اخبار نیر اعظم و اڈیٹر اخبار نظام الملک مرادآباد بھی ملاحظہ اقدس میں پیش ہیں ہر فرقہ اور اقوام نے جو ممالک محروسہ سرکار عالی میں آباد ہیں۔ علیحدہ علیحدہ اڈریس ملازمان اقدس و اعلیٰ کے لئے موجب زحمت ہونیکے خیال سے پیش نہیں کئے ہیں۔ جوش وفاداری و خلوص سے ہر فرد بشر دوسرے کا ہمزبان ہے اس لئے صرف یہی اڈریس سب کے خیالات عقیدت و ارادتمندی کے اظہار کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔

اگر دوسری باتوں کا شکریہ ہم عملی طور پر جوش وفاداری خلوص سے کسی حد تک ادا کر بھی سکتے ہیں تو اس عنایت بے غایت کے شکریہ سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکتے ہیں کہ ملازمان اقدس و اعلیٰ ہر وقت و ہر لحظہ ہماری

صلاح و فلاح کے افکار میں مصروف رہتے ہیں ہم سوتے ہیں اور ملازمان اقدس واعلیٰ ہیں اور کرسی تنہائی۔ اگر کوئی مونس ہے تو شمع نیم شبی۔ اور اگر کوئی ہمدم ہے تو ہماری بھلائی کی فکر پس جبکہ ہم ایثار نفس کی ایسی اعلیٰ مثال دیکھتے ہیں تو ہمارا دل بے اختیار یہی چاہتا ہے کہ اپنی جان و مال فرق مبارک پر نثار کر دیں۔

یا اللہ تو اپنی رحیمی اور کریمی سے اس رعایا پرور بادشاہ کا فیض بار سایہ ہمارے سروں پر ابدالآباد تک قایم رکھ اور اس کو اس کے مقاصد دلی میں کامیاب کر اور فتحمند و با اقبال رکھ اور ہمیشہ اس کے ہواخواہ شاد اور اوس کے بدخواہ (اگر کوئی کمبخت ہو) پامال رہیں آمین ثم آمین ؎

خسروا گوئے فلک در خم چوگان تو باد | ساحت کون و مکاں عرصۂ میدان تو باد
ہمہ آفاق گرفت و ہمہ اطراف کشاد | حسن خُلق تو کہ پیوستہ نگہبان تو باد
زلف خاتون ظفر شیفتۂ پرچم تست | دیدۂ فتح ابد عاشق جولان تو باد
اے کہ انشائے عطارد صفت شوکت تست | عقل کل چاکر طغرا کش دیوان تو باد
جلوۂ طرۂ طوبیٰ قد دلجوی تو شد | غیرت خلد بریں ساحت ایوان تو باد
نہ تنہا ہمہ حیوان و نباتات و جماد | ہر چہ در عالم امر ست بفرمان تو باد
حافظ خستہ باخلاص ثنا خوان تو باشد | لطف عام تو شفا بخش ثنا خوان تو باد

بجواب سپاسنامۂ رعایا

مجھے سب سے اوّل خداتعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس کے فضل و کرم سے میں بیس سال اپنی عزیز رعایا کی صلاح و فلاح کے کام میں مصروف رہا۔

منم کہ دیدہ بدیدار دوست کردم باز
چہ شکر گویمت اے کارساز بندہ نواز

لیکن تعالیٰ شانہ کا شکر (دل سے ماننے کے سوا) زبان سے کون ادا کرسکتا ہے جو میں ادا کرسکوں گا۔ اس سے قاصر ہوکر میں اپنے ابنائے جنس کا شکریہ ادا کرتا ہوں کیونکہ من لم یشکو الناس لم یشکو اللہ؟

پس جس خلوص دل سے میری عزیز رعایا اور وفادار دوستوں نے اس ایڈریس میں اظہار عقیدت کیا ہے۔ اور جس جوش کے ساتھ سب ملک میری چہل سالہ سالگرہ کی خوشیاں مناتے ہیں اس کی قدر جس قدر کہ میں کرتا ہوں ؎

بگفتن راست ناید شرح عشقت   ولیکن گفتہ خواہم تا زباں ہست

اے میری عزیز رعایا

مجھے اس کا خیال نہ آیا تھا کہ میری چالیسویں سالگرہ کی کوئی غیر معمولی رسم و خوشی ہونی چاہیئے لیکن تمہاری طرف سے چند صاحبوں نے مجھے یاد دلایا کہ اس سال میری حکمرانی کے بیس برس کامل ہوئے۔ اور اصرار کیا کہ تمہاری عقیدتمندانہ آرزو پوری کیجائے اور تمہیں عام طور سے خوشیاں منانے کا موقع دیا جائے۔ جب کبھی میرے پاس اپنی عزیز رعایا کی تمنا کی بات آتی ہے۔ اوس سے انکار میرے نزدیک دشوار ہو جاتا ہے۔ اس لئے تقریب کی اجازت دی اور اب (جبکہ میں تمہارے جوش محبت کے ایسے نمایاں آثار دیکھتا ہوں تو) اپنے دل کو ٹٹولتا ہوں کہ مجھ میں وہ کونسی بات ہے جس کی وجہ سے تم مجھے اپنا محبوب سمجھتے ہو۔ بہت تجسس کے بعد میں اپنے میں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں پاتا ہوں کہ تمہارے چاہنے کی وجہ یہی ہے کہ

میں تم سب کو اپنے دل سے چاہتا ہوں جو محبت مجھے تم سے ہے اوس کی مقناطیسی کشش نے تم سب کی محبت کو میری طرف معطوف کیا ہے۔ دنیا میں اس سے زیادہ بہتر و خالص کوئی خوشی نہیں ہے جو محب اور محبوب ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور میں خدا یتعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آج تم کو اور مجھے ایسی خوشی نصیب ہے۔

اے میرے وفادار دوستو!

اس بیس سال میں تمہاری امن و آسایش تمہاری ترقی و بہبودی کیواسطے میں (اپنے سے جس قدر ہو سکا) کوشش جو کرتا رہا۔ اس کا نتیجہ (جیسا کہ تمہیں پایا گیا) تم نے اپنے ایڈریس میں بیان کیا ہے میں اس کوشش کا طریقہ بھی (جو میں نے اختیار کیا) دو چار فقروں میں بیان کر دیتا ہوں۔ اور یقین کرتا ہوں کہ تم سب اس کو اپنے کاروبار میں ہمیشہ ملحوظ رکھتے ہو اور رکھو گے۔ ؎

حدیث دوست نگویم مگر بحضرت دوست ‌ ‌ ‌ ‌ کہ آشنا سخن آشنا نگہدارد

مجھے سچی اور سیدھی بات کے سوا اور کوئی بات کبھی پسند نہ آئی میں کسی امر کا وعدہ بہت دیر اور مشکل سے کرتا رہا۔ لیکن وعدہ کر چکے بعد اس کا ایفا جلد اور پورا کرنا نہایت لازم سمجھتا رہا۔ کوئی بھی کام ادھورا یا بیدلی سے کرنے سے اسکو نہ کرنا ہی بہتر جانا اور جو کام کیا اس کو کامل ولد ہی کیساتھ پورا کرنے کی کوشش کی ہر مہم میں صبر کو مقدم رکھا اور ہر حال میں اپنی نیت اچھی رکھنے کی جد و جہد میں مشغول رہا۔ ؎

دو چیز حاصل عمرست نام نیک و ثواب ‌ ‌ ‌ ‌ وزیں چو درگزری کل من علیہا فان

یہی میرا طریقہ عمل رہا ہے۔ بے شبہہ یہ کوئی نادر و جدید طریقہ نہیں ہے

لیکن استقلال کے ساتھ اُس کی پیروی ایک عرصہ دراز تک التزاماً ہر وقت و ہمیشہ ہونا میں نے ناگزیر سمجھا اس طور سے کوشش کرنے میں مجھے ایسی کامیابی حاصل ہوئی ہے جیسا کہ تم سمجھتے ہو تو بیشک یہ میرے لئے باعث ناز ہے مگر ہمیں اس کو بھول نہ جانا چاہئے کہ دنیا میں کسی انسان کی کامیابی یا ترقی کبھی کمال کو نہیں پہنچ سکتی ہے۔ اگر میری ریاست کے امور اس بیس سال میں ایک حد تک ترقی پائے ہیں تو اس کے یہ معنے ہرگز نہیں کہ اُن میں اور زیادہ ترقی کی گنجایش نہیں یا مزید ترقی و بہبودی کے واسطے ہماری کوشش کم کردیجائے بلکہ جس طرح جب کوئی اچھی چیز زیادہ زیادہ ملتی جاتی ہے اس کو اور زیادہ زیادہ حاصل کرنے کے لئے انسان کی خواہش بڑھتی جاتی ہے اسی طرح اسقدر بہبودی کامیابی اپنی ریاست کی دیکھکر مجھے اور زیادہ ترقی و کامیابی حاصل کرنے کی خواہش ہوتی ہے تاکہ میری عزیز رعایا اور بھی زیادہ امن و آسایش سے اپنی اوقات بسر کریں گے جب تک خدا کے فضل و کرم سے مجھ میں اس کی طاقت رہے گی۔ میں ایسی کوشش سے کبھی باز نہ رہوں گا اور جب مجھے تم سے قوی امید ہے کہ تم سب حتی المقدور مجھے اس کوشش میں کمک دیتے رہنے سے کبھی دریغ نہ کروگے۔

اے میری عزیز رعایا اور وفادار دوستو!

بھروسا عجب شے ہے۔ انسان کے تمام کام بخوبی انجام پانا انسان کے باہمی بھروسہ پر منحصر ہے جو اتفاق کی جڑ ہے۔ رئیس و رعایا کی خوشنودی و خوشی کا دارومدار اسی پر ہے کہ رعایا رئیس کی ایمانداری پر بھروسا کرے۔ اور رئیس رعایا کی وفاداری پر اعتماد رکھے یہ تکیہ

اور مجھے جو خوشی کہ آج بافضال الٰہی حاصل ہے وہ محض اس باہمی بھروسہ کی وجہ سے ہے۔ اور جس حد تک کہ کامیابی ہمیں حاصل ہوئی وہ اس بھروسہ کا صلہ ہے جو ہم سب خدائے پاک کے فضل و کرم پر کرتے رہے اگرچہ محنت و کوشش کرنا ہماری ہمت پر منحصر ہے لیکن ہماری سعی نتیجہ بخش ہوتا فقط خدا کے فضل و رحمت کا اثر ہے۔

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافریست   راہرو۔ گر صد ہنر دارد توکل بایدش

۲۲ کی شام کو اعلیحضرت مع اسٹاف باغ عامہ میں رونق افروز ہوئے تمام راجگان اُمرائے عظام اور اعلیٰ عہدہ دار حاضر تھے۔

مہاراجہ مدارالمہام نے ٹاؤن ہال کی ضرورت پر مختصر تقریر فرماکر اعلیحضرت کے حضور میں سنگ بنیاد رکھنے کی استدعا پیش کی جسے اعلیحضرت نے شرف قبولیت عطا فرمایا اور اپنے دست مبارک سے مد محبوب ٹاؤن ہال کا بنیادی پتھر نصب فرماکر افتخار بخشا۔ بنیاد کے اندر ایک بوتل میں اخبار "مشیر دکن" اور موجودہ تانبے۔ چاندی۔ سونے کے شاہی سکے بطور یادگار بند کرکے رکھے گئے اس رسم کے ادا کرنے کے لئے یشب کے دستے کی تھاپی اور چونے کا نقروی طشت تھا۔

۲۳ کی سہ پہر کو حیدرآباد دکن اور سکندرآباد کے پارسی مرد اور عورتوں نے حاضر ہوکر اپنے مذہبی طریقہ پر صدقہ اوتارنے کی رسم ادا کی۔ اور حسن عقیدت سے پارسی لیڈیوں نے ایڈریس پیش کرنے کی عزت حاصل کی۔

۲۴ کی شب کو ایوان وزارت میں بزم قصائد خوانی ترتیب دی گئی۔ اعلیحضرت رات کے دس بجے رونق افروز محفل ہوئے۔ شاہزادہ ولیعہد بہادر

اور تمام اراکین اسٹاف نمبروار تھے۔ سواری کی کم و بیش وہی شان و شوکت تھی اور وہی سامان جلوس ہمراہ تھا۔ جو کہ مسجد میں تشریف آوری کے روز تھا۔ تمام امرائے دکن بھی شریک جلسہ تھے۔ اس بزم طرب میں نامی گرامی شعرا مثلاً طوبیٰ۔ گرامی۔ ضیا۔ گوہر۔ حالی۔ اثر۔ برتر۔ آصفی۔ ترکی۔ فہیم۔ اخگر۔ معلی۔ وردی۔ جلیل۔ اختر۔ شمسی نقی۔ سائل۔ مشاطر۔ ناجی۔ بیدل۔ وغیرہ کو قصیدہ خوانی کی عزت حاصل ہوئی۔

سب سے پہلے وزیر علی بادشاہ بہادر اور اُن کے بعد مدارالمہام بہادر نے گوہر مدح نچھاور کئے۔ پھر دوسرے شعرا نے باری باری گل افشانی کی۔ اور شعرا کو بنظر قدردانی و ہنر پروری نشست کا بھی افتخار بخشا گیا تھا۔

اعلیحضرت نے حافظ جلیل حسن جانشین حضرت امیر مینائی برد اللہ مضجعہٗ اور اختر مینائی خلف خدائے سخن مرحوم کے قصیدے کو بہت پسند فرمایا اور بہت کچھ ثنا و صفت کی بلکہ اس پر بھی اکتفا نہ فرما کر جب بزم شعرا برخاست ہوئی تو مدارالمہام بہادر کو اون کے ٹھہر لینے کا حکم دیا اور خاص طریقہ پر دونوں صاحبوں کے قصیدے دوبارہ سماعت فرمائے۔ اور مکرر داد سخن مرحمت فرمائی۔

باخدا عمر خضر ہو شہ آصف کو نصیب اس دعا کو دلِ عالم سے نکلتے دیکھا

آخر میں مہاراجہ مدارالمہام بہادر اور ممدوح کے اعزہ اور علاقہ داروں نے بارگاہ خسروی میں نذریں گذرانیں اور چار بجے کے قریب سواری اعلیٰ نے مراجعت کی۔

دربار عطائے خطابات

۲ ر ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ کو چو محلہ مبارک میں مغلیہ دربار منعقد ہوا جس میں

عہدہ داروں ۔ امیروں ۔ رئیسوں ۔ جاگیرداروں ۔ اور راجگان سمستان وغیرہ کی نذریں گذریں اور تقریباً پچاس معززین کو جن میں سے اکثر پہلے کے بھی خطاب یافتہ تھے مختلف درجوں کے خطابات بمراحم خسروانہ عطا ہوئے ۔

۳۰ ذیقعدہ کو رعایائے صرف خاص کی طرف سے علحدہ ایڈریس پیش ہوا اور اوس کا جواب بھی علحدہ عطا فرمایا گیا ۔ اوس کے اندراج کی عام رعایائے دکن کے مقابلہ میں چنداں ضرورت نہیں صرف علاقہ صرف خاص سے اعلیحضرت کو جو خصوصیت ہے اوس کا اظہار مقصود تھا ۔

جشن کے اخراجات

محبوب ٹاؤن ہال کے لئے علاوہ اُس ایک لاکھ کے جو اس پر اور صرف ہوگا اور جو کلفنڈ و عام چندہ سے فراہم کیا جائیگا	ایک لاکھ روپیہ
تالاب پر بھنی کی تعمیر کے لئے	۳۰ ہزار
بیت المعذورین کے لئے	۳۲ ہزار
تقسیم خیرات و پارچہ	۱۰ ہزار
تقسیم اماماں مساجد	۷۰۰ اسو
مساکین کو کھانا کھلانے کے لئے	۲ ہزار
آرایش و تعمیر دربار ہال	۵۰ ہزار
آتشبازی و روشنی	۲۰ ہزار
ایڈریس کا صندوقچہ اور طلائی کرسی جو رعایا کیجانب سے بارگاہ خسروی میں نذر دی گئی	۵۳ ہزار ۸ سو

مجوزہ جشن

اس جشن ہمایوں کے بانی مبانی یمین السلطنتہ سر مہاراجہ مدار المہام تھا تھے۔ جشن کا پروگرام شایع ہو چکا تھا کہ وفعۃً آپ کی اس چاہیتی جوان دختر کا انتقال ہو گیا جس کی عروسی کا سامان گھر میں پھیلا ہوا تھا۔ مگر آپ نے استقلال اور عقیدت کو ہاتھ سے نہ دیا۔ نہ تاریخ جشن بڑھائی نہ اپنے غم و الم کا اظہار فرمایا برابر انتظام جشن میں مصروف رہے اور جشن کے مراسم و تقریب پر خود کو ایسا رکھا کہ لوگ حیرت زدہ تھے۔ اور آپ کے صبر و ضبط طبیعت پر آفریں کہتے تھے۔

جشن ہمایوں اور نمایش

چہل سالہ سالگرہ کی تقریب میں نمایش کا انعقاد ایک عظیم الشان واقعہ حیدرآباد کی تاریخ میں ہے۔

سب سے پہلے اس کا خیال سر مہاراجہ مدار المہام بہادر کو پیدا ہوا اور پیشگاہ اعلیحضرت سے اسکی ڈائرکٹری کے لئے نواب لیاقت جنگ کے واسطے منظوری حاصل کی پہلے گمان تھا کہ نمایش صرف ملکی مصنوعات تک محدود ہوگی مگر ڈائرکٹر صاحب نے تحریک کرکے پیشگاہ خسروی سے بیرونی تاجروں کے لئے شرکت کی اجازت بھی حاصل کی۔

نمایش کے کام کا سلسلہ آغاز مہر ۱۳۲۱ ف سے شروع ہوا۔ اور اہتمام کے لئے ایک مختصر عملہ بھی مقرر کیا گیا۔ نمایش گاہ کے افتتاح کے لئے تاریخ ۲۰ جنوری سن ۱۹۱۲ء قرار پائی۔ اور یہ بھی طے پایا کہ خود بندگانعالی دست مبارک سے رسم افتتاح ادا فرمائینگے لیکن تاریخ معینہ کے چند روز پہلے اعلیحضرت نے شاہزادی صاحبہ کی سخت بیماری کے باعث مہاراجہ بہادر کو اس رسم کے ادا کرنیکی اجازت عطا فرمائی۔

چنانچہ انتظامات اور تیاری کے لئے وقت کم تھا اور بیرونی دوکانوں کو انکی صرف ایک ماہ قبل اجازت دی گئی تھی اس لئے خیال ہوتا تھا کہ شاید وقت مقررہ پر نمایش نہ ہو۔ اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں خلاف معمولی بارش بھی ہوئی جس سے بہت دقت ہوئی۔ لیکن ڈائرکٹر صاحب اور منتظمین نمایش کے حسن انتظام وسعی سے ہر ایک امر کی تکمیل وقت پر ہوگئی۔

۲۰ جنوری سے لوگوں کی آمد شروع ہوئی اور فیس داخلہ معاف کردی گئی۔
پانچ بجے کے قریب مہاراجہ مدار المہام بہادر برٹش رزیڈنٹ مع لیڈی صاحبہ جنرل

کمانڈنگ برٹش افواج معین المہامان ریاست ۔ و امرائے عظام تشریف لائے ولایت کے ودسیاح جو ہز رائل ہائینس پرنس آف ویلز کے ہمراہ آکر بلدہ میں تھے وہ بھی شریک جلسہ ہوئے۔
مہاراجہ مدار المہام بہادر نے اس موقع پر حیدر آباد کی صنعت و حرفت اور اسکی ترقی و تنزل کے اسباب پر ایک بسیط تقریر فرمائی ۔ اور بعد ختم تقریر منجانب اعلیٰحضرت رسم افتتاح ادا کی۔

تقریر افتتاح نمائش

اس وقت میں آپ صاحبوں کے سامنے جو رسم ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوا ہوں وہ اسی مبارک تقریب کے سہرے کی ایک لڑی ہے جو اب سے دو ہفتہ کے قبل شادی و بہجت سے ہمارے ولی نعمت کے فرق ہمایوں پر باندھا گیا وہ کون یعنے تقریب جشن جبلی سالہ مبارک۔
مجھے اپنی خوش قسمتی اور اپنی ذات پر ناز ہے ۔ اسکی دو وجہ ہیں ایک تو یہ کہ مجھے اپنے ظل سبحانی کے خادم اور فدائی ہونیکا فخر حاصل ہے دوسرے ایسے مبارک رسوم کو دیکھنے اور خوشی منانے ۔ اُس میں حصہ لینے اور اپنے مالک کی خوشنودی کا ثمرہ حاصل کرنے کیلئے بہت سے جانگزا صدمے اٹھاکر بھی بحمد اللہ تعالیٰ زندہ موجود ہوں ۔
بہر حال یہ واضح ہو کہ میں آج کے روز باتباع فرمان واجب الاذعان اعلیٰحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی نیابتاً موجود ہوں ۔ ہمارے آقائے ولی نعمت کے زمانہ حکومت میں جو ترقیاں ہر شعبہ میں ہوئی ہیں ان کا تفصیلی حال میں نے پیشگاہ خداوندی میں ۱۰ امرداد سنہ ۱۳۱۵ ف اڈریس پیش کرتے وقت عرض کر دیا ہے جسکو آپ سب حضرات نے اخبارات کے صفحوں میں مطالعہ کیا ہوگا ۔ لہذا اس جگہ اُس کا اعادہ تحصیل حاصل ہے ۔ اس موقع پر مجھے جو کچھ کہنا ہے وہ صرف ملکی صنعت و حرفت کے متعلق ہے جہاں تک نظر ڈالی جاتی ہے حیدر آباد میں اس وقت تک کوئی باضابطہ صنعت و حرفت کی نمائش

نہیں ہوئی البتہ ملکی شان و شوکت اور آرایش و پیرش کی نمائش وقتاً فوقتاً ہوتی رہی ہے جسکی شعاعیں اب تک پھیلی ہوئی ہیں۔

آپ صاحبوں کو معلوم ہے کہ دنیا میں جس قدر صنعت و حرفت اور علوم و فنون میں ترقیات ہوئی ہیں ان کا اصل اصول یہی تبادلۂ خیالات ہے۔ جس پر نمائشوں کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ نوع انسان کے تمام افراد ہمیشہ ایک دوسرے کے ایجادات و اختراعات سے مستفید ہوتے رہے ہیں اور اسی طرح چراغ جلتا چلا آتا ہے۔ پس ملکی ترقی کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ دنیا کی صنعت و حرفت کے نمونے پبلک کے سامنے ایک منظر عام میں پیش کئے جائیں تاکہ ہر شخص ایک دوسرے کی عقل خداداد سے فائدہ اٹھائے اور اس طرح رفتہ رفتہ تمام ملک شائستگی اور تمدن میں معراج کمال کو پہنچ جائے۔

آمدم برسر مطلب۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ سر سالار جنگ اول نے اپنے زمانہ وزارت میں بعض حصص ممالک محروسہ سرکار عالی کے اشیا فراہم کرکے بطور نمائش بارہ دری میں رکھے تھے۔ گلبرگہ میں اسی زمانہ میں جبکہ پہلے پہل حضرت خواجہ بندہ نواز کا عرس بہت دھوم دھام کے ساتھ کیا گیا تھا۔ صوبہ وار وقت نے اپنی سمت کے اشیا مستقر گلبرگہ میں فراہم کیے تھے۔ سنہ ۱۲۹۶ء یا سنہ ۱۹۰۸ء میں بمقام ملک پیٹھ جو نمائش ہوئی تھی وہ درحقیقت نمائش کی تعریف میں داخل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ وہ اس سامان کا ذخیرہ تھا جو شکاگو کے لئے تقریباً پچاس ہزار روپیہ کا ممالک محروسہ سرکار عالی اور بلدہ سے خرید اگیا تھا۔

حضرات جس سامان کو آپ لوگ ابھی دیکھیں گے وہ بہت جلدی میں فراہم کیا گیا ہے۔ اگر میرا یہ کہنا عذر لنگ نہ سمجھا جائے تو میں ضرور یہ کہوں گا کہ اس اگزبیشین کی تیاری کے لئے کافی مہلت نہیں ملی۔ اور تجار و صناعان و اہل حرفت ملک محروسہ سرکار عالی کو بھی پورا وقت سامان مہیا کرنے کے لئے نہیں ملا۔ لہذا اس اگزبیشین کو آپ مثل اس بچے کے سمجھیں جس کی عمر چھ ماہ سے زیادہ نہیں ہے۔

اگر ایسے صغیر سن بچے کے اعضا بظاہر کمزور ہوں تو اس کا نتیجہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آیندہ چل کر بھی اس کے اعضا ایسے ہی رہیں گے جیسا کہ اب آپ دیکھتے ہیں نہیں نہیں مثل مشہور ہے" روما ایک دن میں آباد نہیں ہوا"

ہمکو توی اُمید ہے کہ یہ اپنے شباب کے زمانہ میں اپنا رنگ روپ ایسا دکھائے گا کہ سب حیران رہیں گے اور ہم آپ بوڑھوں کی قطار میں بیٹھے ہوئے انشاء اللہ اس کے جلیل القدر نتائج اپنی آنکھ سے دیکھیں گے ۔

بعونہ تعالیٰ یہ خوشنما منظر اور مبارک مکان ہماری عمروں سے زیادہ قایم رہے گا اور ہم بھی شصت سالہ سالگرہ مبارک کی خوشیاں منانے کے لئے اپنی درازی عمر کے واسطے دعا کر رہے ہیں ۔ اگر ہاتھ پاؤں میں سکت باقی رہیگی تو پھر اس مبارک موقع پر حصہ لیں گے ۔ اگر خدا نہ کرے طاقت بڑھاپے کی نذر ہوئی تو خیر کانوں سے سُن لیں گے یا آنکھوں سے دیکھ تو لیں گے ۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اُس وقت کے لئے ہم نے اُس حافظ حقیقی کے ہاتھوں اپنی جان کا بیمہ کر دیا ہے ۔

اکثر رپورٹیں بیرونی اگزبیشنوں کی میری نظر سے گزری ہیں نمایش کے پورے انتظام کے لئے کم سے کم تین سال کی مدت کی ضرورت ہوتی ہے اور جو نمایشیں کہ بھاری اسکیل اور پیمانوں پر ہوتی ہیں ان کے لئے تو بہت ہی زیادہ مدت درکار ہے ۔ چنانچہ شکاگو کی اگزبیشن اور پیرس کے آخر اگزبیشن کے لئے دس دس سال پہلے سے تیاری ہو رہی تھی ۔ اور ان تمام تیاریوں کے بعد بھی پیرس کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں پورے طور پر فینانشیل کامیابی نہیں ہوئی چونکہ یہ نمایش جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے پہلی نمایش ہے اس لئے ابتدائی کاموں میں جو کمی رہ جاتی ہے ممکن ہے کہ وہ اسمیں بھی موجود ہو لیکن اس کمی کی تلافی اس عزت و افتخار سے ہوتی ہے جو اعلیٰحضرت کی چہل سالہ سالگرہ مبارک کی یادگار ہونے سے اس اگزبیشن کو حاصل ہوا ہے ۔

عرصہ تک اس بات کا خیال رہا کہ یہ نمایش ممالک محروسہ سرکار عالی کے صنائع و بدائع تک محدود کر دی جائے لیکن من بعد یہ مناسب خیال کیا گیا کہ مقامی صناعوں کو ان اشیائے بیرونی کے دیکھنے کا موقع دیا جائے جو ہندوستان کے مختلف مقامات میں تیار ہوتی ہیں۔ چونکہ اس خیال کی تکمیل کسی قدر دیر میں کی گئی اس لئے میرا گمان ہے کہ بیرونی دوکان داروں کو پورا وقت ہماری نمایش میں شریک ہونے کا نہیں ملا۔ چونکہ قریب قریب انہیں ایام میں مختلف مقامات پر نمایشیں ہو رہی ہیں یا ہونیوالی ہیں تو بیرونی دوکاندار متصلہ مقامات میں جانا زیادہ سہولت کا باعث سمجھتے ہیں۔ حیدرآباد کے متصل مقامات اور دیگر مقامات میں اکثر یورپ کی تجارت کا سامان رہتا ہے اور اس سے وہ غرض حاصل نہیں ہو سکتی جو میں نے اوپر بیان کی ہے۔ نہ کلوں کے بنے ہوئے سامان سے دستکاری کو کچھ مدد مل سکتی ہے۔ جو مقامات فاصلے پر ہیں ان لوگوں کے آنے میں تو اعد قرنطینہ کا بھی اندیشہ لگا ہوا ہے جسکی وجہ سے بہت سے اشخاص کشادہ دلی سے نمایش میں شریک ہونیکی جراوت نہیں کرتے۔

گورنمنٹ سرکار عالی نے نہایت فراخ حوصلگی سے وہ کل رعایتیں ملکی اور بیرونی دکانداروں کے لئے مہیا کر دی ہیں۔ جو ممکن تھیں۔ ملک محروسہ سرکار عالی کے کل مصنوعات اور اس اسباب پر جو نمایش میں داخل ہوگا درآمد برآمد پر محصول کروڑگیری معاف کر دیا گیا ہے بیرنی دکانداروں کے لائے ہوئے اشیار نمایش کے لئے بھی یہی رعایت رکھی گئی ہے۔ الا فروخت شدہ مال پر محصول کروڑگیری لیا جائے گا۔ ملکی دکانداروں کے ساتھ بھی رعایت کی گئی ہے کہ بشرط ضرورت ان کی آمد و رفت کا کرایہ ریل بھی نمایش فنڈ سے ادا کیا جائے۔ اور جہاں تک ہو سکے کرایہ زمین اور اشتال سے بھی سبکدوش کئے جائیں یہ رعایتیں ایسی ہیں کہ دور دور سے اہل حرفت اور اہل صنعت ملک محروسہ سرکار عالی نمایش میں جمع ہو سکتے ہیں۔ جبکہ انکی طبیعتوں میں تجارت کی طرف سے سستی اور طریقہ تجارت میں کمزوری پیدا ہو گئی ہے تو وہ مشکل سے اپنی طبیعت کو بدل سکیں گے یہی وجہ ہے کہ مقامی صناعوں میں جدت

نہیں ہے اُسی نمونے اور اُسی طریقہ پر ہر شئے تیار کرتے ہیں جو اُن کے آبا و اجداد اُن کیلئے ورا ثتاً چھوڑ گئے ہیں اور اگر اُن کو کوئی نمونہ نیا دکھا بھی دیا جائے تو اس میں اُن کو بہت دشواریاں نظر آتی ہیں اور نئی بات مشکل سے اُن کے ذہن نشین ہوتی ہے۔ یہاں کے صناعوں میں ورا سی کسر یہ بھی دیکھی گئی ہے کہ گو وہ کیسی ہی عمدہ شئے بنائیں لیکن اُن کی صنعت ایسی مکمل نہیں ہوتی جو بجائے خود نمونہ ہو سکے۔ اُن کی ہر ایک صنعت میں ایک نہ ایک ایسی کمی رہ جاتی ہے کہ جس کی نسبت یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کی فنشنگ اچھی نہیں ہے۔ چنانچہ رامنا زرگر سنگاریڈی نے ایک چہار مینار چاندی کا بنا ہوا بتوسط ڈائرکٹر صاحب میرے پاس بھیجا تھا۔ اس ماڈل کی تمام خوبیوں کو اور کام کی صنعت کو میناروں کی غیر تناسب طوالت نے چھپا دیا۔

جیسا کہ ہندوستان کے اکثر مقامات مختلف صنایع و بدایع کیلئے مشہور و معروف ہیں۔ اسی طرح حیدرآباد کے مختلف حصص بھی مشہور ہیں جہاں کہ مختلف قسم کے اشیائے دستکاری تیار کئے جاتے ہیں۔

جو رپورٹیں عہدہ داران مقامی کی میرے معاینہ سے گزری ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ صنعت و حرفت مقامی پر پہلے ہی سے کسی وجہ سے بُرا اثر پڑا ہوا تھا اور طاعون کی وجہ سے اور بھی زیادہ خرابی واقع ہوئی۔ خصوصاً اورنگ آباد میں جو کہ مقامی مصنوعات کے لحاظ سے مشہور رہا ہے بہت سے کاریگر اور صناع یا تو طعمۂ اجل ہو گئے۔ یا خانہ بدوش۔ مقامی صنعتیں اور حرفتیں خصوصاً بعض نادر اشیا جن کی ساخت کا علم کسی خاندان میں سینہ بسینہ چلا آتا تھا اُس خاندان کے تباہ ہونے سے گویا وہ صنعت و حرفت بھی نذیر زمین چلی گئی۔

گورنمنٹ نے نمایش کے اخراجات کے لئے جو رقم محدود کر دی اور جو اسکیل قرار دیا تھا اُس میں ایک یہ بھی تھا کہ پارچہ کی قسم میں سے بہت سے اشیا ایک ہی قسم

کے نہ بنائے جائیں۔ ہر ایک شئے کا نمونہ صنعت و حرفت کی جانچ پڑتال کے لئے کافی ہوتا ہے۔ چونکہ دستکاری میں جو محنت و مشقت ہوتی ہے۔ اُس کا لازمی نتیجہ قیمت کا اضافہ ہے اور بڑھی ہوئی قیمتوں کے اشیا پبلک قدر سے نہیں دیکھتی۔ آخر میں ایسے اشیاء کے مصارف کا بار نمائش پر پڑتا ہے لہذا ایک ہی قسم کے اشیا کی تعداد سے احتراز کیا گیا۔

گو دکان داران ممالک محروسہ سرکار عالی کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ اپنی اپنی دکانیں حدود نمائش میں لاکر لگائیں۔ لیکن اُن کے پاس کا معمولی تیار کیا ہوا سامان بازاری ہوتا ہے اور وہ اتنا نفیس نہیں ہوتا ہے جو نمائش کے لئے مناسب ہو سکے یہی وجہ تھی کہ بہت سا سامان نمائش سے خارج کر دیا گیا۔

نظام گیارنٹیڈ اسٹیٹ اور نیز دیگر ریلوے ہائے انڈیا کا میں ممنون ہوں کہ اُنہوں نے اس نمائش کے لئے کنسیشن دیا جس سے تجار کو اور بیرونی دکان داروں کو مال کے لانے میں بہت سہولت ہو گئی۔

نمائش کا جب خیال ہوا تو سب سے پہلے یہ غور طلب امر تھا کہ نمائش کس مقام پر کی جائے۔ مقام نمائش وسط میں ہونا اور ریلوے سے متصل ہونا اور ساتھ ہی اس کے سر سبز اور شاداب ہونا ضروری تھا اس لئے باغ عامہ سے بہتر موقع نمائش کے لئے کوئی خیال میں نہیں آیا۔ باغ عامہ میں سب خوبیاں موجود ہیں خصوصاً یہ مبارک مقام۔ گو اس کی اندرونی تقسیم پوری طرح سے نمائش کے قابل نہیں مگر عمارت دلفریب ہے۔ اس کام کے انجام دینے کے لئے میں نے مناسب خیال کیا کہ کوئی ایسا افسر تجویز کیا جائے جو نہ صرف محنتی ہو بلکہ وہ میرا قوت بازو ہو اور میرے خیالات کا پیرو اور خود بھی اس میں مذاق رکھتا ہو بہ ہمہ وجوہ میں نے اپنے دوست لیاقت جنگ بہادر کو اس کام کے لئے انتخاب کیا۔ میں بہادر ممدوح کے مذاق سے بخوبی واقف ہوں۔ ان کا معمولی مذاق اگر کوئی دیکھنا چاہے تو ان کا مکان جا کر دیکھے کہ

وہ بھی چکاگو کی نمایش گاہ کا ایک خاصہ چھوٹا سا اردوم ہے۔ میں بہادر متعـنز کی سعی اور محنت کا شکر گزار ہوں۔

دکن کی قدیم دستکاریاں

یوں تو دکن کی پرانی دستکاری کا حال ایلورہ کے غار اور اجنتا کے نقش و نگار اور ورنگل کے ستون سے بخوبی ظاہر ہے۔ لیکن علاوہ اس سنگی دستکاریوں کے سکیا متی یا بدھا کے زمانہ میں کالنگا کی ململ مشہور تھی۔ چنانچہ مسولیہ کی عمدہ ململ کا ذکر کتاب پری پلس میں جو ۲۴۷ء میں تصنیف کی گئی ہے موجود ہے۔ تلنگانہ کی اور دوسرے سوتی کپڑے زمانۂ دراز سے مشہور ہیں۔

مارکو پولو جس نے بارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کا سفر کیا اپنے سفرنامہ میں ورنگل کے مصنوعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اس ریاست میں بکرم نہایت عمدہ قیمتی اور مہین مثل مکڑی کے جالے کے بنتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا بادشاہ یا شاہزادی ہوگی جو اس کے پہننے سے خوش نہ ہو۔ اسی طرح اور بھی سیاحوں نے دکن کی صنعتوں اور حرفت کے متعلق اپنے اپنے سفرناموں میں ذکر کیا ہے۔ یہ ایک تاریخی واقعہ تھا جو اوپر بیان کیا گیا اس وقت سرکاری رپورٹوں سے جو کچھ مواد بہم پہنچ سکتا ہے اور بالعموم جہاں کا سامان اس وقت بطور نمونہ کے اس اکزبیشن میں ہے وہ یہ ہے

لوہا اور فولاد

ونذر دی۔ کمارپلی۔ ایراپلی۔ نرمل۔ ٹیگنندل۔ ابراہیم پٹن۔ کوتاپور۔ جنتل پیٹھ وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔

بیدری اشیا

مشہور برتن کی ایجاد ہندو راجگان بیدر کی طرف منسوب کیا جاتا۔ تھی ہے بیان کیا جاتا ہے

کہ سب سے پہلے بیدر کے ایک راجہ نے ایک گلدان بت کے سامنے رکھنے کے واسطے بنوایا تھا پھر اس کے جانشینوں نے اس میں ترقی کی اس میں شک نہیں ہے کہ یہ کام عمدہ ہوتا ہے لیکن قلمدان اور ڈبیوں کا حصہ اندرونی ناقص اور ترمیم طلب ہے۔ اس کی اصلاح کے متعلق مختلف لوگوں نے بارہا کوشش کی ہے مگر ناکامی نہیں رہی اور اس کی وجہ کیا ہے۔ میں اس وقت نہیں بتا سکتا۔

اس موقع پر بیدری سامان کا اسکیل بیان کرنا غیر مناسب نہ ہوگا جست کی قیمت اور ڈھالنے کی مزدوری بالعموم دو روپیہ کے حساب سے لی جاتی ہے اور (۸) انچ مربع میں ایک تولہ چاندی کا تار لگایا جاتا ہے۔ چاندی کے بٹھانے کی مزدوری (۹/) لی جاتی ہے اور یہ اختیاری امر ہے کہ جس قدر چاہو چاندی کھپاؤ۔

شطرنجی و قالین

شطرنجیاں اور قالین قدیم زمانے سے ورنگل کے مشہور ہیں دکن میں اس کی ایجاد کی حکایت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ سلطان حملہ آوروں کے ساتھ ایک مسلمان تھا جس نے اس کام کو ابتدا میں شروع کیا۔ قالین کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ ریشمی۔ سوتی۔ اونی۔ اور یہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۸۵۱ء میں انگلستان کی نمائش میں ریشمی قالین دکن کے بھیجے گئے تھے ان کی قیمت ایکسو پونڈ مربع گز تھی۔ ریشمی قالینوں کی معمولی قیمت ایکسو سے ڈیڑھ سو تک ہے۔

کپڑا

اورنگ آباد کا کپڑا۔ کمخواب ایک زمانے سے مشہور ہے لیکن بنارس کا مپٹیشن نے اس کی رونق کو دھیما کر دیا۔ اور سال گذشتہ کے طاعون نے تو بہت سے صناعوں کو

ناوک اجل کا شکار کر ڈالا۔ سنہ ۱۶ء میں ایک ایرانی سفیر شاہ گولکنڈہ سے ملنے کے لئے آیا تھا اور اتفاقاً اس کو چھ سال تک دکن میں رہنا پڑا۔ واپسی کے وقت دکن کے مصنوعات میں سے اورنگ آباد کے کمخواب کا ایک تھان بھی لیا تھا جس کی قیمت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس کی قیمت سے پانچ سال تک وہ اپنے کارخانہ کو چلاتا رہا سوائے کمخواب کے مشروع۔ ہمرو۔ جامہ وار۔ زربفت۔ کلابتون ریشمی کپڑے بھی تیار ہوتے ہیں۔

زرین ساریاں

زرین ساریاں ملک محروسہ سرکار عالی کے مختلف مقامات میں تیار ہوتی ہیں مگر آج کل ناراین پیٹ میں اس کی تجارت بڑھی ہوئی ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کے بنانے کا طریقہ جو پہلے سے رائج تھا اس میں حکام مقامی کی کوششوں سے اصلاح اور سہولت پیدا ہو گئی ہے۔ اس موقع پر اس قدر اور کہہ دینا غیر مناسب نہیں ہے کہ جبتک حکام مقامی ملکی صنعت اور حرفت کی طرف توجہ نہ کریں گے اسوقت تک کافی اصلاح نہ ہوگی۔ نمایش کے جہاں اور فوائد ہیں اس میں ایک فائدہ یہی مجھے مد نظر ہے کہ میں اس بات کا اندازہ کرسکوں گا کہ عہدہ داروں نے صنعت و حرفت کے متعلق اپنے اپنے مقامات میں کس درجہ توجہ کی ہے۔

رنگ نیل

ہنمکنڈہ۔ یلگندل۔ میدک۔ عالم پور میں تیار کیا جاتا ہے۔ اکثر اضلاع میں قدیم طریقہ بنانے کا موقوف ہوگیا ہے۔

تیل

تل۔ کرڈ۔ السی۔ کاریلا۔ ارنڈی کا تیل کولہو کے ذریعہ سے حیدرآباد ملک محروسہ کے تقریباً ہر ضلع کے بڑے قصبوں میں نکالا جاتا ہے۔ تیل نکالنے کے کارخانے اکثر جگہ

مثل اورنگ آباد۔ حیدرآباد وغیرہ کے چند سال سے قایم ہیں۔

عطر

ہر قسم کا عطر خس۔ روسہ۔ چنپا چنبیلی۔ صندل۔ اورنگ آباد و حیدرآباد میں تیار ہوتا ہے مگر لکھنؤ اور قنوج کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ البتہ کیوڑا یہاں کا ہر جگہ سے بہتر ہوتا ہے۔ اور دہلی لکھنؤ۔ قنوج کو یہاں سے جاتا ہے۔

چرمی کام

حیدرآباد اور اس کے اکثر حصص میں جوتے۔ ہارنس۔ زین۔ بندوق کے غلاف وغیرہ تیار ہوتے ہیں۔ رائچور۔ نارائن پیٹھ کے جوتے مشہور ہیں۔ جو ملایم ہوتے ہیں بیڑ ناندیڑ کی چھاگلیں مشہور ہیں۔

سونے اور چاندی کا کام

حیدرآباد۔ اورنگ آباد اور ملک محروسہ سرکار عالی کے اکثر اضلاع میں ہوتا ہے۔

چاندی کا کام

ملگندل۔ کریم نگر۔ اورنگ آباد کا مشہور ہے جو چاندی کے تار سے بنایا جاتا ہے۔
پیتل اور تانبے کا کام بھی نظام آباد اور سنگاریڈی میں اچھا ہوتا ہے۔

شراب

اکثر اضلاع میں مہوہ کی شراب بنائی جاتی ہے اور بلدہ میں دیگر فواکہ سے بھی تیار ہوتی ہے مگر یورپ کی شرابوں مثل وسکی۔ شاپین وغیرہ کے مقابلہ میں ادنیٰ قسم کی سمجھی جاتی ہے اور غالباً اسی وجہ سے دیسی شراب کی درآمد برآمد اور فروخت بھی

بمقابلہ ولایتی شرابوں کے کم مقدار میں ہوتی ہے۔

گڑ و شکر

حدود سرکار عالی میں گنّے کی پیداوار معتد بہ مقدار میں ہوتی ہے اور بہ نسبت حصہ تلنگانہ کے مرہٹواڑی کے حصہ میں زیادہ ہوتی ہے کہ اکثر مقامات میں گڑ اور شکر تیار کی جاتی ہے بیدری شکر شوالی اور راب زیادہ مشہور تھی۔ حیدرآباد میں حسین شاہ ولی کی درگاہ کے قریب شکر بنتی ہے۔ دکن کی شکر گو صاف نہیں ہوتی لیکن میٹھی زیادہ ہوتی ہے۔

کاغذ

اکثر مقامات میں بنتا تھا۔ اب صرف دو ایک کارخانے باقی رہ گئے ہیں اور وہ ناقص حالت میں گلبرگہ میں تیار کیا جاتا ہے۔ ان سب میں عمدہ کاغذی پورہ کا کاغذ ہوتا ہے جو دولت آباد کے قریب واقع ہے۔

لکڑی کا کام

نظام آباد و اورنگ آباد۔ بیگنڈل۔ گلبرگہ۔ کھمم میں ہر قسم کی لکڑی کا کام ہوتا ہے۔ صندل کے صندوق۔ قلمدان۔ عطردان۔ کھمم اور اورنگ آباد میں بنتے ہیں۔ اب حدود عادل آباد میں لاکھ کا کام اچھا ہوتا ہے۔

مٹی کے برتن

بھونگیر کے مشہور ہیں۔ رنگین چلمیں رائچور میں عمدہ بنتی ہیں۔ بچوں کے کھلونے مثل سانپ۔ بچھو۔ کتا۔ بلی۔ تیتر۔ بٹیر وغیرہ جالنہ۔ اورنگ آباد و نظام آباد میں عمدہ اور

دش وضع بنائے جاتے ہیں۔

کوئلہ

سنگاریڈی میں اطمینان بخش حالت میں نکالا جاتا ہے اور اس کی مانگ اکثر متصلہ ریلوے اور کارخانہ جات میں ہے۔

معدن طلا کا کام اس وقت بھٹی ضلع رائچور میں اچھی حالت میں چل رہا ہے اور مجھے توقع ہے کہ آیندہ چلکر اور بھی ترقی ہوگی۔

ملک محروسہ سرکار عالی میں دو تین مدرسے صنعت و حرفت کے ہیں مگر اورنگ آباد کا مدرسہ اچھی حالت میں ہے اور مجھے امید ہے کہ اس نمایش میں وہاں کے اچھے نمونے کا نظارہ ہوگا۔

جب تک محابس اضلاع کے کارخانہ جات کا مجملاً میں ذکر نہ کروں اس وقت تک میں اپنی اس تقریر کو مکمل نہ خیال کروں گا۔ جیسا کہ مجھے مقامی صنعت و حرفت کے انحطاط کا تاسف ہے اسی طرح محابس اضلاع کے کارخانہ جات کی ترقی سے مسرت ہے جہاں تک میں نے محابس کے کارخانہ جات دیکھے ہیں وہاں کا کام بہت عمدہ اور اچھی حالت میں ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا اطمینان کا باعث ہوسکتا ہے کہ ہز رائل ہائنیس پرنس آف ویلز کے کیمپ کیلئے جس قدر خیمہ جات کی ضرورت تھی وہ سب گلبرگہ جیل میں تیار ہوے اور یہاں کے خیموں کی مانگ باہر بھی ہورہی ہے۔ ورنگل جیل میں خاص فرنیچر اور دوسرے اشیائے ضروری عمدہ تیار ہوتے ہیں اور ذریعہ ساخت میں بھی عمدہ اصلاح کیگئی جس سے کام تیزی کے ساتھ چلتا ہے۔ یہ ساری ترقیات ہمارے اعلیحضرت خداوند نعمت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی کے عہد مسعود میں ہوئی ہیں۔ جیلوں کی صنعت کی ترقی میں مسٹر ہنکن نے بہت ساحصہ لیا ہے اور ان کی محنت اور ان کا مذاق اعلی درجہ کا ہے اس کے صلے میں میرا جی یہ چاہتا ہے کہ جس طرح قیدی

قیدخانوں میں مقید ہیں یہ میرے معزز دوست میری آنکھوں میں نظر بند اور دل میں مکین رہیں۔

لیڈیز جنٹلمین!

میں آپ صاحبوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس نمایش کے قایم کرنے سے میرا اصل مقصد کیا تھا اور میں اس سے کیا سودمند نتیجہ پیدا ہونیکی امید رکھتا ہوں اس کا جواب آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ اس سے میرا مقصود یہ ہے کہ میں اپنے ملک کی اُن تباہ شدہ صناعوں کی صناعی کو آپ کے روبرو پیش کروں جنکی صناعی ہمارے ملک میں ریل نکلنے کے اول اپنی آپ نظیر سمجھی جاتی تھی۔ نہیں نہیں بلکہ آج تک دوسرے ممالک کے قدر دان اس کی قدر کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جس وقت میں سال گزشتہ دورے کے لئے نظام آباد گیا تھا اُس وقت سے میرے دل میں یہ بات جمی تھی کہ میں ممالک محروسہ سرکار کے ہر ضلع یا کم از کم ہر صوبہ میں صنعت وتجارت کے مدارس قایم کروں۔ مگر میں نے مناسب یہ خیال کیا کہ قبل ازیں کہ مدارس قائم کئے جائیں پہلے ان تباہ شدہ خاندانوں کے نونہال جو آیندہ کی امیدوں کے پودے ہیں ان کو ان اشیاء کے دیکھنے کا موقع دوں جو ان کے آباؤ اجداد کی یادگار رہیں تاکہ اس سے ان کے قلوب میں شوق و ذوق پیدا ہو اور یہ تحریک میرے خیالات کی ممد معاون ہو جن کو میں دکھانا چاہتا ہوں۔ مختلف ممالک کے مصنوعات وغیرہ کا عشق ہمارے دلوں پر ایسا مسلط ہو گیا ہے کہ ہم سودائی بن گئے ہیں۔ قدیم ادویات اور قدیم نمونوں اور مصنوعات سے احتراز ہونے لگا ہے۔ اور ممالک غیر کے اشیا باعث فخر اور زینت سمجھے جانے لگے۔ اس کہنے سے میرا مطلب یہ نہیں کہ میں بھی سوادیشی بنجاؤں نہیں نہیں میرا تو مطلب یہ ہے کہ اول خویش بعدہ درویش اگر میری اس تقریر سے کسی کو مطلب ہوتا ہے تو میں جراءت کر کے یہ کہہ سکتا ہوں کہ سب سے اول ہمارے لارڈ کرزن

باتفاق کو۔ سواولیشی سمجھنا چاہیئے۔ غالباً ان کی پُر اثر تقریر دلی کے افتتاح نمایش کے وقت جو ہوئی تھی ابھی وہ دلوں سے محو نہ ہوئی ہوگی۔ ہم کو ان کی ہمدردی اور اُن کے نصائح گرانبہا کو کبھی نہ بھولنا چاہیئے۔ اگرچہ وہ اس وقت ہندوستان کو خیرباد کہکر ولایت جا پہنچے ہیں مگر ان کے احسانات ہمیشہ کے لئے ان کی یادگار اور ہمارے بکار آمد رہیں گے۔

لیڈیز اینڈ جنٹلمین!

میں نے اتنی دیر تک جو آپ کی سامعہ خراشی کی اس کی معافی چاہتا ہوں اور اب میں حسب فرمان اعلحضرت دام اقبالہم نمایش کا اعلان کرتا ہوں۔

مجھے امید ہے کہ یہ نمایش جس کا انعقاد بہبودی ابنائے ملک کی حقیقی اور دلی خواہش پر مبنی ہے۔ اگر زیادہ نہیں تو کم مقدار میں اپنے مقاصد کو ضرور پورا کرے گی اور میری سعی مشکور ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ و نستعین ؎

گردشِ چرخ بکام دو جہاں میخواہم
در دل است بہ ہر دل کہ تمنائی ہست

افتتاحی تقریر کے ختم ہونے پر تمام مہمانوں کو ریفرشمنٹ دیا گیا۔ اس قدر روشنی تھی کہ حصہ نمایش اور باغ جگمگا رہا تھا اسباب نمایش اسی مکان پر آراستہ کیا گیا تھا جو جشن جوبلی کے موقع پر ایڈریس ہال کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ اس ہال کا نقشہ دربار دہلی کے اس ہال کے نمونہ پر جس کا نام ایمفی تھیٹر تھا۔ ایڈریس کے وقت جہاں اعلحضرت رونق افروز رہے اور جس حصہ کو تخت شاہی کے نام سے موسوم کیا گیا تھا اس میں اعلحضرت کی قد آدم شبیہ مبارک رکھی گئی تھی۔ اس کے سامنے چاندی کا وہ خوبصورت کاسکٹ تھا جسے چاندی کے دو نفیس ہاتھی اپنی سونڈ پر اٹھائے تھے۔ اس کا سکٹ

میں روز جشن ایڈریس پیش کیا گیا تھا۔ تخت گاہ کے پر شوکت منظر سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا خود اعلیحضرت بہ نفس نفیس جلوہ گر ہیں۔ تخت کے ادہر ادہر چھوٹی چھوٹی توپیں اور نظام آباد کے پتلے جو ملکی صنعت اور تاریخ کے نمونے تھے قرینے سے رکھے ہوئے تھے اس سے شاہی تخت کی آرایش اور رونق بڑھ گئی تھی۔ تخت کے یمین و یسار جو ہال تھے ان کا طول ۲۳۰ فٹ عرض ۴۴ فٹ تھا۔ ہر ایک میں دس دس میزیں چار چار فٹ عریض اور آٹھ اٹھ فٹ طویل رکھی ہوئی تھیں۔ ان دونوں ہال کے اطراف ایک ایک میز اور تھی جس کا طول ۱۳۲ فٹ اور عرض ۴۴ فٹ تھا۔ ان پر تمام ملکی صنعت و حرفت کے نمونے لگائے گئے تھے۔ دیوار پر باشندگان حیدرآباد کے ہاتھ کی تصویریں آویزاں تھیں اس جگہ اورنگ آباد کا مشہور اور اعلیٰ ترین کمخواب۔ شال۔ ہمرو۔ بدری نقش کے ظروف۔ نظام آباد کا لاکھ کا کام کپل کے کھلونے۔ سنگاریڈی کے چاندی اور پیتل کے اشیا قابل دید تھے۔ مہاراجہ مدار المہام بہادر اور نواب یوسف علیخاں بہادر سالار جنگ ثالث کی تصویریں اور آئل قابل تعریف تھے۔ اسی حصہ میں اورنگ آباد کی نقرئی و طلائی چھپر کھٹ اور کرسیاں موجود تھیں جنکی قیمت چالیس ہزار روپیہ تھی۔ تخت کے بائیں جانب محابس اضلاع کے قالین۔ فرنیچر اور بہت سا سامان جو بطور مستعار نمایش میں رکھنے کے لئے امرائے بلدہ نے دیا تھا رکھا ہوا تھا۔ اس سامان میں وہ مشہور تاریخی زرہ بکتر بھی تھا جسے دکن کے مشہور جنرل تیغ جنگ مرحوم زیب بدن کیا کرتے تھے۔ اسے نواب شمس الملک بہادر نے براہ مہربانی نمایش میں رکھنے کے لئے دیا تھا۔ موسیو ریمنڈ جو نواب نظام علی خاں بہادر مرحوم کی فوج کا فرنچ کمانڈر تھا اور جس کی قبر آسمان گڑھ کے قریب واقع ہے۔ اس کے وقت کے قدیم یونیفارم ہتیار۔ گولی بارود کے نمونے بھی موجود تھے۔ نواب سلطان الملک بہادر نے خاص طور پر برف تیار کرنے کی کل۔ چائے دان۔ اور اپنی جاگیر کے بہت سے

کپڑے بھی دئے تھے اور نمایش کے اسی ہال میں رکھے ہوئے تھے۔ نواب سر آسمان جاہ بہادر مرحوم کا وہ مشہور پلنگ بھی تھا جو حیدر آباد ہی میں تیار کرایا گیا تھا۔ اس میں یہ صنعت تھی کہ چاروں پایوں پر دو دو مورتیں ہاتھ میں ساز اور پنکھے لئے ہوئے تھیں جو پلنگ پر بیٹھتے اور لیٹتے وقت ساز بجانے اور پنکھا جھلنے لگتی تھیں راجہ شیوراج بہادر اور راجہ رائے رایان بہادر نے اپنے یہاں کا قدیم سامان جو نمایش میں رکھنے کے لئے دیا تھا اسی ہال میں موجود تھا۔ تین چار شیشے کی الماریوں میں خاتونان دکن کی دستکاری کے نمونے رکھے ہوئے تھے جس سے یہاں کی بیگمات کی سوزن کاری کا کمال ظاہر ہوتا تھا۔ بہت سی بیگمات کے کاڑھے ہوئے اشعار اور طغرے موجود تھے جو نفاست اور خوبی میں اپنی آپ نظیر ہیں۔ یوروپین لیڈیوں کی کمیٹی نے جو ایسی دستکاری کی جانچ پر مامور تھی سب سے اول انعام ایک مسلمان خاتون کو دیا۔

ان الماریوں کے پہلو میں دوسری اقوام اور زنانہ اسکولوں کی دستکاری کے نمونے رکھے ہوئے تھے۔ ان الماریوں کے دونوں پہلو میں باہر سے آیا ہوا کمیشنی سامان میزوں کے سلسلہ پر لگا ہوا تھا اس کے دونوں جانب جو اسٹال تیار کئے گئے تھے اس میں بیرونی اشیا کی دکانیں تھیں۔ ممالک محروسہ سرکار عالی کا کوئی ضلع یا تعلقہ ایسا نہ تھا جس کے مصنوعات کے اعلیٰ نمونے یہاں نہ رکھے گئے ہوں مستعار اشیاء میں بہت سی نایاب اور تاریخی چیزیں تھیں۔

بیرونی دکانوں میں پنجاب سے لیکر سیلون تک کے جوہری اور زردوزی کام کرنیوالے مختلف صنعتوں کے اشیا لیکر آئے تھے جواہرات کی دو بڑی اور نامی دکانیں تھیں ایک رائے بہادر بدری داس کلکتہ کی۔ دوسری ٹھاکر کمپنی مدراس کی۔ رائے بہادر کی دکان میں ایک موتی کا مالا تھا جس کی قیمت للعہ لاکھ روپے تھی

سلسل موتی ساٹھ برس کی محنت میں رائے بہادر نے جمع کئے تھے۔ ٹھاکر کمپنی میں ٹیپو سلطان کے الماس کا سراپا تھا جو ایک بےنظیر اور لاثانی چیز تھی۔ کا تجی ل۔ بھگوانداس بمبئی کی دکان میں ایک ایران کا مشہور قالین تھا جس کی قیمت ۔۔۔ روپے تھی۔ جے پوری سامان میں ایک نایاب تلوار تھی جس کی قیمت ۔۔۔ تھی اسی طرح نگینہ اور سہارنپور کا چوبی فرنیچر۔ بنارس کا زردوزی کام۔ اکبرآباد کی سنگ مرمر کی چیزیں۔ دہلی کا زربفت کا کام بہت ہی خوشنما اور اعلیٰ کاری گری سے تیار شدہ موجود تھا۔ ہز رائل ہائینس پرنس آف ویلز نے نمائش ملاحظہ فرماتے وقت جواہر کی نسبت کہا کہ۔

"میں نے یورپ میں کسی ایک موقع پر اتنے قیمتی اور خوبصورت جواہر نہیں دیکھے" نمائش گاہ میں جس قدر سامان داخل ہوا اس کی مجموعی قیمت کئی کرور بیان کیجاتی ہے یہاں کی ملکی صنعت وحرفت کے نمونے ہی جمع کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ہر ایک شئے مثلاً کپڑا رنگسازی۔ چوڑیاں۔ زردوزی اور بہرکنی وغیرہ کی ساخت کا طریقہ بھی بتایا گیا تھا اسلئے ایک طرف تاگا اور چرخیاں لگائی گئی تھیں۔ اور دوسری طرف اورنگ آباد کے طلبہ مدرسہ صنعت وحرفت مختلف قسم کا ہنر دکھا رہے تھے۔ ان طریقوں کے بتانے میں ایسی باریکی سے کام لیا گیا تھا کہ ہر ایک چیز کی ساخت کا ابتدا سے انتہا تک اظہار ہو جاتا تھا۔ جیسے کپاس سے دھاگا اور دھاگے سے کپڑا بنا جانا۔ وحشی اقوام کے زیورات۔ لباس اشیائے خوردنی۔ اور موسیقی کے ساز بھی جمع کئے گئے تھے ممالک محروسہ میں جس قدر معدنیات۔ نباتات۔ اور پیداوار ہوتی ہے انہیں علٰحدہ علٰحدہ دکھایا گیا تھا۔ نیز ممالک محروسہ کے تقریباً دوسو قسم کی لکڑی کے نمونے تھے۔ اس کے علاوہ دماغی محنت کے نمونے یعنی ملکی تصنیفات۔ تالیفات اور تراجم بھی بذریعہ اعلان فراہم کئے گئے تھے۔ نہایت خوشخط قطعات بھی جو چوکھٹوں میں لگے ہوئے موجود تھے منجملہ ان کے میر شاکر علی صاحب مشہور خطاط کا آئینہ تھا جس پر

صاحب موصوف نے پوری گلستان لکھکر اپنا کمال دکھایا تھا۔ اسیطرح مولوی محمد علی صاحب کے قطعات اور مولوی عبدالخالق صاحب ملکی کے چہل بند خوشنما فریم میں موجود تھا۔ جو قابل دید تھا حیدر آباد میں جتنی قسم کی پگڑیاں اور دستاریں ہوتی ہیں ان کے نمونے بھی جمع کیے گئے تھے۔

نمایش کے ہال سے باہر تفریح طبع کے لیے بہت سے کھیل تماشے بھی موجود تھے جو افادۂ آمدنی کے خیال سے جمع کئے گئے تھے مثلاً نیو الفریڈ کمپنی۔ ہارمسٹن سرکس الپائن ریلوے۔ فائر فائٹنگ۔ میری گو راؤنڈ۔ اسکیٹنگ رنگ۔ ملٹری شو انگلش ٹیڈر باکنگ بکیشن۔ مصری قہوہ خانہ وغیرہ۔

ان میں سے دو چیزیں حیدر آباد کیا بلکہ ہندوستان کے لئے بھی نئی تھیں وہ لگ دی لوپ۔ یعنی ایک شخص بائیسکل پر بیٹھکر ۱۰۰ فٹ کی اونچائی سے ۲۰ فٹ کے مدور قلعہ میں سے ہوتا ہوا پچاس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے نیچے آتا ہے۔ بائیسکل سوار کا سر نیچے ہوجاتا تھا۔ اس وقت دیکھنے والے کو خوف معلوم ہوتا تھا اور بمشکل یقین ہوتا تھا کہ سوار صحیح و سالم منزل مقصود کو پہنچیگا۔ دوسری چیز الپائن ریلوے تھی جو ۲۰۰ فٹ کی اونچائی سے پاؤ میل کے قلعہ میں ٹرالی میں بیٹھکر انجن کے ذریعہ سے دوڑائی جاتی تھی۔

اس کے علاوہ ملٹری شو میں اصلاح تمدن کے جلسے ہوتے تھے اور ایکٹ کے ذریعہ سے قوم کو اصلاح رسوم عروسی وغیرہ کے متعلق توجہ دلائی جاتی تھی۔ نیز فوجی کرتب دکھائے جاتے تھے۔ ایام نمایش میں دو تین مشاعرے بھی ہوئے اور خواجہ الطاف حسین صاحب حالی نے لکچر دیا۔ عثمان ریڈنگ روم لائبریری بھی تھی جس میں اخبارات و رسالے موجود رہتے تھے۔ بمبئی کے نامی اور مشہور گرینڈ ہیڈلینی نے حدود نمایش گاہ میں ہوٹل کھولا تھا جہاں ہر قسم کا نفیس کھانا ملتا تھا۔ اس کے علاوہ اور قہوہ خانے اور اسلامی ہوٹل موجود تھے۔ جس میں آسانی کے ساتھ ہر شخص کھانا کھا سکتا تھا

حدود نمائش میں سواری کے لئے موٹر کار کا بھی انتظام تھا۔ بلارم سے نمائش گاہ تک اسپیشل ٹرین آتی جاتی تھی اور نمائش سے دس قدم پر ایک اسٹیشن بنایا گیا تھا۔ بعض اُمرا نے اپنے کیمپ نصب کئے تھے۔ شام کو روزانہ بینڈ بجتا تھا۔ اثنائے نمائش میں چاندان فینسی اور سائیکل بال بھی ہوا۔ ۹۔ محرم کو تمام حیدر آباد کے سوانگ جمع کئے گئے۔

ابتدا میں نمائش صرف ایکماہ کے لئے افتتاح کی گئی تھی مگر بعد کو بحکم خاص اعلیحضرت اس میں تین ماہ کی توسیع کی گئی۔ اس اثنا میں چھ مرتبہ اعلیحضرت کی سواری رونق افروز نمائش گاہ ہوئی اور حضرت اقدس و اعلی نے ہر شئے کو بنظر غور و تعمق ملاحظہ فرمایا اور اکثر چیزوں کے مقام اور طریقہ ساخت کی نسبت استفسار فرمایا ملکی مصنوعات میں سے اکثر چیزیں پسند ہوئیں۔ تین مرتبہ محلات مبارک نے بھی اعلیحضرت کے ساتھ نمائش ملاحظہ کی۔ دوران نمائش میں کئی مرتبہ عام طور پر زنانہ کا انتظام کیا گیا اور مینا بازار کی طرح تمام اشیا حدود نمائش میں جمع کئے گئے۔ پہلے روز ایک امریکن لیڈی نے اپنی جانب سے تمام خاتونوں کی دعوت چاء اور برف سے کی۔ زنانہ ہونے کے روز بڑا ہجوم ہوتا تھا۔ طبقہ اعلی و ادنی میں کمتر عورتیں ہوں گی جو اس میں نہ آئی ہوں۔ یوروپین اور پارسی لیڈیاں زنانہ کے دن اسٹال کی حفاظت کرتی تھیں۔ پردہ کا معقول انتظام ہوتا تھا۔ نمائش گاہ کے گرد بڑی قنات گھیر دیجاتی تھی اور پہرے کھڑے کردئے جاتے تھے۔ تقریباً چار لاکھ آدمیوں نے نمائش گاہ کی سیر کی اور ٹکٹوں سے چالیس ہزار روپیہ کی آمدنی ہوئی کل ۸۰ ہزار نمائش میں صرف ہوا۔ اگر چالیس ہزار آمدنی تنہا کردیجائے تو گویا چالیس ہزار خرچ ہوئے باہر کی دکانیں جو آئی تھیں ان کا سامان بہت کم فروخت ہوا۔

ممالک محروسہ سرکار عالی کا سامان

بیدر۔ بدری ظروف۔

ناندیڑ۔ سیلے اور کھادیاں وغیرہ

اورنگ آباد۔ زرین کپڑے۔ کمخواب۔ مشروع۔ ہمرو۔ کارچوبی اور گوٹہ کناری وغیرہ

گلبرگہ۔ کارچوبی اور نقرئی اشیا۔

نظام آباد۔ قلمدان۔ خوان۔ کشتیاں۔ لکڑی کے کھلونے۔ اور ہر قسم کے نقاشی اور چوبی کام اگر۔ مصالحہ کے خوشبودار زیورات۔ جو ایک عمدہ صنعت تھی۔

میدک۔ ریشمی کپڑے۔ نقرئی اشیا۔ مکہ مسجد اور چار مینار کا نقرئی نمونہ۔ لکڑی کی چھوٹی کرسیاں۔

عثمان آباد۔ متفرق کپڑے۔

محبوب نگر۔ ریشمی اور سوتی کپڑے۔ ساریاں۔ جاجم۔ دسترخوان۔ کمل۔ نری کی جوتیاں۔

رائچور۔ برتن۔ لکڑی اور مٹی کے کھلونے۔ شطرنجیاں اور کمل وغیرہ۔

بیڑ۔ ریشمی کپڑے۔ چرمی چھاگلیں۔ آہنی کپتیاں۔

ورنگل۔ قالین۔ شطرنجیاں۔ اسلحہ اور نقرئی اشیاء۔

نلگنڈہ۔ ریشمی کپڑے شال رومال وغیرہ۔ برنجی و گلی ظروف۔ کھلونے وغیرہ جو موضع بھونگیر کے بہت مشہور ہیں۔

کریمنگر۔ برنجی روشنی کے گولے۔ چاندی اور تارکشی کا کام۔ پوت کے کام کی چیزیں

عادل آباد۔ چوبی اور نقشی کھلونے۔ فولادی سامان از قسم چاقو۔ قینچی پیش قبض وغیرہ۔

مصنوعات بلدہ۔ صرفخاص۔ اشیاء نقرئی اور ریشمی کپڑے۔

مصنوعات علاقہ سمستان راجگان۔ ریشمی سوتی کپڑے اور ہتیار۔

مصنوعات علاقہ پائیگاہ۔ مختلف قسم کے کپڑے اور چوبی سامان۔

مصنوعات علاقہ شیپکاری - برنجی ظروف وغیرہ -

مصنوعات اسٹیٹ سرسالار جنگ - ریشمی کپڑے اور موضع کیپل کے شتونی نمونے -

مصنوعات محابس سرکار عالی - جیل گلبرگہ کے خیمے - جیل اورنگ آباد اور ورنگل کے قالین اور شطرنجیاں اور متفرق سوتی کپڑے -

مصنوعات مدارس صنعت و حرفت سرکار عالی - مدرسہ بیڑ و اورنگ آباد و جالنہ کے کپڑے کار چوبی اور نقرئی ظروف زنانہ مدارس سرکار عالی کی دستکاری کا ایک علحدہ اسٹال تھا اور اعلان کے بموجب باہر سے بھی قابل قدر نمونے آئے تھے -

اس کے علاوہ بہت سا بیش بہا سامان امراء و روسائے شہر سے عاریتہ لیکر نمائش گاہ میں رکھا گیا تھا. مثلاً. تصاویر و کتب. کھلونے. کرسیاں. مسہریاں - ہتھیار اور نقرئی سامان وغیرہ -

خاص حیدر آباد کی چھ دکانوں میں مختلف قسم کا اسباب تھا. مثلاً جواہر - ریشمی اور زرین کپڑے - طلائی اور نقرئی سامان - اسپنگ اینڈ ویونگ مل کے بنائے ہوئے سوتی کپڑے - بیرون جات اور ممالک غیر کے سامان سے حسب ذیل چیزیں تھیں -

مقام	تعداد دکان	تفصیل سامان
مدراس	۲	جواہر - گھڑیاں - نقرئی و طلائی اشیاء ظروف وغیرہ
بمبئی	۵	شیشہ آلات - جواہر - ریشمی اور زرین کپڑے وغیرہ
کلکتہ	۱	جواہر -
سیلون	۱	جھوٹے - سچے جواہر اور نگینہ وغیرہ
دہلی	۱۰	جواہر اور زردوزی کا بیش بہا سامان -
لکھنو	۶	اعلیٰ قسم کی چکن - کامدانی اور چاندی مٹی کے نہایت نفیس کھلونے حقے فروین وغیرہ -

بنارس	۱	ریشمی و زرین ساڑیاں
آگرہ	۱	سنگ یشب پر اعلیٰ درجہ کا کام۔ جواہرات اور زردوزی کپڑے۔
جیپور	۱	پیتل کا سامان از قسم فرنیچر وغیرہ۔ کھلونے اور قدیم ساخت کے قابل دید ہتھیار۔
نگینہ	۲	آبنوس کا نہایت عمدہ فرنیچر۔
امرتسر	۳	اونی اور ریشمی کپڑے زرین شالیں۔ نقرئی سامان۔ قدیم چینی کے ظروف۔ قدیم قلمی تصاویر۔
سہارنپور	۲	لکڑی کی کھدائی کا کام۔ از قسم فرنیچر خصوصاً چوبی اور نقشی پردے۔
مرادآباد	۱	مرادآبادی عام ظروف۔ برنجی ظروف مرادآبادی کام کے۔

ان دکانوں کے اسٹال علٰحدہ علٰحدہ نہایت خوش قطع اور قرینے سے بنائے گئے تھے ہر ایک اسٹال پر دکان کا نام اور مقام لکھا ہوا تھا اور ہر ایک چیز پر چٹھی ہوئی تھی جن پر چیز کا نام اور قیمت اردو۔ انگریزی میں درج تھی۔ کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی دیکھنے والا ہر ایک چیز کی قیمت نام اور مقام سے خود واقف ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ہر ایک اسٹال پر دوکاندار بھی موجود رہتے تھے اور امور مستفسرہ کا جواب دیتے تھے منتظمان نمائش کے علاوہ حفاظت کے لئے ہر جگہ پولیس کے سپاہی مقرر تھے جو اسباب کی پوری نگہداشت کرتے تھے جس سے کسی قسم کی بدنظمی نہیں ہونے پائی۔ ڈائرکٹر صاحب نمائش گاہ کا دفتر بھی حدود نمائش کے اندر تھا اور ہر شخص دریافت طلب امور کا جواب حاصل کرسکتا تھا کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی۔

ملکی سوداگروں کو محصول کروڑگیری (چنگی) قطعی معاف کر دیا گیا تھا۔ بیرونی تاجروں کے لئے یہ رعایت تھی کہ جتنا مال فروخت ہو اسی پر محصول لگایا گیا۔

طغیانی رود موسیٰ

سنہ ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء میں رود موسیٰ کی طغیانی سے طوفان نوح کی روایتیں حیدرآباد میں تازہ ہوگئیں۔ اس وقت حضور غفران مکان نے رعایا کی وہ دستگیری فرمائی جو اس خاندان عالیشان کی خصوصیت ہے۔

رعایا کی ہمدردی میں بہ نفس نفیس موٹر پر سوار ہوکر پرانے پل تشریف لائے۔ طوفان زوروں پر تھا۔ موٹر منجدھار میں پھنس گئی لیکن حضور کے وقار و تمکین میں کوئی فرق نہ آیا۔ ع۔ شیر سیدھا پیرتا ہے وقت رفتن آب میں۔ فدائیوں نے موٹر باہر نکالی۔ ان تمام راہ رو فدائیوں کو حضور نے روتخانہ قدیم (پرانی حویلی) پر طلب فرماکر پچاس پچاس روپے اور ایک ایک شیروانی لطف فرمائی۔

مصیبت زدوں کے لئے عام طور پر لنگرخانے کھلوادئے کپڑے تقسیم کرائے۔ مکانات بنوادئے۔ اور جب تک مکان تعمیر ہوں شاہی قصر و ایوان میں سب کو مہمان رکھا۔

تقریباً پچاس لاکھ روپے ان غریبوں کی دستگیری میں خرچ فرمائے۔

اس عہد حکومت میں تین مرتبہ قحط آیا۔ سنہ ۱۲۹۳ و ۱۳۰۳ و ۱۳۱۰ھ قحط میں حضور نے تخمیناً پونے دو کروڑ روپے سے ان قحطوں میں رعایا کی جان بچائی۔

وفات حسرت آیات

۱۴ رمضان سنہ ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء کو حضور غفران مکان رہگرائے عالم قدس ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

عمر شریف - ٦۴ سال

عہد حکومت - ۴۳ سال

اولاد امجاد - دس شاہزادے اور نو شہزادیاں - جن میں اکثر نے صغر سن ہی میں انتقال کیا -

حضور پرنور کی تخت نشینی -

حضرت غفران مکان کے بعد تاج و تخت سلطنت نے ہمارے حضور پرنور سے زیب و زینت پائی جن کے عہد مبارک سے دنیا کی تاریخ میں ایک نئے باب کا افتتاح ہوتا ہے - مزید ورق الٹیے اور آئندہ جلد میں تفصیل ملاحظہ فرمائیے -

ایا ریاض امانی بہ جود تو خرم — و یا جہان معالی بجاہ تو معمور
زمانہ حلم ترا چاکرے بود منقاد — فلک مثال ترا بندۂ بود مامور
بگیر عالم و برخور ز مملکت کہ نماند
برون ز چشم ثبات ز زمانہ ہیچ فتور

عمر شریف - ۴۶ سال

عہد حکومت - ۴۳ سال

اولاد امجاد - دس شاہزادے اور نو شہزادیاں - جن میں اکثر نے صغر سن ہی میں انتقال کیا - حضور پرنور کی تخت نشینی -

حضرت غفران مکان کے بعد تاج و تخت سلطنت نے ہمارے حضور پرنور سے زیب و زینت پائی جن کے عہد مبارک سے دنیا کی تاریخ میں ایک نئے باب کا افتتاح ہوتا ہے ورق الٹیے اور آئندہ جلد میں تفصیل ملاحظہ فرمائیے -

ایا ریاض امانی بہ جود تو خرم
ویا جہان معالی بجاہ تو معمور
زمانہ حلم ترا چاکرے بود منقاد
فلک مثال ترا بندۂ بود مامور
بگیر عالم و برخور ز مملکت کہ نماند
بروں ز خشم تبا و ز زمانہ ہیچ فتور